

ایک دردناک نثری مرثیہ، ایک ناقابل فراموش داستان

شیرخوارزم

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ  
اور تاتاری یلغار

مولانا محمد اسماعیل ریحان  
انتخاب اسلام جامعہ الرشیدیہ کراچی

[WWW.PDFBOOKSFREE.PK](http://WWW.PDFBOOKSFREE.PK)



# شیرِ خوارزم

## سلطان جلال الدین خوارزم شاہ

اور

## ہاتاری یلغار

ساتویں صدی ہجری میں عالم اسلام پر تاتاریوں کی ہولناک یلغار کا تاریخی جائزہ، سلطان جلال الدین منکبرتی خوارزم شاہ کے دفاعی کارناموں کا ولولہ انگیز تذکرہ، عالم اسلام اور حرمین شریفین کے تحفظ کی خونچکاں جدوجہد ایک دردناک نثری مرثیہ، ایک ناقابل فراموش داستان

مولانا محمد اسماعیل ریحان

استاد تاریخ اسلام، جامعۃ الرشید، کراچی



Cell: 0322-2151145, 0322-2855000  
E-mail: rehanbhai@gmail.com

## جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

اس کتاب کو کاپی یا جزوی طور پر بلا اجازت ناشر طبع کرانے یا اس کا کوئی حصہ بلا حوالہ نقل کرنے والے کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جاسکتی ہے۔

نام کتاب ——— شیر خوارزم، سلطان جلال الدین خوارزم شاہ اور تاتاری یلغار  
مؤلف ——— محمد اسماعیل ریحان  
طبع اول ——— محرم ۱۴۳۱ھ / جنوری ۲۰۱۰ء  
ناشر ——— منہل التراث اسلامی

رابطہ نمبر:

Cell: 0322-2151145, 0322-2855000  
E-mail: rehanbhai@gmail.com



بیت العزیز، پلاٹ نمبر 253، سینٹرل مسلم آباد، نزد ولیمین برج  
پرانہ گولیمار، سائٹ ٹاؤن، کراچی

## انتساب

ان جانبازوں کے نام جو

---

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ

---

کے جذبوں کے امین بن کر باطل کی ہمہ گیر یلغار کے سامنے  
آہنی دیوار کی طرح ڈٹے ہوئے ہیں





## تفصیلی فہرست

= آئینہ قرآن.....۱۳ = آئینہ حدیث، پیش گوئیاں.....۱۵ = کچھ اس کتاب کے بارے میں.....۱۷  
 = آئیے! سچائی تلاش کریں.....۲۳ = بنی اسرائیل کی تاریخ کے دو عظیم انقلابات.....۲۳ = تاتاری یلغار کی متواتر  
 شہرت اور ایک سوالیہ نشان، مسلمان حکمرانوں کی خطرناک غفلت اور سلطان جلال الدین کا کردار.....۲۷ = سلطان  
 جلال الدین کی جدوجہد اور ان کی حق تلفی.....۲۸ = سلطان جلال الدین کی حق تلفی کی وجوہات.....۲۹ = ایک اہم غلط  
 فہمی کا ازالہ.....۳۳ = سلطان جلال الدین حرین شریفین کے محافظ.....۳۴ = سلطان جلال الدین خوارزم شاہ تمام  
 اقوام عالم کے محسن.....۳۶ = آخری بات.....۳۶

### پہلا باب، خوارزم اور شاہان خوارزم.....۳۷

= خوارزم کا جغرافیائی و تاریخی خاکہ، خوارزم زمانہ قدیم میں.....۳۷ = خوارزم میں اسلام، کاٹ اور  
 جرجانیہ، اسلامی دور کے خوارزمی حکمران، سلطنت خوارزم کا پہلا آزاد مسلم حکمران انوشٹ گین.....۳۸ = قطب الدین  
 بن انوشٹ گین.....۳۹ = مظفر الدین آسنر.....۳۹ = ایل ارسلان، سلطان شاہ اور علاؤ الدین نکش، ترکان خطا  
 (قراخانیہ).....۴۰ = خلافت عباسیہ بغداد.....۴۱ = سلطنت شام و مصر.....۴۲ = غوری سلطنت.....۴۳  
 = اتابکان شیراز، سلاجقہ عراق، سلاجقہ روم.....۴۴ = اتابکان آذربائیجان، الموت، اربیل، سلطان علاؤ الدین نکش  
 کا دور حکومت، خلیفہ ناصر سے جھڑپ، ترکان خطا کی گوشمالی.....۴۵ = حسن بن صباح کے جانشینوں سے ٹکر.....۴۶ =  
 سیرت سلطان نکش، نکش کے غنودہ گزر کا ایک قصہ.....۴۷

### دوسرا باب، سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ.....۴۹

= علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی تخت نشینی، غوریوں سے ٹکر.....۴۹ = ترکان خطا سے معرکے، شان دار  
 فتح.....۵۰ = سید مرتضیٰ کی فراست، علاؤ الدین محمد دشمن کی قید میں.....۵۲ = اندرونی و بیرونی مہمات، ترکان خطا کی  
 آخری شکست، کشلوک خان سے جنگ چپاول.....۵۴ = غزنی پر قبضہ، ملکہ ترکان خاتون نظام مملکت میں ایک اہم  
 رخنہ.....۵۵ = زرعی خوشحالی.....۵۷ = صنعت و تجارت، معدنیات، شہریوں کی بودوباش.....۵۸ = مساجد،  
 اندرونی نظام، علمی سرگرمیاں، مناظر قدرت کا بے پناہ حسن.....۵۹ = متفاوت موسم، چند جغرافیائی وضاحتیں.....۶۱

## تیسرا باب، چنگیز خان..... ۶۴

= منگولیا کا سیاہ بادل..... ۶۴ = صحرائے گوبی کے بھوت، مغل..... ۶۵ = تموجین..... ۶۶ = تموجن کی پہلی فتح، اوٹک خان، قرولتائی، ختا (چین) پر حملے کا منصوبہ..... ۶۷ = پیش بندیاں اور جاسوسی، جنگ کا بہانہ..... ۶۸ = قراقرم میں سکونت، تاتاریوں کی تمدنی ترقی، یاسا کے قوانین..... ۶۹ = چنگیز خان کے حملے کا انداز، ظلم و ستم اور غارتگری، ہڈیوں کا پہاڑ..... ۷۰ = تاتاریوں کا مذہب، کشلوک خان کی سرکوبی، چین کے مسلمان..... ۷۱ = ضروری وضاحت..... ۷۲

## چوتھا باب، شہزادہ جلال الدین منکبرمتی..... ۷۳

= شہزادہ جلال الدین کی پیدائش، تعلیم و تربیت کا زمانہ..... ۷۳ = امام رازی رحمہ اللہ سے شرفِ تلمذ..... ۷۴ = عسکری تربیت اور احساس ذمہ داری، عوامی مقبولیت، جلال الدین کے سیاسی مخالفین..... ۷۵

## پانچواں باب، خطرات و حوادث..... ۷۷

= امت کے عمومی تنزل کے پانچ بنیادی اسباب..... ۷۷ = حب دنیا، فریضہ جہاد سے غفلت..... ۷۸ = دعوتِ الی اللہ میں کوتاہی..... ۷۹ = اعتقادی و نظریاتی فتن کی اثر انگیزی..... ۷۹ = باہمی انتشار، ایک اہل حقیقت..... ۸۰ = غیبی آفات..... ۸۳

## چھٹا باب، خوفناک پیش گوئیاں اور تاتاری یلغار کے اسباب..... ۸۴

= اہل اللہ کی پیش گوئیاں اور غیبی اشارے، شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کی پیش گوئی..... ۸۴ = سید مرتضیٰ شادیاخی کا ارشاد، پرندوں کی پکار..... ۸۵ = تاتاری یلغار کے اسباب، پہلی کڑی..... ۸۶ = شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کی آمد..... ۸۷ = خوارزم شاہ کا خلیفہ ناصر کی خلافت سے انکار، برف باری اور خوارزمی لشکر کی تباہی..... ۹۰ = ایک انوکھی مہم..... ۹۱ = سلطنت کی تقسیم، دوسری کڑی..... تاتاری فرماں روا کے گھناؤنے عزائم..... ۹۲ = تیسری کڑی..... چنگیز خان اور سلطان علاؤ الدین محمد کا معاہدہ..... ۹۳ = چنگیز خان کا تذبذب..... ۹۵ = چوتھی کڑی..... خلیفہ ناصر کی سازش، خلیفہ ناصر کی مجلس مشاورت..... ۹۶ = تاریخ کا خفیہ ترین خط، علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کی گواہی..... ۹۷ = پانچویں کڑی..... خوارزم شاہ کی حماقت، پراسرار قافلہ..... ۹۸ = تاتاری قاصد کا قتل..... ۱۰۰ = استعماری طاقتوں کی جارحیت کا یکساں انداز..... ۱۰۲ = چنگیز خان کی منصوبہ بندی اور جاسوسی نظام..... ۱۰۳ = شیعہ اور باطنی فرقے کی غداریاں، خلیفہ ناصر کے تشیع کا ثبوت..... ۱۰۵

## ساتواں باب، چنگیز خان کا عالم اسلام پر حملہ..... ۱۱۱

= چنگیز خان کی آتش غضب، تاتاری لشکر کی صحیح تعداد، یورپی مورخ کی غلطی..... ۱۱۱ = یلغار کا آغاز..... ۱۱۲ = جوجی کی پیش قدمی، خوارزم شاہ کی مشاورت..... ۱۱۳ = خوارزمی لشکر کی سرحد کی جانب روانگی..... ۱۱۴ = شہزادہ

جلال الدین تاتاریوں کی گھات میں، جو جی کا توق طغان سے مقابلہ..... ۱۱۵ = مسلمانوں اور تاتاریوں کے مابین پہلا معرکہ، جنگ کے نازک لمحات..... ۱۱۷ = شہزادہ جلال الدین کا جوابی حملہ..... ۱۱۸ = خوارزمی لشکر کی واپسی، جشن فتح، چنگیز خان کا پڑاؤ، خوارزم شاہ کی بدحواسی..... ۱۱۹ = جی نویان کی یلغار، خوارزمی طاقت کی تقسیم..... ۱۲۰ = ساحل سیحون پر خون کی ہولی، عالم اسلام پر دوطرفہ یلغار..... ۱۲۱

### آٹھواں باب، سرحدوں کے محافظ..... ۱۲۵

= توقد کا مرد مجاہد..... ۱۲۵ = دریا میں راستہ، آتشیں اسلحہ..... ۱۲۶ = جوابی چال، تیمور ملک کا تعاقب..... ۱۲۷ = تیمور ملک کی جہادی سرگرمیاں..... ۱۲۸ = اترار کا مہاز..... ۱۲۹ = حاجب قراچہ کی غداری، شب خون..... ۱۳۰ = شیر اترار کی گرفتاری..... ۱۳۱

### نواں باب، سقوط بخارا و سمرقند..... ۱۳۲

= تاتاری لشکر بخارا کی سمت، سمرقند میں خوارزم شاہ کی گھبراہٹ..... ۱۳۲ = خوارزم شاہ کا سمرقند سے فرار..... ۱۳۵ = بخارا کا محاصرہ، یہ مدارس اور مساجد کا شہر تھا، مسلمانوں کا حملہ اور شکست..... ۱۳۶ = شیاطین کا راج، چنگیز خان جامع الکبیر میں..... ۱۳۷ = امام زادہ رکن الدین کا جواب، چنگیز خان کا خطاب، قلعے پر حملہ..... ۱۳۸ = مظالم کا دوسرا دور، یوم عذاب، خون کی ہولی..... ۱۳۹ = سمرقند کا المیہ، دفاعی انتظامات..... ۱۴۰ = تاتاریوں کی سہ طرفہ یلغار، سمرقند کا محاصرہ اور اینال حق کی شہادت..... ۱۴۱ = امرائے سمرقند کی مشاورت، جنگ کا پہلا دن، دوسرے دن کی لڑائی..... ۱۴۲ = تیسرے دن کی لڑائی، غداری اور شکست، چنگیز خان سمرقند میں..... ۱۴۳ = خون کی ہولی، غداری کی قیمت، خوارزمی ملک کی ناکامی، خلیفہ المسلمین اور دیگر مسلم حکمرانوں کی سنگ دلی..... ۱۴۴ = خوارزمی مسلمانوں کی ہجرت..... ۱۴۵

### دسواں باب، ویرانوں کا مسافر..... ۱۴۸

= جنوب کا سفر، شہزادہ جلال الدین کی کوششیں، درباری نجومیوں کا مشورہ..... ۱۴۸ = دریائے آمو کے پار، عسکری مشاورت، ہندوستان کا رخ..... ۱۵۹ = شہزادہ رکن الدین کا سفیر، شہزادہ جلال الدین کی تقریر..... ۱۵۰ = بدر الدین عمید کی سازش..... ۱۵۱ = خوارزم شاہ پر قاتلانہ حملہ..... ۱۵۲ = خوارزم شاہ کا تعاقب..... ۱۵۳ = خوارزم شاہ نیشاپور میں..... ۱۵۴ = شاہی حرم کی ہجرت، شہزادہ رکن الدین سے ملاقات..... ۱۵۵ = خزانہ شاہی کی حفاظت، خوارزم شاہ تاتاریوں کے زرعے میں..... ۱۵۶ = ماژندران میں، ساحلی بستی میں روپوشی..... ۱۵۷ = جزیرہ ”آب سکون“ میں..... ۱۵۸ = شاہی حرم کا انجام..... ۱۵۹

### = گیارہواں باب، مغربی تاتاریوں کی خون ریزی..... ۱۶۳

= شہزادہ رکن الدین کی شہادت..... ۱۶۳ = رے پر تاتاری یلغار، مسلکی تعصب کی انتہاء اور اس کا بھیانک

انجام، حاکم ہمدان کی مصالحت، قزوین پر حملہ..... ۱۶۴ = اردنیل کا سانحہ، سراؤ کی تباہی، اہل تبریز کی تاتاریوں سے مصالحت، بیلقان کی بربادی، مراغہ میں قتل عام..... ۱۶۵ = تاتاریوں کا یورپ پر حملہ، تاتاری پورش کے پہلے سال کے اختتام پر ابن اشیر جزری کا تبصرہ..... ۱۶۶ = تاتاریوں کی روس اور یورپ میں مزید پیش قدمی..... ۱۶۸

بارہواں باب، رخصت اے بزم جہاں..... ۱۶۹

= موت کی آہٹ..... ۱۶۹ = سلطان علاؤ الدین محمد کی موت پر علاؤ الدین ابن اشیر کا تبصرہ..... ۱۷۰ = سیرت علاؤ الدین محمد کی حیرت انگیز تصویر..... ۱۷۱ = ایک بغدادی تاجر کی زبان سے خوارزم شاہ کی مدح، اس دور میں سلطان علاؤ الدین محمد کی حیثیت..... ۱۷۲ = مر کے بھی چین نہ پایا تو، مذہبی رجحانات و جذبات..... ۱۷۳ = موفق بغدادی کے تاثرات..... ۱۷۴ = خوارزم شاہ کی عمر، اس کے حالات کی متفرق جھلکیاں..... ۱۷۵ = علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی شکست کے اسباب..... ۱۷۶ = اتنے بڑے قتل عام کا ذمہ دار کون..... ۱۷۷ = چند مفید تنبیہات، ”قراقرم“ کے متعلق ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ، ترک، تاتاری اور مغل..... ۱۷۹ = ترکستان اور موجودہ ترکی..... ۱۸۰

————— ❦ —————

## عرض ناشر

انسان خواہ کتنا ہی ناتواں سہی مگر اس کی فکر کی پرواز زماں و مکاں کی پابند نہیں۔ زیر نظر کتاب عالم اسلام کا درد اور تاریخی و تحقیقی ذوق رکھنے والے ایک مؤرخ کی قوت فکر، شب و روز کی محنت اور اس کی جستجو و تحقیق کا کرشمہ ہے۔

تاریخ کے موضوع سے واقفیت رکھنے والے شخص جب اس کتاب کا گہری نظر سے مطالعہ کریں گے تو اس کتاب پر کی جانے والی جان توڑ محنت اور اس میں موجود اچھوتا پن ان سے پوشیدہ نہیں رہے گا۔ آج سے سینکڑوں برس قبل امت مسلمہ کو پیش آنے والے وہ دلدوز حادثات اور جگر سوز سانحات جو تاریخ کی مختلف کتابوں سے چن چن کر آئندہ صفحات میں پروئے گئے ہیں اس قدر زوڈاثر ہیں کہ پڑھنے والے شخص کی آنکھیں اشک بار اور دل درد و غم سے تڑپ اٹھتا ہے۔

یہ کتاب درحقیقت امت مسلمہ کو بیدار کرنے اور اسے آئندہ آنے والے خطرات کے مقابلہ کے لئے تیار کرنے کی ان کوششوں کا ایک ادنیٰ حصہ ہے جو آج امت کے درد مند اہل قلم سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ ایک آئینہ ہے جو ماضی میں کی گئی امت مسلمہ کی غفلتوں، غلطیوں، کوتاہیوں اور لغزشوں اور ان پر مرتب ہونے والے بھیانک واقعات اور سبق آموز نتائج کو نگاہوں کے سامنے واضح کر کے ہمیں مستقبل میں پیش آنے والے خطرات سے آگاہ کر رہا ہے۔

امت مسلمہ پر مصائب کا ایک بھیانک دور ہم سے سینکڑوں برس قبل گزر چکا ہے اور دوسرا دور آج پوری طرح ہم پر مسلط ہے، ان دونوں پر خطر زمانوں کے متعلق احادیث مبارکہ میں پیش گوئیاں موجود ہیں۔ افسوس کہ اس وقت امت انہی غلطیوں کو اجتماعی طور پر زور و شور سے دہرا رہی ہے جن کے نتیجے میں ماضی کی مسلم آبادی کو اپنے نصف حصہ سے محروم ہونا پڑا تھا۔ جب آپ اس کتاب کا مطالعہ کریں گے اور پھر اپنے گرد و پیش پر نظر دوڑائیں گے تو آپ کو کائنات کی ہر چیز چیخ چیخ کر پکارتی ہوئی محسوس ہوگی کہ آج ہم ایک مرتبہ پھر انتہائی بجرمانہ کردار ادا کرتے ہوئے اپنی اور آئندہ آنے والی نسلوں کے ایمان، عزت و ناموس اور ان کی آزادی کو عالم کفر کی انہی آتشیں آندھیوں کے سپرد کر چکے ہیں جو ہماری ہستی کو پہلے بھی بار بار جلا کر رکھ کر چپکی ہیں۔

بارگاہ رب ذوالجلال میں التجا ہے کہ مصنف کی اس شاندار کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر انہیں اجر عظیم عطا فرمائے اور اس کوشش کو امت مسلمہ کی بیداری کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

خادم ملک و ملت  
عبدالصبور علوی  
مدیر: بیت السلام کراچی





## آئینہ قرآن

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآئِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا  
بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولَىٰ بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا جُلُكَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُمْ أَلِفَ أَلْفِ مِائَةٍ  
أَسَدٌ ذُنُوكُمْ بِأَمْوَالِ الْيَتِيمِ وَبِعَلَنُوكُمُ الْكُفْرَ نَظِيرًا ۝ إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ  
لِلنَّاسِ وَجُوهُكُمْ وَلَيْدٌ خُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبَرَّوْا مَا عُلُوًّا تَبَيَّرًا ۝ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُرَحِّمَكُمْ وَإِنْ  
عَذَّبْتُمْ عَذَابًا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ۝ (سورۃ بنی اسرائیل ع ۱۸)

ترجمہ: ہم نے بنی اسرائیل کو یہ بات بتلا دی تھی کہ تم سرزمین میں دوبار خرابی کرو گے اور بڑا زور چلانے لگو گے  
پھر جب ان میں سے پہلی باریکی میعاد آئے گی تو ہم تم پر اپنے ایسے بندوں کو مسلط کر دیں گے جو بڑے جنگجو ہوں گے پھر  
وہ گھروں میں گھس پڑیں گے اور یہ ایک وعدہ ہے جو ضرور ہو کر رہے گا۔ پھر ہم ان پر تمہارا غلبہ کر دیں گے اور مال اور  
بیٹوں سے ہم تمہاری امداد کریں گے اور ہم تمہاری جماعت بڑھا دیں گے۔ اگر تم اچھے کام کرتے رہو گے تو اپنے ہی نفع  
کے لیے اچھے کام کرو گے اور اگر تم برے کام کرو گے تو بھی اپنے ہی لیے۔ پھر جب پچھلی باریکی میعاد آئے گی (تو ہم پھر  
دوسروں کو مسلط کر دیں گے) تاکہ مار مار کر تمہارے منہ بگاڑ دیں اور جس طرح پہلے وہ لوگ مسجد میں گھسے تھے یہ لوگ  
بھی گھس پڑیں اور جس جس پر ان کا زور چلے سب کو برباد کر ڈالیں۔ عجب نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے اور اگر تم پھر  
وہی شرارت کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کا جیل خانہ بنا رکھا ہے۔ (ترجمہ از بیان القرآن)

— — — — —

## آئینہ حدیث..... پیش گوئیاں

نجر صادق نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

1 قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ مسلمان ترکوں کی ایک ایسی قوم سے قتال نہ کر لیں جن کے چہرے تہہ بہ تہہ ڈالوں کی طرح ہوں گے وہ بالوں کے لباس اور بالوں ہی کے جوتے پہنیں گے۔

2 تم قیامت سے پہلے ایسی قوم سے قتال کرو گے جس کے جوتے بالوں کے ہوں گے، ان کے چہرے گویا تہہ بہ تہہ ڈالوں کی طرح ہوں گے سرخ چہروں اور چھوٹی آنکھوں والے ہوں گے۔

3 قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک تم ایسے لوگوں سے قتال نہ کرو جو چھوٹی آنکھوں اور چھوٹی چھٹی ناکوں والے ہوں گے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۵)

صحیح مسلم کے شارح اور عالم اسلام پرتا تار یلیغار کے عینی شاہد امام نووی رحمہ اللہ علیہ (متوفی ۷۶۷ھ) ان احادیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

”بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی علامات والے ان ترکوں (یعنی تاتاریوں) ① سے قتال کا مشاہدہ ہو گیا ہے..... وہ لوگ ان تمام علامات کے ساتھ ہمارے زمانے میں پائے گئے ہیں اور مسلمانوں نے ان سے بارہا قتال کیا ہے جواب تک جاری ہے۔ (مسلم شریف حاشیہ ”المہاج“ شرح مسلم للنووی، ج ۲ ص ۳۹۵ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی) ملا علی بن سلطان القاری فرماتے ہیں:

زیادہ قریب الفہم بات یہی ہے کہ ان احادیث میں چنگیز اور اسکے ساتھیوں کے ہاتھوں پر پاہونے والے فساد کی جانب اشارہ ہے۔ (مرقات ج ۱۰ ص ۱۳۲)

امام ابو العباس احمد بن عمر القرطبی رحمہ اللہ نے ان احادیث کی تشریح کے بعد فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے بالکل مطابق یہ خبر واقع ہو چکی ہے، مسلمان عراق عجم میں سلطان خوارزم رحمہ اللہ ② کی قیادت میں ان سے قتال کر چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کفار کے مقابلے میں سلطان کی نصرت فرمائی تھی، مگر پھر پانہ تاتاریوں کے حق میں پلٹ گیا اور وہ عراق عجم اور دیگر ممالک پر قابض ہو گئے اور اس وقت ③ ان کے ایسے بڑے بڑے گروہ یورش کر رہے ہیں جنکی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور مسلمانوں سے ان کو ہٹانے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں (ان کی تعداد کی کثرت کی وجہ سے) یوں لگتا ہے کہ یہ لوگ باجوج ماجوج ہیں یا ان کی آمد کی تمہید ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ انہیں ہلاک کر دے اور ان کی جمعیت کو منتشر کر دے، چون کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قوم کی تعداد، ان کی کثرت اور ان کی طاقت و شوکت کا علم ہو گیا تھا اس لیے آپ یہ نصیحت فرما گئے تھے

کہ ”جب تک ہو سکے ”ترکوں“ کو ان کے حال پر رہنے دینا“ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب بھی ان کافروں کے خلاف نصرت اور فتح کی امید رکھتے ہیں۔ (المہم لما اشکل من تلخیص کتاب سلم ج ۷ ص ۲۳۸)

علامہ بدرالدین یعنی رحمہ اللہ ان احادیث کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کے مطابق ان واقعات کا ایک حصہ ۶۱۷ھ میں پیش آچکا ہے، ترکوں (تاتاریوں) کا ایک عظیم لشکر ظاہر ہوا جس نے ماوراء النہر اور خراسان کے باشندوں کو ہلاک کر دیا صرف وہی لوگ بچے جنہوں نے غاروں میں پناہ لی۔ دنیا کے اسلام کو پامال کرتے ہوئے یہ لوگ قہستان تک جا پہنچے۔ رے، قزوین، ابراہ، زنجان، اردبیل اور آذربائیجان کا پایہ تخت مراغہ ان کے ہاتھوں تباہ ہوئے۔ (عمدة القاری، باب قتال الترك)

## حواشی وحوالہ جات

①..... تاتاری ترک بن یافت بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونے کے باعث ترکوں ہی کی ایک قدیم مگر غیر معروف شاخ تھے۔

②..... سلطان جلال الدین خوارزم شاہ رحمہ اللہ مراد ہیں اس لیے کہ انہوں ہی نے تاتاریوں کو کئی شکستیں دی تھیں، ان کے والد علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کو تاتاریوں کے مقابلے میں ایک بار بھی فتح حاصل نہیں ہوئی تھی۔

③..... یہ تحریر ۶۳۷ھ کی ہے۔

## کچھ اس کتاب کے بارے میں

یہ عبرت انگیز داستان عالم اسلام پر تاریخی حملے کے پس منظر، اس کے اسباب و علل، عواقب و اثرات اور اس ہمہ گیر تباہ کاری سے عالم اسلام خصوصاً حرمین شریفین کو بچانے کے لیے سلطان جلال الدین منکبرتی خوارزم شاہ کی جہادی خدمات کے موضوع پر تحریر کی گئی ہے۔

راقم کو اس موضوع پر قلم اٹھانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس سوال کا جواب قدرے وضاحت سے پیش خدمت ہے۔ کتب حدیث (بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ) میں ”اشرار الساعۃ“ کے ضمن میں قیامت سے قبل مسلمانوں اور ترکوں کے درمیان جنگوں کی پیش گوئیوں پر مشتمل احادیث متعدد طرق اور مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہیں، جن میں ان ترکوں کا حلیہ تک بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اکثر شراح حدیث نے پورے شرح صدر کے ساتھ تاریخی یلغار کو ان احادیث کا مصداق قرار دیا ہے خصوصاً ساتویں صدی، ہجری کے شارحین حدیث جو تاریخی یلغار کے وقت موجود تھے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کو کھلی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھنے کا برملا اظہار کر چکے ہیں اور اس معجزے کے ظہور کی چشم دید شہادت دے چکے ہیں۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات محدثین کی آراء کی روشنی میں ہمیں اس دور کی غیر معمولی اہمیت، ان جنگوں کے ناقابل تردید اثرات، ان حوادث کی خاص وقعت اور اس انقلاب کے حیرت انگیز نتائج کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

ان احادیث سے واقفیت سے قبل اس دور کی تاریخ کے مطالعے کے باعث راقم کو اس موضوع سے پہلے ہی دلچسپی تھی، تاریخ اسلام میں سقوط بغداد اور فتنہ تاتار کے مطالعے کے دوران میں سلطان جلال الدین کے شجاعانہ کردار سے پہلے ہی متاثر ہو چکا تھا۔ چنانچہ مذکورہ احادیث سامنے آنے کے بعد اس موضوع پر کام داعیہ مزید اہمیت اختیار کر گیا۔ انہی دنوں عظیم مؤرخ، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تاریخ دعوت و عزیمت کے مطالعے کا موقع ملا جس کی پہلی جلد میں حضرت مولانا رحمہ اللہ نے ”فتنہ تاتار اور اسلام کی ایک نئی آزمائش“ کے عنوان سے تقریباً بیس صفحات پر ایک فکر انگیز مضمون تحریر کیا ہے اور اس میں تاریخی حملے کے اسباب، اس کے ظہور کے وقت عالم اسلام کی بد حالی، اس حادثے سے طاری ہونے والی زبردست تباہی اور اس کے بعد تاتاریوں میں یک دم اسلام کی اشاعت کا نہایت مؤثر انداز میں جائزہ لیا ہے اور بڑے بلیغ پیرائے میں فکر و نظر کے نئے زاویوں کی طرف راہنمائی کی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ فاضل مؤرخ نے کتاب کے دیباچے میں اس باب میں مزید پیش رفت کی ضرورت کا احساس دلاتے ہوئے کہا ہے:

”مواد اور وقت دونوں کی کمی، اور مصنف کی بعض معذوریوں کی بنا پر اس باب میں اضافہ اور ترقی



کی بڑی گنجائش ہے لیکن یہ ایک ابتدائی کوشش اور ایمانی فکر و نظر کا ایک نمونہ ہے جس کو بہت آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔“

صاحب ”تاریخ دعوت و عزیمت“ کی اس راہنمائی سے اس میدان میں کام کی ضرورت کا احساس مزید شدت سے دامن گیر ہو گیا، اور اس موضوع پر تحقیق کے نئے راستوں اور دروازوں کی طرف راہنمائی ملی، اس کام کے کئی اور پہلو سامنے آ گئے جن میں سے ہر ایک پر مستقل کتاب تصنیف کی جاسکتی ہے، مگر سر دست میں نے اتنا ضروری سمجھا کہ تاتاری یورش کے پس منظر، اس کی ظاہری و مخفی وجوہات، اس کی تباہ کاریوں کی قدرے تفصیل، نیز خوارزم شاہی خاندان کے متعلق ضروری معلومات اور اس سیلاب محشر خیز کے راستے میں رکاوٹ بننے والے عظیم مجاہدین خصوصاً سلطان جلال الدین خوارزم شاہ منکبر تی کی جدوجہد اور قربانیوں کی داستان کو محفوظ کر لیا جائے۔

راقم نے ان اہداف کو سامنے رکھ کر مواد کی تلاش میں کتب تاریخ کی ورق گردانی شروع کر دی اور سلطان جلال الدین کے حالات کا کھوج لگانے کے لیے اپنی کوشش اور جستجو کا دائرہ کار بڑھا دیا، میں ایک بار پھر ایک عرصے تک اس فکر میں بھی سرگرداں رہا کہ سلطان کے حالات پر قدیم یا جدید دور میں تحریر کردہ کوئی مستقل تصنیف دستیاب ہو جائے تاکہ میرا کام آسان ہو سکے مگر بڑے بڑے کتب خانوں کی خاک چھاننے کے بعد بھی اس موضوع پر کوئی کتاب ہاتھ نہ لگی۔ اس مرد مجاہد کے حالات کسی ایک کتاب میں یکجا نہ مل سکے، جن کتابوں میں سلطان جلال الدین کا تذکرہ ملا وہ ضمنی انداز میں تھا، ان میں سلطان جلال الدین کی زندگی کے مختلف اور متنوع حالات منتشر اور متفرق انداز میں بکھرے ہوئے نظر آئے۔ صرف سلطان کے احوال سے بحث کرنا ان کتب کا موضوع نہیں تھا، اس لیے سلطان کی تاریخی جدوجہد اپنی اہمیت کے لحاظ سے جس ترتیب، تحقیق، اور تشریح کا تقاضا کر رہی تھی، یہ مآخذ اسے پورا کرنے سے قاصر تھے۔ تب میرے دل میں یہ تقاضا بڑی شدت کے ساتھ پیدا ہوا کہ کاش اس مجاہد کے کارنامے کسی ایک کتاب میں تفصیل سے دستیاب ہو جائیں۔

ایک مدت تک جب میں اس کوشش میں ناکام رہا تو سوچنے لگا کیوں نہ خود سلطان کے حالات کو جمع کر کے انہیں کتابی شکل دی جائے۔ اپنی نااہلیت اور بے بضاعتی کے باوجود اس صورتحال کے پیش نظر راقم نے وقت کی ضرورت اور سلطان جلال الدین رحمہ اللہ کا حق سمجھتے ہوئے اس اہم اور نازک کام کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے لی۔ اور شوال ۱۴۱۸ھ (فروری ۱۹۹۸ء) میں اللہ کا نام لے کر اس کام کا آغاز کر دیا جو گزشتہ آٹھ صدیوں سے امت کے اہل علم پر قرض تھا۔ عالم اسلام کے دفاع کے لیے سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے عظیم کارناموں کو ہدف بنا کر کیے جانے والے اس کام میں اس کی وسعت کے باعث بعض وہ موضوعات بھی شامل تھے جن کی تحقیق کی ضرورت کا ذکر میں پیچھے کر چکا ہوں۔ تاریخ نویسی ویسے ہی ایک نازک اور دشوار فن ہے، روایات کے پلندے میں سے رطب و یابس کو جھاڑ کر صحیح اور سچی بات پیش کرنا روایت اور درایت کے فن سے گہری آشنائی کے بغیر ممکن نہیں پھر جب مطلوبہ خاص موضوع پر پہلے سے کوئی تصنیف بھی سامنے نہ ہو تو کام جتنا مشکل ہو جاتا ہے اس کا اہل علم کو خوب اندازہ ہے۔

یہاں قارئین کی دلچسپی کے لیے یہ بتانا چلوں کہ اس موضوع پر کام کے دوران ایک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ میں سلطان کے بارے میں مؤرخین کی متضاد آرائی کے باعث اس تشویش کا شکار ہو گیا کہ کہیں یہ دلیر بادشاہ محض خاندانی انا

کے لیے لڑنے والا ایک لیڈر تو نہ تھا!!۔

در اصل تاریخ کی متداول کتب میں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ نکمرتی کا نام جہاں ایک بہادر حکمران کے طور پر سامنے آتا ہے وہاں انہیں ایک شکست خوردہ سپاہی، ایک آوارہ گرد مہم جو اور ایک ایسے عاقبت نا اندیش بادشاہ کے طور پر بھی متعارف کرایا گیا ہے، جو تاریخ میں کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہ دے سکا اور بے مقصد لڑ بھڑ کر گمنامی کی موت مر گیا۔ اس قسم کے بعض مؤرخین کی مبالغہ آمیز طعن و تشنیع سے متاثر ہونے کے بعدراقم کا احساس یہ تھا کہ سلطان کو ایک سرفروش قائد کی حیثیت سے کرانا زیادتی ہوگی اور یہ کہ سلطان کی مدح سرائی کرنے والے چند تاریخ نگار ایک نا اہل شخص کی تعریف و توصیف کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ان دنوں میں اپنی کتاب کے حصہ اول کے دوسو کے لگ بھگ صفحات لکھ چکا تھا مگر اس غیر متوقع صورتحال سے جو میرے مقصد کے برعکس تھی، جہاں سلطان سے میری عقیدت کو شدید دھچکہ لگا وہاں اس موضوع پر مزید محنت کی ہمت بھی نہ رہی اور میں نے قلم ہاتھ سے رکھ دیا۔

پھر نہ معلوم کیوں اس جذبے کے ساتھ میری توجہ دوبارہ اس کام کی طرف ہوگئی کہ میں حقیقت تلاش کروں گا چاہے وہ کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو۔ اس سے قبل میرے مطالعے کا دائرہ کار ان کتب تک محدود تھا جو اسلامی کتابوں کی مارکیٹ میں عام مل جاتی ہیں یا ہر بڑے کتب خانے میں دستیاب ہو جاتی ہیں مگر اب میں نے ہر اس کتاب کی تلاش شروع کر دی جو میرے علم کے مطابق کہیں موجود تھی۔ اس وسیع پیمانے پر مطالعے سے جہاں اس موضوع پر معلومات کے نئے نئے خزانے ملے وہاں سلطان کے بارے میں میرا مذکورہ تاثر بھی پائدار ثابت نہ ہوا۔ جوں جوں مطالعہ بڑھا اور ماخذ کی تلاش اور جستجو میں پیش قدمی ہوئی تو سلطان کی زندگی کے نئے نئے پہلو سامنے آتے گئے اور اعتراضات و الزامات کی دھند چھٹی چلی گئی، بالآخر میں یہ محسوس کرنے لگا کہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی شخصیت گہر کی دبیز تہہ سے برآمد ہو کر روشنیاں بکھیرنے والے سورج کی طرح، اپنی تمام تر عنایتوں سے ساتھ میرے سامنے جلوہ گر ہو چکی ہے۔

مجھے کتاب پر از سر نو کام کرنا پڑا تھا مگر میں خوش تھا کہ میں جہالت کی رو میں اندھا دھند بننے سے بچ گیا ہوں۔ مجھے اس بات کا بخوبی احساس ہو گیا کہ سلطان جلال الدین پر وارد شدہ اکثر اعتراضات و اشکالات ان کے حالات سے صحیح معنوں میں ناواقفیت پر مبنی ہیں، ان کے بارے میں مشہور غلط فہمیاں ان کی جدوجہد کے گہرے پس منظر سے لاعلمی کے باعث پیدا ہوئی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ تاریخ کے چند مصادر دیکھنے والے شخص کا سلطان جلال الدین کے متعلق یہی تاثر ہوتا ہے کہ وہ اپنی شجاعت اور دلیری کے باوجود ایک نا اہل حکمران تھے جنہیں مسلم سلاطین میں کوئی نمایاں مقام نہیں دیا جاسکتا، مگر تحقیق اور جستجو کے ساتھ اس عہد کی تحریروں کا وسیع مطالعہ کرنے اور خاص کر اس ہوش ربا دور کی فتنہ انگیزی کو مد نظر رکھنے اور سلطان کی تمام تر کدوکاوش کے پس منظر کا بغور جائزہ لینے سے نہ صرف بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے، بلکہ تاریخ اسلام کے اس فیصلہ کن اور انقلابی موڑ پر سلطان کا کلیدی کردار بھی واضح ہو جاتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ سطح مرتفع پامیر سے لے کر کوہ قاف تک اور بحیرہ کیسپین سے لے کر دریائے سندھ تک پھیلی ہوئی سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی تاریخی معرکہ آرائیاں دراصل ایک ایسی عظیم جہادی تحریک کا ظہور تھی جسے ہم کسی بھی لحاظ سے صلیبوں کے مقابلے میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے جہاد سے کم نہیں قرار دے سکتے۔

مسلم سلاطین اور فاتحین میں سلطان جلال الدین وہ واحد شمشیر زن ہیں جنہوں نے دنیا کی ایسی چار اقوام سے جہاد کیا جو مسلمانوں کی سخت دشمن تھیں۔ وہ منگولیا سے یلغار کرنے والے تاتاریوں سے لڑے۔ ان کی تلوار نے ہندو راجاؤں سے برصغیر کے وسیع و عریض علاقے کو آزاد کرایا۔ انہوں نے عیسائیوں سے بھی جہاد کیا اور گرجستان کو پہلی بار مکمل طور پر اسلامی عمل داری میں شامل کیا۔ ان کی شمشیر باطنی فدائیوں کے خنجروں کے بالمقابل بھی چمکی اور اس اسلام دشمن گروہ کو انہوں نے اس طرح کچلا کہ صدیوں تک اسے سر اٹھانے کا موقع نہ مل سکا۔

افسوس کہ اسلام کے اتنے عظیم سپوت کے حالات ضبط کرنے میں بڑی کوتاہی سے کام لیا گیا ہے، حالانکہ ان کی انتھک کاوشیں اور بے مثال جہادی مہمات اس کی حقدار تھیں کہ ملت اسلامیہ کو ان سے روشناس کرایا جاتا اور ان سے شجاعت، حمیت اور ایثار و سرفروشی کا موثر درس لیا جاتا۔ اس تاثر کے تحت راقم نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ جہاں سلطان جلال الدین کے حالات اور ان کے کارنامے پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ امت کے سامنے پیش کیے جائیں وہاں ان کے متعلق بدگمانیوں کو قلع قمع بھی کیا جائے تاکہ لوگ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوئے بغیر ان کے صحیح مقام سے آگاہ ہو سکیں۔

اس کام کی انجام دہی کے لیے میرے سامنے مندرجہ ذیل مراحل تھے:

1..... تاریخ کے قدیم اور نایاب مآخذ و مصادر کی تلاش اور ان کا حصول۔

2..... ان کا از سر نو گہرا مطالعہ کرنا۔

3..... باہم مخالف روایات پر غور و خوض کر کے ان میں تطبیق کی صورت نکالنا، یا بعض روایات کو درایت کے

اصول پر دیگر روایات پر ترجیح دینا۔

4..... باہم غیر متخالف روایات میں مذکور ایک ہی واقعے کے منتشر اجزاء کو یکجا کرنا۔

5..... حاصل شدہ تمام معلومات کو ترتیب دے کر اپنی عبارت میں منتقل کرنا۔

عبارت میں واقعات کی ترتیب کو ایسے ادبی رنگ اور ایسی جاندار منظر کشی کے ساتھ پیش کرنا جس سے کتاب بوجھل محسوس نہ ہو اور قارئین کی دلچسپی برقرار رہے۔ گویا مجھے تاریخ و تحقیق کے ساتھ ساتھ ادب و انشاء کا حق بھی ادا کرنا تھا۔ ان تمام مراحل میں سے پہلا اور آخری مرحلہ سب سے دشوار تھے۔ مطلوبہ کتب کا حصول کوئی آسان کام نہ تھا، کتابوں کا ذاتی سرمایہ بہت کم تھا، مطلوبہ مآخذ میں سے اکثر نایاب تھے۔ ان کا حاصل کرنا جوئے شیر در یافت کرنے کے مترادف تھا، بہر حال تلاش جاری رہی اور بالآخر ملک کے بڑے بڑے کتب خانوں کی طرف رجوع کرنے سے مطلوبہ کتب کا خاصا حصہ مہیا ہو گیا مگر اس کے باوجود بعض اہم مآخذ تک رسائی ممکن نہ ہو سکی۔ اگر یہ مآخذ مل گئے تو آئندہ ایڈیشن میں بہت سے مفید اضافے ہو سکتے ہیں۔

تاریخ پر کسی تالیف کے دوران مذکورہ واقعات کے دنوں، مہینوں اور سالوں کی صحیح تعیین ایک بہت اہم مسئلہ ہوتا ہے، راقم جس موضوع پر کام میں مشغول تھا، اس میں بہت سے واقعات کی صحیح تاریخ کا کسی کتاب میں ذکر نہیں اور بہت سے واقعات کی تاریخوں میں روایات کا زبردست اختلاف ہے۔ اس مرحلے پر راقم کو بعض جگہ قرائن سے کام لے کر ماہ و سن کا اندازہ کرنا پڑا اور بعض مقامات پر تاریخوں کے اختلاف کے درمیان ترجیح کا طریقہ اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ یہ محض اللہ سبحانہ و تقدس کی توفیق ہے کہ تیرہ سال کی مدت میں مجھ جیسے بے مایہ شخص کے ہاتھ سے یہ کام پایہ

مکمل کو پہنچ سکا اور نہ اس کام میں درپیش مشکلات سے نبرد آزما ہونا میرے بس کی بات نہ تھی۔

اس تالیف میں خالص تحقیقی انداز کی خشکی نہیں، بلکہ کتاب کے بہت سے مواقع پر واقعات کی منظر کشی نے اسے ایک داستان کا رنگ دے دیا ہے اور میں ایسا کرنے پر مجبور تھا اس لیے کہ تاریخ کے جھروکوں سے دعوتِ نظارہ دینے والے بہت سے مناظر مجھے اس پر برا بھینٹہ کرتے تھے کہ میں اپنے قارئین کو بھی اس احساس سے آشنا کراؤں جو میں خود اس موقع پر محسوس کر رہا تھا، خاص کر جہاں کوئی مؤرخ حق کے سپاہیوں اور باطل کے علبرداروں کے ٹکراؤ کا تذکرہ کرتا تو میرے تصور میں ابھرتی ہوئی نیروں کی چمک، شمشیروں کی کاٹ اور تیروں کی سرسراہٹ مجھ سے مطالبہ کرتی کہ میں اس تاثر کو سطحِ قرطاس پر منتقل کر کے اپنے قارئین کو بھی اس دور کے تاریخی معرکوں کی سیر کراؤں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تالیف تحقیق برائے تحقیق نہیں بلکہ تحقیق برائے دعوتِ عمل ہے۔

اس تالیف میں محض تحقیقی انداز اختیار نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس صورت میں باہم متخالف روایات پر تفصیلی بحث کرنا، تطبیق یا ترجیح کا طریقہ اختیار کرنا اور پھر اس کے دلائل پیش کرنا میری ذمہ داری ہوتی اور ظاہر ہے کہ اس طرح کام کی مشکلات کے ساتھ ساتھ کتاب کی ضخامت بھی کئی گنا بڑھ جاتی اور قارئین کے لیے نہ صرف اتنی مہنگی کتاب خریدنا مشکل ہوتا بلکہ اس اکتا دینے والے انداز پر مشتمل تصنیف کو پڑھنا بھی ہر کسی کے بس میں نہ ہوتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اختلافی روایات کے بارے میں غور و خوض سے کام نہیں لیا گیا بلکہ ایسی روایات کو پرکھا گیا ہے، اور جہاں تطبیق ممکن نہ ہوئی تو ترجیح کا طرز اختیار کیا گیا ہے اور اس کے لیے حتی الامکان قرآن و شواہد پر غور کیا گیا ہے، البتہ چند مقامات ایسے بھی ہیں جہاں اپنے ذوق اور وجدان پر کسی روایت کو اختیار کیا گیا ہے۔ بہر حال قارئین کو ان الجھنوں سے بچانے کے لیے رافم نے حتی الامکان اس اختلاف کو سامنے لانے سے گریز کرتے ہوئے عموماً ایک ہی راج روایت پر اکتفا کیا ہے، یا ایسی عبارت اختیار کی ہے جس سے مخالف روایات میں تطبیق ہو جائے، یا ان کا اختلاف کم سے کم ہو جائے۔ البتہ بعض مواقع پر ضرورت سمجھتے ہوئے کتاب کے متن یا حاشیے میں اختلاف روایات کی جانب اشارہ کر دیا گیا ہے نیز بعض اہم مقامات پر غلط روایات پر مختصر بحث بھی کی گئی ہے۔

راقم کا احساس ہے کہ سلطان جلال الدین کے بلند مقام سے صحیح معنوں میں اس وقت تک آگاہی نہیں ہو سکتی جب تک اس پر آشوب دور اور ان کٹھن حالات کے پس منظر سے واقفیت نہ ہو جن کے دائرے میں سلطان نے اپنی لافانی جہادی مہمات سرانجام دیں۔ اس ضرورت کے تحت اس تالیف کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلا حصہ اس پس منظر کی وضاحت کرتا ہے جس کے آئینے میں ہم سلطان کی جدوجہد کا صحیح مقام متعین کر سکتے ہیں، گویا یہ حصہ سلطان کے کارہائے نمایاں کے لیے تمہید کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں سلطان کی زندگی کی جھلکیاں ضمناً شامل ہیں۔

کتاب کا دوسرا حصہ براہ راست سلطان جلال الدین کی سرگزشتِ جہاد بیان کرتا ہے، اس میں سلطان کی تخت نشینی سے لے کر ان کی شہادت تک کے حالات ذکر کیے گئے ہیں۔ تاہم یاد رہے کہ یہ تالیف سلطان جلال الدین کی سوانح حیات نہیں ہے بلکہ اس کا اصل موضوع اس نازک دور کے پس منظر میں سلطان کے جہادی کارناموں کا تذکرہ ہے، اس لیے سلطان کے وہ حالات جو کسی طرح بھی اس موضوع سے متعلق نہ تھے نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔ اہل ذوق ان سے آگہی کے لیے کتاب کے اصل مآخذ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

یہ بھی نہ بھولیں کہ سلطان جلال الدین کی زندگی کے جس پہلو نے مؤلف کو اپنا گرویدہ بنا کر اس کتاب کی تیاری پر براہِ گنجینہ کیا، وہ عالم اسلام کے دفاع کے لیے سلطان کا بے پناہ قربانیاں دینا ہے، اس سے قطع نظر کرتے ہوئے ہمیں سلطان کی ذات میں بعض عیوب نظر آ سکتے ہیں مگر ان کمزوریوں کی وجہ سے ہم سلطان کے عظیم احسان کو فراموش نہیں کر سکتے۔ ذاتی خامیوں، کوتاہیوں اور لغزشوں سے انبیاء علیہم السلام کے سوا بھلا کون پاک ہو سکتا ہے۔ اس لیے کتاب کا مطالعہ فقط اس نگاہ سے کریں کہ مؤلف نے آپ کے سامنے ایک شخص کی ایثار پیشہ زندگی کا ایسا موقع پیش کیا ہے جو اپنے اندر دعوتِ عمل، درسِ شجاعت اور سامانِ عبرت کا وافر حصہ لیے ہوئے ہے۔ مؤلف نے اسی تاثر کے ساتھ یہ اوراق تحریر کیے ہیں اور اپنی خامہ فرسائی سے اس دردِ دل کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر قارئین بھی اس تاثر کو محسوس کر کے سچائی کے راستے میں آنے والی مشکلات سے نہ گھبرانے اور حق پر ڈٹ جانے کا عزم کر لیں تو میں سمجھوں گا کہ میری یہ کوشش رایگاں نہیں گئی۔

اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے شوال ۱۴۱۸ھ (فروری ۱۹۹۸ء) میں شروع کیا جانے والا یہ کام رمضان ۱۴۳۱ھ (اگست ۲۰۱۰ء) میں تکمیل کو پہنچ رہا ہے، مجھ سے بے مایہ اور کم استعداد شخص کے ہاتھوں اس عظیم کام کی انجام دہی محض خالقِ جل شانہ کی دست گیری سے ممکن ہوئی۔ بندہ حیران ہے کہ اس توفیق پر اپنے خالق و مالک کا کس زبان سے شکر ادا کرے۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا اَنْتَ اَهْلُهُ. اَللّٰهُمَّ لَا اُخْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ اِلَّا كَمَا اُثْنَيْتَ عَلٰی نَفْسِيْہ

اس تالیف میں جو ذرہ خیر ہے وہ میرے رب کی طرف سے ہے اور جو مادہ شر ہے وہ میری جانب سے ہے۔ برادرِ عزیز مولانا رشید احمد منیب نے کتاب کی تصحیح میں بڑی جانفشانی سے کام لیا، نیز بہت سے مفید مضامین کی طرف راہنمائی کی اور بعض جگہ کارآمد حواشی کا اضافہ بھی کیا۔

حق تعالیٰ شانہ تمام معاونین کو بہترین جزائے خیر مرحمت فرمائے۔

محمد اسماعیل ریحان، کراچی

دس رمضان ۱۴۳۱ھ۔ بیس اگست، ۲۰۱۰ء شبِ تین بجے

— — — — —



## آئیے! سچائی تلاش کریں

مکافاتِ عملِ فطرت کا اہل قانون ہے جو ہر زمانے میں سچا اور حتمی ثابت ہوا ہے۔ فرد کی زندگی سے لے کر قوموں کی حیات تک میں یہ قانون کارفرما نظر آتا ہے۔ اقوامِ عالم کے عروج اور تنزل کی عبرت انگیز تاریخ، بڑی بڑی مملکتوں اور حکومتوں کے قیام اور ان کی شکست و ریخت کے افسانے، دنیا کے قدیم مذاہب اور نظریاتی تحریکوں کی کامیابی اور پھر ان کی ترقی معکوس کی داستانیں اس قانونِ الہی کی اثر انگیزی پر گواہ ہیں۔

بنی اسرائیل کی تاریخ کے دو عظیم انقلابات ..... قرآن مجید نے بنی اسرائیل کے عروج و زوال کی داستان جس انداز سے بیان کی ہے وہ مسلمانوں کو دعوتِ غور و فکر دیتی ہے۔ جب اس قوم کی سرکشی اور نافرمانی تمام حدود سے تجاوز کر گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ادا بار و حرمان کی گھٹاؤں کو مسلط کر دیا، بخت نصر بنی اسرائیل کی تباہی و بربادی کا پیام بن کر بابل سے آیا اور بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر بنی اسرائیل کے فلک یوس اقبال کو پیوند زمین کر گیا۔

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَٰئِهِمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَلِ الدِّيَارِ .  
(پھر جب ان دو بار میں سے پہلی بار کی میعاد آئے گی تو ہم تم پر اپنے ایسے بندوں کو مسلط کریں گے جو بڑے جنگجو ہوں گے پھر وہ گھروں میں گھس پڑیں گے۔)

ایک طویل عرصے کے بعد انبیاء علیہم السلام کی دعوت سے ان کے مردہ قلوب میں پھر حیات کے آثار پیدا ہوئے اور اس قوم نے ذلت و خواری کی پستی سے نکل کر اقوامِ عالم میں پھر اپنا مقام پیدا کیا مگر یہ دور عروج بھی پائدار ثابت نہ ہوا کفر و شرک، تکذیبِ رسل، تکبر و تفاخر، ظلم و ستم، مکر و فریب، عیش و عشرت اور تحاسد و انتشار جیسے ان کے عظیم جرائم نے پھر قہرِ الہی کو دعوت دی۔

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءَ وُجُوهُكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتَّبِعُوا .

(پھر جب پچھلی بار کی میعاد آئے گی تو پھر ہم دوسروں کو مسلط کریں گے تاکہ مار مار کر تمہارے منہ بگاڑ دیں اور جس طرح وہ لوگ مسجد میں گھسے تھے یہ لوگ بھی گھس پڑیں اور جس جس پر ان کا زور چلے سب کو برباد کر ڈالیں۔)  
تباہی و ہلاکت کی یہ دوسری پیش گوئی یورپی حملہ آور طیطوس رومی کے ہاتھوں پوری ہوئی جس نے نسلِ یہود کو خاک و خون میں لت پت کر کے القدس کو شعلوں کا لبادہ پہنا دیا۔

اس امت کی تاریخ کے دو عظیم ترین حادثے ..... بنی اسرائیل کی تاریخ کا یہ اجمالی خاکہ ذہن نشین کرنے کے بعد ہم امتِ مسلمہ کی تاریخ اور اس کے مد و جزر کا جائزہ لیں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جب تک مسلمان اسلام کو اپنی

متار عزیز سمجھتے رہے، اللہ کی توحید، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آخرت پر ان کا ایمان پختہ اور گہرا رہا، جہاد ان کا محبوب مشغلہ رہا اور ان کی نگاہوں میں دنیا کی زندگی حقیر و بے ثبات رہی وہ اللہ کی زمین پر خلافت و قیادت کے حق دار رہے۔ اللہ کی زمین پر اللہ کے نظام کا نفاذ ان کا نصب العین تھا، ان کی زندگی سراپا دعوت اسلام تھی، ان کی راتیں سجدہ ریزی میں اور دن شبہ سواری میں بسر ہوتے تھے، ان کے خلفاء چین سے لے کر فرانس تک کے تاجداروں سے خراج وصول کرتے تھے۔ ان کے اخلاق تمام اقوام عالم کے لیے نمونہ عمل تھے، ان کی معاشرت، معیشت، تمدن اور تہذیب سے یورپ و افریقہ کے ظلمت کدوں میں ارتقا کا موج پیدا ہوا۔ مشرق و مغرب والوں نے ان سے اصول جہان بینی سیکھے، دنیا کی ہر قوم ان کی آگے سرنگوں تھی اور ترقی کے ہر میدان میں ان کی خوشہ چین تھی۔ مگر آخر کار اسلام کا یہ سنہر اور ختم ہوا اور اس کی رفتار عروج دھیرے دھیرے تنزل کی جانب کا مزن ہوئی، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی حرارت سرد پڑنے لگی، مادہ پرستی، دنیوی ترقی، نفع پسندی اور آرائش و آسائش کی طمع دلوں میں جگہ بنانے لگی۔ رفتہ رفتہ دنیا کی چاہت دلوں میں اس قدر گھر کر گئی کہ آخرت میں جو ابد ہی کا تصور پس منظر میں چلا گیا، اللہ کی کھلم کھلا نافرمانیوں کا زور ہو گیا، موت سے کراہت محسوس ہونے لگی اور اللہ کے راستے میں سربکف ہو کر میدان کارزار میں اترنے والے رجال کا روز بروز کم ہوتے گئے حتیٰ کہ فریضہ جہاد کو طاق نسیان میں رکھ کر امت ہمہ تن باہمی اکھاڑ پچھاڑ میں مشغول ہو گئی۔ چوتھی صدی ہجری میں مرکز خلافت کے کمزور پڑنے اور نئی خود مختار حکومتوں کی روزمرہ تفکیمات سے امت مسلمہ کے تنزل کی رفتار حد درجہ تیز ہو گئی اور چھٹی صدی کے آخر تک عالم اسلام انتشار و افتراق کی آخری حدود کو چھو رہا تھا جب کہ کافر حکمران بڑے کروفر سے عالم اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نگلنے کی تیاریاں کر رہے تھے، غرضیکہ وہ امت مرحومہ جسے اس کے مشفق و مربی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایک جسم اور ایک عمارت کی حیثیت دے کر گئے تھے چھ صدیوں بعد اس کی شکست و ریخت کے آثار و اسباب مکمل ہو چکے تھے۔

چونکہ قانون مکافات عمل ہر قوم اور ہر امت کے لیے یکساں ہے اس لیے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اپنے تمام فضائل و کمالات کے باوجود قدرت کے اس حتمی دستور کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کی طرح یہ امت بھی (روز اول سے لے کر اپنی موجودہ دور کی تاریخ تک) دو مرتبہ قانون الہی کے تحت ظہور پذیر ہونے والے ایسے ہمہ گیر حوادث کا نشانہ بنی، جن کی تباہ کاری اور ہلاکت خیزی نے تقریباً سارے عالم اسلام کو تہہ و بالا کر ڈالا، اور پوری اسلامی دنیا فنا و بقاء کی زبردست کش مکش میں مبتلا ہو گئی۔

چھٹی صدی ہجری کے اختتام اور ساتویں صدی ہجری کے آغاز پر امت مرحومہ کو وہ پہلا عظیم حادثہ پیش آیا جو اہل اسلام کی غفلتوں اور کوتاہیوں کے تسلسل کی پاداش میں فطرت کا ایک شدید تازیانہ تھا اور جس کے صدمے سے تمام عالم اسلام کی زندگی داؤ پر لگ گئی تھی۔ یہ منگولیا کے درندوں کی بلا خیز یلغار تھی جس نے عالم اسلام کو خاکستر کر دیا، آباد زمین کے نصف حصے کو کھنڈر بنا دیا اور خلافت عباسیہ کا خاتمہ کر دیا۔

اسلامی تاریخ کا دوسرا عظیم ترین المیہ عالم اسلام پر اقوام مغرب کا موجودہ عالمی تسلط ہے جس کی ابتدا بارہویں صدی ہجری (اٹھارہویں صدی عیسوی) میں ہوئی اور جس کے ہمہ گیر تاریخی اثرات سے عالم اسلام کا کوئی گوشہ محفوظ نہیں رہ سکا، جس میں فرانس، برطانیہ، روس اور امریکا کبھی یکے بعد دیگرے اور کبھی متحد ہو کر پورے عالم اسلام کو رینال

بنائے ہوئے ہیں، تو امِ مغرب کا یہ حملہ اسلام کی جغرافیائی سرحدوں پر بھی ہوا اور نظریاتی سرحدوں پر بھی۔ برصغیر سمیت تقریباً سارے اسلامی ممالک ایک طویل عرصے تک ان کے زیرِ نگیں رہے۔ غلامی کی اس منفی تاثیر سے مسلمانوں کی اکثریت اپنے دین و مذہب، اپنے اسلاف کے علمی ورثے، اپنی معاشرت، تہذیب تمدن اور ثقافت غرضیکہ ہر شے سے لاتعلقی ہو کر رہ گئی۔ غیروں کی نفش برداری اور ان کی نقالی کو سرمایہ فخر سمجھا جانے لگا، غیر مسلم حملہ آوروں کی غلامی کرتے کرتے مسلمان جذبہ حریت اور قومی غیرت سے محروم ہو گئے اور جہاد کا لفظ اور مفہوم ان کے لیے اجنبی بن گیا، کافرا تو ام کا یہ تسلط ہنوز باقی ہے بلکہ اس وقت اپنی انتہاء پر ہے، افغانستان اور عراق کے بعد اب پاکستان ان کی زد میں ہے، بیت المقدس پانچ عشروں سے ان کے زیر قبضہ ہے اور کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے محاصرے میں ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

جب دورِ حاضر سے ماضی کی طرف پلٹ کر ایک بار پھر ہم منگولیا کے حملہ آوروں کی عالم اسلام پر یلغار کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اس جگر پاش حقیقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ اس طوفان پر آشوب سے شش صد (۶۰۰) سالہ قدیم اسلامی تہذیب و تمدن خاک میں مل گیا تھا اور مسلمانوں کی افرادی قوت اتنی گھٹ گئی تھی کہ وہ عالمی تناظر میں ایک اقلیت بن کر رہ گئے تھے۔ عالم اسلام کے مغربی شہروں کے سوا کوئی علاقہ تاری غارت گردوں سے محفوظ نہیں رہ سکا تھا اور جہاں ان کے قدم نہیں پہنچے وہاں بھی ان کا خوف لوگوں کو حواس باختہ کیے دے رہا تھا، ہر شخص یہ یقین کر چکا تھا کہ تاری تاری آج نہیں تو کل یہاں بھی آگ اور خون کی ہولی بھیلیں گے۔ اس جانکاہ حادثے میں امت مسلمہ اپنی ہر قسم کی جمع پونجی لٹا بیٹھی، عظیم الشان مساجد، بڑے بڑے مدارس، نادر و گراں مایہ کتب سے پر لا بہریریاں، شراب معرفت کے جام لٹھکانے والی خانقاہیں..... یہ سب کچھ مٹ گیا۔

عالم اسلام کے جلیل القدر ائمہ، فقہاء، محدثین، صوفیاء، محققین، مؤرخین، سائنسدان اور ادیب اسی سیلاب کی لہروں میں گم ہو گئے۔ بڑے بڑے نامور بادشاہ، شہزادے، سپہ سالار اور مجاہد قائدین اسی طوفان کی نذر ہوئے۔ ہزاروں قلعے اور لاکھوں کی آبادی پر مشتمل بڑے بڑے شہر بے نام و نشان ہو گئے، ڈیڑھ کروڑ کے لگ بھگ انسانوں کے صفحہ ہستی سے مٹ جانے سے نسلوں کی نسلیں اور قوموں کی قومیں اپنا وجود کھو بیٹھیں۔ چند برس میں دنیا کا نقشہ اس طرح پلٹ گیا جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تاریخ کی ہزاروں تخریب کاریوں اور ہلاکت خیزیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اس مقام پر آ کر مؤرخ بھی تاب ضبط کھو بیٹھا اور یہ لکھنے پر مجبور ہو گیا:

”اس حادثے کی ہولناکی اور دہشت انگیزی کے باعث میں کئی سال تک اس کے تذکرے سے احتراز کرتا رہا، اس کے ذکر کو ناپسند کرتا رہا، اب بھی میں پس و پیش میں ہوں (کہ لکھوں یا نہ لکھوں)۔ ہاں! بھلا اسلام اور مسلمانوں کی موت کا اعلان کرنا کس کے لیے آسان ہے؟..... کون ہے جو اسے احاطہ تحریر میں لانے کا حوصلہ کرے؟ اے کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی، اے کاش کہ میں اس حادثے سے پہلے ہی مر گیا ہوتا اور بھولا بھلا ہوا ہو چکا ہوتا۔ مگر کچھ دوستوں نے مجھے یہ لکھنے پر آمادہ کیا، حالانکہ میں متذنب تھا، پھر میں نے سوچا کہ نہ لکھنے کا کوئی فائدہ نہیں، اب میں بتاتا ہوں کہ یہ ایسا حادثہ عظمیٰ اور مصیبت کبریٰ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اسکی نظیر نہیں مل سکتی۔ گزشتہ دن اور رات اسکی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

یہ حادثہ تمام دنیا پر چھا گیا ہے مگر خاص کر مسلمانوں پر۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آج تک ایسی مصیبت نازل نہیں ہوئی تو وہ یقیناً سچا ہوگا۔ کیونکہ تاریخ میں اس واقعہ کے قریب بلکہ اس کا عشرِ عشر بھی نہیں ملتا۔

بڑے بڑے حوادث کے تذکرے میں مؤرخین جو عظیم ترین حادثہ بیان کرتے ہیں وہ بیت المقدس میں بخت نصر کے ہاتھوں بنی اسرائیل کا قتل عام ہے، مگر درحقیقت بیت المقدس ان شہروں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں، جنکو ان بد بختوں (تاتاریوں) نے تباہ و برباد کیا ہے، ان شہروں میں سے ہر ایک بیت المقدس سے کئی گنا بڑا ہے، اسی طرح بنی اسرائیل کے مقتولین کو تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے افراد کی تعداد سے کچھ نسبت نہیں ہے، اس لیے کہ ان شہروں میں سے ایک شہر کے افراد کی تعداد بھی بنی اسرائیل کے تمام مقتولین سے زیادہ ہے۔ شاید دنیا والے اس عالم کے فنا ہونے تک اس جیسا حادثہ پھر نہیں دیکھیں گے، سوائے یا جوج ماجوج کی تباہ کاری کے۔ (کہ وہ اس سے زیادہ ہوگی)

جہاں تک دجال کے ظاہر ہونے کا تعلق ہے تو وہ ان لوگوں کو زندہ چھوڑ دے گا جو اس کے تابع ہو جائیں گے اور صرف مخالفت کرنے والوں کو قتل کرے گا، مگر ان تاتاریوں نے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑا، بلکہ عورتوں، مردوں، بچوں سب کو قتل کر ڈالا، حتیٰ کہ انہوں نے حاملہ عورتوں کے شکم چاک کر کے بچوں کو نکال کر ذبح کیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ یہ ایسا عظیم فتنہ ہے کہ اس کی چنگاریاں ہر طرف اڑ رہی ہیں اور اس کا فساد ہر طرف پھیل چکا ہے، اور یہ شہروں سے اس بادل کی طرح گزرتا چلا گیا ہے جس کو آندھی ہانک رہی ہو۔“ (التاریخ اکمل لابن اثیر ج ۷ ص ۵۷۰)

مشہور جغرافیہ دان، مؤرخ اور سیاح یاقوت حموی (متوفی ۶۲۶ھ) جو اس حملے کے وقت سلطنتِ خوارزم کے شہر مرو میں تھے ایک خط میں اس سانحہ پر اپنے غم اور اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ان شہروں میں کفار اور خدا کے منکر گھس چکے ہیں، ان پردوں پر گمراہوں اور دشمنوں کا حکم نافذ ہے، وہ محلات حرف غلط کی طرح مٹ چکے ہیں، اب وہ وطن صرف انسانی لاشوں اور کھوکھلوں کا ٹھکانہ بن گیا ہے، وہاں صرف آلوں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں، ان ممالک کی حدود میں بادِ سموم کے گولے چل رہے ہیں، دوسروں کا دل بہلانے والا وہاں جا کر خود وحشت زدہ ہو جاتا ہے، تباہی و بربادی کے اس حادثے پر شاید ابلیس بھی مرثیہ کہتا ہوگا۔

كَانَ لَمْ يَكُنْ فِيْهَا اَوَانِسٌ كَمَا لَدُنِّيْ وَ اَقْبَالَ مُلْكٍ فِیْ بَسَالَتِهِمْ اُسْدٌ  
(گویا کہ وہاں مورتیوں کی مانند حسین و پاکباز خواتین اور اپنی شجاعت میں شیروں جیسے دلیر بادشاہ کبھی آباد ہی نہ تھے۔)

فَمَنْ حَسَاتِمٍ فِیْ جُوْدِهِ وَاَبْنُ مَامَةِ وَ مَنْ اَخَفَّ اِنْ غَدَّ حِلْمٌ وَ مَنْ سَعَدَ  
(بھلا! اب ستائش و ستائش میں حاتم اور ابنِ امامہ کا کردار کون ادا کرے گا۔ اور اگر تحمل کا اندازہ کیا جائے تو اخف اور سعد کون ہوگا۔)

تَدَاعَى بِهِمْ صَرَفَ الزَّمَانِ فَاصْبَحُوا لَنَا عِبْرَةً تُذَمُّ الْحَشَا وَلَمَنْ بَعْدُ

(زمانے کے حوادث ان کے پرچے اڑا دئے پس وہ ہمارے لیے اور بعد والوں کے لیے ایسی داستان عبرت بن گئے جو جگر کا خون کر دیتی ہے۔) (مجمع الادباء ج ۱، ص ۳۳، ۳۵)

آمدند و گدند ..... اس زمانے کے کسی بلیغ انسان نے تاتاریوں کی غارت گری بچشم خود دیکھنے کے بعد کہا تھا: ”آمدند و گدند و سوختند و دند و رفتند“ (وہ آئے، سب کچھ کھود ڈالا، جلادیا، لوٹ لیا اور چلے گئے۔)

اس کا یہ جملہ ضرب النثل کی طرح مشہور ہو گیا تھا، کیونکہ اس ایک جملے میں تاتاریوں کی دہشت گردی کی پوری داستان پنہاں ہے۔

تاتاری یلغار کی متواتر شہرت اور ایک سوالیہ نشان ..... عالم اسلام کو پیش آنے والا یہ اندوہناک سانحہ اتنا مشہور ہے کہ تاریخ سے دلچسپی نہ رکھنے والے افراد بھی اس سے واقف ہیں، شاید ہی کوئی فرد ہو جو چنگیز خان اور ہلاکو خان کے ناموں کو دہشت گردی اور خون ریزی کی علامت کے طور پر نہ جانتا ہو۔ ان بے رحم درندوں کے ہاتھوں امت مسلمہ کا جو قتل عام ہوا اس کی شہرت تو اتر کے درجے کو پہنچ گئی ہے اور زمانہ قدیم سے لے کر دورِ حاضر تک ان کی بے حیثیت اور درندگی کے عبرتناک واقعات ہر دردمند مسلمان کے لیے باعثِ حزن و ملال رہے ہیں.....

مگر یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور تاریخ کے قاری کے قلب و جگر کو ہنھوڑتا ہے..... وہ یہ کہ تاتاریوں کی اس ہمہ گیر یورش کے سامنے کوئی مردِ مجاہد سینہ سپر ہوا؟؟؟..... کیا اس نازک ترین موقع پر نبی السیف والملائم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی امتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: اَلْجِهَادُ مَصَابِيحُ الْيَوْمِ الْقِيَامَةِ کا مظہر بن کر اس طوفان کے راستے میں بھرپور مزاحمت کر سکا؟؟..... تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے ایک عام فرد کو اس کا جواب عموماً نفی میں ملتا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور کی چند معتبر کتب کے سوا، اکثر و بیشتر تواریخ خصوصاً وہ کتابیں جو بعد کے دور میں تحریر کی گئیں اور مخصوص حالات کی بنا پر لوگوں میں زیادہ مقبول ہوئیں، وہ تاتاریوں کی یورش کے بیالیس سال (۶۱۶ھ تا ۶۵۸ھ) تک کے حالات میں ان کے خلاف کسی منظم اور مربوط جدوجہد کے ذکر سے خالی ہیں، چنانچہ ان کتب کے مطالعے سے تاریخ کا عام طالب علم یہ تاثر لیتا ہے کہ ۶۵۸ھ (۱۲۶۰ء) میں عین جالوت کے مشہور معرکے سے قبل تاتاریوں کو کبھی شکست کا سامنا نہیں ہوا، تاریخ کے اس ادھورے مطالعے اور اس کے حذف و تحریف شدہ مواد کے ایسے سطحی جائزے کا نتیجہ اس شکستگی اور احساسِ کمتری کی صورت میں برآمد ہوتا ہے جو دشمنانِ اسلام مسلمانوں کے اندر دیکھنا چاہتے ہیں۔

مسلمان حکمرانوں کی خطرناک غفلت اور سلطان جلال الدین کا کردار ..... اس میں شک نہیں کہ اس دور کے اکثر ملوک و سلاطین نے اس یلغار کے سامنے سپر ڈال دی تھی، اور جذبہ جہاد کو فراموشی کے مسلمانوں کے اس عظیم قتل عام پر وہ خاموش تماشائی بنے رہے تھے، اس دور کے دردمند اہل علم و فضل کی تحریرات مسلمان بادشاہوں کی اس بے حیثی کا کھلا ثبوت ہیں۔ چنانچہ شیخ نجم الدین رازی رحمہ اللہ جو اسی زمانے کے ایک عظیم صوفی بزرگ ہیں اپنی تصنیف ”مرصاد العباد“ کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں:

”ان ملعون اور ذلیل تاتاریوں نے اسلام اور مسلمانوں کو جس فتنے اور خرابی میں مبتلا کر دیا ہے اسے لفظوں میں سونا ممکن نہیں۔ ہمارے بادشاہوں اور حکمرانوں پر اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کی ذمہ داری عاید ہوتی ہے اس لیے کہ اَلَا مِيسِرُ رَاِعِ عَلٰی رَعِيَّتِهٖ وَهُوَ مَسْتُوْلٌ عَنْهُمْ (امیر اپنی رعایا کا نگران ہے اور اس سے ان کے حقوق کے بارے میں پوچھ ہوگی۔) اللہ نہ کرے اگر اب بھی ان کے دلوں میں اسلامی غیرت و حمیت کا جذبہ بیدار نہ ہو اور وہ دینی ولولے اور دلیری سے عاری رہے، اگر اب بھی سبیل کراہیک مستحکم جمعیت نہ بنے، اِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔ (جہاد میں نکلو چاہے ہلکے ہو یا بوجھل اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو) کے حکم کی تعمیل کے لیے کمر بستہ نہ ہوئے، اپنی جان، مال اور بادشاہت کو اس فتنے کے تدارک کے لیے قربان نہ کیا تو اس بات کے آثار نظر آرہے ہیں کہ اسلام کا وجود بالکل ختم ہو جائے اور اکثر اسلامی ممالک پر حاوی یہ فتنہ باقی ماندہ دنیائے اسلام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے اور ساری دنیا کفر سے بھر جائے۔ نعوذ باللہ من ذلک اور اس کا خطرہ بیدار ہو چلا ہے کہ اسلام کا جو نام باقی رہ گیا ہے ہم نام نہاد حقیقت سے کورے مسلمانوں کے اعمالِ بد کی خوست سے، یہ بھی مٹ جائے کہ پھر اسلام کا نام و نشان بھی نہ رہے۔“

اس دور کے دیگر مؤرخین نے بھی مسلمان حکمرانوں کی اس مجرمانہ غفلت پر جا بجا اظہارِ افسوس کیا ہے، مگر کم ہمتی، بزدلی، آرام پسندی، خود غرضی اور عاقبت نااندیشی کے ان لاتعداد جان بلب مرلیضوں کے درمیان ہمیں اس دور میں ہمت، ولولے، فرض شناسی اور جذبہ جہاد سے سرشار ایک ایسا کردار نظر آتا ہے جس نے اس عالمگیر آفت سے تمام عالم اسلام کے دفاع کی ذمہ داری تنہا اپنے سر لے لی اور مسلم حکمرانوں کی کوتاہیوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے اس نے سردھڑکی بازی لگا کر اس فریضے کو انجام دینے کی حتی الامکان کوشش کی۔ تاریخ کا یہ لازوال کردار، اور اسلام کا یہ عظیم سپوت ”سلطان جلال الدین خوارزم شاہ منکبرتی“ ہے۔ مایوسی اور یاس انگیزی کے اس مہیب دور میں، ناامیدی کی ان گھنگھور گھٹاؤں میں، سلطان جلال الدین ہی وہ مرد مجاہد تھے جو امید کی شمع بن کر روشن ہوئے، وحشت اور بہیمیت کی ان طوفان خیز آندھیوں میں ایک وہی رجل رشید تھے جنہوں نے اسلام کے خیمے کو اکھڑنے سے بچانے کے لیے اپنی تمام توانائیاں صرف کر دیں۔

سلطان جلال الدین کی جدوجہد اور ان کی حق تلفی..... اگر فکر و نظر کا دائرہ وسیع کر کے، ذہن کو تعصب سے پاک کر کے تاریخ کا عمیق مطالعہ کیا جائے خصوصاً اس دور کی قدیم و نایاب کتب تواریخ کو کھنگالا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اس عالمی دہشت گردی و خون ریزی کے کرہ ناک پس منظر کو بھی سامنے رکھا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہوگی کہ اس دور میں ”سلطان جلال الدین منکبرتی خوارزم شاہ“ وہ مرد آہن تھے جنہوں نے چنگیزی وحشت و بہیمیت کے طوفان کے سامنے سد سکندری کا کردار ادا کیا، اور جب تک ان کے دم میں دم رہا، انہوں نے اس عالمگیر فتنے کو مزید بڑھنے سے نہ صرف روکے رکھا بلکہ اس پر ایسی کاری ضربیں لگائیں کہ فاتح عالم سوز چنگیز خان کا سارا غرور خاک میں مل گیا، صرف ۶۱۸ھ کے ایک سال میں سلطان شہید نے چنگیزی لشکروں کو کئی میدانوں میں پے در پے شکستیں دیں، اگر انہوں کی

غداري آڑے نہ آتی تو سلطان اپنی زندگی ہی میں ان حملہ آور کافروں کو تہس نہس کر ڈالتے مگر صد افسوس کہ سلطان کو خود اپنوں کی بے وفائی اور ناقدری نے نہتا کر دیا اور وہ تنہا ہی ان درندوں سے لڑتے بھڑتے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

سلطان جلال الدین کے ساتھ بے مروتی اور نا انصافی کا یہ رویہ ان کی شہادت کے بعد بھی برقرار رہا، ان کی قربانی اور جدوجہد کو ایک سازش کے تحت طاقی نسیان میں ڈال دیا گیا۔ چنگیز خان کو شہرت کے آسمان پر پہنچانے والے اربابِ سخن ان عظیم قربانیوں سے نظریں جراتے رہے جو اس بلائے بے درماں کو روکنے کے لیے سلطان جلال الدین کی قیادت میں مجتمع ہونے والے مجاہدوں نے پیش کی تھیں۔ چنگیز خان کے ظلم و ستم اور اس کی طوفانی یلغار کا ذکر تو زبان زد خواص و عوام ہو گیا مگر جن محاذوں پر اس کو منہ کی کھانی پڑی ان کا تذکرہ نظر انداز کر دیا گیا۔ مؤرخین کے ہاتھوں چنگیز خان اور ہلاکو خان کے حالات پر مشتمل ایسی درجنوں کتابیں پایہ تکمیل تک پہنچی ہیں جن میں ان کی درندگی، بے رحمی اور خون آشامی کے تذکرے کے ساتھ ساتھ جگہ جگہ ایسا تاثر دیا گیا ہے جو ان کی شخصیات کا ایک سحر انگیز تصور پیش کرتا ہے اور ان کی غیر معمولی ہیبت آمیز عظمت دلوں میں پیدا کرتا ہے۔ مگر اس کے برخلاف وہ مردِ مجاہد جو سر پر کفن باندھ کر ان قاتلینِ انسانیت کے مقابلے پر اترا اور جو واقعی اس کا اہل تھا کہ اس کی شخصیت کو غیر معمولی مانا جاتا، اس کی قربانیوں، کاوشوں اور جدوجہد کی خوب چھان بین کر کے اسے شرح و وسط سے بیان کیا جاتا، اربابِ قلم نے اسے یہ مقام دیا کہ اسے چنگیز خان کے تذکرے کے ضمن میں آجانے والے محض اس کے ایک معمولی حریف کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ اس کے حالات، سیرت، کردار اور کارناموں کے لیے کسی تحقیق یا تفصیل کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔

سلطان جلال الدین کی حق تلفی کی وجوہات ..... سلطان جلال الدین خوارزم شاہ رحمہ اللہ کو تاریخ میں اپنی حیثیت اور مرتبے کے مطابق جگہ نہ ملنے کی وجوہات کیا ہیں؟ اس تصنیف کے دوران یہ سوال بار بار میرے دل و دماغ کو بے چین کرتا رہا اور میں تاریخ کے قدیم و جدید مآخذ و مراجع کی چھان بین کے دوران اس سوال کا جواب حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا، بالآخر اس دور کی تواریخ کے وسیع جائزے اور گہرے غور و خوض کے بعد اس کے مندرجہ ذیل اسباب سامنے آئے۔

1..... یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دنیا میں غیر معمولی کارنامے انجام دینے والے افراد بے شمار ہوتے ہیں مگر شہرتِ دوام اور تاریخ میں اپنی حیثیت کے مطابق مقام انہی کو نصیب ہوا ہے جن کے مداحوں نے ان کے تذکرے کو تاریخ کا حصہ بنانے کی جدوجہد کی۔

تاریخ میں سلطان کو ان کا کماحقہ مقام نہ ملنے کی سب سے بڑی وجہ ان کے وفادار اور حاضر باش سوانح نگاروں کی کمیابی بلکہ نایابی ہے۔ تا تاریخوں کے حملے سے خوارزم کی عظیم سلطنت اس طرح اجڑی کہ اس کے مدارس و مکاتب بے نام نشان ہو گئے، یہاں کے فقہاء، مفسرین، محدثین، ادباء، مؤرخین اور شعراء کی ایک پوری نسل نابود ہو گئی، جو زندہ بچ گئے ان میں سے بہت سے تاریخوں کی قید میں ذلت و کبت کی زندگی گزارتے رہے، بہت سے ہجرت کر کے دور دراز کے علاقوں کو چلے گئے اور بقیہ عمر گوشہ گنہامی میں گزار کر رخصت ہو گئے، ایسے حالات میں ایسے افراد کہاں میسر آ سکتے تھے جو سلطان جلال الدین کی زندگی کو قریب سے دیکھ چکے ہوں، ان کے سرد و گرم ایام کے رفیق ہوں، ان کی صبح و شام سے بلا واسطہ آگاہ ہوں، پھر اہلِ سخن بھی ہوں اور سوانح نگاری کا حق ادا کر سکتے ہوں۔ صرف سلطان جلال الدین

کے ایک معتمد مصاحب محمد بن احمد النسوی نے اس فرض کو ادا کرنے کی مقدور بھرکوشش کی اور ”سیرۃ سلطان جلال الدین منکمرتی“ کے عنوان سے اس موضوع پر ایک جلد تصنیف کی۔ اگرچہ اس پر آشوب زمانے میں اتنا کام ہو جانا بھی غنیمت تھا کیونکہ اگر محمد بن احمد النسوی یہ مواد جمع نہ کر جاتے تو بعد میں اس موضوع پر کام کرنا نہ صرف مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہوتا، تاہم سلطان جلال الدین کے عظیم کارناموں اور ان کی عبقری و غیر معمولی شخصیت کا حق صرف اس ایک تصنیف سے ادا نہیں ہوتا جو اس زمانے کے گہرے پس منظر، سلطان کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کے تفصیلی جائزے، اور ان کے خاندانی و نجی کوائف کی مبسوط توضیح سے خالی ہے۔

**2**..... سلطان جلال الدین کے حالات پر کما حقہ محنت نہ ہونے کی ایک وجہ نسلی اور وطنی تعصب بھی ہے۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا کہ خود سلطان کے اپنے ہم وطن اور ہم نسل افراد کو سلطان پر قلم اٹھانے کا موقع ہی میسر نہ آ سکا، مگر دیگر ممالک کے اہل سخن نے بھی سلطان کے حالات قلم بند کرنے سے احتراز کیا، اس کی بڑی وجہ اس دور کا نسلی اور وطنی امتیاز تھا (جو آج پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ موجود ہے) اس دور کے دیگر ممالک کے اہل قلم نے اپنے وطن کی معمولی شخصیات کو بھی بڑی اہمیت دی اور ان کی مدح خوانی میں اوراق کے اوراق سیاہ کر ڈالے، مگر سلطان جلال الدین کی اس حیثیت کو نظر انداز کر ڈالا کہ مسلمان ہونے کے ناطے وہ بھی ان کے ہم قوم اور ان کے دینی بھائی تھے جو ہزاروں میل طویل سرحدوں پر پہرہ دے کر کفر کی عالمی یلغار سے ان کا دفاع کرتے رہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جن شخصیات کو ان کی قوموں نے اپنا سمجھا ان کے معمولی کارناموں کو بھی بے حد سراہا، ان کی جدوجہد و قربانی چاہے غیر اقوام کے بہت سے لوگوں سے فروتر رہی، مگر ان کے ہم قوموں نے ان پر مدح و ستائش کے پھول برس کر ان شخصیات کو اقوام عالم کے لیے باعثِ رشک بنا دیا، ادباء نے ان کی سوانح حیات لکھی، شعراء نے ان پر قصیدے تحریر کیے، حکماء نے ان کے اقوال کو حکمت کے موتی سمجھ کر چنا۔ انہیں قوم کا محسن سمجھا گیا اور ان کے احسان کے بدلے ان کا نام زندہ رکھنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ نپولین اور ٹلر جیسے ظالم و جاہر لیڈروں کے نام آج اسی لیے زندہ ہیں ان کی قوم نے انہیں اپنا محسن و رہنما سمجھ کر ان کا نام زندہ رکھنے کی جدوجہد کی ہے۔ قوموں کی زندگی کی شخصیات کی زندگی کی ضامن ہے، جو قومیں نظر پاتی طور پر انتشار کا شکار ہو کر اپنے تشخصات بدل ڈالتی ہیں ان کی قابلِ قدر شخصیات بھی گم نامی کے اندھیروں میں اوجھل ہو جاتی ہیں۔ سلطان جلال الدین بھی انہی مظلوموں میں سے ایک ہیں جو اپنی قوم کی ناقدری کا شکار ہوئے اور علاقائی و وطنی اور نسلی تعصب کا نشانہ بنے۔

سلطان جلال الدین کی ساتھ روار کھے جانے والے اس تعصب کی ایک واضح مثال ہم برصغیر کی تاریخ میں دیکھ سکتے ہیں، کہ سلطان نے ایک عرصے تک برصغیر کے ایک وسیع رقبے پر جو جہلم سے لے کر وادی سندھ کے آخری حدود تک پھیلا ہوا تھا، حکمرانی کی ہے، اس تمام عرصے میں انہوں نے اہل ہند کا محسن اور ان کے ملک کا محافظ بن کر تاتاریوں کو ادھر بڑھنے کا موقع نہ دیا، ان کا عدل و انصاف اور رعایا سے حسن سلوک بھی مثالی رہا۔ مگر اس کے باوجود ہندوستان کی تاریخ کی مبسوط کتابوں میں سلطان جلال الدین کے لیے بمشکل دو تین سطریں دستیاب ہوتی ہیں اور وہ بھی سلطانِ اہتش کے حالات کے ضمن میں، گویا سلطان جلال الدین کا بذاتِ خود ہندوستان کی حکمرانی اور فتوحات میں کوئی دخل ہی نہ تھا، ان کا ہندو راجاؤں کو کئی معرکوں میں شکستِ فاش دینا کوئی جہاد نہ تھا۔ ستم تو یہ ہے کہ برصغیر کے اکثر مؤرخین نے



سلطان جلال الدین کو ایک مغرور اور آوارہ گرد سپاہی کی حیثیت سے متعارف کرایا جوتا تاریخوں کے خوف سے ہندوستان میں چند دن روپوش رہ کر واپس چلا گیا تھا۔ اس کے برعکس برصغیر کے بعض ایسے حکمران جن کا دور حکومت اور دائرہ عملداری سلطان جلال الدین کی بہ نسبت بہت کم تھا اور اپنی شخصیت و کردار کے لحاظ سے بھی وہ کچھ بہتر نہ تھے، ہندوستان کی تاریخ میں نمایاں مقام پا چکے ہیں۔ اسے وطنی و نسلی تعصب کے سوا اور کیا کہا جائے گا؟

3..... تیسری بڑی وجہ یہ ہے کہ سلطان جلال الدین کے حالات پر جن مؤرخین کو کم یا زیادہ لکھنے کی توفیق ہوئی وہ بھی پوری طرح سلطان کے موافق نہیں تھے۔ انہوں نے سلطان کے کارنامے بیان کرنے میں عموماً وضاحت سے کام نہیں لیا اس کے ساتھ ساتھ وہ جا بجا سلطان پر مختلف قسم کے الزامات بھی عائد کر گئے ہیں جن میں سے بہت سے الزامات بالکل بعید از عقل ہیں۔

ان مؤرخین کے اس طرز عمل کی وجوہات بیان کرنے سے پہلے ہم ان کو دو قسموں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔  
(الف)..... وہ مؤرخین جو تاریخوں کے زیر اثر تھے۔ (ب)..... وہ مؤرخین جو ان ممالک سے تعلق رکھتے تھے جو سلطان جلال الدین کے سیاسی حریف تھے۔

یاد رہے کہ سلطان کا تذکرہ کرنے والے اکثر مؤرخین ان دو قسموں سے باہر نہیں تھے۔ وہ مؤرخین جو کہ تاریخوں کے زیر اثر تھے ان کا سلطان جلال الدین کی مدح سرائی سے احتراز کرنا یا ان کے کارناموں کو وضاحت سے بیان نہ کرنا قطعاً باعث تعجب نہیں۔ تاریخوں کا ان پر پورا دباؤ تھا ان کی حکومت میں رہتے ہوئے ان کے دشمن کی شان میں رطب اللسان ہو کر وہ اس تصنیف سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے اور جان سے بھی۔ اس دور میں وسط ایشیا، خراسان، ایران اور عراق، تاریخوں کے مختلف خاندانوں کے زیر حکومت تھے، اگرچہ ان کی پچھلی نسلیں مسلمان ہو گئیں تھیں مگر ان کی خاندانی نخوت باقی تھی اور اپنے خونخوار و سفاک آباء پر تفاخر ان کے دلوں میں رچا بسا تھا۔ تاریخوں کے غیر مسلم اور مسلم حکمرانوں کا یہ تسلط کئی نسلوں تک برقرار رہا اس دور کی اکثر تاریخیں انہی ایام میں لکھی گئیں۔ ان مؤرخین کو مذکورہ بالا حالات کے باعث ایسا طرز تحریر اختیار کرنا پڑا جس سے سلطان جلال الدین کے حالات بھی (چاہے ضمناء ہی سہی) قلمبند ہو جائیں اور حکمران طبقے کے دلوں میں ان کی وفاداری کے متعلق کوئی شک بھی پیدا نہ ہو۔

اس کی واضح مثال ”تاریخ جہاں کشا“ ہے جو عطا ملک جوینی کی تصنیف ہے، موصوف تاریخ حکومت میں ایک اہم عہدے پر فائز تھے۔ یہ کتاب درحقیقت بانی حکومت چنگیز خان کے حالات پر مشتمل ہے ”جہاں کشا“ (دنیا کا فاتح) سے چنگیز خان ہی مراد ہے، مگر اس کتاب میں ضمناء سلطان علاؤ الدین محمد اور سلطان جلال الدین کے حالات بھی آگئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ لکھنے سے ان مصنفین کا مقصد یہی تھا کہ ان عظیم المرتبت مسلمان حکمرانوں کے کچھ نہ کچھ حالات بعد والوں تک پہنچ جائیں مگر تاریخوں کی تلوار کے نیچے ان کے کسی مسلمان ملازم کا ان حالات کو قلمبند کرنا آزادانہ طور پر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے اگر ان لوگوں کی تحریرات میں سلطان جلال الدین کے متعلق کوئی نامناسب بات نظر آئے تو اسے مذکورہ مجبوری کا لحاظ کرتے ہوئے نظر انداز کرنا چاہیے۔

31 اگر ماضی قریب میں اس قسم کی مثال دیکھنا چاہیں تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے حالات پر ان کے خلیفہ رشید حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھی رحمہ اللہ کی تصنیف تذکرۃ الرشید ص ۳۷ تا ص ۹ کا مطالعہ کریں جس میں

انگریزوں کے خلاف حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے جہاد کے حالات کو بڑے ذومعنی الفاظ میں تحریر کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ کتاب انگریزوں کے دور میں لکھی گئی تھی اس لیے اگر کھلے لفظوں میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے جہاد کے حالات بیان کیے جاتے تو حضرت قدس سرہ کے متعلقین پر انگریزوں کی جانب سے سخت افتاد پڑنے کا خطرہ تھا، اس لیے ایسا انداز اختیار کرنا پڑا جس سے اصل مدعا بھی بیان ہو جائے اور سرکاری قانون کی گرفت سے بھی بچاؤ ہو سکے۔

تذکرۃ الرشید مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور ص ۶۱۴ تا ص ۶۲۲ پر اس کے متعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ کا نہایت اہم مکتوب نقل کیا گیا ہے اس کے آخر میں حضرت شیخ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”اس میں شک نہیں کہ مولانا میرٹھی رحمہ اللہ دہلی زبان میں کسی دوسرے پیرایے میں بھی بیان کر سکتے تھے اور اختیار کردہ طرز تحریر میں جو کچھ خوشامد کے سے الفاظ حکومتِ برطانیہ کے حق میں نکل گئے ہیں ان سے بچ سکتے تھے لیکن انہوں نے اس زمانے کے حالات کے اعتبار سے جیسا مناسب جانا لکھ دیا۔ میں مزید یہ بات بھی کہتا ہوں کہ آفتاب آفتاب ہی ہے اس پر اگر پردہ ڈالا جائے تو چھپ نہیں سکتا، اگر مولانا میرٹھی رحمہ اللہ یا کسی بھی دوسرے سیرت نگار نے کوئی ایسی بات لکھ دی جو ان حضرات کے کارناموں کو واضح کرنے سے قاصر ہے، اس سے ان کے مخلصانہ جہاد فی سبیل اللہ پر کوئی پردہ نہیں پڑ سکتا۔“

اس مثال اور حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے مکتوب سے یہ واضح ہو گیا کہ کھٹن اور گھمبیر حالات میں بعض اوقات مصلحت بین مؤرخین اپنی عبارت میں کسی شخصیت کے کارناموں کی کما حقہ وضاحت سے پہلو کترانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھی صاحب رحمہ اللہ کی زندگی میں برصغیر پر انگریزوں کے تسلط کی بہ نسبت، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں عالم اسلام پر تاریوں کا اقتدار زیادہ مضبوط اور مستحکم تھا، لہذا اس دور میں بعض مؤرخین نے ان کے ظلم و ستم کے خلاف صف آراء ہونے والے مجاہدین کے حالات تحریر کرنے میں وہی مصلحت آمیز انداز اختیار کیا، جو دورِ قریب کے محتاط اہل قلم اپناتے رہے ہیں۔

دوسری قسم کے مؤرخین وہ ہیں جو ان ممالک سے تعلق رکھتے تھے جو سلطان جلال الدین کے سیاسی حریف اور رقیب تھے۔ ان حضرات میں بعض بڑی قابلِ صدا احترام ہستیاں بھی شامل ہیں۔ ان کی اکثریت کا تعلق شام، مصر، بغداد، الجزائرہ اور ان سے ملحقہ دیگر بلادِ عرب سے تھا۔ ان علاقوں کے حکمران سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے زمانے ہی سے سلطنتِ خوارزم کو اپنے لیے ایک خطرہ تصور کرتے تھے، سلطان علاؤ الدین محمد نے کوئی درجن بھر منتشر حکمتوں کو اپنی مملکت میں شامل کر کے ایک وسیع و عریض سلطنت کی بنیاد ڈال کر اپنے تمام پڑوسیوں کو ہراساں کر دیا تھا۔ خوف، اندیشے اور عدم اطمینان کی یہ فضا سلطان جلال الدین کی زندگی میں بھی برقرار رہی اور ان کے تمام ہمسایہ حکمران ان کی خوبیوں کو پرکھنے، ان کی قربانیوں کا اعتراف کرنے اور عالم اسلام کی حفاظت کے لیے ان کے مخلصانہ جذبے پر یقین کرنے کے بجائے ان سے بدظن ہی رہے۔ پھر ”الْأَنسَاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوكِهِمْ“ کے بمصداق عوام کا بھی یہی ذہن بن گیا یا بنادیا گیا، وہاں بسنے والے اہل علم و دانش بھی اپنی دینی صلابت، تقویٰ و دیانت اور علمی وسعت کے باوجود اس مسموم فضا سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اور یہ کوئی ناممکن بات نہیں۔ حالاتِ حاضرہ پر غور کرنے سے بھی ہمیں ایسی کئی مثالیں مل سکتی ہیں۔

ذرائع ابلاغ کی ترقی اور شعور آگئی کے اس دور میں بھی کتنے ہی ایسے مخلص اور ایثار پیشہ رہنما نظر آ سکتے ہیں جو اغیار کی عداوتوں کے ساتھ ساتھ اپنوں کی بدگمانی اور اہل صحافت کی بے اعتنائی کا شکار ہیں، یہی نہیں بلکہ بعض نامور اہل علم و دانش بھی ان سے بدظن ہیں..... حالاں کہ اس زمانے کی بہ نسبت آج کل حالات کی تحقیق کے لیے ایسے بے شمار وسائل اور آلات مہیا ہیں جن کا اس دور میں تصور بھی نہ تھا۔

سلطان جلال الدین کو بھی اہل قلم کی تائید میسر تھی نہ انہیں اتنا وقت مل سکا کہ وہ اس بد اعتمادی کی فضا کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتے۔ اس لیے ان کے متعلق غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کی فضا ختم نہ ہو سکی اور بعض بڑے بڑے مایہ ناز مؤرخین بھی ان کے متعلق غلط پروپیگنڈے سے متاثر رہے۔ اس بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ اس دور کی معتدل اور منصف مزاج شخصیات نے بھی اگر سلطان جلال الدین کے خلاف کچھ لکھا ہے تو وہ ان کی مجبوری تھی یا ان کے گرد و پیش میں گونجنے والے آوازوں کا لازمی اثر تھا۔ یہ بھی نہ بھولیں کہ دیگر ممالک کے عوام و خواص میں سلطان جلال الدین سے بددلی کا تاریخی غارت گروں کو زبردست فائدہ حاصل ہوتا تھا، اس لیے تاتاریوں اور ان کے قائدین کی سازشی فطرت کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ سلطان جلال الدین کے متعلق غلط باتیں منسوب کرنے میں دشمنان اسلام کے کارندوں اور جاسوسوں کا پورا پورا ہاتھ ہوگا۔

4..... سلطان جلال الدین کی ناقدری کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ سلطان بظاہر اپنی جدوجہد میں ناکام نظر آئے اور ان کی تمام تر کوشش اور محنت کے باوجود انجام کار میدان تاتاریوں کے ہاتھ میں رہا۔ اگرچہ یہ ظاہری فتح و شکست اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اور نہ ہی سلطان جلال الدین جیسا مجاہد اس کو مقصود سمجھتا ہے بلکہ وہ تو فتح و شکست سے بے نیاز ہو کر فرض کی تکمیل کے لیے موت کے منہ میں کود جاتا ہے..... مگر لوگوں کی نگاہیں فتح و شکست کے ظاہری مناظر میں الجھ کر رہ جاتی ہیں۔ وہ ”چڑھتے سورج کو سلام“ کے عادی ہوتے ہیں۔ اس لیے سلطان کو اس عمومی تاثر کے تحت ایک ناکام انسان سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا۔ اگر سلطان تاتاریوں کو حتیٰ شکست دینے میں کامیاب ہو جاتے تو بلاشبہ انہیں بھی تاریخ میں سلطان صلاح الدین ایوبی اور سلطان محمود غزنوی کے ہم پلہ تسلیم کیا جاتا۔

5..... سلطان کے اپنے حق سے محرومی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کے بعد ان کے مشن کو سنبھالنے والا ان کا کوئی جانشین باقی نہ رہا۔ وہ خوارزمی شاہی خاندان کے آخری حکمران تھے۔ وہ دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوئے کہ ان کی نہ کوئی نرینہ اولاد تھی، نہ ہی کوئی ایسا معتمد ساتھی تھا جو ان کے بعد اس جہاد کی قیادت کر سکتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا جاری کردہ کام بظاہر بالکل ختم ہو گیا، اور وہ لوگ بھی جو ان کے عظیم مشن کے حوالے سے ان سے عملی وابستگی رکھتے تھے، بکھر گئے۔ اس طرح جو لوگ ان سے عقیدت و محبت کا دلی تعلق رکھتے تھے وہ بھی اس سلسلہ جہاد کے رکنے کے باعث جلد یا بدیر ان کو بھول گئے۔

ایک اہم غلط فہمی کا ازالہ..... بعض کوتاہ نظروں کو سلطان جلال الدین کے مقام سے ناواقفیت کی بناء پر جب یہ خیال ہوتا ہے کہ سلطان کی تمام تر کرد و کاوش تاتاریوں سے چند بے نتیجہ جنگوں تک محدود رہی اور وہ عالم اسلام کی حفاظت میں کوئی قابل ذکر کردار ادا نہ کر سکے تو اس کے ساتھ ساتھ ان کا محدود مطالعہ انہیں یہ باور کراتا ہے کہ تاتاریوں سے عالم اسلام کی بھرپور مدافعت اور حقیقی مزاحمت کا دور بہت بعد میں شروع ہوا۔ عین جالوت کے معرکہ کو اس سرگرم

سلسلہ جہاد کا نقطہ آغاز قرار دیا جاتا ہے اور سلطان جلال الدین کی قربانیوں سے قطع نظر کر کے تاریخوں سے جہاد کا سہرا ان حکمرانوں کے سر باندھ دیا جاتا ہے جو تاریخ یلغار کے چالیس، پچاس سال یا زیادہ عرصے بعد میدان میں آئے۔

بلاشبہ ان مسلم سلاطین کا اپنے اپنے دور میں تاریخوں سے جہاد کرنا ایک قابل تحریف کارنامہ ہے اور اس پر وہ بجا طور پر تمام امت کی طرف سے خراج تحسین کے مستحق ہیں مگر ان حضرات کی قربانیوں کو تسلیم کرتے ہوئے سلطان جلال الدین کی حیثیت کو مجروح یا نظر انداز کرنا صریح زیادتى ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان شاہان اسلام نے اپنے اپنے ممالک اور شہروں میں تاریخ یلغار کا کامیاب مقابلہ کر کے تاریخ میں قابل فخر مقام حاصل کیا ہے، مگر یقیناً انہیں اس ہمہ گیر طوفان کی ان سرکش و بلا خیز لہروں سے پالائیں پڑا جس کے تھپڑے سلطان جلال الدین نے برداشت کیے تھے۔ سلطان جلال الدین نے جس نازک گھڑی میں اس عالم گیر استعماری طاقت کے خلاف تلوار بے نیام کی وہ دنیا کی تاریخ کا دہشت ناک ترین دور تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ان درندوں کی تمام تر افرادی قوت اپنے قائد اول چنگیز خان کی قیادت میں یکجا تھی، جو کہ ایک بلائے نائگہانی کی طرح عالم اسلام کو روندنا چلا آ رہا تھا اور سالوں کی فتوحات، ہفتوں میں حاصل کر رہا تھا۔ اس موقع پر سلطان جلال الدین ہی وہ مرد غازی تھے جو ایک آہنی چٹان بن کر اس آتش گیر طوفان کے سامنے ڈٹ گئے اور انسانی تاریخ کی اس سب سے سرعت انگیز اور خطرناک ترین یلغار کی رفتار کو نہ صرف یہ کہ مدہم کر دیا بلکہ کئی مقامات پر اس سرکش و بے لگام دشمن کو شکست فاش دے کر اس کا وہ زور بھی توڑ دیا جس کے بل بوتے پر وہ ساری دنیا کو فتح کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ چنگیز خان کی موت تک سلطان کی تلوار اس کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ بن کر چمکتی رہی، اس کی موت کے بعد جب اس کی عظیم سلطنت اس کے بیٹوں کے ہاتھ آئی تو سلطان جلال الدین چار پانچ سال تک ان کے مقابلے میں بھی سر بکف رہے۔

تاریخ یورش سلطان جلال الدین کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی جاری رہی مگر حقیقت یہ ہے کہ پھر اس میں وہ زور، قوت، اور ہمہ گیری نہیں رہی تھی جو پہلے تھی۔ ہر قوم کے جوش و خروش اور ولولے کی وہ حرارت جو اس کے بانی اور قائد اول کی زندگی میں ہوتی ہے، بعد میں اس نہج پر برقرار نہیں رہتی بلکہ بتدریج دھیمی ہوتی جاتی ہے، اس لیے تاریخوں کے تباہ کار سیلاب کی موجیں اگرچہ اس کے بعد بھی ایک عرصے تک مچلتی اور امنڈتی رہیں مگر ان میں وہ حدت اور تیزی نہ تھی جو اس کے پہلے دھارے میں تھی۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے سلطان جلال الدین کے جہاد کی اس ممتاز حیثیت کو بڑے مختصر اور جامع الفاظ میں یوں سمویا ہے۔ ”قاوم التتار فی اول حدہم وحدہم“ یعنی سلطان جلال الدین رحمہ اللہ نے تاریخوں سے ان کی یلغار کے ابتدائی اور شدید مرحلے میں مقابلہ کیا۔ (العمر فی خبر من غبرج ص ۳۳۲۰۳)

سلطان جلال الدین، حرمین شریفین کے محافظ ..... ویسے تو عالم اسلام پر سلطان جلال الدین کے متعدد احسانات ہیں مگر سب سے بڑا احسان جسے ہم نے اپنی کم نظری کے باعث نظر انداز کر رکھا ہے، یہ ہے کہ سلطان نے اپنی بے لوث قربانیوں کے ذریعے کعبہ اللہ اور روضہ اطہر کو ان درندہ صفت کفار کے شر سے بچائے رکھا جو کسی دین و مذہب اور تہذیب و ثقافت کا احترام نہیں جانتے تھے۔ تاریخوں کے نزدیک حریف کی عبادت گاہوں کا ادب ایک مذاق تھا، ان کے ہاں کسی مذہب کے شعائر اور کسی قوم کے مقدس مقامات کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔

اس دور کے مؤرخین نے لکھا ہے کہ تاتاریوں کو جہاں بھی کسی مشہور انسان کے مزار یا مقبرے کا پتا چلتا وہ اسے کھود ڈالتے اور مردے کی ہڈیوں کو نذر آتش کر کے راکھ ہوا میں اڑا دیتے۔ یہ ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ ہارون الرشید اور سلطان محمود غزنوی جیسے عظیم شخصیات کی مرقدیں بھی اس ستم سے محفوظ نہیں رہیں۔

پس خوارزم، ایران اور افغانستان میں ہزاروں مساجد، مدارس، کتب خانوں، مزارات اور خانقاہوں کو تودہ خاک بنا ڈالنے والے یہ درندے اگر جزیرۃ العرب کا رخ کر لیتے تو کوئی انسانی طاقت انہیں مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کے احترام پر مجبور نہیں کر سکتی تھی۔

قدرتِ الہیہ نے اس موقع پر سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے مٹھی بھر جانثاروں سے وہ کام لیا جو اس نے ابرہہ کے لشکر کے خلاف پرندوں کو سونپا تھا۔ سلطان نے اس معمولی سی قوت کے ساتھ تاتاریوں کا ساہا سال کامیابی سے مقابلہ کیا اور انہیں حجاز مقدس کی طرف ایک قدم بھی نہ بڑھنے دیا۔ یہ سلطان کا وہ عظیم کارنامہ ہے کہ اگر ان کی متاعِ حیات میں اس کے سوا کچھ اور نہ بھی ہوتا تب بھی وہ دنیا بھر کے مسلمانوں سے تاقیامت خراج تحسین کے مستحق تھے۔

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ، تمام اقوامِ عالم کے محسن..... سلطان جلال الدین خوارزم شاہ اس اعزاز کے حقدار بھی تھے کہ اسلامی دنیا کے اہل علم و دانش کے علاوہ ایشیائی ممالک کے تاریخ نگار خصوصاً ان کی ذات میں خاص دلچسپی لیتے اس لیے کہ سلطان جلال الدین کی جدوجہد صرف خوارزم کے مسلمانوں کی حفاظت و حمایت تک محدود نہ تھی بلکہ اس کا دائرہ ماوراء النہر سے لے کر سرزمین ہند تک اور ساحلِ سندھ سے لے کر قفقاز کے پہاڑوں تک وسیع تھا۔ بلکہ اگر مزید ایک قدم آگے بڑھ کر حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو ہمیں سلطان جلال الدین کی ذات اس دور کے تمام انسانوں کی محسن نظر آئے گی، اور یہ واضح ہوگا کہ ان کی انتھک کوششوں اور لافانی قربانیوں کے اثرات صرف عالمِ اسلام تک محدود نہیں رہے، بلکہ دنیا کے آخری کونے تک بسنے والے تمام انسان جو اس نازک دور میں تاتاریوں کی وحشتناک یلغار سے دہشت زدہ تھے، سلطان کی اس جدوجہد سے نفع اٹھانے والوں میں شامل تھے۔

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق کتاب ”تاریخ دعوت و عزیمت“ میں تاتاری یورش کی ہمہ گیری پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تبہا عالم اسلام نہیں بلکہ اس وقت کی پوری متمدن دنیا تاتاریوں کے حملہ سے لرزہ بر اندام تھی۔ جہاں ان کے پہنچنے کے بہت کم امکانات تھے وہاں بھی دہشت پھیلی ہوئی تھی۔ ”گگن“ اپنی مشہور کتاب ”تاریخ انحطاط و سقوطِ روم“ میں لکھتا ہے: ”سوڈن کے باشندوں نے روس کے ذریعے تاتاری طوفان کی خبر سنی۔ ان پر اتنی وحشت طاری ہوئی کہ وہ ان کے خوف سے اپنے معمول کے مطابق انگلستان کی سواحل پر شکار کھیلنے کے لیے نہیں نکلے۔“

ان تاریخی شواہد کی روشنی میں پورے وثوق سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ تاتاریوں کا یہ سیل بے کراں جو کہ اپنی طغیانی کے پہلے ہی سال میں چین سے لے کر بحیرہ خزر تک کے علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا اگر سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی صورت میں ظاہر ہونے والی آہنی دیوار سے ٹکرا کر تھم نہ جاتا تو اگلے دو، چار برسوں میں نہ صرف افریقہ بلکہ یورپ اپنی آخری حدود تک اس طوفان کی زد میں آ کر تہہ و بالا ہو جاتا۔

یہ وہ دور تھا کہ عالم اسلام سے پھوٹنے والی علم و دانش کی روشنی یورپ پر چھائے ہوئے جہالت کے اندھیرے کو چیر رہی تھی اور وہاں بیداری کے دور کا آغاز ہو رہا تھا، مسلمانوں کے علمی خزانے یورپ منتقل ہونے لگے تھے اور وہاں علم کے ایسے متوالے جنم لے رہے تھے جو اپنے ماحول کی روایتی غیر معقولیت سے باغی تھے۔ اگر اس حالت میں تاریخی اپنی وحشت و درنگی کے ساتھ یورپ پر قابض ہو جاتے تو علمی انقلاب کے یہ بیج جو مسلمانوں کی تحقیقات نے یورپی دانش وروں کے اذہان میں بوئے تھے، پھوٹنے سے قبل ہی جل کر راکھ ہو جاتے۔ اس صورت میں یہ ممکن نہ تھا کہ یورپ آئندہ تین چار صدیوں تک کسی علمی انقلاب سے آشنا ہو پاتا بلکہ یورپ کی اپنی جاہلانہ ثقافت ایک نسبتاً زیادہ پس ماندہ تہذیب و تمدن میں بدل جاتی تو کوئی تعجب کی بات نہ ہوتی۔

تاریخ کے ان پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ دس سال تک چنگیزی یلغار کے سامنے سپر فولاد بن کر سلطان جلال الدین نے تمام اقوام عالم پر احسان کیا ہے، اگرچہ ان کی کوشش کا مقصد بنیادی طور پر مسلمانوں کے مقامات مقدسہ اور عالم اسلام کا دفاع تھا مگر مشرق میں قائم کردہ ان کا یہ حصار معروضی طور پر اقوام مغرب کے لیے بھی پناہ گاہ کا کام دے رہا تھا۔ یہ انہی کی قوت بازو کا کمال تھا کہ تاتاریوں کا دھواں یورپ کے جنوب مغربی ممالک کو روندنے کے بعد مزید آگے نہ بڑھ سکا کیونکہ سلطان کی معرکہ آرائیاں انہیں اپنی طاقت ایشیائی محاذوں کی جانب مجتمع کرنے پر مجبور کر رہی تھیں۔

آخری بات..... تاریخ کی جزئیات میں رخنہ اندازی ہو سکتی ہے، مگر تاریخ مجموعی تاثر کے لحاظ سے انصاف کرتی ہے، بشرطیکہ اس کو روایت و درایت کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھا جائے اور حقیقت..... صرف حقیقت تلاش کی جائے۔ یہ اوراق آپ کو اسی کی دعوت دے رہے ہیں۔ سلطان جلال الدین کے حالات کے منتشر اجزاء اور متفرق ٹکڑے جو قدیم مآخذ میں موجود ہیں آج بھی سلطان کی عظمت، شجاعت، شرافت، بلند کرداری اور اپنی لازوال جدوجہد میں ان کی صداقت کی بیاں گاہ دہل گواہی دے رہے ہیں۔ کسی کے اعتراضات و الزامات کی سیاہی، سلطان کی اس حیثیت کو نہیں چھپا سکتی۔

”مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید“

سلطان جلال الدین کی عظمت اور عمق پریت کو سمجھنے کے لیے یہی ثبوت کافی ہے کہ ان کی جدوجہد اور کارناموں کو طرح طرح کے پردوں میں چھپانے کے باوجود تاریخ سے نکالنا نہ جاسکا، طعن و تشنیع کی دیہیز تہہ کے باوجود تاریخ کے اوراق میں ان کے محاسن اور مناقب کی خوشبو مہک رہی ہے۔ تاریخ کا منصف مزاج قاری سلطان جلال الدین پر بے جا اعتراضات اور ناروا الزامات کی دھند کے پار ان کی عظمت کے فلک بوس مینار ملاحظہ کر سکتا ہے۔

محمد اسماعیل ریحان

— — — — —



## خوارزم اور شاہانِ خوارزم

رنگ و آبِ زندگی سے گل بداماں ہے زمیں سینکڑوں خوں گشتہ تہذیبوں کا مدفن ہے زمیں خوارزم کا جغرافیائی و تاریخی خاکہ ..... دنیا کے نقشے پر نگاہ ڈالیے۔ یہ ایشیا ہے، دنیا کا عظیم ترین براعظم، اس کی گود ”وسط ایشیا“ تاریخ کے صفحات پر بکھری ہوئی انگنت داستانیں ازبر کیے ہوئے اپنے وسیع و عریض رقبے پر نمودار ہونے والی ہزاروں حکومتوں کے تغیرات و حوادث کی عینی شاہد ہے۔ مگر اس آباد و شاداب خطے پر ایک دور ایسا بھی آیا ہے جس کو یاد کر کے آج بھی اس سرزمینِ جنتِ نظیر پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ وہ ایک تاریک اور گھٹا ٹوپ دور تھا جو ساتویں صدی ہجری کے دوسرے عشرے سے شروع ہوا اور بالآخر سقوطِ بغداد پر منتج ہوا۔

وسط ایشیا اپنی زرخیز چراگاہوں، آبادی سے معمور گنجان شہروں اور تجارتی گزرگاہوں کی بدولت زمانہ قدیم سے دنیا بھر میں مشہور و معروف رہا ہے۔ اس میں دو بڑے دریا ہیں، ایک دریائے جیون جسے سیر دریا بھی کہا جاتا ہے اور دوسرا دریائے جیون، جو آج دریائے آمو کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ ان دونوں دریاؤں کا درمیانی حصہ ”ماوراء النہر“ کہلاتا ہے جو اپنی سرسبزی و شادابی میں لاثانی ہونے کے ساتھ ساتھ مردم خیزی میں بھی ہمیشہ سے نمایاں رہا ہے۔ یہاں سمرقند کا مشہور شہر واقع ہے جہاں سے فقہیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ جیسے فقہاء نے جنم لیا۔ یہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا شہر بخارا آباد ہے۔ دریائے جیون کے افغانستان سے ملنے والے کنارے کو دیکھیں تو سامنے سنن الترمذی کے مؤلف امام ابو یوسفی ترمذی رحمہ اللہ کا شہر ترمذ دکھائی دے گا۔

اس مختصری سیر کے بعد آئیے اپنے اصل مقصد کی طرف چلیں۔ دریائے جیون کے کنارے کنارے شمال کی طرف بڑھتے جائیں تو موجودہ جمہوریہ ازبکستان کی شمال مغربی سرحد پر اورگنچ نامی شہر نظر آئے گا۔ یہی اورگنچ کئی صدیوں قبل خوارزم نامی ایک ریاست کا پایہ تخت تھا۔ اورگنچ کے علاوہ ہزارسپ، اورخینو بھی ریاست خوارزم کے اہم شہر شمار ہوتے تھے۔

خوارزم زمانہ قدیم میں ..... خوارزم کا علاقہ اس وقت سے ایک علیحدہ ریاست شمار ہوتا آیا ہے جب شاہ فارس بہرام گور کے ایک رشتہ دار نے اس پر قبضہ جمالیاتھا۔<sup>①</sup> زمانہ قدیم ہی سے خوارزم کے ہر حکمران کو ”خوارزم شاہ“ کہا جاتا تھا۔ تاریخی روایات کے مطابق خنجر وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے سکندر اعظم کے حملے سے ۹۸۰ برس قبل اس ریاست کے حاکم کو خوارزم شاہ کا لقب دیا تھا۔<sup>②</sup> اس روایت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خوارزم کا تمدن کس قدر قدیم تھا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ”خوارزم شاہ“ کے لقب کا رواج اس علاقے کے اسلامی دور میں بھی یہاں کے آخری تاجدار سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے زمانے تک باقی رہا۔ غالباً تاریخ اسلام میں یہ واحد مثال ہے کہ اسلام سے پہلے دور کا لقب اسلامی عہد کے حکمرانوں میں بھی اسی طرح رائج رہا ہو۔



خوارزم میں اسلام ..... خوارزم پر مسلمانوں کی فوج کشی سب سے پہلے خلیفہ ولید بن عبد الملک اموی کے زمانہ خلافت میں ہوئی۔ ۹۳ھ مطابق ۷۱۲ء میں خلیفہ کے حکم سے فاتح ترکستان قتیبہ بن مسلم باغلی رحمہ اللہ نے یہاں کا رخ کیا، اس وقت کا ”خوارزم شاہ“ برائے نام حکمران تھا، اس کا بھائی خرزادر یاست کے سیاہ و سپید کا مالک تھا، ”خوارزم شاہ“ اس صورتحال سے نہایت پریشان تھا، قتیبہ بن مسلم کی آمد کو اس نے اپنے لیے نیک فال سمجھا اور ان سے اس شرط پر مصالحت کر لی کہ وہ اسے ”خرزاد“ کی زیادتوں سے نجات دلائیں گے۔ قتیبہ بن مسلم رحمہ اللہ نے اس شرط کو منظور کر لیا اور یوں سرزمین خوارزم بغیر کسی کشت و خون کے اسلامی پرچم کے سائے تلے آ گئی (۳) یہاں کے باشندوں نے جوق در جوق اسلام قبول کیا اور بہت جلد یہ پورا خطہ اسلام کے نور سے جگمگانے لگا۔

کاث اور جرجانیہ ..... زمانہ قدیم میں ریاست خوارزم کے دودار الحکومت تھے، ایک دریا پانچھوں کے مشرقی کنارے پر تھا جسے ”کاث“ کہا جاتا تھا اور دوسرا مغربی کنارے پر تھا جسے ”جرجانیہ“ ”گرگانج“ یا ”اورگنج“ کہتے تھے۔ قتیبہ بن مسلم رحمہ اللہ کے ہاتھوں خوارزم کی فتح کے بعد کاث کا نام ”المصوریہ“ پڑ گیا اور اس کی رونق اور آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہوا لیکن ایک عرصے بعد دریائے اپنا راستہ تبدیل کر لیا جس سے ”المصوریہ“ (کاث) غرق ہو گیا۔ ”المصوریہ“ کی بربادی کے بعد وہاں کے باشندوں نے دریا کے مغربی کنارے پر آباد اورگنج (جرجانیہ) میں سکونت اختیار کر لی، یوں اورگنج کی آبادی میں یکدم زبردست اضافہ ہو گیا۔ ریاست کے سرکاری دفاتر اور انتظامی مراکز بھی یہیں منتقل ہو گئے۔ ترکستان کے تجارتی قافلوں کی راہ میں ہونے کے باعث اورگنج اس خطے کی مرکزی تجارتی منڈی بھی بن گیا۔ رفتہ رفتہ ”جرجانیہ“ اور ”گرگانج“ کے لفظ لوگوں کی زبانوں سے اتر گئے اور اکثر مقامی باشندوں نے اس شہر ہی ریاست کے نام سے موسوم کر کے ”خوارزم“ کہنا شروع کر دیا، تاہم بہت سے لوگ پھر بھی اسے اورگنج کے سابقہ نام سے یاد کرتے رہے۔

اسلامی دور کے خوارزمی حکمران ..... اسلامی مقبوضات میں شامل ہونے کے بعد خوارزم کو تاریخ میں بڑی پذیرائی نصیب ہوئی۔ اسلام کے کتنے ہی نامور فقہاء، محدثین، دانشور اور بادشاہ یہاں کی خاک سے اٹھے اور دنیا میں آفتاب و مہتاب بن کر چمکے۔ یہ علاقہ علم و حکمت، تزکیہ و معرفت، تہذیب و تمدن اور صنعت و حرفت کا مرکز بن گیا۔

زمانے کی گردش کے ساتھ ساتھ تختِ خوارزم پر یکے بعد دیگرے مختلف حکمران براجمان ہوتے رہے، مگر یہ سب خلافتِ اسلامیہ کے ماتحت ایک صوبے دار کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ تاہم ایک عرصے کے بعد جب عباسی خلفاء کی شوکت کو گہن لگا تو یہاں کے حکمران خلافت کی کفش برداری سے آزاد ہو گئے۔ ان خود مختار حکمرانوں کا پہلا دور ۳۴۰ھ (۹۵۱ء) میں ابو سعید احمد خوارزم شاہ سے لے کر ۴۰۸ھ (۱۰۱۷ء) میں ابوالحارث خوارزم شاہ تک رہا۔ دوسرا دور ۴۰۸ھ (۱۰۱۷ء) میں التون تاش خوارزم شاہ سے شروع ہو کر ۴۲۹ھ (۱۰۳۷ء) میں ”ماہ ملک خوارزم شاہ“ پر ختم ہوا، اس کے بعد تیسرے دور میں اس خطے کی زمام اقتدار اس خاندان کے ہاتھ میں آئی جس کی ابتداء ”انوشٹ گین خوارزم شاہ“ سے، اور انتہاء ”سلطان جلال الدین منکمرتی خوارزم شاہ“ پر ہوئی ہے۔

سلطنت خوارزم کا پہلا آزاد مسلم حکمران، انوشٹ گین .....

علم غیبی کس نمی داند بجز پروردگار

جب ملک شاہ سلجوقی نے گرجستان سے الیغوری قبیلے سے تعلق رکھنے والا ایک ترکی نسل غلام خرید تو کون کہہ سکتا تھا کہ یہ کم حیثیت غلام کل خوارزم شاہ کہلائے گا اور ایک صدی بعد اسی غلام کی نسل سے پیدا ہونے والے فاتحین سلجوقی خاندان پر زمین تنگ کر دیں گے۔

اس غلام کا نام انوشٹ گئین تھا۔ حد درجہ خدمت گزار، اطاعت شعار، بلا کا ذہین، دلیر، مدبر اور فہیم تھا۔ جلد ہی وہ سلطان ملک شاہ کے دل میں گھر کر گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ سلطان نے اسے ایک ہزار چیدہ چیدہ سپاہیوں کا افسر مقرر کر دیا۔ انوشٹ گئین نے اس میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ ان دنوں خوارزم کا صوبہ براہ راست ملک شاہ کے تابع تھا وہاں کا صوبے دار فوت ہوا تو ملک شاہ کی مردم شناس نگاہوں میں انوشٹ گئین کے سوا اس عہدے کے لیے کوئی موزوں معلوم نہ ہوا۔ ۵۷۵ھ مطابق ۱۰۸۲ء میں ملک شاہ کے حکم سے انوشٹ گئین خوارزم کی صوبے داری پر مامور ہوا اور آخری دم تک اس ذمہ داری کو بخوبی نبھاتا رہا۔

قطب الدین بن انوشٹ گئین..... انوشٹ گئین کی زندگی میں بھی اس کا بیٹا محمد عرف قطب الدین باپ کی نیابت میں خوارزم کا نظم و نسق سنبھالے ہوئے تھا۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد اس نے بڑی خوش اسلوبی سے تیس (۳۰) برس تک ریاست کا نظام چلایا اور اپنے نئے آقا نے نعمت سلطان وقت شاہ سنجر بن ملک شاہ سلجوقی کا دل و جان سے تابعدار رہا۔<sup>(۵)</sup> مظفر الدین اتسمر..... ۵۲۲ھ مطابق ۱۱۲۸ء میں محمد قطب الدین نے داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے خوارزم شاہی تخت و تاج اپنے بیٹے مظفر الدین اتسمر کے حوالے کیا۔ اس ۳۲ سالہ نوجوان نے برسرِ اقتدار آتے ہی سلجوقی سلطنت کا طوق اطاعت گزاری گردن سے نکال دینے اور مکمل خود مختاری حاصل کرنے کا عزم کر لیا مگر سلطان سنجر سلجوقی کی تلوار کی دھارا ایسی نہ تھی جسے نظر انداز کر دیا جاتا، اس لیے اتسمر موقع کی تلاش میں رہا۔ جلد ہی قدرت نے اس کے لیے ایک غیر متوقع موقع فراہم کر دیا۔

سلطان سنجر سلجوقی ماوراء النہر کے باغی حاکم ”طغاج خان“ کی سرکوبی کے لیے بخارا میں افواج مرتب کر رہا تھا، اس لشکر کشی میں اتسمر بھی سلطان سنجر کے ہمراہ تھا۔ ایک دن سلطان سنجر دو پہر کو سستانے کے لیے اپنے خیمے میں تہا لیٹا ہوا تھا کہ سلطان کے چند نمک حرام افسرانِ تلواریں سونتے ہوئے اس کے خیمے میں داخل ہو گئے، آہٹ پا کر سلطان نے نگاہیں اٹھائیں تو خود کو چمکتی ہوئی شمشیروں اور خون آشام خنجروں سے گھرا ہوا پایا۔ سلطان کا بچ کھٹنا بہت مشکل تھا، اس کا محافظ دستہ ساتھ موجود نہ تھا مگر اس سے پہلے کہ غداروں کی تلواریں سلطان کے لہو میں غوطہ کھاتیں، اچانک گھوڑوں کی ٹاپوں سے فضا گونج اٹھی۔ اگلے ہی لمحے اتسمر تلوار لہراتے ہوئے خیمے کی طرف لپکتا ہوا دکھائی دیا، یہ دیکھتے ہی غداروں کا گروہ سلطان کو وہیں چھوڑ کر فرار ہوگا۔ سلطان سنجر سلجوقی نے اٹھ کر اتسمر کو سینے سے لگا لیا اور دریافت کیا: ”تمہیں کیسے علم ہوا کہ میں گھر گیا ہوں؟“

اتسمر نے جواباً کہا: ”سلطان عالی قدر! میں اپنے خیمے میں بے خبر سو رہا تھا کہ ایک ہولناک خواب نے مجھے بیدار کر دیا، مشیتِ الہی نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ تیرا آقا خطرے میں ہے، چنانچہ میں نے فوراً یہاں کا رخ کیا۔“<sup>(۶)</sup> سلطان سنجر جس کی عالی ظرفی، شجاعت، سخاوت اور احسان شناسی تاریخ میں مشہور و معروف ہے اتسمر کے اس احسان کا تا عمر ممنون رہا اور اس واقعے کے بعد اتسمر کی جانب سے پیش آنے والی ہر ناخوشگوار حرکت کو برداشت کرتا

رہا۔ چنانچہ کچھ عرصے بعد جب آسنر نے خوارزم شاہی ریاست کی خود مختاری کا اعلان کیا تو اس کے سابقہ احسان نے سلطان سنجر سلجوق کی شمشیر آبدار کو کسی حتمی کارروائی سے باز رکھا۔

ایل ارسلان ..... اکتیس برس کی حکمرانی کے بعد ۵۵۱ھ مطابق ۱۱۵۶ء میں مظفر الدین آسنر خوارزم شاہ دنیا سے رخصت ہوا اور اس کا بیٹا ابوالفتح ایل ارسلان اس کا جانشین ہوا۔ ایل ارسلان کے سات سالہ دور حکومت میں سلطنت خوارزم میں کوئی نمایاں توسیع نہیں ہوئی اس کا سارا زمانہ اقتدار سرحدی شورشوں کو رفع کرنے اور آس پاس کی ریاستوں کے ساتھ مصالحتی تعلقات استوار رکھنے کی کوششوں میں گزرا لیکن اس میں بھی اسے کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ ۵۵۸ھ مطابق ۱۱۶۳ء میں ایل ارسلان راہی آخرت ہوا۔

سلطان شاہ اور علاؤ الدین نکش ..... ایل ارسلان کی وفات کے ساتھ ہی اس کے دونوں بیٹوں سلطان شاہ اور علاؤ الدین نکش کے مابین اقتدار کی خوں ریز جنگیں شروع ہوئیں جو وقفے وقفے سے کئی سال تک جاری رہ کر بالآخر ۵۸۹ھ میں سلطان شاہ کی طبعی موت اور علاؤ الدین نکش کی فتح یابی پر اختتام پذیر ہوئیں۔ خانہ جنگی کے اس دور میں دارالحکومت ”اورگنج“ پر مستقل قبضہ نکش ہی کا رہا تھا۔ اگرچہ ایک مختصر عرصے کے لیے سلطان شاہ کو بھی یہاں تسلط حاصل ہوا مگر یہ تسلط عارضی تھا۔ (یاد رہے کہ ”خوارزم“ ریاست کا نام تھا اور ”اورگنج“ پایہ تخت تھا۔ مگر اُس دور کے عوام، خواص اور مؤرخین کی ایک بہت بڑی تعداد صرف ”اورگنج شہر“ کو بھی ”خوارزم“ کے نام سے یاد کرتی رہی ہے۔) سلطان شاہ کی موت تک علاؤ الدین نکش کو چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہو سکا، بھائی سے گلو خلاصی کے بعد ہی اس نے پہلی بار باضابطہ طور پر اپنے نام کے ساتھ ”سلطان“ کا لقب استعمال کیا۔ اب جبکہ وہ بلا شرکت غیرے اپنے آباؤ اجداد کی وسیع و عریض فکرو کا فرما و ابن چکا تھا، اس کی تمام تر توجہ بیرونی فتوحات کی طرف مبذول ہو گئی۔<sup>⑤</sup>

سلطنت خوارزم کے ہمسائے ..... سلطان نکش کو خوارزم کے تخت پر برسر اقتدار چھوڑ کر آئے ہم ذرا اس کی ہمسایہ حکومتوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہ چھٹی صدی ہجری کا اختتامی دور ہے جو آئندہ صدی کے زریع اول میں برپا ہونے والے انقلاب کی تہید ہے، اس لیے ہم خوارزم کے آس پاس کی ان حکومتوں کا تعارف پیش کرتے ہیں جن سے واقف ہوئے بغیر ہمارا تحقیقی و تاریخی سفر نامہ نامکمل رہے گا۔ اس وقت سلطنت خوارزم کے اہم ہمسایوں میں درج ذیل حکومت شامل تھیں۔

ترکانِ خطا (قراخانیہ) ..... ریاست خوارزم کے مشرق میں ماوراء النہر کا وسیط میدان دریائے سیحوں تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں اس علاقے پر ترکانِ خطا کی حکومت تھی۔ یہ ایک جنگجو، اجڈ اور سخت جان قوم تھی جو عام ترکوں سے مختلف تھی، یہ لوگ غیر مسلم تھے اور زمانہ قدیم سے اس خطے میں آباد تھے، دریائے سیحوں کے اُس پار بھی چینی ترکستان تک کا علاقہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے زیر قبضہ شہروں میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس وقت سے آباد تھی جب اس علاقے میں اسلامی حکومت قائم تھی، عباسی خلافت اور سلجوقی حکومت کے کمزور پڑنے کے بعد یہاں ترکانِ خطا غالب آ گئے اور مسلم آبادی والے بہت سے علاقوں پر قابض ہو گئے۔ حتیٰ کہ ۵۳۶ھ (۱۱۴۱ء) میں بخارا اور سرقد جیسے قدیم اسلامی تاریخی شہر بھی ان کے زیر قبضہ آ چکے تھے، یہاں کی مسلمان آبادی نہایت مظلومانہ زندگی بسر کر رہی تھی۔ ”ترکانِ خطا“ ہمیشہ سے سلجوقی اور خوارزم شاہی حکمرانوں کے سخت ترین حریف رہے تھے اور سنجر سلجوق جیسے فاتح بھی اس قوم کو زیر نگین نہیں کر سکے تھے۔ میدانِ آزما ہونے کے ساتھ ساتھ ترکانِ خطا بلا کے مطلب

پرست اور عیار بھی تھے۔ غوری، سلجوقی اور خوارزمی درباروں کے باہمی اختلافات میں یہ اپنی قوت کا وزن کسی ایک فریق کے پلڑے میں ڈال کر مخالف کو چاروں شانے چت کر دیتے اور بعد میں موقع محل دیکھ کر اپنے حلیف کو طاقت آزمائی کی دعوت دینے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ مسلم آبادیات مثلاً سمرقند و بخارا پر انہوں نے عوام کا دل بہلانے کے لیے مسلمان گورنر مقرر کر رکھے تھے مگر ان کی حیثیت کٹھ پتلی سے زیادہ نہ تھی۔

خلافت عباسیہ بغداد..... خوارزمی ریاست کے جنوب مغرب میں ریاست کی حدود ختم ہونے پر عباسی خلافت کے محدود مقبوضات شروع ہو جاتے تھے جو چند صوبوں پر محیط تھے۔ مدینہ الاسلام بغداد اب بھی خلافت اسلامیہ کا مرکز تھا، مگر عباسی خلفاء کے اس آخری دور میں خلافت زوال و انحطاط کی عبرت انگیز تصویر بن گئی تھی۔ عالم اسلام کی مرکزیت پارہ پارہ ہو چکی تھی، اسلامی سلطنتوں کے ساتھ دربار خلافت کا تعلق صرف اتنا باقی رہ گیا تھا کہ ان میں باہم ہدایا کے تبادلے ہوتے، خیر سگالی کے وفد آتے جاتے، دربار خلافت سے نئے حاکم کو بطور تبرک پروانہ فرمان روائی عطا ہوتا، مگر یہ سب کچھ بھی اسی وقت ہوتا تھا جب فریقین باہمی تعلقات استوار کرنا چاہتے۔ ناخوشگوار حالات میں کسی خود مختار قوت آزمائے کو بغداد پر لشکر کشی سے بھی عار نہ ہوتی، اور خلافت مآب بھی کسی ایسے حریف کو ٹھکانے لگانے کا کوئی موقع تھا جس سے نہ جانے دیتے۔

اس گئے گزرے دور میں بھی دنیائے اسلام میں بڑے بڑے مشائخ، فقہاء، محدثین، فلسفی اور دانشور علم و حکمت کے چراغ روشن کیے ہوئے تھے۔ اسی زمانے میں فرغانہ کے شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی رحمہ اللہ (م ۵۹۳ھ) نے فقہ حنفی کی سب سے مشہور و متداول کتاب ہدایہ تالیف کی۔ ملک العلماء علاؤ الدین کا سانی رحمہ اللہ (م ۵۸۷ھ) نے بدائع الصنائع جیسی شہرہ آفاق کتاب اسی دور انحطاط میں مکمل کی۔ ہرات میں امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (م ۶۰۶ھ) حکمت اور علم کلام کے موتی لٹا رہے تھے۔ یاقوت حموی (مؤلف معجم البلدان) اور ابن اثیر موصلی (مؤلف تاریخ الکامل) جیسے نامور مؤرخین کا تعلق اسی عہد سے ہے۔

جہاں تک بغداد کا تعلق ہے، وہ سیاسی لحاظ سے ایک عضو معطل بن جانے کے باوجود ہزاروں علماء، صوفیاء اور علم و معرفت کے پروانوں کی جلوہ گاہ ہونے کی وجہ سے اب بھی عالم اسلام کا قلب کہلانے کا استحقاق رکھتا تھا۔ حضرات امام غزالی رحمہ اللہ (م ۵۰۵ھ) اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (م ۵۶۱ھ) ایک طویل مدت تک بغداد میں رہ کر عالم اسلام کو روحانی غذا مہیا کرتے رہے۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (م ۵۹۷ھ) نے نہ صرف فقہ، حدیث، فن رجال اور تاریخ پر کئی سو کتب کا ذخیرہ تیار کیا بلکہ وہ بغداد کے گرتے ہوئے روحانی ڈھانچے کو تقویت پہنچانے کے لیے بیک وقت ایک ایک لاکھ باشندگان بغداد کے سامنے پُر تاثیر وعظ کہتے رہے۔ خلیفہ وقت، وزراء اور شہزادے تک ان کے وعظ میں شریک ہوتے تھے۔ بالکل آخری دور میں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ (م ۶۳۶ھ) جیسے ممتاز بزرگ اہل بغداد کی اصلاح میں منہک نظر آتے ہیں۔ یہ وہ ہستی ہیں جن سے تصوف کے مشہور سلسلے ”سہروردیہ“ کا آغاز ہوا۔

لیکن ان تمام تر کوششوں کے باوجود وہ بگاڑ جو حکمران اور آسودہ حال طبقے میں جاگزیں ہو چکا تھا، کم ہونے کی بجائے بڑھتا چلا گیا۔ حکام میں رشوت ستانی اور بد عنوانی عام تھی، نئی نئی جاگیروں کے حصول کا شوق جنون کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ سب سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ بغداد میں مختلف فرقوں کے درمیان اختلافات شدت اختیار

کرتے جا رہے تھے، چوکوں اور چوراہوں پر مناظرے ہوتے جن سے مذہبی منافرت مزید بڑھ رہی تھی، حتیٰ کہ حکمران طبقے اور قصر خلافت میں بھی ان اختلافات کی بنیاد پر مستقل فریق پائے جانے لگے تھے۔ انہی میں سے ایک فریق آگے چل کر بغداد کی عبرت ناک تباہی اور خلافت عباسیہ کے حسرتناک انجام کا فوری سبب بنا۔

علاء الدین نکش خوارزم شاہ کے زمانہ اقتدار میں بغداد میں خلیفہ ابوالعباس ناصر منہ خلافت پر متمکن تھا۔ ۵۷۵ھ (۱۱۷۹ء) میں بائیس (۲۲) سال کی عمر میں وہ منصب خلافت پر فائز ہوا تھا۔ اس وقت خود بغداد کے گلی کوچوں میں بھی خلافت کی گرفت کمزور پڑ چکی تھی۔ عوام حکام سے اور حکام خلافت مآب سے بے زار نظر آتے تھے۔ امراء آزاد تھے اور نیم خود مختار صوبے داروں کی بے باکیاں حد سے متجاوز تھیں، خلیفہ ناصر نے زمام اقتدار سنبھالنے ہی خلافت کے بچے کچھے وجود کو سہارا دینے کے لیے ہاتھ پیر مارنے شروع کیے۔ اس کی ساری دل چسپیاں صرف بغداد کا سابقہ وقار بحال کرنے کی طرف مرکوز تھیں۔ بغداد سے باہر کی اسلامی دنیا کے مسائل پر توجہ دینا اس کے معمولات سے خارج تھا۔ دیگر اسلامی سلطنتوں کے حالات سے اسے صرف اس قدر سروکار تھا کہ وہاں خلافت بغداد کے خلاف ہونے والی حرکتوں کا علم اسے ہوتا رہے۔ بلاشبہ وہ اس میں پورے طور پر کامیاب رہا۔ اس کا قائم کردہ جاسوسی نظام اپنی کارکردگی میں نقید المثال تھا۔ وہ بغداد میں بیٹھ کر دہلی کے دربار میں ہونے والی گفتگو سے واقف رہتا تھا۔ اس کے امراء اپنی نجی مجلسوں میں بھی اس کے خلاف منہ سے کوئی لفظ نکالتے ہوئے ڈرنے لگے تھے۔ وہ دوسرے ممالک سے چلنے والے قافلوں کو پیش آنے والے واقعات اُن قافلوں کی آمد سے پہلے بیان کر دیتا تھا۔ اس کا میاب جاسوسی نظام کی بدولت وہ بڑی حد تک اپنا رعب و دبدبہ قائم کر کے اندرونی و بیرونی سازشوں سے محفوظ ہو گیا۔

عالم اسلام کی بڑی خوش قسمتی ہوئی اگر خلیفہ اپنی فراست، تدبیر اور منصوبہ ساز صلاحیتیں امت کے اجتماعی مفاد کے لیے استعمال کرتا۔ مگر یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ خلیفہ نہ صرف یہ کہ اپنی ہمسایہ اسلامی ریاستوں پر کفار کی یلغار کے موقع پر غیر جانبدار رہا، بلکہ خوارزم کی تباہی و بربادی میں خلیفہ کا پورا پورا ہاتھ تھا۔ ④

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

سلطنت شام و مصر..... بغداد کے مغرب میں شام و مصر کی سلطنت غازی، اسلام سلطان صلاح الدین ایوبی کے زیر نگیں آ چکی تھی۔ صلاح الدین ایوبی امت مسلمہ کی سوسالہ دعاؤں کا ثمر تھے۔ گذشتہ ایک صدی سے عالم اسلام کو عیسائی حکمرانوں کے متواتر حملوں کا سامنا تھا۔ خلافت عباسیہ میں وہ دم خیم باقی نہ رہا تھا کہ وہ ان چیرہ دستیوں کا منہ توڑ جواب دیتی۔ منصور، ہارون الرشید، مامون الرشید اور معتصم باللہ جیسے باحشمت خلفاء کا زمانہ قصہ پارینہ بن چکا تھا۔ تمام صوبے مرکز سے کٹے ہوئے تھے، خصوصاً مصر میں فاطمی خاندان کی شیعہ حکومت نے مرکز اسلام کو کمزور سے کمزور تر کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہنے دی تھی۔ ان حالات کے باوجود جب تک ملک شاہ سلجوقی جیسے اوّل العزم مجاہد اسلامی سرحدوں کی نگہبانی کا فریضہ انجام دیتے رہے عیسائیوں کو زیادہ آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ پانچویں صدی کے آخر میں ملک شاہ کے وفات پاتے ہی صلیبی سیلاب عالم اسلام کے دروازے پر دستک دینے لگا۔ رجب ۴۹۲ھ (۱۰۹۹ء) میں عیسائی سلطنتوں کی متحدہ افواج نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ بیالیس دن پر محیط اس محاصرے کے دوران اہل شہر کو کسی بیرونی اسلامی ریاست سے کوئی امداد نہ پہنچ سکی۔ حتیٰ کہ ماہ شعبان میں عیسائی افواج شہر میں داخل ہو گئیں۔ کئی ہفتے

تک مسلم آبادی کا قتل عام جاری رہا، صرف مسجد اقصیٰ میں شہید کیے جانے والے افراد ستر ہزار سے متجاوز تھے۔ عیسائی فاتحین کے گھوڑے مقتولین کے خون میں غوطے لگا رہے تھے۔ اس کے بعد تقریباً ایک صدی تک مسلمان قبلہ اول کے لیے ترستے رہے۔ آخر کار مشیت ایزدی نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو مسجد اقصیٰ کی بازیابی کے لیے صلیبی حکمرانوں سے ٹکر لینے کا حوصلہ عطا کیا۔ ۵۶۷ھ (۱۱۷۲ء) صلاح الدین ایوبی نے فاطمی شیعہ حکومت کو ختم کر کے مصر میں اپنا اقتدار مضبوط کر لیا۔ اندرونی شورشوں کو رفع کرنے کے بعد ۵۶۹ھ (۱۱۷۳ء) میں انہوں نے عیسائی مقبوضات پر دھاوا بول دیا۔ بالآخر چودہ سال کے مسلسل جہاد کا نتیجہ بیت المقدس کی فتح کی صورت میں ظاہر ہوا۔ رجب ۵۸۳ھ (۱۱۸۷ء) میں ۹۱ سال کے قتل کے بعد قبلہ اول پھر فرزند ان توحید کے سجدوں سے آباد ہو گیا۔

اس تمام تر تاریخی جدوجہد کے دوران بغداد و خوارزم کی سلطنتیں اپنے اندرونی اور باہمی تنازعات میں الجھی رہیں۔ جب سلطان صلاح الدین ایوبی کی افواج صلیبیوں سے آخری معرکہ آزمائی کے لیے بیت المقدس پر حملہ کی تیاری کر رہی تھیں، خلیفہ المسلمین اپنے وزیر اعظم مجد الدین سے سرد جنگ لڑنے میں ہمہ تن مصروف تھے۔ اور ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) میں جب سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ بیس (۲۰) سالہ جہادی خدمات انجام دے کر جان جاں آفریں کے سپرد کر رہے تھے، خوارزم میں سلطان نکش اپنے بھائی کے اقتدار کا خاتمہ کر کے بیس (۲۰) سالہ خانہ جنگی سے فارغ ہو رہا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کی رحلت کے بعد ان کے بیٹوں اور بھائی الملک العادل کے درمیان اقتدار کے حصول کے لیے زبردست کشمکش پیدا ہو گئی۔ بالآخر الملک العادل نے تمام شام اور مصر پر قبضہ مستحکم کر لیا۔ ۶۱۵ھ (۱۲۱۸ء) میں الملک العادل نے وفات پائی اور اس کی سلطنت اس کے فرزندوں کے درمیان تقسیم ہو گئی۔ اس کا حوصلہ مند بیٹا الملک اکامل مصر کا حاکم بن گیا۔ دوسرے بیٹے الملک المعظم عیسیٰ نے شام اور القدس کی حکومت سنبھال لی۔ تیسرے بیٹے الملک الاشرف موسیٰ کو خلاط اور الجزیرہ کا اکثر حصہ ورثے میں ملا۔ چوتھے بیٹے الملک المظفر شہاب الدین نے زہا اور میافارقین کی ولایت حاصل کی۔ غرضیکہ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کی وفات کے چھ بیس سال بعد ان کی عظیم مملکت ان کے برادر زادوں کے درمیان منقسم ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ ⑨

غوری سلطنت..... جن دنوں سلطان نکش خوارزم میں اپنی حکومت کی بنیادیں مستحکم کر رہا تھا، اس کے جنوب مشرق میں موجودہ افغانستان کے علاقے سے غوری سلطنت ایک طوفان کی اُمنڈتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ اس سلطنت کا دارالحکومت ”فیروز کوہ“ تھا۔

یہاں کا حکمران سلطان غیاث الدین غوری تھا۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی شہاب الدین کو غزنی کے تخت پر بٹھا کر ان کو سلطان ”معز الدین“ کا خطاب دے رکھا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ تاریخ میں شہاب الدین غوری ہی کے نام سے پہچانے گئے۔ تاہم اس طرح یہ دونوں بھائی مستقل سلطان ہو گئے۔ پھر بھی سلطان شہاب الدین غوری نے ہمیشہ خود کو چھوٹا سمجھا اور بڑے بھائی کی زندگی میں وہ اس کی نیابت کا دم بھرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں بھائی جس مثالی اتحاد و اتفاق سے حکومت کر رہے تھے اس کی نظیر تاریخ میں بہت کم ملے گی۔ شہاب الدین غوری کی تلوار ہندوستان کے بت پرستوں کے خلاف مسلسل بے نیام رہی اور غیاث الدین کی ترک تازیوں سے اس کے شمال مغربی و

شمال مشرقی ہمسائے (خوارزمی سلاطین اور ترکان خطا) ہمیشہ خائف رہے۔ ان دونوں حوصلہ مند بھائیوں نے اپنی صلاحیتیں کبھی باہمی محاذ آرائی میں ضائع نہیں کیں بلکہ متحد ہو کر ہمیشہ بیرونی طاقتوں کے خلاف سینہ سپر رہے۔

۵۸۷ھ (۱۱۸۷ء) میں تراوڑی کے تاریخی میدان میں سلطان شہاب الدین غوری اور دہلی کے راجا پرتھوی راج کے مابین گھمسان کا رن پڑا، پرتھوی راج کی ٹڈی دل فوج میں ڈیڑھ سو راجے اپنے لشکروں سمیت شامل تھے، صرف جنگی ہاتھیوں کی تعداد تین ہزار سے زائد تھی، جبکہ تین لاکھ سوار تھے، پیادہ افواج کی تعداد کا کوئی شمار ہی نہ تھا۔ شہاب الدین غوری کے سرفروشن کو اس تعداد سے کچھ نسبت نہ تھی مگر نصرت خداوندی ان کے شامل حال رہی۔ ہندوؤں کو بڑی عبرت ناک شکست ہوئی، پرتھوی راج فرار ہوتے ہوئے مارا گیا، اور دہلی پر غوری حکمرانوں کے ہاتھوں اسلامی پرچم لہرایا گیا۔ اس کامیابی کے بعد سلطان شہاب الدین نے چند سال کے اندر اندر مزید فتوحات حاصل کیں اور نو غیر غوری حکومت کو غزنی سے بنگال تک وسعت دے دی۔

یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا کہ اقوامِ زمینِ ایشیا کا پاساں تو ہے غوری خاندان کے اس اچانک عروج سے خوارزمی حکمرانوں کو تشویش لاحق تھی اور یہ ایک قدرتی امر تھا، اس لیے کہ غوری حکمران اپنے آپ کو غزنوی سلاطین کا نائب تصور کرتے ہوئے ان کے تمام مقبوضات پر حاوی ہونے کا عزم کیے ہوئے تھے۔ جنوب میں وہ اس مہم کو سرانجام دے چکے تھے جبکہ شمال کا قرض ابھی ان پر باقی تھا۔<sup>①</sup> اتابکان شیراز..... خوارزم کے جنوب مغرب میں شیراز کے علاقے پر اتابکان شیراز کی چھوٹی سی خود مختار حکومت قائم تھی۔ اتابک سعد بن زنگی یہاں کا حکمران تھا۔ یہ حکومت صلح پسند تھی، ”چلو تم اُدھر کو، ہوا ہو چدھر کی“ کی پالیسی پر عمل پیرا رہی، خوارزم شاہی حکمرانوں کو غالب دیکھتی تو اظہارِ وفاداری کرتی اور ان کا پہلو کمزور دیکھ کر بغاوت کرنے سے بھی نہ چوکتی۔ یہی خطہ شیخ سعدی شیرازی رحمہ اللہ کا وطن تھا۔ اتابکان شیراز کی شان میں شیخ کے اشعار بوستان میں موجود ہیں۔ سعد بن زنگی کے نام پر ہی شیخ نے اپنا تخلص سعدی رکھا تھا۔ خوارزمی سلطنت کے نابود ہونے کے بعد یہ حکومت تاتاریوں کی باج گزار بن گئی تھی۔

سلاطین عراق..... سلجوقی حکومت کئی لکڑوں میں بٹ کر انحطاط کے آخری درجے میں تھی۔ رے، ہمدان اور عراق کے کچھ حصے پر ان کا ایک گروہ جو ”سلاطین عراق“ کے نام سے معروف تھا حکومت کر رہا تھا۔ ان کا آخری حکمران طغرل ثانی، سلطان نکش کا ہم عصر تھا، بے حد دلیر، جنگجو اور قوتِ جسمانی میں بے مثل تھا۔ اس کی جنگ آزما طبیعت کسی وقت بھی خوارزم کے لیے خطرہ بن سکتی تھی۔

سلاطین روم..... سلجوقی خاندان کا ایک اور گروہ ارضِ روم (موجودہ ترکی) پر قابض تھا۔ یہ فرنگیوں سے بھی نبرد آزما رہتے اور خوارزمی حکومت کے بھی مستقل حریف رہے۔ چونکہ خوارزمی اقتدار سلجوقی حکومت کے لٹن سے ظہور پذیر ہوا تھا اور سلجوقی حکومت کے زوال کے ساتھ ہی ساتھ خوارزم عروج پذیر ہوا تھا، اس لیے سلجوقی حکمرانوں کی ہر شاخ نے خوارزمیوں کو اپنا مد مقابل خیال کیا۔

سلاطین روم کی حکومت کا سلسلہ ساتویں صدی ہجری کے آخر تک قائم رہا، ان کا پایہ تخت تونیہ تھا۔ یہاں کا حاکم ”غیاث الدین کی خسرو اول“ تھا، اس کے بعد اس کا بیٹا ”علاء الدین کیقباد“ نکش کے وارثین کا ہم عصر رہا۔



اتابکان آذربائی جان..... اتابکان آذربائی جان بھی سلجوقی حکمرانوں کے پروردہ تھے۔ انہوں نے بھی قوت و شوکت پا کر خود مختار حکومت قائم کر لی تھی۔ ساتویں صدی ہجری میں سلطان نکش کے پوتے جلال الدین خوارزم شاہ کے ہاتھوں یہ حکومت ختم ہو کر خوارزم شاہی مقبوضات میں شامل ہو گئی۔ مگر اس کے چند سال بعد ہی خود خوارزمی سلطنت بھی مٹ گئی۔ الموت..... قزوین کے کوہستانی سلسلے میں الموت نامی قلعے میں ”ملاحہ“ کی اجارہ داری تھی۔ نہ صرف خوارزم بلکہ آس پاس کی تمام حکومتیں ان کی چیرہ دستیوں سے تنگ تھیں۔ ان کا بانی حسن بن صباح تھا اور آخری حکمران رکن الدین خورشاہ تھا۔ اس حکومت کا خاتمہ سقوط بغداد کے ساتھ ساتھ ہی ہلاکوخان کے ہاتھوں ہوا۔

اریئل..... عراق کے نواح میں اربیل کے علاقے پر مظفر الدین کوکبری کی چھوٹی سی خود مختار حکومت قائم تھی۔ خلافت بغداد سے اس کے گہرے مراسم تھے۔<sup>(۱۱)</sup>

مذکورہ حکومتوں کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں کے بننے اور ختم ہونے کا سلسلہ اس دور میں بڑی تیزی سے جاری رہا۔ شام، عراق اور موجودہ ترکی کے علاقوں میں اس طوائف الملوکی کا زیادہ دور تھا۔ سلطان علاؤ الدین نکش کا دور حکومت..... سلطان نکش نے حد درجہ مہم جو یا نہ طبعیت پائی تھی۔ اپنے بھائی ”سلطان شاہ“ کی وفات کے بعد ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) میں کامل طور پر مملکت خوارزم کا انتظام سنبھالتے ہی اس نے ریاستی حدود اربعہ کے اضافے پر توجہ دی۔ خوارزم شاہی اقتدار کے عروج کے ساتھ ہی سلجوقی سلطنت سمٹ کر مختلف ٹکڑوں میں بکھر چکی تھی اور روز بروز زوال پذیر تھی۔ عراق میں طغرل ثانی سلجوقی اقتدار کا آخری نمائندہ تھا۔ نکش نے چند زوردار حملوں کے بعد اس کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ رے اور ہمدان جیسے اہم شہر بھی اس کے مقبوضات میں داخل ہو گئے اور خوارزمی ریاست کی حدود بغداد کی سرحدوں کو چھونے لگیں۔

خلیفہ ناصر سے جھڑپ..... یہ صورتحال خلیفہ ناصر کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ اس نے خوارزم شاہ سے مطالبہ کیا کہ عراق کے بعض اضلاع خلافت بغداد کی تحویل میں دے دیئے جائیں۔ نکش نے اسے منظور نہ کیا۔ دونوں مملکتوں کے باہمی تعلقات روز بروز کشیدہ ہوتے گئے۔ ۵۹۲ھ (۱۱۹۶ء) میں ہمدان کے مقام پر خوارزمی اور خلافتی افواج کے مابین گھسان کا معرکہ ہوا جس میں بغداد کی افواج بدترین شکست سے دوچار ہو کر پسپا ہو گئیں۔

اس سے پہلے بھی نکش اور خلیفہ بغداد کی فوجوں میں دوبار معمولی جھڑپیں ہو چکی تھیں، لیکن اس بار خلافتی افواج کو ایسی زک پہنچی کہ انہوں نے پھر کبھی خوارزمی سرحد پر حملے کی ہمت نہ کی۔

ترکان خطا کی گوشمالی..... خلیفہ ناصر کا مزاج درست کرنے کے بعد نکش نے ترکان خطا کی سرکوبی کا ارادہ کیا۔ بلاشبہ یہ ایک دشوار تر جنگی مہم تھی مگر نکش میں حوصلے کی کمی نہ تھی چونکہ خوارزمی و غوری حکمرانوں کے تعلقات اب تک کشیدہ رہے تھے اور ترکان خطا جیسے مشترکہ دشمن کے مقابلے میں کامیابی کے لیے دونوں درباروں کا اتحاد ضروری تھا، سو نکش نے اس ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے غیاث الدین غوری کے ساتھ مصالحت کر لی۔

غیاث الدین غوری کے مشورے سے نکش نے خلیفہ بغداد سے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش بھی شروع کی۔ خلافت بغداد سے بھی اس کا مثبت جواب آیا۔ ہر طرف سے مطمئن ہو کر نکش پوری قوت سے ترکان خطا کے مقابلے کی تیاری کرنے لگا۔ ترکان خطا اس کے لیے پہلے ہی مستعد تھے، انہوں نے از خود یلغار کر کے ”اورگن“ کا محاصرہ کر لیا۔



تکش کی افواج نے فصیل بند ہو کر اس دلیری سے مقابلہ کیا کہ ترکان خطا کی بڑی تعداد ہاری گئی اور باقی ماندہ نے پسپائی اختیار کی۔ (۱۴)

حسن بن صباح کے جانشینوں سے ٹکر..... ابھی ترکان خطا کی مکمل سرکوبی نہیں ہوئی تھی کہ تکش کو ایک اور مہم سر کرنا پڑی۔ خوارزمی ریاست موجودہ ”جمہوریہ ایران“ کے اکثر علاقے پر محیط ہو چکی تھی، شمال مغرب میں اس کا آخری اہم شہر ”قزوین“ تھا۔ قزوین سے متصل دشوار گزار سلسلہ کوہ میں ایک ناقابلِ تسخیر فلک بوس پہاڑ پر حسن بن صباح کے پیروکاروں کا مرکز ”قلعہ الموت“ واقع تھا۔

حسن بن صباح کا تعلق اسماعیلی فرقے سے تھا۔ یہ وہ فرقہ ہے جس کے پیروکار چھٹی صدی ہجری کے وسط تک مصر پر قابض رہے تا آنکہ صلاح الدین ایوبی نے آ کر ان کا تختہ الٹا۔ حسن بن صباح بذاتِ خود اپنے مذہب کا مجتہد تھا۔ اس نے بڑی حد تک اسماعیلیہ عقائد و اعمال میں ترامیم اور تغیرات کر کے مذہب کو ایک نئے رنگ میں پیش کیا۔ اس کے داعی پورے ایران و ترکستان میں پھیل گئے۔ قلعہ الموت ان کی سرگرمیوں کے لیے نہایت محفوظ مستقر کا کام دیتا رہا۔ قلعے کے آس پاس کے کوہستانی سلسلے میں انہی لوگوں کا راج تھا۔ حسن بن صباح نے قلعہ الموت کے ارد گرد پھیلے ہوئے سرسبز و شاداب کہسار میں کئی میل پر پھیلی ہوئی ایک مصنوعی جنت تعمیر کروائی جس میں انسانی لذتوں کا ہر سامان میسر تھا۔ حسن اس جنت میں اپنے مخصوص معتقدین کو کچھ عرصہ رہنے کا موقع دے کر ان کی اس قدر پختہ تربیت کرتا کہ وہ اس کے اشارہ اور پر جان نثار کرنے میں دیر نہ کرتے۔ یہ مخصوص لوگ ”فدائی“ کہلاتے۔ انہیں خنجر زنی کی خاص مشق کرا کے دنیا کے اہم سیاسی و عسکری مراکز میں بطور جاسوس مقرر کر دیا جاتا۔ حسن کا اشارہ ملتے ہی بڑے بڑے جرنیل، امراء اور سلاطین فدائی خنجر کی بھیٹ چڑھ جاتے۔ حسن بن صباح کی ان سرگرمیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام دنیا کے درباروں پر اس کی ہیبت چھا گئی اور اس کا ہر مطالبہ تسلیم کیا جانے لگا۔

۵۱۸ھ (۱۱۲۳ء) میں حسن بن صباح مر گیا لیکن اس کے نائبین نے قلعہ الموت سے اپنی کارروائیاں اسی طرح جاری رکھیں، ان کی سفاکانہ غارتگری سے عالم اسلام نہایت ضیق میں تھا۔ نظام الملک طوسی اور شہاب الدین غوری جیسی نابغہ روزگار ہستیوں نے ان کے بے رحم خنجر سے لہو کا غسل کیا۔ سلطان سنجر، سلطان صلاح الدین ایوبی اور امام فخر الدین رازی جیسی گراں مایہ شخصیتیں ان کی زد میں رہیں۔ (۱۵)

سلطان تکش نے اس فتنے کو انجام تک پہنچانے کا فیصلہ کیا اور ایک لشکر جبار لے کر الموت کا رخ کیا مگر طویل محاصرے کے بعد بھی قلعہ الموت ناقابلِ تسخیر رہا۔ تاہم تکش نے ان کا ایک اور قلعہ بزرگ شمشیر فتح کر لیا۔ کچھ عرصے بعد فدائیوں نے ”ترشیز“ میں اپنا ایک نیامرکز بنالیا اور حسبِ سابق اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ انہی دنوں ایک فدائی نے موقع پا کر تکش کے وزیر ”نظام الملک ہریوہ“ کو شہید کر دیا۔ سلطان تکش اس حادثے سے نہایت رنجیدہ ہوا اور شہزادہ قطب الدین محمد کو تازہ افواج دے کر ترشیز پر حملے کا حکم دے دیا۔ شہزادہ قطب الدین نے ترشیز کا محاصرہ کر لیا۔ طرفین میں شدید خونریز جنگ جاری رہی۔ چار ماہ گزر گئے مگر فصیل سرنہ ہو سکی۔ آخر کار سلطان تکش نے شدید بیماری کے عالم میں بستر سے اٹھ کر خود فیصلہ کن حملہ کے لیے ترشیز کا رخ کیا۔ طبیبوں نے اس طویل سفر سے منع کیا مگر سلطان نہ رکا۔ راستے ہی میں مرض اس قدر بڑھ گیا کہ بچنے کی امید نہ رہی، بالآخر ترشیز پہنچنے سے قبل ۱۹ رمضان ۵۹۶ھ (۳ جولائی

۱۲۰۰ء) کو چھبیس سال تک خوارزم پر حکومت کرنے والا یہ عظیم المرتبت بادشاہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ چونکہ اس طویل دور حکومت میں خوارزم کا مرکزی حصہ ”اورگنچ“ سلطان نکش ہی کے زیر قبضہ رہا اس لیے اصل حکمران کہلانے کے قابل وہی ہے۔ اس کا چھوٹا بھائی سلطان شاہ بیس سال تک اس سے بے سود الجھتا رہا مگر آخر تک کچھ حاصل نہ کر سکا۔ اگر سلطان نکش اس بے فائدہ خانہ جنگی میں مبتلا نہ ہوتا تو امت مسلمہ ایک عظیم جانی و مالی خسارے سے محفوظ رہ جاتی۔

سیرت سلطان نکش ..... سلطان نکش علماء کا بڑا قدر دان تھا اور مدارس دینیہ کے قیام کا بڑا دلولہ رکھتا تھا۔ اس کی تدفین اسی مدرسے میں ہوئی جو اس نے بذات خود تیار کرایا تھا۔

خانہ جنگی سے فرصت پا کر نکش کو خوارزمی تخت پر بیٹھنے کے لیے صرف چھ سال مزید میسر آ سکے مگر اس مختصر عرصے میں بھی اس نے حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کیں اور جب اس کا انتقال ہوا تو سلطنت سلجوقیہ کے کھنڈرات پر تعمیر شدہ سلطنت خوارزم از حد وسیع ہو چکی تھی۔ شمال مغرب میں ایشیائے کوچک کی سلجوقی مملکت، اور جنوب مشرق میں غوری خاندان کی نئی جنگ آزما قوت کے سوا ترکستان اور ایران کا تقریباً سارا علاقہ خوارزمی حکومت کے زیر تصرف آچکا تھا۔

نکش کی کامیابیوں میں اس کی ملکہ ترکان خاتون کا بڑا دخل تھا۔ ترکان خاتون کا تعلق ترکوں کے زبردست جنگجو قبیلے ”قپچاق“ سے تھا۔ ترکان خاتون اس قبیلے کے سردار کی بیٹی تھی۔ جب نکش نے اس سے نکاح کیا تو قپچاقی ترکوں کی بے پناہ طاقت اس کے ساتھ ہو گئی جسے وہ ہر معرکے میں کامیابی کے ساتھ کام میں لایا۔ ترکان خاتون فوجی اور سیاسی امور میں بذات خود بھی بڑی حد تک ذخیل رہی اور سلطان نکش کو ہر مہم میں اس کی رائے کا لحاظ رکھنا پڑا۔ نکش کے فاتحانہ و سپاہیانہ اوصاف اس کے جانشین علاؤ الدین محمد اور پوتے جلال الدین منکبرتی میں بھی بدرجہ اتم موجود تھے۔<sup>(۱۴)</sup>

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ ۵۹۶ھ میں وفات پانے والی اہم شخصیات میں سلطان نکش کا نام سر فہرست رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

”سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ نکش ابن ارسلان، طاہر بن حسین کی اولاد سے تھا۔ یہ خوارزم، خراسان اور رے سمیت دیگر کئی وسیع علاقوں کا حکمران تھا۔ اسی نے سلجوقی اقتدار کا خاتمہ کیا۔ عادل اور نیک سیرت تھا۔ موسیقی کے فن سے بھی آشنا تھا۔ لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنے والا تھا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کا عالم اور اصول فقہ سے خوب واقف تھا۔ اس نے خوارزم میں احناف کے لیے ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرایا تھا۔ اسی مدرسے کی خاک میں اسے دفن کیا گیا۔“<sup>(۱۵)</sup>

نکش کے غفور و درگزر کا ایک قصہ ..... ایک بار سلطان نکش ایک شہر کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ اہل شہر نے اپنے غصے کی بھڑاس نکالنے کے لیے ایک کانے کتے کو کرتا اور ٹوپی پہنا کر اس کا نام ”خوارزم شاہ“ رکھ دیا کیونکہ سلطان نکش بھی یک چشم تھا۔ بعد ازاں اس کتے کو نینیق میں رکھ کر شہر سے باہر خوارزمی فوج کے پڑاؤ کی طرف پھینک دیا اور فیصل سے صدا بلند کی:

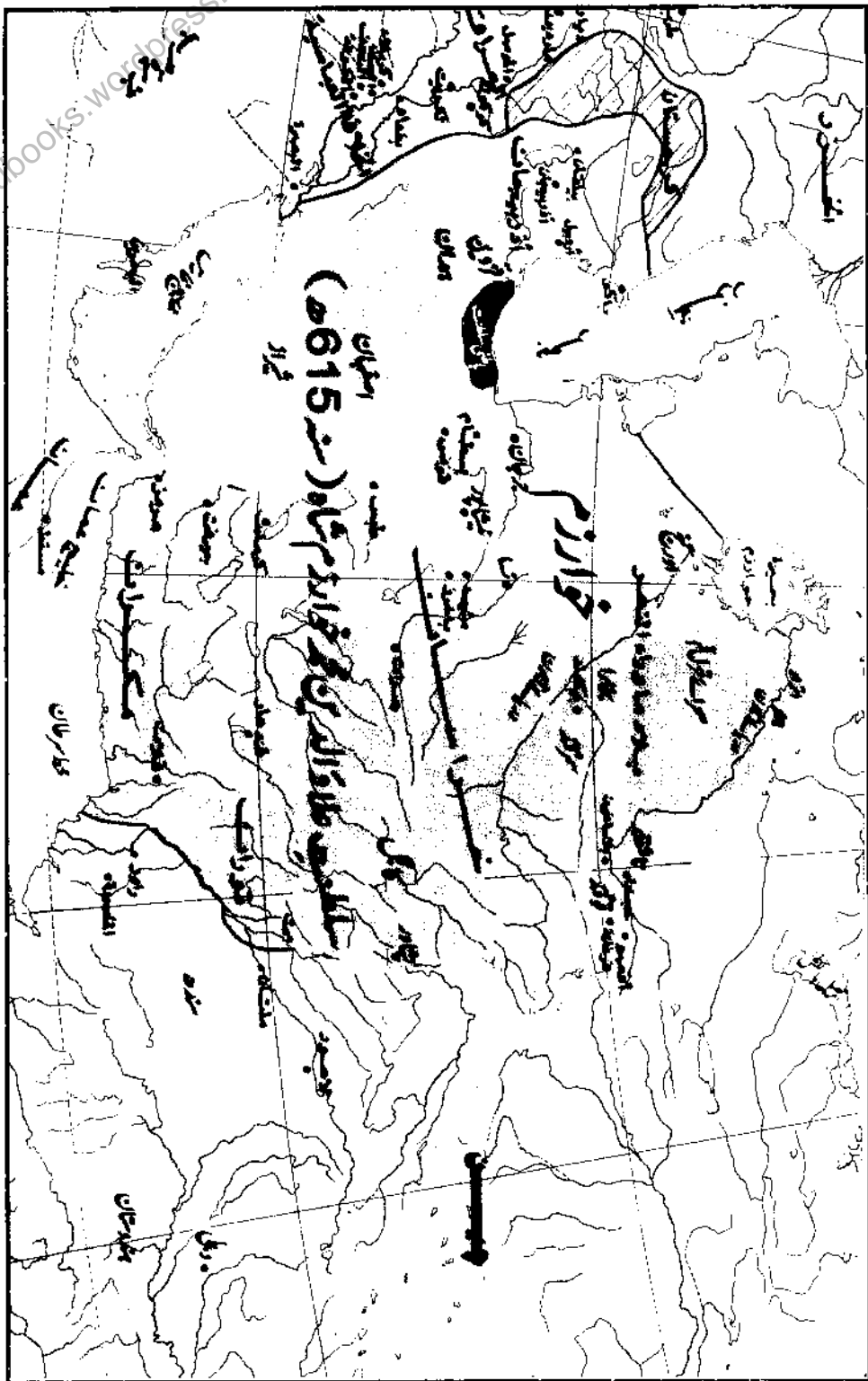
”لو! یہ ہے تمہارا بادشاہ“

نکش نے ایک طویل محاصرے کے بعد جب شہر فتح کیا تو دیگر اہل شہر کے ساتھ اس شرارت کے منصوبہ سازوں کو بھی معاف کر دیا۔<sup>(۱۶)</sup>

## حواشی و حوالہ جات

- ① بیہقی بہ روایت ابو الریحان البیرونی ① کذا قال البیرونی
- ② تاریخ الکامل لابن اثیر ج ۳ ص ۲۱۵
- ③ ابن اثیر ج ۳ ص ۳۷۲..... ابن خلدون ج ۵ ص ۸۸.....
- ④ جہاں کشا جوینی ج ۲ ص ۳
- ⑤ ابن اثیر ج ۷ ص ۲۲۵ تا ۲۳۰، ۴۱۱ تا ۴۱۳..... جہاں کشا جوینی ج ۲ ص ۹۱، ۹۰
- ⑥ اس کا دور خلافت ۴۷ سال تک رہا، اموی و عباسی خلفاء میں سے کسی نے اتنے طویل عرصے تک حکومت نہیں کی۔
- ⑦ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۲۰، ۶۲۱..... البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۲۵
- ⑧ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۳ تا ۹۶..... ابن اثیر ج ۷ ص ۲۲۵ تا ۲۳۰، ۴۱۱ تا ۴۱۳..... ابن خلدون ج ۵ ص ۹۱
- ⑨ ابن اثیر ج ۷ ص ۴۰۰..... ابن خلدون ج ۵ ص ۹۲..... تاریخ ملت ج ۳
- ⑩ تاریخ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی ج ۳
- ⑪ روضۃ الصفاح ج ۴ ص ۸۱۵..... ابن خلدون ج ۵ ص ۹۵
- ⑫ حسن ابن صباح از عبدالحلیم شرر ص ۶۰ تا ۶۵
- ⑬ ابن اثیر ج ۷ ص ۴۴۳، ۴۴۴..... نہایۃ الارباب ج ۷ ص ۳۶۲..... ابن خلدون ج ۵ ص ۹۵
- ⑭ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۸ ⑮ ابن اثیر ج ۷ ص ۴۳۱

————— ❦ —————



## سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ

جرات ہونے کی تو فضا تنگ نہیں ہے اے مرد خدا! ملک خدا تنگ نہیں ہے علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی تخت نشینی ..... سلطان نکش کی ناگہانی موت کے باوجود بلند ہمت شہزادے قطب الدین محمد نے تیشیز کا محاصرہ جاری رکھا، آخر کار اہل شہر صلح پر مجبور ہو گئے، صلح کا معاہدہ طے پا گیا۔ قطب الدین محمد نے محاصرہ اٹھالیا اور بڑی سرعت پایہ تخت روانہ ہوا۔ اور گنچ پہنچ کر ۲۰ شوال ۵۹۶ھ (۲ اگست ۱۲۰۰ء) کو قطب الدین محمد اپنے باپ کا لقب اختیار کر کے علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ بن کر تخت خوارزم پر براجمان ہوا۔<sup>①</sup> چوں کہ اس کا اصل نام صرف محمد تھا اس لیے مؤرخین کبھی اسے محمد خوارزم شاہ کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ وہ ہر لحاظ سے اپنے باپ کا صحیح جانشین نظر آتا تھا، جرات، دلیری، جہاں گیری و جہاں داری میں وہ اپنے دور کا سکندر تھا، عرب مؤرخین نے اپنی تواریخ میں اس کی شخصیت کا اچھے لفظوں میں ذکر کیا ہے۔ وہ اپنے باپ کی طرح فقہ حنفی کا پابند، مسلک اہل سنت والجماعت کا پیروکار، خوش عقیدہ اور دیندار تھا۔ غیرت و شجاعت کی بھی اس میں کمی نہ تھی۔ لیکن ان تمام تر خوبیوں کے باوجود اس سے چند ایسی سنگین غلطیاں ہوئیں جن کے وبال سے اس کے سارے کارناموں پر پانی پھر گیا اور عالم اسلام مشرق تا مغرب را کھ کا ڈھیر بن گیا۔

غوریوں سے ٹکرا ..... علاؤ الدین محمد کے برسر اقتدار آتے ہی آس پاس کی ریاستوں نے اسے نا تجربہ کار گمان کر کے خوارزم پر چڑھائی کے منصوبے بننے شروع کر دیئے۔ حاکم افغانستان غیاث الدین غوری نے سابقہ صلح نامے کا خیال نہ کرتے ہوئے حملہ کر کے خوارزمی سلطنت کے شہروں، نسا، مرو اور سرخس پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد طوس اور نیشاپور پر یلغار کر کے انہیں بھی غوری سلطنت میں شامل کر لیا۔

علاؤ الدین محمد کو تخت پر قدم رکھتے ہی ایک بھیانک صورتحال کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ تاہم اس نے ضبط سے کام لیتے ہوئے غوری حکمران کو لکھا:

”میں سمجھتا تھا کہ میرے والد محترم کے سانحہ وفات کے بعد اگر ترکان خطا خوارزم پر حملہ آور ہوئے تو آپ میری امداد کریں گے، لیکن مقام حیرت ہے کہ خود آپ نے مجھ پر یلغار کر دی۔ یہ مردانگی کے خلاف ہے۔ آپ میری ریاست سے افواج و ایس بلائیں ورنہ میں ترکان خطا سے مدد لینے پر مجبور ہو جاؤں گا۔“

غیاث الدین نے اس مراسلے کا کوئی مثبت جواب نہ دیا۔ اس پر علاؤ الدین محمد شمشیر بکف ہو کر میدان جنگ میں اتر پڑا، اور غوری و خوارزمی سپاہ میں ایک طویل معرکہ آزمائی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔<sup>②</sup>

غوریوں کی قیادت غیاث الدین غوری کے ہاتھ میں تھی۔ سلطان شہاب الدین غوری ہندوستان کی مہات میں

مصروف تھے۔ ان کی انتھک جہادی سرگرمیوں کے باعث پشاور سے لے کر دہلی اور بنگال تک کا علاقہ اسلامی حکومت میں داخل ہو گیا تھا۔ سلطان شہاب الدین کی ہندوستان سے فاتحانہ واپسی ہوئی تو غوریوں کو مزید تقویت حاصل ہوئی اور ان لڑائیوں میں مزید شدت آگئی۔ اسی اثناء میں غیاث الدین غوری کی وفات ہو گئی۔ اب سلطان شہاب الدین کو بذات خود ہوس اقتدار کی ان جنگوں کی قیادت کرنا بڑی جواہت مسلمہ کے لیے سراسر سببِ خسران تھیں۔

ایک فیصلہ کن مقابلے کیلئے جنگی ہاتھیوں پر مشتمل لشکر جرار لے کر سلطان شہاب الدین خوارزم کے پایہ تخت پر حملہ آور ہوئے۔ خوارزمی فوج نے خود شہر بند ہو کر عقب سے دریائے جیحوں کی اس نہر کا بند کاٹ دیا جس کے کنارے غوری افواج خیمہ زن تھیں۔ غوری افواج کے پڑاؤ کا میدان ایک بڑی جھیل میں تبدیل ہو گیا اور غوری افواج کو اس سے نکلنے ہی میں چالیس دن صرف ہو گئے۔ اس غیر متوقع صورتحال کے بعد سلطان شہاب الدین اپنی افواج کو لے کر واپس ہو گئے۔ راستے میں خوارزمی افواج کے چھاپہ مار دستوں اور ترکان خطا کی چیرہ دستیوں نے اس کی بہت کم فوج کو زندہ سلامت وطن واپس پہنچنے دیا۔

شوال ۶۰۱ھ (اپریل ۱۲۰۶ء) میں سلطان شہاب الدین پھر ہندوستان کی مہم پر نکلے۔ اس دوران وہ دریائے جہلم کے کنارے آرام کر رہے تھے کہ ایک فدائی کے خنجر نے انہیں لیلائے شہادت سے ہمکنار کر دیا، ابن اثیر کے بقول ان کی تاریخ شہادت یکم شعبان ۶۰۲ھ تھی۔ ⑤

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی  
سلطان شہاب الدین غوری کی شہادت غور کی نوخیز سلطنت کے خاتمے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ ۶۰۵ھ (۱۲۰۸ء) میں علاؤ الدین محمد نے غوریوں کا سب سے مضبوط گڑھ ہرات فتح کر لیا اور اسی سال غوری خاندان کے آخری حکمران غیاث الدین محمود کو قتل کر کے غور اور فیروز کوہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس طرح خوارزمی سلطنت کی جنوب مشرقی حدود موجودہ افغانستان کی جنوبی سرحدوں سے متجاوز ہو کر دریائے سندھ کے کنارے تک پھیل گئیں اور عظیم غوری سلطنت کے ورثا پنجاب کی حدود میں سمٹنے پر مجبور ہو گئے۔ ⑥

ترکان خطا سے معرکے..... غوری خاندان کے خلاف دس سال کی مسلسل جنگ جوئی سے فارغ ہو کر محمد خوارزم شاہ نے اپنے باپ سلطان نکش کی اس مہم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا عزم کیا جو اس نے ترکان خطا کے خلاف شروع کی تھی۔ غوریوں سے نہروآ زمائی کے زمانے میں محمد خوارزم شاہ ترکان خطا سے صلح کر کے ان کو خراج ادا کرتا رہا تھا۔ یہ ایک سیاسی چال تھی۔ اب فیصلہ کن ٹکراؤ کا وقت آچکا تھا۔ علاؤ الدین محمد نے افواج مرتب کر کے مشرق کی طرف بخارا کا رخ کیا جہاں کی مسلم اکثریت ترکان خطا کے ظلم و ستم سے بلبلارہی تھی۔ اہل شہر نے سلطان علاؤ الدین محمد کی آمد کو نعمت خداوندی جان کر اظہارِ اطاعت کیا اور شہر بغیر مزاحمت کے فتح ہو گیا۔ اس کے بعد خوارزمی افواج سمرقند کی طرف روانہ ہو گئیں۔ یہاں ترکان خطا کی طرف سے مقرر کردہ کچھ تپلی مسلمان حاکم عثمان خان نے جو خان خانان کہلاتا تھا بلا روک ٹوک شہر خوارزم شاہ کے حوالے کر دیا۔ ⑦

شان دار فتح..... ترکان خطا سلطان کی ان فتوحات سے نہایت برا فرودختہ ہوئے، مؤرخ ابن خلدون کے بیان کے مطابق اس وقت ان کا بادشاہ طایکو طراز نامی ایک جنگجو بوڑھا تھا جس کی عمر سو سال سے زائد تھی۔ نہایت شجاع، عیار

اور تجربہ کار انسان تھا، ہر جنگ میں فتح یاب ہوتا آیا تھا سلطان سنجر سلجوق اور سلطان شہاب الدین غوری جیسے با عظمت فاتحین بھی اس سے شکست کھا چکے تھے۔ وہ اپنا ہڈی ڈل لشکر لے کر از خود خوارزمی افواج پر حملے کے لیے بڑھا، علاؤ الدین محمد نے بھی دریائے جیحون عبور کر کے پیش قدمی کی۔

ربیع الاول ۶۰۶ھ میں دونوں لشکر ایک صحرا میں آمنے سامنے ہوئے۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ سلطان علاؤ الدین نے حکم دیا کہ تیر انداز اور شمشیر زن اس وقت تک حرکت میں نہ آئیں جب تک مساجد میں خطبوں کے دوران خطیب اَللّٰهُمَّ اَنْصُرْ جُيُوشَ الْمُسْلِمِينَ نہ کہہ دیں، جو نبی یہ وقت آیا سلطان علاؤ الدین کے اشارے پر مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ نصرت خداوندی سلطان علاؤ الدین کے ساتھ تھی۔ گھسان کی لڑائی کے بعد ترکان خطا کے قدم اکھڑ گئے، ان کی بے شمار فوج تہ تیغ ہو گئی۔ خود شاہ ”طانیکو طراز“ زخمی ہو کر گر پڑا، ایک مجاہد جو اسے جانتا نہ تھا بجلی کی طرح لپکا، وہ اس کا سراڑانے کے لیے تلوار سونت چکا تھا کہ قریب کھڑی خطائی باندی نے چلا کر کہا: ”اسے قتل مت کرو، یہ ہمارا بادشاہ طانیکوہ ہے۔“

سپاہی اسے گرفتار کر کے سلطان علاؤ الدین محمد کے پاس لے گیا جس نے اسے گرفتار شدگان کے ساتھ خوارزم کے قید خانے بھیج دیا۔ یہ ایک بے مثال فتح تھی، جس نے ترکان خطا کی کڑوٹ کر رکھ دی۔ سلطنت خوارزم میں فتح یابی کا جشن منایا گیا۔

درباری فنشیوں نے ملک بھر میں نشر کرنے کے لیے فتح نامے تحریر کیے اور ان میں علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کو سکندر ثانی کے لقب سے یاد کیا۔ سلطان کو معلوم ہوا تو کہا:

”سکندر کے دور حکومت کی بنسبت سلطان سنجر کا زمانہ زیادہ طویل تھا، بہتر ہوگا کہ نیک فالی کے طور پر اس کے ساتھ سنجر کا لقب بھی بڑھالیا جائے۔“

اس دن سے امراء سلطنت علاؤ الدین محمد کو ”سنجر ثانی“ اور ”سکندر ثانی“ کے القابات سے یاد کرنے لگے۔ فخر الملک نظام الدین فرید جامی اور ضیاء الدین فارسی نے فتح کے جشن میں یادگار قصیدے پڑھ کر سنائے۔<sup>(۵)</sup> ضیاء الدین نے اپنے قصیدے میں کہا:

سلطان علاؤ دنیا سنجر کہ ذوالجلال	چہ از خلق برگزیدش و جاہ و جلال داد
شاہ عجم سکندر ثانی کہ رائے او	بر فتح ملک ترک حشم را مثال داد
خورشید وار تیغ تو از مشرق صواب	آمد بدید و ملک خطا را زوال داد

طبقات ناصری میں معتمد راویوں کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ خطائی بادشاہ طانیکو طراز نے اسلام قبول کر لیا تھا اور خوارزم شاہ اسے عزت و احترام سے اپنے پاس بٹھاتا تھا، طانیکو پینتالیس بڑی جنگیں لڑ چکا تھا، خوارزم شاہ اس سے ان معرکوں کی داستانیں بڑی دلچسپی سے سنتا تھا۔ ایک بار اس نے پوچھا:

”تم نے اتنے معرکوں میں شرکت کی اور اتنے بادشاہوں کو شکست دی، ان میں سب سے زیادہ دلیر اور مضبوط کسے پایا؟“

طانیکوہ نے جواب دیا: ”شہاب الدین غوری سے زیادہ باہمت، دلیر اور مضبوط میں نے کسی کو نہیں پایا، اگر اس کا

لشکر تازہ دم ہوتا تو میں اسے کبھی شکست نہ دے سکتا مگر اس کا لشکر قلیل اور گھوڑے تھکے ماندہ تھے جس کے باعث میں جیت گیا۔“

خوارزم شاہ نے کہا: ”تم سچ کہتے ہو۔“ ④

سید مرتضیٰ کی فراست ..... جب ترکان خطا کے خلاف کامیابی کا جشن منایا جا رہا تھا، اہل خوارزم نے سید مرتضیٰ بن صدر الدین کو جو شادیاں کے ایک بزرگ تھے، دیکھا کہ وہ زار و قطار رو رہے ہیں۔ دیکھنے والے بڑے حیران ہوئے کہ خوشی و مسرت کے اس موقع پر یہ آنسو کیسے؟؟..... چنانچہ سید صاحب سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ”ہماری سلامتی کے لیے ترکان خطا کا وجود ضروری ہے، یہ سخت جان قوم ہمارے اور منگولیا کے جنگیوں کے درمیان ایک آہنی دیوار کی طرح حائل رہی ہے، اس دیوار کے ٹوٹ جانے کے بعد منگولیا کے درندوں کا طوفان عنقریب ہم پر اُمڈ آئے گا اور ہر شے کو بہا کر لے جائے گا۔“

اہل خوارزم نے اس وقت سید صاحب کے اس ارشاد کو کوئی اہمیت نہ دی، کیونکہ منگولیا کے وحشیوں کے متعلق ان کی معلومات برائے نام تھیں، مگر جلد ہی حالات نے بتا دیا کہ یہ قول حرف بہ حرف درست نکلا۔ ⑤

علاء الدین محمد، دشمن کی قید میں ..... ترکان خطا کی سیادت کا چراغ ٹٹم رہا تھا لیکن ایک غیر متوقع کامیابی سے ان کے قدم کچھ مدت کے لیے پھر جم گئے۔ قصہ یہ ہوا کہ ترکان خطا کے ایک سردار گورخان نے سمرقند پر حملہ کر دیا سلطان علاء الدین محمد اس وقت خود سمرقند میں موجود تھا۔ اس کی افواج نے منہ توڑ جواب دیا۔ مگر خوارزم شاہ کے دوسرا دارا لشکر جو گورخان سے ساز باز کر چکے تھے جنگ کے فیصلہ کن مرحلے میں میدان چھوڑ گئے۔ سلطان کی وفادار فوج کی تعداد اس وقت اتنی تھی کہ وہ جم کر لڑ سکتی اسے پسپا ہونا پڑا۔ بہت سے خوارزمی افسران دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ جب اسلامی لشکر پسپا ہو کر اپنے علاقے میں واپس پہنچا تو فوج نے سلطان کو نہ پایا۔ سب لوگ حواس باختہ ہو گئے، سلطنت میں افراتفری اور انتشار پھیل گیا، تمام ملک بے چین ہو گیا۔ کچھ لوگ قسمیں کھا کھا کر کہہ رہے تھے کہ سلطان قتل کر دیا گیا ہے۔ دراصل سانحہ یہ ہوا کہ افسران کے ساتھ خود سلطان بھی گرفتار شدگان میں شامل تھا۔ یہ ایک انتہائی نازک صورتحال تھی جس سے پوری خوارزمی شاہی سلطنت کا شیرازہ آنا فانا کھڑ سکتا تھا۔ خوش قسمتی سے خوارزم شاہ اور اس کا ایک وفادار سالار ابن شہاب الدین مسعود ایک ایسے خطائی فوجی کی قید میں تھے جو ان دونوں کے مرتبے سے ناواقف تھا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خوارزم شاہ اور مسعود نے ایک عجیب ڈرامہ رچایا جو دراصل مسعود کے زرخیز ذہن کی پیداوار تھا۔ امیر مسعود نے سلطان سے کہا: ”مصلحت یہی ہے کہ آپ فی الحال اپنے بادشاہ ہونے کا کسی سے تذکرہ نہ کریں بلکہ خود کو میرا غلام ظاہر کریں۔“

خوارزم شاہ نے یہ بات مان لی۔ اور اپنے اس امیر کی خوب خدمت شروع کر دی۔ شاہ اسے کپڑے پہناتا، پانی پلاتا، کھانا اس کے سامنے لا کر رکھتا، حتیٰ کہ موزے اور جوتے بھی اپنے ہاتھوں سے اسے پہناتا اور اپنے ہاتھوں سے اتارتا۔ غرض ایسی فدویانہ خدمت کی کہ شاید مسعود کے کسی حقیقی غلام نے بھی نہ کی ہوگی۔ ان کا مگر ان خطائی سپاہی کئی دن حیرت اور دلچسپی سے یہ منظر دیکھتا رہا۔ آخر ایک دن وہ مسعود سے پوچھ بیٹھا: ”تمہارا ساتھی تمہاری اتنی خدمت کیوں کرتا ہے؟“ مسعود بولا: ”کیوں کہ یہ میرا غلام ہے۔“



خطائی کو احساس ہوا کہ اس کا قیدی کوئی عام آدمی نہیں ہے، اس بے چینی سے نے پوچھا: ”تم کون ہو؟“

مسعود بولا: ”میں امیر مسعود ہوں۔ خوارزم شاہ کا درباری۔“

یہ سن کر خطائی اس کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: ”اگر میری قوم کو میرے ہاں تمہاری موجودگی کا علم نہ ہوتا تو میں تم جیسے معزز آدمی کو ضرور آزاد کر دیتا۔“

کچھ دن گزرنے پر مسعود نے اسے کہا: ”مجھے اندیشہ ہے کہ میرے اہلخانہ واپس آنے والے خوارزمی سپاہیوں کے ساتھ مجھے نہ پا کر میری موت کا یقین کر چکے ہوں گے اور ماتم و نوحہ میں مشغول ہوں گے۔ عن قریب وہ میرا مال آپس میں بانٹ لیں گے اور میں مفلس و لاچار ہو کر برباد ہو جاؤں گا۔ میرا خیال یہ ہے کہ تم میری آزادی کے لیے کچھ فدیہ طے کر لو اور کسی ہوشیار آدمی کو میرے گھر بھیج کر انہیں میری حالت اور عافیت کی خبر پہنچاؤ اور ان سے میری رہائی کا فدیہ بھی وصول کر لو۔“

خطائی تو دل و جان سے چاہتا تھا کہ کسی طرح اس مالدار قیدی کے فدیے میں بھاری رقم حاصل کی جائے۔ اس نے اس بات کو بخوشی قبول کر لیا اور ایک شخص اس کام کے لیے چن لیا۔ مسعود نے کہا:

”میرے گھر والے اس آدمی کو نہیں جانتے، اگر مناسب سمجھو تو میرے غلام کو بھی ساتھ بھیج دو، یہ بڑا قابل اعتماد ہے، گھر والے بھی اسے جانتے ہیں، یہ تمہارے آدمی کی بات کی تصدیق کر کے گھر والوں کو مطمئن کر دے گا، انہیں میری زندگی کی خوشخبری بھی دے دیگا اور مال فدیہ جمع کرنے کے لیے دوڑ دھوپ بھی کر سکے گا۔“

خطائی نے یہ تجویز بھی مان لی اور اپنے آدمی کے ساتھ خوارزم شاہ کو جانے کی اجازت دے دی نیز کچھ محافظ بھی ان کے ساتھ کر دیئے تاکہ وہ بحفاظت منزل مقصود پر پہنچ جائیں۔

جب یہ لوگ شہر خوارزم (اور گنج) کے نزدیک پہنچے تو خوارزم شاہ جواب تک غلام کے روپ میں تھا ان سب سے آگے نکل کر شہر میں داخل ہو گیا۔ خوارزم شاہ کی طویل گمشدگی کے باعث اسے مردہ سمجھ لیا گیا تھا۔ عوام و حکام سخت بے چین تھے۔ سلطان کے بھائی تاج الدین علی شاہ نے اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا تھا۔ سلطان کے اچانک اس طرح واپس پہنچنے سے سب لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ تاج الدین علی شاہ فرار ہو گیا اور مملکت میں سلطان کی بحیریت واپسی پر جشن منایا گیا۔

ادھر خطائی نگران زرفدیہ کے انتظار میں تھا۔ ایک دن وہ امیر مسعود سے جوابی تک اسی جگہ قید تھا، کہنے لگا:

”میں نے سنا تھا کہ خوارزم شاہ قتل ہو گیا، کیا یہ درست ہے؟“

امیر مسعود نے جواب کہا: ”نہیں! خوارزم شاہ وہی شخص تھا جو میرے ساتھ تمہاری قید میں تھا۔“

یہ سن کر نگران بھونچا رہ گیا اور بولا:

”تم نے مجھے اسی وقت کیوں نہ بتایا۔ میں اسے عزت و توقیر کے ساتھ واپس بھیجتا۔“

مسعود نے کہا: ”مجھے اس کے بارے میں تم سے خطرہ تھا اس لیے بتانا مناسب نہ سمجھا۔“

نگران کہنے لگا: ”اچھا تو چلو اب ہمیں اپنے ساتھ اس کے ہاں لے چلو۔“

امیر مسعود اس نگران کو ساتھ لے کر خوارزم شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ خوارزم شاہ نے ان دونوں کا بہت اعزاز کیا اور

انہیں بڑے بڑے انعامات سے نوازا۔<sup>⑩</sup>

اندرونی و بیرونی مہمات ..... کچھ مدت تک علاؤ الدین محمد کی پوری توجہ اندرونی شورشیں رفع کرنے پر مرکوز رہی۔ جلد ہی اس نے صورتحال پر قابو پا لیا۔ تاج الدین علی شاہ کو گرفتار کر لیا گیا اور سلطان نے بغاوت کے جرم میں اس کو قتل کر دیا۔ بعد ازاں سلطان کی فوجوں نے فارس، شمالی ایران، خراسان اور عراق کے کوہستانی اضلاع میں مسلسل کامیابیاں حاصل کیں، ہمدان، اصفہان، شیراز، قم اور بلاذجل کا تمام علاقہ بھی خوارزمی حکومت میں شامل ہو گیا۔<sup>⑪</sup> ترکان خطا کی آخری شکست ..... چینی ترکستان مشرق میں خوارزم کی آخری حدود کے ساتھ لگتا تھا، کاشغر (کشی) یہاں کا دارالحکومت تھا، یہاں اگرچہ مسلمانوں کی بھی کثیر تعداد آباد تھی مگر اقتدار چینی ترک قبائل کے پاس تھا۔ ان دنوں میں سے ایک سردار کشلوک خان (کٹلی خان) نے غیر معمولی طاقت حاصل کر لی تھی۔ اس جنگجو سردار نے خوارزم شاہ کے ہاتھوں ترکان خطا کی شکستوں سے فائدہ اٹھا کر ترکان خطا کے باقی ماندہ علاقوں پر حملے شروع کر دیے تھے۔ اس صورتحال میں ترکان خطا نے اپنی بقا کے لیے خوارزم شاہ سے اتحاد کرنا چاہا اور اس سے درخواست کی کہ وہ اپنا لشکر لے کر کشلوک خان پر حملہ کر دے۔

ادھر کشلوک خان خوارزم شاہ کو ترکان خطا کے خلاف مشترکہ جنگ چھیڑنے کی پیش کش کر چکا کیوں کہ ترکان خطا کی خرمستیوں سے دونوں تنگ تھے۔ چنانچہ دونوں اس قصے کو ہمیشہ کے لیے نمٹانے کے لیے تیار ہو گئے۔ طے شدہ منصوبے کے مطابق کشلوک خان اپنا مڈی دل لشکر لے کر ترکان خطا کے مقبوضات کی طرف بڑھا، ترکان خطا بھی اپنی تمام تر قوت یکجا کر کے اپنے سردار گورخان کی قیادت میں میدان جنگ میں صف آراء ہوئے۔ خوارزم شاہی افواج کشلوک کی پشت پناہی کر رہی تھیں، مگر انہوں نے ابتداء جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ دراصل خوارزم شاہ کا دوطرفہ کھیل کھیل رہا تھا، اس کا منصوبہ یہ تھا جنگ چھڑنے کے بعد اگر کشلوک خان کا پلہ بھاری ہوا تو وہ اسی کے ساتھ رہے گا اور اگر ترکان خطا جیتنے لگے تو وہ ان کے ساتھ جا ملے گا۔ خوارزم شاہ کا یہ دھوکا اتنا کامیاب تھا کہ ترکان خطا اور کشلوک میں سے ہر ایک یہ گمان کر رہا تھا کہ خوارزمی افواج ان کے ساتھ ہیں۔ تاہم جنگ چھڑی تو ترکان خطا کشلوک خان کے لشکر کے سامنے نہ جم سکے اور پسپا ہونے لگے، یہ دیکھ کر خوارزمی افواج نے ان پر پہلے بول دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر خطائی سپاہی موت کے گھاٹ اتر گئے، ان کی رہی سہی طاقت بھی فنا ہو گئی اور انہیں دوبارہ کبھی سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ یوں عالم اسلام کو ایک دیرینہ دشمن سے نجات حاصل ہوئی جس کا سہرا سلطان علاؤ الدین محمد کے سر رہا۔<sup>⑫</sup>

ترکان خطا کے بچے کچھے افراد پہاڑوں میں روپوش ہو گئے، ان کے ایک گروہ نے علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی اطاعت قبول کر کے اس کے لشکر میں شمولیت اختیار کر لی۔<sup>⑬</sup>

کشلوک خان سے جنگ چپاول ..... فتح کے بعد خوارزم شاہ نے کشلوک خان سے مطالبہ کیا کہ اس نے جنگ کے نتیجے میں خطائیوں کا جو علاقہ حاصل کیا ہے وہ اس میں خوارزم کو حصہ دار بنائے کیوں کہ اگر خوارزمی افواج اس کی پشت پناہی نہ کرتیں تو وہ کامیاب نہیں ہو سکتا تھا، مگر کشلوک خان خوارزم کے اس ”احسان“ کے اعتراف کے باوجود تقسیم علاقہ جات پر آمادہ نہ ہوا۔ خوارزم شاہ نے دوبارہ کہلوایا:

”جس طرح ہم خطائیوں کو نمٹانے میں برابر شریک رہے، مفتوحہ علاقے کی تقسیم میں بھی اشتراک ہونا چاہیے۔“

مگر غالباً اب کشلوک خان کی نیت بدل گئی تھی، یا ممکن ہے اسے خوارزم شاہ کے فریب کا علم ہو گیا ہو، اس نے جواب دیا: ”میرے پاس تمہارے لیے صرف تلوار ہے۔ تم نہ تو خطائیوں سے زیادہ شان و شوکت کے مالک ہو، نہ ان سے زیادہ زبردست سلطنت رکھتے ہو، اب اگر تم اسی حالت پر صلح نہیں کرتے تو میں اپنا لشکر لے کر تمہاری سرحد پر آ رہا ہوں اور تمہارا حشر، خطائیوں سے زیادہ برا ہوگا۔“

خوارزم شاہ کی افواج اس وقت کشلوک خان سے جنگ کے لیے تیار نہ تھیں، اس لیے اس نے کھل کر مقابلے سے گریز کیا، وہ اپنی فوج سرحد پر لے آیا، مگر جس طرف کشلوک خان کی فوج جاتی خوارزم شاہ وہاں سے کوچ کر کے، میلوں دور نکل جاتا اور کشلوک کے ملک میں گھس کر اس کی خوراک و رسد کے ذخائر اور بستیتوں پر شب خون مارتا، اگر کشلوک کے لشکر سے کوئی دستہ ادھر ادھر روانہ ہوتا تو وہ بھی خوارزمی افواج کی زد میں آ جاتا، یہ ایک قسم کی گوریلا جنگ تھی جس سے کشلوک خان کے چھکے چھوٹ گئے، اس نے خوارزم شاہ کو میدان میں لانے کے لیے طعنوں کی بوچھاڑ کر دی، وہ کہلواتا رہا:

”یہ بادشاہوں کا طریقہ جنگ نہیں، یہ چوروں کا انداز ہے، اگر تم اپنے دعوے کے مطابق واقعی بادشاہ ہو تو لازم ہے کہ ہم میدان میں آ کر لڑیں، اگر تم جیتے تو میرا علاقہ لے لینا، اگر ہار گئے تو میں تمہارے علاقے پر قابض ہو جاؤں گا۔“

مگر خوارزم شاہ ایسا نادان نہ تھا کہ جوش میں آ کے اپنی کامیاب حکمت عملی تبدیل کر دیتا، اس نے کشلوک کو معنی خیز جوابات دے کر سرفارسی محاذ پر اپنا دفاع کیا اور کھلے میدان میں آنے کی غلطی نہ کی۔

خوارزم شاہ کو یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں کشلوک اسلامی شہروں پر تاخت و تاراج نہ شروع کر دے لہذا اس نے سرحدی شہروں فرغانہ، شاش، اسفہنجاب اور کاشان کے باشندوں کو دیگر محفوظ شہروں کی طرف منتقل کرادیا۔<sup>(۱۷)</sup>

غزنی پر قبضہ ..... ۶۱۲ھ میں غوریوں کا آخری شہر غزنی بھی خوارزم شاہ کے قبضے میں آ گیا، وہاں کے حاکم قلعہ تگین نے اپنے آقا تاج الدین یلدر سے غدار کی کر کے شہر خوارزم شاہ کے حوالے کر دیا تھا اور یلدر زلا ہو فرار ہو گیا تھا۔

شہر پر قبضے کے بعد شاہ اپنے بیٹے جلال الدین کو وہاں کا حاکم بنانا چاہتا تھا۔ اس موقع پر اس نے قلعہ تگین سے پوچھا کہ تمہارے آقا کا تمہارے ساتھ معاملہ کیسا تھا، اس نے بتایا کہ اس نے پورا شہر، خزانہ اور انتظام میرے ہاتھ میں دیا ہوا تھا۔ یہ سن کر شاہ نے کہا:

”جس شخص نے تمہیں ہر چیز کا مالک و مختار بنایا اور وہ تمہارا ہم قوم بھی تھا، تم نے اس سے غدار کی کی تو میں تم پر کیسے اعتماد کر سکتا ہوں کہ اگر میں اپنے بیٹے کو یہاں کا حکمران بنا جاؤں تو تم اس کے وفادار رہو گے۔“

اس کے بعد شاہ نے غزنی کا خزانہ میں جانوروں اور چار سو قلیوں پر لدا کر دارالحکومت روانہ کر دیا، قلعہ تگین کو قتل کرادیا اور شہزادہ جلال الدین کو چند امراء اور کچھ سپاہ کے ساتھ غزنی میں چھوڑ دیا۔<sup>(۱۸)</sup>

ملکہ ترکان خاتون، نظام مملکت میں ایک اہم رخنہ ..... حکومت و سلطنت کی اس کامل قوت، روز افزوں شان و شوکت اور جہاں گیر عجب و ہیبت کے باوجود سلطان علاؤ الدین محمد کے نظام مملکت میں ایک خطرناک رخنہ موجود تھا، جسے دور کرنا سلطان کے بس کی بات نہ تھی۔ اس رخنہ اندازی اور رکاوٹ کا سبب سلطان کی حقیقی والدہ ترکان خاتون تھی۔ ترکان خاتون کو امور مملکت میں جس قدر اثر و رسوخ اپنے شوہر سلطان نکش کی حیات میں حاصل تھا، اپنے بیٹے

علاء الدین محمد کے ایام حکومت میں اس میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ سلطنت کے سیاہ و سپید پر حاوی ہوتی جا رہی تھی۔ دار الحکومت اور گنج میں سلطان کے دربار سے علیحدہ اس کا اپنا مستقل دربار آراستہ ہوتا تھا۔ قچاتی ترک امراء اس کے آگے دوریہ صفوں میں ایستادہ رہتے۔ اس کے ہاں سیاسی و درباری مصروفیات اور تحریری و دفتری کام اتنا زیادہ تھا کہ ان کو تحریر کرنے کے لیے سات عالم فاضل منشی ہر وقت مستعد رہتے۔ خود بھی نہایت ماہر خطاط تھی، اس کے اپنے تحریر کردہ احکام اتنے خوش خط ہوتے تھے کہ ان کی نقل کرنا یا ان میں جعل سازی کی کوشش کرنا بے حد مشکل تھا۔ اس کے احکام خوارزم شاہ کے لیے پریشانی کا باعث بھی بن جاتے تھے کیوں کہ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ سلطنت کے کسی عامل کے پاس خوارزم شاہ کا کوئی حکم پہنچتا، مگر اس سے قبل کہ وہ اس کی تعمیل کرتا، دوسرا قاصد ترکان خاتون کا اس کے برعکس فرمان لے کر آ پہنچتا۔ الجھن سے بچنے کے لیے ضابطہ یہ بنادیا گیا تھا کہ اگر خوارزم شاہ اور ترکان خاتون کی جانب سے وارد تحریری احکام میں اختلاف ہو تو عمال سلطنت اس فرمان پر عمل کریں جو بعد میں جاری کیا گیا ہو۔<sup>(۱۵)</sup> سلطان اور اس کی والدہ کے فرامین میں روزمرہ کے اس تصادم سے نہ صرف عمال حکومت پریشان تھے بلکہ والدہ اور بیٹے کے درمیان ایک مستقل رنجش اور کشیدگی کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔

عرب مؤرخین نے ترکان خاتون کی ذاتی خوبیاں کثرت سے بیان کی ہیں کی مگر یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ ایک ہی مملکت میں اس طرح کی دو حکمرانیوں کا قیام کسی خوشگوار انجام کا باعث نہیں ہوتا۔ سلطنت خوارزم کا تمدنی، ثقافتی اور اقتصادی نقشہ ..... سلطان علاء الدین خوارزم شاہ کے زمانے میں سلطنت خوارزم اقتصادی اور معاشی خوشحالی کے اعتبار سے ثریا کی بلند یوں کو چھو رہی تھی۔ مشہور جغرافیہ نویس یاقوت حموی نے دولت و ثروت سے بھرپور اس ملک کا پایہ تخت کا دورہ کرنے کے بعد لکھا:

”میں نے خوارزم سے زیادہ عظیم، خوشنما اور دولت مند شہر کہیں نہیں دیکھا۔“<sup>(۱۶)</sup>

نئے مفتوحہ ممالک کے بیش بہا خزانے، ان کے ہرے بھرے باغات اور کھیتوں کی پیداوار، روزمرہ کی معرکہ آرائیوں اور فتوحات کے نتیجے میں حاصل ہونے والے اموال، یہ سب غنائم کھنچ کھنچ کر خوارزم میں جمع ہو رہے تھے۔ اقطار عالم سے ہنرمند اور صنعت پیشہ افراد کشاں کشاں خوارزم چلے آ رہے تھے، یہاں آ کر ان کی کاریگری کے جوہر صحیح معنوں میں کھلتے تھے۔ زندگی کے ہر شعبے سے متعلقہ اشیاء میں ان کی باریک بینی اور جدت طرازی نے خوارزمی معاشرت کو اوج فلک پر پہنچا دیا تھا۔

عسکری وسائل یہاں اسلحہ سازی کے نئے نئے کرشمے ظاہر ہو رہے تھے۔ خوارزمی اسلحہ ساز بڑی ہنرمندی سے ایسی پلکار تلواریں تیار کر لیتے تھے جو موڑ کر ڈھری کی جاسکتی تھیں، ہلکی زنجیر دار زر ہیں بنائی جاتی تھیں جن کو پہن کر جسم کے تمام اعضاء کی نقل و حرکت بڑی سہولت سے جاری رہتی تھی۔ حد درجہ مضبوط فولادی خود تیار کیے جاتے تھے جو ہلکے پھلکے ہونے کے باوجود تلوار اور نیزے کی کاری ضربات بآسانی سہہ لیتے تھے۔ ڈھالوں پر تیل بولے بنانے کے لیے سونے چاندی کا کام ہوتا تھا۔ چھٹی صدی ہجری میں صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کے مقابلے میں آتشیں تیروں اور نفث کا استعمال بڑی کامیابی سے کیا تھا۔ خوارزمی اہل فن نے اسے کئی درجے ترقی دے کر مزید موثر بنالیا تھا۔ تقریباً تمام شہروں کے دفاع کے لیے سنگین فصیلیں تعمیر کی گئی تھیں۔ زیادہ اہم خطوط پر واقع شہروں کے گرد دو دو فصیلیں بھی

موجود تھیں۔ عام طور پر شہروں کی فصیلوں کا دائرہ کئی میل کا ہوتا تھا۔

شہر کے درمیانی حصے میں قلعے کا ہونا لازمی تھا جو عموماً کسی بلند ٹیلے یا پہاڑی پر تعمیر کیا جاتا تھا۔ شہر کی فصیل سر ہونے کے بعد قلعہ آخری دفاعی حصار ثابت ہوتا تھا۔ شہروں کی فصیلوں میں کئی دروازے مختلف سمتوں کھلتے تھے اور یہ مضبوط ترین لوہے سے تیار کیے جاتے تھے۔ علاؤ الدین محمد نے قلعوں اور فصیلوں کی تعمیر پر خصوصی توجہ دی، جس کی وجہ سے اس کے زیر نگین علاقوں کا دفاع حد درجے مستحکم ہو گیا اور اس کی سلطنت کے شہر اس قابل ہو گئے کہ کئی کئی ماہ تک بڑے سے بڑے دشمن کو فصیل سے اندر نہ مارنے دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ علاؤ الدین محمد نے تمام قلعوں میں خوراک، اسلحہ اور ہر قسم کے سامان رسد کے بے بہا ذخائر جمع کرادیئے تھے جو ہر کڑے وقت پر کام آتے رہے۔

سلطنت خوارزم کی اصل دفاعی زنجیریں دریائے سیحون اور دریائے جیحون کے کنارے کھینچے ہوئے بڑے بڑے فصیل بند شہروں کی دو قطاریں تھیں۔ بناکت، تاشقند، جند، اترار اور توقند نے دریائے سیحون کے کنارے اور سمرقند، بخارا، اورگنج، بلخ اور ترمذ نے دریائے جیحون کے آس پاس دو ایسے طویل مضبوط دفاعی خط تیار کیے تھے جن کا توڑ مشرق و مغرب کے حملہ آوروں کے لیے ہر لحاظ سے مشکل ترین تھا۔ محاصرے کی صورت میں ان میں سے کوئی بھی شہر فی الفور دوسرے شہروں سے ملکہ حاصل کر سکتا تھا۔

ظاہری اسباب و وسائل کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ساتویں صدی ہجری کی ابتداء میں خوارزم کی عسکری قوت دنیائے اسلام کی مضبوط ترین اور جنگ آزما قوت تھی جو حال ہی میں ترکان خطاسمیت اپنے تمام مخالفین کی سرکوبی کر چکی تھی اور کسی بیرونی دشمن سے مغلوب ہونے کے امکانات اس عسکری طاقت کے لیے بہت کم تھے۔

زرعی خوشحالی..... دو عظیم دریاؤں اور بے شمار ندی نالوں اور نہروں پر مشتمل اس سرزمین کا نظام معیشت اپنی مثال آپ تھا۔ آبادی کا بڑا حصہ زراعت پیشہ تھا، زرعی نظام کا دار و مدار نہری پانی پر تھا جو بکثرت میسر تھا۔ دریائے جیحون کے دونوں کناروں کو کثرت بڑی بڑی نہریں نکالی گئی تھیں جن میں کشتیاں بھی چل سکتی تھیں، دریا کے ارد گرد کے تمام شہر اور دیہات ان نہروں سے پانی حاصل کرتے تھے آب پاشی کا نظام اتنا عمدہ تھا کہ ان بڑے شہروں میں جن کی مردم شماری لاکھوں سے متجاوز تھی کبھی پانی کی کمی کا مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ ہمہ وقت سیراب ہونے والی یہ مٹی بڑی زرخیز تھی اناج، دالیں، کپاس اور ہر قسم کے پھل فراوانی سے پیدا ہوتے تھے۔ گھاس کی وسیع چراگاہوں نے ہر سمت ہریالی کی چادر تان دی تھی ان میں بھیڑ، بکری اور ہر قسم کے مویشی سارا سال چرتے دکھائی دیتے، بلخ میں اتنا غلہ پیدا ہوتا کہ سارے صوبہ خراسان کو پورا ہو سکتا تھا۔ سرحدی علاقے اکثر پہاڑی تھے ان میں پھلوں کی بہتات تھی۔ توقند کا تر بوڑا تانا رس بھرا، بڑا اور وزنی ہوتا تھا کہ ایک طاقتور گدھا بمشکل دو تر بوڑا ٹھا سکتا تھا۔ ان پہاڑی علاقوں میں کشش، اخروٹ، بادام، پستہ اور انجیر بے حد و حساب پیدا ہوتے۔ توقند میں انار کے باغات بھی بکثرت تھے، یہاں کے انار اپنی منفرد ترشی آمیز مٹھاس کی بناء پر ملک بھر میں مشہور تھے، ان کا حجم بھی دومت سے کم نہ ہوتا تھا، ان کا رس بڑے بڑے پیالوں میں نکال کر بطور مشروب خاص پیا اور پلایا جاتا تھا۔ انگور بھی خوب پیدا ہوتے تھے، خاص کر صوبہ خوارزم کے شہر درگان کے چاروں طرف کئی میل تک صرف انگوروں کے باغات پھیلے ہوئے تھے۔ دامغان کا سیب نہایت لذیذ ہوا کرتا تھا اور شاش میں کپاس کی پیداوار وافر ہوتی تھی۔

صنعت و تجارت ..... پایہ تخت اور گنج صنعت و حرفت اور تجارت کا عالمی مرکز تھا، روزانہ لاکھوں کروڑوں کے حساب سے لین دین ہوتا۔ اور گنج کے مقامی صنعت کار تیر، زرہیں، کمانیں، تلواریں، تالے، ریشمی کپڑے، رنگین اور دھاری دار پارچہ جات، کمبل، قالین اور دریاں تیار کرنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ گھوڑوں کا چمڑا نلکے کے کارخانے بھی موجود تھے، نیز خپلے خرگوشوں کی کھالیں اود بلاؤ کی کھال کی ٹوپیاں، پہاڑی لومڑیوں کی کھال کی پوشینیں، سمور اور سنجاب کی بیش قیمت کھالیں یہاں کا خاص تحفہ شمار کی جاتی تھیں۔ یہاں کے شکاری باز پکڑ کر سدھایا کرتے اور ان کو بڑے مہنگے داموں فروخت کیا کرتے تھے۔ بھیڑ بکریاں اور ان کی چربی فروخت کرنے والے پیشہ ور بھی موجود تھے۔ علاوہ ازیں یہاں کے عنبر، پستہ، بادام، انگور، کشمش، تل، شہد اور اخروٹ بھی برآمد کیے جاتے تھے۔ دریا سے پکڑی جانے والی مچھلیاں بڑے شوق سے کھائی جاتی تھیں اور دور دور تک ان کی مانگ تھی۔ بخارا کے قالین، تیل، جائے نماز، ریشمی پارچہ جات اور بھیڑ بکریوں کی کھالیں بہت مقبول تھیں۔ سرقند میں گھوڑوں کی زینیں، رکابیں اور لگامیں بنانے کے کیے کارخانے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہاں کے اہل حرفت تانبے کی برتن سازی میں بڑے طاق تھے۔ یہاں کی نفیس و نازک صراحیاں لا جواب سمجھی جاتی تھیں، نیز سفر میں کام دینے والے مضبوط و پائیدار خیمے بھی خوب فروخت ہوتے تھے۔ سرقند کا کاغذ سارے عالم اسلام میں مشہور تھا، اہل علم اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔ سرقند کے صنعت کاروں نے چین کے کاریگروں سے اس فن کی تربیت حاصل کی تھی۔

سلطنت خوارزم میں اور گنج، سرقند اور بخارا خاص تجارتی مراکز تھے۔ اتر، بلخ، مرو اور نیشاپور کی شاہراہوں سے یہاں روزانہ بیسیوں تجارتی کاروان آتے تھے جو دنیا کے کونے کونے کا سامان لادے ہوئے ہوتے تھے۔ حلب کے شیشے، روم کا ریشمی کپڑا، یمن کی دھاری دار چادریں، چینی برتن اور ہندوستان کی فولادی مصنوعات کے انبار ان تجارتی منڈیوں میں دیکھے جاسکتے تھے۔

خوارزم کے دوسرے شہروں میں شاش چمڑے کی مصنوعات کے لیے مشہور تھا۔ یہاں چمڑے کی ٹوپیاں اور گھوڑوں کے چمڑے کی زینیں نہایت عمدہ تیار کی جاتی تھیں۔ نیز خیمے، مصلے، عبائیں، ترکش اور کمانیں بھی برآمد کی جاتی تھیں۔ کاشان کی تیار کردہ مچھل اپنی مثال آپ تھی۔ بناکت کا سونی کپڑا مشہور تھا۔ فرغانہ میں نہایت دیدہ زیب کپڑا تیار کیا جاتا تھا، اس کے علاوہ یہ شہر تلواروں اور دیگر اسلحہ جات کی صنعت کے لیے بھی مشہور تھا۔ ترند صابن سازی کی صنعت کا مرکز تھا۔ ترکستان کے خنجر اپنی تیز دھاریں اور یہاں کے گھوڑے اپنی سرعت رفتار کے باعث مشہور تھے۔

معدنیات ..... صوبہ ماوراء النہر ہمیشہ معدنی دولت سے مالا مال رہا۔ اس عہد میں بھی یہاں سے سونا، چاندی، لوہا اور فولاد بڑی مقدار میں حاصل کیا جاتا تھا۔ فرغانہ سے تانبہ و افرقندار میں نکالا جاتا تھا، لوہا بھی بکثرت موجود تھا۔

شہریوں کی بود و باش ..... شہر اکثر فیصل بند ہوا کرتے تھے۔ فیصل کا دائرہ کئی کئی کوس ہوتا تھا۔ اہم اور بڑے شہروں کے گرد دو دو فیصلیں بھی ہوا کرتی تھیں۔ یہ فیصلیں مضبوط پتھروں سے چنی جاتی تھیں۔ دیوار کی موٹائی کئی گز ہوتی تھی اور عام حالات میں بیرونی حملہ آوروں کے لیے اسے توڑنا ناممکن ثابت ہوتا تھا۔

فیصل کے چاروں طرف کئی مضبوط آہنی دروازے نصب کیے جاتے تھے۔ ان کے اوپر برج بنے ہوتے تھے جہاں پہرے دار تیر و کمان سنبھالے مستعد رہتے تھے۔ شہروں کی اصل اور گنجان آبادی فیصل سے اندر ہی بستی تھی۔

فصیل کے باہر میدانی علاقے میں بھی آبادی کی ٹکڑیاں ادھر ادھر بکھری ہوئی دکھائی دیتی تھیں مگر کسی خطرے کا سامنا ہونے پر یہاں کے رہنے والے یوریا بستر لپیٹ کر تفصیل کی پناہ میں آ جاتے تھے۔

مساجد ..... سلاطین اور امراء مساجد کی تعمیر پر دل کھول کر خرچ کیا کرتے تھے۔ ان کی فلک بوس مینارا اور گنبد گزرنے والے قافلوں کو دور ہی سے نظر آ جاتے اور اس طرح انہیں آبادی کا علم ہو جاتا۔ مملکت کے شمال مشرقی حصے میں مساجد کے مینار عموماً بڑے نفیس، نازک اور پتلے ہوتے تھے۔<sup>(۱۷)</sup> بخارا کی جامع مسجد جو جامع الکبیر کہلاتی تھی فن تعمیر کا نادر شاہکار تھی<sup>(۱۸)</sup> اس کی بے مثال خوشنمائی کو دیکھ کر غیر مسلم سیاح دنگ رہ جاتے اور اسے خوارزم شاہ کا محل گمان کرتے۔

اندرونی نظام ..... شہروں کا اندرونی نظام ہر لحاظ سے مثالی تھا۔ کشادہ سڑکیں اور پختہ گلیاں پتھروں اور اینٹوں سے چنی جاتی تھیں۔ سڑکوں کے دونوں طرف صف بستہ درخت اس کثرت سے کھڑے ہوتے کہ دائیں بائیں واقع مکانات ان کے پیچھے چھپ جاتے تھے۔ مکانات کی تعمیر میں پتھر، لکڑی، گارے اور اینٹوں کا استعمال ہوتا۔ تہہ خانوں اور بالا خانوں کی تعمیر کا ذوق عام تھا۔ اور گنج، سمرقند اور بخارا میں مکمل طور پر لکڑی کے بنائے گئے مکانات بھی کافی تھے۔

نہری پانی کی تقسیم ہر محلے کو اس طرح کی جاتی تھی کہ ہر مکان سے صاف ستھرے پانی کی ایک پختہ نالی گزرا کرتی تھی۔ علمی سرگرمیاں ..... ان شہروں میں چپے چپے پر مساجد تعمیر کی گئی تھیں۔ تقریباً ہر محلے میں ایک دو مسجدیں لازماً ہوتی تھیں جن کے ساتھ ساتھ مکاتب دینیہ کا نظام بھی چلتا تھا۔ ان مکاتب میں تعلیم حاصل کرنا ہر بچے کے لیے ضروری تھا۔

مکاتب کے علاوہ ہر شہر میں کئی کئی بڑے مدارس بھی ہوا کرتے تھے، جن میں صرف، نحو، ادب فارسی و عربی، فقہ، حدیث، تفسیر اور دیگر علوم آلیہ و عالیہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ تقریباً ہر مدرسے کے ساتھ پیش بہا کتب پر مشتمل ایک لائبریری بھی ہوا کرتی تھی جہاں سے اہل علم اپنی تشنگی دور کرتے تھے۔ سلاطین خوارزم ہمیشہ دین پرست رہے، مدارس کے جس نظام کی بنیاد ملک شاہ سلجوقی کے وزیر اعظم نظام الملک نے رکھی تھی اس نے سلاطین خوارزم کے عہد میں مزید ترقی کی۔ خوارزمی سلاطین ذاتی دلچسپی سے نئے نئے مدارس تعمیر کراتے رہے، سلطان نکش کو اپنے تعمیر کردہ مدرسے سے اتنا تعلق تھا کہ اس کی تدفین بھی اس مدرسے میں ہوئی۔

قریہ قریہ، شہر شہر ان مدارس کا ایک جال بچھا دیا گیا تھا۔ جہاں سرکاری سرپرستی میں تعلیم دی جاتی تھی۔ تعلیم بالکل مفت تھی، طلبہ کے قیام و طعام کا انتظام بھی مدرسے کے ذمہ دار حضرات کیا کرتے تھے۔ اساتذہ کے لیے معقول تنخواہوں کا بندوبست تھا۔ حکومت کی جانب سے ان مدارس کے لیے بڑی بڑی جاگیریں وقف کر دی گئی تھیں، جن کی آمدنی سے ان کا نظم و نسق بخوبی چلتا رہتا تھا۔ بڑے بڑے نامی گرامی علماء ان مدارس کو زینت بخشے تھے اور شاہین علم دنیا کے کونے کونے سے علمی پیاس بجھانے کے لیے ادھر کا رخ کرتے۔ دار الحکومت اور گنج کی جامعہ سب سے زیادہ مشہور تھی جہاں کے صدر مدرس علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (صاحب تفسیر کبیر) تھے۔ ان مدارس کے علاوہ جگہ جگہ فقہاء و محدثین کے ذاتی حلقے ہائے درس بھی تھے جہاں طلبہ پروانوں کی طرح جبرے رہتے تھے۔<sup>(۱۹)</sup>

مناظر قدرت کا بے پناہ حسن ..... شاش، فرغانہ اور کاشان کے علاقے اپنے طبعی حسن، فطری رعنائی اور قدرتی مناظر کے لحاظ سے بڑی شہرت رکھتے تھے۔ برف پوش چوٹیوں کے دامن میں وسیع سبزہ زار، شجر پوش جنگلات، پھولوں اور پھولوں سے ڈھکی ہوئی وادیاں، آب سرد شیریں کے گنگنائے چشمے، جھاگ بنا کر گرتے ہوئے مترنم آتش، اور بل



کھاتے ہوئے پہاڑی راستے جنتِ ارضی کا نمونہ پیش کرتے، قدرتی حسن کے دلدادہ گھنٹوں ان مناظر کو تکتے اور سیر نہ ہوتے۔ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:

”لم یکن فی بلاد اللہ انزہ منها ولا احسن عمارۃ۔“ (اللہ تعالیٰ کی سرزمین پر آ بادشہروں میں سے کوئی بھی ان مقامات سے زیادہ پاکیزہ اور خوشنما آباد نہ تھا۔)

جو ایک بار اس چمنستان کی چمک دیکھ لیتا اس کی طبیعت لوٹ جانے پر آمادہ نہ ہوتی۔ ماوراء النہر خصوصاً بخارا اور سمرقند کی قدرتی دلکشی سے متاثر ہو کر مشہور سیاح ابن حوقل نے اپنے تاثرات یوں نقل کیے ہیں:

”تم بخارا کے قلعے پر چڑھ جاؤ اور اس کے بعد اپنی نظر کو جولا نی دو۔ دور دور تک نگاہ دوڑاؤ، بجز سرسبزی اور ہریالی کے تمہیں کوئی چیز نظر نہ آئے گی، ایسی سرسبزی کہ آسمان کے رنگ سے جس کا رنگ مل جاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیلا شامیانہ کسی سبز فرش پر تپتا ہوا ہے، اور بخارا کے قصور و محلات ان کے بیچ میں کچھ ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ ستارے جگمگا رہے ہیں، ایک ایسی زمین ہے جس میں نہ نشیب ہے نہ فراز، جیسے آئینے کی سطح۔“

پھر کچھ اور چیزوں کا ذکر کر کے آگے لکھتا ہے:

”بخارا سے دریائے سغد کی وادی کی طرف چلے جاؤ، دائیں بائیں ”کوہِ مُہتم“ تک تمہیں مسلسل ملی جلی آبادیاں نظر آتی چلی جائیں گی، ایسی آبادیاں کہ جن کے چاروں طرف ہبزہ زار محیط ہے، ان کی تروتازگی کسی طرح ختم نہیں ہوتی، یہ آٹھ دن کا راستہ ہے ایک دوسرے کے ساتھ بالکل گتھے ہوئے اشجار، باغات، بساتین، میدان جنہیں نہروں نے گھیر رکھا ہے، ایسی نہریں جو ہمیشہ جاری رہتی ہیں، بیچ بیچ میں ان ہی باغوں اور مرغزاروں کے بڑے بڑے تالاب جن میں پانی چھلکتا رہتا ہے۔ کھیتیاں ہیں کہ جدھر نظر اٹھاؤ لہلہاتی معلوم ہوں گی جو دریائے سغد کے دونوں کناروں پر پھیلی ہوئی ہیں، پھر ان کھیتوں کے پیچھے چراگاہیں ہیں اور درمیان میں اونچے اونچے قصور، محلات، قلعے، ہر شہر اور ہر گاؤں پر آبادی کے ساتھ ملتے چلے جائیں گے اور ان کی وجہ سے علاقے کا حسن دوبالا ہو گیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سبز دیا کے کپڑے کے ساتھ ان بہتی صاف شفاف نہروں کو کسی نے سی دیا ہے۔“

اسی علاقے کے باشندوں کے گھروں میں اور ان کے باغات میں یہی نہریں گھومتی رہتی ہیں، کوئی سڑک، کوئی بازار، کوئی سمت، کوئی قصبہ اس میں ایسا نہیں ہے جس میں ان نہروں کا پانی نہ دوڑ رہا ہو اور سامنے کوئی حوض پانی سے بھرا ہوا نہ چھلک رہا ہو۔ یہی حال فرغانہ، شاش، اشروسنہ اور سارے ماوراء النہر کا ہے کہ گھنے درختوں سے وہ بھرا ہوا ہے، جن میں طرح طرح کے فواکہ، میوے، پھل پھول ہیں۔ ترکستان کے پہاڑوں تک یہی حال ہے، انگور، اخروٹ، سیب اور دوسرے فواکہ، گلاب، بنفشہ اور طرح طرح کے پھول نظر آئیں گے۔ پھر پہاڑ کے قریب تو ان کی کوئی قیمت ہی نہیں ہے جس کا جی چاہے کھا سکتا ہے، توڑ سکتا ہے، نہ کوئی روکنے والا نہ ٹوکنے والا، میں نے ماوراء النہر کے انہی پہاڑوں میں دیکھا کہ پستے کے درختوں کی وہ کثرت ہے کہ وہاں ان کی کوئی قیمت ہی نہیں ہے، جس کا جی چاہے، جتنا چاہے لے سکتا ہے، یہاں میں نے گلاب کے بھی طرح طرح کے پھول دیکھے ہیں، جو خریف کے آخر موسم تک باقی رہتے ہیں، ان کی پگھڑیوں



کی بیرونی سطح کا رنگ کچھ اور ہوتا ہے اور اندرونی کا کچھ اور، اگر بیرونی سطح سرخ ہے تو اندرونی زرد، باہر والی نیلی ہے تو اندرونی پیلی ہے۔“ (۲۰)

متفاوت موسم ..... سلطنت خوارزم آج کے مندرجہ ذیل ممالک پر محیط تھی۔ 1 ازبکستان 2 تاجکستان 3 ترکمانستان 4 افغانستان 5 ایران 6 پاکستان کا صوبہ سرحد، 7 بلوچستان کا کچھ حصہ۔

اتنے عظیم رقبے پر مشتمل اس مملکت میں موسم حد درجے متفاوت تھا۔ سلطنت کے شمال میں موسم سرما بہت شدید ہوا کرتا تھا، پہاڑوں پر خوب برف گرتی، سردی کا یہ عالم ہوتا کہ چشمے اور دریا جم جاتے، ان دنوں دریائے سیحون کا کشادہ پاٹ بخت بستہ ہو کر برف کی سل بن جاتا۔ منکوں میں بھی جما ہوا پانی ملتا جسے آگ پر پگھلا کر استعمال کیا جاتا۔ صوبہ خوارزم میں بھی شدید سردی پڑتی تھی۔ اور سرد طوفانی ہوائیں ہاتھوں پیروں کو شل کر کے رکھ دیتی تھیں۔

اس کے برعکس دوسری طرف جنوب میں ساحل سمندر اور بلوچستان کے صحرائی علاقے دنیا کے گرم ترین خطے شمار ہوتے تھے۔ مغرب میں ایران کا جنوبی حصہ بھی اکثر تپتے ہوئے ریگزاروں پر مشتمل تھا۔ (۲۱)

چند جغرافیائی وضاحتیں ..... غوری سلطنت کے خاتمے اور ترکان خطا کی ہزیمت کے بعد ایک طرف تو خوارزمی حکومت کی سرحدیں درہ خیبر اور پشاور سے آگے نکل کر دریائے سندھ کی لہروں سے ہم آغوش ہو رہی تھیں اور دوسری طرف مشرق اور شمال مشرق میں دریائے سیحون سے متجاوز ہو کر چین کی حدود کو بھڑھور رہی تھیں۔

دریائے سیحون اور دریائے سیحون مملکت خوارزم کے زرعی و معاشی نظام کے لیے بنیاد کا کام دیتے تھے، عظیم گلکیشروں سے نمودار ہوتے ہوئے یہ دونوں دریا شمال مغرب کی طرف بہتے چلے جاتے تھے اور ایک طویل سفر طے کرتے ہوئے بحیرہ آرال میں (جسے بحیرہ جند، بحیرہ خوارزم اور بحیرہ سردار یا بھی کہا جاتا ہے) جا گرتے۔ یہ دونوں دریا ایک ہی سمت میں بہتے ہوئے اپنے مابین کو کوئی ڈھائی ہزار کلومیٹر چوڑا ایک مستطیل میدان بناتے ہیں۔ اس میدان کا شمالی حصہ جو بحیرہ آرال کے ساتھ لگتا ہے، ایک بے آب و گیاہ صحرا ہے، سرخی مائل رنگت کی زمین بڑے بڑے قطعات میں تاحد نظر پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔ کئی سو میل طویل و عریض اس ویرانے میں انسان تو کجا جنگلی جانور بھی بہت کم پائے جاتے ہیں۔ یہ عظیم صحرا قزل قم یا صحرائے بخند کہلاتا ہے۔

اور گنج اس کے مغرب میں اور بخارا و سمرقند اس کے جنوب میں واقع ہیں۔ درحقیقت سیحون و جیحون کے مابین پائے جانے والے میدان کا شمالی حصہ جس قدر غیر آباد ہے، جنوبی و مغربی حصہ اتنا ہی زرخیز اور آبادی سے معمور ہے۔ یاد رہے کہ دریائے جیحون کی لمبائی ۲۵۰۰ کلومیٹر اور دریائے سیحون کی ۲۱۲۰ کلومیٹر ہے۔ دریائے سیحون جواب سیر دریا کے نام سے مشہور ہے، مشرق اور شمال مشرق میں نہ صرف خوارزم بلکہ عالم اسلام کی آخری سرحد تھا۔ اس کا چوڑا پاٹ اس میں چلتی ہوئی تند و تیز لہریں، نیز دریا کے آگے پھیلا ہوا کوہستانی سلسلہ عالم اسلام کے لیے ایک ایسی قدرتی فصیل کی حیثیت رکھتا تھا جسے عبور کرنا کسی بھی حملہ آور قوم کے لیے حوصلہ شکن تھا۔

اکثر مقامات پر اس کوہستانی سلسلے کی صرف چوڑائی عبور کرنے کے لیے ایک ہزار میل سے زائد سفر طے کرنا پڑتا تھا۔ فولاد کی مانند مضبوط ان پہاڑوں میں گنتی کے چند درے ایسے تھے جو قافلوں کے گزرنے کے لیے قدرتی راستوں کا کام دے سکتے تھے مگر یہ راستے اکثر برف سے اُٹے رہتے تھے۔ یہ کوہستانی دیوار براعظم ایشیا کو کئی ہزار میل تک دو

حصوں میں قطع کرتی چلی گئی ہے۔ یہ جنوب میں تبت سے شروع ہو کر شمال کی طرف بل کھاتی ہوئی پھیلتی گئی ہے۔ انسانی تاریخ کی ابتداء سے یہ سلسلہ کوہ اسی طرح قائم دکھائی دیا ہے۔ ان پہاڑوں کے پار چین اور منگولیا کے علاقے ہیں۔ اُس پار بسنے والے انسانوں کو یہ دیوار عبور کر کے اُس طرف کی دنیا سے میل جول کے مواقع بہت کم میسر آئے، اسی طرح اُس طرف کے باشندے دوسری سمت کے حالات سے عمومی طور پر لا تعلق رہے۔ صرف سیاح یا تجارتی قافلے کبھی کبھار یہ سرحد عبور کیا کرتے تھے۔

علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی حدودِ حکومت جب اس سلسلہ کوہ سے جا لگیں تو اسے اس عظیم سلطنت کے بارے میں علم ہوا جو حال ہی میں اس پہاڑی دیوار کے پار قائم ہوئی تھی۔ اس نئی حکومت کا بانی ”چنگیز خان“ تھا۔

— — — — —

## حواشی و حوالہ جات

- ① جہاں کشا، ج: ۲، ص: ۴۸ ② روضۃ الصفا، ج: ۴، ص: ۸۱۷..... ابن خلدون، ج: ۵، ص: ۹۵
- ③ ابن اثیر، ج: ۷، ص: ۴۳۸ ④ روضۃ الصفا، ج: ۴، ص: ۸۱۹..... ابن اثیر، ج: ۷، ص: ۵۱۲
- ⑤ ابن خلدون، ج: ۵، ص: ۱۰۲
- ⑥ روضۃ الصفا، ج: ۴، ص: ۸۲۰..... ابن اثیر، ج: ۷، ص: ۵۱۲..... ابن خلدون، ج: ۵، ص: ۱۰۰
- ⑦ طبقاتِ ناصری، ج: ۱، ص: ۳۶۳ ⑧ جہاں کشا، ج: ۲، ص: ۱۷۸..... خوارزم شاہی، ص: ۸۰
- ⑨ البدایہ والنہایہ، ج: ۷، ص: ۵۶..... ابن اثیر، ج: ۷، ص: ۵۱۱
- ⑩ جہاں کشا جوینی، روضۃ الصفا، تاریخ ابن خلدون اور تاریخ ابن اثیر میں ان معرکوں کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اہل ذوق تشنگی دور کرنے کے لیے ان مآخذ سے مراجعت کر سکتے ہیں۔
- ⑪ ابن خلدون، ج: ۵، ص: ۱۰۴، ۱۰۵..... ابن اثیر، ج: ۷، ص: ۵۱۳
- ⑫ ابن اثیر، ج: ۷، ص: ۵۱۵..... نہایۃ الارب، ج: ۷، ص: ۷۵۶
- ⑬ نہایۃ الارب، ج: ۷، ص: ۷۵۶ ⑭ نہایۃ الارب، ج: ۷، ص: ۷۵۷
- ⑮ نہایۃ الارب، ج: ۷، ص: ۳۶۲..... ابن خلدون، ج: ۵، ص: ۱۰۸، ۱۰۹
- ⑯ یاقوت کے اس بیان میں خوارزم سے مراد دار الحکومت اور گنج ہے۔
- ⑰ چنگیز خان، باب: ۱۴، ص: ۱۰۹ ⑱ اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود، ص: ۷۱۶
- ⑲ معجم البلدان، تاریخ خوارزم شاہی، چنگیز خان، اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود، تاریخ دعوت و عزیمت، ج: ۱
- ⑳ ابن حوقل کا یہ بیان حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”ہزار سال پہلے“ (ص: ۱۵۸، تا ص: ۱۶۰) میں نقل کیا ہے۔
- ㉑ معجم البلدان..... تاریخ خوارزم شاہی..... چنگیز خان..... تاریخ دعوت و عزیمت ج: ۱..... اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود

## چنگیز خان

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں  
تاریخ ام کا یہ پیام ازی ہے  
سو بار ہوئی حضرتِ انساں کی قبا چاک  
صاحبِ نظراں! نشہ قوت ہے خطرناک  
عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک

(اقبال)

منگولیا کا سیاہ بادل..... تاریخ میں وحشت و بہیمیت کی بے شمار داستانیں محفوظ ہیں۔ ظلم و جبر کے ان گنت پیکر مجسم ظہور پذیر ہوئے جن کے سفاکانہ کارنامے آج تک بنی نوع آدم کی جبین پر سیاہ دھبہ ہیں۔ یمن کے فرزند ان توحید پر ذنواں کا ظلم و ستم، مصر کے اہل ایمان پر فرعون کا جبر و تشدد اور ایک لاکھ بے قصور مردوزن کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر بابل لے جانے والے بخت نصر کی خون آشامی تا قیامت قابلِ صد نفیر ہے۔ بیت المقدس پر صلیبیوں کے قبضے کے بعد مسجد اقصیٰ میں خونِ مسلم کی ارزانی آج بھی لبو کے آنسو رُلائی ہے۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں کے قتل عام کی دل خراش داستان آج بھی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کے قلب و جگر کو ترپاتی ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی یاداش میں برصغیر کے لوگوں پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا ظلم و ستم کبھی بھلایا نہیں جاسکتا، ۱۹۴۷ء میں مسلمانانِ ہند پر سکھوں اور ہندوؤں کے ہاتھوں جو قیامت بیتی اس کے تذکرے آج بھی کلیجہ چھلنی کر دیتے ہیں۔ ہٹلر، موسولینی اور اٹالن جیسے درندہ صفت انسان تا ابد انسانیت سے خراجِ لعنت وصول کرتے رہیں گے۔

یہ سب داستانیں ایسی ہیں کہ جنہیں دہراتے ہوئے بھی دل لرزتا ہے، ان میں سے ہر ایک اپنے پس منظر میں تباہی و بربادی کے ہزاروں مناظر لیے ہوئے ہے۔ مؤرخ انہیں نقل کرتا ہے، اگرچہ اس کی طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے، اس کا دماغ ان کرہناک لمحات کے تصور کی تکلیف سے شل ہو جاتا ہے مگر مؤرخ اپنا فرض منصبی سمجھ کر دل تھامتے ہوئے یہ سب کچھ لکھتا ہے اور پوری تفصیل سے لکھتا ہے۔ وہ اس امید پر لکھتا ہے کہ آنے والی نسلیں اس تحریر کو پڑھیں گی اسے تسلیم کریں گی، اپنے ماضی سے سبق حاصل کریں گی اور اس کی روشنی میں مستقبل کا لائحہ عمل طے کریں گی۔ مگر اللہ جل شانہ کی اس دھرتی پر ایک بار قتل و غارت گری کی آندھیاں اس شدت سے چلیں کہ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے وقت کے مؤرخ کو یہ توقع نہ تھی کہ مستقبل میں اس کے بیان کو صحیح اور درست و ممکن تسلیم کرنے والا کوئی شخص موجود ہوگا۔

مورخین کو گنگ اور دم بخود کر دینے والی تباہی و بربادی کی یہ داستان جس شخص کے ہاتھوں وجود میں آئی اسے ”چنگیز خان“ کہا جاتا ہے۔ جس نے آباد زمین کے نصف کو زیرِ تل کیا اور اسے برباد کر دیا، جس نے لبو کے سمندر میں شہ سواری کرتے ہوئے مشرق تا مغرب ہیبت و دہشت کی فضا طاری کر دی، جو سیاہ بادل کی طرح منگولیا کے صحرا سے

اٹھا اور عالم اسلام پر قہر کی بجلیاں گرا کر اسے سوختہ کر گیا۔ چنگیز خان کا اصل نام تموجن تھا، (عرب مؤرخین اسے تمر جی کہتے ہیں)۔ بظاہر وہ صحرائے گوبی (منگولیا) میں پیدا ہونے والا ایک انسان تھا، مگر درحقیقت وہ اقوام عالم کو جھلسا دینے والی آتش سوزاں تھا۔

صحرائے گوبی کے بھوت..... سرزمین چین کے شمالی حصے میں گوبی (منگولیا) کا عظیم ریگستان واقع ہے۔ گرمیوں میں یہاں بادلوں تک بلند ہوتی ہوئی تند و تیز ریتیلی آندھیاں چلتی ہیں۔ اونچے اونچے نامواریلے ان ہواؤں کے ساتھ ساتھ اپنی جگہ بدلتے رہتے ہیں۔ جاڑے کے موسم میں شمال کی جانب سے سخت سرد ہوا چلتی ہے جو ہر شے کو بخ بستہ کر دیتی ہے۔ زمانہ قدیم سے یہاں جنگلی خانہ بدوش قبائل آباد چلے آتے تھے۔ ان خانہ بدوشوں کی گزر راوقات شکار اور گلہ بانی پر تھیں۔ ہرن، ریچھ، لومڑیاں اور ہر قسم کے جنگلی جانور ان کی خوراک تھے، گائیوں، گھوڑوں اور بھیڑ بکریوں کے بڑے بڑے گلے ان کی ملکیت میں ہوتے تھے۔ گرمی کے موسم میں دودھ بکثرت میسر آ جاتا تھا، مگر سرما کی برف باری ہوتے ہی چارہ ملنے کے مواقع ختم ہو جاتے اور جانوروں کا دودھ سوکھ جاتا۔ مجبوراً یہ لوگ گرمی کے دنوں کے بچائے ہوئے سوکھے گوشت پر گزارا کرتے۔

کھانے کا یہ دستور تھا کہ پہلے جوان اور طاقتور لوگ حسبِ دلخواہ جو میسر ہوتا اچھی طرح کھا لیتے۔ پھر عورتیں اور بوڑھے ان کے بچے کچھ سے پیٹ بھرتے آخر میں بچوں کی باری آتی جو ہڈیاں چوس چوس کر پیٹ کی آگ بجھاتے یا چوہوں اور گلہریوں کا شکار کر کے ان کا گوشت نوچتے۔

ہوا کے زوردار جھکڑوں سے کسی قدر محفوظ رکھنے والے گول گنبد نما بڑے بڑے خیمے ان کا مسکن تھے۔ ان خیموں کو ”یورت“ کہا جاتا تھا۔ ان یورتوں کو ادھر سے ادھر منتقل کرنے کے لیے بڑے بڑے پھکڑے ہوتے تھے جن کے آگے کئی کئی نیل جوتے جاتے تھے۔

ریگستان میں جہاں پانی اور چارہ میسر آتا یہ قبائل وہیں ڈیرہ ڈال لیتے اور پانی یا غدا ختم ہونے پر یورتوں کو لاد کر کسی اور چراگاہ کی طرف رواں دواں ہو جاتے۔ ہر قبیلے کے افراد اپنی حفاظت کے لیے ایک چالاک اور بہادر آدمی کو سردار منتخب کر لیتے تھے۔ پانی اور چارے کی تلاش میں پسندیدہ مقامات پر قبضے کے سلسلے میں یہ قبائل اکثر آپس میں کشت و خون کرتے رہتے تھے۔ ایسے مواقع پر سردار کی دانش مندی اور جرأت ہی اپنے قبیلے کو دشمن کی زک سے محفوظ رکھتی تھی۔

ان قبائل کو سخت جانی ورثے میں ملی تھی۔ کئی کئی دن کے فاتے برداشت کرنا ان کے لیے ایک عام سی بات تھی، قبیلے کے مرد مسلسل کئی دن گھر سواری کرتے اور اچانک دشمن کو جا لیتے۔ صحرائیں بسنے والے یہ لوگ سرخ و زرد رنگت والے تھے، ان کے چہرے چوڑے اور گٹھے ہوئے تھے۔ ناکیں چھوٹی چھٹی اور داڑھیاں چھدری تھیں، جسم مضبوط اور توانا مگر چھریرے تھے۔ ان کا حلیہ باقی تمام اقوام سے نرا لگتا تھا، کسی غیر قوم کا آدمی ان میں فوراً پہچان لیا جاتا تھا اس لیے ان میں کوئی جاسوس داخل نہیں ہو سکتا تھا، مکاری اور عیاری ان کی فطرت میں داخل تھی۔ سموردار جانوروں کی کھالیں اوڑھے اور بالوں والے جوتے پہنے صحرائے گوبی کی وسعتوں میں پھرتے ہوئے یہ جنگلی بھوتوں کے غول معلوم ہوتے تھے۔

مغل..... ان جنگلی قبائل میں سے ایک بڑا قبیلہ ”مغل“ کہلاتا تھا، جھیل بیگال کے آس پاس کی چراگاہیں ان کے قبضے میں چلی آ رہی تھیں، یہ سرسبز علاقہ اس جھیل سے لے کر پنچوریا کے سرحدی پہاڑوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں دو ندیاں

بھی بہتی تھیں۔ صنوبر کے درخت قطار در قطار نظر آتے تھے، بے حد وسیع و عریض صحرائے گوبی کے شمال میں یہ حصہ ان قبائل کے لیے گویا جنت تھا، یہاں قابض ہونے کے لیے مختلف قبائل حملہ آور ہوتے رہتے۔ مگر کامیاب نہ ہوتے اس لیے مغل قبیلہ جو کہ شمالی گوبی کا سردار تھا ہر جارحیت سے بچنا جانتا تھا۔

تموجن..... ۵۴۹ھ (۱۱۵۴ء) میں اس قبیلے کے سردار یسوکائی کے ہاں بچہ پیدا ہوا جس کا نام ”تموجن“ رکھا گیا۔ ابھی تموجن کی عمر تیرہ برس ہی تھی کہ اس کا باپ دشمن کے ہاتھوں مارا گیا، قبیلے والوں کو اس کے نوعمر بیٹے سے حفاظت و نگہبانی کے فرائض کامیابی سے انجام دینے کی امید نہ تھی۔ وہ ادھر ادھر بکھر کر دوسرے سرداروں کے ماتحت چلے گئے۔ ”تموجن“ کی ماں اولون، اس کا بھائی قسار اور چند وفادار ساتھی پیچھے رہ گئے۔ دشمن قبائل حملے کے لیے موقع کی تاک میں تھے، انہوں نے تموجن کو قید کر لیا اور گاؤں کو آگ لگا دی، اس کے خاندانی مقبوضات دشمن کے پاس چلے گئے۔

بظاہر قصہ نمٹ گیا تھا مگر تموجن کی تقدیر میں کچھ اور تحریر تھا۔ وہ چکما دے کر دشمن کی قید سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ اپنے گاؤں واپس آیا اور اسے خاکستر پایا اس نے اپنی ماں، بھائیوں اور چند دوسرے اہل خاندان کو ساتھ لیا اور دشمن پر ضرب لگانے کا موقع تلاش کرنے کے لیے پہاڑی دروں میں چھپتا پھرا۔ اس نے مستقل طور پر اپنی آبائی سر زمین کو چھوڑنے کی بجائے وہیں رہ کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ دشمن شکاری کتوں کی طرح اس کی بوسگتھا پھر رہا تھا مگر وہ تموجن کو نہ پکڑ سکا۔ دشمن کے خلاف کامیاب مزاحمت سے اس کے بکھرے ہوئے قبیلے کے بہت سے افراد سمجھ گئے کہ تموجن قبیلے کو منظم و محفوظ رکھ سکتا ہے۔ وہ ایک ایک کر کے واپس آ کر اس سے ملنے لگے۔ تموجن کی بھی ابتدائی جدوجہد یہی تھی کہ کسی طرح اپنے قبیلے کا شیرازہ جمع کیا جائے۔ اسی دوران سترہ سال کی عمر میں وہ یورتائی کو بیاہ لایا لیکن ابھی کچھ دن ہی گزرے تھے کہ ٹنڈرا کے قدیم جنگل حملہ آور ہو کر اس کی بیوی کو اغوا کر کے لیے گئے۔ تموجن جو کہ پہلے ہی انتقامی آگ میں جل رہا تھا مزید برا فرودختہ ہو گیا۔ ایک چھاپہ مار کارروائی کے ذریعے اس نے اپنی بیوی واپس لے لی مگر وہ اپنے پہلے بیٹے جو جی کے نسب کے بارے میں ہمیشہ شکی رہا۔

چالاک، مکاری، بے خوفی اور غیظ و غضب بچپن سے اس کے خیر میں تھے۔ ان کٹھن حالات میں یہ تمام عادتیں مزید ابھرتی چلی گئیں، باپ کا انتقام اور موروثی زمین ہر حالت میں واپس لینے کا جذبہ برقی کرتا چلا گیا۔

جلد ہی مختلف دشمن قبائل سے اس کی خون ریز معرکہ آرائیاں شروع ہوئیں، کئی بار وہ شکست و فنا کے دہانے پر پہنچا اور کئی بار موت اس کے قریب سے گزر گئی مگر وہ میدان سے نہ ہٹا، اس کے اپنے قبیلے کے بہت سے افراد واپس آ چکے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اپنے قبیلے کے سوا ہر قوم سے جان کا خوف رکھتے تھے۔ اور حقیقت یہی تھی کہ سب قبائل مغل قبیلے کو مٹانے کے درپے تھے۔ تموجن کے ساتھ آ ملنے والے مغلوں کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی مگر یہ سب کے سب تموجن کے کپکپے جاں نثار تھے۔ ایک حملے میں تموجن شدید زخمی ہو گیا۔ وہ دشمن کے زخموں میں آ گیا تھا، اس کے حلق میں تیر پیوست کر کے اسے مردہ سمجھ کر برف پر پڑا ہوا چھوڑ دیا گیا۔ اس کے دوست ساتھی وہاں پہنچ گئے، انہوں نے اس کے زخم سے خون چوسا، ایک پیالے میں برف پکھا کر اس کے زخم صاف کیے یوں وہ مرنے سے بال بال بچا۔ ان تمام سختیوں کے باوجود وہ اپنی قوم کی شیرازہ بندی میں مصروف رہا یہاں تک کہ تیرہ ہزار جنگجو اس کے پاس جمع ہو گئے۔ اب تک ان کا کوئی مستقل پڑاؤ نہ تھا، دشمن سے تحفظ کے لیے اور خوراک کے حصول کے لیے انہیں بہت جلد جلد اپنی جگہ بدلنا پڑتی تھی۔

تموجن کی پہلی فتح..... ایسے ہی ایک سفر کے دوران ان کے قدیم دشمن تاجبوت قبیلے نے ترغالتائی نامی شخص کی قیادت میں ان کا راستہ روک لیا، یہ تیس ہزار مسلح تاجبوت تھے، تموجن نے نہایت برحلم اور ماہرانہ انداز سے اپنی صفیں ترتیب دیں اور مقابلے پر آ گیا۔ دن بھر کی معرکہ آرائی کے بعد چھ ہزار تاجبوت مارے گئے اور بقیہ پسپا ہو گئے۔ تاجبوت وہی قبیلہ تھا جس نے تموجن کو قیدی بنا کر اس کا گاوں جلا دیا تھا۔ اس شکست سے ان کے اقتدار پر کاری ضرب لگی۔ اس کے ساتھ ہی تموجن کی نخوت و تکبر میں بھی اضافہ ہو گیا اور اس نے باقاعدہ سرداروں والے ٹھٹھا باٹ اختیار کر لیے۔ اس کے قبیلے کا ایک کی نو دموں والا پرچم سر بلند ہوتا گیا۔ روز بروز اس کے ساتھی بڑھنے لگے۔ بغورچی اس کا دیرینہ رفیق تھا اور قسار اس کا چھوٹا بھائی اس کا دست راست تھا۔ جی نوان، سودائی بہادر اور مقولی بہادر تین انتہائی لڑاکے اور سفاک نوجوان سالار اس کے لیے ہر معرکہ میں کامیابی کا پیش خیمہ تھے۔

اونگ خان..... تموجن نے اپنے باپ کے دیرینہ حلیف طغرل اونگ خان کی فوجوں سے مدد لی اور ایک نئی کامیابی حاصل کرنے کے لیے تاتاریوں کے ایک جنگجو قبیلے پر زوردار حملہ کیا اور اس کی قوت فنا کر دی۔ طغرل اونگ خان قوم قرایت کا سردار تھا اس نے تموجن کے والد یوکائی سے بھی دوستانہ تعلق رکھا تھا اور تموجن کی بھی سرپرستی کرتا رہا۔ تموجن بھی اسے اپنا باپ کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ قرایت قوم مغلوں کی بہ نسبت بہت زیادہ قوت مند اور وسیع علاقے پر قابض تھی، تہذیب و معاشرت میں بھی نسبتاً وہ دیگر خانہ بدوش اقوام سے بہتر تھی۔

قرولتائی..... تموجن اگر چہ اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس لے چکا تھا مگر ہوس اقتدار اور ذوق کشت و خون جواب اس کی سرشت بن چکا تھا اسے چین نہ لینے دیتا تھا۔ تیس سال کی عمر میں اس کی قوت پورے عروج پر تھی۔ اس نے مزید پیش قدمیاں کیں اور اپنا دائرہ عملداری بڑھا لیا، نئے نئے جنگجو اور زور آزمائے مارکی حرص میں اس کے گرد جمع ہوتے گئے، اس نے اپنی ہمسایہ اقوام پر حملے کی تیاری کی۔ قوم قرایت کا سردار طغرل اونگ خان اب تک اس کا سرپرست اور حلیف رہا۔ مگر تموجن نے جلد ہی اس کے علاقے پر بھی قبضہ کر لیا، اونگ خان مارا گیا۔ اونگ خان کا مسکن قرافر تموجن کو بھلا معلوم ہوا، اس نے اس علاقے کو اپنا مرکز بنالیا۔ ان فتوحات کے بعد تموجن نے قرولتائی (مشاورت) طلب کر کے اپنے ماتحت تمام سرداروں کو جمع کیا اور تمام ایشیائے بلند پر قبضہ کرنے کا عزم کر کے اپنی قیادت کے عہد و بیان کے ساتھ ”چنگیز خان“ کا لقب اختیار کیا۔ یہ واقعہ ۶۰۲ھ (۱۲۰۶ء) کا ہے۔

منگولیا اور کوہ طیان شیان کے پاس بسنے والے سارے آزاد منش سردار اس کی قیادت میں جمع ہو گئے تھے۔ اب اس کا لشکر اڑھائی لاکھ افراد پر مشتمل تھا اور ایک لاکھ مربع میل کی حدود میں پھیلا ہوا تھا۔ ایغور، قرایت، تاتاری، مرکیت اور دیگر تمام دشمن قبائل اس کے سامنے سرنگوں ہو کر اپنی خدمات اسے پیش کر چکے تھے۔ ایک کی نو دموں کے نشان کے ساتھ اب دو سینگوں والا پرچم بھی اس تباہ کار فوج پر سایہ فگن تھا۔

ختا (چین) پر حملے کا منصوبہ..... اب تک چنگیز خان کی ترک تازیاں اپنے ہی جیسے خانہ بدوش و غیر متدن قبائل کی سرکوبی تک محدود تھیں لیکن اس کا اگلا حملہ منگولیا کے جنوب میں واقع چین کی عظیم الشان ختائی سلطنت پر تھا جو پانچ ہزار سالہ قدیم تمدن کی مالک تھی، یہاں چاول کی شراب پی جاتی، عورتوں کے ہاتھوں میں جتی ہوئی گھنٹیوں کے ساتھ پُر کیف گیت سنے جاتے، ریشمی لباس پہنے جاتے، لوگوں کی زیادہ توجہ اس بات پر مرکوز رہتی کہ اپنی عادات و اطوار میں

زیادہ سے زیادہ شائستگی کیوں کر پیدا کی جاسکتی ہے۔ یہاں ایک ایک شہر میں کئی کئی لاکھ افراد رہتے تھے۔ چین کے بادشاہ منگولیا کے صحرائیوں کو اپنی آوارہ رعیت سمجھتے تھے۔ ان کے کسی باغیانہ اقدام سے بچاؤ کے لیے انہوں نے عظیم دیوار چین تعمیر کی جو صدیوں سے اسی طرح قائم تھی اور شمال کے ہر حملے سے بچاؤ کے لیے کافی سمجھی جاتی تھی، اس دیوار پر چھ گھوڑے ایک ساتھ دوڑ سکتے تھے۔

چنگیز خان نے جن منتشر بلکہ متضاد قبائل کو مسخر کیا تھا ان کو متحد رکھنے کا اس کے نزدیک صرف اور صرف ایک ہی طریقہ تھا اور وہ تھا ”دوسری قوموں کو نیست و نابود کرنے کی مصروفیت“۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے ان جنگجوؤں کو فارغ چھوڑ دیا تو یہ آپس میں کٹ مریں گے۔

پیش بندیاں اور جاسوسی..... ختا کی عظیم اور بے حد وسیع مملکت پر یلغار سے پہلے چنگیز خان نے آس پاس کے تمام حریفوں کی سرکوبی ضروری سمجھی تاکہ وہ اس کے لیے بعد میں کوئی مصیبت نہ کھڑی کر دیں۔ اس نے ہیا کی سلطنت پر حملہ کے لیے بذات خود پیش قدمی کی اور انہیں اپنا تابع کر لیا۔ قراختائیوں اور کرغیزیوں کا سرکپنے کے لیے اپنے تجربہ کار سرداروں کو روانہ کیا۔ اس مہم کو سرانجام دے کر چنگیز خان نے ختا پر حملے کا عزم کر لیا۔ لیکن وہ حملے سے پہلے کوئی بہانہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔

اس کے لیے اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا، ختا کے شہنشاہ کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا ”دائی دنگ“ کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔ منگولیا کے تمام قبائل اب تک چین کی بادشاہت کے باج گزار سمجھے جاتے تھے۔ خود چنگیز خان بھی سابق شہنشاہ سے اظہار وفاداری کر کے اس سے ”باغیوں کا دشمن سردار“ کا خطاب حاصل کر چکا تھا، سابق بادشاہ نے ایک بار چنگیزی دستوں کو اپنی مدد کے لیے چین کے اندرونی حصوں میں طلب کیا تھا۔ یہ دستے شاہ کے دشمنوں کو نمٹانے کے ساتھ ساتھ سلطنت کا سارا نظام دیکھنے بھالنے کے علاوہ اپنی آئندہ متوقع یلغار کے لیے ضروری پیش بندیاں بھی کر کے واپس آئے تھے، چین کی تمام شاہراہوں، پہاڑوں اور شہروں کے مکمل نقشے ان کے پاس تھے۔

جنگ کا بہانہ..... نئے بادشاہ ”دائی دنگ“ نے برسرِ اقتدار آتے ہی دیگر باج گزاروں کی طرح چنگیز خان سے بھی خراج طلب کیا۔ چنگیز خان کو اب کسی چیز کا انتظار نہیں تھا۔ اس نے از خود ایسا جواب دیا کہ جنگ ناگزیر ہو گئی۔ اس نے شاہ چین کے قاصد سے پیغام سن کر نفرت سے تھوکتے ہوئے کہا: ”میں دائی دنگ جیسے بے وقوف کو خراج ادا کر کے خود کو ذلیل کیوں کروں؟ ہاں! اگر دائی دنگ چاہے تو ہمارے تابع رہ کر حکومت کر سکتا ہے، اگر وہ اس پر آمادہ نہیں تو ہم سمندر کی موجوں کی طرح پھرا ہوا لشکر لے کر آ رہے ہیں۔“

کچھ عرصے بعد ایک مڈی دل لشکر کے ساتھ چنگیز خان نے چین کا رخ کیا۔ ہر اول تیس ہزار منتخب سپاہیوں پر مشتمل تھا جبکہ قلب اور دونوں بازوؤں میں مجموعی طور پر تین لاکھ افراد تھے۔ ناقابلِ تخیر دیوار چین عبور کرنے کے لیے اس کے جاسوسوں کا سرحدی قبائل کے ساتھ گٹھ جوڑ کام آیا اور لشکر کھلے دروازوں سے حدودِ ختا میں داخل ہو گیا، ایک طویل اور صبر آزما معرکہ آرائی شروع ہو گئی جو کئی سال تک جاری رہی۔ ہر سال بہار کے موسم میں تاتاری پیش قدمی کرتے اور خزاں کے موسم میں ٹھہر جاتے۔ آہستہ آہستہ اہل چین کی مدافعت کمزور پڑتی گئی۔ دائی دنگ ”چن“ خاندان کا آخری بدقسمت بادشاہ ثابت ہوا، وہ بدشگون کی کا شکار ہو کر وقت سے پہلے ہمت ہار بیٹھا اور دار الحکومت پیکنگ کو چھوڑ



کر بھاگ گیا۔ تاتاری افواج نے کچھ عرصے کے محاصرے کے بعد پکنگ بھی فتح کر لیا۔ قدیم چینی بادشاہت پامال ہو گئی۔ کوریانک کا وسیع علاقہ تاتاریوں کے آگے مسخر ہو گیا۔ چنگیز خان مقولی بہادر کوچین میں اپنا نائب مقرر کر کے اپنی آبائی ریگستانی دنیا میں واپس لوٹ آیا۔ اس کی عمر پچپن سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ اس کئی سالہ طویل مہم نے اسے بری طرح تھکا دیا تھا اور کسی نئی یلغار سے قبل اسے آرام کی ضرورت تھی۔

قراقرم میں سکونت ..... صحرائے گوبی کی وسعتوں میں جہاں جا، بجا خانہ بدوشوں کی عارضی اقامت گاہیں ٹکڑیوں کی شکل میں بھری ہوئی تھیں قراقرم ہی ایک ایسا آباد علاقہ تھا جہاں مستقل رہائش کے لیے گھاس پھوس اور مٹی سے تیار کردہ مکانات نظر آتے تھے، یہ ایک مستقل آبادی تھی، اور صحرائیں سب سے زیادہ متمدن سمجھی جاتی تھی، قراقرم کے اصل باشندے ”قزاقیت“ کہلاتے تھے۔ چنگیز خان اس علاقے کو بھی اپنی آبائی سرزمینوں میں شمار کرتا تھا۔ لہذا اس نے کئی سال قبل یہاں کے سردار طغرل اوگت خان کو قتل کر کے اسی علاقے کو اپنا مرکز بنالیا تھا۔ یہاں کا تمدن ترقی یافتہ ممالک کے دیہاتوں سے بڑھ کر نہ تھا، مگر صحرائے گوبی کی ویرانیوں میں اسے ”ترقی یافتہ شہر“ کی حیثیت حاصل تھی۔

چین کی مہم سے واپس آ کر چنگیز خان کافی عرصہ صحرائے گوبی کے اس گوشے (قراقرم) میں مقیم رہا۔ وہ اسے اپنا دارالحکومت قرار دے چکا تھا۔ یہاں کی کچی مٹی سے لپٹی ہوئی گھاس پھوس کی چھتوں والی جھونپڑیاں اب دنیا بھر کے لوٹ مار کے سامان سے بھر پور تھیں۔ ریشمی استر اور سفید سمور کے ایک بلند شامیانے میں اس کا دربار تھا جس میں اس کے سالار اور اس کے چاروں بیٹے جوبی، چغتائی، اوکتائی اور تولی اس کی خدمت میں موجود رہتے۔ جوبی امیر شکار تھا جو لشکر کے لیے غذا مہیا کرنے کا ذمہ دار تھا۔ چغتائی امیر قانون تھا۔ اوکتائی امیر مشاورت تھا اور سب سے کم عمر تولی سالار اعظم تھا۔

تاتاریوں کی تمدنی ترقی ..... ان فتوحات کے بعد رونما ہونے والی تاتاریوں کی تمدنی ترقی کے بارے میں عطا ملک جوینی کا بیان ہے:

”چنگیز خان نے چند برسوں کے اندر اندر گوبی کے ویرانے کو عشرت کدہ بنا دیا تھا، تاتاری قوم گویا زندان سے چمنستان میں، اور بیابان سے مسرت کے ایوان میں جا پہنچی، دور دراز کے علاقوں کی مصنوعات اور ہر طرح کے ساز و سامان کی صحرائے گوبی میں ریل پیل ہو گئی، خورد و نوش کی عمدہ سے عمدہ چیزوں کی کثرت ہو گئی۔ زراعت سے سرسبز و شادابی کے دور کا آغاز ہو گیا۔“ (جہاں کشا، ج ۱ ص ۲۰۱۵)

یاسا کے قوانین ..... چنگیز خان نے اپنے ماتحت مختلف اقوام کو قابو کرنے کے لیے خود ایک قانونی دستاویز بھی تیار کی تھی جسے ”یاسا“ کا نام دیا گیا، اس کی رعایا میں سے ہر شخص کے لیے یاسا کی پابندی لازمی تھی۔ اس میں عقیدے کی تعلیم بھی تھی مگر مختصر۔ زیادہ تر احکامات تھے۔

یاسا میں ایک خدا خالق ارض و سماء پر ایمان لانے کی تعلیم دی گئی مگر اس کی تفصیلات بیان نہیں کی گئیں۔ یاسا کے قوانین کے مطابق ہر فرد کو اپنے مذہب پر عمل کی آزادی تھی مگر چنگیز خان کے حکم کے دائرہ میں رہتے ہوئے دشمن کے لیے جاسوسی، جھوٹی گواہی، کالے جادو، چوری، زنا اور اغلام کی سزا موت تھی۔ مہینے میں تین بار نشہ کرنے کی رخصت تھی۔ گرج چمک اور بارش کے دوران پانی کا استعمال ممنوع تھا۔ دوسری قوموں سے مکاری، دغا اور فریب کی اجازت

تھی۔ ان کا قتل عام جائز اور ان کی عورتوں کی بے حرمتی بھی درست تھی۔ یا سا اسی قسم کے عجیب و غریب احکامات کا مجموعہ تھا جو شخص واحد کی قوت فکر کا نتیجہ تھا۔ لامحالہ اس میں بے شمار خامیاں بلکہ حماقتیں موجود تھیں، وجہ کی رہنمائی سے محروم ضابطے کبھی کامیابی کے ضامن نہیں ہو سکتے۔

بہر حال چنگیز خان کو حکومت کے لیے قانون ترتیب دینا تھا سو اس نے ضرورت سمجھتے ہوئے اسے ترتیب دیا اور اس پر عمل بھی کرایا۔

چنگیز خان کے حملے کا انداز..... چنگیز خان کی مسلسل فتوحات کا ایک بڑا سبب دشمن پر اس کے تیز اور اچانک حملے تھے۔ تاتاری خانہ بدوشوں کے ہر کنبے کے پاس کئی کئی گھوڑے ہوتے تھے، یلغار کے دوران وہ مسلسل گھوڑے تبدیل کرتے رہتے تھے اس طرح گھوڑے تھکے بغیر سفر جاری رکھتے تھے۔ جب کہیں حملے کا ارادہ ہوتا تو تاتاری اسے دشمن پر بالکل ظاہر نہ ہونے دیتے اور مفتوں کا سفر دنوں میں طے کرتے ہوئے اچانک دشمن پر جا پڑتے۔ ان کی ایک بڑی اہم چال یہ بھی تھی کہ دشمن پر کئی اطراف سے حملہ کرتے۔ ان میں سے ایک سمت سے کیا جانے والا حملہ محض دشمن کو الجھانے اور دوسرے محاذوں سے بے خبر رکھنے کے لیے ہوتا۔ چنانچہ کئی بار ایسا ہوا کہ مخالف فوج تاتاری لشکر کے انتظار میں ایک سرحد پر پہنچتی رہی اور آثار و اطلاعات سے روز بروز یہ یقین بڑھتا جاتا کہ تاتاری اسی طرف آرہے ہیں مگر اچانک تاتاری لشکر کا ایک بڑا حصہ کئی سو میل کا چکر کاٹ کے دوسرے پہلو سے سرحد عبور کر کے کسی شہر پر قابض ہو جاتا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ میدان جنگ میں تاتاری مغلوب ہونے لگتے تو فوج کا کچھ حصہ میدان سے ہٹا کر اسے دشمن کی پشت یا پہلو پر بھیج دیتے۔ اس چال سے دشمن بوکھلا جاتا اور دوطرفہ حملے کی زد میں آ کر جنگ کی جیتی ہوئی بازی چشم زدن میں ہار جاتا۔

ظلم و ستم اور غارتگری..... چنگیز خان مفتوحہ اقوام پر رحم کرنے کا قائل نہ تھا۔ جن علاقوں کے عوام مرعوب ہو کر بغیر جنگ کے مطیع ہو جاتے وہاں بھی لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا جاتا، تاتاری فوج گھروں میں گھس کر سب کچھ لوٹ لیتی۔ عورتوں کی کھلے عام عصمت دری کی جاتی۔ تاہم ایسے علاقے اکثر قتل عام سے محفوظ رہ جاتے۔ جنگ کے بعد زیر قبضہ آنے والے شہروں کو مکمل طور پر لوٹ کر آبادی کو فنا کر دیا جاتا۔ ہر طرف لاشوں کے پہاڑ نظر آتے۔ کھوپڑیاں کاٹ کاٹ کر ان کے بلند مینار بنادیئے جاتے، آخر میں شہر کو آگ لگا کر راکھ کر دیا جاتا اور کوئی ذی نفس زندہ نہ بچ پاتا۔

بعض اوقات لڑائی میں قید ہونے والوں سے جبری مشقت لی جاتی، ان سے پل اور مورچے تعمیر کرائے جاتے، خندقیں کھدوائی جاتیں، لیکن جب تاتاری کسی دور دراز علاقے کی طرف کوچ کرتے تو ان قیدیوں کے بوجھ سے نجات پانے کے لیے سب کو قتل کر دیتے البتہ اگر ان میں کوئی شخص کسی فن یا صنعت کا ماہر ہوتا تو اس کی جاں بخشی کر کے اس کے ہنر کا فائدہ اٹھایا جاتا، حسین و جمیل عورتیں بھی قتل عام سے مستثنیٰ ہوتیں، انہیں خانِ اعظم اور اس کے سرداروں کی خدمت کے لیے زندہ رکھا جاتا۔

ہڈیوں کا پہاڑ..... تاریخ نگارستان (فارسی) میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کا ایک قافلہ چنگیز خان کی حدود مملکت میں داخل ہوا۔ دور سے انہیں ایک سفید پہاڑ نظر آیا۔ اہل قافلہ کو اس بات میں ذرہ بھر شک بھی نہ تھا کہ یہ کوئی برف پوش پہاڑ ہے، مگر قریب جا کر دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے کہ وہ پہاڑ دراصل ان مردوں کی ہڈیوں سے بنا تھا جو چنگیز خان کی

خون ریزی کی نذر ہو گئے تھے۔

تاتاریوں کا مذہب ..... تاتاریوں کے دین و مذہب کے بارے میں اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ وہ خالق و قادر مطلق ایک ہستی کا تصور رکھتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ شرک میں بھی مبتلا تھے۔ عبادات کے انداز و اطوار میں وہ ہند کے غیر آریہ قدیم باشندوں سے ملنے جلتے تھے۔

خبر قرآنی کے مطابق اس قوم میں ضرور کوئی پیغمبر مبعوث ہوئے ہوں گے مگر زمانے کی گردش اور شیطانی تلبیسات کے اثرات سے ان کی تعلیمات فراموش ہو چکی تھیں۔ تاتاریوں میں ستارہ پرستی کے اثرات بھی معلوم ہوتے تھے۔ تمام تاتاری صبح طلوع آفتاب کے وقت سورج کو سجدہ کرتے تھے۔ نیز بجلی کی چمک اور ابر کی گرج سے انتہائی خوفزدہ ہوتے تھے، ان کے نزدیک آسمان لازوال تھا، اور اس پر نظر آنے والے غیر معمولی مناظر کو وہ آسمانی غضب گمان کرتے تھے۔ ان کے نزدیک ہوا میں کچھ ارواح بستی تھیں جو طوفان، گرج، چمک اور دوسرے آسمانی انقلابات برپا کرتی تھیں۔ ان ارواح کو وہ ”تینگری“ کہتے تھے۔ چنگیز خان روزانہ ایک پہاڑ پر چڑھتا وہ اس پہاڑ کو ”تینگری“ کا ٹھکانہ تصور کرتا تھا وہاں وہ چاروں اطراف کی ہواؤں اور آسمان سے خطاب کر کے دعائیں مانگتا اور ”تینگری“ کی مدد و نصرت طلب کرتا۔

کشلوک خان کی سرکوبی ..... تب سے لے کر چینی ترکستان کی آخری حدود تک کا وسیع علاقہ کشلوک خان نامی ترک سردار کے زیرِ قلم تھا۔ اس کی سرحدیں ایک طرف خوارزم شاہ کی علمداری سے اور دوسری طرف چنگیز خان کی حدودِ مملکت سے مل رہی تھی کچھ ہی عرصہ پہلے کشلوک نے خوارزم شاہ کے ساتھ ملکر ترکانِ خطا کو شکست دی تھی۔ تب سے کشلوک کی طاقت برابر بڑھ رہی تھی۔ وہ چنگیز خان کا تابع ہونے کی بجائے خود مختار رہنا پسند کرتا تھا۔

چنگیز خان نے ختائی شہنشاہ کو ناپود کرنے کے بعد قرقرم میں جی نویان کو ایک لشکر دے کر کشلوک خان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ یہاں طمع مرتفع پامیر پر جی نویان نے ایک طویل جنگ کے بعد کشلوک خان کی قوت ختم کر کے اس کا سر کاٹ کر چنگیز خان کے پاس بھجوا دیا۔ اس فتح کے بعد چینی ترکستان کے مسلم قبیلے اور تب کے بدھ مت قبائل بھی چنگیز خان کی شمشیر خون آشام کے زیرِ سایہ آ گئے۔ اب اس کی سرحدیں بارہ سو میل چوڑی کوہستانی پٹی کے فرق کے ساتھ دنیائے اسلام کے ساتھ مل چکی تھیں۔ آس پاس کی مسلم آبادیات کے تاجروں کی آمد و رفت نے ان دو مختلف تہذیب و تمدن والی قوموں کو ایک دوسرے کے احوال سے آگاہ کیا۔ جب چنگیز خان نے ان تاجروں سے خوارزم، بغداد، مصر اور ہندوستان کے حالات سنے تو اسے اندازہ ہوا کہ ابھی اس کی شہسواری کے لیے ایک اور وسیع میدان باقی ہے۔

چین کے مسلمان ..... چین کے مغربی حصوں میں مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد آباد تھی، یہ وہ لوگ تھے جن کے آباؤ اجداد عرب ممالک اور ماوراء النہر سے آنے والے مسلم تاجروں کی لسانی و عملی تبلیغ سے متاثر ہو کر صدیوں پہلے دین حق قبول کر چکے تھے۔ چین پر چنگیز خان کے تسلط کے بعد یہ لوگ بھی اس کی رعایا بن گئے تھے، ان میں سے بہت سے اب بھی تجارت کی غرض سے مسلم ممالک کا سفر کرتے رہتے تھے، یہ لوگ عربی، فارسی اور ترکی زبانیں خوب جانتے تھے۔ چنگیز خان مفتوحہ قوموں کے ہر طبقے سے اس کی استعداد کے مطابق کام لینے کا ماہر تھا، چنانچہ ایسے کئی مسلمانوں کو اس نے اپنے دربار میں ترجمان کی حیثیت سے جگہ دی۔

بعض مسلمانوں کو اس نے بیرون ملک اپنے سفارتی وفد کے ساتھ روانہ کیا۔ بہت سے ایسے بھی تھے جن کو تجارت کی غرض سے دیگر ممالک کا سفر کرنے کی ترغیب دی گئی اور یہ تنبیہ بھی کر دی گئی کہ وہاں اپنے کان اور آنکھیں خوب کھلے رکھیں اور وہاں کے حالات کی اطلاعات بھجواتے رہیں، گویا یہ تاجروں کے روپ میں جاسوسی تھے۔ چونکہ یہ مسلمان چنگیزی شمشیر کے نیچے دب کر بالکل بے بس ہو چکے تھے، ان کے اہل و عیال کی زندگیاں تاتاریوں کے رحم و کرم پر تھیں، لہذا اپنے آپ کو مجبور تصور کرتے ہوئے یہ لوگ دربار قراقرم سے جاری کردہ حکم کو بجالاتے، اس بات سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا کہ دربار قراقرم کے لیے ان کی یہ خدمات عالم اسلام کے حق میں کیا نتائج پیدا کریں گی۔ ضروری وضاحت..... چنگیز خان کا اصل قبیلہ (جیسا کہ آپ اس باب کے شروع میں پڑھ چکے ہیں) ”مغل“ تھا مگر مسلم مؤرخین نے اکثر ان کے لیے ”التر“ کا لفظ استعمال کیا ہے اس لیے ہم نے بھی اس کتاب میں اکثر مواقع پر اس قوم کو ”تاتاری“ کے لفظ ہی سے تعبیر کیا ہے۔

————— ❦ —————

## مآخذ

- |  |                                   |                  |
|--|-----------------------------------|------------------|
| 1 چنگیز خان از ہیرلڈ لیمب                  | 2 البدایہ والنہایہ ج ۷            | 3 روضۃ الصفاق ۵  |
| 4 5 سیرۃ سلطان جلال الدین                  | 6 تاریخ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی | 7 تاریخ نگارستان |
| 7 اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی |                                   |                  |

————— ❦ —————

## شہزادہ جلال الدین منکبرتی

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی ششیریں  
شہزادہ جلال الدین کی پیدائش..... جب چنگیز خان ایشیائے بلند پر اقتدار کے پنجے گاڑ رہا تھا، تقدیر ازلی خوارزمی  
ایوان میں اس مجاہد کو وجود بخش رہی تھی جو مستقبل میں اس جہاں کش فاتح کا سب سے بڑا حریف ثابت ہونے والا تھا۔  
علاء الدین محمد کی بے تابانہ دعائیں قبول ہوئیں اور اسے بارگاہ حق سے ایک بیٹا عنایت ہوا جسے تاریخ ”جلال الدین  
منکبرتی“ کے نام سے جانتی ہے۔ تاریخ پیدائش کی کتاب میں مذکور نہیں دیکھی گئی البتہ قرآن سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ  
تاریخ خوارزم کا یہ گراں مایہ موتی چھٹی صدی ہجری کے آخری عشرے میں یا اس سے چند سال قبل سیپ عدم سے عالم  
وجود میں آیا۔<sup>①</sup>

سلطان علاؤ الدین محمد کی متعدد بیگمات تھیں۔ ان میں سے جس خوش قسمت خاتون کے لطن سے جلال الدین کی  
ولادت ہوئی وہ ہندی نژاد تھی۔<sup>②</sup> علاؤ الدین محمد کے ہاں اس سے قبل کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ جلال الدین کے بعد اس  
کے ہاں دیگر تین بیگمات سے چار بیٹے ہوئے جن کے نام تواریخ میں رکن الدین غور شاہ، قطب الدین ازلاق سلطان،  
غیاث الدین پیر شاہ اور آق سلطان مذکور ہیں۔ قطب الدین ازلاق اپنی دادی (ترکان خاتون) کا چیتا ہونے کے  
باعث سب سے لاڈلا تھا۔ غیاث الدین خور و تھا مگر معمولی عقل و فہم کا مالک اور کسی قدر مغرور اور بے مروت تھا۔<sup>③</sup>  
البتہ رکن الدین غور شاہ غالب حسن و جمال کے ساتھ ساتھ شجاعت اور رحمہلی کے اوصاف سے بھی بہرور تھا۔ شہزادہ  
جلال الدین کو اپنے بھائیوں اور بہنوں سے بہت محبت اور پیار تھا، خاص کر اپنی سوتیلی بہن شہزادی خان سلطان سے  
اسے بے حد تعلق خاطر تھا۔ شہزادی بھی بھائی کے عمدہ خصائل کی گرویدہ تھی۔

تعلیم و تربیت کا زمانہ..... شہزادہ جلال الدین نے جس طرح بہنوں اور بھائیوں کے لیے ایک مشفق بھائی ہونے کا  
ثبوت دیا اسی طرح ہمیشہ اپنے والدین کی حدر جے تابعدادی کا مظاہرہ کیا، جلال الدین کی ماں ایک مہربان، غیور،  
دلیر اور بلند ہمت خاتون تھی، جلال الدین کی اطاعت شعاری اور حسن کردار پر اسے فخر تھا۔ اپنی سوتیلی ماؤں کے ساتھ  
بھی جلال الدین نے ہمیشہ حد درجہ ادب کا برتاؤ کیا اور انہیں کبھی شکایت کا موقع نہ دیا۔

علاء الدین محمد خوارزم شاہ اپنی اولاد کی تربیت کے معاملے میں بڑا سخت تھا، مگر جن پابندیوں کو دوسرے شہزادے  
بحکلف برداشت کرتے رہے جلال الدین نے انہیں بسر و چشم قبول کیا۔ باپ کے ساتھ جلال الدین کا وفادارانہ تعلق  
مثالی تھا، اور خود خوارزم شاہ بھی اپنے اس بیٹے کی قابلیت، حسن کارکردگی اور اعلیٰ صلاحیتوں کا معترف تھا۔

اپنے بیٹوں کی سپاہیانہ تربیت کے لیے خوارزم شاہ نے زمانے کے نامور ماہرین حرب کی خدمات حاصل کی

تھیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ ان کی تعلیم سے بھی غافل نہ تھا۔ اس نے اپنے عہد کے مانے ہوئے علماء کرام کو شہزادوں کی تعلیم پر مقرر کیا تھا۔

امام رازی رحمہ اللہ سے شرف تلمذ ..... ۶۰۳ھ (۱۲۰۷ء) میں اپنے وقت کے مرجع خلاق، نامور مفسر، متکلم اور فلسفی علامہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ خوارزم تشریف لائے اور ”اور گنج“ کی جامعہ کی صدارت کے علاوہ شہزادوں کے اتالیق بھی مقرر ہوئے۔ ⑤

امام صاحب اس سے قبل سلطان شہاب الدین غوری کی قلمرو میں عوام و خواص کو اپنی خدمات سے مستفید کر چکے تھے، ہندوستان پر آخری یلغار کے وقت امام صاحب غوری لشکر میں نمازوں کی امامت فرماتے اور درس قرآن دیتے۔ ان کے درس میں سپاہیوں کے علاوہ ہر علاقے کے مقامی باشندے بھی بڑی تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ حسن بن صباح کے فدائی عام مسلمانوں کے بھیس میں ان مجالس میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوتے اور امام رازی رحمہ اللہ کے آس پاس نظر آتے۔ ایک رات درس میں شریک ہونے والے دس فدائی موقع پا کر سلطان شہاب الدین غوری پر حملہ آور ہو گئے، اور انہیں شہید کر ڈالا۔ حملہ آوروں میں سے بعض پکڑے گئے، افسران نے پہچان لیا کہ یہ امام صاحب کے شرکاء درس ہیں۔ یہ خیال زور پکڑ گیا کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے ایماء پر ہی یہ حملہ کیا گیا ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے بڑی مشکل سے اپنی برأت ثابت کی۔

ہندوستان سے واپس آ کر امام صاحب رحمہ اللہ ہرات میں واقع اپنے مدرسہ میں پہنچے، لیکن یہاں بھی وہی افواہ گردش کر رہی تھی، اہل ہرات کے ایک مشتعل ہجوم نے امام صاحب کے مدرسے پر حملہ کر دیا، شہر کے مقتدر لوگوں نے بڑی مشکل سے ان کو واپس کیا۔ ⑥

ہرات کے حالات نا سازگار دیکھ کر امام رازی رحمہ اللہ رخت سفر باندھ کر خوارزم روانہ ہو گئے۔ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ بہت پہلے سے امام رازی رحمہ اللہ کی وسعت نظر سے متاثر تھا اور اس کی شدید خواہش تھی کہ ایسے نابغہ روزگار بزرگ اسے شرف صحبت بخشیں، امام رازی رحمہ اللہ کی آمد پر اس کی خوشی دیدنی تھی۔ شاہ کو اپنے حسب پسند ایک عبقری علمی شخصیت کی ہم مجلسی نصیب ہوئی، عوام کو ایک درد مند و حق گو عالم دین کے مواعظ سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ شہزادوں کو بھی اس بات کی مسرت تھی کہ انہیں ایک فقید المثال استاذ کا شرف تلمذ نصیب ہو رہا ہے۔

ابن خلکان کی روایت کے مطابق امام رازی رحمہ اللہ سلطان نکش کے زمانے میں بھی خوارزم آئے تھے اور علاؤ الدین محمد کے (جو اس وقت شہزادہ تھا) استاذ مقرر ہوئے تھے اس لیے علاؤ الدین محمد نے اپنے دور حکومت میں انہیں اپنی سلطنت میں وہ مقام دیا جو کسی کو حاصل نہ تھا۔ امام رازی رحمہ اللہ بعض اوقات سلطان علاؤ الدین محمد کو ڈانٹ بھی دیتے جسے وہ برداشت کیا کرتا تھا۔ ⑦

امام رازی رحمہ اللہ کی مجالست میں گزرنے والے ایام شہزادہ جلال الدین کے لیے زندگی کا حسین ترین باب تھے۔ ان دنوں وہ مخفونانِ شباب کی منزل میں قدم رکھ چکے تھے۔ ⑧ اس عمر میں عام طبائع کو نیت نئی دلچسپیوں کی تلاش ہوتی ہے، امیر زادوں اور شہزادوں کی رنگ رلیاں نت نئے جو بن دکھاتی ہیں مگر جلال الدین کی طبیعت کو اپنی منزل، اپنے مقصد زندگی اور اس کے لائحہ عمل کی تلاش تھی۔ امام رازی رحمہ اللہ کی صحبت نے ان پر زندگی کے اسرار کھولے، انہیں ان حقائق

سے روشناس کرایا جو محض عقل سے نہیں کریدے جاسکتے بلکہ ان تک رسائی کے لیے وحی الہی کی روشنی درکار ہوتی ہے۔

شوال ۶۰۶ھ (۱۲۱۰ء) میں امام رازی رحمہ اللہ نے تریبہ (۶۳) برس کی عمر میں وفات پائی۔ عام خیال یہ تھا کہ باطنیوں نے ان کے کھانے میں زہر ملا دیا ہے۔<sup>(۸)</sup> شہزادہ جلال الدین کی حیات کا ایک مختصر لیکن اہم باب بند ہو گیا۔ عوام اپنے مصلح سے اور طلبہ اپنے معلم سے محروم ہو گئے، شہزادوں کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ دیگر وسائط سے جاری رہا مگر امام رازی رحمہ اللہ جیسا استاد پھر نہ مل سکا۔

عسکری تربیت اور احساس ذمہ داری..... ملک و ملت کے حالات شہزادہ جلال الدین کے سامنے تھے۔ خداداد ذہانت، علمی وسعت اور تاریخ اُمم کے تفصیلی جائزے نے ان پر یہ بات عیاں کر دی تھی کہ بسا اوقات ملت کے مستقبل کا ذمہ دار اپنی ایک غلطی کے باعث پوری قوم کو عبرتناک تباہی سے دوچار کر دیتا ہے۔ شہزادہ جلال الدین کو سلطان علاؤ الدین محمد کا بڑا بیٹا ہونے کے ناتے سلطنت کا ولی عہد سمجھا جاتا تھا۔ اس لحاظ سے شہزادے کو خود بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس تھا۔ انہوں نے عسکری ماحول کی سخت ترین اور کنھن زندگی کو خود پر لازم کر لیا گویا ان کے نزدیک یہ مسلم قیادت کے لیے بنیادی غذا تھی۔ اب باپ کے حسب منشاء محدود انتظامی و سرکاری امور میں شرکت کے بعد ان کا اکثر وقت سپاہیانہ مشقوں میں گزرتا، وہ فنون حرب کے دلدادہ تھے۔ ان کی قدرے گندی سانولی رنگت اور چھریرے بدن پر فوجی لباس خوب بچتا تھا۔<sup>(۹)</sup> چہرے کی آب و تاب، ہمت و شجاعت، مومنانہ وقار اور خیال اندیش متانت نے ان کی شخصیت کو عجیب رعنائی بخش دی تھی۔ کئی سالوں کی مسلسل سخت ترین فوجی ریاضت سے وہ جنگی داؤ پیچ میں ایسی مہارت حاصل کر چکے تھے جس سے ان کے دوسرے ہم عصر عاجز تھے۔ وہ نہ کچھ شہیم تھے اور نہ طویل القامت بلکہ معمولی جسامت کے مالک اور کسی قدر پست قد تھے شکر مقابلے کے وقت ان کے مضبوط بازوؤں اور گٹھے ہوئے فولادی جسم سے توانائی کے ایسے چشمے اچلتے دکھائی دیتے کہ کوئی بڑے سے بڑا پہلوان ان کے سامنے نہ ٹک سکتا۔ وہ کئی کئی منازل شہ سواری کرتے اور اس میں نرم نرم بستر و کی سی راحت انگیزی محسوس کرتے، نئی نئی بیش قیمت پوشاکوں کی بجائے وہ زہرہ بکتر میں زیادہ سکون پاتے، وہ ایسے قائد کے تصور سے نفرت کرتے تھے جو اپنی قوم کو معرکہ کارزار میں جھونک کر خود چھین کی بانسری بجاتا ہو۔ وہ قیادت و سیادت کو ان لوگوں کا ورثہ سمجھتے تھے جو قربانی دینے کے لیے صف اول میں موجود رہتے ہوں۔

عوامی مقبولیت..... جلال الدین اپنے بے پناہ خوبیوں کے باعث اہل خوارزم کی آنکھوں کا تارابن چکے تھے۔ عوام و خواص ان کے گرویدہ تھے، فوج کے بڑے بڑے نامور افسران ولی عہد کی صلاحیتوں کے گن گاتے تھے۔ خوارزم شاہ کے ایوان میں حاضر باش سلجوقی، غوری اور دوسرے نامی گرامی ملوک اور شاہزادے جلال الدین پر جان چھڑکتے تھے۔ دوسرے شہروں کے امراء اور سالار ان فوج جب اور گنج آتے تو خوارزم شاہ کے بعد ان کی نگاہوں ک محور جلال الدین کی ذات ہوتی۔

جلال الدین کے سیاسی مخالفین..... اس عمومی مقبولیت کے باوجود جلال الدین کے مخالفین بھی کم نہ تھے، قپچاقی ترکوں کا سارا قبیلہ جو فوج کا ایک طاقتور عنصر تھا، جلال الدین کی بجائے شہزادہ قطب الدین از لاق کا حامی تھا اور اسے خوارزم کے تخت و تاج کا وارث قرار دیتا تھا۔ چون کہ انتظامی امور میں بسا اوقات محمد خوارزم شاہ اور اس کی والدہ ترکان خاتون میں اختلاف ہو جاتا تھا اور اس کی والدہ قپچاقی ترک قبیلے سے تعلق رکھتی تھی، لہذا اس قبیلے کے امراء اور

سالاران فوج خوارزم شاہ کو بھی ناپسند کرتے تھے اور جلال الدین کو بھی، اور ان کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ خوارزم شاہ بھی ان کی حرکتوں اور عزائم سے باخبر رہتا تھا۔ کئی بار اس نے طے کیا کہ اس سر پھرے گروہ کو کچل ڈالے مگر ہر بار جلال الدین کی سفارش کے باعث ان کی جان بچ جاتی۔<sup>⑪</sup>

خانہ جنگی کے ہولناک خدشات، خطرناک عواقب اور بردار کشی کے نقصانات سے اپنے باپ کو آگاہ کر کے شہزادہ جلال الدین نے ان بے شمار مسلمانوں کو شاہی تلوار سے بچائے رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک و قوم کے وسیع تر مفاد میں شہزادہ جلال الدین اپنے مخالفین سے بھی حسن سلوک کے لیے تیار رہتے تھے۔

یہی مقصود و فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی اخوت کی جہاں گیری، محبت کی فراوانی

## حواشی و حوالہ جات

- ① جامع تاریخ ہند کے ص ۸۴ پر ۶۱۶ھ میں جلال الدین کی عمر تیس سال سے کم بتائی گئی ہے۔ اس سے ہمارے اندازے کی تائید ہوتی ہے۔
- ② سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۳۲۸
- ③ سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۳۲۸
- ④ تاریخ خوارزم شاہی ص ۲۶۱
- ⑤ آئینہ حقیقت نما..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۲۶۰
- ⑥ امام رازی (ازمولانا عبدالسلام ندوی) ص ۱۴ تا ۲۸
- ⑦ شاید بعض قارئین کو ”جلال الدین“ کے لیے جمع کے صیغے اور ضمیریں استعمال کرنا عجیب معلوم ہو، مگر راقم کے نزدیک اسلامی تاریخ کے عظیم مجاہد قائدین کا یہ حق ہے کہ ہم ان کے ذکر میں عامیانه انداز اختیار نہ کریں بلکہ احترام کا لحاظ رکھیں، سلطان جلال الدین، سلطان صلاح الدین، سلطان محمود غزنوی و دیگر تمام اسلام کے نامور مجاہد سلاطین اسی ادب و احترام کے حق دار ہیں۔ چند صفحات قبل آپ نے سلطان شہاب الدین غوری کے لیے جمع کے صیغوں کا استعمال ملاحظہ کیا اس کی وجہ بھی یہی تھی۔
- ⑧ تاریخ خوارزم شاہی ص ۲۶۱
- ⑨ سلطان جلال الدین کا گندی رنگ اور معمولی قد و کاٹھ ان کی والدہ کا اثر معلوم ہوتا ہے جو ہندوستانی خاتون تھیں۔ دیکھیے تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۳ و فیات ۶۲۸ھ حرف جیم۔ سیرۃ جلال الدین ص ۹۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاتون کا نام ”ای جیباک“ تھا۔
- ⑩ سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی ص ۳۸۴..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰
- ⑪ جہاں کشاج ص ۱۷۳..... سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی ص ۱۴۸..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۷۷.....



## خطرات و حوادث

چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں وطن کی فکر کر ناداں، مصیبت آنے والی ہے تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں شہزادہ جلال الدین اس عظیم الشان مملکت کے ولی عہد تھے جس کی حدود بحیرہ خزر سے لے کر ساحل سندھ تک پھیلی ہوئی تھیں، جس کی جنگ آزمائش ناکاقل شکست اور وسائل غیر محدود تھے۔ ان حالات میں تخت و تاج کا یہ وارث آنے والے ایام کو اپنی خوش قسمتی اور بلند اقبال کی نئے دور کا آغاز سمجھتے ہوئے سراپا اشتیاق بن کر ان کا منتظر رہتا تو عجب نہ تھا مگر جلال الدین کی مومنانہ فراست، حالات کی غیر محسوس انداز میں تدریجی تبدیلی اور امت مسلمہ کے روز افزوں تنزل کو بھانپ کر کسی بھیانک انقلاب کی بوسنگھ رہی تھی۔

ساتویں صدی ہجری کا آغاز ہو چکا تھا، اسلام کی وہ مشعل جس نے چھ سو سال قبل جزیرہ عرب سے نمودار ہو کر دنیا کے تاریک ترین گوشوں کو منور کر دیا تھا اب داخلی و خارجی لحاظ سے ہمہ جہتی خطرناک آندھیوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ چھ صدیاں پیشتر اسلام ایک غیر مانوس صدابن کر عرب کے دشت و جبل میں گونجا تھا، اس کی ہمہ گیر دعوت ابتداء میں اجنبی محسوس کی گئی، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اپنے بدترین مخالفین کو بھی اپنا شید اور گرویدہ بنالیا۔ پیغمبر انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہی میں اسلام کی دعوت کی بازگشت جزیرہ نمائے عرب سے باہر بھی سنائی دینے لگی تھی۔ خلافت راشدہ کے سنہری دور میں شاید ہی روئے زمین کا کوئی آباد خطہ ایسا ہوگا جہاں عرب کے اس انقلاب کا چرچا نہ ہو چکا ہو۔

قرن اولیٰ ایک مثالی دور تھا، جب مسلمان حقیقتاً مسلمان تھے۔ پیغمبر اند دعوت کو انہوں نے شعوری طور پر قبول کیا تھا اور اپنے رگ و پے میں اسے رچا بسا لیا تھا۔ ان کے ایمان و یقین کا استحکام پہاڑوں سے بڑھ کر تھا۔ وہ دن کے شہسوار اور راتوں کے عبادت گزار تھے، ان میں سے ہر ایک کا تن، ہن، دھن اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے وقف تھا۔ لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ایمان کی وہ پیش جس نے عرب کے صحرائینوں کو عجم کے چمن زاروں کی نگہبانی عطا کی تھی، بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔ نت نئے فتنوں نے عالم اسلام کو اپنی پلیٹ میں لے لیا، جابجا اندرونی شورشوں نے اسلامی فتوحات کا دائرہ محدود کر دیا۔ عمال حکومت سے خدا خونی اور آخرت کی جواب طلبی رخصت ہونے لگی، عوام کا حال بھی زیادہ مختلف نہ رہا، نماز، روزہ، حج و دیگر فرائض کی بجائے آوری کے باوجود گناہوں سے احتراز کا اہتمام کم سے کم ہوتا گیا، اگر حاکم متساہل ہوتا تو علانیہ گناہوں کا ارتکاب بھی عام ہو جاتا۔

امت کے عمومی تنزل کے پانچ بنیادی اسباب ..... مسلم معاشرے کی اخلاقی اقدار روز بروز زوال پذیر تھیں۔ عالم اسلام مجموعی حیثیت سے ایک صاحب فراش مریض کے مشابہ تھا جسے لاعلاج بیماریوں نے جکڑ رکھا ہو۔ امت مسلمہ

کو تباہی کے دہانے تک پہنچانے والے اسباب و علل ویسے تو بکثرت اور متنوع تھے لیکن ان میں سے مندرجہ ذیل پانچ اسباب بنیادی حیثیت رکھتے تھے جن پر تمام امت کے عمومی تنزل و انحطاط کا دار و مدار تھا۔

**1** حُب دینا **2** فریضہ جہاد سے غفلت **3** دعوت الی اللہ میں کوتاہی **4** اعتقادی و نظریاتی فتن کی اثر انگیزی **5** باہمی انتشار۔

آئیے! ان اسباب کا قدرے وضاحت سے جائزہ لیتے ہیں:

**1** حُب دینا..... اسلامی معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے والا سب سے خطرناک عنصر حُب دینا کا مرض تھا جو عالم اسلام کو اپنی پلیٹ میں لے چکا تھا۔ معاشی آسودگی اور آسائش کے تمام وسائل مہیا ہونے کے باعث تعم پسنندی کا رجحان خطرناک حد تک بڑھ چکا تھا، وہ کلیدی عہدے جو سلطنت کی چو لیں کہلاتے تھے خاں و مرثی عہدے داروں کے ہاتھ آ گئے تھے جو چند دراہم کے عوض دین و ملت کے مفادات کا سودا کرنے کے لیے ہر وقت مستعد رہتے تھے۔ عوام میں ابھی وہ رضا کار باقی تھے جو صلیبی محاربات میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے شانہ بشانہ بیت المقدس کی آزادی کی جنگ لڑ چکے تھے، وہ مجاہد ابھی زندہ تھے جو غوری افواج کے ہمراہ سرزمین ہند کی تسخیر کے لیے نکلے تھے، وہ سرفروش بھی موجود تھے جنہوں نے خوارزمی پرچم تلے جمع ہو کر ترکان خطا کو ناقابل فراموش سبق دیا تھا مگر یہ سب بچھلی نسل سے تعلق رکھتے تھے اور چراغ سحری بن کر ٹنٹا رہے تھے۔ نوجوان پود جس پر ملت کے اقبال کا دار و مدار تھا عملی تھقل اور جمود کے دور سے گزر رہی تھی، زہر پستی اور راحت پسندی لوگوں کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، مناصب کا حصول مطمح نظر بن چکا تھا گویا حُب دینا کے دونوں شعبے حُب مال و حُب جاہ دلوں میں گھر کر چکے تھے۔ حکام کا حال سب سے زیادہ خراب تھا، اراکین سلطنت کی باہمی رنجشیں ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھیں، ان میں سے کوئی شخص دوسرے پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ خود سلاطین اور فرمانروا ابھی ان ریشہ دوانیوں سے محفوظ نہ تھے چند سردار کسی بھی وقت باہمی گٹھ جوڑ کر حکمران کے لیے خطرہ بن جاتے تھے۔

ایوان بالا کے اس غیر تسلی بخش ماحول میں جو دراصل حُب مال و حُب جاہ کی پیداوار تھا، ملک و ملت کی بہبود کے لیے کسی اجتماعی سعی کا تصور ختم ہوتا جا رہا تھا۔ اگر اللہ کے کچھ نیک بندے مخلصانہ کوششیں کر بھی رہے تھے تو ان کی اثر پذیری کم سے کم تھتی اور ارباب اقتدار اور عوام و خواص محض اپنے معیار زندگی کو بہتر بنانے کی دھن میں مصروف تھے۔ اسباب قییش خصوصاً آلات بزم موسیقی امراء کے لیے لازماً زندگی تھے۔ یہ اونچے طبقے کے لوگ نغمہ و سرود کے دلدادہ تھے، فارس و ترکستان کی حسین و خوش آواز بانندیاں اپنی دُرُ باناتوں سے ان کی محافل عیش و عشرت کو دود آتش کرتیں۔ نچلے طبقے کے افراد میں سے جو نغمہ و طرب کا ذوق رکھتے وہ جہاں گرد مغنیوں کی مجالس میں شرکت کرتے۔ بہت سے لوگ ان درویش نما جہلاء کی محافل سماع میں شریک ہوتے جو حقیقی تصوف کو بدنام کرنے کا سبب ہوئے ہیں۔

ہاتھ بے زور ہیں، الحاد سے دل خوگر ہیں امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں  
بت شکن اٹھے گئے باقی جو رہے بت گر ہیں تھا ابراہیم پدر اور پسر آذر ہیں  
بادہ آشام نئے، بادہ نیا، خم بھی نئے حرم کعبہ نیا، بت بھی نئے، تم بھی نئے

**2** فریضہ جہاد سے غفلت..... انہی مہلک لغزشوں میں سے ایک عمومی اور ناقابل تلافی غلطی یہ بھی کہ امت فریضہ

جہاد سے بڑی حد تک کنارہ کش ہو گئی تھی۔ جہاد و قتال کی اگر کوئی شرعی حیثیت متصور تھی تو اسی قدر کہ وہ اسلامی مملکتوں کی باقاعدہ پیشہ ورافواج پر عاید ہونے والی ایک ذمہ داری ہے۔ رہے عوام تو ان میں روز بروز جہاد سے اجنبیت بڑھ رہی تھی۔ ”حُبُّ الدُّنْيَا وَ كَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ“ کا مرض و باکی طرح عام ہو چکا تھا۔

جہادی کھیل کود، ورزشیں اور ریاضتیں جو کچھ عرصہ قبل ہر مسلمان کا شعار سمجھی جاتی تھیں اب محض تفریح طبع کا سامان خیال کی جانے لگی تھیں۔ صرف مملکت خوارزم ہی میں نہیں بلکہ عالم اسلام کے طول و عرض میں یہی کیفیت عام ہو چکی تھی۔ خلافت اسلامیہ بغداد جو اس نازک زمانے میں فریضہ جہاد کی قیادت سنبھال کر تمام عالم اسلام کو بیدار کرنے کی اولین ذمہ دار تھی، لہو و لعب اور کھیل تماشوں کی طرف متوجہ تھی۔ خلیفہ المسلمین ناصر کے تفریحی مزاج نے نہ صرف عوام سے جہاد کا بچا کھچا ذوق ختم کر دیا بلکہ انہیں اس قابل ہی نہ چھوڑا کہ وہ آئندہ کسی مرحلے پر دشمنان اسلام کو منہ توڑ جواب دے سکیں۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”اسکی تمام تر دلچسپیاں گولیوں سے نشانہ بازی اور پالتو پرندوں کے کھیلوں سے وابستہ تھیں۔“

ابن اثیر نے خلیفہ کے اس طرز عمل پر سخت تنقید کی ہے، ابن خلدون نے تو واضح طور پر لکھا ہے کہ خلیفہ ناصر کے یہ مشاغل ریاست کے زوال اور تباہی کی دلیل تھے۔<sup>①</sup>

خلیفہ نے جہاد کا ذوق عام کرنے کے بجائے کھیل کو خصوصاً ”رمی بالندق“ یعنی گولیوں سے نشانہ بازی کو اہمیت دی۔ وہ خود اس کھیل کا بے حد شوقین تھا۔ اس نے ایک خاص پارٹی تشکیل دی جسے ”الفتوۃ“ کہا جاتا تھا۔ اس کے ارکان کو ایک خاص فیشنی لباس دیا جاتا تھا جسے ”لباس الفتوۃ“ کہا جاتا تھا۔ صرف اس لباس کو پہننے والوں کو گولیوں سے نشانہ بازی کے مقابلوں میں حصہ لینے کی اجازت ہوتی۔ عالم اسلام کے کئی بادشاہوں نے خلیفہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اس پارٹی کی رکنیت اختیار کی تھی اور دربار خلافت سے انہیں لباس الفتوۃ عطا ہوا تھا۔

خلیفہ کا دوسرا کام پرندوں سے دل بہلانا تھا خصوصاً کبوتر بازی سے اسے بے حد شغف تھا، شرفاء نے بھی خلیفہ کی خوشنودی کے لیے اس مشغلے کو اپنا لیا۔ اس طرح اصل عسکری فنون کا دائرہ گھٹا چلا گیا اور تفریحی مشاغل زیادہ اہم ہو گئے، انجام یہ ہوا کہ مردانہ کمالات اور فنون حرب عراق سے ناپید ہو گئے۔

اس انحطاط پذیر دور میں جہاد سے بیگانگی اس قدر بڑھ چکی تھی کہ شریف اور اعلیٰ گھرانوں کے فرزند بھی قتال فی سبیل اللہ سے شیفگی کی بجائے شعر و شاعری، نغمہ و طرب اور دیگر ذہنی و جسمانی تلهذات سے مدہوش ہو رہے تھے۔ یہ اونچے خاندانوں کے پروردہ، فوج میں جانے سے کتراتے اور درباہی عہدوں کے لیے لپچاتے۔

اسلامی ممالک کی افواج اس عہد میں صرف دفاع کا فریضہ سرانجام دے رہی تھیں۔ اقدامی جہاد کے ذریعے دین کو چہار سو پھیلانے کا خیال ذہنوں سے محو ہو چکا تھا۔ دفاعی جہاد کی حالت بھی یہ تھی کہ روزانہ ممالک اسلامیہ کی سرحدوں پر کفارتاخت و تاراج کر رہے تھے اور آئے دن کوئی نہ کوئی قلعہ یا شہر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جاتا تھا۔

3 دعوت الی اللہ میں کوتاہی..... اسلام کے ابتدائی دور میں علماء مصلحین، مبلغین اور اہل تزکیہ و احسان کے علاوہ خود خلفائے اسلام بھی تبلیغ و دعوت کی جدوجہد میں گہری دلچسپی لیتے تھے، ملوک و سلاطین کے زمانے میں بھی اس کی کچھ جھلکیاں دکھائی دیتی رہیں۔ اس دور میں اسلام کی دعوت فرد سے فرد تک محدود نہیں تھی بلکہ مسلم قوم بحیثیت قوم اپنے تشخص،

سیرت اور کردار کے اعتبار سے سراپا دعوت تھی، یہی وجہ تھی کہ دوسری صدی ہجری کے وسط تک قوموں کی تو میں اسلام میں داخل ہوتی رہیں۔ ہر نیا مفتوحہ ملک کچھ ہی عرصے بعد مسلم اکثریتی آبادی میں تبدیل ہو جاتا۔ لیکن بعد کے زمانے میں اس اہم ترین فریضے سے سخت تغافل برتا گیا۔ اگرچہ علماء، مشائخ اور صوفیاء کے طبقات اپنی بساط کے مطابق اس سعی میں منہمک رہے لیکن عوام اور حکام نے اس عظیم ذمہ داری سے خطرناک حد تک پہلو تہی اختیار کر لی۔ اس سخت کوتاہی کے نتیجے میں اسلام کی عالمگیر دعوت ایک محدود دائرے میں منحصر ہو گئی اور اس کے پھیلنے اور پروان چڑھنے کے امکانات کم ہو گئے۔ اور نہ صرف بے شمار مخلوق اس عظیم چشمہ صافی سے سیراب نہ ہو سکی بلکہ مسلم دنیا کے نسلی مسلمانوں کو بھی آگے چل کر اس کا خلیازہ بھگتنا پڑا۔ ان کے اور غیر مسلم دنیا کے مابین نفرت کی ناقابل عبور آہنی دیواریں کھڑی رہیں اور عالم اسلام کی سرحدیں ہمہ وقتی خطرات کی زد میں رہیں۔ خود مفتوحہ علاقوں میں غیر مسلموں کا اسلام میں داخل ہونا تقریباً رک گیا۔ آگے چل کر یہ غیر مسلم ہمسائے اور مسلم دنیا کے یہ غیر مسلم عوام امت مسلمہ کے لیے عظیم ترین نقصانات کا باعث بنے۔

وسط ایشیا کے خوارزمی سلاطین، اسپین کے عرب حکمران اور ہندوستان کے فرمانروا اسی غلطی کو دہراتے چلے گئے، بالآخر خوارزم شاہی سلطنت اپنے غیر مسلم تاتاری پڑوسیوں کے ہاتھوں برباد ہو گئی۔ اسپین پر وہاں کی مقامی نصرانی نسل نے قبضہ جما کر فرزندِ ان تو حید کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ ہندوستان میں بھی حالات کچھ مختلف نہ رہے اور مسلمان آٹھ سو سال تک یہاں حکمرانی کرنے کے باوجود دعوت اسلام کو کما حقہ نہ پھیلانے کی وجہ سے بالآخر اس کے اکثر حصے سے محروم ہو گئے۔

صاحبِ تاریخِ دعوت و عزیمت حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں: ①

”خوارزم شاہی سلاطین سے اس موقع پر بھی وہی مہلک غلطی ہوئی جو اسپین کے عرب فرمانرواؤں نے کی تھی۔ اور جس کو الہی قانون مکافات نے کبھی معاف نہیں کیا یعنی یہ کہ انہوں نے اپنی ساری طاقت سلطنت کی توسیع و استحکام اور حریفوں کی سرکوبی میں صرف کی اور اس انسانی آبادی کو جو ان کی سرحد سے متصل تھی اور بجائے خود ایک دنیا تھی، تبلیغ اسلام اور ان تک خدا کا آخری پیغام پہنچانے کی کوئی فکر نہیں کی، جذبہ دینی سے قطع نظر کہ سیاسی فراست اور دور بینی کا بھی تقاضا تھا کہ وہ اس وسیع انسانی آبادی کو اپنا ہم آہنگ اور اپنا ہم عقیدہ بنانے کی کوشش کرتے اور اس طرح ہمیشہ کے لیے اس خطرہ سے محفوظ ہو جاتے جو نہ صرف ان کو بلکہ

پورے مسلمانوں کو پیش آیا۔“ ②

4 اعتقادی و نظریاتی فتن کی اثر انگیزی..... چھٹی صدی ہجری میں عامۃ المسلمین کو عقائد اور نظریات کے میدان میں غلط راستے پر لے جانے والے عناصر پوری طرح سرگرم رہے۔ گمراہ فرقوں کی نئی نئی شاخیں پھوٹ کر امت کو تقسیم کرتی رہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض کا زور ٹوٹ چکا تھا، لیکن ان کے اعتقادی اثرات کسی نہ کسی صورت میں باقی رہ گئے تھے۔ دولتِ فاطمیہ نے مصر میں اپنے پونے تین سو سالہ اقتدار کے زمانے میں اپنے فاسد اعتقادات کو پھیلانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ کئی مسلم حکومتیں باطنیہ کی زیر زمین مذہب کش کارروائیوں سے تغافل برت کر انہیں پھیلنے پھولنے کا موقع فراہم کرتی رہیں۔ خود بغداد کے قصرِ خلافت میں شیعہ امراء و وزراء کا بڑا اثر و رسوخ تھا اور شیعہ سنی منافرت عوام سے نکل کر حکومتی اداروں تک میں سرایت کر چکی تھی۔ ③

ادھر قزوین کے قریب قلعة الموت میں حسن بن صباح کا مرکز پورے عالم اسلام میں گمراہی کی نئی لہریں پیدا

کر رہا تھا۔ اُدھر جاہل صوفیوں اور درویشوں کا گروہ جو دراصل مذکورہ فاسد اثرات کی پیداوار تھا، سیدھے سادھے مسلمان عوام کے ایک بڑے طبقے کے ذہنوں پر چھا چکا تھا۔ یہ راہ زن وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود جیسے نازک مسائل میں پڑ کر دین حق اور توحید سے برگشتہ ہو چکے تھے۔ ناچ گانا، موسیقی، امار کی صحبت، شراب اور افیون جیسی حرام چیزیں ان کے ”مذہب“ اور ”سلوک“ کا جزء تھیں۔

قبروں اور مزاروں کو مبالغے کی حد تک تقدس کا لبادہ پہنا کر وہاں بدعات و شرک کے اڈے قائم کر لیے گئے تھے۔ ناسمجھ لوگ اپنی حاجات پوری کرانے کے لیے مساجد کی بجائے مقابر کا رخ کرنے لگے تھے۔ جاہل عوام نماز میں رب العالمین کے آگے سر جھکانے کی بجائے مزاروں پر رکوع و سجود کرنے کے عادی بننے جا رہے تھے۔ غرضیکہ مادہ پرستی کی زد میں آ کر گمراہ ہونے والے مسلم عوام کی مذہبی بدحالی میں جو کسر رہ گئی تھی وہ ان ایمان گمشدہ جھٹکنڈوں نے پوری کر دی۔ ایسی حالت میں کسی ایسے صدمے کا وقوع سنت اللہ کے عین مطابق تھا، جو عامۃ المسلمین کو حد درجے متاثر کر کے انہیں توبہ و انابت الی اللہ پر آمادہ کر دے۔

**5** باہمی انتشار ..... ساتویں صدی ہجری شروع ہوئی تو عالم اسلام لامرکزیت کے نقطہ انتہاء پر تھا، خانہ جنگی عروج پر تھی، اس صدی ہجری کا سورج ہر روز اس قوم کی بے حسی اور عاقبت ناشناسی کا ایک نیا منظر دکھاتا تھا۔ وسط ایشیا کے شاداب علاقے میں غوری حکمرانوں اور خوارزم شاہ کے مابین خون ریز معرکے، خونِ مسلم کی ارزانی کا ایک نیا باب رقم کر رہے تھے۔ سرزمین حجاز میں قادیسی اور سالم جسنی نامی دو امراء اقتدار کی خاطر باہم دست و گریباں تھا۔ شام اور مصر کے جن علاقوں کو صلاح الدین ایوبی کے پرچم تلے جمع ہونے والے مجاہدین نے سر توڑ کاوشوں سے بازیاب کرایا تھا، طوائف الملوک کی نحوست سے وہاں ایک بار پھر صلیبی جنگجوؤں کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔ الملک العادل اور الملک الافضل کی باہم رسہ کشی نے مصر اور شام کی چولیں ہلا دیں تھیں۔ اس سے قبل وسط ایشیا میں علاء الدین تکتش اور سلطان شاہ کی بیس سالہ جنگی میں امت کا بہترین افرادی سرمایہ ضائع ہو چکا تھا۔

ہر طرف سیاسی کھینچا تانیوں، خاندانی رقابتوں، اور افراتفری کا دور دورہ تھا، ہر سمت اخلاقی و مذہبی انحطاط کا راج تھا۔ بے شعوری اور بے بصیرتی روز افزوں تھی۔ خلافت بغداد عالم اسلام کی سرپرستی کی بجائے اسلامی حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ کے لیے سازشی منصوبے بننے کا مرکز بن چکی تھی۔ من جانب اللہ اس تنزل و انحطاط پر تنبیہات طرح طرح کے حوادث سماویہ کی شکل میں سامنے آ چکی تھیں۔

ایک اٹل حقیقت ..... یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جب دنیا کا بڑھتا ہوا مرض، فریضۂ جہاد سے کوتاہی، دعوت الی اللہ سے بے التفاتی، باہمی انتشار، اور عقائد و نظریات میں شدید رخنہ ..... یہ امور ایسے تھے جن کی بناء پر بہت پہلے سے عالم اسلام کی محیط و ہمہ گیر حادثے کی زد میں آ سکتا تھا۔ یہ تمام آثار و علامات پانچویں صدی ہجری ہی میں پورے طور پر ظاہر ہو چکے تھے، اس وقت بیت المقدس پر صلیبیوں کا قبضہ اور عالم اسلام کی بیسیوں حکومتوں کی مجرمانہ غفلت کو دیکھ کر یہ کہا جاسکتا تھا کہ جس مصیبت عظمیٰ کے قرائن دکھائی دے رہے تھے وہ صلیبیوں کی صورت میں نازل ہو چکی ہے۔ مگر رحمت الہی نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی شمشیر کو فاروقی کاٹ بخش کر امت مسلمہ کی اس غلطی کا کفارہ ادا کرنے کے لیے مستعد کر دیا۔ چاہیے تھا کہ امت مسلمہ اس واقعہ سے درس عبرت حاصل کرتی، عوام و خواص غازی سلطان صلاح

الدین کے دکھائے ہوئے راستے کو اپنی منزل مقصود تک رسائی کا ضامن سمجھتے، مگر افسوس کہ ملت نے اس موقع سے بھی فائدہ نہ اٹھایا اور اجتماعی خطرات سے نمٹنے کے لیے عمومی بیداری کا خواب شرمندہ تعمیر نہ ہوسکا۔

صلیبی جنگوں سے قبل بھی ان تین چار صدیوں میں عالم اسلام کئی بار سخت ابتلاء و آزمائش کے دور سے گزرا، اور حادثہ زمانہ نے کئی مرتبہ مسلم خوابیدہ کو جگایا مگر ہر وقتی بیداری کے بعد اس کی آئندہ نیند سابقہ خوابیدگی سے زیادہ گہری اور طویل ثابت ہوئی۔ دنیاۓ اسلام کے مختلف گوشوں کو قافو قنابار ہا جھنجھوڑا گیا، حکم خداوندی نے انہیں بار بار اصلاح حال کا موقع دیا مگر معلوم ہوتا تھا کہ ایک ہمہ گیر صدمہ برداشت کیے بغیر ان عاقبت نااندیشیوں کی اجتماعی و عمومی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ وقت کا مؤرخ قلم تھا سے بے چینی سے منتظر تھا کہ خدائی تازیانے کی ضرب کب اور کس انداز سے پڑنے والی ہے؟ بصیرت مندان قوم محسوس کر رہے تھے کہ اب کوئی خونین حادثہ کبریٰ پیش آنے والا ہے جس کے لیے یہ موجودہ نقشے تمہید کا کام دے رہے ہیں۔ گویا کے گمنام دشت میں وہ پراسرار سرکش قوت پرورش پا چکی تھی جو عنقریب صاعقہ آسمانی بن کر عالم اسلام پر ٹوٹنے والی تھی۔ تاہم اس سے قبل مشیت ایزدی نے آخری تنبیہ کے طور پر مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگانے کے لیے آسمانی حوادث اور قدرتی آفات کا ایک ایسا لگاتار سلسلہ شروع کیا جس کی مثال گذشتہ صدیوں میں نہیں ملتی تھی۔ بے درپے آندھیاں، طوفان اور دیگر بلائیں یوں امنڈ آئیں جیسے پرمشک کامنہ کھول دینے سے پانی کا دھارا بہہ پڑتا ہے۔

غیبی آفات ..... ذیل میں ان حوادث میں سے بطور نمونہ چند واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ یہ غیبی آفات دنیا میں رونما ہونے والے کسی عظیم انقلاب کا پیش خیمہ تھیں۔

1..... ۵۹۲ھ (۱۱۹۶ء) میں ہولناک سیاہ آندھی نے سرزمین عراق کو اپنی لیٹ میں لے لیا۔ اس کے ساتھ سُرخ ریت کا طوفان تھا جو ہر شے پر چھا رہا تھا۔ گرد و غبار کے باعث سورج چھپ گیا اور دن کے وقت شب تاریک کا راج ہو گیا۔ لوگ دن میں چراغ جلا کر اپنی ضروریات پوری کر رہے تھے۔

2..... ۵۹۳ھ (۱۱۹۷ء) ۹ جمادی الاولیٰ جمعہ کی رات کو تند و تیز اندھیری طوفانی ہواؤں نے قیامت مچادی، ستاروں کی چمک دک ٹگا ہوں سے اوجھل ہو گئی، زمین تا آسمان گرد و غبار چھا گیا۔ ہوا کی شدت سے دیواریں لرز رہی تھیں۔ قاضی فاضل رحمہ اللہ کے الفاظ میں ”یوں معلوم ہوتا تھا کہ جہنم کی ایک وادی بہہ پڑی ہے۔“ بچے، مرد اور عورتیں گھروں سے نکل کر بھاگ رہے تھے اور مسجدوں میں پناہ لے کر توبہ و انابت کے الفاظ کے ساتھ فریادیں بلند کر رہے تھے۔ اس طوفان نے سمندر میں بحری سفینوں کو غرق کر دیا۔ درختوں کو اکھاڑ پھینکا اور ایک بڑی تعداد میں انسانوں کو ہلاک کر دیا۔

3..... ۵۹۷ھ (۱۲۰۱ء) مصر میں شدید قحط پڑا۔ عوام بھوکوں مرنے لگے۔ غذا کے فقدان کے باعث لوگ مردار جانور اور انسانوں کی لاشیں تک ہڑپ کر گئے۔ پھر ایسا وقت بھی آیا کہ لوگ موقع پا کر زندہ آدمی کو ذبح کر دیتے اور لاش پر بھوکے درندوں کی طرح ٹوٹ پڑتے۔ شاہ مصر الملک العادل کو صرف ایک ماہ میں ایسے دولاکھ بیس ہزار افراد کا کفن اپنے خرچے پر تیار کرانا پڑا جو کہ قحط سے ہلاک ہوئے۔

4..... اسی سال حجاز اور یمن کے درمیان عنزہ کے علاقے میں ایک دباء پھیل گئی۔ اٹھارہ بستیاں اس طرح ویران

ہو گئیں کہ ایک شخص بھی زندہ نہ بچ سکا۔

5..... یمن میں عبداللہ بن حمزہ نامی ایک سردار کے بارہ ہزار سواروں اور بے شمار پیادوں پر مشتمل لشکر پر آسمانی بجلی گر پڑی۔ اس خداوندی عذاب سے اس کے چند میوں کے سوا کوئی نہ بچ پایا۔

6..... اسی سال شام، جزیرہ، عراق اور روم میں بھی ایک زلزلہ آیا۔ اس کا زیادہ زور شام میں تھا۔ بے شمار مکانات منہدم ہو گئے۔ بصری میں ایک بستی زمین میں دھنس گئی۔ شام کے ساحلی علاقے نیز طرابلس، صور، عکا اور نابلس بھی بری طرح متاثر ہوئے۔ صرف نابلس میں ہلاک شدگان تیس ہزار سے کم نہ تھے۔ بعلبک کا مستحکم قلعہ اس ہولناک زلزلے کے دھچکوں سے پارہ پارہ ہو گیا۔ لوگوں نے بستیوں سے نکل کر میدانوں میں پناہ لی۔ مراۃ الزمان کے مصنف کے مطابق گیارہ لاکھ انسان اس قہر خداوندی کی زد میں آ کر ہلاک ہوئے۔

7..... ۵۹۹ھ (۱۲۰۲ء) ماہ محرم کے آخری ہفتے کی شب آسمان پر ایک نہایت عجیب منظر دکھائی دیا۔ آسمان کے سینے پر جگمگ جگمگ کرتے ہوئے ستارے یکا یک منتشر ٹڈیوں کی مانند پھیل پڑے، وہ مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کی طرف دائیں بائیں یوں اڑ رہے تھے جیسے وہ پتنگوں کے غول ہوں۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ اس سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بھی آسمان پر ایسا ہی عجیب و غریب منظر دکھائی دیا تھا۔

8..... ۶۰۰ھ میں مصر، شام، الجزیرہ اور قبرص سمیت کئی ملکوں میں شدید زلزلہ آیا۔<sup>⑤</sup>

9..... ۶۰۵ھ (۱۲۰۸ء) میں نیشاپور میں ہولناک زلزلے نے تباہی مچادی۔ ابھی اس حادثے کو چار برس بھی نہیں گزرے تھے اور سابقہ نقصانات کی تلافی بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ ۶۰۹ھ (۱۲۱۲ء) میں دوبارہ زلزلہ آیا اور نیشاپور کا بڑا حصہ کھنڈر بن گیا۔<sup>①</sup> ہزاروں نفوس فنا ہو گئے اور لاکھوں بے گھر ہو گئے۔ کھنڈرات سے دور از سر نو شہر تعمیر کرا کے ان کو بسایا گیا۔

زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، آلام ہیں کیسی کیسی دخترانِ مادرِ ایام ہیں

## حواشی و حوالہ جات

- ① اکمل فی التاریخ لابن اثیر ج ۷ ص ۶۲۱..... ابن خلدون ج ۳ ص ۵۳۵ (المکتبۃ الشاملۃ)
- ② حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمہ اللہ سے بے پناہ عقیدت کے باعث راقم کی بڑی تمنا تھی کہ یہ محنت عالم اسلام کے اس عظیم دانشور کی نگاہ سے گزر جائے اور ان کے بصیرت افروز تبصرے سے اس کتاب کو سجایا جائے مگر وحسرت! اس کتاب پر کام کے دوران ہی حضرت مولانا ۲۳ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ (۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء) کو دنیا سے رخصت ہو گئے، اور میری یہ آرزو حسرت بن کر رہ گئی۔ (مؤلف)

③ تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۳۱۲ ④ دیکھئے البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۱۶، ص ۱۱۷۔

⑤ ان تمام حوادث کا تذکرہ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۶ تا ص ۴۵ پر ہے۔ ⑥ تاریخ گزیدہ ج ۱، ص ۴۹۴

## خونفک پیش گوئیاں اور تاتاری یلغار کے اسباب

كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہے۔  
 مجدد الدین کا خون بہا یہ زرو جواہر نہیں بلکہ اس کا خون بہا تیری پوری سلطنت اور خود تیرا سر ہے۔ اور میرا سر بھی قلم ہوگا اور بے شمار بندگان خدا کے سر قلم ہونے والے ہیں۔“ (شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ)  
 جب مسلمان حوادث کے ان پے در پے دھچکوں سے بھی بیدار نہ ہوئے تو دستِ قدرت نے ظاہری اسباب کی اس زنجیر کو جھکا دیا جس کے آخری سرے پر تباہی و بربادی کے مہیب شعلے رقص کر رہے تھے۔  
 ۶۱۳ھ (۱۲۱۶ء) کے بعد چند عظیم واقعات یوں لگاتار پیش آئے جیسے وہ ایک ہی کہانی کی سلسلہ وار کڑیاں ہوں۔ ان کڑیوں کے جوڑ سے ظاہری اسباب کے لحاظ سے وہ عبرتناک تباہی سر پر آ پہنچی جس کی طرف رموزِ فطرت ایک عرصے سے اشارہ کناں تھے۔

اگلے صفحات میں ان واقعات کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے، مگر انہیں پڑھتے ہوئے یہ نہ بھولیے گا کہ حق تعالیٰ شانہ کے انصاف سے یہ بعید ہے کہ وہ صرف ایک حکمران کی لغزش یا جرائم کے بدلے پوری قوم کو برباد کر دے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد خوارزم شاہ کی کوتاہیاں اور اس کی کمزوریاں اس عظیم حادثے کے رونما ہونے کا اہم سبب تھیں۔ اسی طرح تاتاریوں کی بے پناہ فوجی قوت، خوارزمی مسلمانوں کی بیرونی اعانت سے محرومی اور خلیفہ بغداد کی مجرمانہ سرگرمیوں کو بھی اپنی اپنی جگہ اس کے اہم اسباب قرار دیا جاسکتا ہے، مگر یاد رکھئے! یہ سب فوری اسباب کا درجہ رکھتے تھے۔ اس کی اصل وجوہات تو بہت پہلے سے پیدا ہو چکی تھیں۔ یہ وہ عمومی جرائم تھے جن کے ہوتے ہوئے قدرتِ خداوندی کسی قوم کو معاف نہیں کرتی۔

اہل اللہ کی پیش گوئیاں اور غیبی اشارے ..... اس باب میں آپ کو ان حیرت انگیز واقعات اور ظاہری اسباب کا تسلسل ملے گا جو عالم اسلام پر تاتاری یورش کی تمہید اور بنیاد بنے۔ مگر اسباب کی ان کڑیوں پر نظر ڈالنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس قیامت خیز طوفان کے بارے میں وارد شدہ ان غیبی اشارات، اور اہل اللہ کی ان الہامی پیش گوئیوں کا ایک نمونہ بھی قارئین کے سامنے پیش کر دیا جائے جو ان دنوں حیران کن طور پر ظاہر ہو کر مسلمانوں کو مستقبل کی پیش بندیوں کی طرف متوجہ کر رہی تھیں۔

شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کی پیش گوئی ..... شیخ نجم الدین کبریٰ خوارزم کی مشہور و معروف بزرگ ہستی تھے۔ صوفیا نے کرام میں آپ کا مقام اور رتبہ بہت بلند تھا۔ آپ کے تربیت یافتہ افراد اصلاح و تقویٰ، مجاہدہ و ریاضت اور صفائے ظاہر و باطن میں اپنے عہد کے آفتابِ معرفت اور ماہتابِ ہدایت تھے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، شیخ باخرزی رحمہ



اللہ اور بہاؤ الدین ولد رحمہ اللہ جیسے ستارے آپ کے دامن میں تھے۔ آپ کے خلفاء میں شیخ محمد الدین بڑا پُر تاثیر و عظمٰی کہا کرتے تھے۔ خوارزمی دار الحکومت اور گنج میں ان کی مجلس و عظمٰی عرفان و ایقان کا سرچشمہ تھی۔ لوگ دور دور سے اس مجلس میں شریک ہو کر اپنے گناہوں سے توبہ کرتے اور اپنے نفس کی اصلاح کرتے۔

سلطان علاؤ الدین محمد کی والدہ ملکہ ترکان خاتون بھی اس مجلس میں شریک ہوتی تھی اور اسے شیخ محمد الدین سے بڑی عقیدت ہو چکی تھی۔ کسی بد فطرت نے سلطان سے یہ شکایت کی کہ آپ کی والدہ کا شیخ محمد الدین کے ہاں بکثرت آنا جانا خدشے سے خالی نہیں، شاید شیخ محمد الدین آپ کی والدہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ سلطان اس بہتان پر یقین کر بیٹھا اور مشتعل ہو کر شیخ محمد الدین کو دریا میں غرق کرنے کا حکم دے دیا۔ انتہائی طیش میں جاری کردہ اس حکم پر فوری عمل درآمد ہوا اور شیخ محمد الدین کو دریا برد کر دیا گیا۔

چند ساعت بعد جب سلطان کا غصہ فرو ہوا تو اپنی جلد بازی پر بڑا پشیمان ہوا، اسی وقت ایک طباق جو اہرات سے پُر کر کے اس پر تلوار اور کفن رکھ کر شیخ نجم الدین کبریٰ کی خانقاہ میں حاضر ہوا اور درخواست کی: ”یا تو خون بہا میں یہ دولت قبول کر کے میرے جرمِ عظیم سے درگزر کریں یا یہ تلوار لے کر میرا سر قصاص میں قلم کر دیں۔“

شیخ نجم الدین کبریٰ نے جلال میں آ کر جواب دیا:

”كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا“ یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہے

محمد الدین کا خون بہا یہ زرو جو اہر نہیں بلکہ اس کا خون بہا تیری پوری سلطنت اور خود تیرا سر ہے۔ یہی نہیں بلکہ میرا سر بھی قلم ہو گا اور بے شمار بندگان خدا کے سر قلم ہونے والے ہیں۔“ ①

تاریخ بتاتی ہے کہ تاری جملے کی جانب اشارہ کنایہ ان الہامی الفاظ پر مشتمل یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ (اس موقع پر ہمیں اپنے ملک میں جامعہ حفصہ کی معصوم طالبات کے بہیمانہ قتل عام اور اس سے قبل و بعد بڑے بڑے علماء و مشائخ کی شہادتوں پر نگاہ ڈال لینی چاہیے کہ یہ جرائم شیخ محمد الدین کے قتل سے کم تو نہیں، وہاں تو خوارزم شاہ پشیمان ہوا تھا اور خون بہا ادا کرنے کو تیار تھا، جبکہ یہاں مظالم پر فخر یا معنی خیز خاموشی ہے اور مجرموں کے خلاف فریاد کے لیے انصاف کا کوئی دروازہ نہیں۔)

سید مرتضیٰ شاد یا خانی کا ارشاد..... شاد یاخ کے بزرگ سید مرتضیٰ کا قول گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ انہوں نے ترکان خطا کی شکست کے بعد فرمایا تھا:

”ہماری سلامتی کے لیے ترکان خطا کا وجود ضروری تھا یہ سخت جان قوم ہمارے اور منگولیا کے درندوں کے درمیان حائل رہی ہے۔ اب اس دیوار کے ٹوٹنے کے بعد منگولیا کے جنگجوؤں کا طوفان غنقریب ہم پر اُمڈ آئے گا۔“ ②

چنانچہ کچھ ہی عرصے بعد جب چنگیز خان کی قیادت میں منگولیا کے شکاری غول درغول عالم اسلام پر جھپٹے تو تھیل بیکال سے لے کر دریائے سیحون تک کوئی فرد ان کے راستے میں آڑے آنے والا نہ تھا۔

پرندوں کی پکار..... شمس الدین جزری (م ۷۳۹ھ) نے اپنی تاریخ میں ایک تاجر کا چشم دید واقعہ تحریر کیا ہے جو بڑا ہی عجیب اور حیرت ناک ہے۔ اس تاجر نے کہا:

”جب کبھی میں عجم کا سفر کرتا تو جزیرہ کا حاکم میرے ہاتھ، سلطان محمد خوارزم شاہ کے لیے بہت سے تحائف بھجوا

دیتا تھا۔ ایک بار میں سلطان محمد خوارزم شاہ کے لشکر میں تھا، اس دن لشکر کے سواروں کی تعداد چھ لاکھ تھی اور تقریباً اتنے ہی سپاہی ان کے علاوہ تھے۔ اور یہ لشکر سمندر کی لہروں کی طرح موجیں مارتا جا رہا تھا، ایک رات لشکر نے حسب معمول پڑاؤ ڈالا، اچانک رات کو دھشتناک تاریکی میں ایک عجیب اور پراسرار آواز گونجنے لگی:

يَا كَفَرَةَ! اقْتُلُوا الْفَجْرَةَ (اے کافرو! گناہ گاروں کو قتل کر دو۔)

لوگوں نے پکارنے والے کو تلاش کیا مگر کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہاں کچھ پرندے تھے جو مسلسل فضا میں منڈلا رہے تھے۔ ان کا ایسے وقت میں منڈلانا بھی ایک عجیب بات تھی۔

اگلی رات کو لوگوں نے پھر یہی پکار سنی اور وہ پرندے اس طرح منڈلاتے ہوئے نظر آئے۔ اور پھر تیسری رات کو بھی یہی قصہ پیش آیا جس سے یقین ہو گیا کہ یہ پرندوں ہی کی پکار ہے۔ (۵) اس محیر العقول اعلان سے لوگ خوفزدہ ہو گئے اور انہیں محسوس ہونے لگا کہ عنقریب کوئی غیر معمولی حادثہ پیش آنے والا ہے۔ چنانچہ آئندہ چند سالوں میں یہ خدشہ حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔

تاتاری یلغار کے اسباب، پہلی کڑی..... خوارزم شاہ اور خلیفہ بغداد کی ناچاقی..... خلیفہ بغداد کے ساتھ خوارزمی حکمرانوں کے تعلقات سلطان نکش کے زمانے میں بھی کچھ خوشگوار نہ رہے تھے، پھر بھی جب علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کا سمندر اقبال اوج ثریا پر پہنچا تو خلیفہ ناصر کو بغداد کے دروازوں پر ایک جنگجو مطلق العنان فرماں روا کی موجودگی سخت ناگوار محسوس ہونے لگی۔ بہت خوب ہوتا کہ بغداد اور خوارزم کی حکومتیں اس موقع پر باہمی تعلقات کو بہتر بنانے کی سعی کرتیں اور عالم اسلام کے داخلی اتحاد، اپنی رعایا کی فلاح و بہبود، اندرونی دین دشمن قوتوں کی سرکوبی اور بیرونی کفریہ طاقتوں سے جہاد جیسے مفید امور پر اپنی توجہ مرکوز کرتیں۔ لیکن صد افسوس کہ دونوں جانب کے حکمران طبقے نے اس نازک زمانے میں منافرت کی آگ دھکانے کے لیے مزید اندھن فراہم کیا۔ حتیٰ کہ یہ دونوں عظیم حکومتیں جو اپنی قوت و شوکت اور بے پناہ وسائل کے لحاظ سے تمام عالم میں اسلامی فتوحات کی دھاک بٹھا سکتی تھیں، ایک دوسرے کی بدترین دشمن بن گئیں۔ اور دن رات ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے سرگرم رہنے لگیں۔

اس کشاکش کی ابتدا علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی تخت نشینی کے ساتھ ہی ہو گئی تھی، دراصل ہر نئے خود مختار حکمران کی تخت نشینی کے موقع پر دربار خلافت سے اسے پروانہ حکومت اور خلعت عطا ہوتی تھی۔ خلیفہ کی طرف سے چھوٹے چھوٹے صوبوں کے خود مختار حاکموں کو یہ پروانہ اور خلعت عطا کر دی جاتی تھی، لیکن خوارزم شاہ سے اپنی دلی رنجش کی بناء پر خلیفہ نے اسے اس عزت افزائی سے محروم رکھا تھا حالانکہ وہ عالم اسلام کی عظیم ترین حکومت کا مالک تھا۔ ظاہر ہے یہ کھلی بے انصافی تھی۔

کچھ مدت بعد جب خوارزم شاہ نے غوری حکمرانوں کو شکست دے کر ان کے ملک پر قبضہ کیا تو ان کے ریکارڈ سے خلیفہ کے بعض ایسے خطوط بھی برآمد ہوئے جن میں سلاطین غور کو خوارزم پر حملہ کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔ اس سے خوارزم شاہ کا مزاج مزید برہم ہو گیا، تاہم وہ وقت کا منتظر رہا، آخر جب اسے مشرق و مغرب میں حیرت انگیز فتوحات حاصل ہوئیں تو اس نے بغداد کو قدموں پر جھکانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے خلیفہ سے اس مرتبے اور اعزاز کا مطالبہ کیا جو اس سے قبل عظیم سلاطین حکمرانوں کو حاصل تھا، کہ وہ گزشتہ صدی میں خلیفہ کے محافظ، سرپرست اور بغداد کے منتظم شمار

ہوتے تھے اور جمعے کے خطبے میں خلیفہ کے ساتھ ان کا نام بھی لیا جاتا تھا، اب چونکہ ان کی جاگیر علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے لے لی تھی لہٰذا وہ ان کے جملہ اعزازات کو اپنا حق تصور کر رہا تھا اور اس بہانے بغداد پر سیاسی بالادستی کا خواہاں تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ۶۱۲ھ میں قاضی مجیر الدین عمر بن سعد الخوارزمی کو سفیر بنا کر بغداد بھیجا مگر کوشش ناکام رہی، خلیفہ اپنی خود مختاری کو گوانا کیسے پسند کر سکتا تھا، اس نے خوارزم شاہ کو اس کے حسب دل خواہ مقام دینے سے انکار کر دیا۔ خلیفہ کا جواب تھا:

”حکومتوں کے الٹ پھیر اور حالات کی گردش نے ہمارے آباء کو مجبور کیا تھا کہ وہ سلجوقی سلطنت کے بانی طغرل سے مدد لیں اور اس کے ماتحت رہیں، مگر اب زمانہ گزرنے کے بعد یہ مناسب نہیں کہ خلافت بغداد کے کاندھوں پر ایک باہر کا حکمران مسلط رہے اور جو چاہے فیصلے کرتا رہے، اس کے علاوہ خوارزم شاہ کو اللہ تعالیٰ نے جو وسیع سلطنت عطا کی ہے اس کے ہوتے ہوئے اسے بغداد کو ماتحت رکھنے کی سرے سے کوئی ضرورت نہیں۔“

خلیفہ کا موقف اگرچہ بر محل تھا، بہر حال اس سے خوارزم شاہ کو بڑا صدمہ ہوا۔ اس نے قاضی القضاۃ مجیر الدین عمر بن سعد خوارزمی کو متعدد بار بغداد بھیج کر یہ مطالبہ دہرایا مگر بے سود۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کی آمد..... جب قاضی مجیر الدین آخری دورے سے واپس ہونے لگے تو خلیفہ نے عالم اسلام کے نامور بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ (بانی سلسلہ سہروردیہ) کو جو کہ بغداد میں سکونت پذیر تھے اپنا سفیر بنا کر قاضی صاحب کی معیت میں خوارزم روانہ کر دیا تاکہ وہ خوارزم شاہ کو سمجھائیں، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ جیسی عظیم المرتبت، ہستی خوارزم شاہ کے ہاں بھی محترم تھی، اس لئے امید کی جاسکتی تھی کہ خوارزم شاہ مثبت غور و فکر پر آمادہ ہو جائے گا۔

شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رحمہ اللہ کے فیض یافتہ اور شیخ سعدی شیرازیؒ اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ جیسے ممتاز مشائخ کے مصلح و مربی تھے، عرب و عجم کے لوگ انہیں روحانی پیشوا مانتے تھے، ان کا چہرہ یاد الہی کے انوارات سے روشن اور دل امت مسلمہ کی خیر خواہی سے لبریز تھا، اپنے مشرب کے لحاظ سے وہ ایک متوکل و مستغنی مرد قلندر تھے۔ ان کی نگاہ میں خوارزم اور بغداد کے مفادات یکساں تھے۔ اس وقت وہ فقط ایسا تنازعہ ختم کرنے کی غرض سے تشریف لائے تھے جو فریقین کے لئے یکساں مضر تھی۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ خوارزم شاہ کے پڑاؤ میں پہنچے تو اسے اپنے انتظار میں باہر کھڑا پایا، شاہ نے بڑی گرم جوشی اور تواضع و انکساری سے ان کا استقبال کیا۔<sup>⑤</sup>

ملاقات کا وقت ہوا تو شیخ کو خوارزم شاہ کے خیے کی جانب لے جایا گیا، شیخ کا بیان ہے:

”یہ ایک عظیم الشان خیمہ تھا۔ اس کی دہلیز ایسی تھی کہ اس کی نظیر میں نے دنیا بھر میں کہیں نہیں دیکھی، اس کی چادر اطلس کی اور رسیاں ریشم کی تھیں، دہلیز میں اصفہان، ہمدان اور رے وغیرہ کے حکام عجم اپنی نشستوں پر بیٹھے تھے۔ ہم اس سے متصل ایک دوسرے خیے میں گئے، یہاں ماوراء النہر کے حکام بیٹھے تھے، اس کے بعد ہم خوارزم شاہ سے ملے۔“<sup>⑥</sup>

علیک سلیک کے بعد شیخ نے عربی زبان میں گفتگو کا آغاز کیا اور کہا:

”خلافت مآب کے سفیر کا طریقہ ہے کہ خلیفہ کا پیغام پہنچانے سے قبل حدیث نبوی بیان کرتا ہے۔“  
خوارزم شاہ نے نہ صرف حدیث بیان کرنے کی اجازت دی بلکہ ادب کے طور پر تخت سے نیچے اتر کر فرش پر  
دورانو بیٹھ گیا۔

اب شیخ رحمہ اللہ نے ایک حدیث بیان کی جس سے بنو عباس کو ستانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ پھر ایک  
مفصل تقریر کی جو منصب خلافت کی اہمیت، بنو عباس کی عظمت، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قرابت، حضور  
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کی توقیر اور موقع کے لحاظ سے دیگر کئی پہلوؤں کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔ شیخ نے  
بنو عباس کی ان خدمات کا ذکر بھی کیا جو کئی صدیوں سے وہ ملت اسلامیہ کی صلاح و فلاح کے لئے انجام دیتے چلے آئے  
تھے۔۔ خوارزم شاہ بڑے باادب انداز سے شیخ کا کلام سنتا رہا۔ جب شیخ نے بنو عباس کی ایذا رسانی سے باز رہنے کے  
متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بیان فرمائے، تو اس موقع پر خوارزم شاہ نے مؤدبانہ انداز میں کہا:  
”حضرت! میں ایک ترک باشندہ ہوں پھر بھی عربی میں آپ کے ارشادات بڑی حد تک سمجھ رہا ہوں۔ شیخ  
! حاشا للہ، میں نے تو بنو عباس کے کسی فرد کو کبھی کوئی ایذا نہیں دی۔ بلکہ اس کے برعکس باوثوق ذرائع سے ہمیں یہ خبر ملی  
ہے کہ خلیفہ ناصر نے بنو عباس کے معززین کی ایک جماعت کو قید کر رکھا ہے اور یہ حضرات مدت سے طرح طرح کی  
تکالیف میں مبتلا ہیں، ان کی تسلیں حالت قید و بند میں پیدا ہو رہی ہیں۔ زیادہ مفید ہوگا کہ خلیفہ ناصر آپ کے یہ  
ارشادات سماعت فرمائیں۔“

شیخ نے فرمایا: ”خلیفۃ المسلمین کو منصب خلافت اسی لئے تفویض کیا گیا ہے کہ وہ اصلاح معاشرہ کی خدمت  
انجام دیں لہذا جب وہ کسی کو اصلاح کی غرض سے قید و بند کی سزا دیتے ہیں تو اپنا فرض منصبی پورا کرتے ہیں۔ اس لئے  
ان پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔“ اس کے بعد شیخ نے خلیفہ کی خوبیاں اور اوصاف تفصیل سے بیان کئے۔

خوارزم شاہ نے کہا: ”آپ نے جن خصائل کا ابھی تذکرہ کیا، میں تسلیم کرتا ہوں کہ خلیفہ میں یہی خصائل ہونے  
چاہیں۔ مگر یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ خلیفہ ناصر ان سے بالکل خالی ہے۔ چنانچہ مجبوراً میں نے خلیفہ ناصر کو  
معزول کر کے اس کی جگہ ایک ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو ان صفات سے بدرجہ اتم آراستہ ہے۔ میں نے سید علاء  
الملک ترمذی کو خلیفہ منتخب کیا ہے۔ میرے نزدیک علوی حضرات بنو عباس کی بہ نسبت خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔“

اگرچہ خوارزم شاہ نے شیخ کے ظاہری اکرام میں کوئی کمی نہ کی، لیکن جس مقصد کے لئے شیخ اتنا طویل سفر کر کے  
آئے تھے وہ پورا نہ ہو سکا۔ گفت و شنید لا حاصل رہی، خوارزم شاہ اپنی ضد کا پکا تھا، مصالحت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔<sup>①</sup>

اس واقعے سے خلیفہ کو خوارزم شاہ کے تیوروں کا اندازہ ہو گیا لہذا اس نے خوارزم شاہ کے خلاف سازشوں کا جال  
پھیلانے کا کام تیز کر دیا اور اس سے فوری نجات کے لئے حسن بن صباح کی بدنام زمانہ جماعت کا تعاون حاصل کر لیا،  
چونکہ سلطان نکش، اور علاؤ الدین محمد نے فدائیوں کی طاقت کو کچلنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اس لئے فدائی پہلے ہی  
خوارزمی حکومت سے نفرت کرتے تھے۔ خلیفہ ناصر نے ان دونوں طاقتوں کی باہمی نفرت سے خوب فائدہ اٹھایا اور  
باطلیوں کے امام جلال الدین حسن سے جو قلعہ الموت کا نیا حاکم تھا تعلقات خوب پختہ کر لیے۔ باطنی اپنے لمحہ انداز عقاید کی  
وجہ سے تمام فقہاء کے نزدیک خارج از اسلام تھے مگر جلال الدین حسن نے عام مسلمانوں کے عقیدے مطابق اسلام

قبول کرنے کا اعلان کر دیا تھا ④ اس کی توثیق کے لئے اس نے اپنی والدہ کو ایک قافلے کے ہمراہ حج کے لئے بھیجا۔ جب تمام دنیا اسلام کے قافلے سر زمین حجاز میں جمع ہوئے تو خلیفہ ناصر کی ہدایت پر جلال الدین حسن کا جھنڈا خوارزم شاہی پرچم سے آگے رکھا گیا۔ ممکن ہے کہ خلیفہ کے اس حکم کا مقصد محض ایک نو مسلم حاکم کی دلجوئی کرنا ہو، مگر خوارزم شاہ خلیفہ کے ہر اقدام کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگا تھا، لہذا جب خوارزمی حجاج کے قافلہ سالار نے حج سے واپسی پر سلطان کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو اس نے یہی گمان کیا کہ خلیفہ نے خوارزمی پرچم کی ہتک کی ہے۔ خلیفہ نے باطنی امام کا اعتماد حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے کچھ فدائی طلب کر لیے تھے۔ جلال الدین حسن نے یہ فدائی بھیجتے ہوئے یقین دلایا تھا کہ آپ کے اشارے پر جان دے دیں گے۔ خلیفہ نے انہیں سلطان علاؤ الدین محمد کے امیر اتابک انغلمش پر حملے کا ہدف دیا، یہ امیر سلطان علاؤ الدین کے نائب کے طور پر عراق کے نو مفتوحہ علاقوں کا حاکم تھا۔

فدائیوں نے اسے اس وقت نشانہ بنایا جب وہ حجاج کرام کے ایک قافلے کے استقبال کے لیے نکلا، اس موقع پر حاجیوں کے لباس میں ملبوس فدائی خنجر برداروں نے اچانک حملہ کر کے اسے شہید کر دیا، اس کی موت سے عراق کے کئی اضلاع خوارزمی عملداری سے نکل گئے اور انہیں واپس لینے کے لیے خوارزم شاہ کو دوبارہ مہم جوئی کرنا پڑی۔ اگلا شکار خود سلطان علاؤ الدین محمد تھا، اس پر بھی حملہ کرنے کی کوشش کی گئی، مگر حق تعالیٰ کو خوارزم شاہ کی زندگی منظور تھی لہذا وار خالی گیا، نیز سازش کی تفصیلات بھی عیاں ہو گئیں، خوارزم شاہ کو خلیفہ کے اس بزدلانہ اقدام پر بے حد غصہ آیا مگر منصب خلافت کے تقدس کا لحاظ کر کے کسی فوری اقدام سے باز رہا۔ ⑤

ابوالمظفر سبط ابن جوزی نے مرآۃ الزمان میں خلافت بغداد کے ایماء پر سلطان علاؤ الدین کے خلاف بغاوت برپا کرنے کی ایک اور کارروائی کا ذکر بھی کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

”جب سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے ہمدان میں پڑاؤ ڈالا تو خلیفہ کے نائب وزیر مؤید الدین محمد ابن قتی نے خوارزم شاہ کے بعض عساکر سے خفیہ طور مر اسلت کی اور انہیں لالچ دیتے ہوئے ان سے شہروں کی حکومت کا وعدہ کیا پس ان خوارزمی سپاہیوں نے خطائی سپاہیوں سے مل کر (جو اپنی آخری شکست کے بعد خوارزمی فوج میں بھرتی ہو گئے تھے) سلطان کے قتل کا منصوبہ بنالیا۔ ابن قتی نے ان باغیوں کے لئے بطور انعام دولت کے خزانے اور گھوڑوں کے گلے روانہ کر دیئے۔ یہ سازش سلطان کی قوت میں کمی کا سبب بن گئی۔ سلطان کو اس کی بھٹک پڑ گئی وہ فوراً ہمدان سے خراسان کی طرف لوٹا اور مرو میں شب بسر کی۔ راستے میں وہ گھوڑے، تحائف اور خطوط جو نائب وزیر خلافت نے خفیہ طور پر خطائی باغیوں کے لئے ارسال کئے تھے اس کے ہاتھ لگ گئے۔ اس وقت ستر ہزار خطائی اس کے ساتھ تھے، لشکر کی اس گبڑی ہوئی صورتحال کو دیکھتے ہوئے اس کے لئے واپسی ممکن نہ رہی۔

خوارزم شاہ کا ماموں بھی خطائی سپاہیوں کے امراء میں سے تھا۔ سازشیوں نے اسے قسمیں کھلائی تھیں کہ وہ خوارزم شاہ کو ان کے منصوبے سے آگاہ نہیں کرے گا، مگر وہ رات کی تاریکی میں خوارزم شاہ سے جا کر ملا اور صورتحال لکھ کر اس کے ہاتھ میں دے دی اور خود اس کے سامنے کھڑا رہا۔ خوارزم شاہ نے ان

سطروں پر نگاہ ڈالی، حالات کی نزاکت کو سمجھا اور اپنے آپ سے کہنے لگا۔ ”اپنی جان بچا..... اسی لمحے تجھے قتل کر دیا جائے گا“ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور خیمے سے نکل گیا اس کے دولڑکے بھی اس کے ساتھ تھے جن میں سے ایک جلال الدین اور دوسرا کوئی اور تھا۔ سلطان سوار ہو کر ان دونوں سمیت کہیں نکل گیا۔ اس کے نکلنے ہی باغی خوارزمیوں اور خطائیوں نے خیمے پر دھاوا بول دیا مگر جب اسے خیمے میں نہ پایا تو لوٹ مار شروع کر دی اور سارا مال و دولت لوٹ لیا۔“<sup>⑩</sup>

مذکورہ واقعات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ خلیفہ ناصر خوارزم شاہ کو نیچا دکھانے کے لئے ایسی پست حرکات پر اثر آیا تھا جو کم از کم عالم اسلام کے نقطہ وحدت کے شایان شان نہیں تھیں۔ خلیفہ کی ان ریشہ دوانیوں کی بناء پر خوارزم شاہ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اس دیرینہ دشمن سے ٹھٹھکا کر رہے گا۔

خوارزم شاہ کا خلیفہ ناصر کی خلافت سے انکار..... اب پانی سر سے گزر چکا تھا، شاہ نے بغداد پر حملے کا فیصلہ کر لیا، مگر اس کے لیے عوام کا ذہن ہموار کرنا ضروری تھا، کیونکہ خلافت عباسیہ تمام ترکزوریوں کے باوجود اب بھی مسلمانوں کے نزدیک بڑی عظمت و شرافت کی حامل تھی، خود خوارزم کے عوام بھی اس کے خلاف کسی پیش قدمی کے حامی نہ تھے، ان کے نزدیک خلافت ایک مقدس منصب تھا جو بہر حال قابل احترام تھا۔ آخر علاؤ الدین محمد نے اس موقع پر عوام کو ہم نوا بنانے کے لئے اس امر کا پرچار کیا کہ بنو عباس کی بہ نسبت حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی اولاد خلافت کی زیادہ مستحق ہے اور ان کی موجودگی میں بنو عباس خلافت کا استحقاق نہیں رکھتے۔

عطاء ملک جوینی کے بیان کے مطابق اس مقصد کے لیے خوارزم شاہ نے باقاعدہ ایک استفتاء مرتب کیا جس میں ذکر کیا گیا کہ خلفائے بنو عباس اللہ تعالیٰ کی راہ میں جدوجہد اور جہاد سے کنارہ کش ہیں۔ وہ اسلامی ممالک کی سرحدوں کو کفار سے بچانے کی تیاری، بدعات و گمراہی کے سرغٹوں کے خاتمے اور کفار کو اسلام کی دعوت دینے کے ان فرائض سے جو اب حکومت پر عائد ہوتے ہیں، غافل ہیں اور اسلام کے اس عظیم ترین رکن کو ترک کر چکے ہیں۔ اس کے جواب میں تحریر کیا گیا کہ اگر خلیفہ ایسے بادشاہ کو ختم کرنا چاہے جو اسلام کی مدد کر رہا ہو اور جہاد میں زندگی بسر کرتا ہو تو ایسے بادشاہ کو حق حاصل ہے کہ خلیفہ کو معزول کر دے اور اسکی جگہ دوسرے خلیفہ کا تقرر کرے، اس اقدام کے جواز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خلافت سادات حسینیہ کا حق ہے اور عباسی اسکے غاصب ہیں۔

خوارزم شاہ کی بغداد کی جانب پیش قدمی..... علماء کے فتاویٰ کے ذریعے عوام کو یہ بات ذہن نشین کرانے کے بعد ۶۱۴ھ (۱۲۱۷ء) میں خوارزم شاہ نے سید علاء الملک ترمذی کی خلافت کا اعلان کر دیا جو کہ اس زمانے میں اولادِ حسین رضی اللہ عنہ میں سے ایک ممتاز بزرگ تھے۔ نماز جمعہ کے خطبے میں اب خلیفہ ناصر کی جگہ سید علاء الملک ترمذی کا نام لیا جانے لگا۔ اس اقدام کے بعد خوارزم شاہ کے لئے عوام کو یہ بات سمجھانا آسان تھا کہ خلیفہ ناصر مسند خلافت کا وارث نہیں بلکہ اس کا غاصب ہے، لہذا اس کے خلاف فوجی کارروائی شرعاً درست بلکہ ضروری ہے۔<sup>⑪</sup>

۶۱۴ھ (۱۲۱۷ء) میں سلطان علاؤ الدین محمد نے فوج کو یلغار کا حکم دیا اور تین لاکھ سپاہیوں کا لشکر جرار لے کر سیلاب کی طرح بغداد کی طرف بڑھا۔ اس کی پیش قدمی کی اطلاع پا کر خلیفہ ناصر کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔<sup>⑫</sup> برف باری اور خوارزمی لشکر کی تباہی..... خوارزمی افواج تیز رفتاری سے کوچ و قیام کرتے ہوئے ہمدان تک

جانبینیں۔ شہر کے آس پاس کی تمام وادیاں خوارزم سپاہیوں کے خیموں سے پُر ہو رہی تھیں۔ اتنا عظیم لشکر دیکھ کر ہر شخص انگشت بدنداں تھا۔ عام خیال یہی تھا جنگ چھڑ جانے کی صورت میں بغداد والوں کی شکست یقینی ہے۔ یہ بات بھی واضح تھی کہ اس صورت میں جانبین کے بے شمار سپاہیوں کے ساتھ ساتھ بے گناہ عوام کی بڑی تعداد بھی ہلاکت کی چکی میں پس جائے گی اور یہ امت کے لئے ایک عظیم سانحہ ہوگا۔

مگر تقدیر کا فیصلہ کچھ اور تھا، خوارزم شاہ کو اپنی ضد بہت مہنگی پڑی، ادھر اس نے ہراول دستوں کو یلغار کا حکم دیا، ادھر موسم بدل گیا۔ ہراول دستوں کے پندرہ ہزار خوارزم سپاہیوں نے ہمدان سے چل کر جوں ہی اسد آباد کے قریب طوان نامی ایک مقام پر پڑاؤ کیا، کڑا کے کی سردی میں برف باری کے بھیاں طوفان نے تباہی مچادی، شب تاریک میں بادلوں کی خوں ناک کھن گرج اور بجلی کے شراروں نے قیامت صغریٰ کا منظر قائم کر دیا۔ صبح تک ہر سمت برف کے ٹیلے دکھائی دے رہے تھے۔ رسد کا سارا نظام معطل ہو گیا تھا، گھوڑے اور مویشی برف میں دھنس کر مر چکے تھے، سینکڑوں سپاہی برف میں دفن ہو چکے تھے اور زندہ افراد کے اعضاء بھی سردی کی شدت سے شل ہو رہے تھے۔ اب آگے جانے کا کوئی امکان نہ تھا۔ ویسے بھی برف باری سے تمام شاہراہیں مسدود ہو چکی تھیں۔ خوارزم شاہ ہمدان میں ٹھہرا رہا جب برف باری کے اثرات ختم ہوئے اور برف پگھل کر راستے کھل گئے تو اس نے اور گنج کا راستہ لیا۔<sup>(۱۴)</sup>

برف باری کے علاوہ اس کی واپسی کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ اس ہنگامے میں وہ خود گھوڑے سے گر پڑا تھا جس سے اس نے اپنے وہی مزاج کے مطابق بدشگونی خیال کر لیا تھا۔<sup>(۱۵)</sup>

تاریخ کی بعض روایات میں آیا ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردی نے واپس جاتے ہوئے خوارزم شاہ کے لئے بددعا کی تھی اس لئے اس پر یہ عذاب نازل ہوا<sup>(۱۶)</sup> مگر کسی معتبر کتاب سے اس کا ثبوت نہیں مل سکا۔

اگرچہ فی الحال خوارزم شاہ بغداد پر فوج کشی کا ارمان پورا نہ کر سکا، تاہم اس نے اس ارادے سے مکمل دست برداری اختیار نہ کی بلکہ اس منصوبے کو آئندہ سال پر ملتوی کر دیا۔

ایک انوکھی مہم..... دربار خوارزم سے وابستہ افراد میں ایک ماہر فن عالم علامہ سراج الدین السکا کی الخوارزمی بھی تھے۔ یہ ”ہرفن مولاً“ قسم کے آدمی تھے<sup>(۱۷)</sup> درجنوں علوم و فنون میں کامل مہارت رکھنے کے ساتھ ساتھ تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک کے کام میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ خوارزم شاہ کی اعانت و امداد میں بڑے مستعد تھے، انہوں نے ایک پٹلا بنایا اور خوارزم شاہ سے کہا اگر اس پٹلے کو بغداد میں دفن کر دیا جائے تو اس کے اثر سے بہت جلد خلیفہ کا ستارہ گردش میں آجائے گا۔ خوارزم شاہ عملیات اور نجوم پر یقین رکھتا تھا اور خلیفہ کو زک پہنچانے کے لئے ہر اقدام پر آمادہ تھا، حالیہ مہم کی ناکامی سے وہ پہلے ہی سلگ رہا تھا۔ اس نے قاضی القضاۃ مجیر الدین عمر بن سعد سے درخواست کی کہ وہ بغداد جا کر اس عظیم کارروائی کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں تو بہتر ہوگا۔

قاضی صاحب سفیر کے طور پر بغداد پہنچ گئے اور اسی دوران ایک مناسب مکان دیکھ بھال کر اس میں وہ پٹلافن کر کے بنجر و عافیت خوارزم لوٹ آئے۔ اب خوارزم شاہ کو انتظار تھا کہ دیکھئے کب خلیفہ پر کسی افتاد کی خبر آتی ہے<sup>(۱۸)</sup> اسے اپنے سر پر منڈلانے والی اس مصیبت فاجعہ کا کوئی اندازہ نہ تھا جس کے اسباب بڑی تیزی سے ظہور پذیر ہو رہے تھے۔ درندہ صفت تاتاریوں کے ہاتھوں امت مسلمہ پر نازل ہونے والی قیامت صغریٰ کا وقت موعود قریب آچکا تھا۔



شہزادہ جلال الدین کی ولی عہد کے منصب سے برطرفی ..... اس دور کے خانوادوں میں یہ اصول مُسلم تھا کہ بادشاہ کا بڑا بیٹا ہی اس کا جانشین ہو، نیز اس اصول سے قطع نظر کرتے ہوئے شہزادہ جلال الدین قابلیت کے لحاظ سے بھی اپنے باپ کے تخت و تاج کے صحیح وارث تھے مگر ان کی دادی ترکان خاتون کو ان کی والدہ یعنی اپنی ہندی نژاد بہو سے نفرت تھی، اسی وجہ سے اسے جلال الدین سے بھی بغض تھا۔ البتہ ترکان خاتون کا اپنی اس بہو سے بڑا ایکا تھا جو اس کی ہم قبیلہ تھی یعنی قچاتی ترکوں کے قبیلے ”بیاروت“ سے تعلق رکھتی تھی۔ ترکان خاتون اسی بہو کے لڑکے، قطب الدین ازلاق کو ولی عہد دیکھنا چاہتی تھی۔

جب اس نے اس سلسلے میں سلطان علاؤ الدین محمد پر دباؤ ڈالا تو وہ انکار نہ کر سکا۔ والدہ کے حکم کے احترام کے علاوہ وہ اس بات سے بھی خائف تھا کہ کہیں قچاتی قبائل جو خوارزمی فوج کا بڑا عنصر تھے بغاوت نہ کر دیں۔ چنانچہ جلال الدین کی بجائے قطب الدین ازلاق کی جانشینی کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ اعلان بغداد کی ناکام مہم سے واپسی پر کیا گیا تھا۔ اس دور کی تاریخ میں ایسے بے شمار مواقع ملیں گے جب اقتدار کی تقسیم میں کسی ایک فریق کے ساتھ کچھ زیادتی کی گئی تو وہ ذاتی انانیت برقرار رکھنے کے لیے بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ اس نقطہ نظر سے یہاں جلال الدین کے ساتھ کھلم کھلا زیادتی ہو رہی تھی، اگر یہ معاملہ ایسے کسی اور شخص کے ساتھ کیا جاتا جو جلال الدین جیسی وجاہت اور عوامی مقبولیت کا حامل ہوتا، تو وہ اس حق تلفی کے خلاف سراپا احتجاج بن جاتا اور بغاوت کرنے سے ہرگز نہ چوکتا۔ مگر جلال الدین کا خمیر ہی کسی دوسری مٹی سے اٹھایا گیا تھا۔ انہوں نے یہ اعلان ایسے صبر و تحمل سے سنا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ ان کے نزدیک تاج و تخت کی قیمت اپنے بزرگوں، بھائیوں اور اقارب کی خوشنودی سے بڑھ کر نہ تھی۔ اس نازک موقع پر انہوں نے خاموشی اختیار کر کے ملک و ملت کو ایک نئے اندورنی خلفشار سے بچالیا۔ فقط ہوس اقتدار کے لیے ملت کے وجود سے مزید خون چوڑنا ان کے ضمیر کو گوارہ نہ تھا۔ جلال الدین یہ سوچ کر کہ والدین مجھے اندرونی طور پر اپنا مخالف گمان نہ کر لیں، پہلے سے بھی بڑھ کر ان کی اطاعت کرنے لگے (۱۷) قطب الدین کی والدہ اور ترکان خاتون کے ساتھ بھی ان کا حسن سلوک برقرار رہا۔ یہ الگ بات ہے ترکان خاتون کی جلال الدین سے نفرت میں کوئی کمی نہ ہوئی۔

سلطنت کی تقسیم ..... علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے قطب الدین کو جانشین مقرر کرنے کے بعد دار الحکومت سمیت ماوراء النہر اور خراسان کے علاقے اس کی تحویل میں دے دیئے۔ بامیان، غزنی، غور، پشاور اور ہندوستان سے ملحقہ علاقوں کی ولایت شہزادہ جلال الدین کو عطا کی۔ بلوچستان، مکران، اور کرمان کا علاقہ (زیادہ تر موجودہ ایران کا علاقہ) شہزادہ غیاث الدین کو تفویض کیا اور عراق سے ملحقہ ایران کے پہاڑی علاقے شہزادہ رکن الدین کے حوالے کر دیئے۔ اس ترتیب کے بعد سلطان علاؤ الدین محمد نے امور سلطنت میں مدد کے لیے شہزادہ جلال الدین کو اپنے ساتھ پایہ تخت میں ٹہرا لیا۔ (۱۸)

دوسری کڑی ..... تاتاری فرماں روا کے گھناؤنے عزائم ..... چنگیز خان کے ایشیائے بلند کے تمام طول و عرض پر قابض ہونے سے اس خانہ جنگی کا خاتمہ ہو چکا تھا جس نے ایک مدت سے شمالی ایشیا کو اپنی پیٹ میں لے رکھا تھا، دوسری طرف وسط ایشیا کی چھوٹی بڑی سب حکومتیں خوارزمی فاتح کے مقبوضات میں شامل ہو چکی تھیں۔ خوارزمی سلطنت کی شمال مشرقی سرحدیں تاتاری مملکت کی جنوب مغربی سرحدوں تک پہنچ چکی تھیں۔ عظیم کوہستانی زنجیر



دونوں کے درمیان حد فاصل تھی۔ یہاں تک پہنچ کر ان دونوں فاتحین کی پیش قدمی ختم گئی تھی اور چند برسوں سے ایشیا کے اس دو تہائی حصے پر جو ہمہ وقت جنگ کے بادلوں سے ڈھکا رہتا تھا، ایک پراسرار خاموشی طاری تھی۔ جیسے بلاخیز طوفان سے پہلے فضا میں جس کا عالم آنے والے عظیم موسمی تغیر کا پتہ دیتا ہے اسی طرح یہاں ایک معنی خیز سکوت کی تہہ میں خوفناک حوادث کے جھکڑ کو نہیں لے رہے تھے۔

قراقرم کی پنج بستہ فضا میں گہرے سانس لیتے لیتے بوڑھا جنگجو اکتانے لگا تھا، وہ انتہائی ملکیتیں فتح کرنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا، ایک عرصے سے خون کی رنگینیاں نہ دیکھنے کے باعث اسکی سفاک طبیعت بے کیف ہو رہی تھی۔ ایک دن اس نے اپنے قدیم رفیق بغورچی نوایاں سے پوچھا:

”سب سے زیادہ مسرت انگیز چیز کیا ہے؟“

اس نے جواب دیا: ”کھلے میدان میں شہ سواری کرنا، جبکہ ہاتھ پر سدھایا ہوا باز بیٹھا ہوا ہو اور شکار کا تعاقب جاری ہو۔“

چنگیز خان نے نفی کرتے ہوئے کہا: ”نہیں!! بلکہ میرے لیے خوشی کی بات یہ ہے کہ دشمن کو پاؤں تلے روندنا جاؤں، انہیں قدموں میں جھکاؤں، انکے مال و دولت پر قبضہ کرنا جاؤں، اور مفتوحہ قوم کی عورتوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہتی دیکھوں۔“

اس دشمن انسانیت کے مکروہ عزائم اسکے الفاظ سے اس قدر ظاہر ہیں کہ ان پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> چین میں بڑے پیمانے پر قتل و غارت کے بعد بھی چنگیز خان کی جبلت کو سکون نہیں ملا تھا، وہ مزید خونریزی و غارت گری کا خواہش مند تھا۔ ان عزائم کی تکمیل کے لیے وسیع ترین میدان مغرب کی طرف تھا جو عالم اسلام کی کڑی درکڑی پوسہ متعدد محکومتوں پر مشتمل تھا۔ لیکن اس راستے کی حتیٰ اور بڑی رکاوٹ خوارزم کی عظیم الشان مملکت تھی، جس کی فوجی طاقت بڑی مستحکم تھی اور جس کا کشور کشا حکمران تمام دنیا سے اپنی فتوحات کا لوہا منوا چکا تھا اس لیے چنگیز خان نے کوئی غلبت پسندانہ قدم اٹھانا مناسب نہ سمجھا، غور و فکر کے بعد اس نے خوارزم کے تفصیلی کوائف معلوم کرنے کے لیے خوارزمی حکمران سے دوستانہ تجارتی معاہدہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

تیسری کڑی..... چنگیز خان اور خوارزم شاہ کا معاہدہ..... بغداد کی مہم سے واپسی پر علاء الدین محمد خوارزم شاہ سمرقند میں ٹھہرا ہوا تھا کہ چنگیز خان کی جانب سے بھیجا گیا ایک سفارتی وفد اسکے پاس پہنچا۔ یہ ۶۱۵ھ (۱۲۱۸ء) کا قصہ ہے۔<sup>(۲)</sup> تاتاری سفیر خوارزم شاہ کے حضور پیش کیے گئے۔

تاتاری سفیر نے کہا: ”خان اعظم نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ پیغام دیا ہے:

’مجھے تمہاری قوت تمہاری سلطنت کی عظمت اور فتوحات کی وسعت کا علم ہوا ہے اس پر میں تم سے مصالحت ضروری سمجھتا ہوں اور تمہیں اپنے بیٹے کی مانند عزیز سمجھتا ہوں۔ تم سے بھی یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی کہ میں چین پر قابض ہو چکا ہوں کئی ترک اقوام میرے تابع ہیں۔ تمہیں یقیناً اس بات کا بھی علم ہوگا میرا علاقہ فوجی کیسپ ہونے کے ساتھ ساتھ زرخیزی کے لحاظ سے گویا چاندی کی کان ہے۔ اب مجھے مزید فتوحات کی کوئی طلب نہیں۔ میرے رائے یہ ہے کہ میرا اور تمہارا باہمی مفاد اسی میں ہے کہ ہم باہمی صلح و آشتی کا معاہدہ کر کے تجارتی تعلقات کو فروغ دیں۔“<sup>(۳)</sup>

خوارزم شاہ بڑی توجہ سے پیغام منتار ہا۔ ایک عام آدمی کے نقطہ نظر سے اس پیغام میں کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی، مگر بادشاہوں کے کلام کی لطافت بادشاہ ہی سمجھتے ہیں، خوارزم شاہ کو بیٹا کہنا درحقیقت ایک قسم کا احساس برتری لیے ہوئے تھا، کیونکہ ایشیائی سلطنتوں میں بادشاہ اپنے باج گزار حاکموں کو بیٹا کہا کرتے تھے۔ نیز ترک اقوام کو مغلوب کرنے کا ذکر بھی ایک چوٹ لیے ہوئے تھا اس لیے کہ خوارزم شاہ خود ترک النسل تھا۔<sup>(۲۵)</sup>

خوارزم شاہ ان اشاروں کو خوب سمجھ رہا تھا۔ تاہم اس نے صبر تحمل کا مظاہرہ کیا۔ قاصد نے چنگیز خان کی جانب سے ارسال کردہ قیمتی تحائف شاہ کو پیش کیے۔ یہ مشک کے نافے، عنبر، ریشمی کپڑے، سفید اونٹوں کی کھال سے بنے کوٹ اور قیمتی جواہرات تھے۔<sup>(۲۶)</sup> خوارزم شاہ اب تک وہ بڑے غور سے اس سفارتی وفد کی تمام حرکات و سکنات کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ ان کی جرأت اور بے باکانہ انداز و اطوار کے علاوہ پیغام کی تہہ میں موجود فاتحانہ طرز فکر نے اسے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ کہیں گوبی کا بھیڑیائی شکار گاہ کی تلاش میں نہ ہو۔

خوارزم شاہ نے پیغام کا جواب دینے سے قبل کچھ پیش بندی ضروری سمجھی۔ وفد میں چند مسلمان بھی شامل تھے، چنگیز خان سفارتی و تجارتی وفد میں اپنے ملک یا دیار غیر کے مسلمان باشندوں سے حسب موقع کام لیتا رہتا تھا۔ اس وفد میں شامل مسلمانوں میں سے ککا اتراری، علی خوجہ بخاری اور محمود یلواج خوارزمی خود خوارزم کے باشندے تھے جو کسی سلسلے میں قراقرم گئے تھے اور پھر چنگیز خان کے ملازم بن کر اس وفد میں شمولیت کا اعزاز حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔<sup>(۲۷)</sup> محمود یلواج خوارزمی زیادہ فہیم معلوم ہوتا تھا۔ خوارزم شاہ نے دیگر سفیروں کو مہمان خانے میں ٹہرا کر محمود یلواج کو رات کے وقت تحلیل میں طلب کیا تاکہ اپنے دل میں جنم لینے والے خدشات کی بناء پر اس سے کچھ معلومات لے۔ خوارزم شاہ کا خیال تھا کہ محمود اسکی اپنی قوم میں سے ہے اس لیے بہر حال وہ اسکا وفادار ہوگا اور سب کچھ سچ بیان کرے گا۔ مگر افسوس کہ حقیقت اس کے برعکس نکلی، محمود یلواج ایک مطلب پرست انسان تھا اور چنگیز خان کی فواشیں اسے خرید چکی تھیں۔

شاہ نے اسے قیمتی جواہرات دے کر اس سے وعدہ لیا کہ وہ اس کے جاسوس کے طور پر چنگیز خان کے بارے میں معلومات دیا کرے گا۔ شاہ نے کہا:

”تم ہمارے اپنے آدمی ہو۔ مجھے بالکل سچ ساری باتیں بتادو۔ کیا چنگیز خان نے چین فتح کر لیا ہے؟“

محمود نے کہا: ”جی ہاں! یہ سچ ہے، ایسی خبر کہاں چھپ سکتی ہے۔“

شاہ نے ماتھے پر ہل ڈالتے ہوئے دریافت کیا: ”تم میری حکومت کی وسعت اور عساکر کی کثرت سے واقف ہو، تو یہ کون ملعون ہے جو اس کے باوجود مجھے بیٹا کہہ کر مخاطب کر رہا ہے۔ اسکی فوجوں کی تعداد کیا ہے؟ کیا وہ میری افواج کی طرح کثرت میں ہیں!!“

محمود یلواج نے شاہ کے چہرے پر غصے کے آثار دیکھے تو سچ بولنے کی بجائے مصلحت آمیز انداز میں گول مول جواب دیتے ہوئے کہا:

”آپ کی افواج اور اسکی فوجوں میں بھلا کیا نسبت؟ یوں سمجھیں جیسے لشکر کے مقابلے میں ایک گھڑ سوار.....

یا سورج کے آگے شمع..... یا یوں کہیے کہ تاریکی شب کے سامنے دھواں.....“

خوارزم شاہ نے چنگیز خان کی سلطنت کی حدود، اس کے ملک کی معیشت اور دیگر پہلوؤں کے متعلق کئی سوالات کیے مگر محمود خوارزمی نے مغالطہ دیتے ہوئے یہی باور کرایا کہ اسکی مملکت کسی لحاظ سے بھی خوارزمی حکومت کے ہم پلہ نہیں۔ خوارزم شاہ نے پوچھا: ”اس مسئلے میں تمہاری کیا رائے ہے؟“ محمود نے کہا: ”معاہدہ کر لیا جائے۔“

خوارزم شاہ نے سوچا کہ اس کا غیر متمدن پڑوسی کچھ متکبر ضرور ہے مگر بے ضرر ہے لہذا اس سے تجارتی مفاد حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس نے تجارتی معاہدے کی پیش کش کا جواب اثبات میں دیتے ہیں ہوئے اپنے مکتوب کے ساتھ بیش قیمت تحائف بھی قراقرم روانہ کر دیے۔ نیز محمود کو تاکید کر دی کہ وہ خوارزم کے جاسوس کی حیثیت سے جا کر وہیں ملازمت اختیار کیے رہے اور وہاں کے حالات سے مطلع کرتا رہے۔ (۳۵) محمود یلواج پر اعتماد کرنے میں خوارزم شاہ سے سخت غلطی ہوئی۔ یہ شخص نہایت مطلب پرست تھا۔ اس کی غلط اطلاعات کے باعث خوارزم شاہ اپنے پڑوسی کو کمزور گمان کرتا رہا، اپنے اس باطل مفروضے کی وجہ سے اسکو آئندہ چل کر سخت نقصان اٹھانا پڑا، اس کی خارجہ پالیسی غیر معتدل رہی اور دشمن کی زد میں آ جانے کے بعد بھی اس کی منصوبہ بندی ناقص رہی۔

دیکھا جائے تو یہاں خوارزم شاہ کا طرز عمل بصیرت و دانائی سے کوسوں دور دکھائی دیتا ہے۔ صرف ایک شخص کی باتوں پر یقین کر کہ ہمسایہ ملک کے بارے میں ایک تاثر قائم کر لینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ خوارزم شاہ کے لیے ضروری تھا کہ وہ پامیر کے پار ابھرنے والی نئی قوت کے بارے میں مکمل معلومات لیتا، وہاں کے لیے جاسوسی کا باقاعدہ نظام تشکیل دیتا اور چنگیز خان کی قوت اور اس کے عزائم سے واقف رہتا۔ آخر چنگیز خان کا چین پر قبضہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ خوارزم شاہ کو برسوں پہلے سے اس خطرناک ہمسائے کے بارے میں چونک جانا چاہیے تھا۔ افسوس کہ وہ ایک متمدن ملک کا بادشاہ ہو کر گوبی کے جنگلیوں کے برابر بھی سیاست نہ کر سکا جنہوں نے عالم اسلام کی نہایت کامیاب جاسوسی کر کے فتوحات و فتوحات حاصل کیں۔

چنگیز خان کا تذبذب..... خوارزم شاہ کی جانب سے قراقرم پہنچنے والے قافلے کی خوب آؤ بھگت ہوئی، اس قافلے میں ایک بزرگ سید بہاؤ الدین رازی بھی شامل تھے، صاحب طبقات ناصری ان کی زبانی یہ واقعہ یوں نقل کرتے ہیں:

”جب ہم چنگیز خان کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے وزراء، بیٹوں اور بھتیجیوں کی موجودگی میں ہمیں بلوایا۔ پھر ان کی طرف رخ کر کے کہنے لگا: ”دیکھتے ہو! میری بڑائی، عظمت اور بادشاہی اس حد تک جا پہنچی ہے کہ اہل مغرب کے بادشاہ نے میرے پاس قاصد بھیجے ہیں۔ جب ہم رخصت ہونے لگے تو اس نے کہا: ’جائیں سے قاصدوں اور تجارتی قافلوں کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے، عمدہ اسلحے، کپڑے اور برتنوں کے تجارتی قافلے اسی طرح آتے جاتے رہیں۔“ (۳۶)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چنگیز خان کو اس معاہدے سے غیر معمولی خوشی ہوئی تھی۔ خوارزم اور قراقرم کے درمیان سرکاری سطح پر تجارتی معاہدہ طے پا جانے کے بعد تجارتی قافلوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ تجارتی امور کے پس پردہ تاتاریوں کا جاسوسی نظام بھی کام کرنے لگا۔ تاتاری تاجروں کے ساتھ ان کے جاسوس بھی تاجرانہ روپ میں خوارزم کا نشیب و فراز کھگانے لگے۔ خوارزمی حدود سے گزر کر بغداد اور دوسری ہمسایہ حکومتوں سے بھی ان کے

سفارتی تعلقات قائم ہو گئے۔ تاجر برادری کی زبانی چنگیز خان کی شہرت اب دور دراز کے ملکوں تک پھیل رہی تھی۔ چنگیز خان خوارزم کی فوجی قوت کا صحیح اندازہ لگانے کے بعد اس پر حملہ کرنے میں متذبذب تھا، کیوں کہ خوارزم کے تین لاکھ نبرد آزما سپاہی ہر جارحیت کا منہ توڑ جواب دینے کی صلاحیت رکھتے تھے یلغار کی صورت میں چنگیز خان کو سخت مزاحمت کا یقین تھا، جو اسے شکست سے بھی دوچار کر سکتی تھی۔ مگر اس سے زیادہ خدشہ اسے اس بات کا تھا کہ خوارزم پر حملہ سارے عالم اسلام کی سرحدوں پر حملہ تصور کیا جائے گا اور جب خوارزم، ہندوستان، بغداد اور شام کے مسلمان ایک قوم ہونے کے ناطے ایک پرچم تلے جمع ہو کر اس کا مقابلہ کریں گے تو اس کے سپاہیوں میں بمشکل کوئی زندہ سلامت واپس آ سکے گا۔

چوتھی کڑی..... خلیفہ ناصر کی سازش..... چنگیز خان خوارزم پر حملہ کرنے کے متعلق شش و پنج کی کیفیت میں تھا کہ اچانک ایک پیغام نے چنگیز خان کا متذبذب دور کر دیا۔ بغداد کا خلیفہ ناصر چنگیز خان کی شہرہ آفاق فتوحات سے متاثر ہو کر خوارزم شاہ کے خلاف اسے اپنا حلیف و سرپرست بنانے پر آمادہ ہو گیا۔ ایک ایسے نازک وقت میں جبکہ شمال مشرقی افق سے اٹھنے والے شعلوں کی تپش عالم اسلام کے مغرب تک محسوس کی جا رہی تھی اور خوارزم و بغداد کا اتحاد ان کی زندگی کے لیے سانس سے زیادہ ضروری ہو چکا تھا، خلیفہ ناصر نے چنگیز خان کو حملے کی دعوت دے دی اور اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ یہ وہ سفارت تھی جس نے عالم اسلام کو لہو سے نہلا دیا۔ اس اجمال کی تفصیل اگلی طور میں دی جا رہی ہے۔ خلیفہ ناصر کی مجلس مشاورت..... خلیفہ ناصر علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے ناکام حملے کے بعد اب تک انگاروں پر لوٹ رہا تھا اور دن رات اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ کسی طرح خوارزم شاہ کی قوت کو پارہ پارہ کر کے اس کے خطرے سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کر لی جائے۔ اس سلسلے میں اس نے اپنے مشیروں اور وزراء سے مشورہ طلب کیا۔ ان میں سے بعض وزراء نے کہا:

”عالم پناہ! ہماری رائے یہ کہ خوارزم شاہ کی عظیم قوت کا توڑ کرنے کے لیے ہمیں چنگیز خان سے مدد طلب کرنی چاہیے اس لیے کہ اس کے سواروے زمین پر کوئی فاتح ایسا نہیں جو خوارزم شاہ کا مقابلہ کر سکے، خوارزم شاہ کا جنگی جنون اور ملک گیری کا نشہ چنگیزی دہشت کے بغیر ختم نہیں کیا جاسکتا، اس کا فتنہ چنگیز خان کی تیغ آتش بار ہی فرو کر سکتی ہے۔ ہمارا مشورہ یہ ہے کہ اس مسئلے کے حل کے لیے محمود یلواج کو جو کہ چنگیز خان کا درباری ہے واسطہ بنا کر چنگیز خان سے مدد کی درخواست کی جائے۔“

خلیفہ کو یہ مشورہ بہت پسند آیا اور اس نے حکم دیا کہ محمود یلواج کی معرفت چنگیز خان کے نام ایک مکتوب تحریر کیا جائے جس میں چنگیز خان سے استدعاء کی جائے کہ وہ اپنا لشکر لے کر خوارزم پر حملہ آور ہو۔ اس موقع پر بعض دو اندیش مشیروں نے خلیفہ کو اس فعل سے باز رکھنے کی کوشش کی اور بولے:

”خلیفۃ المسلمین! ہمارے نزدیک یہ اقدام کئی وجوہات سے غلط ہے، اولاً یہ کہ جو قاصد یہ پیغام لے کر منگولیا روانہ ہوگا اسے کم از کم چار ماہ تک سلطنت خوارزم کے حدود اور بے میں سفر کرنا پڑے گا۔ بہت مشکل ہے کہ اتنے طویل سفر میں بار بار چوکیوں پر تعینات محافظوں کو تلاشی دینے کے بعد بھی اس سے یہ پیغام پکڑا نہ جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا سلطان محمد خوارزم شاہ کا غیظ و غضب مزید بڑھ جائے گا۔ ثانیاً یہ کہ ان تاتاری کافروں کو صاحب ایمان مسلمانوں پر

غالب آنے کا موقع فراہم کرنا اور اہل اسلام کے خون و عصمت پر انہیں مسلط کرنا نہ عقلاً درست ہے اور نہ ہی شرعاً اس کا کوئی جواز بن سکتا ہے۔ علاوہ ازیں بہت ممکن ہے کہ جب یہ اجڈ قوم مملکت خوارزم پر قابض ہو جائے تو مرکز خلافت کا ادب و احترام بھی فراموش کر دے اور ان سے ہمارے حق میں وہ افعال صادر ہوں جو ہمارے لیے باعث شامت و ندامت ہوں۔“

خلیفہ ناصر نے اس خیر خواہانہ نصیحت کو ذرہ برابر قابل التفات نہ سمجھا اور بڑی بے نیازی سے گویا ہوا: ”تاتاری حملہ آوروں کو ان اسلامی شہروں پر قبضہ کرنے اور ہم تک پہنچنے میں کم از کم پچاس برس ضرور لگ جائیں گے۔ تاہم ان کے پہلے حملے ہی سے ہمارا مسئلہ حل ہو جائے گا کہ علاؤ الدین محمد کی شان و شوکت اور قوت فی الفور منہدم ہو جائے گی۔“ (۷۸)

اس مشاورت کے بعد خلیفہ ناصر نے چنگیز خان سے مرسلت اور اس کی مدد سے خوارزم شاہ کے بازوئے شمشیر زن کاٹنے کا حتمی فیصلہ کر لیا مگر جیسا کہ اس کے صائب الرائے مشیر کہہ چکے تھے، اس خطرناک موضوع پر چنگیز خان سے خط و کتابت کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ چنگیز خان کی سلطنت تک پہنچنے کے لیے بغداد کے ایلچیوں کو خوارزم سے گزرنا پڑتا تھا۔ ان دنوں بغداد سے آنے والا ہر شخص خوارزم میں شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور جگہ جگہ اس کی تلاشی لی جاتی تھی۔ بظاہر اس پیغام کے حامل قاصد کا بچ کر نکل جانا مشکل تھا لیکن خلیفہ بغداد کے سازشی ذہن نے یہ مشکل آسان کر دکھائی۔

خلیفہ نے یہ خفیہ خط کس طرح لکھوایا اور کیونکر روانہ کیا، یہ ایک حیرت انگیز کہانی ہے، شاید دنیا کی تاریخ میں پوشیدہ مکاتبت کا یہ انداز پہلے بھی اپنایا گیا نہ بعد میں۔ خلیفہ کے عیار دماغ نے ایسا عجیب حربہ ایجاد کیا جو کسی کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔

تاریخ کا خفیہ ترین خط ..... خلیفہ کے حکم سے چنگیز خان کے پاس بھیجے جانے والے شخص کا سر موئذ کر اس پر آتشیں سوئی سے اس مفہوم کا پیغام لکھوایا گیا کہ چنگیز خان خوارزم پر حملہ کر دے۔ پیغام کے مضمون کے ساتھ قاصد کا منصب بھی لکھ دیا گیا۔ دربار خلافت کی مہر بھی ثبت کر دی گئی۔ بعد ازاں اس اُن مٹ تحریر کو کسی روغن کی تہہ سے چھپا دیا گیا۔ چند ہفتے بعد جب قاصد کے سر پر خوب بال اُگ آئے تو اسے قراقرم روانہ کر دیا گیا۔ حسب توقع خوارزمی مملکت میں متعدد مقامات پر اس کی خوب تفصیلی تلاشی لی گئی، اور اچھی طرح اطمینان کر لیا گیا کہ یہ قاصد مملکت خوارزم کے خلاف کوئی تحریر ساتھ نہیں لے جا رہا۔ خوارزمی افسران کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ جس چیز کو وہ تلاش کر رہے ہیں وہ قاصد کے بالوں کے نیچے چھپی ہوئی ہے۔

خوارزمی سلطنت سے گزر کر طویل و دشوار گزار برفانی کوہستان عبور کر کے یہ شخص کامیابی سے چنگیز خان کے ملک میں پہنچ گیا۔ پہلے محمود یلواج سے ملا اور اسے اپنی آمد کے مقصد سے مطلع کر کے دربار چنگیز خان میں حاضری کی درخواست پیش کی۔ محمود یلواج نے فی الفور چنگیز خان کو دربار خلافت سے قاصد کی آمد کی اطلاع دی۔ چنگیز خان نے اس قاصد کو بلایا اور اس کے بال ترشوا کر خلیفہ کا پیغام وصول کر لیا۔ (۷۹)

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کی گواہی ..... خلیفہ ناصر کا عالم اسلام پر چنگیز خان کو حملے کی دعوت دینا اس کا سب سے بڑا

جرم تھا۔ عجمی مؤرخین نے تو بہت کھل کر خلیفہ ناصر کے اس جرم کو واضح کیا، البتہ عرب مؤرخین خلیفہ ناصر کی زندگی میں محتاط رہے۔ بعد میں انہوں نے بھی اس الزام کی تصدیق کر دی۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے خلیفہ ناصر کی زندگی میں اپنی تاریخ لکھنا شروع کی اور اسے تکمیل کے قریب تک پہنچایا، اس کے آخری ابواب میں ۶۱۷ھ کے حالات کے تحت انہوں نے عالم اسلام پر تاتاریوں کے حملے کا تفصیلی تذکرہ کیا اور اس کے بعض اسباب بیان کیے، اس کے بعد انہوں نے لکھا: ”عالم اسلام پر تاتاریوں کے حملے کی ایک اور وجہ بھی بیان کی گئی ہے مگر وہ کتابوں میں ذکر نہیں کی جاسکتی۔  
فَكَانَ مَا كَانَ مِمَّا لَسْتُ اَذْكُرُهُ فَظَنُّ خَيْرًا وَلَا تَسْأَلُ عَنِ الْخَبِيرِ  
”سو جو کچھ ہوا سو ہوا، وہ ایسا راز ہے جسے میں ذکر نہیں کروں گا، تم حسن ظن سے کام لینا اور مجھ سے حقیقت مت پوچھنا۔“ (۶۹)

پانچ سال بعد ۶۲۲ھ (۱۲۲۵ء) میں خلیفہ ناصر فوت ہوا تو علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کے لیے حقیقت بیان کرنا ممکن ہو گیا چنانچہ ۶۲۲ھ کے حالات میں وہ خلیفہ کی موت کا تذکرہ کر کے آخر میں تحریر کرتے ہیں:

”اہل عجم جو بات خلیفہ ناصر کی طرف منسوب کرتے تھے کہ اسی نے تاتاریوں کو بلاد اسلامیہ پر حملے کی ترغیب دی ہے، اور ان سے اس بارے میں خط و کتابت کی ہے، تو یہ بات صحیح ہے۔ پس یہ تو وہ قیامت کبریٰ ہے کہ اس کے سامنے ہر بڑا گناہ، حقیر معلوم ہوتا ہے۔“ (ابن اثیر، ج ۷ ص ۶۲۱)

پانچویں کڑی..... خوارزم شاہ کی حماقت..... چنگیز خان کے دل میں ملک گیری کی ہوس پہلے بھی کروٹیں لے رہی تھی، مگر خلیفہ کا پیام ملنے کے بعد اس کا ارادہ عزم میں تبدیل ہو گیا، خوارزم شاہی سلطنت پر قابض ہونے کا جذبہ روز بروز عروج پذیر ہوتا گیا (۷۰) اس کے قلب و ذہن نے اس کے لیے پختہ منصوبہ بندی شروع کر دی۔

اس بات کا اطمینان کر لینے کے بعد کہ خوارزم پر یلغار کی صورت میں دیگر اسلامی ممالک غیر جانبدار رہیں گے، چنگیز خان حملے کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔ چونکہ تجارتی معاہدہ طے پانے کو ابھی ایک سال بھی پورا نہ ہوا تھا، اس لیے چنگیز خان کا خیال تھا کہ ابھی کچھ دن مزید یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے تاکہ اس عرصے میں وہ دشمن پر ابتدائی حملے کے لیے کوئی وجہ جواز پیدا کر سکے۔

کچھ زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ یکا یک وجہ جواز پیدا ہو گئی۔ ایک عجیب واقعہ نے چنگیز خان کو حملے کے لیے بہانہ مہیا کر دیا۔ آیا یہ واقعہ قدرتی طور پر پیش آیا یا اس کے پیچھے کوئی منصوبہ بندی کا فرما تھی؟ عام طور پر مؤرخین نے اس کا ذکر یوں کیا ہے جیسے یہ ایک اتفاقی حادثہ ہو۔ لیکن تاتاریوں کی مکارانہ فطرت اور چنگیز خان کی سیاسی چالوں سے واقف شخص شک کر سکتا ہے کہ چنگیز خان کی منشاء کے مطابق اس کے بنیادی اسباب بڑی ہوشیاری سے پیدا کیے گئے تھے۔ لیجئے! اب اس عجیب و غریب واقعے کی تفصیل پڑھئے۔

پراسرار قافلہ..... ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں خوارزم کے ایک شخص احمد بخندی نے بخارا کے دو تاجروں کے ساتھ چنگیز خان کے ملک کا تجارتی دورہ کرنے کے لیے رخت سفر باندھا، یہ لوگ تاتاریوں کی پسند کے مطابق قسمہا قسم کے پارچہ جات لیے جا رہے تھے، ان میں عمدہ زرتار کپڑے بھی تھے اور سادہ سوتی لباس بھی۔ چنگیز خان نے اپنی مملکت کی حدود میں تاجروں کی سہولیات اور مال و اسباب کی حفاظت کا پورا انتظام کیا ہوا تھا، سرکاری کارندوں کو یہ بھی ہدایات دی گئی

تھیں کہ جوتا جبر بھی بادشاہوں کی شان کے مطابق بہترین اور نفیس ترین مال و اسباب لائے اسے مال سمیت پہلے خان اعظم کے پاس لایا جائے تاکہ حسب پسند چیزیں چنی جاسکیں۔

جب یہ لوگ قراقرم پہنچے تو سرکاری کارندوں نے احمد خندی کے پاس بیش قیمت کپڑے دیکھ کر اسے سامان سمیت سیدھا چنگیز خان کے پاس پہنچا دیا۔ وہاں اس نے کپڑے کے عمدہ عمدہ تھان پھیلائے تو تاتاریوں نے ان میں غیر معمولی دلچسپی محسوس کی۔ یہ دیکھ کر احمد لالچ میں آگیا، غالباً اسے تجارت کی زیادہ سوجھ بوجھ نہیں تھی، اس نے جو کپڑا دس یا بیس دینار میں خریدا تھا اس کے دام کئی گنا بڑھا کر لگانے لگا۔

چونکہ چنگیز خان کو کپڑے کے دام کا اندازہ تھا لہذا اس نے غضب ناک ہو کر کہا: ”کیا یہ شخص سمجھتا ہے کہ ہمیں کبھی کپڑا دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔“

یہ کہہ کر چنگیز خان نے قیمتی کپڑوں کے وہ انبار جو اس نے چین اور منگولیا کے سابق حکمرانوں کے خزانوں سے لوٹے تھے وہیں منگولیا لے اور اس کے سامنے ڈھیر کر دیے، پھر حکم دیا کہ اس کے کپڑے ضبط کر لیے جائیں اور اسے حراست میں لے لیا جائے۔

اس دوران اہلکار اس کے دوسرے ساتھیوں کو ان کے مال و متاع سمیت لے آئے، یہ دونوں ہوشیار آدمی تھے اور لوگوں کی حیثیت کے مطابق بات کرنے کا گڑ جانتے تھے۔ جب انہوں نے اپنے کپڑوں کے تھان پیش کیے اور تاتاری ان سے بھاؤ تاؤ کرنے لگے تو انہوں نے کہا:

”ہم یہ کپڑے فروخت نہیں کریں گے۔ ہم تو یہ مال خاقان کی خدمت میں بلاغرض پیش کرنے کے لیے لائے ہیں۔“ جب تاتاریوں کے اصرار کے باوجود انہوں نے قیمت نہ لی تو چنگیز خان کا غصہ فرو ہو گیا۔ اس نے احمد خندی کو بھی رہا کر دیا اور ان تینوں کے مال و اسباب میں سے زرتار کپڑے کے بدلے بہت سا سونا اور سوتی کپڑے کے بدلے کئی گنا مالیت کی چاندی دے کر انہیں خوش کر دیا۔ جب یہ تینوں واپس جانے لگے تو اسلامی ملکوں سے آئے ہوئے اور بھی بہت سے تاجران کے ساتھ واپسی کی تیاری کرنے لگے، ان کی تعداد چار سو پچاس تک پہنچ گئی۔

اس کے بعد چنگیز خان نے اپنے بیٹوں، سرداروں اور اقارب کو ترغیب دی کہ وہ بھی اس قافلے کے ساتھ اپنے کچھ افراد کو قراقرم کا مال و متاع دے کر روانہ کریں تاکہ اسلامی ملکوں سے ہمارے ملک کو بھی اقتصادی فائدہ حاصل ہو۔ غرض اس طرح مسلمانوں اور تاتاری تاجروں کا ایک بڑا قافلہ وجود میں آگیا۔ چنگیز خان نے اس قافلے کو اپنا سفارتی وفد قرار دیتے ہوئے خوارزم شاہ کے نام یہ مکتوب بھی ارسال کیا:

”آپ کی جانب سے کچھ تاجر ہمارے ہاں آئے ہیں۔ ہماری جانب سے بھی کچھ تاجران کے ساتھ بھیجے جا رہے ہیں، تاکہ آپ کی مملکت کے فوائد و ثمرات حاصل کریں.....“

غرض چنگیز خان نے غیر معمولی اعزاز کے ساتھ قافلے کو خوارزم کی طرف رخصت کیا۔<sup>①</sup>

اُدھر خوارزم میں قراقرم آنے جانے والے ہر شخص کو بلا استثناء مشکوک نگاہوں سے دیکھا جا رہا تھا۔ خوارزمی سرحدوں کے اعلیٰ افسران قافلوں کی نگرانی اور جانچ پڑتال میں حد درجے مبالغہ کر رہے تھے۔ حزم و احتیاط کا تقاضا بھی یہی تھا۔ ان حالات میں چنگیز خان کا اس قافلے پر غیر معمولی انعام و احسان، دربار میں ان کی غیر معمولی پذیرائی اور ان

کو اپنا سفارتی وفد قرار دینا خود بخود خوارزمی افسران کو شک میں ڈالنے کا سبب بنا۔ ایسی خبریں پہلے ہی سننے میں آ رہی تھیں کہ تجارتی معاہدے کا مقصد جاسوسی کو تحفظ دینا ہے۔

قرآرم سے آنے والا یہ کاروان تجارت دریائے سیحوں کے کنارے اترار میں خیمہ زن ہوا۔ احمد بخندی کے علاوہ اب اس میں کئی اور معروف اور معزز مسلمان بھی تھے جیسے امین الدین ہروی، فخر الدین بخاری، جمال مراغی، عمر خواجہ اتراری۔ یہ قافلہ غیر معمولی طور پر قیمتی سامان لیے ہوئے تھا، منہاج السراج کی روایت کے مطابق اس میں قیمتی برتنوں، سونے، چاندی اور ریشم سے لدے ہوئے پانچ سواونٹ تھے۔ ③

اترار کا گورنر یئال خان عرف اینال بن سلطان علاؤ الدین محمد کاموں زاد تھا ④ وہ جرأت و دلیری کے ساتھ سخت گیری میں بھی کافی شہرت رکھتا تھا، اس کے علاوہ وہ طبعا مال و دولت جمع کرنے کا حریص بھی تھا۔ اس نے کاروان کو شک و شبہ کی نگاہوں سے دیکھا۔ ان دنوں حالات کا رخ دیکھتے ہوئے اس کا شبہ بے جا نہ تھا۔ قافلے میں گورنر کا شناسا ایک ہندی النسل تاجر بھی تھا جو کہ چنگیز خان کی جانب سے حاصل کردہ اعزاز و اکرام کے باعث اب کسی کو خاطر میں لانے کے لیے تیار نہ تھا، اپنے ”خان اعظم“ کی قوت و اقتدار پر اسے بڑا گھمنڈ ہو رہا تھا اس لیے وہ حاکم اترار کو کسی قسم کے ادب کا لحاظ کیے بغیر ”یئال خان“ کہہ کر مخاطب کرتا رہا ⑤ اس قسم کی باتوں سے یئال خان کی طبیعت کی کبیدگی اور تندہی بڑھ گئی، اس کے شکوک پختہ ہونے لگے، اس کے لیے یہ بات بھی پرکشش تھی کہ تاجروں کا بے شمار مال مفت ہاتھ آ جائے۔

چند دنوں بعد خوارزم شاہ کو حاکم اترار کی جانب سے یہ اطلاع موصول ہوئی:

”قرآرم سے آنے والے ایک تجارتی قافلے کو اترار میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ یہ لوگ تاجرنہیں، جاسوس ہیں، یہ تنہائی میں مقامی لوگوں کو ڈراتے دھمکاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم لوگ اپنے انجام سے بے خبر ہو، عن قریب تم کو ایسے حالات پیش آئیں گے جن کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے، یہ جاسوسی کی غرض سے آ رہے تھے، ان کے متعلق فرمان شای کا انتظار ہے۔“ ⑥

ان دنوں بغداد اور قرآرم کی شاہراہوں پر سازشی عوامل کی بھنک نے خوارزم شاہ کو نہایت بد مزاج اور وہمی بنا دیا تھا، اس تازہ اطلاع پر اس کا پارہ مزید چڑھ گیا۔ تاہم اس نے احتیاط کا پہلو اختیار کر تہوئے یہ جواب لکھوایا:

”تاجروں کو تا حکم ثانی حراست میں رکھا جائے۔ تب تک اس مسئلے پر غور کیا جائے گا۔“

مگر اترار کے حاکم نے انہیں گرفتار کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جاسوسی کے الزام میں تمام اہل قافلہ کو قتل کر دیا اور سارا مال و متاع ضبط کر لیا۔ اہل قافلہ میں سے ایک شخص جو اونٹوں کی رکھوالی پر متعین تھا، قافلے کے حراست میں لیے جانے کے وقت غسل خانے میں تھا، وہ چپکے سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور چھپتا چھپتا خوارزمی سرحد سے نکل گیا، کئی ماہ بعد وہ مارا مارا پھر تاجروں کی طرح قرآرم پہنچ گیا اور چنگیز خان کو اس کا روروائی سے آگاہ کیا۔ ⑦

تاتاری قاصد کا قتل ..... چند ماہ بعد مملکت تاتار کے قاصد اپنے آقا کا احتجاجی مراسلہ لے کر خوارزم شاہ کے آستانے پر پہنچ چکے تھے۔ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ، غایت جاہ و جلال کے ساتھ اپنی مسند پر براجمان تھا۔ اس کو تاجروں کے قتل کے سلسلے میں چنگیز خان کے احتجاجی مراسلے کے ساتھ تاتاری وفد کی آمد کی اطلاع دی جا چکی تھی۔ وفد نے باریابی کی اجازت طلب کی تھی۔ خوارزم شاہ کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہو رہی تھیں۔



”مقتولین کا چنگیز خان سے بھلا کیا رشتہ تھا؟؟..... ان میں سے زیادہ تر لوگ خوارزم کے باشندے تھے، چنگیز خان کی رعایا نہ تھے۔ ان کا قتل سلطنتِ خوارزم کا اندرونی معاملہ ہے، کسی بیرونی حکمران کو اس مسئلے میں ایک فریق کی وکالت کرنے کا کیا حق ہے؟..... یہ ہماری عملداری میں بیرونی مداخلت نہیں تو اور کیا ہے؟..... چنگیز خان کو احتجاجی پیغام بھجوانے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟..... مقتولین کے ساتھ اس کا اتنا گہرا تعلق اس بات کو مزید پختہ کر رہا ہے کہ وہ وگ خوارزم میں درپردہ تاتاریوں کے لیے نہایت اہم خدمات انجام دے رہے تھے۔“

خوارزم شاہ کے دماغ میں اس قسم کے خیالات کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ تاتاری وند کو حاضری کی اجازت مل گئی۔ چند سمور پوش تاتاری بے باکانہ چال چلتے ہوئے اندر داخل ہوئے، ان پر نظر پڑتے ہی خوارزم شاہ کے ماتھے کی ٹلنیں مزید گہری ہو گئیں۔ شاہ کی اجازت سے پیغام سنانا شروع کیا گیا:

”تم نے اپنے ہاتھ سے تاجروں کو امان دینے کا معاہدہ تحریر کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ تجارتی قافلوں سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا، مگر اب تم نے غداری اور عہد شکنی کی ہے، بد عہدی حکمرانوں کے لیے حد درجہ فیج ہے، اترار کے حاکم بئال خان عرف اینال جن نے ہمارے بھیجے ہوئے چار سو بے قصور تاجروں کا خون بہایا اور ان کے مال و متاع پر قبضہ کیا ہے۔ اگر اگر تمہارا ادعوئی ہے کہ یہ سب کچھ اس نے اپنی مرضی سے کیا ہے تو اسے سزا بھگتنے کے لیے ہمارے حوالے کر دو اور ضبط شدہ مال لوٹا دو، لیکن اگر یہ سب کچھ خود تمہارے حکم سے ہوا ہے تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ..... یہ سراسر عہد شکنی ہے جس کا انجام بہت برا ہوگا، اب میرا سلوک تم دیکھ لو گے۔ جنگ کی تیاری کرو، میں ایسا لشکر لے کر تمہاری سمت آؤں گا جس کا مقابلہ تم نہیں کر سکو گے۔“ (۲۷)

اس پیغام کا ہر لفظ خوارزم شاہ کی رگِ انانیت کے لیے ایک نشتر تھا۔ بات یہ تھی کہ اینال خان شاہ کا ماموں زاد اور خوارزم کے جنگجو قبائل کا اہم سردار تھا، خوارزم شاہ اس پر ہاتھ ڈالتا تو اسے قبائلی سرداروں کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا، غالباً اسی لیے اس نے تاجروں کے قتل کے واقعے پر چپ سادھ رکھی تھی اور اب تک اس جرم کی تحقیقات شروع نہیں کرائی تھیں۔ اگر تحقیقات کرائی جاتیں اور جرم ثابت ہو جاتا تب بھی سزا دینا ملکی عدالتِ شرعیہ کی ذمہ داری تھی، اسے غیر ملکیوں کے رحم و کرم پر کیونکر چھوڑ دیا جاتا۔ اتنے بڑے عہدے دار کو تاتاریوں کے حوالے کرنا کیسے ممکن تھا؟ چنگیز خان پیغام کے آخری الفاظ تو گویا جنگ کا کھلا چیلنج تھے جنہیں وہ بالکل برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ غصے کے عالم میں چلا یا:

”قاصد کو قتل کر دیا جائے اور اس کے ساتھیوں کی داڑھیاں مونڈ کر انہیں واپس بھیج دیا جائے، چنگیز خان کو میرا پیغام پہنچا دو کہ میں خود تیرے مقابلے کے لیے پیش قدمی کروں گا، اگر تو دنیا کے آخری کوٹنے میں بھی چلا جائے تب بھی تجھے سزا دے کر رہوں گا اور تیرا وہی حشر کروں گا جو میں نے تیرے ساتھیوں کا کیا ہے۔“ (۲۸)

اس توہین آمیز پیغام سے اس کا غیظ و غضب اس قدر بھڑک چکا تھا کہ غور و فکر کی قوت معطل ہو گئی تھی۔ عاقبت اندیش وزراء نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ قاصد کا قتل بین الاقوامی مسلمہ قوانین کی خلاف ورزی ہے اور اس سے ناقابلِ تدارک فتنہ پیدا ہونے کا خدشہ ہے، مگر خوارزم شاہ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں چنگیز خان سمیت دنیا کی تمام حکومتوں کو پرہیز کاہ کی حیثیت بھی نہیں دیتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس وقت نرمی اور چلک داری سے کام لیا گیا تو یہ غیر ملکی

طاقت اور سر پر چڑھنے کی کوشش کرے گی۔ اسے مرعوب کرنے کا طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ انتہائی سخت رویہ اختیار کیا جائے۔ اس نے سب کی رائے مسترد کر کے اپنے حکم پر عمل کروایا۔ یوں وہ ہونا گ تباہی جو عام حالات میں ملتی ہو سکتی تھی اس غیر شریفانہ اقدام کی بدولت یکدم سر پر آ گئی۔

اگر خوارزم شاہ چنگیز خان کے قاصد کو قتل نہ کراتا تو ممکن تھا چنگیز خان کی ہوس ملک گیری اتنی جلد عالم اسلام کا رخ نہ کرتی، مغرب کی طرف تاتاری یلغار جس کی منصوبہ بندی جاری تھی مزید چند برس بلکہ چند عشرے مؤخر ہو جاتی اور حملے کی صورت میں بھی چنگیز خان خوارزم میں ہر حد سے متجاوز قتل و غارتگری کا مظاہرہ نہ کرتا..... لیکن اب صورتحال اس قدر بگڑ چکی تھی کہ چنگیز خان کو کسی طرح روکا نہیں جاسکتا تھا، آخر کار اس نے انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے پوری شدت سے حملہ کیا اور ایک کے بدلے ایک کروڑ سے زائد مسلمانوں کی جان لے کر اپنی آتش انتقام کو ٹھنڈا کیا۔ ایک بلیغ مؤرخ کے بقول ”اس نے خون کے ہر قطرے کے بدلے لہو کا ایک سمندر بہا دیا۔“ (۳۹)

ایک لمحے نے اٹھائی وہ قیامت حافظ آکھ چھکی تو کمیں تھے نہ مکاں تھا باقی

استعماری طاقتوں کی جارحیت کا یکساں انداز..... آج جب ہم آٹھ صدیاں پہلے کے اس واقعے پر غور کرتے ہیں جو چنگیز خان کے حملے کا فوری سبب بنا تو کئی پہلو حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں۔ قرآن و آثار کی روشنی میں نہ صرف اس بات کا خاصا امکان نظر آتا ہے کہ اس تجارتی قافلے میں چنگیز خان کے جاسوس موجود تھے، بلکہ یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس قافلے کے قتل کے محرکات میں بھی چنگیز خان کی اپنی شاطرانہ پالیسیوں کا بڑی حد تک دخل ہو؟..... یعنی دو چار جاسوس ان چار سوتا جروں میں اس طرح شامل کر دیے گئے ہوں کہ وہ خوارزمی سرحد پر پکڑے جائیں اور ان کے خلاف خوارزمی حکومت جو بھی کارروائی کرے اسے جنگ کا بہانہ بنا دیا جائے۔

یہ بات اگرچہ ہے تو قیاس..... مگر تاریخ کے اس منظر کو بھی دیکھیے کہ چنگیز خان نے خوارزم شاہ اور اس کی والدہ کے درمیان منافرت پیدا کرنے کے لیے اسی طرح ایک جاسوس کو روانہ کر کے خود ہی اس کو خوارزمی سرحد پر پکڑوا دیا تھا، اور خوارزمی جاسوسوں نے اسے گرفتار کر کے جو خط برآمد کیا تھا وہ جان بوجھ کر اس قسم کا لکھوایا گیا تھا جسے پڑھ کر خوارزم شاہ اپنی والدہ سے متنفر ہو جائے، اور ہوا بھی یہی کہ چنگیز خان کی منشاء کے عین مطابق خوارزم شاہ اپنی والدہ اور اس کے پورے قبیلے سے بدگمان ہو گیا (نہایت الارب ج ۷ ص ۳۶۲) لہذا یہ کوئی بعید معلوم نہیں ہوتا کہ تاجروں کے قافلے کو بھی اسی طرح پھنسا دیا گیا ہو اور اس طرح بڑی عیاری کے ساتھ خوارزمی حکام کو تجارتی قافلے کے قتل پر اکسانے والے اسباب تیار کر کے جنگ کا ایک بہانہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔

ان سطور سے میرا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ تاجروں کے بارے میں یہ نال خان کا فیصلہ درست تھا۔ ہرگز نہیں، یہ بلاشبہ ایک ظالمانہ فیصلہ تھا۔ بخارا کے ساڑھے چار سوتا جرم ملک کے باعزت افراد تھے، ان کا مقدمہ باقاعدہ عدالت میں جانا چاہیے تھا۔ شریعت کی روشنی میں تمام شواہد کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے مستقبل کے بارے میں جو بھی فیصلہ ہوتا وہی بہتر ہوتا۔

میرا ذاتی خیال ہے اگر کھلی عدالت میں مقدمہ چلتا تو اکثر تاجر باعزت طور پر بری ہو جاتے کیونکہ یہ بات عقلاً بعید ہے کہ تاجر پیشہ لوگ گروہی شکل میں کسی دوسرے ملک کے لیے جاسوسی کی خدمات انجام دینے لگیں اور وہ بھی ایک

ہی سفر اور غیر ملکی حکمران سے ایک ہی ملاقات کے بعد۔ ملک بھی ایسا جو تہذیب و تمدن اور دولت و ثروت میں ان کے ملک سے بہت پیچھے ہو۔

ینال خان کا تاجروں کو محض شک کی بنیاد پر قتل کر دینا واقعی اتنی بڑی سفاکی تھی جس پر قہر الہی کا جوش میں آجانا لازمی تھا۔ اس ساری کارروائی کے پیچھے دیکھئے تو اصل المیہ شرعی قانون پر عمل نہ کرنے اور اپنی ذاتی رائے کو بالادست رکھنے کا ہے۔ اس دور کی مسلم دنیا کے انتظامی ڈھانچے میں یہ بھی ایک بڑی کمزوری تھی کہ بادشاہ تو بادشاہ، صوبائی حکام اور محال حکومت بھی مطلق العنانیت کے درپے نظر تھے۔ پھر تاجروں کے مذکورہ معاملے میں تو ینال خان کو خوارزم شاہ کی طرف سے شہ بھی مل گئی تھی کہ جو چاہو کرو۔ پس اس نے جو چاہا کر ڈالا۔

کاش کہ تاجروں کو صرف گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلایا جاتا تو مسلمانوں کو شاید اتنے بڑے دن نہ دیکھنے پڑتے۔ یہ مسلمانوں کی بد قسمتی تھی کہ دشمن جس قدر درویر اندیش اور چالاک تھا وہ اسی قدر عاقبت نااندیشی کا ثبوت دیتے چلے گئے۔ ینال خان کی ہوس مال اور خوارزم شاہ کی غلبت و حماقت نے چنگیز خان کو اس کی توقع سے بڑھ کر بھرپور حملے کا فوری موقع مہیا کر دیا۔

چنگیز خان کی منصوبہ بندی اور جاسوسی نظام..... ممکن ہے کہ استعماری طاقتوں سے حسن ظن رکھنے والے یا منصف مزاجی کے حد سے زیادہ قائل بعض حضرات راقم کے اس خیال کو کہ تجارتی قافلے کے قتل کے محرکات میں چنگیز خان کی شاطرانہ چالوں کا دخل تھا، اب بھی ایک بے بنیاد قیاس آرائی قرار دیں، مگر میں دیگر قرائن کے علاوہ اس پہلو کو ملحوظ رکھنے پر اس لیے بھی مجبور ہوں کہ تاریخ کی گواہی کے مطابق سامراجی طاقتوں کی جارحیت ہمیشہ ایسی ہی سازشوں کے بعد ظہور میں آتی ہے۔ استعماری قوتوں کی سوچ اور نظریہ قدیم و جدید ادوار میں یکساں رہا ہے، زمانے کی تبدیلی استعماری سوچ پر اثر انداز نہیں ہوئی۔ استعماری حربے آج بھی انہی سانچوں میں ڈھالے جا رہے ہیں۔ موقع محل، حالات اور زمانے کے لحاظ سے طریقہ واردات اور انداز کار میں فرق ہو سکتا ہے مگر استعماری اصول آج بھی وہی ہیں جن میں مادی اغراض کے حصول کو اپنا نصب العین قرار دیا گیا ہے اور اس مقصد کی خاطر ہر قسم کی سفاکی، غارت گری، جیلہ بازی اور مکر و فریب کی اجازت دی گئی ہے۔ برصغیر، عراق، افغانستان، اور پاکستان کا ماضی قریب اور حال اس کا گواہ ہے۔

چنگیز خان کے مقابل حکمرانوں کو بھی یہ غلط فہمی ہوئی اور آج بھی بعض ذہنوں میں یہ خیال موجود ہے کہ وہ ایک محض اجڈ جنگجو تھا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ چنگیز خان جنگجو ہونے کے ساتھ انتہائی مکار اور عیار سیاست دان بھی تھا، اس کی سوچ کی کندو ہاں تک پہنچتی تھی جہاں تک اس کے متدین ہم عصروں کی پروا و فکر نہیں پہنچ سکتی تھی۔

اس کی کامیابیوں کا ایک اہم سبب دشمن کے بارے میں مکمل و تفصیلی معلومات کا قبل از وقت حصول تھا۔ ہمسایہ ملکوں کی آبادی، عسکری قوت، وہاں کے حکمرانوں کی خصوصیات و عادات، شہروں، جنگلوں، میدانوں، صحراؤں اور پہاڑوں کے تسلسل نقشے، یہ سب کچھ دشمن پر حملے سے بہت پہلے سے اس کے علم میں لایا جاتا تھا۔ اس کے بعد دشمن پر حملے کا تفصیلی منصوبہ اس کے عیار ذہن میں پرورش پاتا۔

وہ اس بات کا بھی خیال رکھتا کہ یلغار سے قبل حملے کے جواز کی کوئی وجہ پیدا کر دی جائے۔ جو شخص ہیر لڈیم کی

کتاب ”چنگیز خان“ کا بنظر غائر مطالعہ کرے گا وہ محسوس کرے گا کہ قرایت قوم کے سردار طغرل اوغک خان کے خلاف فوج کشی کے لیے وجہ جواز کن باریک حیلوں سے پیدا کی گئی۔ ختائی صلح پسند بادشاہت کے خلاف محاذ کھولنے سے قبل کن مذموم چالوں سے جنگ کے شعلے بھڑکائے گئے۔ درحقیقت یہ حیلہ سازیاں اس قدر جامع منصوبے کے تحت تراشی گئی تھیں کہ صدیوں بعد آنے والے بعض مؤرخ ظاہری حالات پر نگاہ ڈال کر اس دھوکے کا شکار ہو گئے کہ حملہ آور ہونے میں چنگیز حق بجانب تھا۔<sup>(۴)</sup>

تاتاری جس زمانے میں ختائی سلطنت کے ماتحت اور اس کی رعایا تھے ان دنوں چنگیز خان کے دستے شاہ ختائی طلب پر چین کی اندرونی حدود میں جا کر شاہ کے باغیوں کی سرکوبی کیا کرتے تھے لیکن حقیقتاً وہ چنگیز خان کے حکم کے مطابق اس مملکت میں جاسوسی کر رہے تھے، اور آئندہ ضرورت کے لیے یہاں کی شاہراہوں، شہروں اور دیگر جغرافیائی حدود کا نقشہ تیار کرنے کے علاوہ ختائی عسکری طاقت کی تمام جزئیات کا احاطہ کر رہے تھے۔<sup>(۵)</sup>

مذکورہ نظائر اور قرائن کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ امکان خاصا وزنی ہو جاتا ہے کہ مملکت خوارزم کے ساتھ چنگیز خان کا تجارتی معاہدہ اقتصادی فوائد کے حصول کے علاوہ جاسوسی نظام تشکیل دینے کے لیے بھی ہو۔ دوسرے لفظوں میں اترار کے حاکم نے قراقرم سے آنے والے قافلے پر جاسوسی کا جو الزام لگایا تھا وہ بے بنیاد نہیں تھا۔

عالم اسلام پر حملے کے دوران چنگیز خان کی بالکل صحیح خطوط پر کامیاب پیش قدمی بھی خوارزم میں تاتاری جاسوسوں کی موجودگی کا احتمال پختہ کرتی ہے۔ اگر چنگیز خان کے جاسوس خوارزم میں موجود نہ ہوتے تو وہ خوارزم شاہ کے مجبوروں کی نظروں سے بچ کر لاکھوں سپاہیوں کے ساتھ اچانک عقب سیکے حملہ آور ہو سکتا تھا۔ لاکھوں افراد کی فوج کو اجنبی راستوں سے اس خوبی سے گزاردینا جاسوسی نظام سے حاصل شدہ تفصیلی معلومات کے بغیر کیسے ممکن ہے؟

مذکورہ پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دیگر ممالک کی طرح خوارزم میں بھی چنگیز خان کی فتوحات میں اس کے جاسوسی نظام کا بڑا ہاتھ تھا جسکی تشکیل کے لیے تجارتی تعلقات کو آڑ بنایا گیا تھا۔

چنگیزی کارندے سفیروں اور تاجروں کے روپ میں چین اور خوارزم سمیت کئی ہمسایہ ملکوں میں سرگرم عمل رہے تھے۔ وہ مقامی باشندوں میں سے تلاش کر کے اپنے مطلب کے لوگ تیار کرتے رہے، انہیں مال و زر کا لالچ دے کر اپنے مخصوص مفادات کے لیے استعمال کرتے رہے، ان میں سے بعض تاتاریوں کے لیے جاسوسی کرنے لگے، بعض افواہیں پھیلاتے رہے، بعض اپنی حماقت یا لاعلمی کی بناء پر تاتاریوں کے مقاصد کے لیے استعمال ہونے لگے، بعض امراء اور سردار شاہی خاندان سے سیاسی عناد کی وجہ سے خود کو تاتاریوں کے مفادات سے وابستہ کرتے چلے گئے۔ ضرورت پڑنے پر ایسے لوگ دربار قراقرم کے لیے ہر طرح کے کام انجام دیتے رہے، اس قسم کے لوگ زمانہ جنگ میں تاتاریوں کے لیے نہایت کارآمد ثابت ہوتے رہے۔ وقت پڑنے پر یہ لوگ تاتاری فوج کے لیے شہر کے دروازے تک کھلوا دیتے تھے۔ یہ گمان کرنا درست نہیں ہوگا کہ یہ زر خرید لوگ بس ایک دن میں دشمن کے جال میں آ جاتے ہوں گے۔ نہیں، بلکہ بہت پہلے ان سے رابطے قائم کر لیے جاتے ہوں گے، ان کاموں کے لیے ایسے طبقات کے لوگ خاص طور پر مفید ثابت ہو سکتے تھے جو کسی وجہ سے اپنی حکومت سے متنفر ہوں۔

خوارزم میں مسلمانوں سے غداری کرنے والوں میں سے کچھ لوگ تو اس خام خیالی میں مبتلا ہو کر تاتاریوں کے

ہاتھوں کے تھے کہ تاتاریوں کا حملہ صرف خوارزم شاہ کو سزا دینے کے لیے ہے اور فتح کے بعد تاتاری یہاں کی حکومت ہمیں عطا کر دیں گے..... مگر بعض ایسے لوگ بھی تاتاریوں کے ہمنوا بن گئے تھے جو بخوبی جانتے تھے کہ تاتاری حملہ مسلمانوں کی اجتماعی نسل کشی اور شجر اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے ہے مگر وہ ہوس مال و جاہ کے عام فتنے میں مبتلا تھے، دنیا کی محبت نے انہیں اندھا کر دیا تھا، ان لوگوں نے ضمیر فروشی کی منہ مانگی قیمت وصول کر لی تھی، اس لیے اپنے مسلمان بھائیوں کی تباہی میں حصہ دار بننے پر انہیں اپنے ضمیر کی ملامت کی کوئی پروا نہ تھی۔ یہ لوگ برائے نام مسلمان تھے اور حقیقتاً اہل اسلام کے لیے کفار سے زیادہ خطرناک ثابت ہو رہے تھے۔

شیعہ اور باطنی فرقے کی غداریاں..... غداران ملت میں شیعہ اور باطنیہ فرقے کے افراد بڑی سرگرمی کے ساتھ شامل رہے، ہر موقع پر تاتاریوں نے ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا۔ باطنیہ فرقے کے غدار عام مسلمانوں کے روپ میں کاشنکاری سے لے کر حکومتی عہدوں تک کے ہر شعبہ زندگی میں موجود تھے اور خوارزمی اقتدار کی نینچ کٹی میں مصروف تھے۔ اس فرقے کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مختلف خوارزمی حکمران ان کے خلاف بھرپور کارروائیاں کرتے رہے تھے، مگر ان کی مکمل سرکوبی نہ ہو سکی، بلکہ خوارزم شاہی خانوادے سے ان کا بغض و عناد بڑھتا چلا گیا، اور انہوں نے اس سلطنت کے خلاف ہر بیرونی حملہ آور کے ہاتھ مضبوط کئے۔

تاتاریوں کے ہاتھوں عالم اسلام کی اس تباہی و بربادی میں شیعہ فرقے کی سازشوں کا دخل کس قدر تھا؟ یہ ایک مستقل موضوع ہے اور بڑی تفتیش اور تحقیق کا تقاضا کرتا ہے۔

قارئین کو خلیجانی سے ٹکالنے کے لئے اتنا واضح کئے دیتا ہوں کہ تاتاریوں کی پہلی یلغار میں چنگیز خان کو عالم اسلام پر حملے کی دعوت دینے والے ”خلیفۃ المسلمین“، الناصر کا تعلق بھی اہل تشیع سے تھا۔ اس کے چالیس برس بعد جب ہلاکو خان کی قیادت میں تاتاریوں نے بغداد پر حملہ کیا تو اس وقت بھی تاتاریوں کو حملے کی ترغیب دینے والے اور اس تباہی کی منصوبہ بندی کرنے والے دو مرکز کی کردار ”ابن علقمی“ اور ”نصیر الدین طوسی“ متعصب شیعہ تھے۔

خلیفہ ناصر کے تشیع کا ثبوت..... شاید بعض قارئین کو اس پر تعجب ہو کہ عباسی خلیفہ کیسے شیعہ ہو سکتا ہے جبکہ اس کے آباؤ اجداد اور آل اولاد سب اہل سنت تھے۔ مگر سچ اپنی جگہ سچ ہے، چاہے کتنا ہی عجیب معلوم ہو۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں جلد ۷ ص ۱۲۷ پر اختصار کے ساتھ اور ابن شہاب حنفلی نے ”کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ“ میں خاصی وضاحت کے ساتھ خلیفہ ناصر کے شیعہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔<sup>(۱۳)</sup>

————— ❦ —————

## حواشی و حوالہ جات

① روضۃ ج ۵ ص ۲۵..... فتحات الانس ص ۶۶۳

② جہاں کشاج ص ۸

③ تاریخ الاسلام کبیر للذہبی، طبقہ ۶۲، وفیات سن ۶۱۷ھ، حرف میم۔

یاد رہے کہ سلطان علاؤ الدین محمد کی فوج کی تعداد کے بارے میں تاجر کا یہ بیان خاصا مبالغہ آمیز ہے کیوں کہ چھ لاکھ سپاہی اور مزید اتنے ہی افراد بارہ لاکھ نہیں گے، اتنے بڑے لشکر کا ہونا بعید از قیاس ہے۔ یہاں راوی سے کھلا تسامح ہوا ہے۔ دیگر روایات سے پتا چلتا ہے کہ افواج کے اجتماع کے وقت چھ سو پرچم ہوتے تھے، ہر پرچم تلے ایک ہزار سپاہیوں کا دستہ ہوتا تھا۔ اس طرح فوج کے کل افراد چھ لاکھ تھے۔ خوارزم شاہ کے فوجی سالاروں کے بیان کے مطابق ان میں سے باقاعدہ پیشہ ور سپاہی تین لاکھ تھے..... دیکھیے، تاریخ الاسلام کبیر للذہبی، طبقہ ۶۲، وفیات سن ۶۱۷ھ، حرف میم۔ باقی قبائلی جنگجو تھے جنہیں بوقت ضرورت طلب کیا جاتا تھا۔ النسوی کا بیان ہے کہ پیشہ ور گھڑسوار سپاہیوں کی تعداد چار لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ ”واشتملت جریدۃ دیوان الجیش علی ما یقارب اربعمائۃ فارس۔“ (سیرۃ جلال الدین ص ۴۹..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۵۰) گویا بے ضابطہ لڑنے والے کم و بیش دو لاکھ تھے۔

④ سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی ص ۴۹..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۵۸..... تاریخ الاسلام کبیر للذہبی، طبقہ ۶۲، حوادث، سن ۶۱۴ھ..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۰۷..... مگر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور میر خواند کے مطابق خوارزم شاہ نے شیخ سے بے مروتی کا برتاؤ کیا اور ان کے سلام کا جواب تک نہ دیا۔ دیکھیے، البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۸۳ اور روضۃ الصفاح ص ۸۲۲۔

⑤ تاریخ اسلام ذہبی، طبقہ ۶۲، سن ۶۱۴ھ

⑥ بحوالہ بالا

⑦ جلال الدین حسن بن صباح کے جانشینوں میں واحد شخص تھا جس نے اپنے بڑوں کے عقائد سے توبہ کر کے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تھا۔ اس کے دور میں فدائی ذرا ٹھنڈے پڑ گئے مگر انہوں نے اپنے نئے پیشوا کی تعلیمات کو دل سے قبول نہ کیا۔ چنانچہ اس کے بعد آنے والے الموت کے حاکم حسب سابق کافر ہی تھے۔ جلال الدین حسن کو عالم اسلام میں ”جلال الدین نو مسلم“ کے لقب سے یاد کیا جاتا رہا مگر بعض مؤرخین کے بقول اس کا اظہار اسلام سیاسی مصالح کی بناء پر تھا اسی لئے حافظ ذہبیؒ اسے ”ضلال الدین“ کا نام دیتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء وحاشیہ ج ۲۲ ص ۱۹۸) اس کا ۶۱۸ھ میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے بعد باطنیوں کا آخری پیشوا علاؤ الدین خورشاہ مسند نشین ہوا تھا۔ (حسن بن صباح ص ۶۸)

۸) جہاں کشاج ۲ ص ۱۲۰، ۱۲۱..... نہایت الارب ج ۷ ص ۳۵۷، ۳۵۸

۹) مرآۃ الزمان ج ۸ ص ۵۹۸، تاریخ کبیر للذہبی وفیات، سن ۶۱۷ھ

اس واقعے کے ضمن میں ایک اور واقعہ بیان کر دینا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا جس سے امور سلطنت میں شہزادہ جلال الدین کی اہمیت اور خوارزم کے خبر رساں اداروں کی فعالی کا پتا چلتا ہے۔ ہوا یہ کہ خوارزم شاہ تو اس وقت فوری طور پر بخارا چلا گیا تاہم شہزادہ جلال الدین کو سرحدی حالات کی دیکھ بھال کے لیے ہمدان میں ٹھہرنا پڑا۔ انہی دنوں شام و مصر کے بادشاہ الملک العادل کے دو سفیر خوارزم شاہ سے ملنے ہمدان آئے، خوارزم شاہ نے اپنی سفارت الملک العادل کے ہاں بھیجی تھی، یہ سفیر اس کا جواب لے کر آئے تھے، جب انہیں معلوم ہوا کہ خوارزم شاہ یہاں سے جا چکا ہے، تو انہوں نے متبادل طور پر شہزادہ جلال الدین سے ملاقات کی۔ جلال الدین نے انہیں یہ بتا کر حیرت زدہ کر دیا کہ آپ کے آقا الملک العادل، جن کا پیغام لے آپ آئے ہیں، وفات پا گئے ہیں۔ سفیروں کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی تھی مگر خوارزمی خبر رسانوں نے راتوں رات شہزادے کو مطلع کر دیا تھا۔ (تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۲، حوادث، سن ۶۱۵ھ)

۱۰) جہاں کشاج ۲ ص ۱۲۱

۱۱) روضۃ الصفاح ۳ ص ۸۲۲..... نہایت الارب ج ۷ ص ۳۶۰

۱۲) ابن اثیر ج ۷ ص ۵۴۴..... سیرۃ سلطان جلال الدین منکمرتی ص ۶۲..... صاحب روضۃ الصفاح نے اس موقع پر خوارزمی دربار کے شاعر کمال الدین اسماعیل کا ایک شعر نقل کیا ہے جو اس واقعے کی خوب منظر کشی کرتا ہے۔  
مانند پنبہ دانہ کہ در پنبہ دانہ است اجرام کو ہہاست نہاں در میان برف

۱۳) تاریخ اسلام ذہبی، طبقہ ۶۲، حوادث، سن ۶۱۴ھ

۱۴) بحوالہ تاریخ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی ج ۳

۱۵) مختصر المعانی کے متن تلخیص المفتاح کا ماخذ مفتاح العلوم انہی کی تصنیف ہے۔

۱۶) سیرۃ سلطان جلال الدین منکمرتی ص ۲۵۳..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۷۸

۱۷) تاریخ گزیدہ ص ۵۰۰..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۷۹

۱۸) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۰۸

۱۹) چنگیز خان باب ۱۱ ص ۹۰

۲۰) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۰۹..... سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۲۳۳

۲۱) سیرۃ سلطان جلال الدین منکمرتی ص ۸۳..... نہایت الارب ج ۷ ص ۳۶۰

۲۲) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۰۹

۲۳) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۰۹..... نہایت الارب ج ۷ ص ۳۶۰

۲۴) سیرۃ سلطان جلال الدین منکمرتی ص ۸۳..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۹۶

۲۵) روضۃ الصفاح ۵ ص ۲۴..... شذرات الذہب ج ۵ ص ۶۱..... سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۲۳۳

۳۶ طبقات ناصری ج ۱ ص ۳۶۷ - طبقہ ۱۶

۳۷ روضۃ الصفاح ص ۲۵

۳۸ روضۃ الصفاح ص ۲۵

۳۹ ابن اثیر ج ۷ ص ۵۸۳

۴۰ روضۃ الصفاح ج ۵ ص ۲۵

۴۱ جہاں کشا جوینی ج ۱ ص ۵۹، ۶۰

۴۲ طبقات ناصری ج ۱ ص ۳۶۷

۴۳ اس کا نام ”اینال حق“ یا ”اینال حق“ اور لقب ”غازخان“ تھا۔

۴۴ جہاں کشا ج ۱ ص ۶۰

۴۵ سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی ص ۸۶..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۰۹

۴۶ سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی ص ۸۶..... روضۃ الصفاح ج ۳ ص ۸۲۳..... طبقات ناصری ج ۱ ص ۳۶۷

یاد رہے کہ جہاں کشا اور روضۃ الصفاح کی روایات کے مطابق تاجروں کے قتل کی سزا خوارزم شاہ نے خود تجویز کی تھی لیکن نقل اور درایہ یہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ حاکم اترار نے اپنی رائے سے یہ کارروائی کی تھی ورنہ چنگیز خان بدلے میں اس کی ہوا لگی کا ذکر کیے بغیر براہ راست خوارزم شاہ سے اعلان جنگ کرتا۔ یہاں النسوی کا بیان بھی ہماری تائید کرتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ خوارزم شاہ نے احتیاط سے کام لیتے ہوئے ینال خان کو حکم دیا تھا کہ وہ تاجروں کو تا حکم ثانی حراست میں رکھے تاکہ اس مسئلے پر غور کیا جاسکے، ینال خان نے انہیں گرفتار کر لیا۔ آگے النسوی کہتا ہے کہ اس کے بعد تاجروں کے بارے میں مزید کوئی خبر نہ ملی کہ ان کا انجام کیا ہوا۔

اس روایت کا اکثر حصہ تو ہمارے موقف کی تائید کرتا ہے، جہاں تک اس روایت کے آخری حصے یعنی تاجروں کے انجام سے مؤلف کی لاعلمی کا ذکر ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ النسوی جیسے شخص کو اس قدر مشہور واقعے کی اتنی اہم کڑی کا سرے سے کچھ پتا نہ ہو۔ اس سے یہی مراد لینا پڑے گی کہ تاجروں کے قتل کا معاملہ اتنا الجھ گیا تھا کہ النسوی کو اس کی ذمہ داری کسی خاص شخص پر ڈالنا خلاف احتیاط لگا۔ اس لیے انہوں نے لاعلمی ظاہر کرنا بہتر سمجھا۔

۴۷ سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی ص ۸۷..... ابن اثیر جلد ۷ ص ۵۷۳..... نہایت الارب ج ۷ ص

۳۶۱..... شذرات الذہب ج ۵ ص ۶۱..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۹۸

۴۸ ابن اثیر ج ۷ ص ۵۷۴

۴۹ الصبر ج ۳ ص ۱۶۵

۵۰ جیسے مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی مرحوم

۵۱ ملاحظہ ہو ”چنگیز خان“ ہیرلڈیم۔ آٹھواں باب ص ۶۶

۵۲ ابن شہاب حنبلی نے تفصیلاً بیان کیا ہے کہ ”خلیفہ ناصر اور اس کے بعض وزراء شیعہ تھے اور خلیفہ نے مشہور محدث



اور مؤرخ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کو عقائد اہل سنت والجماعت کے اظہار اور شیعہ نظریات کی تردید کے جرم میں بغداد سے جلاوطن کر کے واسط بھیج دیا تھا جہاں وہ پانچ سال تک ایذا میں برداشت کرتے رہے، اس وقت ابن جوزی رحمہ اللہ کی عمر اسی سال سے متجاوز تھی۔“

ابن عماد حنبلی رحمہ اللہ نے شذرات الذہب ج ۵ ص ۹۸ پر تحریر کیا ہے کہ خلیفہ ناصر نے اپنے آباء و اجداد کے برخلاف شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا اور امامیہ فرقے کی طرف مائل تھا۔ اس کا تعصب اس حد تک تھا کہ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (کوزیر عتاب لانے کے لئے ان) سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل شخص کون ہیں؟ علامہ جوزی رحمہ اللہ خلیفہ ناصر کے یقینی عتاب کے خوف سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام نہ لے سکے بلکہ کنایہ میں جواب دیتے ہوئے گویا ہوئے:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل وہ شخص ہیں کہ ان کی بیٹی اُن کے نکاح میں تھی۔“

اس سلسلے میں وہ خط بھی قابل ذکر ہے جو ناصر نے سلطان صلاح الدین کے بیٹے الملک الافضل علی کے خط کے جواب میں لکھا تھا۔ الملک الافضل علی اہل سنت سے منحرف ہو کر شیعہ ہو گیا تھا، اس نے خط میں خلفائے ثلاثہ کی منظوم ہجو کی تھی۔ اس طرح وہ خلیفہ کا منظور نظر بن کر اپنے چچا الملک العادل اور اپنے بھائیوں سے حکومت چھینا چاہتا تھا۔ خلیفہ کا جوابی مراسلہ بھی منظوم تبرابازی پر مشتمل تھا۔

الملک الافضل علی کے تبرابازی پر مشتمل اشعار یہ ہیں:

مَوْلَايَ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ وَصَاحِبَهُ عُمَانٌ قَدْ غَضَبَا بِالسَّيْفِ حَقَّ عَلَيَّ  
اے میرے آقا! بلاشبہ ابوبکر اور اس کے ساتھی عثمان نے بزورِ شمشیر علی کا (یعنی میرا) حق غصب کیا

ہے۔

وَهُوَ الَّذِي كَانَ قَدْ وَلَّاهُ وَالِدُهُ عَلَيْهِمَا فَاسْتَقَامَ الْأَمْرُ حِينَ وَلِيَ  
حالانکہ اسی (علی) کو اس کے باپ نے ان دونوں (ابوبکر و عثمان) پر حاکم بنایا تھا۔ تو جب علی حاکم تھا تو حالات درست تھے۔

فَخَالَفَاهُ وَخَلَّاهُ عَقْدَ بَيْعَتِهِ وَالْأَمْرُ بَيْنَهُمَا وَالنَّصُّ فِيهِ جَلِيلِي  
(پھر ابوبکر و عثمان نے اس (علی) کی مخالفت کی اور اس کی بیعت توڑ دی اور یہ ان دونوں کا گٹھ جوڑ تھا حالانکہ اس مسئلے میں واضح نص موجود ہے۔)

فَانْظُرْ إِلَى حَظِّ هَذَا الْأُسْمِ كَيْفَ لَقِيَ مِنْ الْأَوَّخِرِ مَا لَاقَى مِنَ الْأَوَّلِ  
پس ذرا اس (ابوبکر و عثمان کے) نام کا اثر دیکھ لیجئے کہ بعد میں آنے والوں (یعنی الملک العادل ابوبکر اور الملک العزیز عثمان) پر بھی وہی اثرات طاری ہوئے جو پہلوں (حضرت ابوصدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) پر طاری ہوئے تھے (یعنی جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا غصب کیا تھا اسی طرح ملک العادل ابوبکر اور ملک العزیز عثمان نے علی کا یعنی میرا حق غصب کر لیا ہے۔) نعوذ باللہ من ذالک

خلیفہ ناصر نے الملک الافضل کے خط کے جواب میں یہ اشعار لکھے:

وَافِي كِتَابِكَ يَا ابْنَ يُوسُفَ مُغْلِنًا بِالصِّدْقِ يُخْبِرُ أَنَّ أَصْلَكَ طَاهِرُ  
اے صلاح الدین یوسف کے بیٹے! تیرا خط سچ کا اظہار کرتے ہوئے آپہنچا، وہ خبر دے رہا تھا کہ تو پاکیزہ نسب والا ہے۔

غَضَبُوا عَلَيَّا حَقَّهُ أَنْ لَمْ يَكُنْ بَعْدَ النَّبِيِّ لَهُ يَبْشُرُ نَاصِرُ  
ان لوگوں (حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق غصب کیا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی کا شرب (مدینہ) میں کوئی مدد گار نہ رہا تھا۔

فَاصْبِرْ فَإِنَّ عَذَابًا عَلَيْهِ حَسَابُهُمْ وَأَبْشُرْ فَنَاصِرُكَ الْإِمَامُ النَّاصِرُ  
پس تو صبر کر کہ کل (قیامت کو) ان (خلفائے ثلاثہ) سے حساب لینا اس (علی) کے ذمہ ہوگا اور تو خوشخبری لے کہ خلیفہ ناصر تیرا مددگار ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

الملک الافضل اور خلیفہ کی اس مکاتبت کا ذکر مندرجہ ذیل کتب میں دیکھا جاسکتا ہے:

.....وفیات الاعیان باب الافضل علی ج ۳ ص ۴۲۰

.....النجوم العالی فی انباء الاول، باب الملک العزیز عثمان ج ۲ ص ۲۸۸

.....الوانی بالوفیات، باب الافضل علی ج ۷ ص ۱۰۹

.....نہایۃ الارب ج ۸ ص ۷۳

.....تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۳ وفیات ۶۲۲ ھ حرف عین

.....تاریخ مختصر الدول ص ۲۳۷

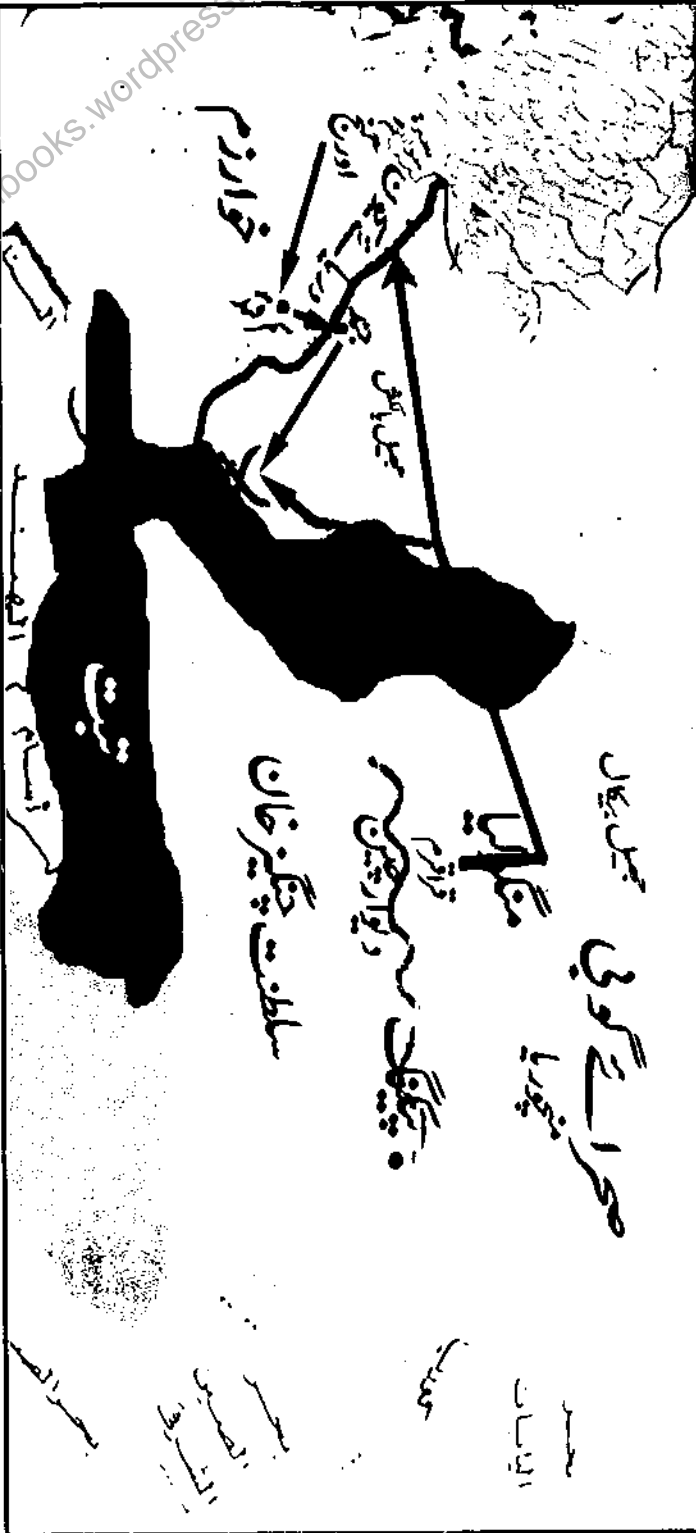
.....البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۲۷

خلیفہ ناصر کی تعمیر کردہ عمارات بھی اس کے رافضی ہونے کی گواہ ہیں۔ دانش گاہ، پنجاب لاہور کی شائع کردہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں اس کے حالات کے تحت تحریر ہے:

”ان عمارتوں میں سے جن کی تعمیر کتبوں کی رو سے الناصر کی طرف منسوب ہے بغداد کا طلسمی دروازہ (۶۱۸ھ/۱۲۲۲ء) اور سامرا کا ”مأمن غیبیہ المہدی“ ہیں۔ یہ دونوں عمارتیں دلچسپ اور اس کی سیاسی اغراض کی آئینہ دار ہیں۔ آخری عمارت تو صاف طور پر ایک شیعہ مقدس مقام ہے (کیونکہ شیعوں کے نزدیک امام غائب وہیں پوشیدہ ہے) جس سے اس کے شیعہ رجحانات مترشح ہوتے ہیں۔“

سرتیر (چنگیز خان من یافار)  
 بناتیر (جوجی خان کی بیقرار)  
 سرتیر (علاء الدین محمد خوارزمشاہ کی پیش قدمی)  
 بناتیر (جوجی خان اور خوارزمشاہ کے درمیان معرکہ)

# سنہ ۱۱۹۱ھ - چنگیز خان کا عالم اسلام پر حملہ



## چنگیز خان کا عالم اسلام پر حملہ

کرتی ہے ملوکیت آثار جنوں پیدا اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز چنگیز خان کی آتش غضب..... قاصد کے قتل کے بعد تاتاری وفد کے دیگر ارکان خراشیدہ چہروں کے ساتھ صحرائے گوبی واپس پہنچے۔ چنگیز خان نے انہیں اس حال میں دیکھا تو غم و غصے سے کانپنے لگا ①، اپنے سفیر کے قتل کی خبر سن کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی، اس کا وجود سراپا انتقام بن گیا، اس آبرو شکن سلوک پر طیش سے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ وہ اس پہاڑی پر چڑھ گیا جسے وہ ”تنگری“ کا مرکز تصور کرتا تھا۔ یہاں وہ برہنہ سر ہو کر اپنے مفروضہ معبود کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔ تین دن رات اسی طرح گزارے۔ ② آخر اس نے اعلان کیا:

”جس طرح آسمان پر دوسورج نہیں چمک سکتے، اسی طرح زمین میں بھی دوشہنشاہ نہیں ہوں گے۔“ ③

اس کے بعد اس نے برق رفتار قاصد بھیج کر خوارزم شاہ کو ان الفاظ میں اعلان جنگ سنایا:

”تو نے جنگ پسند کی ہے، اب جو ہوگا سو ہوگا..... اور کیا ہوگا؟ ہمیں معلوم نہیں، صرف خدا کو معلوم ہے۔“ ④

ایشیائے بلند کی وسعتوں میں بکھرا ہوا تاتاریوں کا مڈی دل لشکر چنگیز خان کا حکم ملتے ہی صحرائے گوبی کے جنوب مغربی حصے میں جمع ہونے لگا۔ دس ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک بڑا دستہ ”تومان“ کہلاتا تھا۔ ایسے بیسیوں تومان یہاں جمع ہو کر کوچ کی تیاریاں کرنے لگے، لشکر کے ہزار ہزار سپاہی ایک ایک جھنڈے تلے جمع ہو رہے تھے، جب پورا لشکر جمع ہو گیا تو جھنڈوں کی تعداد سات سو ہو چکی تھی ⑤ گویا لشکر کے افراد کی تعداد سات سے لاکھ سے کم نہیں تھی۔ بعض مؤرخین نے تعداد آٹھ لاکھ تک بیان کی ہے، جس کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ راستے کے قبائل کے شامل ہو جانے سے آگے چل کر تعداد بڑھ گئی ہو۔

تاتاری لشکر کی صحیح تعداد..... روضۃ الصفا کی روایت ہے: ”تولی خان کے پاس مرو پر حملے کے وقت اسی ہزار سپاہی تھے جو کل لشکر کا عشر (دسواں حصہ) تھے۔“

یعنی لشکر کے کل سپاہی آٹھ لاکھ تھے۔ حافظ ابن کثیر کا بھی یہی قول ہے، فرماتے ہیں: ”حتیٰ صاریو کب فی نحو ثمان مائة الف مقاتل“، یعنی چنگیز خان کی رکاب میں آٹھ لاکھ کے لگ بھگ سپاہی تھے۔ صرف طبقات ناصر ی کی روایت کے مطابق لشکر میں سپاہیوں کی تعداد سات لاکھ تھی۔ ⑥ بہر کیف اس دور کے مؤرخین نے تاتاری لشکر کی تعداد کسی طرح بھی سات لاکھ سے کم نہیں بتائی، اور عقلاً و نقلاً یہی درست ہے۔

یورپی مؤرخ کی غلطی..... اس دور کے مؤرخین ان بیانات کی موجودگی میں جب ہم گزشتہ صدی کے امریکی مستشرق ہیرلڈ لیمب کا یہ بیان دیکھتے ہیں کہ خوارزم پر حملے میں تاتاری فوج اڑھائی لاکھ افراد پر مشتمل تھی، تو اس جہالت پر

حیرت ہوتی ہے سے۔ خلافِ نقل ہونے کے علاوہ عقل بھی اس کو تسلیم نہیں کرتی، اس لیے کہ خوارزم پر حملے سے چند سال پہلے ختا پر حملہ کرتے وقت چنگیزی لشکر میں (خود ہیر لڈیسمب کے بیان کے مطابق بھی) ساڑھے تین لاکھ کے لگ بھگ سپاہی تھے، جبکہ ختا صحرائے گوبی سے اتنا قریب تھا کہ مکہ بھی حاصل ہو سکتی تھی۔ اس کے بالمقابل عالم اسلام کی سرحد تین ہزار کلومیٹر دور تھی۔ جہاں مکہ پہنچنے کا کوئی احتمال نہ تھا۔ نیز راستے کے خطرات، موسم کی طوفان خیزی اور خوارزم کی تین لاکھ باقاعدہ فوج کے علاوہ افغان و ایرانی قبائل کی مکہ کے امکانات چنگیز خان کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہوں گے۔ ان حالات میں صرف اڑھائی لاکھ سپاہی ساتھ لے کر چلنا تو خود موت کے منہ میں جانے کے مترادف تھا اور ظاہر ہے چنگیز خان ایسی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔ علاوہ ازیں اس یلغار میں تاتاری لشکر میں اضافہ اس لیے بھی یقینی ہے کہ ختا اور دیگر نئے مقبوضات کے تمام شہزادوں اور سرداروں کے علاوہ منجنیقوں اور آتشیں اسلحہ کے چینی ماہرین کو بھی اس لشکر میں شامل کر لیا گیا تھا۔ ⑤

یلغار کا آغاز..... موسم خزاں (رجب ۶۱۶ھ / ستمبر ۱۲۱۹ء) میں اس سیلاب بلا خیز صحرائے گوبی سے نکل کر تھیل بیکال کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف سفر شروع کیا۔ یہاں سے خوارزم کی سرحد تین ماہ کی مسافت پر تھی اور یہ سارا راستہ مکمل طور پر غیر آباد تھا۔ ⑥

جاڑا شروع ہوتے ہی زور و شور سے برف باری ہونے لگی۔ موسم اس قدر خطرناک تھا کہ اگر پہلے سے مکمل انتظامات نہ ہوتے تو شاید سارا لشکر انہی طوفانوں کی نذر ہو جاتا، مگر تاتاریوں کا قائد اس قسم کی ناگہانی آفتوں کا بندوبست کر کے چلا تھا۔ اس کی منصوبہ سازی کی بدولت یہ سخت جان لوگ ان ناقابلِ عبور برف پوش پہاڑوں، گھاٹیوں، بخت بستہ ندی نالوں اور جھیلوں سے صحیح و سالم گزر گئے جن کو عبور کرنا کسی عام فوج کے لیے ناممکن تھا۔ خوراک و رسد کے لیے مویشیوں کے بے شمار بوڑے ساتھ لے لیے گئے تھے جنہیں لشکر کے آگے آگے ہنکایا جا رہا تھا نیز ہر دس افراد کے لیے تین بکریوں کا خشک گوشت ایک اپنی برتن میں ہر وقت محفوظ رکھا جاتا۔ گھوڑوں کے غول تھے جو تیز رفتار پیش قدمی میں کارآمد تھے۔ ایک ایک سپاہی کئی کئی گھوڑے ساتھ لیے ہوئے تھا اور انہیں بار بار تبدیل کرتا رہتا تھا ⑦ ان کے ساتھ راہبر، مترجم، طبیب، اسلحہ ساز، تاجروں کا روپ دھارے ہوئے جاسوس حتیٰ کہ مفتوحہ شہروں کا انتظام سنبھالنے والے لیے پڑھے لکھے افراد بھی تھے۔ چنگیز خان موقع محل پر ان سب سے کام لینے والا تھا۔ سپاہیوں کی ذاتی خدمت کے لیے ان کی عورتیں بھی ساتھ تھیں۔ جہاں یہ لشکر پڑاؤ ڈالتا وہاں خیموں کا شہر آباد ہو جاتا۔ ان ویرانوں میں خوراک کے ذرائع فقط زمین کی نباتات، شکار اور ساتھ لیے ہوئے مویشی ہی تھے۔ جوں جوں دن گزرتے گئے سردی اور برف باری سخت تر ہوتی گئی۔ ہر طرف برف کی چادر پھیلی ہوئی تھی۔ تاتاری برف کی چٹانیں کاٹ کاٹ کر راستہ بناتے رہے۔ خوراک کی قلت کے باعث بعض اوقات یہ جنگجو اپنے گھوڑوں کی رگیں کاٹ کر خون چوس لیتے اور پھر رگوں کو ناکلے لگا دیتے۔

یہ لشکر کوئی ڈیڑھ سو میل کی چوڑائی میں پھیلا ہوا تھا، مگر اس کے باوجود نہایت نظم و ضبط سے نقل و حرکت کر رہا تھا۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار کلومیٹر کی مسافت طے کرنے کے بعد لشکر اس مقام پر پہنچ گیا جہاں سے کچھ دور جنوب کی سمت وہ قدیم قدرتی راستہ واقع تھا جو صدیوں سے وسط ایشیا اور چین کے مابین آمد و رفت کے لیے استعمال ہو رہا تھا۔ یہ راستہ شمالی

شاہراہ یا شاہراہ پہلو کہلاتا تھا۔<sup>(۱۰)</sup>

جوجی کی پیش قدمی..... چنگیز خان نے کئی مصلحتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہاں لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے جوجی کو بیس ہزار سپاہی دیتے ہوئے اسے اس قدیم راستے پر روانہ کر دیا جو خوارزم کی شمال مشرقی سرحد کو جا رہا تھا<sup>(۱۱)</sup> چنگیز خان کا اندازہ تھا کہ خوارزم شاہ اسی سمت سے حملے کا خطرہ محسوس کر رہا ہوگا اور اپنا لشکر لے کر اسی جانب پیش قدمی کرے گا لہذا مملکت کا وسطی حصہ اور پہلو خالی ہوں گے۔ چنگیز خان نے جوجی کو ہدایت کی کہ وہ خوارزم شاہ کی اس غلط فہمی کو پختہ کرنے کے لیے تیزی سے اس کی شمال مشرقی سرحد پر جا پہنچے اور اسے اس محاذ پر مصروف رکھے۔ اس مدت میں چنگیز خان غیر متوقع راستے سے ہوتے ہوئے بخارا کا محاصرہ کرنا چاہتا تھا۔

جوجی کو اس سمت روانہ کرنے کا ایک اور مقصد بھی تھا۔ اس قدیم شاہراہ کے آس پاس توق تغان نامی ایک قبائلی سردار نے ایک مدت سے تاتاری سپاہیوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ چنگیز خان چاہتا تھا کہ وہ خوارزم شاہ سے محاذ آرائی سے پہلے اس فتنے کا قلع قمع کر دے۔

جوجی جنوب کی طرف مڑ کر سات ہزار فٹ بلند دڑوں سے گزرنے کے بعد وسط ایشیا کو جانے والے قدرتی راستے تک پہنچ گیا۔ کوہ طیان شیان سے گزرنے والے اس راستے پر وہ تیزی سے خوارزمی سرحد کی طرف بڑھتا گیا۔ یہ راستہ شجر پوش وادیوں کی ایک طویل قطار کے درمیان مل کھاتا ہوا دریائے سیحوں کی طرف جاتا تھا۔<sup>(۱۲)</sup>

قارئین کو یاد ہوگا کہ کچھ عرصے قبل چنگیز خان نے جوجی نویمان کو ایک لشکر دے کر چینی ترکستان کے حاکم کشلوک خان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا تھا<sup>(۱۳)</sup> جوجی نویمان اس مہم کو انجام دے کر وہیں ٹہر گیا تھا۔ جب جوجی کوہ طیان شیان کے پار پہنچا تو ان دنوں جوجی نویمان کا لشکر بھی اسی طرف رکا ہوا تھا۔ چنگیز خان جوجی نویمان کو بھی خوارزم پر حملے میں شرکت کا حکم دے چکا تھا۔ جوجی کے بیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ جوجی نویمان کی فوج کی شمولیت سے خوارزم کی مشرقی اور شمال مشرقی سرحدوں کو پامال کرنے کے لیے ایک بڑی طاقتور اور سریع الحرکت فوج وجود میں آ گئی تھی۔

خوارزم شاہ کی مشاورت..... چنگیز خان کے قاصد کو قتل کرنے کے بعد خوارزم شاہ کو یقین تھا کہ جنگ ضرور ہوگی، اس لیے وہ شمال مشرقی سرحدوں کی طرف اپنے جاسوس روانہ کر چکا تھا۔ یہ جاسوس تاتاری لشکر کے راستے میں واقع کوہستان کو عبور کر کے اس عظیم فوج کی ہوشربا کثرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر خوارزم شاہ کے پاس آ پہنچے اور اپنا مشاہدہ اس کے سامنے بیان کیا۔ خوارزم شاہ نے فکر مند ہو کر اپنے معتمد رکن فاضل شہاب الدین خیونی سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے جواب دیا:

”آپ کی افواج بھی بکثرت ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ہم ارد گرد کے قبائل سے نئی فوجیں بھرتی کر لیں گے، اس کے لیے نفیر عام کر دیا جائے تاکہ تمام مسلمانوں پر جان و مال کے ساتھ آپ کی امداد و نصرت ضروری ہو جائے۔ بعد ازاں ہمیں اپنی تمام افواج کے ساتھ دریائے سیحوں عبور کر کے دشمن کے راستے میں اس کا انتظار کرنا چاہیے۔ جب تھکے ہارے تاتاری طویل مسافت طے کر کے وہاں پہنچیں گے تو ہمارے تازہ دم سپاہی ان سے نمٹ لیں گے۔“

خوارزم شاہ کو یہ سیدھا سادا مشورہ بہت پسند آیا، مگر اس نے اس پر عمل سے پہلے امراء سلطنت کی مجلس مشاورت طلب کر کے ان کی رائے معلوم کی۔ پختہ کار سالار ان فوج نے فوج کو سرحد پر جمع کرنے کو تو پسند کیا مگر دریا

عبور کرنے کی مخالفت کی۔ ان کا یہ خیال تھا کہ جب تک یقینی طور پر تاتاری لشکر کی نقل و حرکت کا پورا رخ سامنے نہ آجائے فقط اپنے اندازے پر ساری قوت ایک طرف جھونک دینا دوراندیشی نہیں ہوگی۔ خاص طور پر دریا کے پار پہاڑی علاقے میں ہماری فوج ہر لحظہ تاتاری تیر اندازوں کی زد میں رہے گی اور میدان کی تنگی کے باعث کھل کر نہیں لڑ سکے گی۔ اس کے علاوہ ان گھائیوں میں دشمن کے گھیرے میں آ جانے کا خطرہ بھی موجود ہے۔ ان امور کو مد نظر رکھتے ہوئے تجربہ کار امرائے لشکر نے دریائے سیحون عبور کرنے کی حکمت عملی کو نقصان دہ قرار دیا اور خوارزم شاہ سے عرض کی:

”جہاں پناہ! ہماری رائے یہ ہے کہ ہم دشمن کو کھسار اور تنگ گھائیاں عبور کر کے دریائے سیحون کے پار آنے کا موقع دیں۔ یہ علاقے ہمارے دیکھے بھالے ہیں اور وہ ان سے ناواقف ہیں۔ یہاں ہم ان پر غالب رہیں گے اور ان میں سے کسی فرد کو بچ نکلنے کا موقع نہیں دیں گے۔“ (۱۳)

سرداران فوج کی رائے واقعی بڑی اہمیت رکھتی تھی، مگر افسوس کہ خوارزم شاہ اس سے متفق نہ ہوا۔ اس کے نزدیک ان خانہ بدوش لیروں کو مرعوب کرنے کا بہترین طریقہ یہی تھا کہ خود آگے بڑھ کر حملہ کر دیا جائے۔ درحقیقت منگولیا سے اٹھنے والے تاتاری طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے مستحکم اور جامع حکمت عملی اپنانے کی ضرورت تھی، مگر علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے کماحقہ دوراندیشی سے کام نہ لیا۔ وہ اپنی تین لاکھ فوج کو ہر خطرے کے لیے ناقابلِ تسخیر حصار تصور کر رہا تھا۔ اس نے گہری منصوبہ بندی کی جگہ چند عارضی انتظامات ضرور کیے جو بے فائدہ بلکہ مضرت ثابت ہوئے:

- 1 عسکری ضروریات کے لیے اپنی رعایا سے دو سال کا ٹیکس اور خراج پیشگی وصول کر لیا۔
- 2 سرحد کے گرد ۳۶ میل طویل ایک نہایت عظیم الشان فنی تفصیل تیار کرنے کا حکم دے دیا، منصوبہ یہ تھا کہ ضرورت پڑی تو اس مقام پر افواج جمع کر کے تاتاریوں سے لمبی مدت تک مدافعتانہ جنگ لڑی جائے گی حتیٰ کہ دشمن تھک کر پسپا ہو جائے گا۔

مذکورہ دونوں اقدامات کچھ مفید ثابت نہیں ہوئے، دو سال کے پیشگی ٹیکس کی وجہ سے رعایا کو اس سال (سن ۶۱۶ھ میں) ایک مشمت تین سال کے محصولات ادا کرنے پڑے تو لوگوں کا دیوالیہ نکلنے لگا اور حکومت قومی دفاع کی مہم میں رعایا کی بھرپور حمایت حاصل نہ کر سکی۔ دوسرا اقدام یعنی تفصیل کی تعمیر جس پر پورے ایک سال کے محصولات صرف ہو گئے اس لیے بے سود رہا کہ اس کی تعمیر مکمل ہونے سے پہلے ہی جنگ شروع ہو گئی۔

ان اقدامات کے علاوہ شاہ نے ایرانی اور خراسانی قبائل سے مزید افراد فوج میں بھرتی کرنے کا حکم بھی دے دیا تھا۔ (۱۴) سرحد کے قریب واقع غیر مستحکم دفاع والے شہروں کی آبادی کو وہ اس سے پہلے ہی احتیاطاً وہاں سے دوسرے شہروں میں منتقل کروا چکا تھا۔ (۱۵)

خوارزمی لشکر کی سرحد کی جانب روانگی..... چند ہفتوں کی تیاری کے بعد خوارزم شاہ چار لاکھ سپاہیوں کا جم غفیر لے کر شمال مشرقی سرحدوں کی طرف روانہ ہوا (۱۶) اور کوچ و قیام کرتا ہوا ۸ شوال ۶۱۶ھ / ۱۷ دسمبر ۱۲۱۹ء کو بخارا پہنچا۔ دو تین قیام کر کے آگے روانہ ہوا اور سرحد پہنچ کر پھر چند دن توقف کیا۔ اس دوران شمال مشرق سے جو جی اپنے لشکر کے ساتھ خوارزم کی سرحدوں کی طرف پیش قدمی کرتا آ رہا تھا۔ (۱۷)

شہزادہ جلال الدین تاتاریوں کی گھات میں ..... خوارزم شاہ کو جو جی کے قریب آنے کی خبر ملی تو اس نے سب سے پہلے پندرہ ہزار سپاہیوں کو شہزادہ جلال الدین کے ماتحت کر کے حکم دیا کہ وہ دریائے سیحون عبور کر جائیں اور تاتاریوں کے راستے میں گھات لگا کر بیٹھ جائیں، جب تاتاری وہاں سے گزریں تو ان پر اچانک حملہ کر دیں۔ اس طرح بے خبر دشمن بھاری جانی نقصان اٹھا کر پسپا ہو جائے گا، ممکن ہے اس پہلی شکست سے مرعوب ہو کر وہ مزید پیش قدمی کی ہمت نہ کر پائے۔

یہ پندرہ ہزار سپاہی جلال الدین کی کمان میں دریا کے پار خاصی دور جا کر پہاڑی دڑوں میں گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ جلال الدین کو روزانہ اطلاعات ملتی رہیں کہ بیس ہزار تاتاریوں کا لشکر اسی طرف آرہا ہے۔ مگر اس موقع پر ایک بے حد حیرت انگیز اور انتہائی افسوس ناک بات پیش آ گئی۔ تاتاریوں کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے یہ اطلاع مل گئی کہ جلال الدین کا لشکر ان کی گھات میں چھپا ہوا ہے۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی تاتاریوں کو اس قدر اہم اور خفیہ خبریں فوری طور پر مل جانا اس بات کا ثبوت تھا کہ خوارزمی فوج میں غداروں کی کوئی کمی نہیں تھی۔

تاتاریوں نے یہ اطلاع ملتے ہی اپنا رخ تبدیل کر لیا اور مختلف راستوں سے دائیں بائیں پھیل کر جلال الدین کی فوج کو بے خبری میں جا گھیرا۔ تاتاریوں کا حملہ تاریک شب میں امنڈنے والے طوفانی ریلے کی طرح تھا، خوارزمی فوج میں ایسی بھگدڑ مچ گئی کہ الامان والاحتیظ۔ بہت سے سپاہی شہید یا زخمی ہو گئے، باقی جان بچا کر بھاگ نکلے۔ شہزادہ جلال الدین نے ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے بعد فتح ناممکن دیکھ کر آخر کار پسپائی کو ترجیح دی، وہ بڑی مشکل سے دشمن کے گھیرے سے نکلے اور ایک طویل سفر کر کے واپس باپ کے پاس پہنچے۔

خوارزم شاہ اپنی فوج کی بد حالی دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا، اس نے فوراً فیصلہ کیا کہ اب بلاتا خیر بھاری لاؤ لشکر کے ساتھ پیش قدمی کر کے صف بستہ جنگ کی جائے گی۔<sup>(۱۹)</sup>

جوجی کا توق طغان سے مقابلہ ..... اُدھر جوجی چینگیز خان کی ہدایت کے مطابق پہلے ان پہاڑوں میں بسنے والے باغی ترک سردار توق طغان سے نمٹنا چاہتا تھا۔ توق طغان کو جب تاتاری لشکر کی پیش قدمی کی خبر ملی تو اپنے قبیلے سمیت بھاگ نکلا اور قفقز قبائل کے وطن قراقوم کا رخ کیا جس سے کچھ آگے خوارزم کا شمال مشرقی سرحدی شہر ”بجند“ واقع تھا۔ خوارزم شاہ کو سر قند میں اطلاع ملی کہ توق طغان سرحد کی طرف بڑھ رہا ہے، چونکہ اس آوارہ و سرکش سردار سے خوارزم کے تعلقات بھی خراب تھے، اس لیے خوارزم شاہ یہ سوچ کر کہ تاتاریوں سے پہلے اسے نمٹنا چاہوں، فوج کے کچھ حصے کے ساتھ اس طرف بڑھا، مگر سر قند سے کچھ آگے نکل کر اسے خبر ملی کہ طوق طغان کے پیچھے تاتاری لشکر اس کے تعاقب میں پیش قدمی کر رہا ہے۔ اب خوارزم شاہ کو طوق طغان کی آمد کی اصل وجہ معلوم ہوئی اور ساری صورتحال اس پر واضح ہو گئی۔ خوارزم شاہ خود بھی تاتاریوں سے مقابلے کے لیے ہی نکلا تھا۔ یہ خبر سن کر اس نے ”ایک تیر سے دوشکار“ کا قصد کیا اور چاہا کہ اسی حملے میں دونوں دشمنوں کو نمٹا دے۔ اپنی موجودہ ہم رکاب فوج کو کم محسوس کر کے وہ سر قند واپس آیا۔ بقیہ تمام لشکر کو اپنی کمان میں لیا اور سرحدی شہر ”بجند“ پہنچ گیا۔<sup>(۲۰)</sup>

توق طغان ابھی خوارزمی سرحدوں سے قدرے فاصلے پر تھا کہ جوجی نے اسے جالیا اور ایک خوں ریز جنگ کے بعد اس کی طاقت کو کچل دیا اور سارے قبیلے کو موت کے گھاٹ اتار دیا<sup>(۲۱)</sup> اس سے قبل جوجی نے کئی چھاپہ مار دستے



خوارزم کی سرحدوں کی طرف لوٹ مار کے لیے بھیج دیے تھے جو دریائے سیحون کے آس پاس واقع دیہاتوں پر شب خون مار کر غلہ، مویشی اور خوراک کے ذخائر لوٹ لیتے۔ مزاحمت کرنے والوں کو قتل کر کے اور مکانات کو آگ لگا کر پہاڑی پناہ گاہوں میں روپوش ہو جاتے۔<sup>(۳۱)</sup> اس چھیڑ چھاڑ کا مقصد رسد و خوراک کے ساتھ ساتھ خوارزم شاہ کو ان پہاڑوں اور دروں میں داخل ہونے کی دعوت دینا تھا جو اس کے لیے موت کا جال ثابت ہو سکتے تھے۔

خوارزم شاہ اپنی سرحد عبور کر کے دریا کی دوشاخوں کے درمیان ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں ہزاروں لاشیں خاک و خون میں لت پت تھیں۔ معلوم ہوا کہ ایک دن قبل یہاں تاتاریوں اور طوق طغان کے مابین جنگ ہوئی تھی جس میں تاتاری غالب آ گئے تھے۔<sup>(۳۲)</sup> خوارزم شاہ کا ایک دشمن از خود ختم ہو چکا تھا، مگر وہ دوسرے کو بھی ہاتھ سے جانے دینے پر تیار نہ تھا، اسے معلوم ہوا کہ تاتاری انہی پہاڑوں میں پیچھے ہٹ رہے ہیں اور زیادہ دور نہیں ہیں۔ خوارزم شاہ نے اس موقع پر فوج کے ایک حصے کو کافی سمجھتے ہوئے چار لاکھ میں سے اکثر سپاہیوں کو دریا کے کنارے چھوڑا<sup>(۳۳)</sup> اور خود بقیہ لشکر کے ساتھ ان تنگ گھاٹیوں اور پُر پیچ راستوں میں داخل ہو گیا جن کے دونوں طرف بلند پہاڑ سر اٹھائے کھڑے تھے۔ اگرچہ فوج کے افسران خوارزم شاہ کو اس اقدام سے منع کر چکے تھے، مگر ایک طرف سرحدوں پر تاتاریوں کی لوٹ مار، خوارزم شاہ کی تنگ مزاجی اور اشتعال میں اضافہ کر رہی تھی اور دوسری طرف تاتاریوں کا پیچھے ہٹتے چلے جانا اس کا حوصلہ بڑھا رہا تھا اور وہ اسے دشمن کی کمزوری پر محمول کر رہا تھا۔ اس وقت خوارزم شاہ سطح مرتفع پامیر اور کوہ طیان شیان کے سایے میں سفر کر رہا تھا۔ حمد اللہ مستوفی قزوینی کے بیان کے مطابق یہ علاقہ ولایت کا شغریٰ حدود میں شمار ہوتا تھا۔<sup>(۳۴)</sup>

تاتاریوں کے تعاقب میں ایک دن کے سفر کے بعد خوارزمی افواج صبح سویرے ایک شجر پوش طویل اور تنگ وادی میں جا پہنچیں<sup>(۳۵)</sup> جو جی اپنے لشکر کے ساتھ اس وادی کے دوسرے کنارے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ خوارزمی لشکر کی کثرت سے مرعوب ہو کر ایک تاتاری سردار نے جو جی کو مشورہ دیا کہ ہم مزید پسپا ہو کر اپنے قلب لشکر سے جا ملیں اور پھر یک بارگی حملہ کر دیں تو مناسب ہوگا، مگر جو جی نے اس بزدلانہ مشورے کو پسند نہ کیا۔ اس کے باپ نے اسے پابند کیا تھا کہ خوارزم شاہ کو تاک حکم ثانی اسی محاذ پر مصروف رکھے، اس نے مشورہ دینے والے سردار کو کہا:

”چنگیز خان کا بیٹا اگر میدان جنگ سے فرار ہو جائے تو وہ باپ کو کیا منہ دکھائے گا۔“<sup>(۳۶)</sup>

غرض جو جی لڑنے کے لیے تیار تھا مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ مسلم مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ اس کے باوجود اس نے خوارزم شاہ کو یہ پیغام بھیجا تھا:

”ہمیں خان اعظم کی طرف سے آپ سے لڑنے کی اجازت نہیں ملی، ہم ایک دوسرے مقصد سے یہاں آئے تھے، ہاں اگر آپ جنگ کی ابتدا کریں گے تو ہم میدان جنگ سے منہ نہیں پھیریں گے۔“<sup>(۳۷)</sup>

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو جی نے اس قسم کا پیغام دشمن کو غافل رکھنے کے لیے بھیجا تھا تا کہ بعد میں اس پر اچانک حملہ کیا جائے اور یوں اپنی عددی کمی کے باوجود یقینی فتح حاصل کی جائے۔

جو جی کی طرف سے اس پیغام کے جواب میں خوارزم شاہ نے کہلوا یا:

”چنگیز خان نے تمہیں ہم سے جنگ نہ کرنے کا حکم دیا ہے مگر اللہ نے ہمیں تم سے جہاد کا حکم دیا ہے اور تم سے قتال پر ہم سے بہترین وعدے کیے ہیں۔ میرے نزدیک تم اور دوسرے دشمن برابر ہو۔“ (سیرۃ جلال الدین ص ۴۷)

اس جواب کے ساتھ ہی خوارزم شاہ نے اعلان جنگ کرتے ہوئے وادی میں فوجیں صف بستہ کر لیں۔ مقابلے میں تاتاری بھی صفیں درست کر کے سامنے آ گئے۔

مسلمانوں اور تاتاریوں کے مابین پہلا معرکہ ..... خوارزم شاہ حیرت اور حقارت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ تاتاریوں کی صف بندی کا نظارہ کر رہا تھا۔ یہ سمور پوش لوگ بالوں والے پستہ قد گھوڑوں پر زینوں کے بغیر سوار تھے، نہ ان کے پاس ڈھالیں تھیں، نہ فولادی زرہیں، دیگر بھاری بھر کم حفاظتی آلات حرب کا بھی کوئی نام و نشان نہ تھا۔ تلووار، تیروں بھرا ترکش اور کمان ہر تاتاری سپاہی کا کل سامان جنگ تھا، ان کے بعض دستوں کے پاس نیزے بھی تھے۔<sup>(۹)</sup>

خوارزم شاہ نے ایک نگاہ اپنے صف بستہ سپاہیوں پر ڈالی۔ عربی گھوڑوں پر سوار طوفانی دستے ..... ترک نیزہ بردار سپاہیوں کے غول ..... پیادہ فوج کے تیر اندازوں کی صفیں ..... افغان اور فارسی شمشیر زن ..... سب کے سب لوہے میں ڈھلے ہوئے ..... ان کی فولادی زرہیں خود اور ڈھالیں سورج کی کرنوں سے شیشے کی طرح چمک رہے تھے۔ ”فتح ہمارا مقدر ہے۔“ اس نے دل میں سوچا اور حملے کا حکم دیا۔ طبل جنگ پر چوٹ پڑی اور جنگ شروع ہو گئی۔ اس لڑائی کے آغاز کے ساتھ ہی خوں ریز اور وحشت ناک معرکہ آرائیوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو گیا جس نے عالم اسلام کی نصف سے زائد آبادی کو موت کی نیند سلا دیا۔

جنگ کی آگ شعلے برسا رہی تھی۔ تاتاری اور ترک سوار آپس میں گتھم گتھا ہو چکے تھے۔ تاتاریوں کے تیز رفتار دستے تلواریں سونتے ہوئے خوارزمی شمشیر زنوں سے بھڑے ہوئے تھے۔ خوارزم شاہ کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ اس تنگ وادی میں اس کی فوج بُری طرح پھنس چکی ہے۔ سوار دستوں کے لیے تیزی سے نقل و حرکت کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ تیر انداز اپنی مہارت کا مظاہرہ کرنے کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھے، مگر یہاں دونوں فوجیں اس طرح گڈمڈ ہو رہی تھیں کہ اپنے ہی سپاہیوں کا تیروں کی زد میں آنا بعید نہ تھا<sup>(۱۰)</sup> میدان میں موجود تاتاری تعداد میں خوارزمی سپاہیوں کے نصف سے بھی کم تھے، لیکن یہ کمی ان کے لیے چنداں نقصان دہ نہ تھی۔ خوارزمی فوج کی اکثر صفیں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنی دیگر صفوں کے سپاہیوں کے شانہ بشانہ نہیں لڑ سکتی تھیں۔ ان کی جو صفیں آگے تاتاریوں سے نبرد آڑا تھیں وہاں تاتاری بُری طرح تباہی مچا رہے تھے۔

جنگ کے نازک لمحات ..... خوارزم شاہ اپنی زندگی کا سب سے زیادہ حیرت انگیز، مہیب ترین اور غیر متوقع منظر دیکھ رہا تھا۔ تاتاری سوار دستے بجلی کی طرح چھپت کر بیچ سے خوارزمی لشکر کو کاٹتے اور دھکیلتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ ان کی بے جگری، بہادری اور خوں ریزی خوارزم کے مطلق العنان فرماں روا کو لرزانے کے لیے کافی تھی۔ وہ خود قلب لشکر میں موجود تھا اور خطرہ ہر لمحہ قریب آتا جا رہا تھا۔ پیچھے ہٹنے والے سپاہیوں کو قلب لشکر کی کچھلی صفوں کے سپاہیوں نے سہارا دینے کی کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ پیش قدمی کرنے والے تاتاریوں کے ہراول دستوں نے آس پاس سے میدان صاف کر دیا، اب وہ دو طرف سے گھیرا ڈال کر خوارزم شاہ کو گرفتار کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔<sup>(۱۱)</sup> خوارزم شاہ چند لمحے پہلے فتح کے سہانے خوابوں میں غرق تھا، لیکن اب خود کو موت کے منہ میں دیکھ کر اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ کسی طرح اس ناگہانی بلا سے جان بچا کر نکل جائے، لیکن اب وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ تاتاری لشکر کا ہراول دو سینگوں والا پرچم اٹھائے صرف سو، ڈیڑھ سو گز فاصلے پر اس کے محافظ دستے کے بچے کچھے سپاہیوں کو تہ تیغ کر رہا تھا اور

چند لمحے میں وہ اس کی سواری تک پہنچ سکتا تھا۔ کوئی معجزہ ہی اب اسے تاتاریوں کی دسترس سے نکال سکتا تھا۔ خوارزم شاہ خود کو جیتے جی مردہ یقین کر چکا تھا۔

شہزادہ جلال الدین کا جوابی حملہ ..... اچانک قیامت خیز شور و شغب اور نعرہ ہائے تکبیر کی گھن گرج سے فضا گونج اٹھی۔ خوارزم شاہ نے چونکتے ہوئے پلٹ کر دیکھا۔ شہزادہ جلال الدین (جن کے پاس لشکر کے دائیں بازو کی قیادت تھی) اپنے سرفروشوں سمیت وادی کے ایک گوشے سے اس طرف لپک رہے تھے۔ (۳۶) تاتاری حملہ آوروں نے مزاحم ہونے کی کوشش کی، لیکن جلال الدین اور ان کے ساتھی جو خوارزم شاہ کو گھرا ہوا دیکھ کر پھرے ہوئے شیر کی طرح بڑھے چلے آ رہے تھے چشم زدن میں شاہی محافظ دستے کے ساتھ آ ملے۔ شاہی محافظ دستے کے منتشر سپاہیوں اور اپنے جانثاروں کو مرتب کر کے جلال الدین نے اپنے والد کے ارد گرد نرغہ ڈالنے کی کوشش کرنے والے دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ ان کی تلوار بجلی کی طرح حریف کے سر پر چمکتی اور اپنا خراج وصول کرتی۔ خوارزم شاہ دلیر بیٹے کی اس جرأت مندانہ کاروائی پر داد تحسین دے رہا تھا، اس کے دل سے دعائیں نکل رہی تھیں۔ جلال الدین کے پے درپے حملوں سے تاتاری منتشر ہو کر پیچھے ہٹ گئے اور قلب کی صفیں پھر سے مرتب ہو گئیں۔ (۳۷)

لڑائی کا غبار اب آسمان کو مکمل طور پر چھپا چکا تھا۔ زمین پر سورج کی روشنی معدوم ہو چکی تھی، تلواریں اور نیزے بجلی اور شعلوں کی طرح لپکتے دکھائی دے رہے تھے۔ جنگ کی شدت کا یہ عالم تھا کہ خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں، زمین خون اور مٹی کے کیچڑ سے اس قدر چمکتی ہو چکی تھی کہ گھوڑے پھسل پھسل کر گر رہے تھے۔ جگہ جگہ حریف اپنے گھوڑوں سے اتر کر پیدل ایک دوسرے سے نبرد آزما تھے۔ تنگ وادی میں بعض جگہ فریقین اس طرح گھم گھماتے ہوئے چکے تھے کہ تلواریں سونٹنے کا موقع بھی نہ رہا تھا۔ خنجر وں اور چھریوں سے وہ ایک دوسرے پر وار کر رہے تھے۔ (۳۸)

لڑائی کا پانسہ لمحہ بہ لمحہ بدل رہا تھا۔ کئی بار مسلمان آگے بڑھے اور کئی بار تاتاری ان کو دھکیل کر پیچھے لے گئے۔ دونوں لشکروں کی صفیں میدان کی تنگی کے باعث نیم دائرے کی صورت اختیار کر چکی تھیں۔ (۳۹)

ایک بار ایک شدید حملے میں مسلمان سپاہی جو جی کے سر پر جانچے، قریب تھا کہ جو جی مارا جاتا، مگر یکا یک ختمی شہزادہ اپنے دستے کے ساتھ اس کی کمک کو پہنچ گیا، یوں اس کی جان بچ گئی (۴۰) ایک موقع پر تاتاری لشکر کے دونوں بازو خوارزمی فوج کے سینہ اور میسرہ کے قدم اکھاڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس وقت ایک بار پھر شہزادہ جلال الدین کی قائدانہ صلاحیتیں ظاہر ہوئیں اور انہوں نے فوج کی کمان کرتے ہوئے جوابی حملہ اس زور و شور سے کیا کہ تاتاریوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ (۴۱) سورج غروب ہونے پر بھی موت و حیات کا یہ معرکہ جاری تھا۔ مغرب و عشاء کے درمیان رات کے اندھیرے میں دونوں فریق میدان جنگ سے ہٹنے لگے۔ (۴۲) تاریخ الکامل لابن اثیر کے مطابق یہ لڑائی تین دن تک جاری رہی تھی اور اس میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد بیس ہزار تھی، جبکہ ہیر لڈیمب اور جوینی کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑائی ایک دن میں ختم ہو گئی تھی۔ ہیر لڈیمب نے مسلم شہداء کی تعداد ایک لاکھ ساٹھ ہزار نقل کی ہے، مگر خود ہی اس بیان کو مبالغہ آمیز قرار دیا ہے تاہم یہ بات یقینی ہے کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں توقع سے کہیں زیادہ نقصان اٹھانا پڑا جس سے شروع ہی میں خوارزم شاہ اور اس کے بیشتر امراء تاتاریوں سے مرعوب ہو گئے اور اس کے بُرے اثرات بعد کی جنگوں میں نمایاں طور پر ظاہر ہوئے۔

خوارزمی لشکر کی واپسی..... ابھی اس جنگ کا حتمی فیصلہ نہیں ہوا تھا تاہم آئندہ روز کی جنگ فیصلہ کن ثابت ہو سکتی تھی، لیکن جو جی اپنا مقصد حاصل کر چکا تھا، اب اس کے لیے یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں تھا۔ خوارزمی افواج کو دھوکہ دینے کے لیے تاتاریوں نے اپنے خیمے اور پورت اسی طرح کھڑے رہنے دیے اور جگہ جگہ آگ کے الاؤ روشن کر دیے۔ دونوں فوجوں کے پڑاؤ کے درمیان ایک ندی حائل تھی، رات بھر تاتاری خیمہ گاہ میں جھل مل کرتی روشنیاں خوارزمی افواج کو یقین دلاتی رہیں کہ حریف یہیں موجود ہیں، لیکن صبح صادق کے چھٹپٹے میں انہوں نے دیکھا کہ تاتاری لشکر راتوں رات خاموشی سے کوچ کر کے یہاں سے جا چکا ہے۔ (۴۹) تعاقب بے سود تھا اور پُر خطر بھی۔ خوارزم شاہ نے جو جی کی واپسی پر اطمینان کا سانس لیا اور ان پہاڑوں سے واپس نکلنے میں دیر نہیں لگائی جو اس کی فوج کے بہترین حصے کا خون جذب کر چکے تھے۔

جشن فتح..... خوارزم شاہ دریائے سیحون عبور کر کے ساحلی فیصل بند شہروں میں فروکش ہو گیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ تاتاری اب بھی اسی سمت سے حملہ آور ہوں گے، مگر افسوس کہ وہ صورتحال کا صحیح ادراک نہ کر سکا۔ سرکاری طور پر اس جنگ میں کامیابی کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ فتح کا جشن منایا گیا اور ایک تقریب میں خوارزم شاہ نے بہادروں کو خلعتوں سے نوازا۔ (۵۰) چنگیز خان کا پڑاؤ..... آپ پڑھ چکے ہیں کہ چنگیز خان اپنی اصل فوج کے ساتھ وسط ایشیا کو جانے والی ”شاہراہ ہیلو“ سے کتراتے ہوئے سیدھا مغرب کی طرف نکل گیا تھا۔ یہ راستہ حد درجہ پُر خطر اور دشوار گزار تھا۔ پھر موسم کی شدت بھی قیامت ڈھا رہی تھی۔ تاہم کسی قدر رست روی سے یہ لوگ رے بغیر آگے بڑھتے رہے۔ آغاز موسم بہار میں جب پہاڑوں سے برف پگھل کر دریائے سیحون میں تہوج پیدا کر رہی تھی تاتاری لشکر جھیل بالکش کے بنجر میدانوں میں داخل ہو چکا تھا (۵۱) میدانی علاقے میں تاتاری فوج پوری تیز رفتاری سے آگے بڑھی اور دریائے سیحون کے قریب پہنچ کر خیمے گاڑ دیے جو آگے جا کر بحیرہ ارال میں گر رہا تھا۔ دریائے سیحون کا یہ حصہ خوارزم کی ان سرحدوں سے بہت دور تھا جہاں چند روز قبل تاتاریوں اور مسلمانوں کے مابین پہلا معرکہ ہوا تھا۔ بکھرا ہوا تاتاری لشکر کئی دن تک یہاں جمع ہوتا رہا اور آگے طوفانی پیش قدمی کی بھرپور تیاریوں میں مصروف رہا۔ مسلم تاجروں کے روپ میں مخبروں اور جاسوسوں کی دودو تین تین افراد پر مشتمل ٹولیاں خوارزمی حدود کی طرف روانہ ہو گئیں۔ چند روز بعد طیان شیان کے کوہستان کی اوٹ سے جو جی کا قاصد آیا اور پہلے معرکہ جنگ میں کامیابی کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے خوارزم شاہ کی کمزور حکمت عملی اور اس کی فوجوں کی نقل و حرکت کے خطوط سے مطلع کیا۔ چنگیز خان نے پانچ ہزار تاتاریوں کو جو جی کی تقویت کے لیے روانہ کیا (۵۲) اور اسے حکم بھجوایا کہ دریائے سیحون سے خوارزم شاہ کے پیچھے بٹتے ہی وہ دریا کے کنارے واقع شہروں کو تباہ و برباد کر کے مشرق سے پیش قدمی کرتا ہوں سر قند کی طرف بڑھے۔

خوارزم شاہ کی بدحواسی..... دریائے سیحون کے پار ہزاروں جانبیں گوانے کے بعد خوارزم شاہ بقیہ لشکر کے ساتھ مملکت کے وسط میں پڑاؤ ڈال کر آئندہ کے لاحقہ عمل کے بارے میں غور و فکر کرنے لگا۔ جنگی حکمت عملی طے کرنے کے لیے دشمن کی نقل و حرکت سے پوری آگاہی ضروری تھی، مگر خوارزم شاہ کی بد قسمتی تھی کہ اس کے جاسوس اور مخبر اس موقع پر خبر رسانی کے فرائض کما کما انجام نہیں دے رہے تھے۔ ممکن ہے ان میں سے بعض دشمن کے ہاتھوں بک چکے ہوں۔ بہر حال تاتاری لشکر کئی راستوں سے اس طرح دبے پاؤں برکتا ہوا آ رہا تھا کہ خوارزم شاہ صورتحال سے صحیح طور پر

واقف نہ ہو سکا۔ طرہ یہ کہ پہلی لڑائی ہی میں زبردست غیر متوقع نقصان اٹھا کر اس کی ساری خود اعتمادی اور نخوت خاک میں مل گئی تھی۔ وہ اتنا ہراساں ہو چکا تھا کہ اس کی قوت فیصلہ سلب ہو گئی تھی۔ تا تاریخوں کا ذکر چھڑتے ہی وہ کہہ اٹھتا: ”میں نے آج تک تاتاریوں سے زیادہ ثابت قدم اور جنگجو قوم کوئی نہیں دیکھی۔ ان سے بڑھ کر بیڑوں اور تلواروں کا رے زخم لگانے والا کوئی نہیں۔“ (۳۶)

اس خوف و دہشت کے عالم میں اس سے قبل کہ وہ کچھ فیصلہ کرتا اترار، قوتدار اور دیائے سبوں کے کنارے آباد دیگر شہروں سے یکدم تاتاری یلغار کی خبر آن پہنچی۔ تقریباً تمام شہروں کے حکام نے شاہ سے کمک طلب کی تھی۔ جی نویان کی یلغار ..... ادھر جی نویان جو جی سے علاحدہ ہو کر بیس ہزار جنگجوؤں کے ایک لشکر کے ساتھ جنوب مشرق کی طرف سے ان پہاڑوں اور گلیشروں کا چکر کاٹتے ہوئے جن سے دریائے جیون نکلتا ہے، سمرقند کی طرف بڑھ رہا تھا۔ خوارزم شاہ کو اس پیش قدمی کی اطلاع اس وقت ہوئی جب جی نویان سمرقند سے صرف دو سو میل کے فاصلے پر رہ گیا تھا (۳۷) مشرق اور جنوب مشرق سے تاتاریوں کی اس اچانک یلغار کی خبر سے خوارزم شاہ مزید بدخواس ہو گیا۔ اب محاذ ایک ہزار میل سے زائد رقبے پر پھیل چکا تھا۔ محکمہ خبر رسانی کی کمزوری کے باعث خوارزم شاہ کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ سمرقند کا رخ کرنے والا دشمن کا لشکر بیس ہزار افراد پر مشتمل ہے جس کے لیے سمرقند جیسے مضبوط قلعے پر قبضہ کرنا آسان نہیں۔ اگر صحیح صورتحال سامنے ہوتی تو شاید خوارزم شاہ اتنا ہراساں نہ ہوتا مگر اب وہ سمرقند اور دیگر شہروں کے دفاع کو انتہائی مشکل تصور کر رہا تھا۔

خوارزمی طاقت کی تقسیم ..... اس نے جنگی مشاورت طلب کی۔ امرائے دولت، سالاران لشکر اور شہزادے دیر تک بحث و تمحیص میں مصروف رہے۔ کارآزمودہ جرنیلوں اور شہزادہ جلال الدین کی رائے یہ تھی کہ لشکر کو مجتمع رکھتے ہوئے کسی اہم محاذ پر تاتاریوں سے کھلے میدان میں فیصلہ کن مقابلہ کیا جائے (۳۸) تجربہ کار سرداروں اور دلیر شہزادے کی یہ رائے بڑی معقول تھی۔ اگر اس پر عمل کر لیا جاتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ خوارزمی لشکر تاتاریوں کی ٹڈی دل افواج کو بھرپور جواب نہ دے سکتا۔ مگر افسوس کہ شاہ نے اس رائے کو مسترد کر دیا۔ وہ خود دھوکے میں مبتلا تھا یا ملت کی نگہبانی کے فرائض سے فرار کا قطعی فیصلہ کر کے قوم کو دھوکے میں رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے سرداران لشکر کو باور کرایا کہ مملکت کے تمام قلعے اور فیصل بند شہراتے مضبوط ہیں کہ تاتاری سر توڑ کوشش کر کے بھی کئی ماہ تک انہیں فتح نہیں کر سکیں گے اور فصلوں اور باغات کو لوٹ کر واپس چلے جائیں گے، لہذا ایک جگہ فیصلہ کن جنگ کے بجائے مختلف مقامات پر فیصل بند ہو کر دفاع کرنا کافی ہے۔ (۳۹)

اس مفروضے کو بنیاد بنا کر خوارزم شاہ نے اپنی کل فوج میں سے دو لاکھ سپاہی الگ کر کے انہیں سلطنت کے مختلف شہروں کی حفاظت کے لیے تقسیم کر دیا۔ ینال خان کو پچاس ہزار سپاہی دے کر اترار کے دفاع کے لیے مقرر کیا، قتلخ خان کو دس ہزار افراد کے ساتھ شہر کنت کی حفاظت سونپی، فخر الدین السنوی کو حکم دیا کہ جھستان کی فوج کو ساتھ ملا کر ترمذ کا دفاع کرے، بلخو رخان اور ابو محمد بلخ کی نگرانی پر مقرر کر دیا، بخارا کو کسی فوری حملے سے محفوظ سمجھ کر اور اس کی فیصل کو ناقابل عبور گمان کرتے ہوئے شاہ نے اس کی حفاظت کے لیے تیس ہزار سپاہی متعین کرنا کافی سمجھا، یہ سپاہی دربارِ خوارزم کے حاجب اعلیٰ (اغل حاجب) اینانچ خان اور اختیار الدین کشکی کی کمان میں دے دیے گئے۔

النسوی نے افواج کی اس تقسیم کو خوارزم شاہ کی شکست کی سب سے بڑی وجہ قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:  
وقد اخطأ فی ذلک. فلو التقى التاتاری بكتائبه قبل ان یفرقها لاختطفهم خطفۃ  
ونسفهم فی الارض نسفاً

”خوارزم شاہ نے فوج کو منتشر کر کے غلطی کی۔ اگر اس کی بجائے وہ تمام لشکروں کو مجتمع کر کے  
مقابلہ کرتا تو چنگیز خان کو نہ صرف پسا کر دیتا بلکہ اس کا نام و نشان تک مٹا دیتا۔“ (سیرۃ جلال الدین ص ۹۰-۹۱)

بہر کیف شاہ نے زیادہ تر فوج اس طرح منتشر کر دی اور باقی ایک لاکھ دس ہزار سپاہیوں کو لے کر خود سمرقند روانہ  
ہو گیا۔<sup>(۵۵)</sup> جہاں اس وقت بظاہر سب سے زیادہ خطرہ تھا، کیونکہ مخبروں کے بیان کے مطابق تاتاری لشکر سمرقند سے صرف  
دوسو میل کے فاصلے پر نقل و حرکت کر رہا تھا، مگر بہت جلد یہ بات واضح ہو گئی کہ شاہ کی حکمت عملی حقیقت کے بالکل برعکس  
غلط فہمیوں پر استوار تھی۔ سمرقند کے آس پاس نظر آنے والا لشکر جو جی نوایان کے بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا، صرف  
شاہ کو اس طرف متوجہ رکھنے کے لیے نمائش پیش قدمی کر رہا تھا۔ دوسری طرف بخارا جسے شاہ مکمل طور پر محفوظ سمجھ رہا تھا،  
تاتاریوں کی ہولناک یلغار کی زد میں آچکا تھا۔ چنگیز خان اپنی اصل فوج کے ساتھ صحراؤں سے نکل کر عنقریب عقب  
سے بخارا پر حملہ کرنے والا تھا۔

ساحل سیحون پر خون کی ہولی..... ادھر جو جی خان اپنے باپ کی تجویز کردہ حکمت عملی کے مطابق دریائے سیحون کے  
کنارے تاخت و تاراج شروع کر چکا تھا۔ ”سقتاق“، ”اسناس“، ”بارجلج کنت“ اور دیگر چھوٹے چھوٹے شہروں کو تہہ  
و بالا کرتے ہوئے وہ بخند کی طرف بڑھا۔ بخند کا حاکم قتلغ خان خوفزدہ ہو کر شہر سے فرار ہو گیا۔ اہل شہر فیصل کے  
دروازے بند کر کے بیٹھ گئے، دہشت و ہراس کے باعث ان میں مقابلے کی ہمت نہیں تھی۔ تاتاری سپاہی بلا پس و پیش  
فیصل کو پھلانگ کر شہر میں داخل ہو گئے۔ جند پر قبضہ کرنے کے بعد جو جی بناکت پر حملہ آور ہوا، یہاں کے حاکم  
”ایلتا کو“ نے تین دن تک فیصل بند ہو کر مقابلہ کیا، مگر بالآخر ہمت ہار کر جاں بخشی کے وعدے پر شہر کے دروازے کھول  
دیے۔ تاتاریوں نے وعدہ پس پشت ڈالتے ہوئے شہر میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔<sup>(۵۶)</sup> اپنی تلواروں کو خون  
سے غسل دینے کے بعد یہ درندے قوتند کی طرف بڑھے۔

عالم اسلام پر دو طرفہ یلغار..... ۶۱۶ھ/۱۲۱۹ء کو ہم عالم اسلام کی تاریخ کے نازک ترین اوقات میں شمار کر سکتے  
ہیں۔ ایک طرف تو چنگیز خان اپنے نڈی دل سپاہیوں کے ساتھ مشرق کی جانب سے عالم اسلام کی سرحدوں کو روند رہا  
تھا اور دوسری طرف یورپ کے صلیبی جنگجو بحیرہ روم کو عبور کر کے عالم اسلام کے مغربی شہروں پر پے در پے حملے کر رہے  
تھے۔ سلطان مصر و شام ملک العادل کی وفات کے بعد اس کی عظیم سلطنت اس کے بیٹوں کے درمیان تقسیم ہو کر اپنی  
طاقت کھو چکی تھی، اس صورتحال کو یورپی اقوام القدس پر قبضے کا نادر موقع خیال کر رہی تھیں۔ ۶۱۶ھ (۷ نومبر  
۱۲۱۹ء) کو جس وقت چنگیزی افواج جھیل بیکال اور جھیل بالکش کے درمیانی خطے کو عبور کرتے ہوئے عالم اسلام کی مشرقی  
سرحدوں کے قریب تر پہنچ چکی تھیں، یورپ کے صلیبی حملہ آور سرحدات اسلام کے مغربی حصار کو توڑ کر ایشیا، افریقہ اور  
یورپ کے سنگم پر واقع انتہائی اہم دفاعی مرکز ”دمیاط“ پر قبضہ کر چکے تھے۔ ایک ہی وقت میں عالم اسلام دشمنوں کی دو  
طرفہ یلغار کا سامنا کر رہا تھا اور دونوں محاذوں پر اس کے دفاعی بند زمین بوس ہو رہے تھے۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ ان

نازک حالات میں اسلام اور مسلمانوں کا مرثیہ تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ان دنوں اسلام اور مسلمان ایسے مصائب میں مبتلا ہیں جن سے کبھی کسی قوم کو سابقہ نہیں پڑا۔ ایک مصیبت تو یہی تاتاری ہیں..... خدا ان کا بیڑا غرق کرے..... جو مشرق سے یلغار کرتے ہوئے آئے اور ایسی ایسی بہیمانہ کاروائیاں کر گزرے کہ جن کی خبر سننے والا ہر شخص ان سے دہشت زدہ ہے۔ دوسری آفت فرنگیوں کا حملہ ہے..... اللہ ان پر لعنت کرے..... جو مغرب سے شام پر حملہ آور ہوئے اور مصر پر قبضے کا ارادہ رکھتے ہیں، دمیاط پر ان کا قبضہ بھی انہی عظیم مصائب میں سے ایک ہے، اگر اللہ کا لطف و کرم اور اس کی مدد شامل حال نہ ہوتی تو یہ فرنگی اب تک مصر، شام اور دیگر اسلامی ممالک پر قبضہ مکمل کر چکے ہوتے۔ انہی اندوہناک حوادث میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو مسلمان اب تک ان دونوں دشمنوں کی زد سے بچے ہوئے ہیں وہ آپس میں تلواریں سونت کر ایک دوسرے کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں، حالانکہ وہ عظیم فتنہ جس کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں واضح طور پر سامنے ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون بس اب تو ہم اللہ سے یہی سوال کرتے ہیں کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو اپنی جانب سے فتح و نصرت عنایت کرے۔ ہاں! بلاشبہ اسلام کی مدد کرنے والے اس کی حمایت کرنے والے اور اس کی حفاظت کرنے والے ختم ہو گئے ہیں۔ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءَ فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَالٍ“ (۱۹)

(ترجمہ: جب اللہ کسی قوم پر مصیبت ڈالنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر اس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور خدا کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں رہتا۔) (سورۃ الرعد)

————— ❦ —————

## حواشی و حوالہ جات

- ① جہاں کشا، ج ۱، ص ۶۱
- ② چنگیز خان، باب نمبر ۱۲ ص ۹۴
- ③ چنگیز خان، باب نمبر ۱۲ ص ۹۴ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ چنگیز خان خدا کے وجود اور اس کے علم کی وسعت کا قائل تھا البتہ اس کے ساتھ ساتھ وہ مختلف قسم کے کفریہ اور شرکیہ عقائد میں بھی مبتلا تھا۔
- ④ طبقات ناصری ج ۱ ص ۳۶۷..... چنگیز خان، باب نمبر ۱۳ ص ۱۰۰
- ⑤ روضۃ الصفاح ص ۳۵..... البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۱۳۸..... طبقات ناصری ج ۱ ص ۳۶۷
- ⑥ طبقات ناصری ج ۱ ص ۳۶۷
- ⑦ طبقات ناصری، ص ۳۶۷..... چنگیز خان، باب نمبر ۱۳ ص ۱۰۱
- ⑧ چنگیز خان، باب نمبر ۱۳ ص ۱۰۲..... طبقات ناصری، ص ۳۶۷
- ⑨ چنگیز خان، باب نمبر ۱۳ ص ۱۰۲..... جوبی کوزوچی، توشی اور دوشی بھی کہا گیا ہے۔
- ⑩ جوبی نوین، ”جہ نوین“، ”یمہ نوین“ اور سوبدائی کو ”سبتائی“ کے ناموں سے یاد کیا ہے۔
- ⑪ ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۳
- ⑫ سیرۃ جلال الدین مکنبرتی، ص ۸۹..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۱..... خوارزم شاہی، ص ۹۹..... چنگیز خان، باب نمبر ۱۴ ص ۱۰۶
- ⑬ ابن خلدون ج ۵، ص ۱۰۵
- ⑭ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۰ مع حاشیہ، ص ۱۰۱
- ⑮ روضۃ الصفاح اور جہاں کشا کے بیان کے مطابق خوارزم شاہ بخارا اور سمرقند کے قیام کے دوران محافل عیش و نشاط اور لذات و شہوات میں منہمک رہا، مگر ابن اثیر رحمہ اللہ، حافظ ذہبی، موفق عبداللطیف اور دیگر عرب مؤرخین کے نزدیک خوارزم شاہ اس قسم کی لغویات سے پاک، شہوات سے کنارہ کش اور محتاط مزاج شخص تھا۔ ملاحظہ ہو: تاریخ ابن اثیر ج ۷ ص ۵۷۸ اور تاریخ الاسلام کبیر للذہبی، ج ۲، وفیات سن ۶۱۷ھ، حرف میم۔
- ⑯ تاریخ الاسلام کبیر للذہبی، ج ۲، طبقہ ۶۲، وفیات سن ۶۱۷ھ، حرف میم۔ وفیات ۶۲۸ھ حرف جیم
- ⑰ روضۃ الصفاح، ج ۳ ص ۸۲۳
- ⑱ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۱



- (۳۲) چنگیز خان، باب نمبر ۴ ص ۱۰۶ (۳۳) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۲
- (۳۴) چنگیز خان، باب نمبر ۴ ص ۱۰۷ (۳۵) تاریخ گزیدہ، ج ۱، ص ۴۹۷
- (۳۶) چنگیز خان، باب نمبر ۴ ص ۱۰۷، جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۲
- (۳۷) چنگیز خان، باب نمبر ۴ ص ۱۰۷
- (۳۸) روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۸۲۳..... جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۲ تا ۱۰۳
- (۳۹) چنگیز خان، باب نمبر ۱۳، ص ۱۰۱ (۴۰) چنگیز خان، باب نمبر ۴ ص ۱۰۸
- (۴۱) چنگیز خان، باب نمبر ۴ ص ۱۰۸
- (۴۲) روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۸۲۳..... جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۲ تا ۱۰۳
- (۴۳) روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۸۲۳ (۴۴) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۷
- (۴۵) طبقاتِ ناصری ج ۱ ص ۳۶۶
- (۴۶) چنگیز خان، باب نمبر ۴ ص ۱۰۸..... طبقاتِ ناصری، ج ۱ ص ۳۶۶
- (۴۷) چنگیز خان، باب نمبر ۴ ص ۱۰۸ (۴۸) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۳
- (۴۹) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۴..... طبقاتِ ناصری ج ۱ ص ۳۶۶
- (۵۰) چنگیز خان، باب نمبر ۴ ص ۱۰۹
- (۵۱) اندازِ آئیہ فروزی ۱۲۲۰ھ (ذی الحجہ ۶۱۶ھ) کے ابتدائی ایام تھے۔
- (۵۲) چنگیز خان، باب نمبر ۴ ص ۱۰۹ (۵۳) سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی، ص ۴۸
- (۵۴) چنگیز خان، باب نمبر ۵ ص ۱۱۳
- (۵۵) تاریخ خوارزم شاہی، ص ۹۹ بحوالہ سیرۃ جلال الدین مطبوعہ پیرس، ص ۳۶
- (۵۶) چنگیز خان، باب نمبر ۵ ص ۱۱۳
- (۵۷) روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۸۲۴..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۱
- (۵۸) روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۸ (۵۹) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۱

## سرحدوں کے محافظ

رَبَّاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا.

اللہ کے راستے میں ایک دن سرحد کی پہرے داری کرنا دنیا اور جو کچھ اس کی سطح پر ہے ان سب سے بہتر ہے۔

(بخاری شریف)

ایک کی ہم نے ہزاروں سے لڑائی دیکھی نزعہ کفر میں ایمان کا جلوہ دیکھا  
لڑ گئے، گرچہ نہتے بھی تھے محصور بھی تھے دیکھا، یہ شوق شہادت کا تقاضا دیکھا

توقد کا مرد مجاہد..... توقد خوارزم کی مشرقی سرحدوں پر ایک پُر فضا اور خوش منظر شہر تھا۔<sup>(۱)</sup> دریائے سیحوں کے کنارے واقع اس شہر کے محل وقوع کی رعنائی و دلقریبی اور اس کے ماحول کی دلکشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ یہاں کی سرسبز و شاداب وادیاں، بہید مجنوں سفیدے اور صنوبر کے درختوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔<sup>(۲)</sup> انار، خر بوزے اور تربوز کے باغات کا سلسلہ حدنگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ باغات اور کھیتوں کے ساتھ ساتھ سفید فصیلوں سے گھرے ہوئے چھوٹے چھوٹے گاؤں تھے جن کی مسجدوں کے سفید اور بلند مینار بڑے جاذب نظر معلوم ہوتے تھے۔ پہاڑوں کی ہری بھری ڈھلوانوں پر بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اطمینان سے سبزہ چرنے میں مصروف دکھائی دیتے تھے۔ چٹانوں کے بیچ سے پھوٹ کر بہنے والے چشمے اور آبشار ہمیشہ حق تعالیٰ شانہ کی حمد کے نغمے گنگناتے سنائی دیتے تھے۔ دریائے سیحوں کے پار سلسلہ کوہ کی برف سے ڈھکی ہوئی فلک بوس چوٹیاں سرشام ڈوبتے سورج کی کرنوں سے منعکس ہو کر جگمگاتیں اور خالق حقیقی کی بے مثل صنعت پر بزبان حال تسبیح و تحمید بیان کرتیں۔

توقد کا ترک حاکم تیمور ملک اپنی شجاعت، لیاقت، انصاف پسندی اور خوش اخلاقی کے باعث عوام کی آنکھوں کا تارا تھا۔ جنگی مہارت اور قوت و چالاکی میں بھی اسے رستم و سہراب کا ہم پلہ سمجھا جاتا تھا۔ ترکوں کی جنگجوئی، جرأت، ہمت اور دیگر قائدانہ صفیں اس میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔<sup>(۳)</sup>

سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی قیادت میں کوہستان پامیر جانے والا خوارزمی لشکر جب بھاری جانی و مالی نقصان اٹھانے کے بعد دریائے سیحوں عبور کر کے واپس چلا گیا تو تیمور ملک کو یقین ہو گیا کہ اب سرحدی شہر بہت جلد تباہی کی زد میں آنے والے ہیں چنانچہ اس نے دفاعی انتظامات شروع کر دیے۔ چند روز بعد پانچ ہزار تاتاریوں کے ایک لشکر نے توقد کا محاصرہ کر لیا۔<sup>(۴)</sup> یہ صرف ہراول دستہ تھا، جو جی دو تو مانوں (بیس ہزار سپاہیوں) کا ایک بڑا لشکر لیے اس کے پیچھے چلا آ رہا تھا۔<sup>(۵)</sup> تیمور ملک کے پاس صرف ایک ہزار سپاہی تھے۔ وہ دریا کے چوڑے پاٹ کی طرف پسا ہوا، یہاں اس نے آس پاس کی تمام کشتیاں جمع کیں اور اپنے مٹھی بھر سپاہیوں کو ان میں سوار کر کے دریا کی دو

شاخوں کے مابین واقع ایک جزیرے پر پہنچ گیا جہاں ایک سنگین قلعے میں وہ دفاعی تیاریاں مکمل کر چکا تھا۔<sup>①</sup>

چند دن بعد جوجی کی قیادت میں جب اصل تاتاری فوج اس کے تعاقب میں لب دریا پہنچی تو تیور ملک دریا کے وسیع پاٹ کے مابین جزیرے پر مورچہ بند ہو چکا تھا، اس نے ساحل پر کوئی کشتی باقی نہیں رہنے دی تھی۔ تاتاری تیر اندازوں کی صفیں کندھے سے کندھا ملا کر جزیرے کی سمت تیر برسانے لگیں، مگر دریا کی چوڑائی اتنی زیادہ تھی کہ تیر نشانے تک نہ پہنچ سکے۔ جوجی نے باقاعدہ سخت محاصرے کی تیاریاں کیں اور منہ بیک استعمال کرنے والے دستے طلب کر کے قلعے پر سنگ باری کی کوشش کی، مگر پتھر اپنے ہدف سے دور دریا میں غرق ہوتے رہے۔ کئی دن گزر گئے، جوجی عجیب محاصرے میں پڑ گیا تھا۔ چنگیز خان کا حکم تھا کہ کوئی قلعہ اور فصیل بند شہر زیر قبضہ نہ بغیر آگے نہ بڑھا جائے۔ بناکت کی فتح کے بعد جوجی کا خیال تھا کہ ساحلی شہر معمولی مزاحمت کے بعد فتح ہوتے جائیں گے اور وہ چند ہفتوں بعد آگے پیش قدمی کر سکے گا، مگر وقت کے شیر کی کچھار تک آ کر اس کے قدم زمین میں گڑ گئے تھے۔ چند دنوں بعد تاتاریوں کے چند دستے بناکت اور آس پاس کے دیہاتوں کے ہزاروں قیدیوں کو جانوروں کی طرح ہانکتے ہوئے وقت کا محاصرہ کرنے والی فوج سے آ ملے۔ یہ معرکہ سر کرنے کے لیے اب تاتاریوں نے ایک عجیب تدبیر اختیار کی، شاید اس سے پہلے کسی مہم جو نے ایسے اقدام کی کامیابی کا تصور بھی نہ کیا ہوگا۔

دریا میں راستہ ..... تاتاریوں نے ان ہزاروں قیدیوں کو پہاڑوں سے پتھر ڈھونے اور دریا کے کنارے جمع کرنے پر لگا دیا۔ نہتے، بے بس اور حد درجہ دہشت زدہ قیدی تاتاریوں کی تلواروں کے سائے میں وزنی پتھر اٹھا کر لڑکھڑاتے، ڈمگماتے سیکھوں دریا کے کنارے آتے اور پتھر دریا میں پھینک دیتے۔ اس طرح روزانہ بے شمار پتھروں کے دریا کے کنارے ڈالے جانے سے آہستہ آہستہ دریا کے کنارے سے ایک پتھر یلا راستہ نمودار ہونے لگا جو دھیرے دھیرے جزیرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تیور ملک تاتاری بھیڑیوں کی اس سرگرمی پر پوری طرح نظر رکھتے ہوئے تھا۔ اس نے خطرے کا احساس ہوتے ہی بارہ بڑی کشتیاں منتخب کر کے ان پر لکڑی کے مضبوط تختے نصب کرائے جن میں تیر اندازی کے لیے سوراخ موجود تھے، اس کے تیر انداز دستے ان کشتیوں میں سوار ہو کر کنارے پر محاصرہ کرنے والے تاتاریوں پر تیروں کی بوچھاڑ کرنے لگے۔ تاتاریوں کی لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں، ان کے تیر تختوں کی اوٹ میں چھپے ہوئے مسلمان سپاہیوں کا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔

آتشیں اسلحہ ..... اس مرد مجاہد کی کوششوں سے دریا میں بننے والے راستے کی تعمیر کا کام تاتاریوں کے لیے بڑا کٹھن ثابت ہونے لگا تاہم وہ بے شمار جانیں ضائع کرنے کے باوجود اس مہم سے باز نہیں آئے۔ تیور ملک کے بحری بیڑے کو تباہ کرنے کے لیے بڑی سوچ بچار کے بعد انہوں نے آتشیں اسلحہ کے چینی ماہرین سے کام لینے کا فیصلہ کیا۔ منہ بیکوں سے پتھروں کے بجائے آگ کے گولے، اہلتے ہوئے تیل کے مٹکے اور جلتی ہوئی گندھک کی ہانڈیاں برسانے کی تیاری کی گئی۔

اگلے دن جب مجاہدین کشتیوں میں سوار ہو کر کنارے کے قریب پہنچے اور دشمن کو اپنے تیروں کا نشانہ بنانے لگے تو یکایک زوردار دھماکوں کے ساتھ فضا آتشیں لاوے سے بھر گئی۔ حریف کی کمین گاہوں سے منہ بیکوں نے آگ برسانی شروع کر دی۔ مجاہدین کو نقصان اٹھا کر مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا، دشمن کی نئی چال نے ترک حاکم کو سخت فکر مند کر دیا۔ دشمن

حد درجے عیار ثابت ہو رہا تھا۔ قوت تدبیر ہی سے اس نئے حربے کا توڑ دریافت کرنا ضروری تھا۔ تیمور ملک اپنے مجاہد ساتھیوں کے ساتھ دیر تک مشورے میں مصروف رہا۔ پھر اس نے چند کاری گروں کو بلا کر مختلف ہدایات دیں تاکہ وہ کشتیوں کی ساخت میں ترمیم کریں۔<sup>(۷)</sup>

جوابی چال..... تیمور کا آئندہ حملہ تاتاری محاصرین کے لیے حد درجہ حیران کن تھا۔ اب اس کی کشتیوں پر چاروں اطراف سے لکڑی کی دیواروں کے علاوہ، ڈھلوان چھتیں بھی نصب کر دی گئیں تھیں۔ دیواریں اور چھتیں سب مٹی کے موٹے پلستر سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ آگ لگانے والے آلات ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ کشتیاں ساحل کے قریب آئیں، مجاہدین نے اطمینان کے ساتھ تاک تاک کر نشانے لیے، پتھر لیے راستے کے قریب موجود تاتاریوں کی ایک بڑی تعداد کو شکار کرنے اور باقی ماندہ کو منتشر کرنے کے بعد مجاہدین واپس ہو گئے۔

روز و شب گزرتے چلے گئے، محاذ اسی طرح گرم رہا حتیٰ کہ یہاں جنگ شروع ہوئے تین مہینے بیت گئے۔ جوبی اس طویل محاصرے سے تنگ آ چکا تھا، اس نے محاصرے کی ذمہ داری ایک سردار کو سونپ دی اور خود فوج کا ایک حصہ ساتھ لے کر دریائے سیحون کے بہاؤ کی سمت روانہ ہو گیا۔<sup>(۸)</sup>

تیمور ملک نے مقابلہ جاری رکھا، مگر وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کی سر توڑ کوششوں کے باوجود دریا کی سمت سے بننے والا راستہ روز بروز قریب آتا جا رہا ہے اور چند دنوں میں تاتاریوں کی بھینٹیں جزیرے پر آتش باری کر سکتی تھیں۔ نیز تیمور ملک جس مقصد کے لیے تاتاریوں کو یہاں روکے ہوئے تھا، اس کے گمان کے مطابق وہ پورا ہو چکا تھا۔ تیمور ملک یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ تاتاری لشکر کو شکست نہیں دے سکتا، صرف اس اُمید پر لڑ رہا تھا کہ اتنے عرصے تک خوارزم شاہ افواج مرتب کر کے دوسرے محاذوں پر دشمن کو پسپا کر دے گا، اب جبکہ قوت کا مجاہد کئی ماہ تک مشرق میں دشمن کو روک کر اپنا فرض ادا کر چکا تھا اس نے یہاں سے نکل جانا مناسب سمجھا۔ مزید تاخیر کی صورت میں فاقوں سے لاچار ہو کر دشمن کی آتش انتقام کا نشانہ بنے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا، جبکہ ابھی فیصلہ کن محاذوں پر خون مسلم کی ضرورت زیادہ تھی۔

تیمور ملک کا تعاقب..... ایک تاریک شب میں تیمور ملک نے اپنے ساتھیوں کو کشتیاں تیار کر کے کوچ کا حکم دیا۔ ستر کے قریب چھوٹی بڑی کشتیاں دریا کے بہاؤ پر روانہ ہو گئیں۔<sup>(۹)</sup> تاتاری پہرے دار بڑے چوکنا تھے، تیمور ملک کا قافلہ روانہ ہوتے ہی ان کے تیز رفتار گھڑ سوار دستے خشکی پر ان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے اور جلد ہی قافلے والوں کے برابر پہنچ گئے۔ تیمور کے لیے یہ صورتحال غیر متوقع نہ تھی۔ وہ کشتیوں پر ایسے حفاظتی تختے لگو اچکا تھا کہ پیچھا کرنے والے تیر اندازی کر کے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔ جب بھی تاتاری سپاہی قافلے کے برابر آتے تو مجاہدین ان پر نشانہ آزما کر کے ان کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتے۔ کئی دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ نہ ہی تیمور ملک نے اپنی رفتار کم کی اور نہ تعاقب کرنے والے باز آئے۔

بناکت کا ساحل قریب آ چکا تھا۔ تعاقب کرنے والے تاتاریوں نے یہاں کی فوجی چوکی کو قوت کے مفروہین کے دریائی راستے سے قریب تر آنے کی اطلاع دے کر دریا میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی تاکید کی۔ دریا میں سفر کرتے ہوئے تیمور ملک جب بناکت کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ دریا کے آ رہا رلو ہے کی ایک دیوہیکل زنجیر تنی ہوئی ہے جس سے راستے بند ہو چکا ہے۔ تیمور ملک نے ایک ہی ضرب کاری لگا کر زنجیر توڑ ڈالی اور راستہ صاف کر دیا۔ یہ

بیڑا پھر رواں دواں ہو گیا۔ جُند سے آگے دریا کے کنارے پر جوجی اپنے لشکر کے ساتھ موجود تھا۔ تعاقب کرنے والے تاتاری سپاہیوں نے اسے تیمور کی آمد کی اطلاع دی۔ جوجی نے فوراً کشتیاں منگوا کر دریا کے اندر کشتیوں کا پل بنوایا اور سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ دونوں کناروں پر سختیں نصب کرادیں تاکہ اس سخت جاں حریف کو ختم کیا جاسکے۔ تیمور ملک بے خوف خطر جُند تک پہنچ گیا، یہاں آ کر شاید اسے اس کاروائی کی بھٹک پڑ گئی یا اپنی فراست سے اس نے تاڑ لیا کہ تاتاری پھر اس کے راستے میں رکاوٹیں ڈال کر اسے روک سکتے ہیں۔ بہر حال جوجی کے خطرناک مورچے تک پہنچنے سے پہلے ہی اس نے رات کی تاریکی میں ”بارجلنج کنت“ کے کنارے اپنے قافلے کو اتارا اور ایک طرف روانہ ہو گیا۔

خشکی پران کا تعاقب کرنے والے تاتاریوں کو جب تک کشتیوں میں ان کی غیر موجودگی کا احساس ہوا تب تک وہ کافی آگے نکل چکے تھے۔ تاتاری سواروں نے جب ان کا تعاقب شروع کیا تو تیمور ملک نے اپنے اکثر ساتھیوں کو آگے نکلنے کا موقع دیتے ہوئے خود پیچھے رک کر چند جانبازوں کے ساتھ حملہ آوروں کا مقابلہ کیا اور ان کو پسپا کر دیا۔ یہ سلسلہ چند دن تک جاری رہا۔ تیمور ملک بار بار رک کر اپنے قافلے کا تعاقب کرنے والوں کو روکتا اور پھر آگے لپکتا، مگر تاکہ..... اس کے اکثر ساتھی شہید یا زخمی ہو گئے۔ بعض فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

آخر میں تیمور ملک خود تنہا رہ گیا۔ تین تاتاری اس کے تعاقب میں سرپٹ گھوڑے دوڑاتے چلے آ رہے تھے۔ تیمور ملک کے ترکش میں صرف تین تیر تھے۔ اس سے قبل کہ دست بدست مقابلے کی نوبت آتی، تیمور نے گھوڑے کا زرخ پھیر کر ایک دشمن کی آنکھ کا نشانہ باندھتے ہوئے تیر چلا دیا۔ تیر ایک فضا پاش سرسراہٹ کے ساتھ کمان سے نکلا اور دشمن کی آنکھ میں پیوست ہو گیا۔ تیمور نے چلا کر کہا:

”تمہاری تعداد کے مطابق دو عدد تیر ابھی باقی ہیں اور مجھے انہیں ضائع کرتے ہوئے افسوس ہوگا، بہتر یہی ہے کہ تم لوٹ جاؤ۔“

دونوں تاتاری پہلے ہی سہم چکے تھے، فی الفور واپس لوٹ گئے۔<sup>(۱۰)</sup>

توقد کے معر کے میں تیمور ملک کی بے مثل شجاعت اور ہوشیاری کے چرچے مسلمانوں اور تاتاریوں کے درمیان یکساں طور پر عام ہوئے۔ محض ایک ہزار مجاہدین کے ساتھ بیس ہزار سے زائد افراد پر مشتمل لشکر کو تین ماہ تک روکے رکھنا اور بے اندازہ جانی و مالی نقصان پہنچانے کے بعد ان کے زرخ سے بچ نکلنا واقعتاً قابل صد تحسین کارنامہ تھا۔

تیمور ملک کی جہادی سرگرمیاں..... توقد کے اس معر کے کے دوران بخارا، سمرقند اور دیگر کئی اہم علاقے تاتاریوں کے زیر نگیں ہو چکے تھے، اس لیے تیمور ملک نے براہ راست دارالحکومت خوارزم (اور گنج) کا زرخ کیا جواب تک تاتاریوں کے حملے سے محفوظ تھا۔ دارالحکومت میں کچھ دن گزار کر تیمور ملک نے کچھ جانباز ساتھی جمع کر لیے اور دوبارہ تاتاریوں سے مختلف محاذوں پر نبرد آزما رہا۔ اسی دوران ایک بار اس نے مقبوضہ شہر ”بارجلنج کنت“ پر شب خون مارا اور تاتاری حاکم اور اس کے محافظوں کو قتل کر کے بحفاظت واپس چلا آیا۔<sup>(۱۱)</sup>

سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ ان دنوں ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف کوچ کر رہا تھا۔ تیمور ملک نے اس کی خدمت میں حاضری کے ارادے سے دارالحکومت سے رخت سفر باندھا اور شہرستانہ کے مقام پر دربار سلطانی میں حاضری دی۔<sup>(۱۲)</sup>

تیمور ملک سے تاتاریوں کے مظالم اور ان کی تباہ کاریوں کے چشم دید واقعات سن کر خوارزم شاہ مزید ہراساں ہو گیا۔  
کچھ عرصہ خوارزم شاہ کی بے مقصد بھاگ دوڑ میں اس کا ساتھ دینے کے بعد تیمور ملک تاتاریوں کے خلاف  
شہزادہ جلال الدین کی تحریک جہاد میں شامل ہو گیا۔ تیمور اور جلال الدین کا ساتھ اس وقت شروع ہوا جب اورنگ میں  
جلال الدین کی تخت نشینی ہوئی، تیمور نے جلال الدین کے شانہ بشانہ اس جدوجہد آزادی میں بھرپور حصہ لیا جس کا  
آغاز علاؤ الدین خوارزم شاہ کی موت کے بعد ہوا۔<sup>(۱۴)</sup>

اترا کا محاذ..... تو قند پر یلغار کے ساتھ ہی تاتاریوں کی ایک اور فوج دریائے سیحوں کے ساتھ واقع تاشقند اور اترا  
پر حملہ کر چکی تھی۔ تاشقند کی قابل ذکر مزاحمت کے بغیر فتح ہو گیا، مگر اترا کی سنگین فسیلیں دیر تک تاتاریوں کے لیے در  
سربنی رہیں۔ حاکم اترا یئال خان ہی وہ شخص تھا جس نے تجارتی قافلے کو جاسوسی کے الزام میں قتل  
کرایا تھا اور چنگیز خان نے بدلے میں اسی کو خوارزم شاہ سے طلب کیا تھا۔ اس لحاظ سے چنگیز خان کے نزدیک اترا کا  
محاذ نہایت اہمیت کا حامل تھا، اس نے اپنے دو بیٹوں اوکتائی اور چغتائی کو اترا پر حملہ آور فوج کی کمان سونپ کر سختی سے  
یہ تاکید کی کہ وہ یئال خان کو ہر قیمت پر زندہ گرفتار کر کے اس کے رو برو پیش کریں۔

تاتاری فوج کی آمد کی خبر سن کر یئال خان نے بھی مقابلے کے لیے کمر کس لی۔ اس کے ساتھ پچاس ہزار سپاہی  
تھے۔ وہ ایک سرد گرم چشیدہ سالار تھا اور تھیار ڈالنے پر موت کو ترجیح دیتا تھا۔<sup>(۱۵)</sup> اس نے پہلے سے آس پاس کے تمام  
کھیتوں اور باغات سے اناج اور غذاؤں کے ذخائر کے علاوہ مویشیوں کے بڑے بڑے ریوڑ بھی اترا کی فسیلوں کے اندر  
جمع کر لیے تھے۔ تیروں اور پتھروں کے بے شمار انبار اکٹھے کر کے وہ ایک طویل دفاعی جنگ کے لیے کمر بستہ ہو چکا تھا۔

تاتاری لشکر دریائے سیحوں عبور کر کے اترا کے سامنے نمودار ہوا اور سختی سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ تاتاری سپاہی  
روزانہ مختلف سمتوں سے فسیل پر حملہ آور ہوتے، مگر خوارزمی سپاہیوں کی پیہم تیر اندازی اور سنگ باری سے گھائل ہو کر  
پیچھے ہٹ جاتے۔ جانین سے سپاہیوں کی ایک خاصی تعداد روزانہ کام آجاتی۔ تاتاریوں کے نقصانات زیادہ ہونے  
کے باوجود انہیں اپنے قلب لشکر سے کمک ملنے کا طمینان تھا، مگر اترا کے عساکر کو اپنی تعداد میں نسبتاً کم رفتار سے کی بھی  
کمک نہ ملنے کی بناء پر بڑی ہولناک معلوم ہو رہی تھی۔ محاصرہ طویل سے طویل تر ہوتا گیا، آخر خوارزم شاہ نے اس محاذ  
کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے دس ہزار سپاہیوں کا ایک بڑا دستہ حاجب قراچ کی قیادت میں اترا کے محصورین کی  
مدد کے لیے روانہ کیا۔

سخت محاصرے کے باوجود حاجب قراچ شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ یئال خان کی خوشی قابل دید تھی۔  
اس کا خیال تھا کہ یہ نیبی مدد اترا کے سامنے دشمن کی عبرت ناک شکست کا باعث بن سکتی ہے، مگر افسوس صد افسوس!!  
حاجب قراچ کے دل میں بزدلی اور موت سے کراہت کا مرض پیدا ہو چکا تھا۔ وہ کسی اور ذریعے سے سوچ رہا تھا۔ چند دن  
اترا کے سامنے تاتاریوں کی یلغار کے وحشیانہ نظارے دیکھ کر وہ بزعیم خود مقابلہ نامکن اور بے سود سمجھ کر ”صلح جوئی“ کا  
مبلغ بن گیا۔ اس نے یئال خان کو مشورہ دیا کہ وہ معرکہ آرائی سے دست بردار ہو کر تاتاریوں سے مصالحت کر لے، اس  
طرح وہ اور شہر کے باشندے تاتاریوں کی شمشیر انتقام سے محفوظ رہ سکیں گے۔ چار ماہ کے محاصرہ کے بعد اب شہر میں  
خواراک کے ذخیرے ختم ہوتے جا رہے تھے اور بہت جلد فاقوں کی نوبت آنے والی تھی۔ اگر مقابلے میں کوئی اور دشمن

ہوتا تو شاید یئال خان مکہ مصالحت پر غور کر لیتا، مگر تاتاریوں کی عیاری، فریب بازی اور دسیسہ کاری سے وہ خوب واقف تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس وقت تاتاری فسیل کے دروازے کھلوانے کے لیے جو وعدے کریں گے شہر پر قبضہ کرتے ہی ان کو سر اسر بھلا دیں گے۔ پھر ان کی ہوس خوں ریزی سے کوئی نہیں بچ سکے گا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ تاتاریوں کے نزدیک کیا حیثیت رکھتا ہے، اس لیے کم از کم اس کی جان بخشی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور عام شہریوں کے بارے میں بھی یئال خان کا یہی اندازہ تھا کہ تاتاری انہیں بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

حاجب قراچہ کی غداری..... قراچہ جب یئال خان کو قائل نہ کر سکا تو اس نے اہل شہر سے رابطے قائم کیے اور انہیں سبز باغ دکھا کر اپنا ہم خیال بنانے کی کوششیں کرنے لگا۔ تاتاریوں کی سنگ بار محققین چار ماہ میں اترار کی فیصلوں میں وہ دراڑ نہ ڈال سکیں جو قراچہ کی غداری سے راتوں رات پیدا ہو گئی۔ اہل شہر میں سے ایک طبقہ اس کا حامی ہو گیا۔<sup>(۱۵)</sup> قراچہ نے ان کے ذریعے یئال خان پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی، مگر یئال خان اپنے فیصلے پر مصر رہا، وہ تھیا رڈال کر خود اپنے ہاتھوں ذلت کی موت نہیں مرنے چاہتا تھا۔ آخر کار قراچہ نے اپنے طور پر چوری چھپے شہر کے دروازے کھولنے کا فیصلہ کر لیا۔ تاتاریوں سے خفیہ بات چیت کر کے وعدوں کی توثیق کرائی گئی۔ قراچہ تاتاریوں کے قبل از وقت تیار کردہ غداروں میں سے نہیں تھا، لیکن جہاں بزدلی کے جراثیم پروان چڑھنے لگیں وہاں غداری کا سرطان پیدا ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ طے شدہ منصوبے کے مطابق ایک شب جبکہ اہل اترار کو خواب تھے قراچہ کے سپاہیوں نے شہر کے دروازے کھول دیے۔ یئال خان کو اس کاروائی کا علم اس وقت ہوا جب تاتاریوں کے دستے شہر کے دروازوں سے اندر داخل ہو رہے تھے۔ قراچہ کی غداری پر وہ لہو کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ تیرکمان سے نکل چکا تھا۔ آخری کوشش کے طور پر اس نے اپنے اہل و عیال اور جائیدادیں کو قلعے کے اندر جمع کر لیا اور دروازے بند کر لیے۔ اس وقت اس کے پاس بیس ہزار سپاہی باقی رہ گئے۔<sup>(۱۶)</sup>

اگلی صبح کا آفتاب اہل شہر کے لہو سے اترار کے گلی کوچوں کو رنگین ہوتا دیکھ رہا تھا۔ جوان مردوں کے علاوہ عورتیں، بوڑھے اور بچے بھی ان کے شعلہ انتقام سے محفوظ نہ رہ سکے۔ یئال خان کا خیال صحیح ثابت ہو رہا تھا۔ قراچہ کو اوکتائی خان کی خدمت میں لے جایا گیا۔ قراچہ بہترین مستقبل کے حسین سپنے دیکھتا..... زبردست استقبال، پذیرائی اور حصول انعام و اکرام کے خیالی پلاؤ پکا ہوا اوکتائی خان کے سامنے دست بستہ حاضر ہوا اور آداب بجالایا۔ مگر اوکتائی خان کے پھرے ہوئے تیور دیکھ کر اس کی سٹی گم ہو گئی۔ اوکتائی خان نے اسے اپنی قوم سے غداری کرنے پر سخت بُرا بھلا کہا، خوب گالیاں دیں اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دیں۔

تاتاریوں کے نزدیک قوم سے غداری ایک انتہائی قابل نفرت فعل تھا، اس لیے وہ موقع محل کے لحاظ سے اگرچہ اپنے حریفوں کے غداروں سے کام لیتے تھے، مگر انہیں قابل عزت مقام دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔ عام طور پر وہ اپنا مقصد پورا حاصل کر لینے کے بعد دشمن کے غداروں کو قتل کر دیتے تھے۔

شب خون..... یئال خان نے قلعہ بند رہتے ہوئے تاتاریوں پر شب خون کا سلسلہ شروع کیا۔ ہر شب کو پچاس پچاس چھاپہ ماروں کی ٹولیاں تاتاریوں کے پڑاؤ پر ٹوٹ پڑتیں اور ان کو سخت جانی و مالی نقصان پہنچا کر فرار ہو جاتیں۔ تاتاریوں نے شب کا پہرا سخت کر دیا، مگر مجاہدین کے حملے جاری رہے۔ چھاپہ مار حملے میں روزانہ مجاہدین کی بھی خاصی

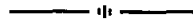
تعداد شہید ہو جاتی، مگر یٹال خان نے اس کی پروا نہیں کی اس لیے کہ خوراک کی کمی کے باعث مجاہدین فاقوں پر فاقے کر رہے تھے اور موت بہر حال سامنے نظر آ رہی تھی۔ شب خون کا سلسلہ ایک ماہ تک جاری رہا۔ ہر رات بیسیوں مجاہدین جانیں قربان کرتے رہے۔ محاصرے کے پانچ ماہ گزر جانے پر بھی مجاہدین کی مٹھی بھر تعداد نے جان ہتھیلی پر رکھ دشمن کو فیصل عبور کرنے سے روک رکھا۔ آخر کار قلعے کا محافظ دستہ بھی کام آ گیا اور اترار کے حاکم کے ساتھ صرف دو سپاہی اور خاندان کی مستورات باقی رہ گئیں۔

حاکم اترار کی گرفتاری..... قلعہ کی فصیلوں پر مزاحمت نہ پا کر تاتاریوں نے اس کے دروازے توڑ دیے۔ یٹال خان تیروں اور پتھروں کا بچا کھچا ذخیرہ سمیٹ کر قلعے کے ایک بلند برج پر چڑھ گیا۔ تاتاریوں نے اس کے دونوں ساتھیوں کو شہید کرنے کے بعد اس کا گھیراؤ کر لیا، چونکہ چنگیز خان نے اپنے سپاہیوں کو اسے زندہ گرفتار کرنے کی تاکید کی تھی، اس لیے وہ اسے قتل کرنے کے حتمی اقدام سے باز رہے۔ یٹال خان بھوکا پیاسا آخری تیر اور آخری پتھر تک لڑتا رہا۔ جب وہ بالکل بے بس اور عاجز ہو گیا تو تاتاریوں نے برج پر چڑھ کر اسے گرفتار کر لیا۔

چونکہ اترار ہی وہ شہر تھا جہاں چنگیز خان کے بھیجے ہوئے قافلے کو قتل کیا گیا تھا، اس لیے اترار سے جاتے جاتے تاتاریوں نے جوش انتقام میں فیصل شہر، قلعے اور مکانات کو بالکل تہس نہس کر کے رکھ دیا۔<sup>(۱۷)</sup> یہ تاتاری لشکر جو یلغار کی ابتداء ہی سے چنگیز خان کی اصل افواج سے علاحدہ سرگرم رہا تھا۔ اپنی مہم سے فارغ ہو کر اب سمرقند روانہ ہوا جہاں عنقریب چنگیز خان محاصرہ کرنے والا تھا۔<sup>(۱۸)</sup>

تاتاری ساحلی شہروں کے بے شمار مردوزن کو بھی قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔ وہ سارے راستے انہیں طرح طرح سے ذلت و اذیت کا نشانہ بناتے رہے۔ ان قیدیوں میں یٹال خان بھی شامل تھا جسے چنگیز خان کے بیٹوں نے سارے راستے بدترین تشدد اور تعذیب و تذلیل کے لیے تختہ مشق بنائے رکھا۔

دیر تک صبح وطن شام غریباں ہی رہی دیر تک دیس میں پردیس کا نقشہ دیکھا





## حواشی و حوالہ جات

① توقد کو خود بخود، خجد اور خدقان بھی کہا گیا ہے۔ موجودہ تاجکستان کا مشہور شہر ہے۔

② چنگیز خان، باب نمبر ۱۴ ص ۱۰۹

③ روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۸

④ چنگیز خان، باب نمبر ۱۴ ص ۱۱۰

⑤ تاریخ مختصر الدول، ص ۲۳۱

⑥ روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۸

⑦ روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۸ چنگیز خان، باب نمبر ۱۴ ص ۱۱۰

⑧ چنگیز خان، باب نمبر ۱۴، ص ۱۱۰

⑨ جہاں کشا، ج ۱، ص ۷۱

⑩ روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۸..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۷۲

⑪ جہاں کشا، ج ۱، ص ۷۳..... ہیر لڈیمب کے بیان کے مطابق تیمور ملک توقد سے فرار ہو کر شہزادہ جلال الدین سے

جالما تھا جو مملکت کے جنوب میں مورچہ بندی کر رہا تھا، چنگیز خان، باب نمبر ۱۴، ص ۱۱۱

⑫ تاریخ خوارزم شاہی، ص ۱۰۵

بعض تواریخ کے مطابق تیمور ملک سلطان جلال الدین کے ساتھ مل کر ایک عرصے تک جہاد میں مشغول رہا تھا۔

عبدالرفیع حقیقت نے تاریخ نہضتہائے ملی ایران (ص ۵۰۹) میں اسکی تصریح کی ہے کہ تیمور ملک توقد سے فرار ہو کر

سلطان جلال الدین سے جالما تھا (گریخت، وبہ خوارزم رفت، وبہ سلطان جلال الدین پیوست) نیز ص ۵۱۳ پر یہ

وضاحت بھی کی ہے کہ دریائے سندھ کی جنگ میں سلطان جلال الدین کے ساتھ دریاعبور کرنے والوں میں تیمور ملک

بھی شامل تھا۔

⑬ جہاں کشا، ج ۲، ص ۷۳..... روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۹

⑭ روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۶۴

⑮ تاریخ گزیدہ، ص ۶۲ تا ۶۶..... تاریخ خوارزم شاہی، ص ۱۰۲

⑯ جہاں کشا، ج ۱، ص ۶۵

⑰ روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۷ تا ۲۸

(۱۸) مؤرخین کے بقول قوتند اور اترار کے محاذوں پر پانچ چھ ماہ تک جنگ جاری رہی۔ اس حساب سے ان دونوں محاذوں کا دورانیہ ذوالحجہ ۶۱۶ھ (فروری ۱۲۲۰ء) تا جمادی الاولیٰ ۶۱۷ھ (جولائی ۱۲۲۰ء) بنتا ہے۔ دوسری طرف جہاں کشاجوینی کے بیان کے مطابق سمرقند کا معرکہ ربیع الاول ۶۱۷ھ (مئی ۱۲۲۰ء) کو برپا ہوا تھا، دیگر کتب بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ ان دونوں باتوں کو ملا یا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اترار کا سقوط سمرقند کے معرکہ کے بعد ہوا ہو۔ مگر چونکہ سمرقند کے محاصرے کے دوران اترار کے حاکم ینال خان کو چنگیز خان کے سامنے پیش کیا گیا تھا اس لیے اترار کا سقوط سمرقند کے معرکہ سے قبل ہونا یقینی ہے۔ اس تضاد سے نکلنے کے لیے یہ ماننا پڑے گا کہ قوتند اور اترار کے محاذوں کے دورانیے کی تطویل میں مبالغے یا تسامح کا عنصر شامل ہے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ یہاں کی لڑائیاں تین سے چار ماہ تک کی مدت یعنی صفر ۶۱۷ھ (اپریل ۱۲۲۰ء) کے اواخر تک مکمل ہو چکی تھیں۔ اسکے بعد تاریخوں نے سب اطراف سے مجتمع ہو کر سمرقند کی طرف پیش قدمی کی اور ربیع الاول ۶۱۷ھ (مئی ۱۲۲۰ء) میں سمرقند کا محاصرہ کر لیا۔

— — — — —

## سقوط بخارا و سمرقند

إِلَّا تَنْفَرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ.

اگر تم (جہاد میں) نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو سخت عذاب دے گا اور تمہارے بدلے دوسری قوم پیدا کر دے گا۔ (التوبہ)

کر یاد ان دنوں کو کہ آباد تھیں یہاں گلیاں جو خاک و خون کی دہشت سے بھر گئیں  
کیا باب تھے یہاں جو صدا سے نہیں کھلے کیسی دُعائیں تھیں جو یہاں بے اثر گئیں

تاتاری لشکر بخارا کی سمت ..... چنگیز خان اپنے چھوٹے بیٹے تولی خان کو ساتھ رکھتے ہوئے کسی نامعلوم مقام سے بڑی خاموشی کے ساتھ دریائے سیحون عبور کر کے صحرائی وسعتوں میں داخل ہو گیا۔ وہ خوارزمی آبادیات کو اپنے ہاتھیں ہاتھ کی سمت چھوڑتا ہوا ان سے کئی سو میل پرے بحیرہ ارال کے ساتھ ساتھ صحرائی سفر کرتا رہا۔ پھر صحرائے قزل ٹم کا چکر کاٹ کر وہ شمال مغرب کی سمت سے بخارا کی طرف بڑھنے لگا، جبکہ اس کے بے خبر حریف مشرق کی طرف رخ کر کے تاتاری یلغار کا انتظار کر رہے تھے۔ مشرق کی سمت بھی تاتاریوں سے خالی نہ تھی۔ جو جی اور دوسرے دو شہزادے دریائے سیحون کے آس پاس واقع شہروں کو فتح کرنے کے بعد مشرق سے یلغار شروع کرنے والے تھے، جبکہ جنوب مشرق کی سمت میں جی نویان سمرقند سے دو سو میل کے فاصلے تک پہلے ہی پیش قدمی کر چکا تھا۔ اس طرح خوارزم شاہ اپنی افواج کے ساتھ تینوں اطراف سے تاتاریوں کے گھیرے میں آنے والا تھا۔ سمرقند اور بخارا جیسے عظیم شہر اس سہ طرفہ یلغار کی زد میں تھے۔ ①

صحرا سے نکل کر چنگیز خان برق و باد کی مانند بخارا کی طرف لپکا۔ وہ بلائے ناگہانی کی طرح یکدم بخارا پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا، اس لیے راستے میں پڑنے والے دیہاتوں اور بستیوں میں گھوڑوں اور سپاہیوں کو پانی پلانے کے سوا اس نے کسی اور کام کے لیے لشکر کو ٹھہرنے کی اجازت نہ دی۔ ② چونکہ اس وقت خوارزم شاہ اپنی اصل طاقت کے ساتھ سمرقند و بخارا کے نواح میں موجود تھا اور چنگیز خان سب سے پہلے شاہ ہی سے دودو ہاتھ کر کے اس کی قوت کچلنا چاہتا تھا، اس لیے وہ دارالحکومت اور گنج سے کتراتا ہوا بخارا کی طرف رواں دواں رہا۔ اسے معلوم تھا کہ سمرقند و بخارا میں خوارزم شاہ کی شکست فیصلہ کن ثابت ہوگی اور پھر دارالحکومت پر قبضہ مشکل نہیں ہوگا۔

سمرقند میں خوارزم شاہ کی گھبراہٹ ..... مستحکم اور بلند فصیلوں والے شہر سمرقند میں خوارزم شاہ آئندہ جنگ کے لیے سوچ بچار کر رہا تھا کہ اچانک اسے اطلاع ملی کہ مغرب کی جانب سے چنگیز خان بخارا کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ اس خبر سے خوارزم شاہ کے اوسان خطا ہو گئے۔ جنوب مشرق سے جی نویان یلغار کر رہا تھا اور مغرب سے چنگیز خان خود آ رہا تھا۔ خوارزم شاہ نے خود کو شکنجے میں پھنستا ہوا محسوس کیا۔ اس نے گھبراہٹ کے عالم میں فوج کو مزید تقسیم کر کے کچھ

فوج بخارا روانہ کی، کچھ دسے سمرقند کے سپاہیوں کی کمک کے لیے متعین کیے۔ بعض اتابکوں کو بلخ اور قندوز کی نگرانی پر مقرر کیا اور خود سمرقند سے نکل جانے کی تیاری کی۔<sup>⑤</sup>

خوارزم شاہ نے سمرقند کے امراء اور ارکانِ دولت کو یہ باور کراتے ہوئے کہ موجودہ صورتحال میں سمرقند کے سامنے کسی فیصلہ کن کامیابی کی امید بہت بعید ہے، خراسانِ روانگی کا قصد ظاہر کیا۔ اس نے سمرقند کے امراء سے کہا: ”تم شہر کا دفاع کرو..... میں بہت جلد ایک لشکر جرار تیار کر کے واپس آؤں گا۔“<sup>⑥</sup>

شاہ کا یہ فیصلہ سن کر شہر کے دلیر سالارانِ فوج پر گویا بجلی گر گئی۔ لاکھوں مسلمانوں کے کشت و خون کے بعد وہ بے چینی سے اس وقت کا انتظار کر رہے تھے جب سمرقند کی فسیلوں کے سامنے وہ تاتاریوں کی لاشوں کو روند کر فتح کے نعرے بلند کرتے، مگر یالنجب!! شاہ قوم کو درندوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر خود افراتفری کر رہا تھا۔ سمرقند کا قلعہ دار الپ خان سخت برہم تھا، دیگر بہادر سرداروں بالا خان، الباز خان وغیرہ کی کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔

خوارزم شاہ کا سمرقند سے فرار..... خوارزم شاہ اپنے خصوصی مصاحبین اور محافظ دستے کے ساتھ سمرقند سے نکلنے لگا۔ فیصل کے دیوبند کل اتنی پھاٹک کھلے ہوئے تھے۔ سمرقند کے معززین، رؤساء اور سالارانِ فوج مشالیت کے لیے اس کے ساتھ چل رہے تھے۔ پھاٹک سے گزر کر فیصل کے باہر گہری خندق کے کنارے پہنچ کر وہ ایک لمحے کو رکا..... یہ وہی سمرقند تھا جو دس سال قبل وقت کے عظیم فاتح علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے ہاتھوں ترکانِ خطا کی کافرانہ دسترس سے آزاد ہوا تھا..... یہ وہ شہر تھا جو صدیوں سے مسلم ثقافت اور اسلامی علوم و فنون کا گہوارہ چلا آیا..... جسے فاتحِ ترکستان قتیبہ بن مسلم نے امت مسلمہ کے حوالے کیا اور ملت اسلامیہ نے صدیوں ایک مقدس امانت کی طرح اس کی حفاظت کی..... پھر جب ترکانِ خطا نے اس شہر کو مسلمانوں سے چھین کر ظلم و ستم کا بازار گرم کیا تو اکہتر (۱۷) سال بعد مظلوموں کی دعائیں مقبول ہوئیں..... علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ جیسے کشور کشا نے اس شہر کا رخ کر لیا، وہ ظالموں پر قہر الہی بن کر ٹوٹ پڑا..... اس کی سطوت و شوکت سے اس شہر نے از سر نو حیات حاصل کی..... مگر صرف دس سال بعد..... آج وہی کشور کشا قتیبہ بن مسلم رحمہ اللہ کی اس امانت کو دشمنوں کے ہاتھوں میں دے کر جا رہا تھا..... کتنا فرق تھا دس سال پہلے کے دلیر علاؤ الدین محمد اور آج کے پست ہمت خوارزم شاہ میں!!

خندق کے پل کے سامنے علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ چند تانیے رکا رہا۔ چشمِ تصور میں وہ ریت کے ذرات اور سمندر کے قطرات سے زیادہ بے شمار گھڑسواروں کا لشکر بگولوں کی طرح سمرقند کی طرف جھپٹتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا: ”ہم پر حملہ آور لشکر اتنا بڑا ہے کہ اگر اس کے سپاہی صرف اپنے چابک اس خندق میں پھینک دیں تو خندق لبالب پُر ہو جائے گی۔“ دائیں بائیں ایستادہ سمرقند کے افسرانِ تعجب و تحیر سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ شاہ کے بزدلانہ طرزِ عمل کے ساتھ ساتھ اس کی زبان سے نکلنے والے مایوسانہ کلمات نے ان سرداروں کی دہشت میں اور اضافہ کر دیا تھا جو پہلے ہی تاتاریوں کی آمد کی خبریں سن سن کر خوفزدہ ہو رہے تھے۔<sup>⑦</sup>

اپنے چہرے پر بے یقینی، خوف اور دل شکستگی کی پرچھائیاں لیے ہوئے خوارزم شاہ اپنے قافلے کے ساتھ خراسان کی طرف نکل گیا۔

میر سپاہ ناسزا، لشکریاں شکستہ صف آہ! وہ تیر نیم کش، جس کا نہ ہو کوئی ہدف

بخارا کا محاصرہ..... بخارا اپنی ناقابل تسخیر فسیل اور مستحکم دفاعی نظام کی بدولت دنیا کے اسلام کا حصن حصین (مضبوط قلعہ) کہلاتا تھا۔ شہر کی بلند و بالا فسیل کا طول ۱۲ فرسخ (چھتیس میل) تھا۔ ① شہر کے وسط سے ایک خوشنما نہر گزرتی تھی جو لاکھوں افراد پر مشتمل آبادی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتی تھی۔ نہر کے دونوں جانب دلکش باغات اور شاندار محلات کا سلسلہ تھا۔ ②

یہ مدارس اور مساجد کا شہر تھا..... یہ محدثین، مفسرین، فقہاء اور صوفیاء کا مرکز تھا..... اسی کی خاک سے امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم عالم و محدث نے جنم لیا جن کی کتاب الجامع الصحیح البخاری کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے۔

آغازِ ماہِ محرم ۶۱۷ھ (مارچ ۱۲۲۰ء) میں تاتاریوں کے ان گنت دستوں نے بخارا کا محاصرہ کر لیا۔ ③ حاکم بخارا ینانچ خان اپنے مصاحبین کے ساتھ فسیل شہر سے تاتاریوں کے پڑاؤ کا نظارہ کر رہا تھا۔ ④ دور دور تک تاتاریوں کے خاص قسم کے خیمے ”یورت“ نصب کیے جا رہے تھے۔ چنگیز خان کا بلند یورت بخارا کے قلعے کی سیدھ میں تھا۔ چند روز پہلے بخارا کو تاتاریوں کے حملے سے محفوظ خیال کیا جا رہا تھا، مگر جب لاکھوں تاتاری یکا یک بخارا کے مغرب سے نمودار ہو کر شہر کا گھیراؤ کرنے لگے تو عوام اور حکام کی تشویش ناقابل بیان حد تک پہنچ گئی۔ اس سے پیشتر خوارزم شاہ کے تیس ہزار امدادی عساکر بخارا پہنچ چکے تھے۔ حاکم بخارا کی کمان میں بھی ترک اور ایرانی دستے موجود تھے، مگر ان کے مقابلے میں دشمن کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔

شہر کی فسیلیں اس قدر مضبوط تھیں کہ اگر عوام اور حکام متفقہ طور پر مدافعتاً مقابلے کا تہیہ کر لیتے تو بخارا کئی ماہ تک سرنگوں نہ ہوتا، مگر سرحدی بستیوں سے آنے والے لٹے پٹے مہاجرین جو بخارا میں پناہ لیے ہوئے تھے تاتاریوں کی وحشت اور ہیبت کی داستانیں سنا سنا کر لوگوں کو بے حد دہشت زدہ کر چکے تھے اس لیے شہر کے امراء اور رؤساء کے ایک طبقے کا خیال یہ تھا کہ چنگیز خان سے صلح کر لی جائے۔

مسلمانوں کا حملہ اور شکست..... حاکم بخارا ینانچ خان ایک دلیر انسان تھا۔ وہ اور کئی فوجی افسران ہتھیار ڈالنے پر تیار نہیں تھے۔ انہوں نے لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ رات کے وقت ینانچ خان، کوک خان، کشلی خان، خمید بور اور سونچ خان تیس ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے لے کر شہر کی فسیل سے باہر نکلے اور تاریکی میں دشمن کو غافل جان کر اس پر پوری شدت سے حملہ آور ہو گئے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ خبری ہو چکی تھی اور تاتاری ان کے منصوبے سے آگاہ ہو چکے تھے، اس لیے وہ پوری طرح چوکنا تھے۔ نتیجتاً یہ تمام خوارزمی سپاہی دشمن کے زرعے میں آ گئے اور چند ایک کے سوا باقی سب لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ⑤

السنوی نے اس خونریز معرکے کے بارے میں ذرا مختلف منظر نامہ پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ امراء بخارا کا مقصد لڑنا نہیں بلکہ گھیراؤ کر فرار ہونا تھا، چنانچہ انہوں نے اچانک حملہ کر کے تاتاریوں کی صفیں چیر دیں جس کے بعد لگتا تھا کہ تاتاری شکست کھا کر پسپا ہو جائیں گے، مگر جب مسلمان سپاہی ان کی صفیں توڑنے کے بعد پلٹ کر دوبارہ حملہ آور نہ ہوئے تو تاتاری سمجھ گئے کہ یہ فرار ہو رہے ہیں۔ تب چنگیز خان نے بڑے بڑے سرداروں کو فوج دے کر پورے انتظام کے ساتھ ان کا تعاقب کرایا جو دریائے آمو کے کنارے تک جاری رہا، اس کے نتیجے میں فرار ہونے والی

تقریباً تمام مسلم فوج تہ تیغ ہو گئی۔ صرف اینانج خان تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ جان بچا کر دریا عبور کر سکا۔<sup>(۱۱)</sup> شیطین کا راج..... فوج کی بڑی طاقت کام آ جانے کے بعد اہل شہر کو مدافعت کی کوئی امید نہ رہی اور اگلے روز انہوں نے علامہ بدرالدین قاضی خان رحمہ اللہ کی قیادت میں ایک وفد چنگیز خان کے پاس بھیجا اور جاں بخشی کی درخواست کر کے شہر کے دروازے کھولنے پر آمادگی ظاہر کی<sup>(۱۲)</sup> چنگیز خان نے انہیں عوام کی عزت و ناموس کے تحفظ کا یقین دلایا، چنانچہ شہر کی چابیاں اس کے سپرد کر دی گئیں اور فیصل کے دروازے کھول دیے گئے۔ چنگیز خان جنگجوؤں کے سیلاب کے ساتھ بخارا میں داخل ہوا۔ حاکم بخارا اینانج خان اس سے پہلے شہر سے نکل گیا تھا، جبکہ قلعہ دار کوک خان چار سو سپاہیوں کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا تھا۔<sup>(۱۳)</sup>

اہل بخارا دہشت زدہ نظروں سے ان انسان نما شیطین کو دیکھ رہے تھے۔ تاتاریوں کا سیلاب شہر کی کشادہ سڑکوں اور گلی کوچوں پر حاوی ہو رہا تھا۔ اہل بخارا نے اس قدر ڈراؤنے اور ہیبت ناک چہرے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ وہ اس دنیا کے انسان معلوم نہیں ہوتے تھے۔ بادل دار لباس اور سینگوں والے خود پہنے ہوئے وہ بھوت دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی بولی سمجھ سے بالاتر تھی۔ انہیں بے تحاشا ناچتے اور بے سُرے گانے گاتے ہوئے دیکھ کر اہل بخارا یہ سمجھ چکے تھے کہ ان سے رحم کی توقع فضول ہے۔

چنگیز خان اپنے سپاہیوں کی کسی حرکت پر روک ٹوک کیے بغیر اپنے محافظوں کے جلو میں کشادہ سڑکوں پر گھوڑا دوڑاتے ہوئے، شہر کی محیر العقول دلکشی اور رعنائی سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ تو لی خان اس کے ہم رکاب تھا<sup>(۱۴)</sup> سڑک کے دونوں جانب اور گھروں کی چھتوں پر مبہوت اور خوفزدہ عوام کا جم غفیر اس پیکر ظلم و وحشت کو تنک رہا تھا جس کے چہرے پر رحم و بخشش کے کوئی آثار نہ تھے۔ سیاہ چمڑے کی زرہ اور ٹوپی میں وہ بڑا بھیا تک لگ رہا تھا۔<sup>(۱۵)</sup> چنگیز خان جامع الکبیر میں..... چنگیز خان کی نگاہ بخارا کی جامع مسجد ”جامع الکبیر“ پر پڑی۔ اس کی بے پناہ خوشنمائی سے متاثر ہو کر اس نے مسجد کے عظیم الشان دروازے کے سامنے گھوڑے کی لگام کھینچی اور لوگوں سے پوچھا: ”کیا یہ خوارزم کا محل ہے؟“

”نہیں خان اعظم! یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔“ لوگوں نے جواب دیا۔<sup>(۱۶)</sup>

چنگیز خان نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور مسجد کے زینے سے ہوتا ہوا اس کے وسیع و عریض ہال میں داخل ہو گیا۔ منبر کے پاس وہ گھوڑے سے اترنا۔ منبر پر قرآن مجید کا ایک بڑا نسخہ بھی رکھا تھا، مگر چنگیز خان کو اس کی کیا پروا ہو سکتی تھی۔ وہ جو توں سمیت منبر پر چڑھ گیا اور عوام کی بھیڑ سے جو اس کے ارد گرد جمع تھی، یوں مخاطب ہوا:

”میں تم سے یہ کہنے آیا ہوں کہ میری فوج کے لیے غلے اور خوراک کا فوری طور پر انتظام کر دو۔ میرے سپاہی بڑے تکلیف دہ حالات سے گزر کر آئے ہیں۔ ان کو ارد گرد کے علاقے میں خوراک اور چارہ میسر نہیں آیا تھا۔ تم ان کے لیے اناج کے ذخائر کھول دو۔ گھوڑوں کو فی الفور چارہ مہیا کرو اور اس مسجد جیسی وسیع عمارتیں ان کے لیے بطور اصطبل خالی کر دو۔“<sup>(۱۷)</sup>

اس سے قبل کہ چنگیز خان مسجد سے نکلتا اس کے سپاہی اناج کے گوداموں پر جھپٹ پڑے۔ اپنے خان اعظم کی اجازت کے بعد ان کے لیے ایک لمحہ صبر کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ دہشت زدہ مسلمانوں نے بھی اپنے غلے اور چارے کے

ذخائر تاتاریوں کے سامنے پیش کرنے میں دیر نہ کی۔ جامع مسجد اور تمام مساجد و مدارس میں گھوڑے باندھ دیے گئے اور علماء اور فقہاء کو ان کی رکھوالی پر مجبور کر دیا گیا۔ الماریوں سے قرآن مجید کے نسخے اور کتابیں باہر پھینک کر ان میں چارہ اور بھوسا بھر دیا گیا۔ مقدس اور ارق تاتاریوں کے ناپاک قدموں اور گھوڑوں کے نعلوں تلے پامال ہو رہے تھے۔ یہ جنگلی مساجد میں بیٹھ کر شراب کے جام لٹا رہے تھے۔ بخارا کی گلوکارائیں اور رقاصائیں ان کے اشارہ شمشیر پر خانہ خدا میں نغمہ سرا ہو کر رقص کر رہی تھیں..... اہل بخارا پتھرائی ہوئی آنکھوں سے مسجد کی بے حرمتی کا یہ منظر دیکھ رہے تھے۔<sup>(۱۸)</sup>

امام زادہ رکن الدین رحمہ اللہ کا جواب..... چنگیز خان مسجد سے نکلا اور اس چوک سے گزر جہاں فقہاء درس دیا کرتے تھے۔<sup>(۱۹)</sup> علماء اور بزرگان دین حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے رہے۔ سادات و ماوراء النہر کے سرتاج سید جلال الدین علی رحمہ اللہ نے بخارا کے نامور دینی پیشوا امام زادہ رکن الدین رحمہ اللہ سے سرگوشی میں دریافت کیا:

”حضرت! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ ہم بیدار ہیں یا خواب دیکھ رہے ہیں؟“

امام زادہ رکن الدین رحمہ اللہ نے جواباً کہا: ”کچھ نہ پوچھو!! یہ اللہ جل شانہ کی بے نیازی ہے، یہ قہر الہی ہے جو ہم پر نازل ہو رہا ہے، چوں و چراں کی گنجائش نہیں۔“<sup>(۲۰)</sup>

چنگیز خان کا خطاب..... مگر یہ تو ابتدائی جھلک تھی۔ چنگیز خان کا اگلا حکم نامہ اس سے زیادہ سخت تھا۔ عید گاہ میں پہنچ کر بے رحم چنگیز خان نے عوام کو دوبارہ جمع کیا اور منبر پر چڑھ کر ان سے خطاب کیا، اسے مفتوحین کو خوفزدہ کرنا اور رائیں احساس کمتری میں مبتلا کرنے کا فن خوب آتا تھا اس لیے اس نے پہلیوں ارزم شاہ کی بدعہدی اور اپنے حملے کی وجہ بیان کی اور پھر یوں گویا ہوا:

”اے بخارا والو! میں آسمان لازوال کا قہر ہوں۔ وہ آسمان لازوال کہ جس کی قدرت کائنات کے ہر گوشے میں ہے میں اس کا بھرپور وار ہوں۔ خوارزم شاہ نے سخت جرائم کا ارتکاب کیا ہے، میں اس لیے آیا ہوں تاکہ اس کے جرائم کی سزا دے کر میں اس کو یونہی برباد کروں جیسا کہ میں نے دوسرے بادشاہوں کو پاؤں تلے روند ڈالا ہے۔“<sup>(۲۱)</sup>

لوگو! تم نے بڑے بڑے گناہ کیے ہیں، یہ جرائم تمہارے پیشواؤں نے کیے ہیں، تم تو چھ سکتے ہو کہ میں کس بناء پر دعویٰ کر رہا ہوں کہ تم گناہ گار ہو، وجہ یہ ہے کہ میں خدا کا عذاب اور قہر ہوں، اگر تم نے بڑے بڑے گناہ نہ کیے ہوتے تو مجھ جیسا عذاب تم پر نازل نہ ہوتا۔

خبردار! خوارزم شاہ سے تعاون مت کرنا۔ قلعے میں چھپی ہوئی فوج سے کوئی تعلق مت رکھو، بلکہ ان کو شہر سے باہر نکال دو۔ یہ تم نے عقلمندی کا ثبوت دیا کہ میری افواج کے کھانے کا بندوبست کر دیا۔ اب اگر اپنی جانیں بچانا چاہتے ہو تو اپنے مکانات کے دروازے بھی ان کے لیے کھول دو۔ سامنے رکھا ہوا سامان تو وہ خود لے لیں گے اسے پیش کرنے کی حاجت نہیں۔ البتہ اپنے خفیہ مال و دولت، سونے چاندی اور مدفون خزانوں کا پتا ہمیں بتا دو۔“<sup>(۲۲)</sup>

قلعے پر حملہ..... چنگیز خان نے عوام کو قلعے سے سپاہیوں کے اخراج کا حکم تو دے دیا، مگر قلعے کی بلندی و سنگینی کی بناء پر یہ کام عوام کے بس کا نہ تھا۔ قلعے میں چھپے ہوئے خوارزمی سپاہی گاہے گاہے تاتاریوں پر شب خون مار کر انہیں پریشان کیے ہوئے تھے۔ آخر چنگیز خان خود اپنی فوج کے ساتھ قلعہ سر کرنے پہنچ گیا۔ شہر میں اعلان کر دیا گیا کہ تمام افراد اس مہم میں حصہ لیں..... جو حاضر نہیں ہو گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ لوگوں کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا۔ چنگیز خان کے حکم سے خندق

کو پانا شروع کیا گیا۔ پتھر، مٹی، درختوں کے تنے، مساجد کے منبر، کتابوں کی الماریاں..... غرض یہ کہ جو کچھ ان کے ہاتھ لگا وہ خندق میں ڈالتے گئے۔

خندق پُر ہوتے ہی چنگیز خان نے حملے کا حکم دیا۔ لاتعداد تاتاری اور بے شمار شہری بیک وقت حملہ آور ہوئے۔ کوک خان نے اپنے چار سو جانبازوں کے ساتھ حیرت انگیز مستعدی اور جاٹاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بارہ دن تک ان لاتعداد حملہ آوروں کو قلعے میں داخل نہ ہونے دیا، مگر مٹھی بھرا دی کب تک لڑتے.....؟ بھوک پیاس اور بے آرامی سے بے حال ہو گئے۔ تاتاری قلعے میں نقب لگا کر اندر داخل ہو گئے اور ان سب مجاہدوں کو شہید کر دیا۔<sup>(۳۷)</sup>

مظالم کا دوسرا دور..... قلعے کے جھنجھٹ سے فارغ ہو کر چنگیز خان اب کامل یکسوئی کے ساتھ عوام و خواص کے مال و دولت کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ مظالم کے دوسرے دور کا آغاز تھا۔ تاتاری سپاہیوں کو لوٹ مار کی کھلی اجازت مل گئی تھی۔ وہ بے دھڑک گھروں میں داخل ہو جاتے اور سب کچھ لوٹ کر لے جاتے۔ روک ٹوک کرنے والے باشندے جان سے مار دیے جاتے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ تاتاری گھروں میں موجود عفت ماب خواتین کی کھلم کھلا عصمت دری کرتے اور ان کو روکنے والا کوئی نہ ہوتا، اگر کوئی غیرت کا مارا مزاحمت کرتا تو اس کے نکلے اڑا دیے جاتے۔ امرائے شہر اور اکابر کو بخارا کی فتح کے فوراً بعد حراست میں لے لیا گیا تھا، انہیں ہر وقت تلواروں کے پیرے میں رکھا جاتا۔ ان کی تمام دولت چھین لینے کے بعد بھی ان کو ناقابل اذیتیں دے دے کر کہا جاتا کہ دولت کے وہ ذخائر جو تم نے اب تک چھپا کر رکھے ہیں ہمارے حوالے کر دو۔<sup>(۳۸)</sup> ان سے کوڑی کوڑی چھین کر بھی محض شک کی بناء پر نئے نئے خزانوں کا پتہ معلوم کرنے کے لیے ان کو کوڑوں سے پیٹا جاتا۔ شکنجوں میں کسا جاتا، آگ سے اعضاء کو داغا اور جلایا جاتا۔ آخر اسی طرح وہ سسک سسک کر مر گئے۔

تاتاریوں نے خزانوں کی جستجو میں ان کے محلات کی بنیادیں تک کھدوا ڈالیں۔ تہہ خانوں کو چھان مارا، کنوؤں کی تلاشی لی اور جب ان کو یقین ہو گیا کہ اب اہل شہر کی ہڈیوں سے چکنائی کا آخری قطرہ بھی چوسا جا چکا ہے تو مظالم کا تیسرا اور آخری دور شروع ہوا۔

یوم عذاب..... شہر کے تمام مردوں، عورتوں اور بچوں کو ایک بڑے میدان میں ہانک دیا گیا جسے نیزہ بردار اور شمشیر زن مسلح تاتاری افواج نے ہر طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ سب کو یقین ہو گیا کہ اب خاتمہ قریب ہے۔ ہر طرف بچوں اور عورتوں کی جگر پاش چیخیں سنائی دے رہی تھیں، بیویاں اپنے شوہروں سے اور بچے ماؤں سے چھپے ہوئے تھے۔ تاتاری بھڑیے ان کو سروں کے بالوں سے گھسیٹ گھسیٹ کر علاحدہ کر رہے تھے..... نالہ و فریاد اور آہوں کی آوازیں آسمان تک بلند ہو رہی تھیں..... مرد بے بسی کے اشک بہا رہے ہوئے اپنے سروں پر تاتاری تلواروں کی چمک دیکھ رہے تھے۔ وہ باعصمت، باحیا، سراپا غیرت اور پردہ دار خواتین جن کی پاک دائمی پرفرشتے بھی رشک کرتے تھے، آج جنگلی درندوں کے چنگل میں تھیں۔ جن کی خوبروی ماہ و انجم سے بھی مستور رہی آج برسر میدان اپنے شوہروں، بھائیوں اور بیٹوں کے سامنے بے آبرو ہو رہی تھیں۔

خون کی ہولی..... قاضی صدر الدین خان، امام زادہ رکن الدین اور ان کا بیٹا یہ اعصاب شکن منظر دیکھ کر جذبہ حمیت سے بے قابو ہو گئے۔ وہ تڑپ کر اٹھے، اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر تاتاری بھٹیڑیوں پر چھپے اور لڑتے بھڑتے ہوئے شہید



ہو گئے۔ ان کی دیکھا دیکھی اور بھی بہت سے آدمی ایک بارگی نعرہ بکبیر بلند کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اعضاء کٹنے کی پروا نہ کرتے ہوئے نیزوں اور تلواروں کے حصار سے جسم چھلنی کرواتے ہوئے خالی ہاتھ وہ ان تاتاریوں پر پل پڑے جو خواتین کی بے حرمتی کر رہے تھے۔ کئی آدمی تاتاریوں کے ہتھیار چھیننے میں کامیاب ہو گئے اور جنونی انداز میں ان پر ٹوٹ پڑے اور بہت سے دشمنوں کو مار کر خود بھی شہید ہو گئے۔<sup>(۳۵)</sup> یہ دیکھ کر تاتاریوں کا منظم لشکر حرکت میں آیا اور باقاعدہ حملہ کر کے اہل بخارا کا قتل عام کرنے لگا۔ قاضی منہاج السراج کے بقول امام زادہ رکن الدین شہادت کے وقت یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

گفتم کہ دلم، گفت کہ خون کردہء ما است      گفتم جانم، گفت کہ در پردہء ما است  
گفتم کہ سب کوئے تو افتادہء ما است      گفتا مزن ایں دم کہ فرا کردہء ما است

(میں نے محبوب سے کہا: ہائے میرا دل! اس نے کہا، وہ تو ہمارا ہی مقتول ہے۔ میں نے کہا، اور میری جان! کہا، وہ ہمارے پردے میں ہے۔ میں نے کہا تیرے کوچے کا کتا ہم پر کیوں حملہ آور ہے؟..... کہا خاموش رہ! کیونکہ اسے ہم نے ہی چھوڑا ہے۔)<sup>(۳۶)</sup>

سہ پہر تک اس میدان میں لاکھوں مظلوم شہداء کی بے گور و کفن لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ کھوپڑیوں کے مینار اور لاشوں کے پہاڑ آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ انتقام کی آخری رسم کی ادائیگی کے لیے تاتاریوں نے شہر کو آگ لگادی۔ اکثر مکانات لکڑی کے بنے ہوئے تھے، تھوڑی ہی دیر میں انہوں نے آگ پکڑ لی۔ بخارا کے کھنڈرات سے دھوئیں کا ایسا سیاہ بادل اٹھا کہ سورج اس کے پیچھے روپوش ہو گیا۔<sup>(۳۷)</sup>

کچھ منتخب مردوں اور عورتوں کو قیدی بنا کر انہیں اذیتوں کا نشانہ بناتے ہوئے تاتاری سمرقند کی طرف چل پڑے۔ پیدل اور بے بس قیدی گھوڑوں کی رفتار کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ جب ان میں سے کوئی چلنے سے معذور ہو جاتا تو تاتاری ہلا پس و پیش اسے قتل کر کے ردی کاغذ کی طرح پھینک کر آگے چل دیتے۔<sup>(۳۸)</sup>

زندگی خوف و تباہی کے سوا کچھ بھی نہ تھی      درد وہ درد کہ جس کا نہ مداوا دیکھا  
شیر خواروں کے گلے خون میں تردیکھے ہیں      نو جوانوں کو تہہ تیغ ترپتا دیکھا  
عصمت دختر اسلام سے کھیلے کافر      جبر کے کاندھوں پہ غیرت کا جنازہ دیکھا  
سمرقند کا المیہ..... سمرقند قلعہ میں خوارزم کا سب سے بڑا، زمین کی زرخیزی کے لحاظ سے سب سے عمدہ اور محل وقوع کے اعتبار سے سب سے خوبصورت شہر تھا۔ اس شہر کی تعریف کرتے ہوئے کسی شاعر نے کہا ہے:

اِنْ قَبِلَ فِي الدُّنْيَا تُوْرٰى حَنَّةٌ فَجَنَّةُ الدُّنْيَا سَمَرٌ قُنْدُ

(اگر کہا جائے کہ دنیا میں جنت دیکھی جاسکتی ہے تو دنیا کی وہ جنت سمرقند ہے۔)

یہاں کی آب و ہوا بڑی صحت بخش تھی، یہ عالم اسلام کے علمی، تجارتی اور صنعتی مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔

دفاعی انتظامات..... سمرقند کے دفاعی انتظامات ہر لحاظ سے نہایت مضبوط تھے۔ بہاں کا حاکم سلطان علاؤ الدین محمد کاماں طغان خان تھا۔ خوارزمی سپاہیوں میں سے ایک لاکھ دس ہزار کڑیل جوان یہاں موجود تھے۔ ان میں سے ساٹھ ہزار ترک تھے اور پچاس ہزار کا تعلق غوری اور تاجک قبائل سے تھا، یہ سب کے سب خوارزمی فوج کا بہترین

تریت یافتہ عنصر تھے۔ شہر کے باہر دور دراز تک گلتانوں اور باغات کے پھیلے ہوئے سلسلے کو فسیل شہر میں شامل کرنے کے لیے خوارزم شاہ کے حکم کے تحت ساٹھ ہزار تو مند فوجی ایک نئی فلک بوس فسیل تعمیر کرنے میں دن رات مصروف تھے۔ نقشے کے مطابق فسیل کی طوالت ۳۶ میل تک تھی، خوارزم شاہ کا خیال تھا کہ تاتاری اس سے سر نہ کرنا کر آخر واپسی پر مجبور ہو جائیں گے۔ ⑤ اگرچہ بخارا کی غیر متوقع فتح کے باعث یہ فسیل مکمل نہ ہو سکی، مگر قدیم فسیل بھی حد درجے پر پائدار تھی جس کی صلابت و بلندی دیکھ کر عام طور پر یہ خیال تھا کہ حملہ آور ایک سال تک محاصرہ کر کے بھی اسے سر نہ کر سکتے۔ اس میں لوہے کے بارہ مضبوط پھانک مختلف اطراف میں کھلتے تھے اور ان پر خصوصی تکنیک سے تیار کردہ تیر اندازی کے لیے حد درجہ محفوظ برج طویل عرصے تک حملہ آوروں کو شہر سے دور رکھنے کے لیے کافی تھے۔ نیز کھلے میدان میں دشمنوں کو کچلنے کے لیے جنگی تریت یافتہ بیس دیو پیکر ہاتھیوں کا خطرناک غول بھی موجود تھا۔ ⑥

تاتاریوں کی سہ طرفہ یلغار..... مگر ان سب انتظامات کے مقابلے میں تاتاریوں کی اگلی پیش قدمی کا انداز بے حد حیران کن اور دہشت انگیز تھا۔ سمرقند میں افواج کی کثرت اور قلعے اور فسیل کے استحکام کو مد نظر رکھتے ہوئے چنگیز خان کا خیال تھا کہ یہاں ایک گھمسان کی جنگ ہوگی جس پر دونوں قوموں کی فنا و بقا کا مدار ہوگا، اس لیے وہ تمام اطراف کی افواج کو مختلف خطوط پر پیش قدمی کرتے ہوئے سمرقند پہنچنے کا حکم دے چکا تھا اور گردنواح کے تمام علاقے مزاحمت سے پاک کر چکا تھا۔ سمرقند کی جانب بڑھتے ہوئے چنگیز خان نے راستے میں کہیں توقف نہ کیا۔ جو دیہات اور قصبہات سر تسلیم خم کرتے گئے، ان سے تعرض نہ کیا گیا، جو مزاحمت پر اتر آئے ان کے لیے چنگیز خان اپنے لشکر کا کچھ حصہ چھوڑ کر خود آگے بڑھتا گیا۔ ⑦

آپ پڑھ چکے ہر اکہ دریا ئے سیحون کے کنارے ”اترا“ آخری مورچہ تھا جو کئی ماہ تک تاتاری شہزادوں کے لیے باعث غم و تاراج بنا رہا۔ تاریخی لحاظ سے اترا پر یہ تملہ بخارا پر چنگیز خان کے حملے سے کوئی دو ماہ پہلے ہوا تھا، مگر بخارا کی مزاحمت دو ہفتے بھی برقرار نہ رہی، جبکہ اہل اترا کئی مہینے تک مقابلے میں جبرے رہے۔ بخارا کی تباہی کے کچھ عرصے بعد تاتاری شہزادے اترا پر قبضہ کر کے یہاں خان کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد چنگیز خان کی تاکید کے مطابق دریا ئے سیحون کے نواح میں موجود تمام تاتاری دسے کیجا ہو کر بے شمار قیدیوں کو ہانکتے ہوئے شمال مشرق کی سمت سے سمرقند کی طرف بڑھنے لگے۔ یہ سارے دستے دراصل چنگیز خان کے لشکر کا میسرہ (باباں باز) تھے، جنہیں مصلحتاً علیحدہ رکھا گیا تھا۔

سمرقند کا محاصرہ اور یہاں خان کا قتل..... ربیع الاول ۶۱۷ھ (مئی ۱۲۲۰ء) میں تاتاری لشکر سمرقند کے سامنے جا پہنچا ⑧ ان کی تعداد کا کوئی حدود شمار نہ تھا، مزید رعب طاری کر۔ نہ کے لیے چنگیز خان نے سوار دستوں کو آگے رکھا۔ پیادہ فوج، رسد کے دستوں اور قیدیوں کو گروہ درگروہ تسلسل کے ساتھ ان کے پیچھے روانہ کیا۔ ہر دس قیدیوں پر ایک تاتاری علم بردار مقرر تھا جس سے بظاہر وہ بھی فوج کے افراد معلوم ہوتے تھے۔ ⑨ اہل سمرقند دم بخود ہو کر یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ تاتاریوں کا سیل بے کراں سمرقند کی فسیلوں کے سامنے ٹھانٹیں مارتا دکھائی دے رہا تھا۔ چنگیز خان کا خیمہ سمرقند کے قلعے کے بالمتابل کوک سرائی ایک میل پر نصب کر دیا گیا۔ ⑩ دریا ئے سیحون کے کنارے غار نگری سے فارغ ہونے والا تاتاری لشکر بھی لاتعداد مفلوک الحال قیدیوں کے ساتھ سمرقند کے محاصرے میں شرکت کے لیے پہنچ گیا

تھا۔ ان قیدیوں میں اترار کا حاکم یئال خان بھی تھا۔ اسے ”کوک سرا“ کے ٹیلے پر چنگیز خان کے سامنے پیش کیا گیا۔ چنگیز خان نے اپنے غصے کی بھڑاس نکالتے ہوئے اس کی آنکھوں اور کانوں میں پتھلی ہوئی چاندی ڈلو کر اسے تڑپا کر قتل کر دیا، چنگیز خان نے اسے یہ ہوش رُبا سزا اس لیے دی تھی کہ اس نے چنگیز خان کے بھیجے ہوئے تاجروں کی چاندی پر قبضہ کیا تھا۔<sup>(۴۵)</sup>

امراے سمرقند کی مشاورت ..... چنگیز خان ایک دو روز تک فیصل اور شہر کے محل وقوع کا جائزہ لیتا رہا اور لشکر کو حملے کی اجازت نہ دی۔ قیدیوں کے گروہ تلواریں اور نیزوں کی چھاؤں میں دن رات محاصرے کی جبری سخت خدمات انجام دیتے رہے۔ ان کو مسلسل مورچے اور خندقیں کھودنا دیکھ کر سمرقند کے امراء سمجھ گئے کہ یہ طویل اور سخت ناکہ بندی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ان کے لیے یہ بات بھی باعث تشویش تھی کہ ان کی نگاہوں کے سامنے اس لشکر کی موجودہ تعداد میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ نئے نئے دستے آ کر شامل ہو رہے تھے۔ تاحد نگاہ دشمن کے سپاہیوں کے سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ امراے سمرقند کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ چند دن تک تاتاری ارد گرد کے پہاڑوں اور جنگلات پر قبضہ اس قدر مستحکم کر لیں گے کہ کسی قسم کی کمک کا ملنا ناممکن ہو جائے گا۔ ان امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے سالار ان فوج نے لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔<sup>(۴۶)</sup>

بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق تمام امراے فوج لڑنے پر متفق نہیں تھے بلکہ لڑائی کا جوش و جذبہ زیادہ غوری قبائل میں تھا۔ جب کہ ترک افران لڑنے کے حق میں نہیں تھے، ان کا خیال تھا کہ ہم بھی ترک ہیں اور تاتاری بھی اوپر سے اسی نسل کے ہیں، اس لیے ہمیں جان کی امان مل جائے گی۔<sup>(۴۷)</sup>

جنگ کا پہلا دن ..... یہ سمرقند کے محاصرے کا تیسرا دن تھا کہ شہر کے پھانک کھول دیے گئے۔ خوارزمی سپاہی منظم انداز میں بالا خان اور الباز خان کی سرکردگی میں باہر نکلے اور بلا توقف نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ تاتاری بھی لڑائی کے لیے پوری طرح کمر بستہ تھے۔ گھسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ نیزہ بازی، شمشیر زنی اور تیر اندازی کے داؤ پیچ اپنا جوبن دکھانے لگے۔ تاتاری افواج کی کثرت کے باوجود مسلمانوں کی جو اندر دی قابل داد تھی۔ انہوں نے دشمن کے دانت کھٹے کر دیے۔ بارہا تاتاری سیلاب کو آگے بڑھنے کے بعد اٹلے پاؤں پسپا ہونا پڑا۔ کئی بار ان کے طوفانی دستے فیصل کی طرف لپکے، مگر تیروں کو بوجھار میں سینکڑوں لاشیں چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ شام تک جاری اس معرکے میں تاتاریوں کی ایک بڑی تعداد مار گئی اور ان کے بہت سے سپاہی قیدی بنالیے گئے۔ مسلمان بھی خاصے شہید ہوئے۔<sup>(۴۸)</sup>

دوسرے دن کی لڑائی ..... چنگیز خان کے لیے جنگ کے پہلے دن کا تجربہ باعث تشویش تھا۔ اس نے اپنے بیٹوں اور سرداروں کو ان کے کمزور پہلوؤں کا احساس دلایا۔ بعد ازاں اس نے جنگ کا نیا منصوبہ طے کیا اور اگلے دن وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بذاتِ خود کمان کرتے ہوئے شہر پر حملہ آور ہو گیا۔ یہ حملہ اتنا شدید اور اچانک تھا کہ سمرقند کی افواج باہر نکل کر نہ لڑ سکیں۔ دن بھر تاتاریوں کا زبردست دباؤ رہا اور ہر لمحہ یہ خطرہ تھا کہ تاتاری فیصل سر نہ کر لیں۔ پہلے دن کی لڑائی کے بعد اہل سمرقند جس قدر پُر امید تھے دوسرے دن کی جنگ کا حال دیکھ کر ان میں سے بہت سے اسی قدر دل شکستہ نظر آ رہے تھے۔ چند عمائدِ شہر اور فوج کے بعض افران کا خیال تھا کہ دشمن سے باعزت شرائط پر صلح کر لینی چاہیے، لیکن بلند

ہمت جنگجو جرنیل اس پر تیار نہیں تھے۔ وہ چنگیز خان کے وعدوں پر یقین کرنے کو خود فریبی قرار دے رہے تھے۔ یہ اختلاف آراء اتنا بڑھ گیا کہ مجلس مشاورت نے جھگڑے کی صورت اختیار کر لی۔ شہر میں خانہ جنگی کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ باغیوں نے ہر قیمت پر چنگیز خان سے صلح کا تہیہ کر لیا تھا۔ آخر کار تیس ہزار ترک سپاہیوں کے سالار برہاش خان نے جو دشمن سے مصالحت کی تحریک میں پیش پیش تھا راتوں رات چنگیز خان سے رابطہ کیا اور اپنے حامی افران، رؤسا اور ان کے متعلقین کے جان و مال کے تحفظ کی شرط پر شہر اس کے حوالے کر دینے کا وعدہ کر لیا۔<sup>(۴۵)</sup>

تیسرے دن کی لڑائی، غدار کی اور شکست..... جنگجو افران اور مجاہدین اس خفیہ کارروائی سے بے خبر آئندہ معرکے کے لیے بھرپور تیاری کرتے رہے۔ محاصرے کے پانچویں روز سمرقند کے سرفروش ایک بار پھر میدان میں نکل آئے اور صفیں مرتبہ کر کے دشمن پر حملہ آور ہو گئے۔ نہایت شدت کی جنگ چھڑ گئی۔ دوپہر کے وقت لڑائی نقطہ عروج پر تھی، مسلم و کافر بڑی طرح گتھم گتھا تھے اور تلواروں کی شدت ضرب سے فضا میں شرارے بکھر رہے تھے، اس دوران تاتاریوں نے جنگی چال کے تحت نمائش پسائی اختیار کی مسلمانوں نے جوش و خروش سے ان کا تعاقب کیا اور شہر سے دور نکل گئے، اتنے میں ہزاروں تاتاری سپاہی جو شہر کے قریب چھپے ہوئے تھے باہر نکل آئے اور ان کو پیچھے سے گھیر لیا، فرار ہونے والے تاتاری بھی پلٹ پڑے، یوں مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے۔ اس وقت انہیں گھیرا توڑنے کے لیے کمک کی شدید ضرورت تھی مگر سمرقند کے باغی افران اس نازک وقت میں محفوظ دستوں کے تیس ہزار سپاہیوں کو لے کر میدان جنگ سے علاحدہ ہو گئے۔ صبح سے لے کر اب تک لڑنے والے مجاہدین تھکن سے چور ہو رہے تھے۔ ایسے موقع پر ان سرداروں کی غدار کی سے کھلی شکست سامنے نظر آنے لگی۔ مجاہدین کے دلوے ماند پڑ گئے اور ان میں اکثر لڑتے بھڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کی تعداد ستر ہزار تھی، چالیس پچاس ہزار پیشہ ور سپاہی جبکہ باقی رضا کار مجاہد تھے۔<sup>(۴۶)</sup>

جنگ کے دوران ہی شہر کے عائد کا ایک بڑا وفد چنگیز خان کی خدمت میں پہنچ گیا تھا۔ ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا گیا۔ ان لوگوں نے چنگیز خان سے اہل شہر کو عام معافی دینے کی درخواست کی۔ چنگیز خان نے اس کو بھی منظور کر لیا۔<sup>(۴۷)</sup> چنگیز خان سمرقند میں..... عشاء کی نماز کے بعد خود فریبی کے شکار ارکان شہر نے فیصل کے دروازے کھول دیے اور تاتاری لشکر فتح کے بے ہنگم نعرے لگاتا ہوا شہر پناہ سے اندر داخل ہونے لگا۔ چنگیز خان کے حکم سے سب سے پہلے شہر کی فیصل، مورچے اور دوسرے دفاعی انتظامات کو تہہ و بالا کیا گیا تاکہ کسی بغاوت کا امکان نہ رہے۔ لاقعدا قیدیوں کے ساتھ تاتاریوں کے بے شمار دستے اس کام میں جٹ گئے اور اس نادرا المثل مستحکم فیصل کو ایک دن رات میں زمین بوس کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کے بعد وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ عام معافی کے وعدے کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ اہل سمرقند کی جان و مال، عزت و آبرو کوئی شے محفوظ نہ رہی۔ اعلان کیا گیا کہ تمام لوگ شہر سے باہر نکل آئیں، جو اند نظر آیا اسے قتل کر دیا جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی تاتاری سپاہی بے دریغ شہر میں گھس گئے، مرد و زن اور بچوں کو سوسوکی ٹولیوں میں بانٹ کر شہر کے باہر جمع کیا جانے لگا۔ تاتاری ہنرمند اور مضبوط افراد کو لشکر کی خدمات کے لیے اور حسین عورتوں کو ذاتی عیاشی کے لیے زندہ رکھنا چاہتے تھے۔ بہت سے لوگ اس ذلت سے بچنے کے لیے تہہ خانوں میں چھپ گئے تھے، چنگیز خان نے اعلان کروایا کہ جو کہیں چھپا ہوا برآمد ہوا اسے قتل کر دیا جائے گا، اس دھمکی سے بہت سے لوگ باہر نکل آئے، اس طرح

تمام شہریوں کو باہر پہنچا دیا گیا۔ البتہ قاضی شہر، شیخ الاسلام اور مصالحتی وفد کے ارکان کے جملہ اعزہ و اقارب کو جن کی تعداد پچاس ہزار تھی، اس سلوک سے مستثنیٰ رکھا گیا۔ (۳۶)

خوارزمی لشکر کے ہاتھی بھی تاتاریوں کے ہاتھ لگ گئے تھے، ہاتھیوں کو بھوک نے ستایا تو مہات ان کے چارے کے لیے چنگیز خان کے پاس حاضر ہوئے۔ چنگیز خان دیکھ چکا تھا کہ یہ بھاری بھر کم جانور اس کے طوفانی انداز جنگ میں کسی کام کا نہیں۔ اس نے بے نیازی سے کہا: ”ان جانوروں کو صحرائیں ہانک دو، اپنا چارہ خود ہی تلاش کر لیں گے۔“ حکم پر عمل ہوا اور ہاتھی صحرائیں تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ (۳۷)

خون کی ہولی..... شہر کے ترک فوجی تاتاریوں سے جان کی امان مانگتے ہوئے ان کے پاس چلے گئے تھے۔ ان کو اب بھی یہ خوش فہمی تھی کہ تاتاری بھی ہماری طرح ترک ہیں، سو ہمارا لحاظ کریں گے۔ تاتاریوں نے انہیں پیش کش کی کہ وہ اپنے ہتھیار، سواری کے جانور اور مال اسباب حوالے کر دیں تو انہیں ان کی جاں بخشی کر کے ان کی مرضی کے مطابق کسی محفوظ علاقے تک پہنچا دیا جائے گا، مگر جب سپاہی سب کچھ دے چکے تو تاتاریوں نے انہیں گندم کی فصل کی طرح کاٹ ڈالا۔ (۳۸)

فتح کے دوسرے دن تمام اہل شہر کا قتل عام شروع کیا گیا اور لاکھوں بندگان خدا کی لاشوں سے سمرقند کے بازار، گلیاں اور میدان بُر ہو گئے۔ کھوپڑیوں کے مینار قائم کر دیے گئے۔ قلعہ دارالپ خان مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ قلعہ میں چھپا ہوا تھا، اس نے اچانک تاتاریوں پر حملہ کر دیا اور تند و تیز ضربات سے ان کو مارتا کاٹتا ہوا شہر سے نکل کر خوارزم شاہ سے جا ملنے کے لیے جنوب کی طرف روانہ ہو گیا۔ اگلے روز تاتاریوں نے قلعے کی ایک دیوار توڑ کر اسے بھی سر کر لیا۔ ایک مسجد میں ایک ہزار کے قریب مسلمانوں نے پناہ لے رکھی تھی، تاتاری غارت گر شہر کے دوسرے حصوں سے فارغ ہو کر یہاں پہنچے اور اللہ کے گھر کو آگ لگا دی۔ تمام پناہ گزین جل کر شہید ہو گئے۔ (۳۹)

غداروں کی قیمت..... برہمشاش خان اور دوسرے غدار سرداروں کی ایک دودن تک خوب خاطر داری کی گئی۔ ان کے تیس ہزار سپاہیوں کو تاتاریوں کی وردیاں مہیا کر کے بظاہر تاتاری فوج میں شامل کر لیا گیا۔ یہ سپاہی قتل اور ترک قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ غدار اپنی نمک حرامی کی قیمت وصول کرنا چاہتے تھے اور چنگیز خان سے انعام و اکرام کے امیدوار تھے، مگر چنگیز خان دشمن کے غداروں پر اعتبار کرنے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دولت اور منصب کے یہ بھوکے جس طرح اپنے پہلے آقا سے بغاوت کر چکے ہیں کبھی اس سے بھی غداروں کر سکتے ہیں۔ ایک رات جب برہمشاش خان اور اس کے ساتھی گہری نیند سو رہے تھے چنگیز خان کے حکم سے تاتاری لشکر ان پر پل پڑا، صبح کے وقت تیس ہزار بے گور و کفن نعشیں غداروں کی بد انجامی کی منہ بولتی تصویر بنی ہوئی تھیں۔ (۴۰)

خوارزمی کمک کی ناکامی..... علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ خوارزم شاہ نے (جو سمرقند پر حملے سے قبل جنوب کی طرف نکل گیا تھا) سمرقند کے محاصرے کی خبر سن کر (جنوبی علاقوں سے) دس ہزار سپاہی کمک کے لیے سمرقند روانہ کیے، مگر محاصرہ اتنا سخت تھا کہ وہ شہر تک پہنچنے میں ناکام رہے۔ خوارزم شاہ نے دوسری مرتبہ بیس ہزار کا لشکر روانہ کیا، مگر وہ بھی راستہ نہ پا کر ناکام لوٹ آیا۔ (۴۱)

خلیفۃ المسلمین اور دیگر مسلم حکمرانوں کی سنگ دلی..... خوارزم میں مسلمانوں کے اس قتل عام پر آس پاس کی مسلم

حکومتیں خاموش تماشائی بنی ہوئی تھیں۔ خوارزمی افواج کی مسلسل شکستوں اور علمائے المسلمین کے لہو کی ارزانی دیکھ کر بھی کسی نے اپنے اوپر جہاد فرض نہیں سمجھا، کسی مسلمان حکمران نے ان مظلوموں کی اعانت کے لیے تلوار نہیں اٹھائی۔ عباسی خلیفہ ناصر جو اس بات کا اولین ذمہ دار تھا کہ تمام عالم اسلام میں خوارزمی مسلمانوں کی نصرت و حمایت کے لیے نفیر عام کرتا، بدترین منافقت اور بے حیائی کا ثبوت دیتے ہوئے رنگ رلیوں میں مست تھا۔ اس کا وزیر سمرقند و بخارا میں مسلمانوں پر مظالم کی درد انگیز روداد سن کر رُپ اٹھا اور خلیفہ کی خدمت میں پہنچا۔ بھرائی ہوئی آواز میں اس نے خلیفہ سے کہا:

”آہ! اے ہمارے آقا! تاتاریوں نے اسلامی شہروں پر قبضہ کر لیا ہے اور مسلمانوں کو قتل کر ڈالا ہے۔“

بے ضمیر خلیفہ اس دردناک پکار پر ٹپ سے مس تک نہ ہوا اور بڑی لاپرواہی سے بولا:

”چھوڑو اس بات کو، میں اس سے زیادہ اہم مسئلے میں الجھا ہوا ہوں۔ وہ میری چٹنگری چڑیا کہاں ہے۔ تین دن ہو گئے میں نے اسے نہیں دیکھا۔“ (۳۸)

بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

خوارزمی مسلمانوں کی ہجرت ..... خوارزم پر تاتاریوں کی یلغار کے آغاز کے ساتھ ہی سرحدی شہروں اور دیہاتوں کے بے شمار لوگ اپنی جانیں بچانے کے لیے مملکت کے وسطی شہروں کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ ان کی اکثریت کا یہی خیال تھا کہ خوارزم شاہ تاتاریوں کو سرحدوں پر روک لے گا اور وسطی علاقے ان کی دست برد سے محفوظ رہیں گے، مگر بخارا اور سمرقند کے سقوط اور ماوراء النہر کے دیگر شہروں میں مردوزن کے بے محابا قتل عام کے بعد کسی کو اپنے انجام کے متعلق خوش فہمی نہ رہی۔ اپنے بادشاہ کی پست ہمتی، اپنی افواج کی مسلسل شکست اور غیر ملکی حملہ آوروں کی بے روک ٹوک پیش قدمی سے سب پر ناامیدی، مایوسی اور خوف و دہشت کا عالم طاری ہو چکا تھا۔ لوگ صرف اپنی جانیں بچا کر دور دراز کے شہروں کی طرف بھاگنے لگے۔ پوری پوری بستیاں، قصبات اور دیہات خالی ہو رہے تھے۔ یہ بے خانماں مہاجرین یہ جانے بغیر کہ ان کا رخ کس طرف ہے اور ان کی پناہ گاہ کون سا شہر ہوگا زیادہ سے زیادہ دور نکل جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان میں بوڑھے بھی تھے اور مریض بھی، گھر سے کبھی قدم باہر نہ نکالنے والی مستورات بھی تھیں اور معصوم بچے بھی، ان کی اکثریت کے پاس نہ کوئی سواری تھی اور نہ مناسب زاد سفر۔ ڈمگاتے قدموں کے ساتھ وہ روزانہ افق کو دیکھ کر کسی انجانی منزل کی امید پر چلنا شروع کرتے، چلتے چلتے ان کے قدم جواب دے جاتے، ان کی سواریاں نڈھال ہو جاتیں، مگر دور دور تک کسی پناہ گاہ کے آثار نظر نہ آتے۔

بہت سے مہاجرانی راستوں کو طے کرتے ہوئے بھوک، پیاس اور موسم کی شدت سے دم توڑ گئے۔ بہت سے کمزور، ناتواں اور معذور افراد قافلوں کی رفتار کا ساتھ نہ دینے کے باعث پیچھے رہ گئے اور ادھر ادھر بھٹک کر صحراؤں کی وحشتناک موت کا لقمہ بن گئے۔ بہت سے ایسے تھے جنہیں راہ میں تاتاریوں نے آلیا اور تہ تیغ کر دیا۔ مہاجرین میں سے جو اہل ثروت تھے وہ تاتاری حملے کے شروع ہی میں اپنے مال و متاع سمیت گھوڑوں اور اونٹنوں کے قافلوں پر ہندوستان بلا و عرب اور ایشیائے کوچک کی طرف نکل گئے تھے، مگر ان کی ایک بڑی تعداد جنوبی شہر ہرات اور مغرب میں مر و اور نیشاپور کے فصیل بند شہروں تک پہنچ کر خود کو محفوظ سمجھنے لگی تھی۔ چند ماہ کے اندر ان شہروں میں مہاجرین کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔

## حواشی و حوالہ جات

- ① چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۳
- ② چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۴، ۱۱۵
- ③ چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۶
- ④ ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۵
- ⑤ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۵..... روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۸۲۴
- ⑥ چنگیز خان، باب ۱۵ ص ۱۱۵
- ⑦ چنگیز خان، باب ۱۵ ص ۱۱۵
- ⑧ جہاں کشا، ج ۱، ص ۷۸
- ⑨ ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۰
- ⑩ روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۸۰
- ⑪ نہایۃ الارباب ج ۷ ص ۳۸۲
- ⑫ ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۸۵
- ⑬ ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۵
- ⑭ چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۶
- ⑮ چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۶
- ⑯ چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۶..... تاریخ خوارزم شاہی، ص ۱۰۷
- ⑰ چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۶..... خوارزم شاہی، ص ۱۰۷
- ⑱ جہاں کشا، ج ۱، ص ۸۱
- ⑲ چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۷..... یاد رہے کہ تاتاری سورج، آسمان اور دیگر مظاہر قدرت کی پوجا کیا کرتے تھے اور ان کو عالم کے تغیر و تبدل میں مختار و متصرف گردانتے تھے اسی لیے چنگیز خان بار بار آسمان کا ذکر کرتا تھا۔
- ⑳ جہاں کشا، ج ۱، ص ۸۱..... چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۷
- ㉑ ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۵..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۸۲
- ㉒ چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۸..... روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۷..... خوارزم شاہی، ص ۱۰۷
- ㉓ ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۶
- ㉔ طبقات ناصری ج ۱ ص ۳۶۸..... چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۸..... ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۶
- ㉕ ابن اثیر، ج ۵، ص ۵۷۶
- ㉖ روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۸۲۴..... نہایۃ الارباب ج ۷ ص ۳۶۱
- ㉗ روضۃ الصفا ج ۵، ص ۲۹..... چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۸

- (۳۱) روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۹۔ جہاں کشا، ج ۱، ص ۹۳
- (۳۲) جہاں کشا، ج ۱، ص ۹۶ (۳۳) ابن اشیر، ج ۷، ص ۵۷۶
- (۳۴) روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۹
- (۳۵) جہاں کشا، ج ۱، ص ۶۶..... ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۰
- (۳۶) جہاں کشا، ج ۱، ص ۹۲..... جامع التواریخ، ص ۳۶۲
- (۳۷) نہایۃ الارباب، ج ۷، ص ۳۸۳
- (۳۸) جہاں کشا، ج ۱، ص ۹۲، ۹۳..... جامع التواریخ، ص ۳۶۳
- (۳۹) جہاں کشا، ج ۱، ص ۹۳
- (۴۰) نہایۃ الارباب، ج ۷، ص ۳۸۳
- (۴۱) جہاں کشا، ج ۱، ص ۹۳..... جامع التواریخ، ص ۳۶۳
- (۴۲) جہاں کشا، ج ۱، ص ۹۲، ۹۳ (۴۳) جہاں کشا، ج ۱، ص ۹۲
- (۴۴) نہایۃ الارباب، ج ۷، ص ۳۸۳..... ابن اشیر، ج ۷، ص ۵۷۶
- (۴۵) جہاں کشا، ج ۱، ص ۹۵، ۹۶..... روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۹ تا ۳۰..... چنگیز خان، باب نمبر ۱۵، ص ۱۱۹
- (۴۶) روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۹ (۴۷) ابن اشیر، ج ۷، ص ۵۷۷
- (۴۸) النجوم الزاہرہ، ج ۶، ص ۲۶۲

— — — — —



## ویرانوں کا مسافر

منظر حرمائے نصیبی کا تماشا ہی ہوں میں ہم نشین خفتگانِ کنج تنہائی ہوں میں  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا الْقِيُومُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُولُوهُمُ الْآدْبَارَ وَمَنْ يُؤْلِهِمْ  
يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِتْنَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا لَهُ جَهَنَّمَ  
وَبُئْسَ الْمَصِيرُ

اے ایمان والو! جب تم کافروں سے (جہاد میں) دو بدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا  
اور جو شخص ان سے اس موقع پر پشت پھیرے گا بجز اس صورت کے کہ وہ لڑائی کے لیے پینتر بدلتا ہو یا  
اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے کے لیے آتا ہو، تو وہ اللہ کے غضب میں آ جائے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ  
ہوگا اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔ (سورۃ الانفال، آیت: ۱۶)

جنوب کا سفر..... علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے سمرقند سے نکل کر ایک لٹے پٹے تاجر کی طرح جنوب کی سمت کوچ  
کیا، چونکہ ان دنوں اردگرد کے تمام علاقوں سے تاتاری افواج سمرقند کے پاس جمع ہو رہی تھیں، اس لیے راستے میں وہ  
تاتاریوں کی مزاحمت سے محفوظ رہا۔ اس کے سامنے کوئی متعین منزل نہیں تھی، سمرقند سے نکلتے ہوئے اس نے فقط یہ  
ارادہ ظاہر کیا تھا کہ وہ ایک عظیم لشکر تیار کرنے جا رہا ہے۔

شہزادہ جلال الدین کی کوششیں..... اُدھر مملکت کے جنوب میں شہزادہ جلال الدین نئی افواج تیار کرنے کی بھرپور  
کوششیں کر رہے تھے، ① مگر اب تک اتنے وسیع پیمانے پر تیاری نہیں ہو سکی تھی جس کے بل بوتے پر تاتاریوں سے  
دو بدو مقابلہ کیا جاسکتا۔ شہزادہ جلال الدین کی کوششوں کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہونے کی وجہ یہ بھی تھی کہ عوام کو قیادت  
پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ سلطنت کے اہم ترین شہروں کو اتنی آسانی سے دشمن کے ہاتھ میں دینے والا حکمران ان کے نزدیک  
اس قابل نہ تھا کہ اس کے ماتحت لڑ کر وہ جنگ میں کامیابی کی امید کر سکتے۔

در باری نجومیوں کا مشورہ..... سلطان محمد خوارزم شاہ کو علم نجوم سے خاصا شغف تھا اور در باری نجومیوں کی رائے اس  
کے ہاں بڑی وقعت رکھتی تھی۔ تشویش اور تذبذب کے ان ایام میں ایک دن اس نے نجومیوں سے مشورہ طلب کیا۔ ان  
غائبرنگران دین و ایمان نے سلطان کے شکوک کو یقینی بناتے ہوئے فوراً کہا:

”سرکار! فی الحال آپ کا ستارہ گردش میں ہے، جب تک وہ نحوست کے اثرات سے باہر نہ آ جائے آپ کو  
مقابلے میں نہیں نکلنا چاہیے۔“

ممکن ہے اس سے قبل خوارزم شاہ میں حوصلے کی کوئی رُمق باقی ہو، مگر اس فریبی گروہ کی بات پر یقین کرنے کے

بعد وہ بالکل مایوس ہو گیا۔<sup>①</sup>

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان دنوں خوارزم شاہ نے خواب دیکھا کہ کچھ لوگ بال بکھیرے نوحہ وزاری کر رہے ہیں، خوارزم شاہ نے اس کی تعبیر یہ سمجھی کہ مسلمان عن قریب تباہ و برباد ہونے والے ہیں اور ہر طرف ماتم اور نوحہ کا زمانہ آنے والا ہے، اسی طرح افغانستان میں دوران سفر ایک دن اس نے دیکھا کہ دو بلیاں آپس میں لڑ رہی ہیں، ایک کالی ہے، دوسری سفید۔ کالی بلی نے سفید بلی کو مار بھگایا۔ خوارزم شاہ نے اس سے یہ بدشگونی لی کہ تاتاری قوم خوارزمی مسلمانوں پر غالب آ جائے گی۔<sup>②</sup> غرض یہ کہ اس قسم کے توہمات کے باعث اس نے قبل از وقت خود پر مایوسی مسلط کر لی۔

دریائے آمو کے پار..... خوارزم شاہ نے ترمذ سے آگے نکل کر دریائے آمو عبور کیا اور خود کو خطرے سے قدرے دور محسوس کر کے وہاں پڑاؤ ڈال دیا۔ دریں اثناء بخارا کا گورنر اینانچ خان ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہوا شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ نے اس سے بخارا کی تباہی کے آنکھوں دیکھے حالات سنے۔<sup>③</sup> اسی دوران اسے یہ اطلاع بھی پہنچی کہ شمال مشرق میں اترارکوں فتح کرنے کے بعد تاتاری فوجیں سمرقند کو بھی راکھ کا ڈھیر بنا چکی ہیں اور غمغریب آگے پیش قدمی شروع کرنے والی ہیں۔<sup>④</sup> یہ اطلاعات خوارزم شاہ کو ناامیدی کی انتہا تک پہنچانے کے لیے کافی تھیں۔ سمرقند کی فتح سے تاتاریوں کے لیے تمام ماوراء النہر پر تسلط کا راستہ صاف ہو چکا تھا۔ صورتحال اس قدر گھمبیر ہو چکی تھی کہ اس کے تدارک کے امکانات بہت کم دکھائی دے رہے تھے۔ خوارزم شاہ مدافعت و مزاحمت کے متعلق مایوس ہو چکا تھا، مگر اس کے بعض مصاحبین نے اسے اس فیصلے پر آمادہ کر لیا کہ وہ تمام امراء لشکر کی عسکری مجلس مشاورت منعقد کر کے آئندہ لائحہ عمل تجویز کرنے کے لیے ان سے رائے طلب کرے۔

عسکری مشاورت..... مقررہ وقت پر تمام امراء جنگ اور سردار خوارزم شاہ کے دربار میں جمع ہو گئے۔ شہزادہ جلال الدین بھی مشاورت میں شرکت کے لیے حاضر خدمت تھے۔ سب ارکان شوریٰ نے اپنی اپنی آراء کا اظہار کیا۔ دیر تک بحث ہوتی رہی۔ حاضرین مجلس دو فریق بن چکے تھے۔ شاہ کے تجربہ کار امراء نے رائے دی:

”فی الوقت ماوراء النہر میں دفاع کے وسائل مفقود ہونے کی وجہ سے مقابلہ بے سود ہے، وہاں جو تباہی ظاہر ہو چکی ہے اس کی تلافی کا موقع ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ بہر حال اپنی باقی ماندہ استعداد بروئے کار لاتے ہوئے ایران اور خراسان کے صوبوں میں مدافعت کی بھرپور تیار کرنی چاہیے۔ اس کے لیے تمام شہروں اور تمام قبائل سے افواج جمع کر کے دریائے سیحون سے خندق اور حصار کا کام لیتے ہوئے اس کے کنارے مضبوط مورچہ بندی کر لی جائے اور دشمن کو دریا عبور کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔“

کہنہ مشق اور معرکہ آزماء امراء کی یہ رائے بڑی وزنی تھی، مگر اس کے بالمقابل بزدلی اور خود غرضی کی بیماری میں مبتلا دوسرے فریق کا خیال یہ تھا کہ اب فی الفور ہندوستان کا رخ کرنا بہتر ہوگا۔ اس دوران اگر غزنی میں لشکر جمع کر کے دشمن کو منہ توڑ جواب دینے کا موقع میسر آ سکا تو خیر، ورنہ ہندوستان کی وسیع مملکت میں پناہ لی جاسکتی ہے۔<sup>⑤</sup>

ہندوستان کا رخ..... مختلف آراء اور وسوسوں کے درمیان الجھکتا ہوا آخر کار شاہ نے ہندوستان کا رخ کیا۔ اس کے خوشامدی اور ابن الاوقت مشیر اسے یہی راہ دکھا رہے تھے۔ خوارزم شاہ نے بڑی سرعت سے اس سمت سفر شروع کیا۔ اس کی بے چینی و جلد بازی کا یہ عالم تھا کہ بلخ پہنچنے تک اس نے راستے میں کسی مقام پر پڑاؤ نہیں کیا۔

شہزادہ رکن الدین کا سفیر..... چھٹے باب میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ خوارزم شاہ نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے شہزادہ رکن الدین کو شمالی ایران اور عراق کے کوہستانی علاقوں کا والی مقرر کیا تھا۔ یہ علاقے ابھی تاتاریوں کی دسترس سے باہر تھے۔ شاہ کی بد حالی اور سرگردانی سے مطلع ہو کر شہزادہ رکن الدین نے خوارزم شاہ کے معتمد وزیر ”عماد الملک ساؤجی“ کو جو کہ اس وقت حکم شاہی کے مطابق شہزادہ رکن الدین کے ہاں وزارت عظمیٰ کی خدمات انجام دے رہا تھا، بارگاہ سلطانی میں روانہ کیا تاکہ وہ سلطان معظم کو بعد عزت و تکریم عراق تشریف آوری پر آمادہ کر سکے۔

خوارزم شاہ تلخ میں پڑاؤ کیے ہوئے تھا کہ عماد الملک حاضر ہوا۔ تحائف گراں مایہ اس کی خدمت میں پیش کیے اور مشورہ دیا کہ دشمنوں کے حالیہ غلبے کے بعد مصلحت یہی ہے کہ عراق کی طرف کوچ کیا جائے۔ اس طرح آپ دشمنوں کی دسترس سے دور ہو جائیں گے اور وہاں پر بھاری لاؤ لشکر جمع کر کے تاتاریوں کو بھرپور شکست دینے کی تیاری کر سکیں گے۔ عماد الملک کی گفتگو سے پہلے بھی وطن کی محبت خوارزم شاہ کو شکستہ خاطر اور پریشان کر رہی تھی، وہ ہندوستان کے سفر کی ابتداء ہی میں متذبذب ہو گیا تھا۔ اس نئے مشورے کو سن کر وہ فوراً عراق جانے پر آمادہ ہو گیا۔ درحقیقت وہ کسی مدافعت کی تیاری کی بجائے صرف اپنی جان بچانے کا متمنی تھا۔

شہزادہ جلال الدین کی تقریر..... شہزادہ جلال الدین جو خوارزم شاہ کی خدمت میں موجود تھے، اس عاجلانہ فیصلے پر خاموش نہ رہ سکے اور ادب ملحوظ رکھتے ہوئے درِ دول کے ساتھ گویا ہوئے:

”جہاں پناہ! میری رائے یہ ہے کہ جس قدر لشکر جمع کرنا ممکن ہو، یہیں جمع کیا جائے اور دشمن کی طرف پیش قدمی کی جائے۔<sup>(۴)</sup> سلطان عالی مقام! اپنی سپاہ کو کھیرنا اور دشمن کا سامنا کرنے سے گریز کرنا، پست ہمت اور عاجز لوگوں کا طریقہ ہے، باعظمت بادشاہوں کا کام نہیں۔ اس سے پہلے کہ بازی ہاتھ سے نکل جائے اور ہم حیرت و دہشت کی تصویر بن کر رہ جائیں، اس سے پہلے کہ ہم اقوام عالم کے درمیان چبائے جانے والے گوند کی حیثیت اختیار کر کے ہر کسی کی ملامت کا نشانہ بنیں اور ندامت کے سمندر میں غرق ہو جائیں، ہمیں ان حوادث روزگار سے اپنے دفاع کے لیے کھڑے ہو جانا چاہیے۔<sup>(۵)</sup> سر دست اگر سلطان عالی مقام اس سے متفق نہ ہوں اور عراق جانے کا فیصلہ فرما چکے ہوں تو بعد شوق تشریف لے جائیں، مگر لشکر کی کمان میرے حوالے کرتے جائیں۔ میں فوج کو لے کر دریائے جیحون کے کنارے مورچہ بندی کروں گا اور دشمن کو دریا عبور کرنے کا موقع نہیں دوں گا۔“

روم خیمہ بر طرف جیحون زخم بادشماں دست در خوں زخم

(میں جا کر دریائے جیحون کے کنارے خیمہ گاڑوں گا، دشمنوں سے خوں ریزی اور پنجہ آزمائی کروں گا۔)<sup>(۶)</sup>

شہزادہ جلال الدین اپنے والد کو جہاد پر برا بیچتے کرتے ہوئے نہایت دردمندانہ انداز میں کہہ رہے تھے:

”عالم پناہ! اگر قسمت نے ہمارا ساتھ دیا تو توفیق خداوندی سے ہم اپنے مقصود کو حاصل کر لیں گے اور اگر توفیق ایزدی شامل حال نہ ہوئی تو ہم کم از کم بندگان خدا کی لعنت و ملامت کا نشانہ تو نہیں بنیں گے۔ کم از کم لوگ یہ تو نہیں کہیں گے کہ ہم سے ٹکس اور خراج لینے والے حکمران مصیبت کے وقت ہمیں نہتا اور لاچار چھوڑ کر چلے گئے۔“<sup>(۷)</sup>

لِيَبْلُغَ غُدْرًا أَوْ يُصِيبَ رَغِيْبَةً وَمُبْلَغُ نَفْسٍ غُدْرَهَا مِثْلُ مُنْجِحٍ

(تاکہ معذوری کی حد تک کوشش کر گزریں یا ہدف کو پالیں..... کیونکہ کوشش میں اپنی جان کو معذوری کی حد تک

پہنچا دینے والا شخص کامیاب آدمی کی مانند ہوتا ہے۔)

شہزادہ جلال الدین کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ ان کے دلی جذبات اور ان کی غیرت و حمیت کا آئینہ دار تھا۔ ان کی گفتگو مایوس ترین انسان کے لیے بھی حوصلہ انگیز اور امید افزا تھی جس کی تاثیر سے افسردہ دلوں میں امنگ اور مردہ تنوں میں حیات نو پیدا ہو سکتی تھی، مگر خوارزم شاہ.....؟؟؟ اس کے دل کی کرچیاں جو زنا ب کسی کے بس کی بات نہ تھی، اس کا چہرہ اسی احساس شکست کی غمازی کر رہا تھا جو وہ سمرقند سے ساتھ لے کر چلا تھا۔ بیٹے کی گفتگو کو وہ فقط بہلاوے کا سامان اور جذباتی ہیجان تصور کر رہا تھا۔ شہزادہ جلال الدین نے چند بار اسی مضمون کی تکرار کی اور ادب و احترام کے دائرے میں رہ کر باپ کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر ہر کوشش بے سود رہی۔ ان تمام باتوں کے جواب میں خوارزم شاہ کا جواب یہ تھا:

”جو بھی حادثہ پیش آئے وہ اپنی انتہائی حد تک پہنچ کر رہتا ہے، اس سے پہلے اسے روکنا ممکن نہیں، بلکہ ایسی کوشش اور جدوجہد ایک کارِ عبث ہے، پھندے میں پھنسنے کے بعد تڑپنا اور ہاتھ پاؤں مارنا فوری ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔“

مدہ از پئے تاج سر را بباد کہ باتاج شاهی ز مادر نژاد  
(شاهی تاج کے لیے اپنا سرمہ گنوا، اس لیے کہ تو ماں کے پیٹ سے شاہی تاج پہن کر نہیں آیا۔)  
شہزادہ جلال الدین نے جب اپنی کوشش رائگاں دیکھی تو غم و اندوہ کے کڑوے گھونٹ پی کر خاموش ہو گئے۔ باپ کے ادب اور حالات کی نزاکت نے انہیں بغاوت جیسے کسی انتہائی اقدام سے باز رکھا۔ وہ حسب سابق خدمتِ سلطانی میں پوری فرمانبرداری اور اطاعت کے ساتھ وقت گزارتے رہے۔ خوارزم شاہ ان کڑے حالات میں انہیں اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہتا تھا، لہذا شہزادہ جلال الدین کو ہزاروں میل کی اس طویل بھاگ دوڑ کے تمام مراحل میں اس کا ساتھ دینا پڑا۔<sup>(۱۱)</sup>

خوارزم شاہ نے عماد الملک کے مشورے کے مطابق مغرب کی طرف کوچ کیا اور شمالی ایران کے سلسلہ کوہ کی طرف نکل گیا تاہم جاتے جاتے اس نے مملکت کے باقی ماندہ قلعہ داروں کو حتی الامکان مدافعت کی تاکید کر دی۔ امیر عمر کو بامیان، اختیار الدین علی کو پشاور، حسام الدین حسین کو غور اور شمس الدین جر جانی کو ہرات کی حفاظت پر مقرر کر دیا۔<sup>(۱۲)</sup> اس اقدام کے بعد وہ غالباً مملکت کے دفاع سے از خود سبکدوش ہو چکا تھا، مگر وہ بھول رہا تھا کہ بادشاہ کا حوصلہ ٹوٹنے کے بعد اس کے ماتحت قدم جما کر نہیں لڑ سکتے۔

بدرالدین عمید کی سازش..... مختلف محاذوں پر شکست کھانے کے بعد خوارزمی افواج کا دم ختم ہو چکا تھا۔ پھر بھی چنگیز خان کو یہ فکر لاحق تھی کہ خوارزم شاہ ایران یا افغانستان کے کسی حصے میں اپنی افواج کا شیرازہ جمع کر کے اس کے لیے مشکلات پیدا کر سکتا ہے، مگر انہی دنوں ایک ملت فروش نے چنگیز خان کے سامنے بچے بچے خوارزمی لشکر میں پھوٹ ڈالنے کا ایک تیر بہدف نسخہ پیش کر کے اس کی یہ فکر دور کر دی۔ یہ ملت فروش بدرالدین عمید تھا۔ بدرالدین عمید کو خوارزم شاہ کی جانب سے طبرستان کا حاکم بنایا گیا تھا۔ کچھ عرصہ قبل اس کے والد اور چچا کو خوارزم شاہ نے کسی وجہ سے قتل کر دیا تھا۔ اس وقت سے یہ سردار خوارزم شاہ سے انتقام کے لیے موقع کی تاک میں تھا۔ چنگیز خان کے ماوراء النہر قابض ہوتے ہی بدرالدین عمید اس کے پاس پہنچ گیا اور اپنی وفاداریاں اسے پیش کر دیں۔ وہ تنہائی میں چنگیز خان سے ملا اور گویا ہوا:

”خان اعظم! اس کائنات میں میرے نزدیک خوارزم شاہ سے زیادہ قابلِ عزت کوئی اور نہیں، وہ میرے باپ اور چچا کا قاتل ہے۔ اگر میرے بس میں ہوتا کہ اپنی جان دے کر اس سے انتقام لے سکتا تو یہ بھی کر گزرتا مگر اس کی طاقت بہت زیادہ ہے۔ آپ اس بات پر مطمئن نہ ہوں کہ اس نے اپنا لشکر ادھر ادھر بکھیر دیا ہے۔ اب بھی اس کے حکم پر ملک کے اطراف و اکناف سے بہت بڑی فوج جمع ہو سکتی ہے۔“

چنگیز خان نے اس کی باتوں میں بڑی دلچسپی لی۔ بدرالدین نے چنگیز خان کو یقینی کامیابی کا نسخہ سمجھاتے ہوئے کہا کہ خوارزم شاہ کا اپنی والدہ اور اسکے جنگجو قبیلے سے انتظامی معاملات میں اکثر اختلاف رہتا ہے، اگر خوارزم شاہ اور اس کے انھیال کے درمیان اختلاف کی خلیج کو وسیع سے وسیع تر کرنے کی کوشش کی جائے اور مزید بے اعتمادی کی فضا پیدا کر دی جائے تو فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی۔

چنگیز خان اور اس غدار میں خاصی دیر تک مشورہ جاری رہا۔ آخر اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بدرالدین نے چنگیز خان کو رائے دی کہ ایک جعلی خط تیار کر لیا جائے جس میں ترکانِ خاتون کے رشتہ دار امراء کی جانب سے چنگیز خان کو سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے خلاف اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا گیا ہو اور اسی خط کی پشت پر چنگیز خان کی جانب سے ان کی پیش کش کا مثبت جواب ہو۔<sup>(۳)</sup>

چنگیز خان نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے ایک جعلی خط تیار کر لیا جس میں تحریر تھا:

”ہم ترک قبائل خوارزم شاہ کا ساتھ اس کی والدہ کے حقِ خدمت کی وجہ سے دیتے آئے ہیں، مگر اب جبکہ ہم دنیا بھر کے بادشاہوں کے خلاف اس کی مدد کر چکے، بڑے بڑے زبردست حکمران اس کے مقابلے میں عاجز ہو گئے اور سب کی گردنیں اس کے آگے جھک گئیں، تو اب خوارزم شاہ سرکشی اور نافرمانی میں مبتلا ہو کر اپنی والدہ کے بارے میں بدنیت ہو گیا ہے اور ہمیں اس کا ساتھ چھوڑنے کا حکم دیتا ہے، لہذا ہم اب آپ کی آمد کے منتظر ہیں اور آپ کے احکام کے تابع دار ہیں۔“

طے شدہ منصوبے کے مطابق ایک شخص کو یہ خط دے کر خوارزم شاہ کی خدمت میں بھیجا گیا جو بظاہر خوارزم شاہ کا ہمدرد مگر اندر سے چنگیز خان کا جاسوس تھا۔ اس نے شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بتایا کہ کچھ امراء سلطنتِ خوارزم کے خلاف سازش کر رہے ہیں اور وہ ان کا ایک اہم خط چرا کر لایا ہے۔ شاہ نے اس کی باتوں کا یقین کر کے جب وہ جعلی خط پڑھا تو اس کے تھکے ہوئے اعصاب پر بجلی گر پڑی۔ اسے یہ توقع نہ تھی کہ ایسے نازک حالات میں اس کے انھیالی رشتہ دار اس کا ساتھ دینے کے بجائے اس کے بدترین دشمن سے گٹھ جوڑ کر لیں گے۔ وہ ترکانِ خاتون کے اقارب امراء کو اندرونِ خانہ چنگیز خان کا حلیف سمجھ کر ان سے سخت بد دل اور حد درجے متنفرد ہو گیا۔

خوارزم شاہ پر قاتلانہ حملہ ..... ادھر تپتی ترک امراء ان سخت حالات میں طوعاً و کرہاً اب تک اس لیے خوارزم شاہ کا ساتھ دیتے آ رہے تھے کہ حالات کی سنگینی نے شاہ اور اس کی والدہ کے مابین اختلافات کو رفع کر دیا تھا اور ملک و ملت کی سالمیت کے لیے ترکانِ خاتون کے جانباز امراء خوارزمی لشکر کی صفِ اوّل میں رہ کر لڑتے رہے تھے۔<sup>(۴)</sup> کئی محاذوں پر فقط خوارزم شاہ کی کوتاہ اندیشی اور پست ہمتی کے باعث خوارزمی لشکر کی شکست ان سرداروں کو سخت گراں گزری تھی اور اس پر مستزاد یہ کہ خوارزم شاہ اب مستقل طور پر پشت پھیر کر ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف فرار ہو رہا

تھا۔ یہ جنگجو امراء بھی بادلِ خواستہ اس کے ہم رکاب تھے اور صرف ترکانِ خاتون کے رشتے کا لحاظ کر کے کسی باغیانہ اقدام سے رکے ہوئے تھے، مگر اب جبکہ اس خط کے پکڑے جانے کے بعد خوارزم شاہ کی جانب سے انہیں اقدام بغاوت کا مجرم ٹھہرایا گیا تو ان کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے اسے خوارزم شاہ کی خود ساختہ سازش قرار دیا اور آپس میں مل کر یہ قطعی فیصلہ کر لیا کہ خوارزم شاہ کو قتل کر دیا جائے۔ ایک تاریک شب میں جبکہ خوارزم شاہ کہیں پڑاؤ ڈالے ہوا تھا، قچاتی ترکوں کا ایک دستہ چپکے سے خوارزم شاہ کے خیمے کے پاس پہنچ گیا۔ خیمے کو مکمل طور پر گھیرنے کے بعد ان حملہ آوروں نے تیروں کا ایسا مینہ برسایا کہ خیمہ چھلنی ہو گیا۔ خوارزم شاہ کی موت کا یقین کر کے یہ جنگجو چپکے سے اپنے اپنے خیموں میں دب گئے۔ ادھر خوارزم شاہ کو اس کے جاسوس اس قاتلانہ سازش سے بروقت مطلع کر چکے تھے۔ اس نے رات ہی کو اپنا خیمہ چھوڑ کر ایک دوسرے خیمے میں قیام کر لیا تھا۔ صبح دم جب ان قچاتی جنگجوؤں کو علم ہوا کہ خوارزم شاہ زندہ بچ گیا ہے تو ان کے لیے ایک لمحہ بھی فوجی کمپ میں ٹھہرنا ممکن نہیں رہا۔ یہ سب کے سب فی الفور خوارزم شاہ کے پڑاؤ سے نکل کر چنگیز خان کی قدم پوسی کے لیے روانہ ہو گئے۔ اس سانحے کے بعد خوارزم شاہ کی ذاتی کمان میں صرف بیس ہزار فوج باقی رہ گئی۔ اب اسے کسی پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ تاتاریوں سے شکست کے بعد اپنوں کی غداري نے اس کے اعصاب شل کر دیے تھے۔ بدرالدین عمید کی گھناؤنی سازش نے خوارزمی قوت کو توڑنے میں راتوں رات وہ کام کر دکھایا جو چنگیز خان کے دلیر ترین جرنیل کئی مہینوں میں نہیں کر سکے تھے۔

اس سازش قچاتی امراء کے ساتھ خود ترکانِ خاتون بھی شاہ سے سخت دل گرفتہ ہو گئی، چنگیز خان نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے اور خوارزم شاہ کے مابین اختلاف کو مزید وسیع کرنے کی کوشش کی اور ایک غدار خوارزمی امیر دانش مند حاجب کو اس کی خدمت میں بھیج کر یہ پیام دیا:

”مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارا میٹا سرکشی کرتے ہوئے تمہاری ہمسری کر رہا ہے، میں نے اس کے امراء کی حمایت سے اس کے خلاف فوج کشی کی ہے، تم مطمئن رہو کہ مجھے تمہارے زیر انتظام شہروں سے کوئی سروکار نہیں، میں خوارزم اور خراسان سے دریائے آمو تک تمہاری حکومت تسلیم کرتا ہوں۔“

چنگیز خان کا مقصد یہ تھا کہ جب تک وہ خوارزم شاہ سے منٹ نہیں لیتا ترکانِ خاتون مطمئن رہے اور اس کے خلاف جہاد میں حصہ دار نہ بنے۔ بہر کیف ترکانِ خاتون تاتاریوں کی خون ریزی کے مناظر دیکھنے کے بعد چنگیز خان پر اعتماد نہ کر سکی اور جلد ہی کسی گوشہ تنہائی کی تلاش میں دارالحکومت سے فرار ہو گئی<sup>(۱۵)</sup> جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

خوارزم شاہ کا تعاقب ..... چنگیز خان سر قند میں فروکش ہو کر خوارزم کے باقی ماندہ علاقوں پر لشکر کشی کے لیے لائحہ عمل ترتیب دے رہا تھا تاہم اس وقت اس کے نزدیک سب سے اہم مسئلہ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ پر ہاتھ ڈالنا تھا جو اس کی خواہش کے باوجود اب تک اس سے براہ راست نہیں ٹکرایا تھا۔ اس دوران خوارزم کے غدار امراء یکے بعد دیگرے تاتاریوں سے ملنے جا رہے تھے۔ ترکانِ خاتون کے رشتہ دار امراء کے علاوہ قندوز کا حاکم علاؤ الدین بھی چنگیز خان کا حلقہ گوش بن چکا تھا، ان لوگوں کے ذریعے چنگیز خان کو اطلاع مل چکی تھی کہ خوارزم شاہ نہایت سراسیمگی کی حالت میں جنوب کی طرف گیا ہے۔ چنگیز خان کو اندیشہ تھا کہ اگر خوارزم شاہ کو کہیں قدم جمانے کا موقع مل گیا تو وہ اپنی منتشر افواج کی کمک حاصل کر کے اس کے لیے کوئی نیا خطرہ پیدا کر دے گا، اس لیے وہ جلد از جلد شاہ کو ٹھکانے لگانا چاہتا تھا۔ اس

نے اپنے دو قابل ترین سرداروں جی نویان اور سوبدائی کو تیس ہزار آزمودہ شہسواروں کے ساتھ خوارزم شاہ کے تعاقب میں روانہ کر دیا اور ان کو حکم دیا:

”خوارزم شاہ کا پیچھا کرو اور اسے زندہ یا مردہ گرفتار کر کے دکھاؤ، چاہے وہ آسمان کی بلندیوں میں روپوش ہو۔“<sup>(۱۶)</sup> یہ تیس ہزار سوار آدھی و طوفان کی طرح جنوب کی طرف لپکے۔ وہ روزانہ آستی آستی میل کا فاصلہ طے کرتے۔ صرف شام کے وقت مختصر سا وقفہ کر کے کھانا کھاتے، کچھ سستاتے اور پھر روانہ ہو جاتے۔ ان میں سے ہر سپاہی کے ساتھ کئی کئی گھوڑے تھے۔ ہر سپاہی دن بھر کی طوفانی یلغار میں بار بار تازہ دم گھوڑے بدلتا رہتا تھا۔<sup>(۱۷)</sup>

چند دن بعد وہ دریائے آمو (جیخون) کے کنارے کھڑے تھے۔ دریا کا تند و تیز پانی انہیں نہ روک سکا۔ انہوں نے اپنے گھوڑوں کی دیں مضبوطی سے تھام لیں۔ اپنا اسلحہ، لکڑی اور چمڑے کے بڑے بڑے ٹوکروں میں بھر کر انہیں گھوڑوں کے ساتھ منسلک کر دیا اور گھوڑوں کو پانی میں ہنکا دیا۔ گھوڑوں کی دموں کی تھامتے ہوئے تیر کر، وہ دوسرے کنارے پر اتر گئے۔<sup>(۱۸)</sup> دریا عبور کرنے کے بعد وہ بلخ کے قریب پہنچ گئے۔ ان کے ہراول دستوں نے پتہ چلا لیا کہ خوارزم شاہ بلخ سے نکل کر مغرب کی جانب جا چکا ہے۔ تاتاریوں کا یہ لشکر دو حصوں میں منقسم ہو کر بڑی تیزی سے اسی سمت روانہ ہو گیا۔ ان کا خیال تھا کہ خوارزم شاہ نے مرو کا رخ کیا ہوگا۔ مرو دریائے جیخون کے مغرب میں سلطنت کا ایک مضبوط اور وسیع شہر تھا۔ خوارزم شاہ کا یہاں دفاعی تیاریاں کرنا قرین قیاس تھا، لیکن چند دن بعد طویل اور دشوار گزار صحرا عبور کر کے جب یہ جنگجو مرو کے خوش منظر باغات اور سفید شہر پناہ کا نظارہ کر رہے تھے، ان کے خبروں نے انہیں یہ قطعی اطلاع فراہم کی کہ خوارزم شاہ یہاں نہیں ہے۔<sup>(۱۹)</sup>

خوارزم شاہ نیشاپور میں ..... علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ ویران و بے آباد علاقوں سے گزرتا ہوا شمالی ایران کا کوہستانی سلسلہ عبور کر کے نیشاپور پہنچا۔ اس نے اپنے خیال میں نہایت تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا تھا اور تاتاری لشکر کو سینکڑوں میل دور چھوڑ آیا تھا لیکن درحقیقت تاتاری شکاری کتوں کی طرح اس کی بوسو گھتے ہوئے اس کے تعاقب میں چلے آ رہے تھے۔ نیشاپور میں چند دن گزارنے کے بعد اسے ملک کے مختلف علاقوں سے تاتاریوں کی غارت گری اور خون ریزی کی خبریں موصول ہونے لگیں پھر ایک دن اچانک اسے یہ اطلاع ملی کہ ایک تاتاری لشکر اس کے تعاقب میں اس جانب آ رہا ہے۔ یہ خبر سنستے ہی خوارزم شاہ نے امیر فخر الملک نظام الدین، ضیاء الملک عارض زوزنی اور مجیر الملک عمر کاخی کو طلب کیا۔ انہیں شہر کا خیال رکھنے کی تاکید کی اور شکار کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے اپنے خدام و مصاحبین کے ساتھ نیشاپور سے نکل گیا۔<sup>(۲۰)</sup>

جی نویان اور سوبدائی راستے میں بستیوں کو لوٹتے، دیہاتوں کو تاراج کرتے اور مزاحمت کرنے والی آبادیوں کو تہہ تیغ کرتے ہوئے خوارزم شاہ کے تعاقب میں نیشاپور کی طرف لپکتے ہوئے آ رہے تھے۔ ان کی سفاکی اور خون ریزی سے دہشت زدہ ہو کر خوارزم شاہ راستے میں پڑنے والی ہر بستی اور ہر شہر کے باشندوں کو یہ تاکید کرتا جا رہا تھا: ”اپنے بچاؤ کی فکر کرو، تاتاریوں سے مزاحمت مت کرو تا کہ ان کی خون آشام تلواروں کی کاٹ سے محفوظ رہ سکو۔“<sup>(۲۱)</sup>

اسی قسم کا تاکید فرما کر تمام صوبوں کے حاکموں اور قلعہ داروں کے نام روانہ کر دیا گیا۔ خوارزم شاہ کی اس پست ہمتی سے عوام اور حکام کا رہا سہا ہمدانہ جذبہ بھی سرد پڑ گیا۔ قلعے اور شہر کسی مزاحمت کے بغیر فتح ہونے لگے۔ لوگوں نے

اپنے آپ کو مکمل طور پر دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔<sup>(۲۱)</sup>

شاہی حرم کی ہجرت ..... نیشاپور سے آگے نکل کر خوارزم شاہ نے یہ خطرہ محسوس کرتے ہوئے کہا کہ کہیں تاتاری فوج اچانک دارالحکومت پر حملہ نہ کر دے۔ تیز رفتار سواروں کا ایک دستہ ”اورگنچ“ روانہ کر دیا تاکہ وہ ترکان خاتون سمیت شاہی خانوادے کی تمام مستورات، ان کے بچوں اور خزانے کو اس کے پاس لے آئیں۔ سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ہوئے رات دن ایک کر کے یہ شہ سوار جب دارالحکومت پہنچے تو تاتاریوں کی یلغار کے خدشات سے وہاں کی فضا سہمی ہوئی تھی۔ ترکان خاتون نے دیگر اہل خاندان کے ساتھ اپنے اس گلشن بے خار سے کوچ کی تیاری کی جہاں اس نے سلطان نکش کی زوجیت میں اپنی جوانی کی پر لطف، سرگرم اور یادگار ایام گزارے تھے، جہاں سلطان علاؤ الدین محمد کی والدہ کی حیثیت سے اس کے نام کا ڈنکا بجتا رہا، جہاں نخس و قمر حیرت زدہ ہو کر اس کے رعب و دبدبے کا نظارہ کرتے تھے، آسمان دنیانے یہاں اسکے جاہ و جلال کے ایک طویل دور کا مشاہدہ کیا تھا..... آج ملکہ ترکان خاتون اپنی وجاہت، سطوت اور عظمت کے امین اس خانہ عیش و نشاط کو چھوڑ کر نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو رہی تھی..... اسے یہ بھی پتہ نہ تھا کہ اب اسے اس چمنستان کی جانب لونگا کبھی نصیب ہو گا یا نہیں۔ شہر سے نکلنے سے قبل ترکان خاتون نے ایک سفاکانہ حرکت کی۔ دارالحکومت میں کوئی بیس کے لگ بھگ دیگر مختلف شاہی خاندانوں کے اعیان خوارزم شاہ کے امراء کی حیثیت سے مقیم تھے۔ ملکہ نے اس خدشے سے کہ دارالحکومت کو خالی پا کر ان میں سے کوئی شخص حکمرانی کا دعوے دار نہ بن جائے ان سب اعیان کو قتل کرادیا۔ ایک روایت کے مطابق ان سب کو دریائے آمو میں غرق کر کے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ ان میں سلطان طغرل سلجوقی کے دو بیٹے، بلا تریک کے حاکم ستقاق کے دو بیٹے، حاکم بلخ عماد الدین، حاکم خوش جمال الدین عمر، حاکم ترمذ بہرام شاہ، حاکم بامیان علاؤ الدین، برہان الدین صدر جہان، ان کے بھائی افتخار جہان اور ان کے دو بیٹے ملک الاسلام اور عزیز الاسلام شامل تھے۔

جب ۶۱۶ھ کے اواخر میں ملکہ خوارزم سے روانہ ہوئی تو یازر کا حاکم عمر خان راستوں کی رہنمائی کے لیے اس کے ساتھ تھا۔ یہ شخص اپنی قوت برداشت کی وجہ سے صبور خان کے لقب سے مشہور تھا۔ اس کے بھائی نے یازر پر قبضہ کر کے اسے اندھا کرنے کی سزا سنائی تھی مگر آنکھ میں گرم سلائی پھیرنے والے کارکن کو اس پر رحم آگیا اور اسے چھوڑ دیا۔ اپنے ظالم بھائی کو دھوکا دینے کے لیے یہ جھوٹ موٹ اندھا بن گیا اور گیارہ برس تک جیل میں آنکھیں بند کر کے زندگی گزارتا رہا۔ گیارہ برس بعد اس کا بھائی مرا تو اسے رہائی ملی اور دنیاروشن ہوئی۔ تب سے یہ ترکان خاتون کی خدمت میں رہنے لگا۔

جب ترکان خاتون اور گنچ سے روانہ ہوئی تو خیال تھا کہ پہلے عمر خان کے شہریاء زر جا کر دم لے گی۔ سفر کے دوران عمر خان نے ملکہ کا بہت خیال رکھا اور ہر ممکن خدمت کی، مگر بے رحم ترکان خاتون نے مصیبت کی اس گھڑی میں ساتھ دینے والے وفادار کو بھی نہ بخشا۔ یازر کے قریب پہنچ کر اسے شک ہوا کہ عمر خان اسے چھوڑ جائے گا۔ اس نے اسی وقت اسے بندھوا کر بے دردی سے مار ڈالا۔<sup>(۲۲)</sup>

شاید ایسے مظالم کے باعث ہی ملکہ کا انجام اس قدر دردناک ہوا کہ خود عبرت بھی اس پر آنسو بہاتی ہے۔

شہزادہ رکن الدین سے ملاقات ..... نیشاپور سے چل کر سلطان علاؤ الدین محمد نے رے میں قیام کیا۔ تعاقب



کرنے والے تاتاری لشکر نے بھی نیشاپور سے ہوتے ہوئے رے کی طرف پیش قدمی کی۔ خوارزم شاہ گھبراہٹ کے عالم میں رنجت سفر باندھ کر اس قلعے کی طرف روانہ ہوا جہاں شہزادہ رکن الدین غور شاہ بے چینی کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔ شاہ کی آمد سے مطلع ہو کر شہزادے نے قلعے سے آگے آ کر اس کا استقبال کیا۔ (۳۵)

شہزادے کی رکاب میں تیس ہزار عراقی سپاہی تھے۔ کردستان کا حاکم ملک نصرت الدین بھی شاہ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہو گیا۔ خوارزم شاہ نے ملک نصرت سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے عرض کیا:

”جہاں پناہ! اس وقت یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ لور اور فارس کے مابین ”تنگ تکو“ نامی ایک نہایت دشوار گزار بلند و بالا کوہستان ہے، میرا مشورہ یہ ہے کہ ہم اسی وقت اس طرف کوچ کریں اور اس کی گھاٹیوں سے گزر کر اُن اطراف میں موجود لگ بھگ ایک لاکھ پیادہ اور سوار جنگجوؤں کا تعاون حاصل کر لیں۔ نیز تمام گھاٹیوں اور دروں پر مردانہ کاری مقرر کر کے سخت ناکہ بندی کر لیں، جب تاتاری وہاں پہنچیں گے تو ہم بھرپور مزاحمت کر سکیں گے اور امید ہے کہ اس بار ہم غالب رہیں گے، اگر اس طرح ہماری قوت مدافعت اور تاتاریوں کی ناکامی ظاہر ہوگی تو تمام حوصلہ ہارے ہوئے سلطانی سپاہی نئے سرے سے تازہ دم اور عالی ہمت ہو جائیں گے۔“

مایوس اور افسردہ دل خوارزم شاہ نے اس قیمتی مشورے کو قبول نہ کیا، حاکم کردستان بدول ہو کر واپس چلا گیا اور خوارزم شاہ نے ماژندران کا رخ کیا۔ (۳۶)

خزانہ شاہی کی حفاظت ..... خوارزم شاہ کی والدہ ترکان خاتون اس کے حرم اور خزانے سمیت اس کے پاس آ پہنچی تھی۔ ان مستورات اور خزانے کے بھاری بھر کم صندوقوں کے ساتھ آگے سفر تیز رفتاری کے ساتھ جاری نہ رہ سکا۔ آخر کار سلطان نے اپنا خزانہ تاج الدین عمر بستانی نامی ایک معتمد امیر کے حوالے کر کے اسے حکم دیا کہ وہ اسے رے کے نواح میں قلعہ ”اردھان“ میں رکھوا دے۔ اردھان عراق کا نہایت مستحکم قلعہ تھا۔ تاج الدین عمر کا بیان ہے کہ ”یہ خزانہ دس بڑے بڑے صندوقوں پر مشتمل تھا، یہ تمام صندوق ہیروں، موتیوں اور دیگر نادار الماس جواہرات سے پُر تھے اور ان کو سیل کر دیا گیا تھا، خوارزم شاہ نے ان میں سے دو صندوقوں کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا: ”ان میں موجود جواہرات کی قیمت پوری دنیا کے خراج کے برابر ہے۔“

تاج الدین عمر نے یہ خزانہ اردھان کے قلعے میں شاہ کے نائب کے حوالے کر دیا اور وصولی کی رسید شاہ کی خدمت میں پیش کر دی۔ (۳۷)

خوارزم شاہ تاتاریوں کے نرغے میں ..... اس جھنجھٹ سے جان چھڑا کر خوارزم شاہ ماژندران کی طرف رواں دواں تھا۔ ماژندران کا علاقہ نہایت دشوار گزار پہاڑوں پر مشتمل تھا۔ یہ بحیرہ طبرستان (خزر) کے ساتھ واقع تھا، یہاں کے قلعے نہایت محفوظ اور ناقابلِ تسخیر شمار ہوتے تھے۔ (۳۸) شاہ کو اُمید تھی کہ یہاں وہ تاتاریوں کے پنجے سے مامون رہ سکے گا، مگر دوسری طرف اس کا تعاقب کرنے والے تاتاری دستے اب لمحہ بلحی اس کے نزدیک آتے جا رہے تھے۔ ہمدان سے کچھ آگے انہوں نے خوارزم شاہ کو آ لیا۔ شاہ کے محافظ دستے میں اب بھی تیس ہزار سپاہی موجود تھے، مگر تاتاریوں کا حملہ اس قدر اچانک اور اتنا شدید تھا کہ وہ کوئی مدافعت نہیں کر سکے۔ محافظوں کی ایک بڑی تعداد قتل کر دی گئی۔ البتہ خوارزم شاہ تیروں سے زخمی ہونے کے باوجود اپنے چند مصاحبین اور حرم کے ساتھ فرار ہونے میں کامیاب

ہو گیا۔ ۲۸ خوارزم شاہ کا وزیر عباد الملک بھی اس حملے میں جاں بحق ہو گیا۔ ۲۹

ماژندران میں ..... بہر کیف بہ ہزار دقت خوارزم شاہ ماژندران پہنچ گیا۔ اس سنان کو ہستان خوارزم شاہ کی بہن شاہ خاتون رہتی تھی۔ اس کا شوہر اردشیر حسن ایک نواجی ہستی ”ساریہ“ کا حاکم تھا۔ ان رشتوں کی وجہ سے سلطان کو کچھ تحفظ کی امید ہو گئی۔

اس نے قلعہ ”قارون دژ“ میں قیام کیا۔ صرف ایک رات وہاں بسر کرنے کے بعد اپنے خاندان کے بچوں اور چند خواص کو وہیں رہنے کی تاکید کی، ترکان خاتون، بیگمات اور شہزادیوں کو ماژندران کے ایک اور مستحکم قلعے ”ایلان“ میں ٹھہرایا اور خود بظاہر بغداد کا رخ کیا۔ قارون دژ کا قلعہ دارمشاہیت کے لیے بغداد جانے والی شاہراہ تک شاہ کے ساتھ ہم رکاب رہا، جب قلعہ دار واپس لوٹ گیا تو خوارزم شاہ بھی چند میل آگے چلنے کے بعد اُلٹے پاؤں اسی دوراہے پر واپس آ گیا جہاں سے اس نے قلعہ دار کو رخصت کیا تھا۔ یہاں آ کر شاہ خاموشی سے دیلم کے کوہستان کی طرف مڑ گیا۔

خوارزم شاہ کا یہ حکم کامیاب رہا۔ کچھ عرصہ بعد تاتاری اس کا سراغ لگاتے ہوئے جب ماژندران پہنچے تو انہیں یہی پتہ چلا کہ وہ بغداد کی طرف گیا ہے۔ تاتاری بغداد جانے والی شاہراہ پر خوارزم شاہ کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے اور اسے نہ پا کر واپس مڑ گئے۔ ۳۰

ساحلی ہستی میں روپوشی ..... دیلم پہنچ کر شاہ نے ”سراجاہاں“ کے قلعے میں قیام کیا، مگر اس کا سکون قلبی لٹ چکا تھا۔ حسرت و مایوسی، تشویش و اضطراب اور شکست کی ذلت کے احساس سے وہ کسی پہلو چین محسوس نہ کرتا۔ ایک ہفتے بعد اس نے سراجاہاں کو بھی خیر باد کہا اور گیلان کا رخ کیا۔ تاتاریوں کا خوف اب بھی اس کے اعصاب پر سوار تھا۔ اس بے چینی کے عالم میں ایک دن اس نے اپنے ایک مصاحب سے پوچھا:

”کیا اس زمین پر کوئی جگہ ایسی ہے جہاں میں سکون کا سانس لے سکوں؟“

اس کے مصاحبین نے اسے مشورہ دیا کہ جب تک اس کے بیٹے اور امراء تاتاریوں سے مقابلے کے لیے ایک طاقتور فوج تیار نہ کر لیں اسے بحیرہ خزر کے کسی جزیرے میں روپوش رہنا چاہیے۔ ۳۱ دشمن کے ڈر سے حواس باختہ خوارزم شاہ نے اس بزدلانہ مشورے کو فوراً قبول کر لیا۔ وہ اپنے چند خصوصی مصاحبین کے ساتھ بھیس بدل کر، عجیب و غریب ہیئت میں بحیرہ خزر کی طرف روانہ ہو گیا۔ دشوار گزار پہاڑی دڑوں اور پیچیدہ راستوں سے گزر کر یہ چھوٹا سا قافلہ سمندر کے مغربی ساحل پر مابئی گہروں کی ایک بستی میں پہنچا۔ خوارزم شاہ نہایت در ماندہ اور خستہ حال ہو رہا تھا، پے در پے ذہنی و جسمانی تکالیف نے اسے بیمار کر دیا تھا۔ اس حالات میں اس کی پہچان نہایت مشکل تھی اور یہ اس کے حق میں بہتر تھا، مگر اس نے اپنے ساتھیوں کے مشورے کے برخلاف اس دور افتادہ مقام میں خود کو پوشیدہ رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ قصبے کی مسجد میں وہ باجماعت نماز ادا کرتا رہا۔ ۳۲ دلی اضطراب اور گھبراہٹ سے نجات کے لیے اس نے ذکر اللہ کی پناہ حاصل کی۔ وہ نماز، تلاوت قرآن اور تسبیح و تہلیل میں مصروف رہ کر حزن و ملال کی گھٹاؤں پر اندھیروں میں طمانیت کی روشنی حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ کبھی اپنی عظمت گزشتہ اور دولت گم گشتہ کو یاد کر کے آہیں بھرتا، کبھی اپنی موجود ذلت و بے بسی دیکھ کر زار و قطار روتا۔ ۳۳

کبھی وہ اپنے گناہوں پر اظہارِ ندامت کرتا اور اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا کہ اگر اسے دوبارہ سلطنت مل گئی تو پورے

عدل وانصاف سے حکومت کرے گا۔ مسلسل ذہنی اور جسمانی تکالیف کی وجہ سے اس کی صحت بہت گر گئی تھی، ذاتِ الجبب کی بیماری نے اسے دبا لیا تھا۔

بستی میں سب کو علم ہو چکا تھا کہ وہ کون ہے۔ (۳۳) مگر اس کی یہ شہرت نقصان دہ ثابت ہوئی۔ ایک مقامی غدار نے تاتاریوں کو اس کی موجودگی کی اطلاع دے دی۔ تاتاری لشکر جو ایران اور عراق کے پہاڑوں میں شاہ کی تلاش میں رات دن ایک کیسے ہوئے تھا، یہ اطلاع پاتے ہی اس بستی کی طرف لپکا۔ حسن اتفاق سے خوارزم شاہ کو عین وقت پر دشمن کی آمد کی خبر مل گئی اور وہ اپنے ساتھیوں سمیت ایک کشتی میں بیٹھ کر بھاگ نکلا۔ تاتاری حملہ آوروں نے ساحل پر پہنچ کر دیکھا کہ خوارزم شاہ کی کشتی، بحیرہ خزر کی لہروں کو چیرتی ہوئی دور نکلتی جا رہی ہے۔

اپنے شکار کو اس قدر قریب پالینے کے بعد پھر ہاتھوں سے نکلتا دیکھ کر وہ مشتعل ہو گئے۔ انہوں نے کشتی کی سمت تیروں کی بوچھاڑ کر دی کچھ تیر کشتی کے اندر اور کچھ اس کے آس پاس گرے، مگر وہ خطرے کی زد سے جلد ہی باہر نکل گئی۔ کچھ جنوں نے تاتاری گھڑسوار اس کے تعاقب میں سمندر میں کود گئے اور گہرے پانی میں جا کر ڈوب گئے۔

جزیرہ ”آب سکون“ میں..... کشتی، بحیرہ خزر کی لہروں پر ہلکولے کھاتی ہوئی گہرے سمندر کی جانب چلی جا رہی تھی۔ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ اب اپنی مملکت کی آخری حدود سے بھی باہر ہو چکا تھا۔ حسرت اور غم سے اس کا بُرا حال تھا۔ بے چینی اور اضطراب کی شدت سے وہ کشتی کے تختوں سے سر ٹکرا رہا تھا اور کفِ افسوس مل کر بار بار کہہ رہا تھا:

”سبحان اللہ! ہمیں اپنی عظیم سلطنت میں سے دو گزر زمین کا ٹکڑا بھی میسر نہ رہا کہ جس میں ہم دفن ہو سکیں، ہاں! واقعی دنیا کسی رہنے والے کا گھر نہیں ہے۔“ (۳۴)

خوارزم شاہ گرفتار نہ ہو سکا، مگر اب اس کی زندگی کا ہر لمحہ موت سے بدتر تھا۔ کشتی، بحیرہ خزر کی وسعتوں میں جزیرہ ”آب سکون“ کے کنارے لنگر انداز ہوئی۔ خوارزم شاہ کے خدمتگاروں نے اس کی روپوشی کے لیے یہ جگہ منتخب کی تھی۔ ایک پرانا اُجاڑ سا قلعہ اس جزیرے کی ویرانی کی داستان سنار ہا تھا۔ (۳۵) یہاں پہنچ کر خوارزم شاہ کے اضطراب میں قدرے کمی واقع ہوئی۔ (۳۶)

خوارزم شاہ اس جزیرے میں ایک چھوٹے سے خیمے میں پڑا رہتا تھا۔ اس کے تین بیٹے جلال الدین منکو برتی، قطب الدین ازلاغ اور آق سلطان اس کے ساتھ تھے، جبکہ چوتھا بیٹا غیاث الدین اپنے زیر انتظام صوبے کے کسی قلعے میں رہ گیا تھا، چھوٹا لڑکا رکن الدین بھی اس کے ساتھ نہیں آ سکا تھا، شاہ ان کے لیے بے حد فکر مند تھا۔

اس کا شاہناہ مزاج اس کسمپرسی کے عالم میں بھی برقرار تھا، اس لیے وہ اپنے تیمارداروں سے عجیب و غریب فرمائشیں کرتا رہتا تھا۔ ایک دن اس کے جی میں آئی کہ کاش! میرے پاس ایک گھوڑا ہوتا جو میرے خیمے کے ارد گرد چرتا رہتا۔ ایک سردار تاج الدین حسن کو شاہ کی اس خواہش کا علم ہوا تو اس نے ایک سرخ گھوڑا اس کی خدمت میں ہدیہ کر دیا۔

یہ وہ خوارزم شاہ تھا کہ کچھ دن پہلے اس کی سلطنت میں چراگاہوں کی تعداد تیس ہزار سے زائد تھی جن میں پلنے والے لاکھوں گھوڑے اس کے ایک اشارے پر حاضر کیے جاسکتے تھے۔ آج ایک فقیر بے نوا کی طرح وہ ایک معمولی سردار سے ہدیے میں ایک گھوڑا قبول کر رہا تھا۔

مازندران کے کچھ لوگ اس کی حتی الامکان خاطر مدارات کرتے، کوئی کھانے پینے کی چیزیں لے آتا کوئی کسی اور

ضرورت کا خیال کر لیتا۔ خوارزم شاہ اپنے ان خدمتگاروں کے احسانات کا بدلہ چکانا چاہتا تھا، مگر اب اس کے پاس بدلے میں دینے کے لیے کچھ نہ تھا۔ تاہم اتنا ضرور تھا کہ جب کوئی مقامی شخص اس کی خدمت بجالاتا تو وہ اسے کسی بڑے منصب اور جاگیر کی رسید لکھوا دیتا۔ بعض اوقات اس کے پاس کوئی رسید لکھنے والا بھی نہ ہوتا۔ ایسے میں وہ خدمت کرنے والے سے کہتا کہ وہ اپنے ہاتھ سے خود رسید لکھ لے۔ علامات کے طور پر وہ اپنی ذاتی استعمال کی کوئی شے بھی دے دیتا کہ جب حالات سازگار ہوں تو رسید کے ساتھ یہ چیز دکھا کر ہم سے اتنا مال یا جاگیر وصول کر لینا۔<sup>(۵۸)</sup> اس طرح اپنی موت سے پہلے وہ اپنے کام کاج کی چھوٹی چھوٹی چیزیں حتیٰ کہ چاقو، رومال، زائد لباس اور چادر تک لوگوں میں تقسیم کر چکا تھا۔

شہزادہ جلال الدین نے ان مقامی خدمتگاروں کو نہیں بھلایا۔ خوارزم شاہ کو تو ان سے ایفائے عہد کا موقع نصیب نہ ہوا، مگر اس کے انتقال کے بعد موقع ملنے پر جلال الدین نے ان مقامی باشندوں کو اپنے باپ کے حسب وعدہ انعام و اکرام اور جاگیروں سے نوازا۔<sup>(۵۹)</sup>

شاہی حرم کا انجام ..... علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کو بحیرہ خزر کی آغوش میں زندہ درگور کر کے تاتاری واپس پلٹے اور ماژندران کے قلعوں پر حملہ آور ہو کر ان سب کو یکے بعد دیگرے فتح کرتے چلے گئے۔ قلعہ قارون دژ میں خوارزم شاہ کے کچھ مصاحبین اور شاہی خاندان کے بچے پناہ لیے ہوئے تھے۔ تاتاریوں نے قلعہ پر قابض ہونے کے بعد ان خواص و امراء کو قتل کر دیا اور بچوں کو گرفتار کر کے چنگیز خان کے پاس سرفراز بھیج دیا جس نے ان کے ٹکڑے اڑا دیے۔<sup>(۶۰)</sup> قلعہ اردھان سے تاتاریوں کو خوارزم شاہی مملکت کا عظیم خزانہ ہاتھ لگا جس کی قیمت قیاس سے بالاتر تھی۔ سونے، چاندی اور جواہرات کے یہ انبار بھی چنگیز خان کو بھیجوا دیے گئے۔

قلعہ ایلان میں ترکان خاتون، خوارزم شاہ کی بیگمات، شہزادیاں، بچے اور وزیر مملکت نظام الملک محمد بن صالح پناہ گزیں تھے۔

تاتاری چار ماہ طویل محاصرے کے بعد بھی قلعے کی بلند فصیل کو نہ پھلانگ سکے، مگر نوشیہ تقدیر پورا ہو کر رہتا ہے۔ یہ علاقہ جو کہ تمام سال چشموں اور بارش کے تسلسل کے باعث سیراب رہتا تھا، یکا یک پانی کی کمی کا شکار ہو گیا۔ بارش بالکل بند ہو گئی۔ قلعے میں پانی کے ذخائر ختم ہو گئے اور محصورین کی جان پر بن گئی۔ وہ بارش کے منتظر تھے جس کے چند دھارے انہیں حیات نو بخش سکتے تھے، مگر بارش کو نہ ہونا تھا نہ ہوئی۔ دس پندرہ روز موت و حیات کی کشمکش میں گزارنے کے بعد آخر کار محصورین قلعے کے دروازے کھول کر باہر نکل آئے اور خود کو دشمن کے حوالے کر دیا۔ جوں ہی وہ باہر نکلے، آسمان پر کالی گھٹائیں چھانے لگیں اور اس قدر بارش برسی کہ جل تھل ہو گیا۔ پانی کا ریلا سیلاب کی طرح قلعے کے دروازے سے نکلنا دکھائی دیتا تھا۔<sup>(۶۱)</sup>

فاعتبروا یا اولی الابصار

ان قیدیوں کو بابہ زنجیر چنگیز خان کے پاس سرفراز بھیج دیا گیا۔ اس نے وزیر مملکت کی علمی لیاقت کا لحاظ کر کے معاشی و اقتصادی مسائل میں مشاورت کے لیے اس کو اپنے پاس رکھ لیا۔<sup>(۶۲)</sup>

گرفتار شدگان میں سے سب بچوں کو قتل کر دیا گیا۔ بیگمات اور شہزادیوں کو تاتاری شہزادوں اور سرداروں نے

باہم تقسیم کر لیا۔ بے چاری شہزادی خان سلطان دوشی خان (جوجی خان) کے حصے میں آئی، ترکان خاتون بھی چنگیز خان کی قید میں ناقابل بیان مشقتوں اور ذلتوں کا نشانہ بنتی رہی۔

بدرالدین ہلال نامی ایک خادم قید و بند میں اس کا شریک حال تھا۔ اس نے فرار کا منصوبہ بنایا اور اسے مشورہ دیتے ہوئے کہا: ”میرے ساتھ چلیے، ہم یہاں سے چپکے سے بھاگ نکلیں گے اور شہزادہ جلال الدین کے پاس چلے جائیں گے جن کی قوت اور فتوحات کی خبریں پھیل چکی ہیں۔“

مگر اس حالت میں بھی ترکان خاتون کی نخوت برقرار تھی۔ جلال الدین سے اس کی نفرت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس نے تلکلا کر جواب دیا:

”ستیانا س ہو جلال الدین کا، بیذا غرق ہو۔ میں ایسی گئی گزری نہیں کہ اپنے بچوں قطب الدین ازلاق اور آق شاہ کی جگہ ہندوستانی بہو کے لڑکے کا احسان اٹھاؤں اور اس کے سائے میں زندگی گزاروں۔ اس سے بہتر ہے کہ میں اسی ذلت و خواری کے ساتھ چنگیز خان کی قید میں رہوں۔“

قلعے سے گرفتار ہونے والوں میں سے خوارزم شاہ کے خاندان کے صرف ایک معصوم بچے کو زندہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ ترکان خاتون اسی سے دل بہلایا کرتی تھی۔ ایک دن وہ اس کے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے کہہ رہی تھی: ”آج میرا دل اتنا گھبرا رہا ہے کہ پہلے کبھی اتنا نہ گھبرایا تھا۔“

اسی دوران چنگیز خان کا بھیجا ہوا ایک سپاہی آیا اور بچے کو ساتھ لے گیا۔ چنگیز خان کے م سے اس بچے کو بھی گلا گھونٹ کر قتل کر دیا گیا۔ اس طرح ترکان خاتون بالکل تنہا رہ گئی۔ (سیرۃ جلال الدین، ص: ۹۸)

چنگیز خان قزوینی کی تقاریب کے دوران ترکان خاتون کے ہاتھوں پیروں میں زنجیریں ڈلو کر اسے سب کے سامنے بلاتا اور برسر مجلس اس کی ذلت اور رسوائی کا یہ منظر دیکھ دیکھ کر اپنے فاتحانہ ذوق کی تسکین کرتا۔<sup>(۳۲)</sup>

عہد گزشتہ کی اس ملکہ کو اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے چنگیز خان کے ہاں حاضری دینا پڑتی، وہ ایک بھکارن کی مانند اس کے مطبخ سے پیٹ کی آگ بجھانے کا سامان لے کر لوٹتی۔<sup>(۳۳)</sup> ایسے میں وقت کی صدا ارض و سما کی وسعتوں میں گونج کر یہ پیام سناتی۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے      یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

—||—

## حواشی و حوالہ جات

- ① چنگیز خان، باب نمبر ۱۴، ص ۱۱۱  
 ② جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۵  
 ③ افغانستان در مسیر تاریخ، ص ۱۴۰  
 ④ ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۰  
 ⑤ ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۰  
 ⑥ جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۰۶  
 ⑦ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۲  
 ⑧ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۲۷  
 ⑨ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۷  
 ⑩ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۷  
 ⑪ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۲۷، ۱۲۸  
 ⑫ تاریخ خوارزم شاہی، ص ۱۱۳  
 ⑬ سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی، ص ۹۲..... نہایت الارب ج ۷ ص ۳۶۲  
 ⑭ ترکان خاتون مادر خوارزم شاہ، قچاتی ترکوں کے قبیلے بیاروت کی ایک شاخ ”بیک“ سے تعلق رکھتی تھی۔  
 ⑮ سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی، ص ۹۳..... روضۃ الصفاح ۳ ص ۸۲۴، ج ۵ ص ۱۵۲..... جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۹  
 ⑯ ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۷..... چنگیز خان، باب نمبر ۱۶ ص ۱۲۰  
 ⑰ چنگیز خان، باب نمبر ۱۶  
 ⑱ ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۷  
 ⑲ چنگیز خان، باب نمبر ۱۶، ص ۱۲۱  
 ⑳ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۱۱..... خوارزم شاہی، ص ۱۲۵..... چنگیز خان، باب نمبر ۱۶، ص ۱۲۱  
 ㉑ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۶  
 ㉒ روضۃ الصفاح، ج ۵، ص ۳۵  
 ㉓ سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی، ص ۹۴..... جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۶، ۱۹۹  
 ㉔ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۱۳  
 ㉕ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۱۴  
 ㉖ ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۰..... ابوالفداء، ج ۳، ص ۱۳۸  
 ㉗ ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۰  
 ㉘ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۱۴.....  
 ㉙ ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۰  
 ㉚ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۱۵.....  
 ㉛ چنگیز خان، باب ۱۶، ص ۱۲۳  
 ㉜ ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۰..... سیر اعلام النبلاء، ج ۲۲، ص ۲۳۳

۳۴) ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۰

۳۵) تاریخ الاسلام الکبیر للذہبی طبقہ ۶۲، وفیات ۶۱، ج ۱۰، ص ۱..... چنگیز خان، باب نمبر ۱۶

۳۶) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۷

۳۷) تاریخ الاسلام الکبیر للذہبی طبقہ ۶۲، وفیات ۶۱، ج ۱۰، ص ۱

۳۸) نہایۃ الارباب ج ۷، ص ۳۶۳..... ابوالفداء، ج ۳، ص ۱۴۹..... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۲، وفیات ۶۱، ج ۱۰، ص ۱

ص ۱

۳۹) ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۱، ۱۱۰

۴۰) جہاں کشا ج ۲، ص ۱۹۹، ۲۰۰

۴۱) روضۃ الصفا، ج ۲، ص ۸۲۵..... جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۹۸، ۱۹۹..... نہایۃ الارباب ج ۷، ص ۳۶۲

۴۲) کچھ عرصے بعد چنگیز خان نے کسی شکایت سے متاثر ہو کر وزیر کو بھی قتل کر دیا تھا، دیکھئے: ابن خلدون ج ۵، ص ۱۱۱

۴۳) چنگیز خان ص ۱۵۹

۴۴) ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۱

————— ❦ —————

## مغربی تاتاریوں کی خوں ریزی

یہ قوم چین کی سرحدوں سے نکل کر ایک سال پورا ہونے سے پہلے پہلے ایک سمت میں آرمینیا کی حدود کو عبور کر رہی ہے اور عراق میں ہمدان سے بھی آگے پیش قدمی کر رہی ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ زمانہ دراز کے بعد آنے والے لوگ جب اس حادثے کے تحریر شدہ حالات کو پڑھیں گے تو ان کو جھوٹا اور بعید از قیاس تصور کریں گے۔ (علامہ ابن اثیر جزیری رحمہ اللہ)

”تاتاری یورش عالم اسلام کے لیے ایک بلائے عظیم تھی جس سے دنیائے اسلام کی چولیس ہل گئیں۔ مسلمان بہوت و ششدر تھے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہر اس اور یاس کا عالم طاری تھا۔ تاتاریوں کو ایک بلائے بے درماں سمجھا جاتا تھا۔ ان کا مقابلہ ناممکن اور ان کی شکست ناقابل قیاس سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ ضرب المثل کے طور پر یہ فقرہ مشہور تھا کہ: ”إِذَا قِيلَ لَكَ إِنَّ التَّتَرِ انْهَزَمُوا فَلَا تُصَدِّقْ“، یعنی اگر تم سے کہا جائے کہ تاتاریوں کو کہیں شکست ہوئی ہے تو یقین نہ کرنا۔ (تاریخ دعوت و عزیمت، جلد اول از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ)

شہزادہ رکن الدین کی شہادت..... خوارزم شاہ کے گوشہ نشین ہو جانے کے بعد مملکت کی مثال بھیڑ بکریوں کی اس ریوڑ کی سی تھی جسے گلہ بان کی عدم موجودگی میں بھیڑیوں نے گھیر لیا ہو، لیکن اس کسمپرسی اور مایوسی کے عالم میں بھی شاہی خاندان کا ایک فرد شمشیر بکف ہو کر تاتاریوں کے راستے میں ڈٹا ہوا تھا۔ یہ بادشاہ کا سولہ سالہ بیٹا رکن الدین غور شاہ تھا۔ حسن و جمال اور علم و ادب کا بھیکر اب میدان جنگ میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوار ہا تھا۔ شاہ کی روپوشی کے بعد اس نے سب سے پہلے اصفہان اور ہمدان کے ان امراء کا مزاج درست کرنے کی کوشش کی جو تختِ خوارزم کو خالی دیکھ کر بغاوت کر کے تاتاریوں کی حلیف خود مختار حکومتیں بنانے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے رے میں حسن بن صباح کے گماشتوں کو بھی لگام دینے کی منصوبہ بندی کی جو موقع پا کر پُر پُر زلے نکال رہے تھے، مگر اسے یہ مہمات پایہ تکمیل تک پہنچانے کا وقت نہ مل سکا۔ اسے اطلاع ملی کہ تاتاریوں کا ایک لشکر اس جانب پیش قدمی کر رہا ہے۔

رکن الدین نے یہ خبر پاتے ہی فیروز کوہ نامی ایک مستحکم قلعے میں دفاعی انتظامات مکمل کر لیے۔ تاتاریوں کی بھاری جمعیت کے مقابلے میں وہ اپنی مختصر فوج کے ساتھ کھلے میدان میں نہیں لڑ سکتا تھا۔ فیروز کوہ میں مورچے بنا کر رکن الدین نے اس سیلاب کو چھ ماہ تک تیروں اور پتھروں کی زد پر روک رکھا۔ اس کی جرأت و شجاعت اور استقلال سے حملہ آوروں کے دانت کھٹے ہو گئے، مگر آخر کار کوئی بیرونی کمک نہ پہنچنے کے سبب اس کی قوت مزاحمت جواب دے



گئی۔ تاتاریوں نے قلعے پر قبضہ کر کے اسے اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ ان سب کو تاتاری لشکر کے سپہ سالار کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ انہیں حکم دیا گیا کہ سالار کی تعظیم بجالائیں اور اس کے سامنے زانو خم کریں، مگر رکن الدین کی غیرت ایمانی نے اسے گوارا نہ کیا۔ تاتاریوں نے اسے بہت ڈرایا، دھمکایا، زد و کوب کیا، مگر اس کا عزم متزلزل نہ ہوا۔ آخر کار اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔<sup>①</sup>

بنکار دند خوش رے بنجا و خوں غلطیدن خدا رحمت کند ایس عاشقانِ پاک طینت را  
رے پرتا تاتاری یلغار ..... شہزادہ رکن الدین کی شہادت کے بعد تاتاریوں کے راستے کی ایک بڑی رکاوٹ ختم ہو گئی تھی۔ اب خوارزم شاہی خانوادے کا کوئی فرد ان کے سامنے سینہ سپر نہ تھا۔ تاتاری لشکر رے کی طرف بڑھا۔ سلطنت خوارزم کے عراق سے ملحقہ اضلاع میں واقع یہ گنجان اور وسیع و عریض شہر علم دین کا صدیوں پرانا مرکز اور گہوارہ تھا۔ امام ابو بکر بھصا الرازی، شیخ عبدالقادر الرازی اور امام فخر الدین رازی جیسی نابغہ روزگار ہستیوں نے اسی شہر کی خاک سے جنم لیا تھا۔ رے پرتا تاتاریوں کا حملہ اتنا اچانک تھا کہ اہل شہر دفاع سے ناامید ہو گئے۔ اس مایوسی کے عالم میں کچھ مسلمانوں نے ایسی حماقت کی جس سے تاتاریوں کا کام بالکل آسان ہو گیا۔

تفرقہ بازی کی انتہاء اور اس کا بھیا تک انجام ..... ہوا یہ کہ ان دنوں رے میں آباد مسلمانوں میں مذہبی اختلافات اپنے عروج پر تھے۔ جب تاتاریوں کی آمد کی خبر مشہور ہوئی تو ایک گروہ کے مسلمانوں میں سے بعض نادان افراد نے اسے دوسروں سے نجات کا بہترین موقع تصور کیا اور تاتاری لشکر کا بڑھ کر استقبال کرتے ہوئے تاتاری سالاروں سوبدائی اور جی نویان سے اپنے کے لیے امان حاصل کر لی۔ ساتھ ہی انہیں ترغیب دی کہ دوسرے گروہ کو نہ چھوڑا جائے۔ اب تاتاری کسی روک ٹوک کے بغیر شہر میں گھس گئے، جب تک وہ دوسرے گروہ کے محلوں میں قتل و غارت کرتے رہے یہ غدار لوگ امن سے رہے، مگر ان کا یہ امن و امان بہت مختصر ثابت ہوا۔ وہاں سے فارغ ہوتے ہی تاتاری ان غدار مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ یہ مسلمانوں کی کتنی بڑی بد قسمتی تھی کہ اتنے شدید مصائب کے باوجود ان میں ایسے افراد موجود تھے جو اختلافات میں حد سے زیادہ تعصب برتنے کے عادی تھے۔ ایسے لوگوں کی ناسمجھی سے پھیلنے والا انتشار دشمن کو ہر محاذ پر کامیابی کی ضمانت فراہم کر رہا تھا۔

رے پر قبضہ کرنے کے بعد تاتاریوں نے حسب عادت تمام مال و دولت اور اسباب و سامان لوٹ لیا۔ عورتوں اور بچوں کی بہت بڑی تعداد کو قیدی بنانے کے بعد بقیہ آبادی کو موت کی نیند سلا دیا۔<sup>①</sup>  
امام نجم الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۵۴ھ) ”مرصاد العباد“ کے مقدمہ میں اپنے مولد کی اس تباہی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”صرف ایک شہر رے جو کہ بندہ ناپجز کا مقام پیدائش و جائے تربیت ہے، ان کافروں کے ہاتھوں اس طرح تباہ ہوا کہ اندازاً سات لاکھ سے زائد افراد شہید ہوئے یا قیدی بنائے گئے۔“<sup>②</sup>  
حاکم ہمدان کی مصالحت ..... تاتاری جب ہمدان پہنچے تو یہاں کے حاکم نے مال و دولت کے بے شمار انبار ان کے حوالے کر کے ان کی اطاعت قبول کر لی۔ تاتاری یہاں اپنا ایک منتظم مقرر کر کے آگے روانہ ہو گئے۔<sup>③</sup>  
قزوین پر حملہ ..... رے کے بعد قزوین کی باری آئی جو بحیرہ کیسپین (خزر) کے جنوب مغرب میں پہاڑوں میں گھرا

ہوا ایک چھوٹا، پُر فضا اور خوشنما شہر تھا۔ شہر والوں نے فیصل بند ہو کر کئی روز تک زبردست مقابلہ کیا، مگر بالآخر تاری غالب رہے۔ شہر بڑویشمشیر فتح ہوا۔ تاری ایک ریلے کی طرح شہر میں گھس گئے۔ شہر کے باشندے گلیوں اور بازاروں میں چھریوں اور خنجروں کے ساتھ ان سے نبرد آزار ہے اور ایک ایک کر کے شہید ہوتے رہے۔ جب تاری شہر سے نکلے تو چالیس ہزار سے زائد شہیدوں کی لاشیں ہر طرف بکھری ہوئی تھیں۔ ⑤

اردنیل کا سانحہ..... بحیرہ خزر کے مغرب میں ”اردنیل“ آبادی سے معمور ایک بڑا شہر تھا۔ تاریوں کی دہشت گردی سے یہ شہر بھی محفوظ نہ رہا۔ تاریوں کے یہاں حملے کا حال بیان کرتے ہوئے ”یا قوت حموی“ (م ۶۲۶ھ) لکھتے ہیں:

”تاری اس شہر پر حملہ آور ہوئے..... اہل شہر اور حملہ آوروں کے درمیان کئی لڑائیاں ہوئیں۔ اہلین شہر نے اپنا دفاع بڑی خوش اسلوبی سے کیا اور دوبار تاریوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا، مگر تیسرے حملے میں اہل شہر کمزور پڑ گئے اور تاریوں نے شہر پر بڑویش طاقت قبضہ کر لیا۔ وہ مسلمانوں پر پھل پڑے اور ان کا قتل عام کرنے لگے جس شخص پر ان کی نگاہ پڑ گئی اسے مار ڈالا۔ سوائے ان افراد کے جو کہیں چھپنے میں کامیاب ہو گئے تھے، کوئی زندہ نہ بچ سکا۔ تاری شہر کو بالکل تباہ کر کے وہاں سے چلے گئے۔“

سراؤ کی تباہی..... اردنیل کے بعد ”سراؤ“ بھی تاریوں کے حملے میں تباہ ہو گیا جو کہ ”اردنیل“ سے تین منازل کے فاصلے پر تھا۔ یا قوت حموی کا بیان ہے کہ تاریوں نے ۶۱۷ھ میں اسے تباہ کر دیا اور یہاں موجود تمام آبادی کو قتل کر ڈالا۔ ⑥

اہل تبریز کی تاریوں سے مصالحت..... ان شہروں میں قتل عام کے بعد تاری غارت گروں نے تبریز کا رخ کیا۔ یہاں کا حاکم ازبک مظفر الدین بن بہلوان پڑے درجے کا شہوت پرست، عیاش اور آرام پسند آدمی تھا۔ شراب نوشی اور رقص و سرود کے سوا کسی شے سے دلچسپی نہیں تھی۔ تاریوں کی آمد کی خبر سن کر وہ خود روپوش ہو گیا۔ اس کے نائب نے تاریوں کو بھاری مقدار میں مال و دولت دے کر ان سے مصالحت کر لی۔ ⑦

بیلقان کی بربادی..... تبریز کے بعد تاریوں نے بیلقان کی فیصل کے سامنے پڑاؤ ڈالا اور گفتگو کے لیے اپنا نمائندہ اہل شہر کی طرف بھیجا۔ اہل شہر نے اسے قتل کر ڈالا۔ اس پر تاریوں کا جنون غارت گری انتہائی حدود کو جا پہنچا۔ انہوں نے بڑویشمشیر شہر پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد بلا استثناء تمام اہل شہر کو موت کی نیند سلا دیا۔ نہ کسی بچے کو چھوڑا نہ بڑے کو۔ تاری بھیڑیوں نے یہاں وحشت انگیزی کی وہ مناظر دکھائے کہ دھرتی کی روح بھی کانپ اٹھی۔ ایک ایک عورت کی کھلے عام عصمت دری کی گئی اور پھر اسے قتل کر دیا گیا۔ حاملہ خواتین کے پیٹ چیر دیے گئے اور ان کے شکموں سے بچوں کو نکال کر ذبح کر دیا گیا۔ ⑧

مرامہ میں قتل عام..... بیلقان کی تباہی کے ساتھ ہی تاریوں نے مرامہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں کے باشندوں نے کئی دن تک انہیں فیصل سر کرنے سے روکے رکھا۔ تاریوں نے شہر کے ارد گرد مخفی قلعے نصب کر کے پیہم سنگ باری شروع کی۔ اس کے ساتھ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق آس پاس سے گرفتار شدہ ہزاروں قیدیوں کو اس پر مجبور کیا کہ وہ فیصل کو سرنگوں کرنے میں ان کا ساتھ دیں۔ مجبور و بے کس قیدیوں کے لیے آگے اور پیچھے موت کے سوا کچھ نہ تھا۔ تاری انہیں اگلی صفوں میں رکھ کر حملے میں خود کم سے کم جانی نقصان اٹھا رہے تھے۔ کئی دن کی جنگ کے بعد اہل مرامہ

کی ہمت جواب دے گئی۔ تاتاریوں نے شہر پر قبضے کے بعد حسب عادت تمام آبادی کو تلوار کی دھار پر رکھ لیا۔ مقتولین کی تعداد حد شمار سے باہر تھی۔ کچھ لوگ سرگوں اور تہہ خانوں میں چھپ کر بچ گئے تھے۔ تاتاریوں کو اس کی بھٹک پڑ گئی۔ انہوں نے قیدیوں پر تشدد کر کے ان سے گلی گلی یہ اعلان کرایا کہ تاتاری جا چکے ہیں، چھپے ہوئے لوگ باہر آ جائیں۔ اس اعلان کو سن کر دو پوش افراد باہر آ گئے اور تاتاریوں نے ان کے پر نچے اڑا دیے۔<sup>①</sup>

تاتاریوں کا یورپ پر حملہ..... علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے تعاقب میں جانے والی تاتاری فوج ایران کے طول و عرض میں زبردست تباہی مچاتی ہوئی بحیرہ خزر تک پہنچ گئی تھی۔ اس تباہ کن لشکر نے اس طوفانی یلغار میں کسی جگہ قیام نہیں کیا، بلکہ سیلاب کی طرح ایک سمت سے داخل ہو کر دوسری سمت سے نکل گیا۔ خوارزم شاہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ان جنگجوؤں نے ماژندران کے قلعے فتح کر کے شاہی حرم اور خزانے پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اس مہم سے فارغ ہو کر یہ فوج واپس ہونے کے بجائے اسی رفتار سے بحیرہ خزر کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف بڑھتی گئی۔ سو بدائی اور جی نویان اب بھی اس لشکر کے قائد تھے۔ گرجستان کے جنگجو قبائل کو زیر و زبر کرتے ہوئے یہ سر بلع الحمرکت لشکر بحیرہ خزر کے دوسری جانب شمال میں پہنچ گیا۔ چونکہ جی نویان اور سو بدائی کی کمان میں ان تاتاریوں نے عالم اسلام کے مغرب کی طرف پیش قدمی کی تھی، اس لیے عرب مؤرخین ان کو المغر بہ (مغربی تاتاری) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

تاتاری یورش کے پہلے سال کے اختتام پر ابن اثیر جزیری کا تبصرہ..... تاتاری یلغار شروع ہوئے پہلا سال ختم ہو رہا تھا اور وقت کا مورخ تاریخ کی اس عجیب ترین یلغار کا حال بیان کرنے کے لیے مناسب الفاظ کی تلاش میں تھا۔ علامہ ابن اثیر کا بلیغ قلم تحریر کرتا ہے:

”تاتاریوں کی یلغار کی مثال قدیم وجدید تاریخ میں ناپید ہے۔ یہ قوم چین کی سرحدوں سے نکل کر ایک سال پورا ہونے سے پہلے پہلے ایک سمت میں آرمینہ کی حدود کو عبور کر رہی ہے اور عراق میں ہمدان سے بھی آگے پیش قدمی کر رہی ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ زمانہ دراز کے بعد آنے والے لوگ جب اس حادثے کے تحریر شدہ حالات کو پڑھیں گے تو ان کو جھوٹا اور بعید از قیاس تصور کریں گے اور انہیں اس کا حق ہوگا۔ (یعنی وہ ان واقعات کو مبالغہ آرائی پر مبنی سمجھنے میں معذور ہوں گے) مگر جب وہ اسے بعید از قیاس گمان کریں تو اس تحریر پر بھی نظر ڈال لیں کہ ہم پہلے ہی اس کا خدشہ ظاہر کر چکے اور اسے لکھ چکے ہیں۔ جو لوگ بھی ہمارے دور میں تاریخ مدون کر رہے ہیں وہ اس حادثے سے بخوبی واقف ہیں۔ اس واقعے کی شہرت اس قدر ہے کہ اسے عالم اور جاہل یکساں طور پر جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں اسلام کو کوئی ایسا شخص میسر کر دے جو ان کی حفاظت اور مدافعت کرے۔ بلاشبہ مسلمانوں کو اس وقت جس دشمن سے پالا پڑا ہے وہ بہت طاقتور ہے اور انہیں جن مسلمان بادشاہوں سے واسطہ پڑا ہے ان کی توجہ اپنی شرمگاہوں اور پیٹ کی لذت کے علاوہ کسی چیز کی طرف نہیں ہے۔“<sup>②</sup>

عالم اسلام میں اتنے بڑے پیمانے پر قتل عام نے لوگوں کے حواس معطل اور حوصلے پست کر دیے تھے۔ خوف و دہشت سے ان کے اعصاب شل ہو گئے تھے اور تاتاریوں سے لڑنا ناممکن سمجھا جانے لگا تھا۔ شام کے حاکم الملک الاشرف کی مجلس میں تاتاریوں کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی، حاکم سے ان ہولناک حالات سے نمٹنے کے لیے رائے

پوچھی گئی تو اس نے مایوسانہ لہجے میں کہا:

”میں ایسی قوم کے بارے میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں جس کا کوئی فرد آج تک زندہ گرفتار نہیں ہوسکا، گھیرے میں آکر بھی وہ ہتھیار نہیں ڈالتے، لڑتے لڑتے مرجاتے ہیں یا بچ نکلتے ہیں۔“

مشہور تھا کہ ”لا یقال کم قتل من بلد کذا، وانما یقال کم بقی“

یعنی یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ تاتاریوں نے اس شہر میں کتنے افراد قتل کیے، یہ بتانا چاہیے کتنے زندہ بچے۔ مورخین کہتے تھے کہ مقتولین کی تعداد کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے، کیوں کہ لاشیں گننے والے گن گن کر جب تھک جاتے تھے تو اس سے کئی گنا زیادہ لاشیں مزید نظر آ جاتی تھیں۔<sup>(۱۱)</sup>

تاتاریوں کی تخریب کاری محض خون ریزی کی حد تک ہی نہیں تھی بلکہ وہ سچ مچ خون آشام تھے، موفق بغدادی شام گئے تو حلب میں انہیں ایک مصیبت زدہ گردیر عورت ملی جسے تاتاریوں نے اس کے شوہر اور بچے سمیت گرفتار کر لیا تھا، اس عورت نے انہیں اپنی آپ بیتی سناتے ہوئے بتایا کہ ایک تاتاری نے ہمارے سامنے ہمارے بیٹے کو ذبح کیا اور اس کا خون پی گیا۔ بعد میں وہ سو گیا تو میں نے اسے قتل کر دیا اور اپنے شوہر کے ساتھ بھاگ نکلی۔“<sup>(۱۲)</sup> لوگوں کی حالت یہ تھی کہ خوف اور بدحواسی کی وجہ سے ان کے دماغ ماؤف ہو گئے تھے، ان کے نزدیک صرف اپنی جان بچانے کے سوا انہیں کوئی اور چیز جھوٹی ہی نہیں تھی۔ موفق بغدادی لکھتے ہیں:

”مجھے واسطاً کا ایک تاجر ملا، وہ تاتاریوں سے بچ پہاڑ میں جا چھپا تھا اور کئی دنوں بعد باہر نکلا تھا، اس نے بتایا کہ زمین لاشوں سے پٹی پڑی تھی، مویشیوں کے ریوڑ اور مال و اسباب کے ڈھیر بکھرے پڑے تھے، ہم دس افراد تھے جو زندہ بچ گئے تھے۔ اگر ہماری عقلیں ٹھکانے ہوتیں تو اتنا کچھ جمع کر کے لے جاتے کہ تمام آرزویں پوری ہو جاتیں۔ مگر ہمیں اور کچھ سمجھ نہ آیا، بس ایک اونٹ پر زیادہ سے زیادہ آٹا لاد کر بھاگ نکلے۔“<sup>(۱۳)</sup>

علامہ ابن اثیر ان شہروں میں قتل عام کی دلخراش داستان لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ایک تاتاری عورت ایک گھر میں داخل ہوئی اور اہل خانہ کو یکے بعد دیگرے قتل کرتی چلی گئی۔ لوگ اسے تاتاری سپاہی سمجھ رہے تھے (اس لیے اس پر ہاتھ اٹھانے کی ہمت نہ کر سکے) آخر جب اس نے قتل کی کارروائی سے فارغ ہو کر اپنے ہتھیار اتارے تو ایک مرد نے اسے پہچان لیا (کہ یہ عورت ہے) اور اسے مار ڈالا۔“

نیز وہ لکھتے ہیں: ”ایک تاتاری سپاہی تنہا ایک گلی میں گھسا جس میں سو آدمی تھے۔ تاتاری یکے بعد دیگرے ان سب کو قتل کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ان سو میں سے ایک فرد بھی نہ بچا، کسی کو اس پر ہاتھ اٹھانے کی ہمت نہ ہو سکی۔“<sup>(۱۴)</sup>

ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے عالم اسلام کے عظیم مفکر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”تاتاری یورش عالم اسلام کے لیے ایک بلائے عظیم تھی جس سے دنیائے اسلام کی چولیس بل گئیں۔ مسلمان مہبوت و ششدر تھے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہر اس اور یاس کا عالم

طاری تھا۔ تاتاریوں کو ایک بلائے بے درماں سمجھا جاتا تھا۔ ان کا مقابلہ ناممکن اور ان کی شکست ناقابل قیاس سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ ضرب المثل کے طور پر یہ فقرہ مشہور تھا کہ: ”إِذَا قِيلَ لَكَ إِنَّ التَّارَ انْهَزَمُوا فَلَا تَصْدَقْ“، یعنی اگر تم سے کہا جائے کہ تاتاریوں کو کہیں شکست ہوئی ہے تو یقین نہ کرنا۔<sup>(۱۵)</sup>

تاتاریوں کی روس اور یورپ میں مزید پیش قدمی ..... یلغار کے دوسرے سال مغربی تاتاریوں نے شمال کی جانب مزید پیش قدمی کی اور بحیرہ خزر کے شمال میں واقع نمک بھرے میدانوں میں ”لان“ اور ”قپاق“ کے قبائل کو روند کر رکھ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے روس کی طرف یلغار کی۔ روسی حکمرانوں نے تاتاریوں کے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک عظیم متحدہ فوج ترتیب دی اور قپاق کے زخم خوردہ جنگجوؤں کو ساتھ ملا کر دریائے نیپز کے ساتھ ساتھ تاتاریوں سے ٹکرانے کے لیے آگے بڑھے۔ تاتاری حملہ آور، روسی بادشاہوں اور قپاقیوں کی اس متحدہ فوج کے سیلاب کے سامنے ایک چال کے تحت پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ نو دن تک یہ پسپائی جاری رہی۔ آخر ایک مناسب مقام پر تاتاریوں نے پلٹ کر حملہ کیا اور روسی فوج کا شیرازہ بکھیر دیا۔ اس کے بعد صحرائے گوبی کے یہ آوارہ بھیڑیے ”جنیوا“ میں داخل ہو گئے اور وہاں قتل و غارت کر کے دریائے وولگا کی طرف بڑھے، یہاں دریا کے ساحل پر آ باد ”بلغاری“ ان کی زد سے نہ بچ سکے اور تاتاریوں نے ان کو جی بھر کر پامال کیا۔

اسی دوران جی نویمان مر گیا، مگر سوبدائی کا جنون غارت گری کم نہ ہوا۔ وہ دریائے نیپز عبور کر کے ماسکو اور دیگر یورپی ممالک پر ہاتھ صاف کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔<sup>(۱۶)</sup> یورپی اقوام تاتاریوں کی تلوار سر پر دیکھ کر خوف سے کانپ رہی تھیں اور وہاں کے باشندے بھیا نک موت کو آنکھوں کے سامنے رقص کرتا محسوس کر رہے تھے۔

## حواشی و حوالہ جات

① ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۷..... جہاں کشا، ج ۲ ص ۳۰۹

② روضۃ الصفا ج ۵ ص ۳۰، ۳۱..... ابن اثیر، ج ۷ ص ۵۷۹.....

③ ابن اثیر، ج ۷ ص ۵۷۹

④ مرصاد العباد، ص ۸

⑤ ابن اثیر، ج ۷ ص ۵۸۵ اور اس کا حاشیہ

⑥ ابن اثیر، ج ۷ ص ۵۸۰

⑦ ابن اثیر، ج ۷ ص ۵۸۶

⑧ ابن اثیر، ج ۷ ص ۵۸۵

⑨ ابن اثیر، ج ۷ ص ۵۸۱

⑩ ابن اثیر، ج ۷ ص ۵۸۲

⑪ تاریخ الاسلام ذہبی، طبقہ ۶۲، حوادث سن ۶۱۷ھ

⑫ تاریخ الاسلام ذہبی، طبقہ ۶۲، حوادث سن ۶۱۷ھ

⑬ ابن اثیر، ج ۷ ص ۵۸۲

⑭ تاریخ الاسلام ذہبی، طبقہ ۶۲، حوادث سن ۶۱۷ھ

⑮ چنگیز خان باب ۱۶، ص ۱۲۳، ۱۲۵

⑯ تاریخ دعوت و عزیمت، ج ۱ ص ۳۱۵

## رخصت اے بزمِ جہاں

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ. ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو آپکڑے گی۔ (پ: ۲۸، سورۃ الجمعہ، آیت: ۸)

بچے فاتحہ کوئی آئے کیوں کوئی چار پھول چڑھائے کیوں  
کوئی آکے شمع جلائے کیوں میں وہ بیکسی کا مزار ہوں

موت کی آہٹ..... بحیرہ خزر کے اس سنان جزیرے میں شہزادہ جلال الدین اپنے والد کے ساتھ نہایت بے چینی اور اُداسی کے دن گزار رہے تھے۔ اس ویرانے کو باقی دنیا سے کوئی تعلق نہ تھا۔ باہر کیا ہو رہا ہے؟؟..... ہمارے عوام کس حال میں ہیں؟؟..... شہزادہ رکن الدین کی مدافعت اب تک برقرار ہے یا نہیں؟؟..... غیاث الدین کا کیا حال ہے؟؟..... کیا تاتاریوں کی پیش قدمی رک گئی ہے یا وہ ہندوستان کی سرحدوں تک اپنے پرچم گاڑ چکے ہیں؟؟..... بوڑھی وادی ترکان خاتون اور ان کے ساتھ خاندان کی دیگر خواتین کی عزت محفوظ ہے یا نہیں؟؟..... میری لاکھوں مسلم ماؤں بہنوں کا کون پرسانِ حال ہے؟؟.....

اس قسم کے لاتعداد سوالات انہیں پریشان کیے رکھتے تھے۔ مہینے دو مہینے میں کبھی کبھی کوئی معتمد سرکاری کارندہ ہزاروں دقتوں اور آفتوں کا سامنا کرنے کے بعد کسی طرح اس جزیرے تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا تو اس جزیرے کے پناہ گزینوں کو باہر کی کوئی خبر مل جاتی، مگر ہر نئی اطلاع پہلے سے بڑھ کر تشویش ناک ہوتی۔

دل میں اب شاہیہ حسن بہاراں بھی نہیں جانے کس دور سے پابندِ الم گزرے ہیں بیمار و مفلوک الحال علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ زندگی کے آخری دن گن رہا تھا۔ وہ کئی امراض میں مبتلا تھا، وطن کی یاد اسے مزید تڑپا رہی تھی، وہ بار بار یہ شعر پڑھتا تھا:

مردم چوں کارِ خویش سرگشتہ شود بہ زان نبود کہ برسرِ رشتہ شود

(آدمی جب اپنے کام میں حیران و پریشان ہو تو اس سے بہتر کوئی اور بات نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنی اصل پر لوٹ جائے) وہ جلال الدین اور دیگر خدام سے بار بار کہہ رہا تھا: ”مجھے جلد از جلد خوارزم لے چلو جہاں سے میری حکومت کا آغاز ہوا تھا۔“<sup>①</sup>

مگر وہ سفر کے قابل ہی کہاں تھا۔ بعض آنے جانے والوں کے ذریعے اس نے دارالحکومت اور گنج کے امراء کو مزید تاکید پیغامات بھیج دیے تھے کہ ہم پر حملہ آور دشمن غیر معمولی ہے، اس سے صلح اور اطاعت کا معاملہ کر کے جان بچائی جائے۔

شاہ کی حالت روز بروز گرتی جا رہی تھی۔ اسی عالم میں ایک دن اس پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ اسے اطلاع ملی کہ اس کی ماں، بیگمات، بیٹیاں اور دیگر شہزادیاں اس کے بدترین دشمن کے چنگل میں آ گئی ہیں۔ یہ پیغام خوارزم شاہ کے لیے موت کی آہٹ ثابت ہوا۔ شدت غم اور حسرت و قلق کی تیز آنچ نے اس کی جان کو جھلسا کر رکھ دیا اور قلب و جگر اس کی حرارت سے پکھل کر خون کے ٹوٹھڑے بن گئے۔ وہ بے حس و حرکت ہو کر بستر سے لگ گیا۔<sup>①</sup>

رخصت اے بزمِ جہاں سوئے وطن جاتا ہوں      آہ! اس آباد ویرانے سے گھبراتا ہوں میں  
بسکہ میں افسردہ دل ہوں، درخورِ محفل نہیں      تو مرے قابل نہیں ہے میں ترے قابل نہیں  
چھوڑ کر مانندِ بو، تیرا چچن جاتا ہوں میں      رخصت اے بزمِ جہاں سوئے وطن جاتا ہوں میں  
شاہ کا آخری وقت تھا۔ جلال الدین، دوسرے شہزادے، اعیانِ سلطنت اور چند خدام اس کے ارد گرد کھڑے تھے۔ چند ماہ پہلے تک گھوڑے کی پیٹھ پر دو درواز کی مسافتیں بے تکان طے کرنے والا شہ سوار گر چکا تھا۔ موت کے ہاتھ اس کی گردن پر تھے، مگر اس کی قوتِ فیصلہ ابھی باقی تھی۔ موت کو گلے لگاتے ہوئے اس نے ایک ایسا فیصلہ کیا جو اس کا آخری نیک عمل اور رسوا کن کوتاہیوں کی تلافی کی آخری کوشش تھی۔ اس نے قطب الدین کو برطرف کر کے شہزادہ جلال الدین کو اپنا جانشین بنانے کا اعلان کر دیا۔<sup>②</sup>  
اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا:

”سلطنت کے حلقے ٹوٹ چکے ہیں..... حکومت کی دیواریں کمزور ہو کر زمیں بوس ہو گئی ہیں..... دشمن کا پلہ ہماری ہو چکا ہے..... اس نے ہمارے ملک میں قدم جمالیے ہیں..... ہماری دھرتی پر دانت گاڑ لیے ہیں..... اب تاتاریوں سے میرا انتقام میرا بیٹا منکو برتی ہی لے سکتا ہے..... تو..... اب میں اسے اپنا جانشین مقرر کر رہا ہوں.....“

پھر اس نے قطب الدین اور آق سلطان کو تاکید کرتے ہوئے کہا:

”اس کی اطاعت اور اس کی تابع داری کی لڑی میں منسلک رہنا تمہاری ذمہ داری ہے“

یہ کہہ کر سلطان نے اپنی شاہی تلوار تھامی، جلال الدین کو قریب بلایا اور تلوار ان کی کمر سے باندھ دی، یہ شہزادے کی جانشینی کی علامت تھی۔ اس فیصلے کے تین دن بعد سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی روح پرواز کر گئی۔ عظمت و وجاہت کے شاندار ابواب سے گزر کر کسمپرسی اور ذلت کے عبرت انگیز مناظر دیکھنے والی آنکھیں بے نور ہو کر بند ہو گئیں۔ اس حرام نصیب بادشاہ کا انتقام اس حال میں ہوا کہ اسے وطن کی دو گز زمین میسر آئی اور نہ کفن کے لیے کپڑا۔ اسے اس کی اپنی قمیص اور غسل دینے والے ایک خادم کے عمامے میں کفن دیا گیا۔ غسل اور تکفین کے فرائض اس کے خادموں شمس الدین محمود اور مقرب الدین نے انجام دیے۔<sup>③</sup>

سوتے ہیں خاموش، آبادی کے ہنگاموں سے دور مضطرب رکھتی تھی جن کو آرزوئے ناصبور قبر کی ظلمت میں ہے ان آفتابوں کی چمک جن کے دروازوں پہ رہتا تھا جبین گستر فلک رعب فغفوری ہو دنیا میں یا شانِ قیصری ٹل نہیں سکتی غنیم موت کی یورش کبھی سلطان علاؤ الدین محمد کی موت پر علاء ابن اثیر رحمہ اللہ کا تبصرہ..... سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی موت عالمِ اسلام کے لیے ایک عظیم سانحہ تھی۔ چونکہ اس کی روپوشی کے بعد اس کے مصاحبین نے ایک مدت تک اس کی ہر خبر

کو چھپائے رکھا تھا، اس لیے اس کی موت کے کچھ عرصے بعد تک کسی کو پتہ نہ چلا کہ اس کا انجام کیا ہوا۔ اس کی گمشدگی کے بعد عالم اسلام کے ایک بڑے علاقے کا بغیر کسی حکمران کے رہ جانا اور کفار کا بغیر روک ٹوک کے وہاں خون کی ندیاں بہانا ہر صاحب دل مسلمانوں کے لیے سوہان روح تھا۔ علامہ ابن اثیر الجزری اس موقع پر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا سانحہ یہ ہوا کہ ان کا بادشاہ ”خوارزم شاہ محمد“ اس طرح غائب ہو گیا کہ کسی کو اس کی صحیح خبر معلوم نہیں۔ کبھی یہ سننے میں آ رہا ہے کہ وہ ہمدان کے قریب مر گیا اور اس کی موت کو خفیہ رکھا گیا..... ہے اور کبھی یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ فارس کے علاقے میں پہنچ کر مر گیا اور اس ڈر سے کہ تاتاری بھی اس کے پیچھے پیچھے اس سمت کا رخ نہ کر لیں وہاں اس کی موت کی خبر کو پوشیدہ ہی رکھا گیا۔ بعض لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ طبرستان کی طرف چلا گیا تھا اور سمندر (بحیرہ خزر) کا سفر کر کے ایک جزیرے میں جا کر فوت ہو گیا۔ بہر حال اتنا ضرور ہے کہ وہ ختم ہو چکا ہے۔ بعد میں بحیرہ طبرستان (بحیرہ خزر) میں اس کی موت کی خبر صحیح نکلی۔ یہ بہت بڑا حادثہ ہے۔ اب خراسان اور عراق عجم جیسے ممالک بالکل کھلے پڑے ہیں۔ نہ کوئی ان کی حفاظت کرنے والا ہے اور نہ ہی کوئی ایسا بادشاہ جو ان کی طرف سے دفاع کرے، حالانکہ دشمن شہروں میں گھستا چلا جا رہا ہے، وہ جو کچھ لینا چاہتا ہے لے رہا ہے اور جو چھوڑنا چاہتا ہے چھوڑ رہا ہے۔ یہ لوگ کسی شہر سے گزرتے ہوئے ہر بار اس کو ویران کرتے ہیں۔ اس میں لوٹ مار کرتے ہیں اور اسے تباہ و برباد کرتے جاتے ہیں۔“<sup>⑤</sup>

سیرت علاؤ الدین محمد کی حیرت انگیز تصویر..... سلطان علاؤ الدین محمد کی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو ہمیں اس حیرتناک حقیقت سے سابقہ پڑتا ہے کہ تختِ خوارزم پر اکیس برس تک راج کرنے والے اس عظیم المرتبت بادشاہ کی داستانِ حیات، عروجِ مسلسل اور ناگہانی زوال کا عجیب و غریب مرقع ہے۔ اس کی سیرت و کردار کا جائزہ لیا جائے تو اپنے دور عروج میں وہ ہمیں ایک بہادر، بلند حوصلہ، سخت جان، جفاکش اور غیور قائد محسوس ہوتا ہے، لیکن اس کے برخلاف اپنے ایامِ زوال وہ پست ہمتی، بزدلی اور پریشان خیالی کی تصویر دکھائی دیتا ہے۔ سیرت و کردار کا یہ انقلاب حد درجے تعجب خیز بھی ہے اور باعثِ عبرت بھی۔

اپنے عروج کے دنوں میں اس کی کیفیت یہ تھی کہ وہ ہمہ وقت گھوڑے کی پشت پر شمشیر بکف ہو کر طویل سے طویل تر مسافتیں طے کرتا نظر آتا تھا۔ فوجی خدمات بذاتِ خود یوں انجام دیتا جیسا کہ ایک عام سپاہی ہو۔ اپنے ساتھیوں کی خدمت کرتا۔ ان کو سلا کر ان کے سروں پر پہرا دیتا۔<sup>⑥</sup> وہ دشمن کے علاقے میں گھس جاتا اور گھوم پھر کر جاسوسی کر کے واپس آ جاتا۔ دو مرتبہ وہ گرفتار بھی ہوا، لیکن خوش قسمتی سے بچ کر نکل آیا۔

ایک بار وہ اپنے تین رفقاء کے ساتھ بھیس بدل کر ترکانِ خطا کے علاقے میں داخل ہو گیا، تاکہ بذاتِ خود ان کے حالات کا جائزہ لے سکے۔<sup>⑦</sup> دشمنوں نے انہیں اجنبی محسوس کر کے گرفتار کر لیا اور ان سے ان کی آمد کا مقصد اگلوانے کے لیے ان پر تشدد شروع کر دیا۔ خوارزم شاہ کے دوست اسی زد و کوب میں جاں بحق ہو گئے، مگر انہوں نے زبان نہ کھولی۔ خود خوارزم شاہ اور اس کے تیسرے ساتھی کو دشمنوں نے باندھ کر قید کر دیا۔ خوش قسمتی سے ایک رات



خوارزم شاہ اور اس کا یہ ساتھی موقع پا کر کسی تدبیر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور صبح سلامت اپنے ملک واپس آ گئے۔<sup>(۸)</sup>

خوارزم شاہ کی گرفتاری کا دوسرا واقعہ آپ اس کتاب کے باب دوم میں پڑھ چکے ہیں۔ ایک بغدادی تاجر کی زبان سے خوارزم شاہ کی مدح..... شام کے حکام کو علاؤ الدین محمد کی فتوحات سے اندیشہ ہوا تو ان کی راتوں کی نیند اڑ گئی۔ اس وقت ملک الظاہر غازی کے استفسار پر اس کے سامنے ایک بغدادی تاجر نے سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی صفات یوں بیان کیں:

”وہ کم وبیش چار چار دن مسلسل گھوڑے کی پشت پر رہتا ہے، نیچے نہیں اُترتا۔ ایک گھوڑے کے تھکنے پر دوسرے پر سوار ہو جاتا ہے۔ اس محنت شاقہ سے وہ گھوڑوں کو چھریا بنا دیتا ہے اور شہروں کو طے کرتا جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بذات خود مطلوبہ شہر تک تھوڑے سے آدمی لے کر پہنچ جاتا ہے اور اچانک حملہ کر دیتا ہے۔ صبح دم اس کے پیچھے دس ہزار سپاہی اور شام کو بیس ہزار سپاہی مدد کے لیے پہنچ جاتے ہیں، مگر بار بار ایسا ہوتا ہے کہ مدد آنے سے پہلے ہی وہ (اپنے مختصر سے گروہ سے) شہر فتح کر چکتا ہے اور بار بار ایسا ہوتا ہے کہ وہ محاذ پر یکے بعد دیگرے فوجیں روانہ کرتا ہے اور آخر میں جب وہ خود پہنچتا ہے تو دیکھتا ہے کہ پہلی فوج ہی سارا کام نمٹا چکی ہے۔ بعض اوقات وہ سو سے بھی کم آدمی لے کر شہر پر اچانک (چھاپہ مار) حملہ کرتا ہے اور فتح پالیتا ہے۔ بعض اوقات وہ مقبوضہ شہر کے حاکم کو قتل کر دیتا ہے یا قید میں ڈال دیتا ہے جس سے دشمن کی مرکزیت ختم ہو کر ان کی جمعیت پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ اس کی سادگی کا یہ عالم ہے کہ اس کے گھوڑے کی زین اور لگام کی قیمت ایک دانق بھی نہیں اور اس کا اپنا لباس دودانق سے بھی کم قیمت کا ہوتا ہے۔ ایک بار ایک چھاپہ مار کاروائی کے لیے جاتے ہوئے رات کے آخری پہر اس نے اپنے ساتھیوں کو روکنے کا کہا۔ یہ کل ستر گھڑ سوار تھے۔ اس نے سب کو سو جانے کا حکم دیا اور خود ان کے گھوڑوں کو ہانکتا ہوا ایک کنوئیں پر لے گیا اور پانی نکال کر ان کو سیراب کرتا رہا۔ جب اسے اندازہ ہوا کہ سپاہی بقدر ضرورت نیند کر چکے ہیں تو چند سپاہیوں کو جگا کر انہیں پہرے پر لگادیا اور خود تھوڑی دیر کے لیے سو گیا۔ پھر یکدم اُٹھ بیٹھا اور اس کے ساتھی بھی اُٹھ کھڑے ہوئے گویا کہ وہ سب بھوت ہوں۔ پھر شہر پر حملہ آور ہوئے اور (قبضہ کر کے) حاکم شہر کو قتل کر دیا۔“<sup>(۹)</sup>

اس دور میں سلطان علاؤ الدین محمد کی حیثیت..... اپنے دور عروج میں سلطان محمد خوارزم شاہ کس حیثیت کا مالک بن چکا تھا، ایک مغربی مؤرخ کی زبانی سنئے۔ ہیرلڈ لیمب لکھتا ہے:

”دنیا نے اسلام کے قلب میں اس وقت علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ امیر جنگ کی حیثیت سے متمکن تھا۔ اس کی سلطنت ہندوستان سے لے کر بغداد تک، بحیرہ خوارزم (بحیرہ آراں) سے خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی۔ سلجوقی ترکوں کے سوا جنہوں نے صلیبی بحاربین کے مقابلے میں فتوحات حاصل کی تھیں اور مصر کے مملوک سلاطین کے علاوہ جو روز افزوں ترقی پر تھے، باقی جس قدر اسلامی سلطنتیں تھیں ان سب پر محمد خوارزم شاہ بالکل چھایا ہوا تھا۔ سلطان محمد ہی رتبہ میں شہنشاہ تھا۔ عباسی خلیفہ ناصر اس سے ناراض تھا، مگر اس کی قوت کو مانتا تھا۔“<sup>(۱۰)</sup>

مؤرخ ابوالفداء کا کہنا ہے:

”خوارزم شاہ کا آستانہ دنیا بھر کے شاہی خانوادوں کے اعیان سے کچا کچھ بھرا رہتا تھا۔ اس کے حاشیہ بردار، طشدار، سلاحدار، رکابدار سب کے سب مختلف شاہی خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور اس کا دسترخوان بڑا وسیع و عریض تھا۔“<sup>(۱۱)</sup>

شہاب الدین النسوی، مؤلف سیرۃ سلطان جلال الدین مکرمتی کا بیان ہے:

”اس نے گزشتہ بادشاہوں سے چلی آنے والی نماز کے اوقاتِ خمسہ میں نقارے بجانے کی رسم اپنی دہلیز سے ختم کر کے ان شہزادوں کے لیے جاری کردی جو اس کی نیابت میں مختلف صوبوں میں حکومت کر رہے تھے کہ ان کی دہلیزوں پر یہ رسم ادا کی جاتی رہے۔ اپنے لیے اس نے ”نوبت سکندری“ رائج کی جو طلوع آفتاب اور غروب کے وقت بجائی جاتی ہے۔ یہ ستائیس بڑے بڑے نقارے تھے جو سونے سے تیار کیے گئے تھے۔ ان پر نادر جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس رسم کی ابتداء کے دن ستائیس بادشاہوں یا سلاطین کی اولاد (یعنی شاہی خانوادوں کے اعیان) کو جمع کر کے یہ نقارے بجوائے گئے تاکہ خوب چرچا ہو۔ ان میں سے طغرل بن ارسلان سلجوقی، اولادِ سلطان غیاث الدین غوری، ملک علاؤ الدین شاہ بامیان، ملک تاج الدین حاکم بلخ، اس کا بیٹا ملک اعظم حاکم ترمذ اور ملک سنجر حاکم بخارا کے نام قابل ذکر ہیں۔“<sup>(۱۲)</sup>

اس کا لشکر، پڑاؤ اور خیم گاہ بڑی شان و شوکت کے مظہر ہوا کرتے تھے، مگر وہ خود نہایت سادہ بود و باش رکھتا تھا۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ اس سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وہ ایک سادہ سے تخت پر بیٹھا تھا، بخارا کا کرتا پہنے ہوئے تھا جس کی قیمت پانچ درہم سے زیادہ نہیں تھی، سر پر چڑے کا ایک پارچہ اوڑھا ہوا تھا جو ایک درہم کا ہوگا۔“<sup>(۱۳)</sup>

مر کے بھی چین نہ پایا تو!..... محمد خوارزم شاہ کی شان و شوکت اور عظمت و رفعت کے ان نقوش کے ساتھ اس کے انجامِ حسرتاں کا نظارہ تو آپ کر چکے مگر انتہاء یہ ہے کہ خوارزم شاہ کی لاش کو مرنے کے بعد بھی چین نہ ملا۔ اس کے جانشین جلال الدین نے تخت سنبھالنے کے بعد کچھ امراء کو بھیج کر جزیرہ آب سکون کے ویرانے سے باپ کی نعش نکلوائی اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ رے سے ۴۸ میل دور واقع اردھان کے قلعے میں امانتاً دفن کرا دی تاکہ بعد میں اصفہان میں ایک شاندار مقبرہ تعمیر کرا کے اسے وہاں منتقل کر دیا جائے۔<sup>(۱۴)</sup>

مگر سچ تو یہ ہے کہ اس گمنام جزیرے میں خوارزم شاہ کا دفن رہنا ہی بہتر تھا، کیوں کہ کئی سال بعد تاتاریوں نے قلعہ اردھان پر قبضہ کر لیا اور اپنے دشمن کی قبر کو کھود کر اس کی ہڈیاں برآمد کر لیں، جو چنگیز خان کے جانشین اوکتائی خان کی خدمت میں پیش کی گئیں، اوکتائی نے انہیں جلا کر رکھ کر ڈالا۔<sup>(۱۵)</sup>

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے مذہبی رجحانات و جذبات..... علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی سیرت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وہ ایک عالم فاضل انسان تھا۔ فقہ، اصول فقہ اور دوسرے علوم سے خوب واقف تھا۔ علماء کرام کا

اکرام کرتا تھا۔ ان سے محبت اور احسان کا برتاؤ رکھتا تھا۔ ان کی مجالس بکثرت منعقد کراتا اور ان کی علمی بحثوں میں حاضر رہتا۔ وہ تھکاوٹ اور مسلسل سفروں کا عادی بن چکا تھا۔ عیش و عشرت سے احتراز کرنے والا تھا۔ لذات سے کنارہ کش تھا۔ اس کی فکر مملکت کے انتظام اس کی نگرانی اور رعایا کی حفاظت سے وابستہ تھی۔ وہ دین داروں کی بڑی تعظیم کرتا، ان کی طرف متوجہ رہتا اور ان کی برکات حاصل کرنے کا مشتاق رہتا۔“ (اکال لابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۸)

نیز علّامہ فرماتے ہیں:

”مجھ سے روضہ نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ و التسلیم) کے ایک خادم نے یہ قصہ بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ خوارزم گیا۔ شہر میں پڑاؤ ڈالنے اور غسل کر کے تیار ہونے کے بعد میں سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ کے دروازے پر حاضر ہوا۔ ایک شخص نے مجھ سے پوچھ گچھ کی کہ تم کس ضرورت سے آئے ہو؟ میں نے کہا: ”میں روضۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہوں۔“ اس کارندے نے مجھے بٹھایا اور چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ لوٹا اور مجھے شاہی محل میں لے گیا، جہاں سلطان کے حاحب نے مجھے سلام کیا اور کہا: ”سلطان عالی مقام کو میں نے آپ کی آمد کی خبر دے دی ہے، وہ آپ کو بلارہے ہیں۔“ میں سلطان کے ”ایوان کبیر“ میں داخل ہوا تو ابھی میں صحن ہی میں تھا کہ سلطان مجھے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور خود چل کر میری طرف آیا۔ یہ دیکھ کر میں نے بھی تیز قدم اٹھائے۔ صحن کے درمیان ہم باہم مل گئے۔ میں نے دست بوسی کی کوشش کی، سلطان نے مجھے روک دیا اور گلے سے لگا لیا۔ پھر مجھے اپنے ساتھ نشست پر بٹھالیا اور کہنے لگا: ”تم روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گاری کرتے ہو؟“ میں نے کہا: ”جی ہاں!“ سلطان نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرط عقیدت سے اپنے چہرے پر پھیر لیا۔ پھر دیر تک مجھ سے محو گفتگو رہا۔ ہمارے حالات، ہمارے رہن سہن کے طریقے، شہر مدینہ کی کیفیت اور دیگر صفات کرید کرید کر پوچھتا رہا۔ جب میں واپس ہونے لگا تو سلطان نے کہا: ”اگر مجھے اسی گھڑی سفر درپیش نہ ہوتا تو تمہیں اتنی جلدی نہ جانے دیتا، ہم دیر یا بے حیجوں عبور کر کے ترکان خطا سے جہاد کے لیے جانے کا عزم رکھتے ہیں۔ اس سفر کی ابتداء ہی میں خادم روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جانا اس سفر کے کامیاب ہونے کی دلیل ہے۔“ اس کے بعد مجھے بڑی مقدار میں زاوراہ دے کر رخصت کیا۔“

علّامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ ”غرض یہ کہ اس میں وہ سب فضائل جمع تھے جو دیگر سلاطین عالم میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں، اگر ہم مستقلاً اس کے مناقب بیان کرتے تو ان کا تذکرہ بڑا طویل ہوتا۔“ (اکال لابن اثیر، ج ۷، ص ۵۸۹)

موفق بغدادی کے تاثرات ..... موفق عبداللطیف بغدادی لکھتے ہیں:

”سلطان نکش کا بیٹا محمد (خوارزم شاہ) دلیر، ذہین، غارت گر، جملہ آور، جبین سعادت سے آراستہ اور غازی تھا۔ مسلسل سفر میں رہتا تھا۔ طویل ترین مسافتیں اتنے کم وقت میں طے کر لیتا کہ دشمن اس سے کئی گنا زیادہ وقت میں بھی اسے طے کرنے کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اچانک حملہ کرنے اور اچانک قتل کر ڈالنے کا عادی تھا۔ وعدہ خلاف تھا۔ سب سے پہلے اپنے بھائی سے غداری کی (کہ اسے قتل

کروادیا) بھائی کا سر جب اس کے سامنے لایا گیا تو وہ کھانے میں مشغول تھا، اس نے اس کی ذرا بھی پروا نہ کی۔ وہ بہت کم سوتا، زیادہ جاگتا۔ بہت تکان برداشت کرتا، آرام کم کرتا۔ لشکر کشی میں اپنے ساتھیوں کی خدمت کرتا۔ وہ ان کو سلا کر ان کے سروں پر پہرہ دیتا۔ اس کے کپڑے اور گھوڑے کے سامان کی قیمت ایک دینار بھی نہیں ہوتی تھی۔ مشقت میں لذت پاتا اور تھکن میں آرام محسوس کرتا۔ بکثرت نعمت حاصل کرتا اور اسے بہت جلد تقسیم کر دیتا۔ علماء سے مجالست رکھتا تھا، بادشاہت سے قبل امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا شاگرد رہ چکا تھا۔ چنانچہ بادشاہ بن کر اس نے امام رازی رحمہ اللہ کی بڑی رعایت کی اور ان کو دنیوی لحاظ سے خوب وسعت دی، لیکن (ان تمام خوبیوں کے باوجود) اس بادشاہ کی رائے کو عجب، غرور اور سلامتی کے یقین نے خراب کر دیا جس کے باعث وہ اپنی رائے پر اصرار اور عواقب سے تغافل کرنے لگا۔ دشمنوں کو حقیر سمجھنے لگا اور حوادث زمانہ کو بھول گیا۔ اسی عجب کی بناء پر وہ یوں کہا کرتا تھا:

”محمد (یعنی خوارزم شاہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کی نصرت و امداد کر رہا ہے۔“<sup>(۱۱)</sup>

نیز موفق بغدادی تحریر کرتے ہیں:

”محمد خوارزم شاہ یہ طے کر چکا تھا کہ وہ تغلیس پر قبضہ کر لے، اسے اپنا پایہ تخت بنا کر وہاں سے روم، ارمن، قفقاز اور عرب و عجم کے تمام ممالک پر حکومت کرے، لیکن اس نے اپنی بد تدبیری سے سارے معاملات بگاڑ لیے اور قبل از وقت حرکت اور نفس کی شدت حرص سے خود کو ہلاک کر ڈالا۔ وہ سکندر کے مشابہ بننا چاہتا تھا، مگر وہ کہاں اور یہ کہاں.....!!! اس نے شام اور مصر پر قبضے کا لالچ کیا اور اس کا نفس تمام روئے زمین پر قابض ہونے کا آرزو مند تھا اور فی الواقع یہ اس کے لیے کچھ مشکل بھی نہ تھا، اگر اسے حسن تدبیر، اصابت رائے، ہوشیاری اور عدل کی توفیق ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ اس کی یہ آرزو بھی اس کے لیے آسان فرمادیتا۔“<sup>(۱۲)</sup>

خوارزم شاہ کی عمر..... یہاں ایک خاص وضاحت ضروری ہے کہ تاریخ میں خوارزم شاہی حکمرانوں کی پیدائش کا سرے سے کوئی ریکارڈ نہیں ملتا، شاید ان کے ہاں تاریخ پیدائش محفوظ کرنے کا رواج نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ہم یقینی طور پر علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی عمر معلوم کر سکتے ہیں نہ اس کے نامور بیٹے جلال الدین کی۔ البتہ ہمیں ایک ثبوت ایسا ملتا ہے جو بتاتا ہے کہ علاؤ الدین محمد وفات کے وقت تک بڑھاپے کی عمر کو نہیں پہنچا تھا۔ یہ بیان نامور صوفی بزرگ شیخ شہاب الدین سہروردی کا ہے جو ۶۱۵ھ میں سیر بن کر خوارزم شاہ سے ملے تھے۔ ان کا بیان ہے: دخلنا علیہ وهو شاب ”ہم خوارزم شاہ سے ملے، دیکھا کہ وہ ایک جوان آدمی ہے۔“<sup>(۱۳)</sup>

اس ملاقات کے تین سال بعد خوارزم شاہ کا انتقال ہو گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علاؤ الدین محمد وفات کے وقت زیادہ سے زیادہ ادھیڑ عمر ہوگا، اور اس کی عمر تقریباً چالیس، پینتالیس سال ہوگی۔ اسی سے یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے باپ کی وفات کے وقت شہزادہ جلال الدین کی عمر بھی بیس پچیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔

اس کے حالات کی متفرق جھلکیاں..... سلطان علاؤ الدین محمد تاجروں کو اپنے پاس بلا کر ان سے معلومات لیا کرتا تھا۔ دور دراز کے ممالک کے حالات کی تفتیش میں وہ بڑی دلچسپی لیتا تھا۔<sup>(۱۴)</sup>

•..... اس کے دربار میں علماء کی بڑی قدر دانی کی جاتی تھی، اس لیے اس کا دربار یگانہ روزگار اہل علم و فضل سے بھر پور تھا۔ ناصر المظفر رزی (۱۰۶۱ھ) شہاب الدین خیونی، علامہ سکا کی اور امام فخر الدین رازی جیسے جہاں علوم اس کے ایوان کو رونق بخشتے تھے۔

•..... خوارزم شاہ کو علم نجوم سے بھی دلچسپی تھی۔ اس کی فرمائش پر امام رازی رحمہ اللہ نے اس کے لیے اختیارات نجومیہ پر فارسی زبان میں ایک مختصر رسالہ ”الاحکام العلانیۃ فی الاعلام السماویۃ“ تحریر کیا تھا۔ سلطان کو شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ شاہ پورنیشاپوری، ذوالفقار شروانی، ابوالی بن حسین مروزی، مجد الدین محمد نسوی اور کمال الدین اسماعیل جیسے شعراء اس کے دربار کی زینت تھے۔ اسے بذات خود بھی شعر گوئی کا ملکہ حاصل تھا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل رباعی اسی کی ہے:

بہند چو فلک نمائش قوت و تاب اندر کف میں تنج چو یک قطرہ آب  
(جب آسمان نے میرے ہاتھ میں تلوار کو ایک قطرہ پانی کی مانند دیکھا تو اس کی قوت اور تاب ضبط جاتی رہی۔)  
دستم چو سحاب آمدہ ویں طرفہ کہ دید ابرے کہ بیک قطرہ جہاں کرد خراب  
(میرا ہاتھ بادل کی مانند ہے اور یہ عجیب نظارہ کس نے دیکھا ہوگا کہ ایک بادل نے ایک قطرہ برساکر دنیا کو برباد کر دیا ہو۔) ⑤

علاء الدین محمد خوارزم شاہ کی شکست کے اسباب..... تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اس بات پر حیران ہوئے بغیر نہیں رہتا کہ علاء الدین محمد خوارزم شاہ اس قدر جنگی وسائل اور عسکری قوت کا مالک ہونے کے باوجود کسی بھی مقام پر ڈٹ کر تاتاریوں سے مقابلہ نہ کر سکا۔ اس کے ذہن میں یہ سوال جنم لیتا ہے کہ آخر وہ کون سے اسباب تھے جن کے باعث عالم اسلام کا یہ سب سے طاقتور حکمران چند ماہ بھی دشمن کے سامنے نہ ٹک سکا؟

کتب تواریخ کی ورق گردانی کے بعد اس کی جو ممکنہ وجوہات سامنے آسکی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

1..... علاء الدین خوارزم شاہ ابتداء تاتاریوں کو ایک کمزور حریف تصور کرتا تھا، مگر جب پہلی لڑائی میں اس کی توقع کے بالکل برعکس خوارزمی افواج نے سخت ترین نقصانات اٹھائے تو یہ سانحہ خوارزم شاہ کے اعصاب کے لیے بڑا مضرت ثابت ہوا اور تاتاری تلواروں کی کاٹ کا خوف اس کے دل و دماغ پر چھا گیا۔ یہی خوف ہر معرکے میں اسے جارحانہ انداز اختیار کرنے کے بجائے پسپائی پر مجبور کرتا رہا۔

2..... خوارزم شاہ قدرے وہمی تھا۔ بغداد پر حملے میں سخت بر فباری کے باعث اسے ناکامی ہوئی تو عوام میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ شاہ کا ستارہ اقبال گردش میں آچکا ہے، ممکن ہے کہ خوارزم شاہ بھی اس افواہ سے کسی قدر متاثر ہوا ہو۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اس نے علامہ سکا کی کو خلیفہ ناصر کے خلاف ایک ”انوکھی ہم“ کی انجام دہی کے لیے روانہ کیا۔ علامہ صاحب نے بغداد جا کر ایک پتلا زمین میں گاڑ دیا۔ شاہ کو یقین دلایا گیا کہ اس عمل سے خلیفہ تباہ ہو جائے گا۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ خلیفہ کی ہلاکت کے بجائے خود خوارزم پر تاتاریوں کے حملے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ عوام میں چرچا ہو گیا کہ خوارزم شاہ نے علامہ سکا کی سے خلیفہ کے خلاف جو عمل کروایا تھا وہ الٹ ہو گیا ہے اور اس کے اثرات تاتاری حملے کی صورت میں سامنے آ رہے ہیں۔ مذکورہ افواہ سے شاہ نے تھوڑا بہت اثر لیا ہوگا، پھر بھی تاتاریوں سے

کر وادیا) بھائی کا سرجب اس کے سامنے لایا گیا تو وہ کھانے میں مشغول تھا، اس نے اس کی ذرا بھی پروا نہ کی۔ وہ بہت کم سوتا، زیادہ جاگتا۔ بہت تکان برداشت کرتا، آرام کم کرتا۔ لشکر کشی میں اپنے ساتھیوں کی خدمت کرتا۔ وہ ان کو سلا کر ان کے سروں پر پہرہ دیتا۔ اس کے کپڑے اور گھوڑے کے سامان کی قیمت ایک دینار بھی نہیں ہوتی تھی۔ مشقت میں لذت پاتا اور تھکن میں آرام محسوس کرتا۔ بکثرت غنیمت حاصل کرتا اور اسے بہت جلد تقسیم کر دیتا۔ علماء سے مجالست رکھتا تھا، بادشاہت سے قبل امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا شاگرد رہ چکا تھا۔ چنانچہ بادشاہ بن کر اس نے امام رازی رحمہ اللہ کی بڑی رعایت کی اور ان کو دنیوی لحاظ سے خوب وسعت دی، لیکن (ان تمام خوبیوں کے باوجود) اس بادشاہ کی رائے کو عجب، غرور اور سلامتی کے یقین نے خراب کر دیا جس کے باعث وہ اپنی رائے پر اصرار اور عواقب سے تغافل کرنے لگا۔ دشمنوں کو حقیر سمجھنے لگا اور حادثہ زمانہ کو بھول گیا۔ اسی عجب کی بناء پر وہ یوں کہا کرتا تھا:

”محمد (یعنی خوارزم شاہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کی نصرت و امداد کر رہا ہے۔“ (۱۶)

نیز موفق بخدادی تحریر کرتے ہیں:

”محمد خوارزم شاہ یہ طے کر چکا تھا کہ وہ تغلیس پر قبضہ کر لے، اسے اپنا پایہ تخت بنا کر وہاں سے روم، ارمن، قفقاز اور عرب و عجم کے تمام ممالک پر حکومت کرے، لیکن اس نے اپنی بد تدبیری سے سارے معاملات بگاڑ لیے اور قبل از وقت حرکت اور نفس کی شدت حرص سے خود کو ہلاک کر ڈالا۔ وہ سکندر کے مشابہ بننا چاہتا تھا، مگر وہ کہاں اور یہ کہاں.....!!! اس نے شام اور مصر پر قبضے کا لالچ کیا اور اس کا نفس تمام روئے زمین پر قابض ہونے کا آرزو مند تھا اور فی الواقع یہ اس کے لیے کچھ مشکل بھی نہ تھا، اگر اسے حسن تدبیر، اصابت رائے، ہوشیاری اور عدل کی توفیق ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ اس کی یہ آرزو بھی اس کے لیے آسان فرما دیتا۔“ (۱۷)

خوارزم شاہ کی عمر..... یہاں ایک خاص وضاحت ضروری ہے کہ تاریخ میں خوارزم شاہی حکمرانوں کی پیدائش کا سرے سے کوئی ریکارڈ نہیں ملتا، شاید ان کے ہاں تاریخ پیدائش محفوظ کرنے کا رواج نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ہم یقینی طور پر علاء الدین محمد خوارزم شاہ کی عمر معلوم کر سکتے ہیں نہ اس کے نامور بیٹے جلال الدین کی۔ البتہ ہمیں ایک ثبوت ایسا ملتا ہے جو بتاتا ہے کہ علاء الدین محمد وفات کے وقت تک بڑھاپے کی عمر کو نہیں پہنچا تھا۔ یہ بیان نامور صوفی بزرگ شیخ شہاب الدین سہروردی کا ہے جو ۶۱۵ھ میں سفر بن کر خوارزم شاہ سے ملے تھے۔ ان کا بیان ہے: دخلنا علیہ وهو شاب ”ہم خوارزم شاہ سے ملے، دیکھا کہ وہ ایک جوان آدمی ہے۔“ (۱۸)

اس ملاقات کے تین سال بعد خوارزم شاہ کا انتقال ہو گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدین محمد وفات کے وقت زیادہ سے زیادہ ادھیڑ عمر ہوگا، اور اس کی عمر تقریباً چالیس، پینتالیس سال ہوگی۔ اسی سے یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے باپ کی وفات کے وقت شہزادہ جلال الدین کی عمر بھی بیس پچیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اس کے حالات کی متفرق جھلکیاں..... سلطان علاء الدین محمد تاجروں کو اپنے پاس بلا کر ان سے معلومات لیا کرتا تھا۔ دور دراز کے ممالک کے حالات کی تفتیش میں وہ بڑی دلچسپی لیتا تھا۔“ (۱۹)

•..... اس کے دربار میں علماء کی بڑی قدر دانی کی جاتی تھی، اس لیے اس کا دربار پرانے روزگار میں علم و فضل سے بھرپور تھا۔ ناصر المظفر رزی (۶۱۰ھ) شہاب الدین خیونی، علامہ سکا کی اور امام فخر الدین رازی جیسے جہاں علوم اس کے ایوان کو رونق بخشتے تھے۔

•..... خوارزم شاہ کو علم نجوم سے بھی دلچسپی تھی۔ اس کی فرمائش پر امام رازی رحمہ اللہ نے اس کے لیے اختیارات نجومیہ پر فارسی زبان میں ایک مختصر رسالہ ”الاحکام العلانیہ فی الاعلام السماویہ“ تحریر کیا تھا۔

سلطان کو شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ شاہ پورنیشاپوری، ذوالفقار شروانی، ابوبلی بن حسین مروزی، مجد الدین محمد نسوی اور کمال الدین اسماعیل جیسے شعراء اس کے دربار کی زینت تھے۔ اسے بذات خود بھی شعر گوئی کا ملکہ حاصل تھا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل رباعی اسی کی ہے:

بند چو فلک نمائش قوت و تاب اندر کعب میں تیغ چو یک قطرہ آب  
(جب آسمان نے میرے ہاتھ میں تلوار کو ایک قطرہ پانی کی مانند دیکھا تو اس کی قوت اور تاب ضبط جاتی رہی۔)  
دستم چو سحاب آمدہ و یں طرفہ کہ دید ابرے کہ بیک قطرہ جہاں کرد خراب  
(میرا ہاتھ بادل کی مانند ہے اور یہ عجیب نظارہ کس نے دیکھا ہوگا کہ ایک بادل نے ایک قطرہ برسا کر دنیا کو برباد کر دیا ہو۔) ⑩

علاء الدین محمد خوارزم شاہ کی شکست کے اسباب ..... تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اس بات پر حیران ہوئے بغیر نہیں رہتا کہ علاء الدین محمد خوارزم شاہ اس قدر جنگی وسائل اور عسکری قوت کا مالک ہونے کے باوجود کسی بھی مقام پر ڈٹ کر تاتاریوں سے مقابلہ نہ کر سکا۔ اس کے ذہن میں یہ سوال جنم لیتا ہے کہ آخر وہ کون سے اسباب تھے جن کے باعث عالم اسلام کا یہ سب سے طاقتور حکمران چند ماہ بھی دشمن کے سامنے نہ ٹک سکا؟

کتب تواریخ کی ورق گردانی کے بعد اس کی جو ممکنہ وجوہات سامنے آسکی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

⑪..... علاء الدین خوارزم شاہ ابتدائے تاریخوں کو ایک کمزور حریف تصور کرتا تھا، مگر جب پہلی لڑائی میں اس کی توقع کے بالکل برعکس خوارزمی افواج نے سخت ترین نقصانات اٹھائے تو یہ سانحہ خوارزم شاہ کے اعصاب کے لیے بڑا مضرت ثابت ہوا اور تاتاری تلواروں کی کاٹ کا خوف اس کے دل و دماغ پر چھا گیا۔ یہی خوف ہر معرکے میں اسے جارحانہ انداز اختیار کرنے کے بجائے پسپائی پر مجبور کرتا رہا۔

⑫..... خوارزم شاہ قدرے وہمی تھا۔ بغداد پر حملے میں سخت بربطاری کے باعث اسے ناکامی ہوئی تو عوام میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ شاہ کا ستارہ اقبال گردش میں آچکا ہے، ممکن ہے کہ خوارزم شاہ بھی اس افواہ سے کسی قدر متاثر ہوا ہو۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اس نے علامہ سکا کی کو خلیفہ ناصر کے خلاف ایک ”ٹوکھی مہم“ کی انجام دہی کے لیے روانہ کیا۔ علامہ صاحب نے بغداد جا کر ایک پتاز زمین میں گاڑ دیا۔ شاہ کو یقین دلا یا گیا کہ اس عمل سے خلیفہ تباہ ہو جائے گا۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ خلیفہ کی ہلاکت کے بجائے خود خوارزم پر تاتاریوں کے حملے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ عوام میں چرچا ہو گیا کہ خوارزم شاہ نے علامہ سکا کی سے خلیفہ کے خلاف جو عمل کروایا تھا وہ الٹ ہو گیا ہے اور اس کے اثرات تاتاری حملے کی صورت میں سامنے آرہے ہیں۔ مذکورہ افواہ سے شاہ نے تھوڑا بہت اثر لیا ہوگا، پھر بھی تاتاریوں سے

پہلی جھڑپ سے قبل وہ اپنی فتح کے متعلق پُر امید تھا۔ پہلی شکست کے بعد سابقہ افواہیں اس کے شکست سے متاثر و ماغ و مزید پریشان کرنے لگیں۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ درباری نجومیوں نے اس کے شکوک کو یقینی بنانے کے لیے یہ کہہ دیا کہ حضور والا کا ستارہ گردش میں ہے اور کچھ عرصے تک وہ گردش ہی میں رہے گا، مناسب ہوگا کہ عالم پناہ اتنے عرصے دشمن کے مقابلے سے پہلو بچائے رکھیں۔<sup>(۱۱)</sup>

نجومیوں کی اس فضول گوئی کو شاہ نے گویا آسانی و جی کا درجہ دیتے ہوئے دل پر نقش کر لیا اور ہر میدان سے پیچھے ہٹ کر دشمن کو لقمہ تر مہیا کرنے کے بعد اس کی یہ سوچ ترقی کرتی رہی کہ ”نجمی سچ کہتے ہیں، میرا ستارہ گردش میں ہے۔“  
**۱۲**..... خوارزم شاہ میں ماتحتوں سے ان کی صلاحیت کے مطابق کام لینے کا ہنر نہ تھا۔ تین چار لاکھ پیشہ ور سپاہیوں کے ساتھ شہزادہ جلال الدین اور تیمور ملک جیسے سالار ہر میدان میں تاتاریوں کو شکست دینے کی صلاحیت رکھتے تھے، مگر خوارزم شاہ نے بخارا اور سمرقند جیسے محاذوں پر بھی ان سے کام نہیں لیا۔<sup>(۱۲)</sup>

**۱۳**..... تاتاریوں کے ہمہ گیر سیلاب کو روکنے کے لیے وسیع منصوبہ بندی درکار تھی، مگر خوارزم شاہ نے سرسری انتظام کافی سمجھا۔

**۱۴**..... اس میں خود رائی کا مرض حد درجے سرایت کر گیا تھا، اس لیے پامیر، بخارا اور سمرقند جیسے تمام محاذوں پر سرداران لشکر کے مشوروں کو قبول نہ کرتے ہوئے اپنی سوچ کے مطابق عمل کیا اور سخت نقصان اٹھایا۔ خاص کر فوج کی تقسیم و ترتیب اس کا وہ غیر معقول اقدام تھا جس نے ہر محاذ پر اس کی شکست مقدر کر دی۔ تمام تاریخ نویسوں نے خوارزم شاہ کے اس اقدام کو حد درجے خلاف حکمت قرار دیا ہے۔

**۱۵**..... خوارزم شاہ کے جاسوسی نظام کی کمزوری بھی اس کی عسکری طاقت کے ناکام ہونے کا ایک بڑا سبب تھی۔ اس کمزوری کے باعث خوارزم شاہ بیشتر مواقع پر دشمن کی نقل و حرکت کے زادیوں سے بے خبر رہا۔ تاتاریوں کی افرادی طاقت، جنگی وسائل، عسکری پالیسی، ان کی یلغار اور حملے کے انداز و اطوار کے متعلق آخر تک اس کی معلومات ناکافی رہیں۔ جاسوسی نظام اور محکمہ خبر رسانی کی عمدہ کارکردگی میدان جنگ میں فتح کی بنیاد ہوتی ہے اور ہر باشعور عسکری قائد اپنی حکمت عملی اسی نظام سے حاصل شدہ معلومات کے مطابق ترتیب دیتا ہے۔ سلطان علاؤ الدین محمد کے جاسوسوں اور مخبروں کی ناقص کارکردگی کا اس کی فوجی حکمت عملی پر بہت بُرا اثر پڑا، اس لیے ہر موقع پر اس کی عسکری منصوبہ بندی ناکام ثابت ہوئی۔

**۱۶**..... سلطان علاؤ الدین محمد کے امراء اور سرداروں میں غداروں کی بکثرت موجودگی کو اس کی مسلسل شکستوں کا اہم ترین سبب قرار دیا جاسکتا ہے۔ اترار کے محاذ پر حاجب قراچہ اور سمرقند میں برتاش خان کی غداری نے ان مضبوط نیل والے شہروں پر تاتاریوں کو آسانی سے قابض ہونے کا موقع فراہم کیا۔ بدرالدین عمید جیسا غدار بھی خوارزم شاہ کی آستینوں میں پل رہا تھا جس کی سازش نے راتوں رات سلطان کی فوج کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔

اتنے بڑے قتل عام کا ذمہ دار کون؟..... جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ خوارزم شاہ تاتاریوں سے پامیر کی سطح مرتفع کے قریب پہلی جھڑپ کے بعد کسی بھی مقام پر ان کا سامنا نہ کر سکا۔ اس پہلے معرکے کے بعد خوارزم شاہ کے لڑائی سے مسلسل گریز کرنے کی یہ وجہ یقیناً نہیں تھی کہ مسلمانوں کی قوت مدافعت یک دم ختم ہو گئی ہو، کیوں کہ خوارزمی فوج کا بڑا



حصہ اس کے بعد بھی باقی تھا، مگر قیادت کی نااہلی کے باعث اس فوج کی طاقت سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکا۔ پامیر کے پہلے معرکہ کے بعد تاتاری بے دریغ آگے بڑھتے چلے گئے، اتر اور قوقند جیسے دو تین محاذوں کے سوا انہیں کسی مقام پر چند دن سے زیادہ ٹھہرنے کی زحمت نہ کرنا پڑی اور وہ بے محابا مسلمانوں کا قتل عام کرتے چلے گئے۔ اس بناء پر یہ عام خیال بظاہر بڑی حد تک درست معلوم ہوتا ہے کہ اس ساری تباہی کا ذمہ دار سلطان علاؤ الدین محمد تھا جس کی بزدلی اور کم ہمتی سے امت کو یہ بُرے دن دیکھنا پڑے، مگر اصل حقیقت اس سے کہیں گہری ہے جس پر غور کرنا نہایت ضروری ہے۔ اگر اس معاملے پر غور و خوض میں وسعت نظری سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ فرد واحد کو اتنے بڑے پیمانے پر مسلم قوم کی خون ریزی کا ذمہ دار قرار دینا کافی نہیں ہے۔ علاؤ الدین محمد تنہا اس تمام تر تباہی کا مجرم نہیں تھا بلکہ اس کے غدار امراء اور وزراء بھی اس جرم میں برابر کے شریک تھے اور وہ مسلم ہمسایہ ممالک بھی اس میں پورے پورے حصہ دار تھے جو اس قتل عام پرٹس سے مس تک نہیں ہوئے اور مظلوموں کی حمایت میں کوئی عملی اقدام کرنے سے گریزاں رہے۔ خاص کر خلیفہ ناصر کی بجرمانہ حیثیت کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جس نے تمام دنیا کے مسلمانوں کے روحانی باپ کی حیثیت رکھنے کے باوجود چنگیز خان کو خوارزم پر حملے کی دعوت دی اور مسند خلافت پر بیٹھ کر اس گھر پھونک تماشے سے لطف اٹھایا۔

اس کے ساتھ ساتھ خود مسلم عوام کو بھی اس تباہی کی ذمہ داری سے مکمل طور پر بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا جن کی بد اعمالیوں کے باعث یہ قہر خداوندی ان پر ٹوٹا۔ دنیا سے محبت، عیش و عشرت میں انہماک اور فنون حرب سے روز افزوں بے التفاتی کے سبب وہ ست اور تن آسان بن گئے تھے۔ راگ رنگ اور شعر و شاعری کے شغف نے نوجوانوں کو نرم اندام بنادیا تھا، فنون لطیفہ کا ذوق پروان چڑھنے کے ساتھ ساتھ بزدلی اور بیفکری عام ہوگئی تھی۔ عوام کو اگر شمشیر زنی یا تیر اندازی سے کوئی دلچسپی تھی بھی تو وہ صرف کھیل کود اور ورزش کی حد تک۔ مسلمان جفاکشی کا درس دینے والی اسلامی معاشرت کی جگہ نازک مزاج، نجی تمدن اپنا چکے تھے۔ اس انقلاب کا نتیجہ ایسے بھیانک قتل عام کی صورت میں سامنے آیا کہ ایک تاتاری سو سو مسلمانوں کو ذبح کرتا چلا جاتا تھا اور کوئی اس کا ہاتھ تھامنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض شہروں میں عوام نے تاتاریوں سے مزاحمت میں ایڑی چوٹی کا زور لگادیا۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے تک اپنی مدافعت کے لیے سینہ سپر ہو گئے تھے، مگر افسوس کہ انہیں بہت دیر میں ہوش آیا تھا۔ انہوں نے پیرا کی کی مشق اس وقت شروع کی جب انہیں گہرے سمندر میں ڈبو یا جا رہا تھا۔ ان کی مزاحمت اور مدافعت ایک اضطرابی جوش کے ساتھ غیر منظم انداز میں شروع ہوئی اور پھر ٹھنڈی پڑ گئی۔

صدیوں قبل پیش آنے والی یہ عبرتناک تباہی آج کے تن آسان مسلمانوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے۔ اگر ہم اب بھی اپنی غفلت سے باز نہ آئے تو ایسی ہی ہولناک قیامت کا آج ہم پر بھی ٹوٹ پڑنا بعید از قیاس نہیں۔

مذکورہ بالا کلام سے یہ بات خوب واضح ہو چکی ہے کہ اس عالمگیر تباہی کے اسباب و علل کو صرف علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی سیاسی لغزشوں میں منحصر کر دینا مناسب نہیں بلکہ یہ حقائق سے آنکھیں موندنے کے مترادف ہے۔ جب درحقیقت سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم ایک ایسے سفینے کا ملاح تھا جس کے مسافر اسے ڈوبنے کا تہیہ کر چکے تھے۔ جب کوئی قوم خود ہی اجتماعی کمزوریوں، ناقابل برداشت کوتاہیوں اور عمومی جرائم کے باعث خود کشی کے گڑھے کی طرف

بڑھ رہی ہو، قوم کا روحانی پیشوا (خلیفہ) بھی اسے تباہ کرنے پر ٹٹلا ہوا اور قوم کے حکمرانوں سے بھی مسلسل سنگین غلطیاں صادر ہونے لگیں تو اس قوم کی بربادی میں کوئی دیر نہیں رہ جاتی۔ ایسی قوم کو بچانے کے تمام حربے اور منصوبے ناکام ثابت ہوتے ہیں۔ یہی وجوہات تھیں جن کے باعث بعد میں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ جیسا اوزغرم مجاہد بھی اس قوم کو ہلاکت و استیصال کے گڑھے میں گرنے سے نہ بچا سکا۔

### چند مفید تنبیہات

① ”قراقرم“ کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ ..... بعض اہل قلم نے چنگیز خان کے دار الحکومت کا ذکر کرتے ہوئے جگہ جگہ کوہ قراقرم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ ایک غلط فہمی ہے۔ چنگیز خان کا دار الحکومت صحرائے گوبی کا ایک ریتلا بنجر و خشک شہر تھا جس کا نام قراقرم تھا۔ قراقرم کا لغوی معنی ہے کالی زمین، چونکہ اس جگہ ہر طرف کالی ریت نظر آتی تھی اس کی مناسبت سے اس علاقے کا نام قراقرم پڑ گیا۔ اس شہر کا ”کوہ قراقرم“ سے کوئی تعلق نہیں۔ قراقرم نامی یہ شہر منگولیا میں تھا، جبکہ کوہ قراقرم منگولیا کے بے آب و گیاہ صحراؤں سے کئی ہزار کلومیٹر دور ایک پہاڑ ہے جو پاکستان اور چین کے درمیان حد فاصل کا کام دیتا ہے، چونکہ یہاں بھی صرف کالے پتھر اور کالی چٹانیں ہیں، اس لیے اس پہاڑ کو بھی قراقرم کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے۔ چنگیز خان نے زندگی بھر کبھی کوہ قراقرم نہ دیکھا ہوگا، مگر نام کی یکسانیت کے باعث بعض پاکستانی ادباء نے جن کا ذہن قراقرم کے لفظ سے کوہ قراقرم ہی کی طرف جاتا ہے، یہ سمجھ لیا کہ اسی پہاڑی سلسلے کے کسی گوشے میں چنگیز خان کا دربار ہوگا۔

انہی ادیبوں میں سے بعض نے خوارزم اور صحرائے گوبی کے درمیان حائل عظیم پہاڑی سلسلے کو ”کوہ قراقرم“ سمجھ لیا، حالانکہ دنیا کا نقشہ بغور دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ خوارزم اور منگولیا کے مابین جو پہاڑ حائل تھے ان میں سے کوئی بھی کوہ قراقرم نہیں کہلاتا۔ منگولیا کے مغرب میں کوہ طائی، کوہ طیان شیان اور سطح مرتفع پامیر کی بلند دیواریں ہیں جو اس کے اور خوارزم کے مابین حائل تھیں۔ دونوں مملکتوں میں آنے جانے والے قافلے انہی پہاڑوں سے گزرتے تھے۔ کوہ قراقرم ان میں شامل نہیں، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ تبت اور کشمیر سے لے کر جمیل بالکش تک مختلف پہاڑوں پر مشتمل ایک طویل و عریض کوہستان ہزاروں کلومیٹر پر محیط ہے۔ ہمالیہ، قراقرم، ہندوکش اور پامیر سب اس کی کڑیاں ہیں۔

① ترک، تاتاری اور مغل ..... چنگیز خان کی قوم کو اکثر مؤرخین نے تاتار یا مغل کے لفظ سے یاد کیا ہے، مگر بعض کتب تواریخ میں انہیں ترک کہا گیا ہے۔ اسی طرح چنگیز خان کی اولاد سے ہونے والے ہندوستان کے شاہان مغلیہ کو بھی ترک قوم سے شمار کیا گیا ہے۔ دوسری طرف چنگیز خان کا جن مسلم حکمرانوں سے مقابلہ ہوا وہ بھی ترک کہلاتے تھے۔ علاؤ الدین خوارزم شاہ اس کے بیٹے اور اکثر سالار ترک ہی تھے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اس موقع پر یہ گمان کرتا ہے کہ چنگیز خان نے اپنے ہی ہم قوم خوارزمیوں کا خون بہایا، لہذا وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اس پریشانی سے نجات کے لیے مندرجہ ذیل طور کا فی رہنما ثابت ہوں گی:

حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے حام، سام اور یافث تھے۔ یافث کی اولاد چین میں آباد ہوئی۔ ان میں ترک بن یافث نامی ایک شخص کی اولاد چین اور مشرقی و مغربی ترکستان میں پھیل گئی۔ یہ سب لوگ ترک کہلانے لگے۔ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں بہت سے قبیلے پیدا ہو گئے۔ ترک قوم کا عام مسکن ایشیا کا وہ علاقہ تھا جسے ترکستان

کہا جاتا ہے۔ ترکستان دو حصوں میں منقسم ہے۔ ۱۔ مشرقی ترکستان (سنگ کیا نگ) جو موجودہ چین میں واقع ہے۔

مغربی ترکستان جس میں وسط ایشیا کی نو آراء جمہوریات ازبکستان، تاجکستان اور ازبکستان شامل ہیں۔

ترک قوم بہت تیزی سے بڑھی اور پھیلی۔ چند صدیاں گزرنے پر ہر قبیلے نے ایک مستقل قوم کی شکل اختیار کر لی۔ ان کی بود و باش، تہذیب اور زبانیں بھی جدا جدا ہو گئیں۔ ہنگوئی و عمرکہ آرائی ان کی فطرت میں داخل تھی، اس لیے یہ لوگ مختلف سرداروں کی قیادت میں باہم برسر پیکار رہتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان قبائل میں ہجرت اور نقل مکانی کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ترکوں کی ایک بڑی تعداد مغربی ترکستان میں آباد تھی۔ کئی قبائل چین کے مشرقی صوبے سنگیانگ (مشرقی ترکستان) میں آباد تھے۔ بعض قبائل منگولیا کے صحراؤں میں بسنے لگے تھے۔ ان میں بھی مختلف شاخیں اور گروہ بنتے چلے گئے۔ منگولیا کی جانب آباد قبائل منگول، مغول، مغول یا تاتار کے نام سے مشہور ہوئے۔ مغربی ترکستان میں بسنے والے قبائل میں الیغور، قنچاق، خج، ترکمان اور کئی دوسرے گروہ ظاہر ہوئے۔ بعد کے زمانے میں نمودار ہونے والے بلجوق، ترکان، خطا، ترکان، غزا و خوارزم شاہی خاندان انہیں قبائل کی شاخیں تھیں۔

خلاصہ یہ نکلا کہ خوارزمی مسلمانوں اور تاتاریوں کا جد امجد ایک ہی شخص یعنی ”ترک بن یافث“ تھا، لہذا ان دونوں کو ترک کہنا درست ہے، لیکن چونکہ ہزاروں سال کی طویل مدت کے گزرنے اور زمینی مسافت کے لحاظ سے الگ الگ ممالک میں آباد ہونے کے باعث ان کی معاشرت، تمدن، تہذیب اور مذہب بالکل جدا جدا ہو گئے تھے اور یہ دو مختلف قوموں کی صورت اختیار کر چکے تھے، لہذا ان کا اتنے بڑے پیمانے پر باہمی جدال و قتال بھی محلِ تعجب نہیں۔ (فخر از تاریخ اسلام، مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی)

ترکستان اور موجودہ ترکی..... بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ موجودہ ”جمہوریہ ترکی“ ہی ترک قوم کا اصل وطن ہے۔ بعض لوگ یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ ”جمہوریہ ترکی“ کا ہی قدیم نام ترکستان تھا۔ یہ دونوں مفروضے غلط ہیں۔ ترک قوم کا اصل وطن ”ترکستان“ وہ خطہ ہے جہاں آج کل سنگیانگ (چین) جمہوریہ ازبکستان، تاجکستان، ترکمانستان وغیرہ مختلف ممالک وجود میں آچکے ہیں، جہاں تک موجودہ جمہوریہ ترکی کا تعلق ہے اسے گیارہ سو سال پہلے تک ترک قوم سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا، یہاں زمانہ قدیم سے یورپ کی رومی سلطنت کی حکومت قائم تھی، یہاں کے باشندے تمام کے تمام رومی النسل تھے۔

خانائے نو عباسیہ و نو عباس کے زمانے میں مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب یہاں تک آپہنچا اور سوائے قسطنطنیہ کے یہ تمام علاقہ مسلم قبوضات میں شامل ہو گیا۔ اس وقت یہ علاقہ ایشیائی روم، ایشیائے کوچک یا ارش روم کے نام سے معروف تھا۔ شیخ جلال الدین رومی اسی ایشیائی روم میں بسنے کی وجہ سے رومی کہلائے۔

نو عباس کے دورِ انحطاط میں جب مرکزی حکومت میں ترکوں کا اثر و رسوخ بڑھ گیا تو ایشیائی روم بھی اسی حکومت کا ایک صوبہ ہونے کے باعث ترک قومیت کے اثرات سے باہر نہ رہ سکا اور ترکستان کے مختلف قبائل کے افراد یہاں آباد ہونے لگے۔ پانچویں صدی ہجری میں جب ترکوں کے بلجوقی خاندان نے اس علاقے پر قبضہ کیا تو ترک تہذیب و تمدن کو یہاں مزید فروغ ملا۔ ترک وطن کر کے آنے والے ناص ترک کی النسل باشندوں کی تعداد یہاں بڑھتی گئی، حتیٰ کہ ترک یہاں کی آبادی کا اہم حصہ بن گئے۔ چھٹی صدی ہجری میں یہ تمام علاقہ ترک قبائل سے بھرپور چکا

تھا۔ صرف ساحلی علاقوں پر قدیم رومی النسل لوگ آباد تھے۔

ساتویں صدی ہجری میں ترکستان پر تاتاریوں کے حملوں کے باعث ترک مہاجرین کا ایک سیلاب یہاں اُمنڈ آیا۔ پھر آٹھویں صدی ہجری میں عثمانی ترکوں نے تمام ایشیائے کوچک پر قبضہ کر کے ایک عظیم اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جو پھیل کر مصر و شام کو محیط ہو گئی اور یورپ کی رومی سلطنت پر جارحانہ حملے کرتی رہی۔ عثمانی ترکوں نے اپنی قلمرو میں اسلامی سانچے میں ڈھلی ہوئی ترکی تہذیب کے نقوش کو مزید پختہ کیا، یہاں تک کہ یہ اندازہ لگانا مشکل ہو گیا کہ کبھی یہاں رومی بھی آباد تھے اور اس مملکت کو ترک سلطنت یا ترکی کہا جانے لگا۔

————— ❦ —————



---

حصہ دوم

---

شیرخوارزم  
سلطان جلال الدین خوارزم شاہ  
اور  
تاتاری یلغار

---

— — — — —

## مختصر فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	پہلا باب..... عبرت کدہ اور گنج	۱۸۷
۲	دوسرا باب..... نئے مصائب اور نئے عزائم	۲۰۱
۳	تیسرا باب..... افغانستان کے معرکے	۲۲۱
۴	چوتھا باب..... ساحل سندھ کا قیامت خیز معرکہ	۲۵۱
۵	پانچواں باب..... سرزمین ہند میں	۲۷۴
۶	چھٹا باب..... دفاعی حصار کی از سر نو تعمیر	۲۹۴
۷	ساتواں باب..... فتوحات گرجستان	۳۱۶
۸	آٹھواں باب..... متحدہ دفاعی حصار کا انہدام	۳۳۵
۹	نواں باب..... باطنیہ (اسمعیلیہ) سے جہاد	۳۴۱
۱۰	دسواں باب..... تاتاریوں سے جہاد کا دوسرا دور	۳۴۶
۱۱	گیارہواں باب..... اتحادی لشکر سے جہاد	۳۶۳
۱۲	بارہواں باب..... اپنوں کی دشمنی	۳۶۹
۱۳	تیرہواں باب..... چراغ اُمید بجھ گیا	۳۹۰
۱۴	چودھواں باب..... سلطان جلال الدین کے بعد عالم اسلام کی حالت زار	۴۱۸
۱۵	پندرہواں باب..... سیرت و کردار کا گلدستہ	۴۲۴
۱۶	سولہواں باب..... سلطان جلال الدین کے اپنے اور پرانے	۴۴۱
۱۷	سترہواں باب..... سلطان جلال الدین کا وارث	۴۴۵
۱۸	اٹھارہواں باب..... سلطان جلال الدین تنقید کے آئینے میں	۴۷۶
۱۹	ہجری و عیسوی تقویم کا فریم	۴۸۶
۲۰	اسباق تاریخ	۵۰۴
۲۱	کتابیات	۵۱۱

## ”عبرت کدہ اور گنج“

تھم ذرا بے تابیء دل بیٹھ جانے دے مجھے اور اس بستی پہ چار آنسو گرانے دے مجھے  
تاتاریوں نے اس شہر کو مکمل طور پر غرق کر دیا۔ عمارتیں تہہ و بالا ہو گئیں، ان کی جگہ پانی نے لے  
لی، یہاں کے باشندوں میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ بچ سکا۔ دوسرے شہروں میں تو بعض لوگ بچ گئے  
تھے۔ کوئی روپوش ہو کر، کوئی فرار ہو کر اور کوئی شہر سے باہر نکل کر اور کوئی مقتولین میں لیٹ کر اپنی جان  
بچانے میں کامیاب ہو گیا، مگر خوارزم (اور گنج) کے باشندوں میں سے جو تاتاریوں سے چھپ گیا اسے  
پانی نے غرق کر دیا یا مکانات کے گرنے سے وہ ہلاک ہو گیا۔ پس یہ شہر بالکل ویران و بیابان ہو کر رہ گیا۔  
كَانَ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْحُجُونَ إِلَى الصَّفَا أَيْحَسَّ وَلَمْ يَسْمُرْ بِمَكَّةَ سَامِرُ  
(گویا کہ حجون سے لے کر صفا تک کوئی دل بہلانے والا نہ تھا اور نہ مکہ میں کوئی رات کو دلچسپ  
باتیں کرنے والا باقی رہا۔) اس جیسا حادثہ نہ قدیم دور میں سنا گیا اور نہ ہی قریبی زمانے میں۔ (تاریخ  
الکامل لابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۲)

سلطان جلال الدین کی واپسی..... سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کو جزیرہ آبسکون میں سپرد خاک کر کے سلطان  
جلال الدین اس کے جانشین بن کر اس خلوت کدے سے نکلے۔ ان کے بھائیوں قطب الدین اور آق سلطان کے علاوہ  
جزیرے میں موجود ستر کے لگ بھگ ارکان سلطنت بھی ان کے ساتھ ہو لیے۔<sup>①</sup> سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے  
سامنے اس وقت دوراستے تھے یا تو وہ بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دشمن سے منہ چھپا کر گوشہ عافیت میں  
بیٹھنا پسند کر لیتے یا زندگی اور موت سے بے پروا ہو کر صرف اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے میدان کارزار میں کود پڑتے۔  
توفیق ازلی نے سلطان جلال الدین کی صحیح راہنمائی کی اور انہوں نے با تا مل دوسرا راستہ اختیار کیا جو مصائب و آلام کی  
دھکتی ہوئی بجٹیوں سے گزر کر سعادت، عزت، نیک نامی اور فلاح کی حسین منازل تک جا پہنچتا ہے۔

عالم اسلام اور مقامات مقدسہ کی حفاظت کا پہلی..... اس وقت تنہا خوارزم کی نہیں پورے عالم اسلام کی حفاظت کا  
مسئلہ پوری شدت سے سلطان جلال الدین کے سامنے تھا۔ تاتاریوں کا ماوراء النہر سے لے کر شمالی ایران، قفقاز اور  
بحیرہ خزر تک بے خوف و خطر پھیل جانا اس بات کا ثبوت تھا کہ ان درندوں کے پیش نظر صرف خوارزم کو خاکستر کرنا نہیں،  
بلکہ یہ طوفان کسی ناقابل شکست حصار کے سامنے نہ آنے تک لامحدود وسعتوں میں پھیلتا چلا جائے گا اور ہر منزل پر  
تخریب، دہشت، تباہی اور بربادی کے ان مٹ داغ چھوڑتا جائے گا۔

ان تمام خطرات سے بڑھ کر سلطان کو یہ خیال بھی بھڑے دے رہا تھا کہ اگر خدا نخواستہ عیرائے گوبی کے خون آشام



بھیڑیوں کا رخ ارض حجاز کی طرف ہو گیا تو کعبۃ اللہ اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی دست برد سے بچانا کیسے ممکن ہوگا۔ منگولیا کے ریزکاروں میں جہالت کی کوکھ سے جنم لینے والی اس قوم کے لیے دوسری قوموں کے مذاہب اور انکی عبادت گاہوں کے ادب و احترام جیسے الفاظ بے معنی تھے۔ پھر مسلمانوں سے انکا بغض و عناد ہر حد سے متجاوز تھا۔ بخارا اور سمرقند جیسے قدیم اسلامی تمدن کے حامل شہروں میں ان کے ہاتھوں ہزاروں مساجد، مدارس، کتب خانوں، خانقاہوں اور مقابر کا جو حشر ہوا تھا وہ سب کے سامنے تھا۔ جو کفار قرآن مجید اور کتب احادیث کے اوراق کو اپنے گھوڑوں کے سونے تلے روندتے چلے جا رہے ہوں ان سے حریم شریفین کے بارے میں کسی نرم رویے کی توقع کیسے کی جاسکتی تھی۔ صورت حال کا یہ پہلو اور بھی خطرناک تھا کہ صحرائے عرب کا موسم اور طبعی ماحول بہت سی حملہ آوروں کو اس پر حملے سے باز رکھتا تھا مگر تاریکی تو خود صحرائے گوبی کی پیداوار تھی، صحرائے عرب میں پیش قدمی ان کے لیے شاید ذرا بھی مشکل ثابت نہ ہوتی۔

تاتاریوں کے موجودہ مقبوضات اور جزیرۃ العرب کے درمیان اس وقت بغداد کے سوا کوئی ایسا اسلامی ملک، ریاست یا شہر باقی نہ رہا تھا جو عسکری لحاظ سے کسی شمار میں ہوتا۔ خود بغداد کا یہ حال تھا کہ خلیفہ تاتاریوں کے نام سے لرزہ بر اندام تھا۔ حال ہی میں جب مغربی تاتاریوں نے مراغہ میں قتل عام کیا تھا تو اس کے بعد بغداد کو زیادہ دور نہ پا کر انہوں نے صرف موج مستی کے لیے اسے بھی تاراج کرنے کا ارادہ کر لیا تھا جس سے خلیفہ ناصر کے ہوش اڑ گئے تھے اور اس نے بغداد میں بڑے پیمانے پر دفاعی جنگ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں..... مگر پھر تاتاریوں نے اس نئی مہم کو آئندہ پر ملتوی کر دیا تھا۔ اسی خوف و دہشت کی بناء پر خلیفہ اس خود بلائی ہوئی مصیبت کے ہر حکم پر سر بسجود تھا۔ ایسے میں بغداد کا ارض حجاز کی تو کجا اپنی حفاظت کر لینا بھی بڑی بات تھی۔

جہاں تک مسلمانوں کے مغربی محاذ کو سنبھالنے والے ایوبی خانوادے کے حکام کا تعلق ہے وہ نصرانیوں کے پے در پے حملوں کے باعث اس قابل نہیں تھے کہ کسی اور محاذ پر توجہ دے سکتے۔ پھر انکے خاندانی جھگڑے بھی کم نہ تھے جو انہیں ہر آن کسی نہ کسی مہم میں الجھائے رہتے تھے۔ ادھر خوارزم کی سرحدوں سے آگے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک تمام علاقہ برسوں سے مختلف امراء کے ماتحت تھا اور وہاں کوئی مضبوط مقامی حکومت دور دور تک دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ایسی حالت میں اگر تاتاریوں کا رخ جزیرۃ العرب کی جانب ہو جاتا تو ان بد بختوں کے ہاتھوں عالم اسلام پر وہ قیامت ٹوٹ سکتی تھی جس کی تلافی کبھی ممکن نہ ہوتی۔

یہ وہ حالات تھے جبکہ تقاضوں کو عالم اسلام کے درجنوں حکمرانوں میں سے سلطان جلال الدین نے سب سے زیادہ شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ انہوں نے کسی تردد کے بغیر یہ سمجھ لیا کہ اس ہولناک خطرے سے مسلمانوں کی نجات کی صورت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ یورش تاتار کو خوارزم اور ایران کے درمیان ہی میں روک کر ان کا رخ جنوب کی طرف پھیر دیا جائے اور وہاں اس قدر شدید تحریک مزاحمت شروع کی جائے کہ تاتاری افواج جو ہر لمحے عراق اور عرب کی سرحدوں سے قریب تر ہوتی جا رہی ہیں، خراسان ہی میں محدود ہو جائیں، اس علاقے میں متعدد محاذ کھول کر تاتاریوں کو مغرب کی طرف مزید آگے بڑھنے سے روک دیا جائے اور دشمن کو اس وقت تک ان محاذوں پر الجھائے رکھا جائے جب تک عالم اسلام بیدار ہو کر تاتاریوں سے فیصلہ کن جنگ کی بھرپور تیاری نہ کر لے۔

سلطان اور گنج میں ..... الغرض اس سوچ اور جذبے کے تحت سلطان جلال الدین بکھرہ خزر سے خوارزم روانہ ہوئے۔ راستے میں بکھرہ خزر کے ساحلی شہر ”منقشلاغ“ میں رکے جو مملکت کی آخری سرحد پر واقع تھا، یہاں سے انہوں نے اپنے ایلچی دار الحکومت روانہ کر دیے تاکہ اہل شہر کو ان کی آمد کی خبر ہو جائے۔<sup>(۲)</sup>

اور گنج غیر متوقع طور پر ابھی تک تاتاریوں کے قبضے سے باہر تھا، تاہم ان کے حملے کا خطرہ لمحہ لمحہ بڑھ رہا تھا۔ شہر کے اندرونی حالات نہایت ابتر تھے۔ کسی نائب کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر غنڈوں اور لٹیروں نے ہر طرف اودھم مچا رکھا تھا۔ کوہ دروغان نامی ایک بے حد لڑاکا اور مکار انسان ان کا سردار بنا ہوا تھا۔ اس کی مکاری کی وجہ سے ہی اسے کوہ دروغان یعنی دھوکے کا پہاڑ کہا جاتا تھا۔<sup>(۳)</sup>

جوں ہی شہر میں سلطان جلال الدین اور شاہی اعیان کی آمد کی منادی ہوئی یہ لیرے حشرات الارض کی طرح یلوں میں دبک گئے۔ اور گنج کی پڑمردہ فضا کی رُت بدل گئی۔ شہر کے باشندوں اور عمائد کا ایک جم غفیر شہر سے باہر آ کر اپنے نئے حکمران کے پر جوش استقبال کے لیے تیار ہو گیا، سلطان شہر کے قریب پہنچے تو یہ لوگ عقیدت بھری نگاہوں سے ان کے منتظر تھے۔ تیور ملک، کو جائی نگین، اغول حاجب دوسرے بڑے بڑے نامی گرامی سردار استقبال کے لیے چشم براہ تھے۔ ان کے ہاتھوں میں خوارزمی پرچم لہرا رہے تھے، انہوں نے سلطان اور ان کے رفقاء کو نیا لباس، اسلحہ اور تازہ دم سواریاں پیش کیں۔<sup>(۴)</sup>

کٹھن حالات ..... سلطان جلال الدین نے جن کٹھن حالات میں زمام حکومت سنبھالی تھی، وہ حد درجہ تشویش ناک تھے۔ عالم اسلام کی اس سب سے عظیم مملکت کی دھجیاں کھرچکی تھیں۔ شمالی، وسطی اور مشرقی صوبے مکمل طور پر خاکستر ہو چکے تھے۔ دار الحکومت کو چھوڑ کر جنوب میں صرف افغانستان کے چند شہر، مغرب میں نسا اور اس کے مضافات اور جنوب مغرب میں ایران اور عراق عجم کے چند اضلاع ہی تاتاریوں کی شمشیر خون آشام بچے ہوئے تھے۔ خزانہ بالکل خالی تھا، فوج کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔ ان حالات میں یہ حکمرانوں پھولوں کی بیج نہیں، بلکہ کانٹوں کا بچھوٹا تھی۔

شہزادہ قطب الدین از لاق بھی شاید اسی صورتحال کو مد نظر رکھ کر اب تک اپنی جانشینی کے کا ل عدم قرار دیے جانے پر خاموش تھا ورنہ وہ اور اس کا قبیلہ سلطان جلال الدین کا اقتدار تسلیم کرنے والے نہ تھے۔

تاتاریوں کی فوج کشی ..... ابھی تک چنگیز خان سمرقند کو مستقر بنا کر ارد گرد کے صوبوں پر یلغار کے لیے پرتول رہا تھا۔ یہیں اسے علاؤ الدین محمد کی وفات اور سلطان جلال الدین کی تخت نشینی کی خبر ملی۔ چنگیز خان اس سے قبل سلطان جلال الدین کے متعلق بہت کچھ سن چکا تھا اور خوارزم شاہ کے بیٹوں میں سے وہ صرف انہی کو اپنے حق میں خطرناک سمجھتا تھا۔ ان کے برسر اقتدار آنے کی اطلاع پاتے ہی وہ چونکا اور کسی ناقابل تدارک صورتحال پیدا ہو جانے کے خطرے کے پیش نظر اس نے فی الفور ایک عظیم لشکر خوارزم کے پایہ تخت کی طرف روانہ کر دیا۔<sup>(۵)</sup>

اعلان جہاد ..... سلطان جلال الدین کے لیے دار الحکومت کی حفاظت سب سے اہم مسئلہ تھا۔ انہوں نے جہاد کا اعلان کر کے اپنی دفاعی قوت کو مستحکم کرنے کے لیے سرتوڑ جدوجہد شروع کر دی۔ ان کی پکار پر لیک کہتے ہوئے نوجوانوں کے گروہ کے گروہ پروانہ واران کے گرد جمع ہونے لگے۔ بہت سے سپاہی جو گزشتہ معرکوں میں تاتاریوں سے شکست کھا کر پہاڑوں اور جنگلوں میں روپوش ہو گئے تھے، اور گنج میں جمع ہو گئے۔ چند ہی دن میں سات ہزار رضا کاروں

کا ایک لشکر تیار ہو گیا۔<sup>①</sup>

سازشوں کا جال..... ایک طرف سلطان جلال الدین شجر اسلام کی آبیاری میں مصروف تھے، لیکن دوسری طرف کچھ غداران ملت ان کی اس جدوجہد کو ناکام کرنے کے لیے سازشوں کا جال پھیلا رہے تھے۔ فوج کا ایک بااثر سردار قتلغ خان جو توفی پہلوان کے لقب سے مشہور تھا، ان نازک حالات میں شہزادہ قطب الدین کو سلطان جلال الدین کے مد مقابل لانے کے لیے منافرت کی آگ بھڑکا رہا تھا۔ اس نے نہایت چالاکی کا ثبوت دیتے ہوئے ایک طرف تو قطب الدین کو مطالبہ اقتدار کے لیے آمادہ کرنا شروع کیا اور دوسری طرف وہ یہ مشہور کرنے لگا کہ ”قطب الدین ازلاق ہی سلطان محمد خوارزم شاہ کا اصل جانشین ہے۔ سلطان جلال الدین نے اس کا حق غصب کر لیا ہے۔ جب تک قطب الدین زندہ ہے، کوئی دوسرا شخص خوارزمی عوام کے لیے واجب الاطاعت نہیں ہو سکتا“، قتلغ خان کے اس گمراہ کن اور زہر آ میز پروپیگنڈے نے شہر کی فضا مکدر کر دی۔ جہاں مجاہدین اسلام کے نعمات گونج رہے تھے وہاں خانہ جنگی کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں۔ قتلغ خان نے بیاروتی ترک افسران کو اپنا ہم نوا بنالیا تھا جو کہ فوج کا غالب عنصر تھے۔ ادھر سلطان جلال الدین حامیوں کے لیے یہ صورتحال ناقابل برداشت تھی۔ وہ اپنے جیتے جی اپنے محبوب سلطان کی معزولی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔<sup>②</sup>

سلطان جلال الدین کے خلاف سازش میں شریک امراء، اصل میں اس بات سے خائف تھے کہ سلطان کی اصول پسندی اور پختہ کاری کے باعث انہیں من مانی کرنے کا موقع نہیں ملے گا جبکہ قطب الدین ازلاق کی ناتجربہ کاری سے وہ بھرپور فائدہ اٹھا کر اپنی ناجائز اغراض پوری کر سکتے تھے۔<sup>③</sup>

خوش قسمتی سے سلطان کا ایک مخلص ساتھی امیر اینانچ خان باغیوں کی صفوں کے اندر رسائی حاصل کر چکا تھا تاکہ سلطان کو باغیوں کے عزائم اور کارروائیوں سے خبردار رکھے۔ یہ امیر بخارا کا سابق گورنر تھا اور بخارا کے محاذ پر تاتاریوں سے لڑتا رہا تھا، چند دنوں بعد اس نے سلطان جلال الدین کو اطلاع دی کہ قتلغ خان اور اس کے ساتھیوں نے آپ کے قتل کا منصوبہ مکمل طور پر تیار کر لیا ہے اور کسی بھی وقت وہ وار کر سکتے ہیں۔<sup>④</sup>

پایہ تخت سے انخلاء، ایک کٹھن آزمائش..... اب سلطان جلال الدین کے سامنے دو ہی راستے تھے۔ ایک یہ کہ دارالحکومت میں رہتے ہوئے اپنے مخلص معاونین کی مدد سے باغی عناصر کا مقابلہ کیا جائے اور اس کے بعد تاتاریوں سے دودو ہاتھ کیے جائیں۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ اپنے خصوصی وفاداروں کے ساتھ دارالحکومت کو چھوڑ دیا جائے اور کسی دوسرے مقام پر جا کر اس زہر نوبہاد کی تیاری جائے۔ پہلی صورت پر عمل کے لیے خاصی افرادی طاقت، موزوں وقت اور مناسب موقع کی ضرورت تھی، جبکہ یہاں سلطان کے حامیوں میں پیشہ ورا افراد کی تعداد کم رہ گئی تھی، اکثر فوجی بیاروتی افسران کے زیر اثر ہونے کے باعث قطب الدین سے جا ملے تھے، ادھر تاتاریوں کے حملے کا خطرہ روز بروز بڑھتا جا رہا تھا، اس حالت میں اندرونی دشمنوں سے نمٹنے کے لیے موزوں وقت کے انتظار کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ سلطان جلال الدین کو یہ بھی معلوم تھا کہ غداروں سے لڑنے کی صورت میں مسلمانوں کے دو گروہوں کی تلواریں نیاموں ست باہر آ جائیں گی، ہزاروں بدگمان خدا ان کی زد میں آ کر اپنی جانیں گنوا دیں گے اور بچے بچے افراد تاتاریوں کی تیغ آزمائی کے لیے ایک کمزور اور بے بس شکار بن کر رہ جائیں گے۔

دوسرے طرف پایہ تخت سے انخلاء کی صورت اختیار کرنے میں سلطان جلال الدین کا دار الحکومت اور شاہی ایوان سے محروم ہونا یقینی تھا، لیکن اس سے اتنی امید ضرورت تھی کہ قطب الدین اور آق سلطان کی سرکردگی میں سپاہیوں اور رضا کاروں کی موجودہ تعداد ایک طویل عرصے تک مضبوط فسیلوں والے اس شہر کا دفاع کر سکے گی اور اس نازک ترین صورتحال میں مسلمان باہم دست و گریباں ہونے سے محفوظ رہیں گے۔ ایوان شاہی اور پایہ تخت سے دست بردار ہونا عرف عام میں بادشاہت سے معزولی تصور کیا جاتا ہے اور ایک حکمران جیتے جی اپنے مرکز سے کنارہ کشی پر کبھی آمادہ نہیں ہوتا، مگر سلطان جلال الدین کے نزدیک قوم کی موت و حیات کا مسئلہ اپنے اقتدار کے مسئلے سے زیادہ اہم تھا۔ وہ خود اتحاد امت کے داعی تھے اس لیے اس نازک موقع پر ذاتی اقتدار کے لیے خانہ جنگی پر کیے آمادہ ہو سکتے تھے۔ پھر قطب الدین ان کا بھائی تھا جو ان سے سیاسی اختلاف کے باوجود ملت فروش ہرگز نہ تھا اور تاتاریوں سے بہر حال وطن کا دفاع کرنا چاہتا تھا تاہم وہ اپنی کم سنی اور ناآموزی کے باعث قچاتی امراء کے ہاتھوں غلط استعمال ہو رہا تھا۔ قطب الدین کی اس غلطی کے باوجود سلطان کی برادرانہ شفقت یہ گوارا نہیں کرتی تھی کہ وہ ہوس اقتدار کے افسانوں میں ایک نئی کہانی کا اضافہ کرتے ہوئے اپنے بھائی کے خلاف شمشیر بکف ہوں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے اگر وہ چپ چاپ قطب الدین کا اقتدار تسلیم کر لیں تب بھی ان کے مخالف قچاتی امراء ان سے مطمئن نہیں ہونگے اور انہیں جان سے مار دینے کی کوششیں کرتے رہیں گے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت حال میں سلطان اپنے مقصد کی طرف گامزن نہیں رہ سکتے تھے۔ یہاں ہمیں یہ بات خصوصاً ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اور گنج میں سلطان کی حالت اتنی کمزور بھی نہیں تھی کہ ہم انہیں تاج و تخت سے دست برداری پر مجبور فرض کر لیں۔ ایسا نہیں تھا..... بلکہ تیمور ملک اور اینانچ خان جیسے آزمودہ جرنیل سمیت درجنوں افسران اور وہ ہزاروں رضا کار جو سلطان ہی کی صدائے جہاد پر جمع ہوئے تھے، ان پر اپنی جان نچھاور کرنے کے لیے تیار تھے اور یہ کوئی بعید نہ تھا کہ اگر وہ باغیوں کے مقابلے پر ڈٹ جاتے تو انہیں چھٹی کا دودھ یا دودلا دیتے، مگر سلطان خون مسلم کے ایک ایک قطرے کی قیمت کا پورا پورا احساس رکھتے ہوئے اسے اپنے ہاتھوں ضائع کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

آخر کار سلطان نے تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے امراء سے مشورہ کیا، امیر اینانچ خان نے بھی شہر چھوڑ دینے کی رائے دی، یوں سلطان نے خفیہ طور پر پایہ تخت سے انخلاء کا فیصلہ کر لیا۔ مقصد پر اقتدار جیسی مسکور کن شے تک کو قربان کر دینے کی ایسی مثال دنیا کی تاریخ میں بہت کم افراد پیش کر سکے ہیں۔ یہ سلطان کی اپنی جدوجہد میں بے لوثی کا واضح ثبوت تھا کہ انہوں نے موروثی تخت شاہی کو بھی جہاد کی راہ میں آڑے نہ آنے دیا۔ اپنی مہم کے آغاز ہی میں سلطان کو اتنی بڑی قربانی درپیش ہونا قدرت خداوندی کی طرف سے ایک نہایت کڑا امتحان تھا جس میں توفیق خداوندی سے سلطان پوری طرح کامیاب رہے۔ ان کا یہ طرز عمل ربی دنیا تک حق کی خاطر لڑنے والوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ کردار کی پختگی کی یہ جھلک ہمیں سبق دیتی ہے کہ باطل کی ہمہ گیر یورش کے آگے سینہ سپر ہونے والوں کا سینہ سمندر سے زیادہ وسیع، ان کا حوصلہ پہاڑوں سے بڑھکر مضبوط اور ان کا مرکز نگاہ تاج و تخت اور قصر شاہی جیسی مادی اور فانی چیزوں سے کہیں بلند ہونا چاہیے۔ جس تحریک کی بنیاد قائم دین کی جانب سے ایثار و قربانی کی مثالوں پر نہ ہو وہ ابھر نے سے پہلے ہی دم توڑ دیا کرتی ہے۔

اس موقع پر سلطان نے ایثار اور بے لوثی کی ایک اور اعلیٰ مثال پیش کی۔ وہ اور گنج کے محاذ کی اہمیت اور یہاں سپاہ کی کمی سے غافل نہیں تھے، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنی احتیاج کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے اکثر ساتھیوں اور سپاہیوں کو شہر کے دفاعی انتظامات میں مصروف رہنے دیا اور خود راتوں رات صرف تین مخصوصی رفقاء کے ہمراہ شہر سے نکل گئے۔ ان کا رخ جنوب مغربی شہر نسا کی طرف تھا، شیر قو قد تیمور ملک اس چھوٹی سی فوج کے ہراول دستے کی قیادت کر رہا تھا۔<sup>(۱۱)</sup>

اگرچہ سلطان کو اپنے ہمراہ زیادہ سے زیادہ ساتھیوں کی ضرورت تھی کہ ان کی ذمہ داریاں گراں تھیں اور راستہ پر خطر تھا، تا تاری کہیں بھی انہیں گھیر سکتے تھے، مگر سلطان کے نزدیک دفاع ملت کے تقاضے اپنی ضرورت سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے کم سے کم افراد پر اکتفا کیا تھا۔

قطب الدین از لاق کی مایوسی اور شہر سے فرار..... سلطان جلال الدین کے جانے کے بعد بد قسمت شہزادے قطب الدین از لاق کو اور گنج کے ایوان شاہی میں اقتدار کے چند دن بھی نصیب نہ ہوئے۔ تا تاری لشکر شہر کے قریب سے قریب تر آتا جا رہا تھا اور قطب الدین محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس طوفان سے نمٹنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ سلطان جلال الدین کی ذات ایک ایسے بلند پہاڑ کی مانند تھی جس کی پناہ میں وہ وقت کی ہر آندھی کا سامنا کر سکتا تھا۔ اب وہ اس پناہ گاہ کی کمی شدت سے محسوس کر کے کف افسوس مل رہا تھا۔ آخر مایوس ہو کر اس نے آق سلطان اور دیگر اہل خاندان کو ساتھ لیا۔ محلات کا قیمتی ساز و سامان سمیٹا اور سپاہیوں کے ایک دستے کی حفاظت میں سلطان جلال الدین کے پیچھے نسا کی طرف روانہ ہو گیا۔ سلطان جلال الدین کے دار الحکومت اور گنج سے نکلنے کے تین دن بعد تا تاری لشکر شہر کے سامنے پڑاؤ ڈال چکا تھا، النوسی کے بیان کے مطابق باجی نوبان اس فوج کی قیادت کر رہا تھا۔<sup>(۱۲)</sup>

اور گنج کا محاصرہ..... مرحوم سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کا کوئی بیٹا اب اور گنج میں نہیں تھا، مگر جو سر فروش جہاد کی نیت سے یہاں آئے تھے وہ ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے اور لڑنے مرنے کے لیے تیار تھے۔ سلطان جلال الدین نے ان میں جو جہادی روح چھوکی وہ تھی اس کے اثرات اب تک باقی تھے۔ کئی فوجی جرنیل بھی تھے جن میں سے مغول حاجب، اربو کا پھلوان اور سپہ سالار علی دروغینی کے نام تاریخ میں محفوظ ہیں۔ ان جانبازوں نے خمار ترکی نامی ایک سردار کو جو ترکان خاتون کا رشتہ دار تھا، اپنا امیر بنالیا تھا اور اس کی قیادت میں لڑائی کے لیے کمر بستہ ہو چکے تھے۔<sup>(۱۳)</sup>

جھڑ پیں..... ابھی محاصرہ شروع نہیں ہوا تھا اور تا تاری لشکر شہر سے ذرا دور رکھا ہوا تھا کہ ایک دن صبح ہی صبح تا تاریوں کا ایک گروہ فیصل کے باہر چراگاہ سے اہل شہر کے مویشی ہانک کر لے جانے لگا۔ یہ دیکھ کر مجاہدین اور شہریوں کا ایک بہت بڑا مجمع فیصل کے صدر دروازے ”باب عالی“ سے نکل کر ان کا پیچھا کرنے لگا، ان میں سوار بھی تھے اور پیادے بھی۔ تعاقب کرتے کرتے جب وہ شہر سے تین میل دور ”باغ خرم“ نامی مقام تک پہنچے تو اچانک گھات میں چھپے ہوئے ہزاروں تا تاریوں نے ان پر حملہ کر دیا، گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ مسلمان بری طرح گھیرے میں آ جانے کے باوجود ظہر کے وقت تک جان تو لڑائی لڑتے رہے، ان میں سے ایک لاکھ وہیں شہید ہو گئے جب کہ باقی ماندہ گھیر اتوڑ کر شہر کی طرف پسپا ہونے لگے، تا تاری ان کے تعاقب میں تھے، ان میں سے بہت سے بھگدڑ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ”باب قاپلان“ سے شہر میں داخل ہو گئے۔ وہ شہر کے محلے ”ستورا“ تک بے روک ٹوک گھس

گئے مگر پھر شام کا اندھیر پھیلتا دیکھ کر یکا یک واپس ہو گئے، اس دوران وہ اندر سے شہر کا سرسری جائزہ لے چکے تھے۔ اگلے روز تاتاریوں نے شہر کی تفصیل پر حملہ کر دیا، انہوں نے زوردار حملوں کے ذریعے شہر کا پچھا ٹک سر کرنے کی کوشش کی مگر لیکن ”سلطان فریدون غوری“ نامی ایک دلیر سالار پانچ سو جانبازوں کے ساتھ دروازے پر ڈٹا رہا۔ اس نے بھرپور مدافعت کرتے ہوئے یہ حملہ پسپا کر دیا۔<sup>(۱۳)</sup>

منجنیق کا انوکھا استعمال ..... اگلے دن چنگیز خان کا بیٹا اوکسائی خان اپنی فوج کے ساتھ آدھکا، پھر بقرجن نویان کی کمان میں چنگیز خان کے خاص منتخب سپاہیوں پر مشتمل فوج اس سیلاب میں شامل ہو گئی۔ اس کے بعد چنگیز خان کا بیٹا چغتائی خان ایک لاکھ گھڑسواروں کے ساتھ آیا، طولن نویان، استون نویان اور قازان نویان بھی اس کے ہمراہ تھے۔<sup>(۱۴)</sup> چغتائی اور اوکسائی شہر کے ارد گرد گھوم پھر کر سخت ناکہ بندی کا منصوبہ بناتے رہے، ساتھ ہی ایلچیوں کے ذریعے شہریوں کو ہتھیار ڈال دینے کا پیغام بھی دیتے رہے مگر عمائد شہر جو دوسرے شہروں کو دی جانے والی امان کا حال جانتے تھے اس فریب میں نہ آئے۔<sup>(۱۵)</sup>

کچھ دنوں بعد چنگیز خان کا بڑا بیٹا جوجی خان بھی ایک فوج کے ساتھ یہاں پہنچ گیا، اس طرح تاتاریوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی۔ علامہ ابن اثیر کے بقول کسی شہر پر حملے میں اتنے زیادہ تاتاری شامل نہیں تھے۔<sup>(۱۶)</sup> چنگیز خان کے بیٹوں نے اہل شہر کے سخت تیور دیکھ لیے تھے چنانچہ انہوں نے مشترکہ طور پر طویل اور سخت ناکہ بندی کے انتظامات شروع کر دیے۔ چند دنوں میں شہر کا ایسا سخت محاصرہ کر لیا گیا کہ شہر تاتاری افواج کے دائرے میں گھرا ہوا نظر آتا تھا۔

اور گنج دریائے جیجوں کے مغربی کنارے پر آباد تھا۔ یہ سارا میدانی علاقہ تھا، چٹانیں یہاں نایاب تھیں۔ منجنیقوں کو استعمال کرنے کے لیے تاتاریوں نے ارد گرد واقع ٹوٹ کے جنگلات کاٹ کر درختوں کے تنے پانی بھگو دیے۔ اس طرح ان تنوں کو مزید وزنی بنالیا گیا۔ پھر منجنیقوں کے ذریعے یہ بھاری بھر کم شہتیر فصیل شہر پر برسائے جانے لگے۔ یہ بڑی عجیب اور انوکھی ترکیب تھی جو اس سے پہلے کبھی دیکھی یا سنی نہ گئی تھی۔

منجنیقوں کے استعمال کے علاوہ بیگار میں پکڑے گئے قیدیوں کو بھی فصیل میں شگاف ڈالنے پر لگادیا گیا۔ ایک مجمع فصیل کے سامنے پانی کی خندق کو مٹی اور لکڑی کے شہتیروں سے پائنے میں مصروف ہو گیا۔ خندق پُر ہوتے ہی تاتاریوں نے فصیل پر دھاوا بول دیا، ایک حملے میں وہ فصیل پر اپنا پرچم لہرانے میں بھی کامیاب ہو گئے مگر اس کے باوجود فصیل پر ان کا قبضہ نہ ہو سکا۔ اس دوران شہر کا عارضی حاکم خمار ترکی مدافعت سے مایوس ہو کر چپکے سے فرار ہو گیا جس سے شہریوں کو سخت قلق ہوا مگر پھر بھی وہ مقابلے پر ڈٹے رہے۔<sup>(۱۷)</sup>

تاتاریوں کے حملے سے قبل شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کا ارشاد ..... ایک زمانے سے صوفیائے خوارزم و ماوراء النہر کے سر تا حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ یہیں مقیم تھے۔ تاتاریوں کے ظہور سے کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ ایک دن آپ نے اپنے خلفاء کو جن کی تعداد ساٹھ تھی، طلب کر کے فرمایا تھا:

”جلدی کرو اور اپنے اپنے ملکوں کی طرف روانہ ہو جاؤ، کیونکہ مشرق سے ایک ایسی آگ بھڑک اٹھی ہے جو مغرب تک سب کچھ جلا ڈالے گی۔ یہ امت ایک ایسے فتنے میں مبتلا ہونے والی ہے کہ جس سے اس کو پہلے کبھی سابقہ

نہیں پڑا تھا۔“

جب ایک شخص نے عرض کیا: ”حضرت! آپ یہ فتنہ فرو ہونے کے لیے دُعا کیوں نہیں فرماتے، ممکن ہے کہ مسلمانوں سے یہ بلائیں جائے۔“

تو شیخ کا جواب تھا: ”یہ قضاے محکم ہے، دُعا اس کو نال نہیں سکتی۔“

پھر جب خدام نے درخواست کی: ”حضرت! آپ بھی ہمارے ساتھ ہی تشریف لے چلیں، یہ سواریاں حاضر ہیں، ہم خراسان کی طرف نکل جائیں گے۔“

تو شیخ نے فرمایا تھا: ”مجھے باہر جانے کا حکم نہیں، میں تو یہیں شہید ہوں گا۔“ (۱۸)

(آپ کے اس ارشاد کے کچھ بھی دنوں بعد تاریخوں نے خوارزم پر حملہ کر دیا۔)

شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کو جان بخشی کی پیشکش..... چنگیز خان کو اپنے مسلمان ملازموں اور مخبروں کے ذریعے شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کی بزرگی اور ان کے مکاشفات و کرامات کے حیرت انگیز واقعات کا علم ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے بیٹوں کے ذریعے شیخ رحمہ اللہ کو یہ پیغام بھیجا:

”ہمارا لشکر خوارزم کے دار الحکومت کی جانب آرہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مہم قتل و غارت پر انجام پذیر ہو، لہذا آپ جیسے درویش کو چاہئے کہ شہر سے باہر آ جائے تاکہ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچے۔“

شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا: ”اس شہر میں میرے مریدین اور تعلق والے بستے ہیں، میں ان کا ساتھ چھوڑ کر خدائے تعالیٰ کے سامنے کیا عذر پیش کروں گا!!“

شیخ رحمہ اللہ کے اس جواب پر چنگیز خان کے بیٹوں نے شیخ کو دس افراد کے ساتھ جان کی امان کی پیش کش کی، شیخ رحمہ اللہ نے اسے بھی قبول نہ کیا..... چنگیز خان کے بیٹوں نے سو افراد تک کی گنجائش دے دی، مگر شیخ رحمہ اللہ راضی نہ ہوئے..... آخر میں چنگیز زادوں نے شیخ کو پیش کش کی کہ وہ ایک ہزار افراد کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ اس پر شیخ رحمہ اللہ کا آخری جواب یہ آیا:

”یہ کیسے ممکن ہے کہ جس قوم کے ساتھ میں نے امن و سکون اور راحت و آرام کے ۷۰ سال گزارے ہیں، مصیبت کے وقت میں ان کو ہلاکت کے منہ ہار میں چھوڑ کر اپنی خلاصی کی فکر کروں۔ میری غیرت اس کی اجازت نہیں دیتی۔“ (۱۹)

آتش باری اور شہر کو غرق کرنے کا انوکھا منصوبہ..... سلطنت خوارزم کے پایہ تخت اور گنج کا محاصرہ بہت طویل ہو گیا تھا۔ تاری نشانہ باز شب و روز محققین چلا کر فصیل کے مختلف حصوں کو کھود کر کرنے میں مصروف تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ آتشیں اسلحہ بھی استعمال کرنے لگے تھے۔ منجیقوں سے کھولتی ہوئی ہانڈیاں اور روغن نفت کی کپیاں برسائی جاتیں۔ یہ آتش گیر مادہ اندرون شہر بڑی تباہی مچاتا۔ لکڑی کے مکانات جو شہر میں بکثرت تھے فوراً آگ پکڑ لیتے اور آنا فانا جل کر خاکستر ہو جاتے۔ تاہم کچھ دنوں بعد تاریخوں نے یہ سوچ کر آتشیں آلات کا استعمال ترک کر دیا کہ اگر سب کچھ جل گیا تو انہیں مالی غنیمت میں کچھ بھی نہیں مل سکے گا۔ (۲۰)

دن گزرتے گئے، سخت ترین حالات کے باوجود محصور مسلمان مقابلے میں ڈٹے رہے۔ چنگیز زادوں کی جانب سے انہیں مزاحمت ترک کرنے پر عام معافی کی پیش کش بھی کی گئی جسے علما و شہر نے ٹھکرا دیا اور لڑائی بدستور جاری رہی۔ (۲۱)



ادھر تاتاری شہزادوں کی درخواست پر چنگیز خان کی طرف سے بھیجی جانے والی پے در پے کمک نے حملہ آوروں کی تعداد اور قوت میں حد درجے اضافہ کر دیا تھا۔ اس افرادی قوت سے کام لے کر محاصرے کی طوالت سے اکتائے ہوئے تاتاری شہزادوں نے ایک ایسی چال چلی جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

انہوں نے سپاہیوں اور قیدیوں کی ایک بھاری تعداد کو دریائے جیحون کے آگے پتھروں کا بند باندھنے پر مامور کر دیا تاکہ دریا کا رخ شہر کی طرف موڑ کر تمام آبادی کو غرق کر دیا جائے۔

اس منصوبے میں جو جی خان شامل نہیں تھا، اس نے اپنے بھائیوں سے اصرار کیا کہ اس خوبصورت شہر کو تباہ نہ کیا جائے، اس نے کہا تھا:

”خاقان نے یہ شہر مجھے بخش دیا ہے، میں نہیں چاہتا کہ یہ تباہ ہو جائے۔“

مگر چغتائی نے اس کی بات سے اتفاق نہ کیا اور اس بھیا تک منصوبے پر کام شروع ہو گیا۔<sup>(۳۲)</sup>

تاتاری شہزادوں میں پھوٹ..... چغتائی کو شہر کی تباہی پر مصر دیکھ کر جو جی ناراض ہو گیا، اس طرح چنگیز زادوں میں پھوٹ پڑ گئی..... نتیجہ یہ نکلا کہ تاتاری فوجوں کا نظم و ضبط کمزور پڑ گیا..... کئی ہفتوں تک یہی کیفیت رہی، اس سے اہل شہر کو خاصی مہلت مل گئی اور وہ تاتاری فوجوں کے غیر منظم حملوں کے جواب میں بھرپور کارروائیاں کر کے انہیں زبردست نقصان پہنچانے لگے۔

اس دوران تاتاری دریا کا رخ موڑنے کا کام بھی کر رہے تھے..... اس کی روک تھام کے لیے ایک دن مجاہدین کا ایک بڑا گروہ موقع پا کر شہر سے نکلا اور دریا کے کنارے گھات لگا کر یکا یک ان تین ہزار تاتاریوں پر حملہ آور ہو گیا جو دریا کا رخ موڑنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ یہ حملہ اتنا کامیاب تھا کہ ایک تاتاری بھی زندہ بچ کر نہ جاسکا۔<sup>(۳۳)</sup> تولی خان اور گنچ کے محاذ پر..... اس دوران چنگیز خان شمالی افغانستان کے قلعے طالقان کے محاصرے کے لیے پہنچ گیا تھا۔ محاصرے کے پہلے روز ہی اسے خبر نے اطلاع دی کہ اور گنچ اب تک فتح نہیں ہو سکا اور وہاں سپاہیوں کی بہت بڑی تعداد ماری گئی ہے۔ خبر نے یہ بھی بتایا کہ فتح میں تاخیر کی ایک اہم وجہ اس کے بیٹوں کے باہمی اختلافات اور فوج کی بد نظمی ہے۔

چنگیز خان کو اس خبر سے بے حد تشویش ہوئی، اس نے فوری طور پر اپنے سب سے جنگجو اور عیار بیٹے تولی کو اور گنچ روانہ کر دیا تاکہ وہ وہاں جا کر افواج کا نظم و ضبط بحال کرے اور اوکٹائی کو حکم نامہ بھیجا کہ وہ حکمت عملی سے کام لے کر جو جی اور چغتائی کا اختلاف دور کرے۔ تولی کے آنے سے اور گنچ کا محاذ ایک بار پھر گرم ہو گیا اور اوکٹائی کی چکنی چڑی باتوں سے جو جی اور چغتائی کی ناراضی ختم ہو گئی، تاتاری مجتمع ہو گئے اور ان کے حملوں کی سابقہ شدت لوٹ آئی۔<sup>(۳۴)</sup>

دشمن کو یک جان دیکھ کر اہل شہر میں سے جو لوگ بھی لڑنے کے قابل تھے، وہ ہتھیار سنبھال کر شہر کے دروازوں پر جمع ہو گئے۔ ایک ہفتے تک فیصل کے اوپر اور باہر زبردست جنگ ہوتی رہی۔ تاتاری بار بار فیصل پر چڑھ آتے اور مسلمان سخت مزاحمت کر کے انہیں نیچے گرا دیتے۔ ان شدید جھڑپوں میں بکثرت مسلمان شہید ہوئے، مگر تاتاریوں کے مقتولین کی تعداد بدرجہا زیادہ تھی۔<sup>(۳۵)</sup>

پانچ ماہ سے جاری یہ جنگ اب شدت میں انتہاء کو پہنچ رہی تھی اور ادھر ۸۰ سالہ شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کو احساس ہو گیا تھا اب آخری وقت قریب ہے۔ ویسے بھی ایک مدت سے ان کے دل میں اللہ کے دشمنوں سے قتال



کرنے اور لیلائے شہادت سے ہم آغوش ہونے کی تمنا چٹکیاں لے رہی تھی اور اس سعادت کا حصول اب چند لمحے کی بات تھی۔ انہوں نے اپنے مریدین سے کہا: ”گئے چنے سانس باقی رہ گئے ہیں۔ آخری وقت آچکا ہے۔ آؤ کہ شہر سے باہر نکل کر رسم جہاد تازہ کر دیں“

مریدوں نے عرض کیا: ”حضرت شہر سے باہر نکلنا مصلحت کے خلاف نظر آتا ہے۔“

شیخ نے فرمایا: ”میں تو بس اپنے چند سفید بالوں کو شہادت کے خون سے رنگنا چاہتا ہوں۔“ (۲۵)

دست بدست مقابلہ ..... ادھر یہ گفتگو ہو رہی تھی اور ادھر تاری اپنی ساری توانائی جمع کر کے شہر کے ایک رخ پر اندھا دھند حملہ کر چکے تھے۔ جلد ہی شہر میں خبر پھیل گئی کہ تاری زبردست قتل و قتال کے بعد ایک محلے پر قابض ہو گئے ہیں۔ (۲۶) یہ سن کر تمام مجاہدین بھی اسی طرف سٹ آئے اور حملہ آوروں کے خلاف شدید مزاحمت شروع ہو گئی، مگر تاری شہر کے اندر داخل ہو چکے تھے۔ اور گنج کے گلی کوچوں میں گھسان کی جنگ چھڑ چکی تھی۔ مسلمان نوجوان ان سے جگہ جگہ دست بدست مقابلہ کر رہے تھے۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے مکانات کی چھتوں پر مورچے بنا کر تیروں اور پتھروں کی بو جھاڑ کر رہے تھے۔ (۲۷)

شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کی شہادت ..... شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ علیہ تاریوں کے شہر میں داخل ہونے کی خبر سن کر ایک کراٹھے اور اپنے مریدین کو لٹکار کر کہا: ”اٹھو! ہم اللہ کی راہ میں قتال کریں گے۔“

شیخ کی پکار پر ان کے عقیدت مند مسلح ہو کر اس طرف جمع ہونے لگے۔ شیخ اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ کچھ دیر بعد جب برآمد ہوئے تو اپنے مرشد کا عطا کردہ خرقہ خلافت زیب تن تھا اور چہرے پر عرب و جلال کے ایسے آثار تھے کہ نگاہ ڈال کر دیکھنا مشکل تھا۔

شیخ نجم الدین کبریٰ اس مختصر سے مجمعے کے ساتھ تاری حملہ آوروں پر پل پڑے۔ پتھروں سے بھرا ہوا ایک تھیلہ ان کے پاس تھا جس سے وہ دشمن کے سپاہیوں کو اپنی سنگ باری کا نشانہ بنا رہے تھے۔ جب پتھر ختم ہو گئے تو وہ اپنا نیزہ تان کر دشمن کے مجمعے میں گھس گئے۔ زمین و آسمان دم بخود ہو کر اپنے وقت کے اس عظیم ولی اللہ کو میدان جہاد میں دادِ شجاعت دیتا دیکھ رہے تھے۔ شیخ نے کئی تاریوں کو مار گرایا، ناگاہ ایک دشمن کی کمان سے نکلنے والا تیر شیخ کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ شیخ تکلیف کا اظہار کرنے کی بجائے خوشی سے اچھلنے لگے۔ انہوں نے اپنے سینے میں پیوست تیر کو زور سے کھینچ کر باہر نکال لیا۔ ..... خون کا ایک فوارہ جاری ہو گیا۔ شیخ رحمہ اللہ نے تیر کو آسمان کی طرف اچھال دیا۔ وہ فرما رہے تھے:

”اے میرے اللہ! چاہے آپ وصال کے ذریعے مجھے قتل کریں یا فراق کے ذریعے ..... میں راضی برضا ہوں۔“

جان کنی کے عالم میں شیخ رحمہ اللہ نے تاری علم بردار کو اس طرف آتا دیکھا۔ انہوں نے جھپٹ کر اس کے جھنڈے پر ہاتھ ڈالا اور گرفت مضبوط کر لی۔ تاری سورما باوجود کوششِ بسیار کے ان کی گرفت سے جھنڈا نہ نکال سکا۔ اسی حالات میں شیخ رحمہ اللہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ ان کی شہادت کے بعد بھی یہ جھنڈا ان کے ہاتھ سے نہ چھڑایا جاسکا۔ آخر کار تاریوں نے خود اپنے پرچم کو کاٹ کر علاحدہ کیا۔ (۲۸)

بنا کر دند خوش رسے بنجاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ نے (جوش کبریٰ رحمہ اللہ کے خلیفہ مولانا بہاؤ الدین کے فرزند ہونے کے ناطے اس سلسلہ عالیہ کے فیض یافتگان میں سے ہیں) غالباً اسی منظر سے متاثر ہو کر اللہ کے عاشقوں کی شان میں فرمایا:

بہ یکے دست مئے خالص ایمان نوشند بہ یکے دست دگر پرچم کافر گیرند

یعنی اللہ کے عاشق ایک ہاتھ سے ایمان کی شراب خالص کا جام پیتے ہیں اور دوسرے ہاتھ سے کافر کا پرچم چھین لیتے ہیں۔ قتل عام اور دارالحکومت کی غرقابی..... تاتاریوں کے شہر میں داخلے کے بعد بھی اور گنج کے شیر دل مسلمان ایک ہفتے تک شہر کی گلیوں اور کوچوں میں دشمن سے برسرِ پیکار رہے۔ یہ عظیم الشان پایہ تخت کئی محلوں پر مشتمل تھا اور ہر محلہ اپنے رقبے آبادی اور دفاعی استحکام کے لحاظ سے ایک فیصل بند شہر کی مانند تھا..... تاتاری اپنی تمام تر قوت کو جمع کر کے یکے بعد دیگرے ایک ایک محلے پر قبضہ کرتے گئے۔ جب وہ ایک محلے پر قبضہ کر لیتے تو مسلمان دوسرے محلے میں محصور ہو کر ان سے مقابلہ کرنے لگتے۔ اس لڑائی میں نوجوانوں کے شانہ بشانہ بوڑھے، عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔<sup>(۴۵)</sup> تاتاری جس محلے پر قبضہ کر لیتے اس کی دیواروں اور فیصلوں کو منہدم کر دیتے۔ مال و متاع لوٹ لیتے اور مکانات کو آگ لگا دیتے..... آخر میں شہر کے صرف تین بڑے محلے بچ گئے، باقی ماندہ تمام مسلمان ان میں محصور ہو گئے۔

اس موقع پر پہلی اور آخری بار شہر کے کچھ لوگوں نے تاتاریوں سے جان بخشی کی درخواست کی۔ شہر کے منتخب مفتی علاؤ الدین خیاطی اہل شہر کی طرف سے درخواست لے کر تاتاری شہزادوں کے پاس گئے، انہیں ایک خیمے میں بٹھایا گیا جہاں ان کی جوجی خان سے ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو مفتی صاحب نے کہا:

”ہم آپ کی دہشت اور سخت گیری تو دیکھ چکے، اب ہمیں اپنے رحم و کرم کا نظارہ بھی کرا دیں.....“

جوجی خان جو پہلے ہی غصے میں بھرا بیٹھا تھا، مزید آگ بگولا ہو گیا اور گرج کر بولا:

”ان لوگوں نے میری دہشت بھلا کیا دیکھی ہے، دہشت تو انہوں نے پھیلائی ہے کہ مار مار کر ہمارے

سپاہیوں کا صفایا کر ڈالا ہے۔ خیر! ان کی دہشت تو دیکھ لی..... اب میں انہیں اپنی دہشت دکھاتا ہوں۔“

یوں جان بخشی کی درخواست بڑی بے رحمی سے مسترد کر دی گئی۔

ساتویں روز تاتاری تمام شہر پر قبضہ کر چکے تھے، انہوں نے بچی کچھی تمام آبادی کو گھیر گھار کر شہر سے باہر ہانک دیا۔ یہاں ان کی چھاننی کی گئی۔ دارالحکومت دنیا بھر سے کشاں کشاں آنے والے صنعتکاروں اور ہنرمندوں کی جنت تھا۔ ان کا ایک جم غفیر یہاں موجود تھا۔ تاتاریوں نے ایسے ایک لاکھ ماہر فن افراد کو چن کر علاحدہ کر لیا، تاکہ ان سے چنگیزی سلطنت کی ترقی کے کاموں میں جبری مشقت لی جائے۔ خود و دوشیزائیں شہزادوں اور سرداروں کی آتش ہوس بجھانے کے لیے قیدی بنائی گئیں۔ باقی افراد کو تاتاری سپاہیوں نے نہ صرف تلواروں بلکہ کدالوں، پھاؤڑوں اور بیلچوں تک سے مارنا شروع کیا، حتیٰ کہ یہ سارا علاقہ خون کی نہر بن گیا۔ جامع التواریخ کی روایت کے مطابق محتاط انداز یہ ہے کہ ان مقتولین کا شمار بارہ لاکھ سے کم نہ تھا، کیوں کہ قتل عام میں حصہ لینے والے تاتاری پچاس ہزار تھے جن میں سے ہر ایک کے حصے میں ۲۳، ۲۳ مسلمان آئے تھے۔<sup>(۴۶)</sup> قتل عام سے فارغ ہو کر تاتاریوں نے اپنے اس شیطانی کارنامے کی تکمیل کی جس کی تیاری وہ کئی ماہ سے کر رہے تھے۔ دریائے جیجوں کا رخ موڑ کر شہر کو زیرِ آب کر دیا گیا اور خوارزمیوں کا یہ عظیم الشان دارالحکومت بھولا بسرا افسانہ بن کر رہ گیا۔<sup>(۴۷)</sup>

ہو کا عالم ہے جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھو اب وہ گلشن، نہ وہ بہشتی، نہ وہ دریا باقی  
 علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ اس حادثے پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”تاتاریوں نے اس شہر کو مکمل طور پر غرق کر دیا، عمارتیں تہہ وبالا ہو گئیں، ان کی جگہ پانی نے لے  
 لی، یہاں کے باشندوں میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ بچ سکا، دوسرے شہروں میں تو بعض لوگ بچ گئے  
 تھے۔ کوئی روپوش ہو کر، کوئی فرار ہو کر، کوئی شہر سے باہر نکل کر اور کوئی مقتولین میں لیٹ کر اپنی جان  
 بچانے میں کامیاب ہو گیا، مگر خوارزم (اور گنج) کے باشندوں میں سے جو تاتاریوں سے چھپ گیا اسے  
 پانی نے غرق کر دیا یا مکانات کے گرنے سے وہ ہلاک ہو گیا۔ پس یہ شہر بالکل ویران و بیابان ہو کر رہ گیا۔  
 كَأَن لَّمْ يَكُنْ بَيْنَ الْحَيُّونَ إِلَى الصَّفَا أَيْسُّ وَلَمْ يَسْمُرْ بِمَكَّةَ سَامِر  
 (گویا کہ جو ن سے لے کر صفا تک کوئی دل بہلانے والا نہ تھا اور نہ مکہ میں کوئی رات کو دلچسپ باتیں  
 کرنے والا باقی رہا۔)

اس جیسا حادثہ نہ قدیم دور میں سنا گیا اور نہ ہی قریبی زمانے میں۔“ ۱۱۱

تاتاریوں کے نقصانات ..... اور گنج پر قبضہ کرنے کے لیے تاتاریوں کو پانچ ماہ تک شدید جدوجہد کرنی پڑی تھی۔  
 ۱۱۲ اس طویل عرصے میں اس شہر کے بہادر اور جنگجو مسلمانوں نے جس طرح جرات و شجاعت کی امانت تارخ رقم کی وہ  
 رہتی دنیا تک لوگوں سے خراج تحسین وصول کرنے کی حقدار ہے۔ تاتاریوں نے اس لڑائی میں جو نقصان اٹھایا وہ ان  
 کے لیے ایک غیر متوقع تجربہ تھا۔ محصور مسلمانوں نے اپنے محدود وسائل کے باوجود ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا۔ اگرچہ ان  
 کی اکثریت جہادی تربیت اور عسکری فنون میں مہارت نہیں رکھتی تھی، مگر پھر بھی اس کٹھن موقع پر شہریوں نے مجاہدین  
 کے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور ان کے ساتھ شانہ بشانہ لڑتے ہوئے تاتاریوں کی اتنی لاشیں گرائیں جنہیں ٹھکانے  
 لگانا تاتاری لشکر کے لیے دشوار ہو گیا۔ جگہ جگہ ان لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے، ان کے پھولنے، پھٹنے اور گلنے  
 سڑنے کے بعد ان کی ہڈیوں کے ٹیلے بن گئے جو تقریباً ایک صدی تک اس شہر کے بایسوں کی جرأت اور مردانگی کی  
 گواہی دیتے رہے۔ ۱۱۳

جوجی پر عتاب ..... دارالحکومت کی فتح میں تاتاریوں کو جو مشکلات پیش آئیں ان میں اہل شہر کی شجاعت کے علاوہ  
 شہر کی وسعت اور فصیل کی بلندی و سنگینی کا بھی دخل تھا، مگر ساتھ ساتھ ایک وجہ تاتاری لشکر کے عمومی سپہ سالار جوجی کی  
 اپنے دونوں بھائیوں اوکتائی اور چغتائی سے ناموافقت بھی تھی جس سے فوج کے منظم رہنے میں خلل واقع ہوتا رہا اور فتح  
 میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔ اس کے علاوہ جوجی شہر کی تباہی پر بھی رضامند نہیں تھا۔ جوجی کا ایک بڑا قصور یہ بھی تھا کہ وہ  
 سلطان جلال الدین کو قتل یا گرفتار کرنے میں ناکام رہا تھا۔ یہ تمام باتیں چنگیز خان کو بھڑکار رہی تھیں۔ چنانچہ شہر پر قبضہ  
 کرنے کے بعد جب جوجی چنگیز خان کے دربار میں پہنچا تو باپ کے عتاب کی زد میں آ گیا۔ چنگیز خان نے اسے  
 تاتاری لشکر سے علیحدگی کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ اپنے خصوصی دستے کے ساتھ بحیرہ خزر کے پار چلا گیا۔ ۱۱۴

## حواشی و حوالہ جات

- ① سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۲..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴..... جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۱
- ② جہاں کشا ج ۲ ص ۱۳۰
- ③ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۱..... حاشیہ جہاں کشا ج ۱ ص ۹۸
- ④ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۲..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴..... جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۱
- ⑤ ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۲
- ⑥ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۲..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴..... ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۵
- ⑦ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۲..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۵ ⑧ جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۳۲، ۱۳۳
- ⑨ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۲..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴..... جہاں کشا، ج ۲، ص ۳۲
- ⑩ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۲، ۱۲۶..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۵
- ⑪ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۲..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۵..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴
- ⑫ جہاں کشا ج ۱ ص ۹۷، جہاں کشا کے بعض نسخوں میں اس امیر کا نام خمارنگین لکھا گیا ہے۔..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۵
- ⑬ جہاں کشا ج ۱ ص ۹۸، ۹۹..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴
- ⑭ نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۹۰ ⑮ جہاں کشا ج ۱ ص ۹۹
- ⑯ علامہ ابن اثیر کے الفاظ یہ ہیں:
- واما السطائف فمن الجيش الذي سيروها جنكيز خان الى خوارزم فانها كانت اكثر السرايا  
جميعها لعظم البلد (ج ۷، ص ۵۹۲) چنگیز خان نے لشکر کا جو حصہ خوارزم کے دار الحکومت روانہ کیا تھا وہ باقی تمام  
مہمات کی فوجوں سے بڑا تھا کیوں کہ یہ شہر بہت وسیع تھا
- ⑰ نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۹۰..... روضۃ الصفاق ج ۵ ص ۳۳..... جہاں کشا ج ۱ ص ۹۹
- ⑱ شذرات الذہب ج ۵ ص ۸۰..... نجات الانس، ص ۶۶۰
- ⑲ روضۃ الصفاق ج ۵ ص ۳۴..... جامع التواریخ ج ۴ ص ۳۷۴
- ⑳ جہاں کشا ج ۱ ص ۱۰۰ ㉑ تاریخ مختصر الدول، ص ۲۳۵
- ㉒ سیرۃ جلال الدین ص ۱۷۱..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۹۰

۳۲) بحوالہ بالا ۳۲) جامع التواریخ، ص ۳۷۳..... روضۃ الصفاح ۵ ص ۳۳

۳۳) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۲ ۳۳) روضۃ الصفاح ۵ ص ۳۲

۳۴) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۶..... ابن اثیر ج ۷، ص ۵۹۲

۳۵) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۶..... ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۲

۳۶) روضۃ الصفاح ۵ ص ۳۲..... فحاحات الانس، ص ۶۶۱..... شذرات الذهب، ج ۵ ص ۸۰..... علامہ ذہبی نے اپنی تاریخ اسلام میں ”وفیات طبقہ ۶۲ حرف الف“ کے تحت شیخ نجم الدین کبریٰ کا تعارف کراتے ہوئے بتایا ہے کہ ان کا نام احمد بن عمر تھا، خوارزم کے ایک گاؤں خبوق کے باشندے تھے، اسکندریہ کے محدث ابوطاہر سلفی کے شاگرد رہے، صوفی، زاہد اور فقہ شافعی کے عالم تھے، مدتوں گھوم پھر کر علم دین اور عرفان خداوندی حاصل کیا، شام کے شہر حلب کی خانقاہ قصر میں ایک عرصہ گزارا، ۱۲ جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی۔ آخر میں وطن خوارزم واپس آ کر سلوک و احسان کا سلسلہ چلایا اور وہیں شہید ہوئے۔

۳۷) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۲ ۳۷) جامع التواریخ، ج ۳، ص ۳۷۳

۳۸) جامع التواریخ، ج ۳، ص ۳۷۳..... ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۳

۳۹) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۲، ۵۹۳

۴۰) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۲، جبکہ جامع التواریخ کی روایت کے مطابق سات ماہ سے زائد عرصہ صرف ہوا۔

۴۱) جامع التواریخ میں (جو تاریخوں کے اس حملے کے تقریباً ایک صدی بعد لکھی گئی ہے) مذکور ہے کہ:

”خوارزمیان بسیار از لشکر مغول بکشتند چنانکہ گویند پشتہ ہائے کہ از استخوان ایشان جمع کردہ بودند، نوز بر حوالی شہر قدیم خوارزم ماندہ است۔“ (خوارزمیوں نے تاتاریوں کو بڑی تعداد میں قتل کیا، جیسا کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ ان مقتول تاتاریوں کی ہڈیوں کی جمع کرنے سے جو ٹیلے بنے تھے وہ اب بھی شہر کے قدیم آثار کے آس پاس موجود ہیں: جامع التواریخ، ص ۳۷۳)

۴۲) چنگیز خان، باب نمبر ۱ ص ۱۳۲، ۱۳۳

—||—

## نئے مصائب اور نئے عزائم

ڈھل چکی رات تو اب کھر بھی چھٹ جائے گی ابھی امید کی لو کم نہ کرو دیوانو! آندھیاں آیا ہی کرتی ہیں ہر ایک جس کے بعد گل شدہ شمعوں کا ماتم نہ کرو دیوانو! استوا کا معرکہ ..... پایہ تخت سے نکل کر سلطان جلال الدین خراسان کی طرف گامزن تھے۔ ان کی چھوٹی سے فوج سیاہ پرچم اڑائے چلی جا رہی تھی۔ سلطان کو امید تھی کہ خراسان میں نسا اور نیشاپور جیسے بڑے شہروں کو وہ ایک نئے حصار میں تبدیل کر سکیں گے۔ اور گنج سے خراسان کی سرحد تک تقریباً دو سو چھپن میل کا راستہ ہے جو ایک وسیع صحرا گزرتا ہے، یہ فاصلہ عموماً سولہ دن میں طے کیا جاتا تھا، مگر سلطان نے نہایت تیز رفتاری سے چند دن میں یہ صحرا عبور کر لیا۔ آگے کا سفر بھی خطرات سے خالی نہیں تھا۔ جگہ جگہ تاتاریوں کی ان فوجوں سے تصادم کا خطرہ تھا، جو چنگیز خان کے تازہ ترین حکم کے مطابق اور گنج کے معرکہ میں شرکت کے لیے جا رہی تھیں، انکے علاوہ چنگیز خان نے خراسان کی سرحدوں پر ایک فوج مقرر کر دی تھی جو مرو سے شہرستانہ تک ایک نیم دائرہ بنائے ہوئے تھی تاکہ اگر خوارزمی شہزادے اور گنج سے فرار ہو کر اس طرف آئیں تو انہیں پکڑ لیا جائے۔ نیز ہر جگہ تاتاریوں کے حلیف قلعہ دار اور مخبر موجود تھے۔ سلطان ان سب کی نگاہوں سے بچتے بچاتے اپنی منزل کی جانب چل رہے تھے۔<sup>①</sup>

مرو سے شہرستانہ تک کی نگرانی کرنے والے تاتاریلشکر کے سپہ سالار کو جاسوسوں نے بتایا کہ سلطان جلال الدین بذات خود ایک چھوٹے سے قافلے کے ساتھ اسی طرف آرہے ہیں۔ چنگیز خان کی جانب سے تمام تاتاری کمانڈروں کو سلطان جلال الدین کے خطرے کی روک تھام کے تاکیدی احکام مل چکے تھے، اس لیے تاتاری سالار کے لیے چنگیز خان کے سامنے سرخروئی کا یہ بہترین موقع تھا۔ خوارزمی فوج کی پے درپے شکستوں کے بعد عام طور پر ایک تاتاری سالار ایک ہزار خوارزمیوں کے لیے اپنے پانچ سو سپاہی کافی سمجھتا تھا، لیکن کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے اس سپہ سالار نے سلطان جلال الدین کے تین سو رفتار کوٹمنانے کے لیے سات سو کا آرمودہ و چنیدہ سور ماروانہ کر دیے۔

یہ تاتاری ضلع استوا میں ”پشتہ شایقان“ نامی مقام پر سلطان کے راستے میں گھات لگا کر بیٹھ گئے۔<sup>②</sup>

جوں ہی سلطان جلال الدین اپنے قافلے کے ساتھ اس مقام تک پہنچے، تاتاریوں نے گھات سے نکل کر ان پر بھوکے بھیڑیوں کی طرح اچانک حملہ کر دیا۔ سلطان اور ان کے مٹھی بھر ساتھی جو بے خبری کے عالم میں اس طرف چلے آ رہے تھے مکمل طور پر تاتاریوں کے گھیرے میں آ گئے۔ اگرچہ تاتاریوں کا حملہ بالکل غیر متوقع تھا اور ان کی تعداد دو گن سے بھی زیادہ تھی، مگر سلطان جلال الدین کے جاٹاروں کی شمشیریں پلک جھپکتے میں بجلی کی طرح تڑپ کر نیاموں سے باہر نکل آئیں۔ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے یہ سرفروش دشمن پڑے اور اس بے جگری سے لڑے کہ تاتاریوں

کے دانت کھٹے ہو گئے۔ سلطان کی تلوار بھی کشتوں کے پٹے لگا رہی تھی۔ حق و باطل کا یہ معرکہ دیر تک جاری رہا۔ غازیوں نے تاتاریوں کی لاشوں کے انبار لگا دیے، ان درندوں میں سے چند مفرو رین کے سوا کوئی زندہ نہ بچ سکا۔ احمد النسوی کہتے ہیں:

”هَذَا أَوَّلُ سَيْفٍ فِي الْإِسْلَامِ خَضِبَ بِدِمَائِهِمْ وَلَعِبَ فِي جِثَّتِ أَشْلَاقِهِمْ“ (یہ پہلا موقع تھا کہ شمشیر اسلام تاتاریوں کے خون رنگین ہوئی اور ان کی لاشوں سے کھیلی)

اس معرکے سے جوتا تاری بچ نکلے تھے انہیں ارد گرد کے کسانوں نے گھیر لیا اور پکڑ کر ”نسا“ لے آئے جہاں کے حاکم اختیار الدین نے ان کے سر قلم کرا دیے۔

سلطان جلال الدین کو اس جھڑپ کے بعد اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ تاتاری قریب میں موجود کسی بڑے لشکر کا حصہ تھے، اس لیے باوجود تھکاوٹ کے انہوں نے فوراً وہاں سے نکل جانا ضروری سمجھا، اب ان کے پاس تاتاریوں سے چھینا ہوا مال غنیمت بھی خاصی مقدار میں تھا، یوں ان کی مالی حالت قدرے مضبوط ہو گئی تھی۔<sup>(۵)</sup>

اختیار الدین کی امداد..... سلطان جلال الدین بے آب و گیاہ صحرا اور جنگلات قطع کرتے ہوئے نسا کی طرف بڑھتے رہے۔ اس وقت تک ان کے جانور بے حد تھک چکے تھے اور ہمراہیوں کا بھوک سے برا حال تھا مگر اس صحرائی علاقے میں خوراک اور چارے کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔

دو پہر کونسا کی ایک نواحی فصیل بند بستی ”جو امنند“ کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ کچھ دیر کے لیے رکے اور اپنے ہر کارے بستی کی طرف بھیجے۔ بستی والے سیاہ پرچم اڑاتی ہوئی اس فوج کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے، ہر کاروں نے فصیل کے پاس جا کر کہا: ”یہ فوج شہزادہ جلال الدین کی ہے جو نسا کی سرحدوں پر تعینات تاتاریوں کو شکست دے کر آ رہی ہے۔ سلطان اس میں بنفس نفیس موجود ہیں۔“

بستی والوں نے اس بات کو جھوٹ سمجھا کیونکہ تاتاریوں کی شکست بھی ناقابل یقین بات تھی اور سلطان کی اس قدر قریب موجودگی بھی عجیب تھی۔ اس لیے انہوں نے فصیل کے دروازے نہ کھولے۔

کچھ دیر بعد ایک اور ہر کارہ فصیل کے قریب آ کر گویا ہوا:

”شہزادہ جلال الدین تمہیں شک اور احتیاط میں معذور سمجھتے ہیں۔ وہ تمہارے قدر دان ہیں مگر حقیقت بہت جلد تمہارے سامنے آ جائے گی، پھر تمہیں ندامت ہوگی اس لیے فی الحال تم صرف افراد اور جانوروں کی خوراک و رسد کا انتظام کر دو۔“

بستی والوں نے یہ انتظام کر دیا اور ایک گھنٹے بعد قافلہ کوچ کر گیا۔

سلطان بعد میں اس احسان کو یاد کر کے کہا کرتے تھے:

”اگر نسا والے، مدد نہ کرتے تو ہم نیشاپور تک بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس لیے کہ اس وقت ہمارے جانور جن کے ذریعے ہم نے صحرا عبور کیا تھا، بے حال ہو چکے تھے۔“

سلطان کے روانہ ہوتے ہی جو امنند کے رئیس نے ایک مخبر کو رقعہ دے کر نسا کے حاکم اختیار الدین زنگی کی طرف دوڑایا اور اس قافلے کی اطلاع دی۔ اختیار الدین کو ایک نامعلوم فوج کے ہاتھوں تاتاریوں کی شکست کی اطلاع مل

چکی تھی۔ یہ رقعہ پڑھ کر یقین اسے ہو گیا کہ یہ کارنامہ سلطان جلال الدین ہی کا ہے۔

اس نے اعانت اور حفاظت کے لیے کچھ سپاہی، سواری کے لیے تازہ دم گھوڑے اور بار برداری کے لیے کچھ خچر بھی سلطان کی خدمت میں روانہ کیے مگر اس وقت تک سلطان کا قافلہ آگے نکل چکا تھا۔ ⑤

شادیاخ میں قیام..... خراسان کی حدود میں سلطان جلال الدین کے راستے کا پہلا پڑاؤ شادیاخ میں ہوا۔ یہاں سلطان نے دو تین دن قیام کیا۔ اس دوران وہ آئندہ کی حکمت عملی کے متعلق ساتھیوں سے مشاورت، سامانِ حرب و ضرب، متاعِ سفر کی فراہمی اور دعوتِ جہاد جیسے اہم امور میں مشغول رہے۔ اسی دوران ناگہاں یہ اطلاع ملی کی تاتاریوں کا ایک لشکر شادیاخ کی طرف بڑھ رہا ہے اور اس کا مقصد سلطان کو گرفتار کرنا ہے۔ سلطان کے مٹھی بھر رفقاء فی الحال ایک بڑی فوج سے مکر نہیں لے سکتے تھے، اس لیے اطلاع پاتے ہی نصف شب کو سلطان جلال الدین اپنے قافلے سمیت شہر سے نکل گئے۔ یہ پندرہ ذی الحجہ ۶۱۷ھ (۱۰ فروری ۱۲۲۱ء) کا واقعہ ہے۔ ابھی انہیں شہر سے نکلے ہوئے چند گھڑیاں ہی بیتی تھیں کہ تاتاریوں کے لشکر نے شہر کے سامنے پڑے جمالیے، لیکن جب انہیں یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ سلطان شہر میں موجود نہیں تو وہ فی الفور تعاقب میں روانہ ہو گئے اور جلد ہی سلطان کے قریب پہنچ گئے۔

برقِ رفتاری کا عجیب مظاہرہ..... تعاقب میں آنے والے تاتاریوں کی رفتار سے سلطان کو اندازہ ہو گیا کہ انہیں چکا دیے بغیر ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہوگا۔ ایک دورا ہے پر پہنچ کر سلطان نے اپنے قافلے کے دو حصے کر دیے اور ایک حصے پر ملک ایلدزک کو امیر بنا کر اسے حکم دیا کہ وہ تاتاری لشکر کو الجھا کر غلط راستے پر لے جائے۔ یہ کہہ کر سلطان خود دوسری طرف روانہ ہو گئے۔

سلطان کی روانگی کے کچھ دیر بعد جوں ہی تاتاری لشکر کا ہر اول دستہ دورا ہے تک پہنچا تو ملک ایلدزک کے جانبازوں نے انہیں تیروں اور نیزوں پر رکھ لیا۔ گھڑی بھر لڑائی کے بعد جب تاتاریوں کا مڈی دل لشکر دم بدم پہنچنے لگا تو ملک ایلدزک سلطان جلال الدین کے اختیار کردہ راستے کی مخالفت سمست پر پسا ہو گیا۔ تاتاری یہ سمجھ کر کہ سلطان خود اسی گروہ میں ہیں، اس کے پیچھے روانہ ہو گئے۔

دوسری طرف موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطان جلال الدین دشمن کی زد سے دور نکلتے چلے گئے۔ ان کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ ایک ہی منزل میں انہوں نے چالیس (۴۰) فرسخ (ایک سو بیس میل) طے کر لیے۔ یہ برق رفتاری بذاتِ خود عجائباتِ زمانہ میں سے ہے۔ ⑥ دنیا کی تاریخ میں کسی فاتح، کسی معرکہ آزماء، کسی فوج اور کسی قافلے کے بارے میں اس قدر تیزی سے سفر کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

قطب الدین اور آق سلطان کی شہادت..... سلطان جلال الدین کے بھائی قطب الدین ازلاغ اور آق سلطان بھی سلطان کے پیچھے پیچھے خراسان کی طرف جا رہے تھے۔ مرجِ سابع پہنچ کر انہیں اطلاع ملی کہ تاتاریوں کی ایک فوج ان کے تعاقب میں ہے۔ یہ سن کر شہزادوں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔

سلطان جلال الدین کی تاتاریوں سے جھڑپ کے تیسرے دن وہ اپنے قافلے کے ساتھ ضلع اُستوا پہنچے۔ حاکمِ نسا اختیار الدین شہزادوں کی آمد سے آگاہ ہو کر ایک قاصد کے ذریعے انہیں خبردار کر چکا تھا کہ یہ علاقہ تاتاریوں کی آماجگاہ بن چکا ہے، لہذا وہ پوری احتیاط کے ساتھ آئیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے رسمِ خدمت بجالانے کے لیے کچھ



تھے، سواریاں اور زادراہ بھی پیش کیا۔ یہ بھی درخواست کی کہ اسے نسا کی حکومت پر برقرار رکھا جائے۔ قطب الدین ازلاق نے اس خدمت سے مطمئن ہو کر اس کے لیے نسا کی حکومت کا پروانہ لکھ دیا۔

اختیار الدین یہ پروانہ حکومت دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ اس کے چچا زاد بھائی کا پیغام آیا: ”تاتاریوں کی ایک فوج سلطان جلال الدین کی تلاش اور ان کی کمک کے لیے نکلنے والی افواج کی روک تھام کے لیے اس طرف آرہی ہے۔ میں قلعے سے نکل کر ان کو باتوں میں لگائے ہوئے ہوں تاکہ قطب الدین کے قافلے کو بچ نکلے کا موقع مل جائے۔“

اختیار الدین نے یہ اطلاع شہزادوں کو بھیج کر تاکید کی کہ جلد از جلد اس علاقے سے دور نکل جائیں۔ مگر تاتاریوں کو بھی شہزادوں کی موجودگی کا پتا چل گیا تھا۔ وہ ان کی عاقب میں روانہ ہو گئے اور اُسٹوا کے گاؤں ”فرست“ میں ان کو جالیا۔ شہزادے جو کہ پہلے سے چونکا تھے مقابلے پر ڈٹ گئے اور تلواریں کی پیہم ضربات سے تاتاریوں کو بُری طرح پامال کرنے لگے۔ تاتاریوں نے کچھ دیر مقابلے میں ثابت قدمی دکھائی، لیکن اس غیر متوقع سخت مزاحمت نے انہیں ہراساں کر دیا تھا۔ آخر کار وہ مُنہ پھیر کر بھاگ نکلے اور میدان شہزادوں کے ہاتھ رہا۔

اس سخت لڑائی کے بعد شہزادے اور ان کے سپاہی تھک کر چور ہو گئے تھے، اس لیے آرام کے لیے وہیں خیمے گاڑ دیے۔ ان کا خیال تھا کہ اس علاقے میں مزید تاتاری نہیں ہیں، سواب کسی حملے کا خطرہ نہیں ہے، مگر افسوس کہ یہ ان کی غلط فہمی تھی۔ تاتاریوں کا شکست خوردہ دستہ اپنے لشکر سے بڑی تعداد میں کمک لے کر واپس اسی جگہ آ پہنچا اور بے خبر مسافروں پر حملہ کر دیا۔ شہزادے دُشمن کے سخت زرنے میں آ گئے۔ جان سے بچاؤ کی ہر راہ مسدود پا کر وہ زخمی شیروں کی طرح دُشمن سے بھڑ گئے اور جب تک جان میں جان رہی تلوار چلاتے رہے۔ آخر کار تاتاری شہزادوں سمیت تمام اہل قافلہ کو تہ تیغ کر کے بے اندازہ قیمتی مال و متاع لوٹ کر واپس ہوئے، انہوں نے قطب الدین ازلاغ شاہ اور آق سلطان کے سر کاٹ کر نیزوں پر لٹکائے ہوئے تھے۔

تاتاریوں نے اس موقع پر قافلے کے مقتولین کے سامان سے کوئی تعرض نہ کیا تھا، بعد میں گرد و نواح کے دیہاتیوں نے یہ سامان لوٹ کر اوانے پونے بیچ دیا۔ قطب الدین ازلاق کی انگوٹھی کا گنینہ جس کا وزن تیس دینار تھا، لوٹنے والے نے ستر دینار میں فروخت کر دیا۔ بعد میں یہ ہیرا مختلف ہاتھوں سے ہوتا ہوا سلطان جلال الدین تک پہنچا۔ انہوں نے اپنے بھائی کا گنینہ پہچان لیا اور کہا: ”یہ اور گنج میں چار ہزار دینار کا خرید کیا تھا۔“<sup>①</sup>

قطب الدین اور آق سلطان کی شہادت سلطان جلال الدین کے لیے دلی صدمے کا باعث تھی۔ رکن الدین ہ اس سے پہلے ہی تاتاریوں کے مقابلے میں داؤد شجاعت دے کر شہید ہو چکا تھا۔ اب صرف ان کا ایک سوتیلا بھائی غیاث الدین ہی باقی رہ گیا تھا جو ایران کے کسی قلعے میں محصور تھا۔ ان حالات میں ان دونوں شہزادوں کی بیک وقت شہادت یقیناً ایک بڑا حادثہ تھی۔ تاہم ایک مؤرخ کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ حادثہ سلطان جلال الدین کے لیے بعض الجھنوں سے یکسوئی کا باعث بن گیا۔ قطب الدین ہی کی ذات کو مجبور بنا کر سلطان کے خلاف پایہ تخت میں بغاوت کی گئی تھی۔ اگر قطب الدین کو موقع ملتا تو بعید نہ تھا کہ آئندہ بھی وہ سلطان کے خلاف بار بار صرف آرائی کر کے ان کی مشکلات میں

اضافہ کرتا رہتا۔ ④

سلطان کی دعوتِ جہاد کے اثرات ..... سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے زمام اقتدار ہاتھ میں لیتے ہی شکست خوردہ طبیعتوں میں ایک بار پھر احساسِ تحفظ انگڑائیاں لینے لگا تھا اور فقیر جہاد فی سبیل اللہ کی بازگشت ملک کے چپے چپے میں سنائی دے رہی تھی۔ سلطان کے رضا کار باقی ماندہ مسلم آبادیات میں گھوم پھر کر لوگوں کو دعوتِ جہاد دے رہے تھے۔ بہت سے مقامات ایسے تھے جو ان کی دسترس سے باہر تھے، مگر وہاں سلطان جلال الدین کی جہادی تیاریوں کی خبریں ہی لوگوں میں جوش و خروش پیدا کرنے کے لیے کافی تھیں۔

ادھر تاتاریوں کی ایک فوج مسلسل سلطان جلال الدین کی ٹوہ میں تھی، اس لیے کچھ عرصہ تک وہ ایک جگہ جم کر کام نہ کر سکے، بلکہ تاتاریوں کے مقبوضہ صوبوں سے باہر چکر لگاتے ہوئے وہ ان علاقوں کے اندرونی جہادی عناصر کو تقویت دیتے رہے، ان کی دعوتِ جہاد کی تپش ہر جگہ دلوں کو گرم رہی تھی۔ ⑤ بچے کچھے مسلم عوام میں اس ذہنی انقلاب کا نتیجہ آخر کار آشکار ہو کر رہا اور کچھ ہی عرصے بعد تاتاریوں کے خانِ اعظم کے لیے مختلف مقامات سے تشویش ناک اطلاعات آنا شروع ہو گئیں جو دراصل مسلمانوں کے جذبہ جہاد کا نتیجہ تھیں۔ اس جہادی ولولے کا آتش بار لاوا مندرجہ ذیل صورتوں میں نمودار ہو رہا تھا۔

چھاپہ مار کارروائیاں ..... مختلف مقامات پر مجاہدین اور منتشر شدہ خوارزمی سپاہی ٹولیاں اور جتھے بنا کر تاتاریوں پر شب خون مارنے لگے۔ بخارا کا سابق گورنر اور سلطان کا وفادار امیر اینانج خان جو بدر الدین حاجب کے لقب سے مشہور تھا، ایک مضبوط جمعیت اکٹھی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کی کارروائیوں سے تاتاری گشتی دستے اور ان کی حفاظتی چوکیوں کے سپاہی سخت پریشان ہو گئے۔ ایک بار موقع پا کر اس مردِ مجاہد نے دریائے جیوں کو مغرب کی سمت سے عبور کر کے اچانک بخارا پر شب خون مارا اور شہر میں داخل ہو کر بخارا کے محافظ تاتاری دستے کو تہ تیغ کر دیا۔ اینانج خان کی اس کامیاب کارروائی کے بعد تاتاریوں کی ایک بڑی فوج اس کے تعاقب میں لگ گئی۔ اینانج لڑتا بھڑتا، حملہ آوروں کو بل دیتا ہوا شمالی ایران کی طرف نکل گیا۔ ⑥

بعد میں اینانج خان نے نسا کے حاکم اختیار الدین سے اتحاد کر کے تاتاریوں کے خلاف ایک فوج تیار کر لی۔ نسا کی قریبی بستی نجویان کے رئیس نے تاتاریوں کا حق نمک ادا کرنے کے لیے انہیں نسا میں اینانج کی موجودگی کی اطلاع دے دی۔ تاتاری فوراً لشکر لے کر ادھر چڑھ دوڑے، اینانج خان نے بھی مجاہدین کو مرتب کر کے نجویان کا رخ کیا۔ مجاہدین کے اس لشکر میں محمد بن احمد النسوی بھی شامل تھے۔ جنگ ہوئی تو اینانج خان نے بے مثال جرأت کے ساتھ مقابلہ کیا، النسوی کہتے ہیں ”میں نے اس معرکے میں اس کی ایسی بہادری دیکھی کہ اگر رستم بھی دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا۔“ اینانج خان دونوں ہاتھوں میں تلواریں لے کر تاتاریوں کی صفوں میں گھستا چلا گیا۔ اس نے دواہیے زوردار حملے کیے کہکشتوں کے پٹنے لگا دیے۔ اس دوران وہ گھوڑے سے گر بھی گیا مگر جلد ہی دوسرے گھوڑے پر بیٹھ کر ایسا شدید حملہ کیا کہ تاتاری بے شمار لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ فاتح سالار نے دس تاتاریوں کے کٹے ہوئے سر اور دس قیدی عوام کے ملاحظے کے لیے نسا بھیج دیے۔ اس کے بعد وہ ایبورد اور گردونواح میں ایک مدت تک تاتاریوں کے لیے دردِ سربار بنا۔ یلیناج ملک، بکنی ملک، بکشان، بککشی، امین الدین رفیق اور کجدیک امیر آخور سمیت

متعدد خوارزمی افسران اس کی جماعت میں شامل رہے۔<sup>(۱۰)</sup>

جہاد کی مقامی تحریکیں..... جن مقامات پر تاتاریوں کے لیے شہر کے دروازے بلاروک ٹوک کھول دیے گئے تھے وہاں تاتاریوں نے لوٹ مار اور خوں ریزی کے بعد آبادی کے ایک بڑے حصے کو زندہ رہنے دیا تھا۔ تاہم عوام کو غلامی کی یہ زندگی اب موت سے بدتر محسوس ہو رہی تھی۔ تاتاری ظلم و ستم، لوٹ مار، جبر و تشدد اور توہین و تذلیل کی تمام حدود کو پھیلاؤ چکے تھے۔ ان کی مظلوم رعایا ان کے خونی چنگل میں سسک رہی تھی، بلبلا رہی تھی مگر مایوسی کی انتہا نے انہیں کچھ کرنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ جب ان مظلوموں کو سلطان جلال الدین کی صورت میں اُمید کی ایک کرن نظر آئی تو وہ یکا یک اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے درندہ صفت آقاؤں کی اکڑی ہوئی گردنیں تن سے جدا کرنے لگے۔ ان مقامی جہادی تحریکوں میں ہمدان، طوس، نیشاپور اور ہرات کے جرأت مند عوام کی کارروائیاں قابل ذکر ہیں، لیکن یہ تمام کوششیں مقامی لوگوں نے صرف اپنے زور بازو پر ایک اضطرابی کیفیت میں انجام دی تھیں۔ بیرونی طور پر انہیں کوئی کمک یا امداد حاصل نہ تھی، نہ ہی یہ سرفروش پورے طور پر منظم تھے۔ سلطان جلال الدین سے بھی ان کا رابطہ نہ تھا، اس لیے تقریباً تمام مقامات پر تاتاریوں نے نہایت سختی سے ان تحریکوں کو کچل دیا۔

شدید مزاحمتیں..... جذبہ جہاد کی اس نئی لہر ہی کا اثر تھا کہ جو علاقے تاتاریوں کی گرفت سے باہر تھے، وہاں مزاحمت کی بھرپور تیاریاں شروع ہو گئیں اور تاتاری حملہ آوروں کو ان علاقوں میں ایسے کاری زخم لگے جو مدتوں مندمل نہ ہو سکے۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ شدید ترین مزاحمت کے اکثر مراکز اسی سرزمین افغانستان میں تھے جس کے غیور فرزندان نے پندرہویں صدی ہجری کے آغاز میں رومی استعمار کے بت کو پاش پاش کیا۔ ان محاذوں میں ہرات، طالقان، بامیان اور قندھار قابل ذکر ہیں۔ نیز دریائے آمو کے مغرب میں مرو کا شہر بھی سخت مدافعت کا محور رہا۔

تاتاری اس سے قبل اکثر صوبوں، شہروں اور شاہراہوں اور درڑوں پر قبضہ کر چکے تھے، اس لیے ان تمام محاذوں کے مابین کوئی رابطہ نہیں تھا۔ نیز بیرونی اعانت اور کمک بھی ناپید تھی۔ ہر علاقے کے جرأت مند مسلمان فقط اپنے طور پر علم جہاد بلند کیے ہوئے تھے، لہذا جلد یا بدیر تاتاری ان تمام محاذوں پر مسلمانوں کی قوت کو توڑنے میں کامیاب ہو گئے۔

سلطان جلال الدین کی تیاریاں..... چوتھی وجہ جو چنگیز خان کے لیے سب سے زیادہ پریشان کن تھی، وہ سلطان جلال الدین کی جنگی تیاریاں تھیں۔ سلطان جہاں بھی جاتے وہاں عوام میں جذبہ جہاد ابھار کر انہیں تاتاریوں سے مقابلے کے لیے تیار کرتے۔ ہزاروں نوجوان سلطان کے جھنڈے تلے جمع ہو کر سردھڑ کی بازی لگانے کا عہد و بیان کر چکے تھے۔<sup>(۱۱)</sup>

نیشاپور میں..... نسا کے بعد سلطان جلال الدین مختلف بستیوں سے ہوتے ہوئے نیشاپور جا پہنچے۔ اس سے ایک سال قبل جہی نویان اور سوبدائی کا لشکر جب سلطان علاء الدین محمد کے تعاقب میں یہاں سے گزرا تھا تو حاکم شہر مجیر الملک عمر کاخی نے ان سے یہ کہہ کر اہل شہر کی جان بخشی کرا لی تھی کہ ”آپ کا مقابلہ تو خوارزم شاہ سے ہے، اگر آپ اس پر غالب آ گئے تو نیشاپور بلاروک ٹوک آپ کی تحویل میں آ جائے گا۔“ تاتاری سرداروں نے شہر کے معززین کی موجودگی میں حاکم سے کچھ مزید گفت و شنید کے بعد حلفِ اطاعت لے کر اہل شہر کو پروانہ جاں بخشی دے دیا تھا۔<sup>(۱۲)</sup>

جب سلطان جلال الدین نیشاپور پہنچے تو اہل شہر تاتاریوں سے معاہدہ صلح پر قائم تھے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ

تاتاریوں کا خوف تھا۔ سلطان نے باشندگان نیشاپور کے دلوں سے یہ خوف و ہراس دور کرنے کی کوشش کی اور انہیں ان دشمنانِ دین کے خلاف جہاد کے لیے ابھارا۔

نیشاپور خراسان کا مرکزی شہر تھا، اس کے آس پاس رے، ہمدان اور مدحیہ بڑے شہر تھے جہاں سے ہزاروں مجاہد فراہم ہو سکتے تھے، اس خیال کے پیش نظر سلطان نے گردونواح کے شہروں اور مغرور امرائے خوارزم کو خطوط لکھ کر جہاد کے لیے ایک پرچم تلے جمع ہونے کی دعوت دی۔ اپنے قاصد اردگرد کے شہروں اور ریاستوں میں بھیجے اور وہاں بھی تاتاریوں کے خلاف جہاد کی حوصلہ مند فضا قائم کرنے کی کوشش کی۔ ان مصروفیات میں پورا ایک ماہ گزر گیا۔ فی شاپور کے قیام کے دنوں ہی میں نسا کے امیر اختیار الدین نے ان سے اپنی حکومت کی منظوری کی درخواست کی جو قبول ہوئی۔<sup>(۱۳)</sup>

ماوراء النہر پر تاتاریوں کے حملے اور قبضے کے بعد بخارا، سمرقند، اور تاجک اور دیگر شہروں اور بستیوں کے لاکھوں لڑے پڑے باشندے مغرب کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔ ان کی بڑی تعداد نیشاپور اور مرو میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔<sup>(۱۴)</sup> ان کے عزیز و اقارب تاتاریوں کے ہاتھوں شہید ہو چکے تھے۔ ان کے گھرباران درندوں کے ہاتھوں خاکستر بن چکے تھے۔ کتنے ہی بد نصیب ایسے تھے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اپنی ماؤں، بہنوں اور بیویوں کی عصمتیں پامال ہوتے دیکھیں۔ نفرت و حسرت، بے بسی اور بے کسی کے یہ پیکر سلطان جلال الدین کی جانب سے نفیر جہاد سن کر لبیک کہنے والوں میں پیش پیش تھے۔ ان کے سینوں کے داغ سلگ کر شعلہ جوالا بن گئے تھے اور ان کے وجود تاتاریوں سے انتقام کی آگ میں جھلنے لگے تھے۔ مہاجرین اور مقامی عوام کے ان جذبات کے برخلاف ان شہروں کے رؤساء اور عمائد فی الحال تاتاریوں سے لڑنے کے حق میں نہیں تھے، ان کا خیال تھا کہ تاتاریوں سے جان کی امان مل جانا غنیمت ہے۔ ہم بغاوت کر کے ان پر غالب نہیں آسکتے اور تاتاریوں کا جوابی حملہ اور انتقامی ردِ عمل اتنا شدید ہوگا کہ ہمیں پیچھتا پڑے گا۔ نیشاپور میں بھی یہی صورتحال تھی۔ سلطان جلال الدین کو اگرچہ عوام کے ایک بڑے طبقے کی حمایت حاصل تھی، مگر شہر کے امراء اور عمائد کا تعاون انہیں حاصل نہیں ہو سکا۔<sup>(۱۵)</sup>

سلطان جلال الدین کہنے کو تو بادشاہ تھے، مگر درحقیقت حالات کے ناموافق دھارے میں ان کی حیثیت فقط ایک خانہ بدوش رہنما کی سی رہ گئی تھی جو لوگوں کے سامنے ایک جرأت مندانہ موقف اور ایک روشن عملی نمونہ تو پیش کر سکتا ہے، مگر اسے منوا نہیں سکتا۔ احکام نافذ کرنے کے لیے جو عسکری قوت، ثروت اور انتظامی عملہ چاہئے سلطان جلال الدین کے پاس اس کا عشرِ عشر بھی نہ تھا، لہذا وہ اہل شہر کو اپنی حمایت پر مجبور نہ کر سکے۔

ادھر چنگیز خان کو سلطان کی نیشاپور موجودگی اور ان کی سرگرمیوں کی اطلاع مل گئی، چنانچہ اس سے پہلے کہ نیشاپور میں کوئی مؤثر حصار بندی ہو پاتی، تاتاری نیشاپور پر حملے کے لیے تیار ہو گئے۔<sup>(۱۶)</sup>

سلطان نے نیشاپور میں ایک ماہ کے قیام کے دوران یہاں ایک مضبوط جہادی مورچہ تیار کرنے کی حتی الامکان کوشش کی مگر نہ تو اہل نیشاپور ان کی حمایت میں یک جا ہوئے، نہ بیرونی امداد بروقت ملنے کے امکانات نظر آئے۔ آخر کار سلطان جلال الدین نے اپنی امیدوں کی کرچیاں سمیٹ کر نیشاپور سے کوچ کر دیا۔ ان کے ساتھ وہی گنے چنے جوان تھے جو خوارزم سے ان کے ساتھ چلے تھے۔<sup>(۱۷)</sup>

تاتاری یلغار کے نئے زوایے..... خوارزم کی عظیم الشان سلطنت کے تین اہم دفاعی حصار تھے۔ پہلا حصار وہ شہر تھے جو دریائے سیحون کے کنارے زنجیر کی طرح بیوستہ تھے۔ دوسرا دفاعی حصار دریائے آمو کے کنارے آباد اوراء النہر کے گنجان آباد شہر تھے جن میں سمرقند اور بخارا سب سے اہم تھے۔ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی زندگی میں ہی تاتاری غارت گران دونوں دفاعی حصاروں کو ریزہ ریزہ کر چکے تھے۔ اب چنگیز خان قدرے توقف کے بعد اس مملکت کے تیسرے اور آخری حفاظتی بند کی طرف پیش قدمی کرنے والا تھا۔ یہ تیسرا دفاعی حلقہ دریائے آمو کے مغرب اور جنوب میں واقع سنگین فصیلوں والے شہر اوران کے محافظ ایرانی اور افغانی جنگجو قبائل تھا۔<sup>(۱۸)</sup> چنگیز خان سمرقند ہی میں مقیم تھا۔ اس نے اپنی افواج کے کئی حصے کر کے انہیں مختلف خطوط پر لشکر کشی کا حکم دیا۔<sup>(۱۹)</sup>

نسا کی تباہی..... خراسان کا رخ کرنے والے تاتاری لشکر کا سپہ سالار چنگیز خان کا داماد قفا چارنویان تھا۔ اس لشکر کا ہراول دستہ ایک تجربہ کار و معرکہ آزماسردار ”پیل گوش“ کی قیادت میں دریائے آمو عبور کر کے نسا کی طرف روانہ ہوا۔<sup>(۲۰)</sup> نسا کا حاکم اختیار الدین فوت ہو چکا تھا اور اس کا چچا زاد بھائی نصرت الدین حمزہ بن محمد حکومت کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھا۔<sup>(۲۱)</sup> نصرت الدین محمد سلطان جلال الدین کے سچے جانثاروں میں سے تھا۔ اس نے شہر کی فصیل کو نہایت مضبوط اور مستحکم کر کے پوری طرح مقابلے کی تیاری کر لی تھی۔

تاتاریوں کے شہر کے گرد جمع ہوتے ہی اہل شہر نے بڑی شدت سے مزاحمت کا آغاز کر دیا۔ تاتاری لشکر کو بار بار پیچھے ہٹنا پڑا۔ مجاہدین کے ایک سخت حملے میں تاتاری سردار ”پیل گوش“ بھی لپیٹ میں آ کر مارا گیا۔ تیرہ دن تک نسا کے جانباز عوام نے تاتاریوں کو فصیل سے دور رکھا، مگر بالآخر خوشہ تقدیر غالب آیا اور اور چودھویں دن تاتاری قدم قدم پر لاشوں کے ڈھیر چھوڑتے ہوئے کسی نہ کسی طرح شہر میں داخل ہو گئے۔ اس قدر سخت مزاحمت سہنے کے بعد تاتاری غصے سے پاگل ہو رہے تھے۔ آن کی آن میں ان درندوں نے امام نسائی رحمہ اللہ کی مولد پاک کو خاک اور خون کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا۔

کاتب النسوی کہتے: ”نسا کی آبادی کو جمع کر کے حکم دیا گیا کہ سب ایک دوسرے کو باندھنا شروع کریں۔ اگر لوگ منتشر ہو کر جان بچانے کے لیے بھاگ نکلتے تو ان کی اکثریت پہاڑوں میں روپوش ہو کر جان بچا لیتی جو بالکل قریب تھے مگر خوف کی وجہ سے وہ بھاگ نہ سکے۔ جب انہوں نے ایک دوسرے کو باندھ دیا تو تاتاریوں نے ان پر تیر اندازی شروع کر دیا۔ یہاں ستر ہزار افراد شہید کیے گئے۔“

دربار خوارزم کے اعلیٰ ترین مشیر نامور عالم دین علامہ شہاب الدین خیونی جو نسا میں پناہ لیے ہوئے تھے، اپنے صاحبزادے شیخ تاج الدین سمیت یہیں سے گرفتار ہوئے، ان کے ہاتھ پشت پر باندھ کر انہیں قفا چارنویان کے پاس لے جایا گیا۔ اس نے اپنے انہیں کھڑا کیا اور شہر سے لوٹے گئے کئی من سونے کو پکھلا کر ان پر انڈیل دیا۔ علم و فضل کے ان پیکروں کو یوں بدترین اذیت دے کر اور تماشا بنا کر شہید کیا گیا۔<sup>(۲۲)</sup>

چنگیز خان کی تشویش اور تولی خان کی روانگی..... چنگیز خان سلطان جلال الدین کی نقل و حرکت اور ان کی کارروائیوں سے سخت متوثر تھا۔ ان علاقوں میں جہاں سلطان کی آمد و رفت ہو رہی تھی تاتاریوں کے خلاف فضا ہموار ہونے کی علامات ظاہر ہو چکی تھیں۔ چنگیز خان دشمن کو موقع دینے کا قائل نہیں تھا، اس نے تولی کو ایک زبردست لشکر

دے کر شمالی ایران اور خراسان کے ان شہروں کی طرف روانہ کر دیا جن کے نواح میں سلطان جلال الدین کی آمد و رفت کی اطلاعات موصول ہو رہی تھیں۔ یہ وہ شہر تھے جنہیں سو بدائی اور جہی نویان تباہ و برباد کیے بغیر آگے نکل گئے تھے۔ سلطان جلال الدین کی طاقت کچلنے کے علاوہ تولی خان کو ان شہروں کو تودہ خاک بنانے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔<sup>(۳۲)</sup> قفقاز نویان کا نیشاپور پر حملہ..... اس کے ساتھ ساتھ چنگیز خان نے فی الفور دس ہزار آزمودہ سپاہی قفقاز نویان کی سرکردگی میں نیشاپور کی طرف روانہ کیے جہاں سلطان جلال الدین نے ایک ماہ تک قیام کر کے لوگوں کا لوہگر مایا تھا، اگرچہ سلطان نیشاپور سے جا چکے تھے، مگر وہاں سلطان کے بہت سے حامیوں کی موجودگی کے باعث چنگیز خان فوری خطرہ محسوس کر رہا تھا۔<sup>(۳۳)</sup>

قفقاز نویان کے نیشاپور روانہ ہونے سے قبل خراسان میں وہ انقلاب آ گیا تھا جس سے تاتاری خوفزدہ تھے، سلطان کی صدائے حریت سے متاثر ہو کر طوس میں جانبازوں کا ایک گروہ علم جہاد بلند کر چکا تھا۔ یہ مجاہدین طوس کے تاتاری حاکم کا سرکٹ کر نیشاپور کے ان عمائد کی خدمت میں بھیج چکے تھے جو تاتاریوں کے حلیف تھا، طوس کے مجاہدین نیشاپور کے باشندوں کو غیرت دلا کر انہیں تاتاریوں سے مقابلے کی دعوت دے رہے تھے۔<sup>(۳۴)</sup> ان کی دعوت جہاد نے نیشاپور کے مسلمانوں کو بیدار کر دیا اور انہوں نے بھی شہر کی نگرانی پر مقرر تاتاری افسر کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

یہ وہ انقلاب تھا جس سے مضطرب ہو کر چنگیز خان نے قفقاز نویان کو فوری طور پر خراسان روانہ کیا، قفقاز نے طوس سے پہلے نیشاپور کی طرف توجہ کی اور رمضان ۶۱۷ھ (نومبر ۱۲۲۰ء) میں شہر کا محاصرہ کر کے بڑی شدت سے پے در پے حملے شروع کر دیے۔ نیشاپور کے بہادر عوام مقابلے کے لیے تیار تھے۔ انہوں نے ایسا منہ توڑ جواب دیا کہ تاتاری بغلیں جھانکنے لگے۔ تیسرے دن مجاہدین کے ایک کارگر حملے میں خود قفقاز نویان تیروں کا نشانہ بن کر مارا گیا اور تاتاری فوج پسپا ہو گئی۔<sup>(۳۵)</sup>

طوس اور سبزوار کی تباہی..... پسپا ہونے والی تاتاری فوج دو حصوں میں تقسیم ہو کر طوس اور سبزوار پر حملہ آور ہو گئی۔ طوس پر قبضہ کرنے کے بعد ان خالموں نے آبادی کا بے محابا قتل عام کیا۔ تمام مال و متاع لوٹ لیا، خزانوں اور دینوں کی تلاش میں قبروں تک کو نہ چھوڑا۔ طوس میں علی بن موسیٰ رضا اور خلیفہ ہارون الرشید کے مقبروں کو منہدم کر کے کھود ڈالا..... آخر میں شہر کو آگ لگا دی اور ہنستا ہنستا شہر جل کر کوئلہ ہو گیا۔ سبزوار کے باشندوں کا بھی یہی انجام ہوا، یہاں کے شہداء کی تعداد ستر ہزار کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے۔<sup>(۳۶)</sup>

قفقاز کی موت پر چنگیز خان کا طیش..... قفقاز نویان چنگیز خان کا داماد ہونے کے علاوہ اس کا قابل ترین ارغون (سالار) تھا۔ اس کی موت کی خبر نے چنگیز خان کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ اس نے تولی خان کو جو سلطان جلال الدین کی تلاش میں مارا مار پھر رہا تھا حکم بھجوا دیا کہ وہ فوراً نیشاپور کا رخ کرے اور وہاں کی آبادی کو مکمل طور پر موت کے گھاٹ اتار دے اور شہر کے درو دیوار کو اس طرح زمین بوس کر دے کہ وہاں ہل چلا کر کاشت کاری کی جاسکے۔<sup>(۳۷)</sup>

نیشاپور پر تولی کا حملہ..... موسم بہار آچکا تھا، نیشاپور کے گرد و نواح سبزے سے لدے ہوئے تھے، شہر کے چمن اور گلستان پھولوں کی مہک سے معطر ہو رہے تھے۔ ایسے میں انتقام کی آگ میں جھلسا ہوا تولی خان ایک زبردست لشکر لیے ہوئے فیصل شہر کے سامنے آدھکا۔ اس کے ساتھ تین ہزار تیر چرخ تھے، تیر چرخ سے مراد وہ بڑے بڑے تیر کمان

ہیں جنہیں کئی آدمی مل کر چلاتے تھے اور ان کی مار بہت دور تک ہوتی تھی۔ دوسو منجھتیں بھی تھیں جنہیں شہر کے ارد گرد نصب کر دیا گیا۔ مؤرخین بتاتے ہیں کہ سنگ باری کے لیے شہر سے چند منازل دور ہی سے اتنی بڑی مقدار میں پتھر لاد لیے گئے تھے کہ جنگ کے اختتام تک ان کا دسواں حصہ بھی استعمال نہ ہو سکا۔ (۳۰) آتش باری کے آلات چلانے کے لیے سترہ سو افراد کا عملہ تھا۔

شہر والوں نے دشمن اس قدر قوت دیکھ کر صلح جوئی کی کوشش کی اور مشورے کے بعد قاضی رکن الدین علی بن ابراہیم کو تولی خان کے پاس بھیج دیا۔ قاضی صاحب نے خطرہ معاوضے کے بدلے اہل شہر کے لیے جان کی امان طلب کی مگر تولی خان کا مزاج بہت برہم تھا۔ اس نے نہ صرف صلح کے امکانات کو مسترد کر دیا بلکہ قاضی صاحب کو بھی قید کر لیا۔ (۳۱)

۱۲ صفر ۶۱۸ھ (۷-۷ اپریل ۱۲۲۱ء) کو تولی خان نے اپنی پھری ہوئی طاغوتی فوج کو عام حملے کا حکم دیا۔ دو دن تک بھر پور جنگ ہوتی رہی، فریقین کے لاتعداد افراد کام آگئے۔ تیسرے روز جبکہ سورج ڈھلنے لگا تھا تاتاری ایک سخت حملے کے بعد کئی مقامات سے خندق عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ فسیل پر چڑھنے کی کوشش میں تاتاریوں کی لاشیں لگا تار گر رہی تھیں۔ نیشاپور کے عوام جو آخردم تک لڑنے کا تہیہ کر چکے تھے اب بھی جان توڑ حملوں سے تاتاریوں کو بار بار پیچھے ہٹنے پر مجبور کر رہے تھے۔ اسی کشمکش میں سورج غروب ہو گیا، مگر فناء و بقا کی یہ جنگ جاری رہی جب رات کی تاریکی چھا گئی تو فسیل شہر سے چھٹے ہوئے سینکڑوں تاتاری اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر شہر میں اتر گئے اور لڑتے بھڑتے ہوئے دروازے کھولنے میں کامیاب ہو گئے۔ (۳۲)

چوتھے دن کی صبح تک تاتاری لشکر کا بڑا حصہ شہر میں داخل ہو چکا تھا۔ نیشاپور کے عوام زندگی و موت سے بے پروا ہو کر ہر گلی اور ہر مکان میں ان سے دست بدست لڑ رہے تھے..... مگر حملہ آور تاتاری ٹڈی دل سے بھی زیادہ تھے۔ جوینی کے بیان کے مطابق اس قتل عام میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ ہر شخص کا سرتن سے جدا کر دیا جائے۔ بعض مؤرخین نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ مرو کے قتل عام کے بعد تاتاریوں کو معلوم ہوا کہ بہت سے لوگ مردہ بن کر لاشوں میں چھپ گئے تھے اور بعد میں صحیح سلامت دوسرے اسلامی شہروں کی طرف نکل گئے تھے۔ اس لیے تاتاریوں نے نیشاپور میں سر کاٹنا ضروری سمجھا تا کہ کسی کوئی مردوں میں لیٹ کر جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ (۳۳)

چنگیز خان کی درندہ صفت بیٹی (قنچار کی بیوی) دس ہزار سپاہیوں کو اپنی کمان میں لیے ہوئے بذاتِ خود اس قتل عام میں شریک تھی۔ اس نے نئی ستمگلوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر کے اپنی آتشِ انتقام کو ٹھنڈا کیا۔ سقوطِ نیشاپور کے چوتھے روز ہی چنگیز خان کے حکم کے مطابق تولی خان نے تمام عمارتوں کو مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا، شہر میں پندرہ دن تک برابر خون کی ہولی کھیلی جاتی رہی، انجام کار شہر کی تمام آبادی کو فنا کر دیا گیا۔ تاتاریوں نے غارتگری و غصب سے شہر کے کتوں اور بلیوں تک کو زندہ نہ چھوڑا۔ تولی نے واقعاً نیشاپور کو ایسا اجڑا کہ شہر کی زمین ہل چلا کر اناج اگانے کے سوا کسی کام کی نہ رہی۔

حاکم نیشاپور میر الممالک کا خنی شہر پر تاتاریوں کے قبضے کے بعد کہیں روپوش ہو گیا تھا، مگر شکار کی بوسوگھ کر کھوج لگانے والے تاتاریوں نے بالآخر اسے گرفتار کر کے شہید کر دیا۔ (۳۴) نیشاپور کے شہداء کو شہر کیا گیا تو وہ پندرہ لاکھ سے متجاوز تھے۔ (۳۵)



شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ کی شہادت ..... مشہور صوفی بزرگ شاعر شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ بھی نیشاپور کے اس قتل عام میں شہید ہوئے تھے، اس وقت ان کی عمر ایک سو پانچ سال تھی۔<sup>(۳۵)</sup>

مورخ موفق بخدادی کہتے ہیں: ایک تاجر نے مجھے بتایا کہ نیشاپور میں مختلف مشرقی شہروں سے بھاگ کر آنے والے تاجر جمع ہو گئے تھے، تاتاریوں نے شہر کو چوبیس دن کے محاصرے کے بعد فتح کر لیا، آبادی کا قتل عام کیا، وہ شہر کو اس طرح جلا کر اور مہدم کر کے گئے کہ گویا یہاں کل تک کوئی آبادی تھی ہی نہیں۔<sup>(۳۶)</sup>

مرو، ویرانے کا یا قوت ..... دریائے مرغاب کے کنارے وسیع و عریض و گنجان آباد شہر ”مرو“ اپنی خوشحالی و خوش نمائی کی بنا پر ”ویرانے کا یا قوت“ کہلاتا تھا۔ یہاں بڑے بڑے مدرسے، ہزار ہا نادار کتب پر مشتمل لائبریریاں اور سامان تجارت سے بھرپور بازار تھے۔ یہ سلجوقی بادشاہوں کا دارالسلطنت رہا تھا اور خوارزم شاہی خاندان کے حکمران یہاں کے دل فریب گلشنوں میں اپنے تفریحی اوقات گزارا کرتے تھے۔<sup>(۳۷)</sup>

چونکہ تاتاری اپنی پہلی یلغار میں ”مرو“ سے تعرض کیے بغیر گزر گئے تھے لہذا اس مہم کی تکمیل کے لیے تولی خان نے ”مرو“ کی طرف کوچ کیا۔ ”مرو“ سے کچھ فاصلے پر مروالروہ<sup>(۳۸)</sup> کے کنارے ترکمان سپاہیوں کا ایک لشکر پڑاؤ ڈالے ہوا تھا۔ یہ ترکمان مرو سے اس کے موجودہ حاکم مجیر الملک کو بے دخل کرنے کے لیے چھاپہ مار حملے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ اسے امت مسلمہ کی بے حسی کی انتہا ہی کہا جاسکتا ہے کہ تاتاری حملے کے دوران بھی خوارزم کے بچے کچھے علاقوں میں امراء انجام سے بے پروا ہو کر خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔

تولی خان کے لشکر نے ترکمانوں کے اس لشکر کے راستے کی ناکہ بندی کر لی۔ رات کو جب ترکمانوں کے دستے یکے بعد دیگرے وہاں سے گزرنے لگے تو تاتاری لشکر باری باری ان کے ہر دستے کو موت کے گھاٹ اتارتا چلا گیا۔<sup>(۳۹)</sup> اس کارروائی سے فارغ ہو کر تاتاری مرو کے نواح میں ”شہرستانہ“ سے آگے پڑاؤ ڈال کر، شہر کے محل وقوع اور حفاظتی تیاریوں کا جائزہ لینے لگے۔<sup>(۴۰)</sup>

حملہ اور مزاحمت ..... شہر میں مقامی آبادی کے علاوہ شمال اور مشرق کے دولاکھ سے زائد مہاجرین بھی موجود تھے جو تاتاریوں سے آخر دم تک لڑنے کا تہیہ کر چکے تھے، مگر ان میں عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کی تعداد زیادہ تھی اور نوجوان بھی تجربہ کار نہ تھے۔ پھر بھی وہ شہادت کے متوالے تھے اور اپنی فتح کے متعلق پُر امید تھے۔ وہ گزشتہ نقصانات کی تلافی کا عزم کیے ہوئے تھے۔<sup>(۴۱)</sup>

ایک ہزار تاتاری سورماؤں کی موت ..... تاتاریوں کی آمد پر انہوں نے مجیر الملک کی قیادت میں شہر سے باہر نکل کر صف آرائی کی اور معرکہ قتال گرم ہو گیا۔ دن بھر گھسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ چنگیز خان کا خصوصی محافظ دستہ جو پوری تاتاری قوم کے چنے ہوئے بہادروں پر مشتمل تھا، اس مہم میں بطور اعزاز تولی خان کے ساتھ بھیجا گیا تھا، مسلمانوں نے ان میں سے ایک ہزار سورماؤں کو مار گرایا، اس پر تولی غصے سے بے قابو ہو گیا، اس نے فوج کو مرتب کر کے طوفانی انداز میں جارحانہ حملے کیے، آخر کار تاتاریوں کا پلہ بھاری ہو گیا اور مسلمان میدان سے ہٹ کر شہر میں محصور ہونے پر مجبور ہو گئے۔<sup>(۴۲)</sup>

محاصرہ اور تولی کی عیاری ..... تاتاریوں نے اپنی صفیں فسیل کے قریب لا کر سخت محاصرہ کر لیا، مگر فسیل سے تیروں اور پتھروں کی پیہم بوچھاڑ کے باعث انہیں لاشوں کے ڈھیر چھوڑ کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس نے پے درپے کئی سخت حملے کیے،



مگر ہر بار اسے ناکامی ہوئی پسیدن تک اسی طرح مقابلہ جاری رہا۔<sup>(۳)</sup>

مسلمان جس سرفروشی سے شہر کا دفاع کر رہے تھے اسے دیکھتے ہوئے تولی خان کو یقین ہو گیا کہ محض طاقت کے بل پر یہاں فتح حاصل کرنا بہت مشکل ثابت ہوگا۔ آخر سوچ بچار کے بعد اس نے اپنی مکارانہ فطرت سے کام لیتے ہوئے ایک گھناؤنا منصوبہ ترتیب دے ڈالا۔ اس نے تفصیل کے باہر برسر پیکارتا تارایوں کو جنگ بندی کا حکم دیا اور شہر کے حاکم کے نام ایک مصالحتی پیغام روانہ کر دیا۔ تولی کی جانب سے اس خلاف توقع نرم رویے سے حاکم مرو مجیر الملک اچنبھے میں پڑ گیا۔ تاہم اس نے فی الحال اس پیغام کا ملاطفت آمیز جواب دینا ضروری خیال کیا۔ اردگرد کے علاقوں میں سلطان جلال الدین کی نقل و حرکت اور کارروائیوں کی اطلاعات پہنچ رہی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ خبر بھی مشہور تھی کہ سلطان چند ہفتوں میں ایک منظم لشکر لے کر مرو کا رخ کریں گے۔ ان حالات میں حاکم مرو چند ہفتوں تک تاتاریوں کو بات چیت میں الجھائے رکھنا اس معرکے میں فتح کی کلید سمجھتا تھا۔

حاکم کی جانب سے شیخ جمال الدین کو جو کہ مرو کے نامی گرامی علماء میں سے تھے، سفیر بنا کر مصالحت کے متعلق گفت و شنید کے لیے تولی کے پاس بھیجا گیا۔ تولی خان نے شیخ جمال الدین کا خیر مقدم کیا اور کچھ امید افزا گفتگو کے بعد انہیں بصد اعزاز و اکرام یہ پیغام دے کر واپس کیا کہ اگر حاکم شہر بذات خود آ کر اس سے مل لے تو بہت سی غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں۔ تولی کا یہ پیغام مرو کے ارباب عقل و فکر کے لیے خطرے کا بگل ثابت ہوا۔ انہوں نے اسے ایک سازش قرار دیتے ہوئے حاکم کو اس پر عملدرآمد سے باز رکھنے کی کوشش کی، مگر حاکم ان تمام تر خدشات کے باوجود کچھ عرصہ تک شہر کو تاتاریوں سے بچائے رکھنے کے لیے مصالحت کی گفتگو جاری رکھنے پر مصر تھا۔ چنانچہ وہ نقد رقم، گھوڑے، خچر اور بہت سے قیمتی تحائف لے کر مجیر الملک تولی کے خیمے میں جا پہنچا۔

تولی نے اس کا پرتپاک استقبال کیا اور اس کے تحائف کے بدلے اسے خلعت فاخرہ سے نوازا۔ پُر تکلف کھانے سے فراغت کے بعد بات چیت کا آغاز ہوا۔ تولی نے اسے یقین دلایا کہ وہ اہل شہر کی جان بخشی کے لیے بصدق دل تیار ہے تاہم اس کے لیے باشندگان مرو کو کچھ تاوان ادا کرنا ہوگا۔ کچھ دیر تاوان کا مسئلہ زیر بحث رہا، آخر تولی خان نے شہر کے چند اور اہل الرائے افراد کو طلب کیا تا کہ وہ حاکم کے ساتھ مل بیٹھ کر مشورہ کر سکیں۔ مجیر الملک نے اپنے ایک نوکر کو بھیج کر شہر سے چند معززین کو بلوایا۔ تولی خان نے ان کے روماء کی بھی آؤ بھگت کی اور انہیں ضیافت میں شریک کیا۔ بعد ازاں اس نے مطلوبہ تاوان وصول کرنے کے لیے شہر کے چھ سو ایسے خوشحال افراد کو نامزد کرنے کا حکم دیا جو اس رقم کا بڑا حصہ ادا کر سکیں۔ حاکم شہر نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے ہوئے خود اپنے ہاتھ سے ایسے چھ سو افراد کی فہرست تیار کر دی جس میں مرو کے متول ترین تاجروں اور سرمایہ داروں کے نام تحریر تھے۔ یہ تحریر وصول کرتے ہی تولی خان کے تیور بدل گئے۔ اگلے ہی لمحے اس کے اشارے پر تاتاری سپاہی حاکم کو چھوڑ کر باقی تمام روماء کو موت کے گھاٹ اتار چکے تھے۔

اس کے بعد تاتاریوں کے لیے کام آسان ہو چکا تھا۔ انہوں نے فریب اور مکاری سے کام لیتے ہوئے شہر کا دروازہ کھلوا دیا اور پہرے داروں کو بے دخل کر کے دروازے پر قابض ہو گئے۔ چند گھنٹوں بعد مرو کی ہر سڑک اور چوک پرتا تاری مسلح دستے تسلط حاصل کر چکے تھے اور جگہ جگہ مزاحمت کرنے والے عوام پر تیغ آزمائی کر رہے تھے۔ مورچہ بند رضا کاروں کی طرف سے پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ سے تاتاریوں کی بھی لاشیں گر رہی تھیں۔ تاہم سخت نقصان

اُٹھانے کے باوجود تاتاری مزاحمت کے شعلے سرد کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

قتل عام..... تولى عام نے شہر پر قبضے کے بعد یہ اعلان کر دیا کہ اہل شہر اپنے اہل و عیال اور ساز و سامان سمیت شہر سے نکل جائیں۔ دہشت زدہ عورتیں، بچے، جوان اور بوڑھے صرف جان بچ جانے کی امید پر ضروری مال و متاع کی گٹھریاں لادے شہر سے نکلے گئے۔ چار دن تک شہر خالی ہوتا رہا۔ باہر نکلنے والوں کو ایک بڑے میدان میں روک لیا گیا۔ کہا گیا کہ یہ ہم سے جنگ کرنے کے مجرم ہیں، انہیں سزا دی جائے گی۔ اب تولى اپنے شیطانی منصوبے کے آخری منظر سے لطف اندوز ہونے کے لیے ایک زڑیں تخت پر بیٹھ گیا۔ لاکھوں بے بس اور مجبور انسان اس کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے۔ عورتوں کی سسکیاں اور بچوں کی چیخیں آسمان کا سینہ چاک کر رہی تھیں۔ تولى کے اشارے پر بچوں، عورتوں اور مردوں کو علاحدہ علاحدہ کر کے باری باری ان سب کو تختہ ستم بنایا جا رہا تھا۔ مردوں اور بچوں کو گلا گھونٹ کر یا تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے قتل کر دیا گیا۔ عورتوں کی عصمتیں پامال کر کے انہیں بھی رسوا کن طریقوں سے موت منہ میں دھکیل دیا گیا۔ گرفتار رؤساء اور امراء کو طرح طرح کے عذاب دے کر ان کی جمع پونجی برآمد کرنے کے بعد انہیں بھی موت کی نیند سلا دیا گیا۔ دولت کی تلاش میں مکانات مسمار کر دیے گئے، بنیادیں اکھاڑ دی گئیں، قبروں تک کی کھدائی کر کے دینوں اور خزینوں کا اتا پتا چلانے کی کوشش کی جاتی رہی، حتیٰ کہ سلطان خنجر سلجوق کا مزار نذر آتش کر دیا گیا اور قبر بھی کھود ڈالی گئی۔<sup>(۳۵)</sup>

مؤرخ ابن واصل کہتے ہیں: ”میں نے مرو کے مقتولین کا شمار کیا تو وہ سات لاکھ افراد تھے۔“<sup>(۳۶)</sup> جبکہ میر خواند عید عز الدین نسبہ کے حوالے سے مقتولین کی تعداد اس سے زیادہ بیان کی ہے۔ سید عز الدین کا بیان تھا کہ میں چند کاتبوں کو ساتھ لے کر تیرہ روز تک دن رات مرو کے شہداء کی گنتی کرتا رہا تو وہ دس لاکھ تین ہزار سے زائد نکلے۔<sup>(۳۷)</sup> عالم اسلام کے سب سے بڑے جغرافیہ دان یا قوت حموی مرو پر اس حملے کے دوران شہر کے کتب خانوں کو کھنگال رہے تھے، موقع پا کر وہ بھاگ نکلے اور جان بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ تقدیر کا یہ عجیب کرشمہ ہے کہ اسلامی تہذیب و تمدن کے ان مراکز کے مٹنے سے پہلے پہلے یا قوت جیسے جغرافیہ نویس کو ان شہروں کی سیاحت کی توفیق ہو گئی۔ یہی نہیں بلکہ تاتاریوں کے ہاتھوں ان آبادیوں کی بربادی بھی یا قوت کی نگاہوں کے سامنے ہوئی۔ ایک فرض شناس عالم کی طرح وہ یہ سب کچھ اس وقت تک قلم بند کرتے رہے جب تک تاتاری خود مرو پر حملہ آور نہ ہو گئے، یہ بھی قسمت کی بات تھی کہ موت کے منہ سے وہ بحفاظت نکل کر موصل پہنچ گئے جہاں انہوں نے منجم البلدان جیسی شہرہ آفاق تصنیف میں دیگر اسلامی شہروں اور بستیوں کے احوال کے علاوہ خوارزم و خراسان کا مرثیہ بھی لکھا۔ مرو کا حال انہوں نے نہایت والہانہ انداز سے بیان کیا ہے اور اس کے علمی مراکز، کتب خانوں، علماء اور عوام کی خاص طور پر تعریف کی ہے۔<sup>(۳۸)</sup>

بدقسمت شہر کی بار بار تباہی..... تعجب کی بات یہ ہے کہ اس قدر بھیانک قتل عام کے بعد بھی مرو کچھ مدت میں کئی بار دوبارہ آباد ہوا، وجہ یہ تھی کہ مرو خراسان، ایران اور ماوراء النہر کے سنگم پر واقع ہے، اس لیے دوسرے علاقوں سے بھاگنے والے ان گنت افراد کے راستے میں پہلا بڑا شہر یہی آتا تھا، چنانچہ وہ یہیں آباد ہو جاتے تھے۔ تجارتی شاہراہوں کے چوک پر ہونے کی وجہ سے یہاں سے سودا گروں کے قافلے بھی بکثرت گزرتے تھے، اس لیے (عطا ملک جوینی کے بقول) یہاں انسانی ضروریات اور ہر قسم کی نعمتوں کی بے انتہاء فراوانی رہتی تھی۔ مگر اس شہر کی خوبیاں اس کی بدقسمتی

کا باعث بھی بنی رہی کیوں کہ اس طرف آنے والی شاہراہوں سے تاتاری فوجیں بھی گزرتی رہتی تھیں اور تاتاریوں کی اس شہر سے نفرت کا عالم یہ تھا کہ وہ ہر بار یہاں سے گزرتے ہوئے خون بہانا ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ یہ شہر چند ماہ کے اندر کئی بار قتل عام کا شکار ہوا۔

پہلی بار کے قتل عام سے بچ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں روپوش ہو جانے والے پانچ ہزار کے لگ بھگ افراد کچھ ہی دنوں بعد یہاں دوبارہ آئے تھے۔ مگر تاتاریوں کا ایک اور لشکر یہاں سے گزرا جس نے ان پانچ ہزار نئے آبادکاروں کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ بعد ازاں ایک اور فوج گزری جس کے سالار نے حکم دیا کہ یہاں جو شخص ملے اس کی گردن اڑا دو، اس طرح بچے کچھ لوگ بھی مارے گئے۔<sup>(۴)</sup>

ہمدان کا جہاد..... خوارزم شاہ کے تعاقب میں جانے والے تاتاری کچھ عرصہ قبل ہمدان سے گزر چکے تھے، اس وقت حاکم شہر نے بھی اظہار اطاعت کرنے میں سرگرمی دکھائی اور خود تاتاری بھی خوارزم شاہ کے تعاقب کی وجہ سے غلت میں تھے، اس لیے انہوں نے اہل شہر سے دولت کے بڑے بڑے ذخائر، مال و متاع کے انبار اور رویشیوں کے گلے وصول کر کے ان کی جاں بخشی کر دی تھی اور اپنے ایک افسر کو یہاں کا منتظم بنا کر آگے بڑھ گئے تھے۔ شہر کے مسلمان حاکم کو اس کی وفاداری کے صلے میں اس کے سابقہ عہدے پر بحال رہنے دیا گیا تھا۔

اس وقت اہل ہمدان نے جان بچ جانے پرسکون کا سانس لیا تھا، مگر کچھ عرصے بعد تاتاری افسر کے نت نئے مطالبات سے وہ سخت ضیق میں پڑ گئے۔ ان مطالبات کو پورا کرنے اور بار بار عائد کیے جانے والے ناقابل برداشت ٹیکسوں کی ادائیگی سے اہل شہر تہی دست ہو کر رہ گئے، حتیٰ کہ جب ان کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ بچی تو ہمدان کے دروازوں پر ایک بار پھر تاتاری وحشیوں کے بے ہنگم نعروں کی گونج سنائی دی۔ تاتاری لشکر کا سپہ سالار اپنے مقامی افسر کی وساطت سے اہل شہر سے ایک خطیر رقم اور پارچہ جات کے انبار طلب کر رہا تھا۔

اہل ہمدان کا اضطراب..... ہمدان کے باشندوں نے سکتے کے عالم میں باہر پڑاؤ ڈالنے والے لشکر کے سپہ سالار کے مطالبات سنے۔ مطالبات پورا نہ کرنے کا نتیجہ بھیانک موت کے سوا کچھ نہ تھا، مگر ان کے پاس ادائیگی کے لیے اب کچھ نہیں بچا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کی پیشانی کی شکنوں پر یہی سوال نمایاں تھا کہ ”اب کیا ہوگا؟“ کافی سوچ بچار کے بعد شہریوں نے اپنے حاکم کے پاس ایک وفد بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

اہل ہمدان کی حاکم سے گفتگو..... ہمدان کے شہریوں کا وفد حاکم شہر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد کے ایک معتمد رکن نے نہایت مضطرب لہجے میں حاکم سے کہا: ”یہ کافر ہمارے تمام اموال پہلے ہی ہڑپ کر چکے ہیں، اب ہمارے پاس انہیں دینے کے لیے کچھ نہیں رہا۔ ہم ان کو مال دے دے کر اور ان کے منتظم کا توہین آمیز سلوک سہہ سہہ کر ہلاک ہو رہے ہیں۔“ حاکم شہر نے مایوسانہ انداز میں کہا: ”جب ہم ان کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں تو بھلا بچاؤ کی اور کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟؟ ظاہر ہے انہیں مال و دولت دے کر راضی کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔“

یہ مایوسانہ اور بزدلانہ جواب سن کر وفد کے ارکان غصے سے پھٹ پڑے اور بولے: ”ان کافروں کی بہ نسبت آپ کا وجود ہمارے لیے زیادہ نقصان کا باعث ہے۔“

وفد کے ارکان کا یہ جوش و خروش دیکھ کر حاکم نے کہا: ”میں تو بہر صورت تمہارے ساتھ ہی ہوں، اب جو تمہاری

رائے ہو، ویسا ہی کرو۔“

فقیہہ ہمدان کی دعوت جہاد اور عمامہ شہر کا اس پر اتفاق ..... ہمدان میں ایک فقیہہ تھے جنہیں حاکم کے مشیر اور دست راست کی حیثیت حاصل تھی۔ عوام بھی ان کے علم و فضل سے بڑے متاثر تھے۔ یہ فقیہہ حاکم کے ساتھ اسی اجلاس میں موجود تھے، جب لوگوں نے ان سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے بلا توقف تا تاریخوں سے جہاد کا عزم ظاہر کیا اور ارکان مجلس کو بھی اس کی ترغیب دی۔ سلطان جلال الدین کی تخت نشینی کے بعد عام طور پر لوگ جہاد پر آمادہ ہو رہے تھے اور ٹوٹی ہوئی ہمتیں بندھنے لگی تھیں۔ ویسے بھی اہل ہمدان تا تاریخوں کے مظالم سے تنگ آ چکے تھے، اس لیے فقیہہ کی دعوت جہاد پر لپک کہتے ہوئے وہ سب عزت کی زندگی یا شہادت کی موت حاصل کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

شہر کے عمامہ اور رؤساء کو فقیہہ کی قیادت میں جہاد پر کمر بستہ دیکھ کر حاکم بھی ان کے ساتھ شریک ہو گیا۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ باقاعدہ پیشہ ورفو جی بہت کم تھے اور سلطان جلال الدین کی حالت اب تک اتنی مستحکم نہیں ہوئی تھی کہ وہ دوسرے محاذوں پر توجہ دے سکتے نیز سلطان خراسان میں تھے اور ہمدان کی وہاں سے مسافت اتنی زیادہ تھی کہ سلطان تک پیام پہنچنے اور وہاں سے کسی مدد کے آنے میں ایک عرصہ لگ جانا یقینی تھا جبکہ یہاں تا تاریخوں سر پر کھڑے تھے اور کسی وقت بھی حملہ کر سکتے تھے، اس لیے ان تمام امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے حاکم نے وفد کے ارکان کو مشورہ دیا کہ وہ بغداد کے خلیفہ ناصر کو ایک مفصل خط لکھیں اور اسے ان نازک حالات سے آگاہ کر کے کسی تجربہ کار سالار کی قیادت میں ایک لشکر طلب کریں جو ان کافروں سے مسلمانوں کی جان و مال کا تحفظ کر سکے۔ چونکہ ہمدان سے بغداد کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا، اس لیے حاکم ہمدان کو امید تھی کہ خلیفہ تا تاریخوں کے لشکر کو اتنا قریب پا کر عام مسلمانوں کے لیے نہ سہی، بغداد کے تحفظ کے لیے کچھ نہ کچھ فوج اس طرف ضرور روانہ کر دے گا۔

ہمدان کے عمامہ نے اس مشورے کو پسند کیا اور خلیفہ کو کئی خطوط لکھے جس میں اس خوف، دہشت، ہیبت اور ذلت کا نقشہ کھینچا گیا تھا جو کہ تا تاریخوں کے ہاتھوں مسلمانوں پر طاری تھی، اس کے بعد خلیفہ کو اسلام اور مسلمانوں کی عزت کی دُہائی دے کر اس سے کم از کم ایک ہزار سوار اور ایک ایسا باصلاحیت سالار روانہ کرنے کی درخواست کی گئی تھی جس کے پرچم تلے اہل ہمدان متفق ہو کر کافروں سے جہاد کر سکیں۔

تا تاریخوں سے جنگ کا فیصلہ ..... اہل ہمدان کا قاصد یہ خطوط لے کر بغداد جا رہا تھا کہ راستے میں مخبری ہو گئی۔ تا تاریخوں کے گشتی سپاہیوں نے قاصد کو پکڑ کر یہ خطوط برآمد کر لیے جب انہوں نے خطوط پر ہمدان کے عمامہ اور حاکم کی مہریں شناخت کیں تو بے حد جھنجھلائے اور حاکم کے پاس جا کر اسے سخت لفظوں میں اس حرکت کے خطرناک عواقب سے آگاہ کیا۔ حاکم نے جواباً اس مکاتبت سے اپنی لائق کا اظہار کیا، اس پر تا تاریخوں نے اسے برآمد شدہ خطوط پیش کر دیے جن پر حاکم کی مہر بھی ثبت تھی۔ یہ دیکھ کر حاکم کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ اب زندگی اور موت کی بازی لگائے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں رہا۔ تا تاریخوں سے رحم کی توقع رکھنا فضول تھا۔ فقیہہ نے جو اس وقت ہمدان کے عوام کے جہادی راہنما بن چکے تھے، اس صورتحال سے آگاہ ہوتے ہی عوام کو مستعد اور چوکس رہنے کا حکم دیا۔ تا تاریخوں کا افسر اعلیٰ اب بھی منتظم شہر کی حیثیت سے یہاں موجود تھا، فقیہہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اسے شہر سے باہر نکال دیں اور علم جہاد بلند کر دیں۔ لوگوں نے ان کے حکم پر کچھ اضافے کے ساتھ عمل کیا اور تا تاریخوں کا افسر قتل کر دیا۔ شہر کے دروازے بند کر لیے

گئے اور مسلح نو جوان فیصلوں اور بر جوں پر جمع ہو کر جہاد کے پُر جوش نعرے لگانے لگے۔ محاصرہ..... شہر کے باہر پڑاؤ ڈالنے والے تاتاری اہل شہر کے بدلتے ہوئے تیور دیکھ کر کھٹک گئے۔ فیصل کے دروازے بند ہو چکے تھے اور دیوار پر مسلح تیر انداز شانہ بشانہ صف بستہ کھڑے تھے۔ تاتاری لشکر نے بھی اپنی صفیں درست کیں اور شہر کا سخت محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر دیکھ رہے تھے کہ محاصرے کی طوالت ان کے لیے موت کا پیام ثابت ہوگی۔ تاتاریوں کی گرفت اتنی سخت تھی کہ باہر سے کسی خوراک کی دستیابی کا امکان ہی نہ تھا۔ خود شہر میں شدید تنگ دستی تھی، گھروں میں بمشکل چند دن کا راشن تھا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ دور دراز تک کے تمام شہر، دیہات اور وہاں بسنے والے افراد تاتاریوں کی وحشت ناک کیوں کا نشانہ بن چکے تھے۔ اب کھیت رہے تھے اور نہ انہیں سیراب کرنے والے کسان، باغات تھے نہ ان کے مالی، چراگاہیں باقی تھیں نہ مویشی، اس لیے باہر سے کسی قسم کے اناج، ہنری، پھل وغیرہ کی درآمد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ خوفناک قحط چہار سو پینچہ کاڑ چکا تھا۔ رہے تاتاری تو ان کے لیے خوراک کا مسئلہ حل کرنا بالکل آسان تھا، وہ کسی بھی زندہ یا مردہ انسان یا حیوان کے گوشت سے اپنے پیٹ کی آگ بجھا لیتے تھے۔ ان کے گھوڑوں کو کبھی غلے یا دانے کی ضرورت نہیں پڑی، بلکہ وہ خود ہی ادھر ادھر سے گھاس یا جنگلی جڑی بوٹیاں چر لیا کرتے تھے، اگر اور کچھ نہ ملتا تو وہ اپنے کھروں سے زمین کو کھود کر پودوں کی جڑیں نکال کر کھا لیتے تھے۔<sup>(۹)</sup> ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے شہر کے عمائد نے یہ فیصلہ کیا کہ بلا تاخیر کھلے میدان میں تاتاریوں سے دو بدو مقابلہ کیا جائے۔ شہر کی باضابطہ فوج بہت کم تھی، سلطان محمد خوارزم شاہ نے اپنی چار لاکھ فوج کو مملکت کے مختلف حصوں میں تعینات کرتے ہوئے مغربی اضلاع کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت خوارزم شاہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ تاتاری افواج چند ہی ماہ میں اس کے سنگین شہروں کی آہنی زنجیر کو توڑ کر دریائے جیحون کے پار جا پہنچیں گی۔ اس بناء پر مملکت کے ان مغربی شہروں میں پیشہ ور سپاہیوں کی تعداد برائے نام تھی۔ ہمدان کے دانشور نے افرادی کمی کو پورا کرنے کے لیے شہریوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دے کر ان میں زبردست جوش اور ولولہ پیدا کر دیا۔ ہزاروں نو جوانوں نے اپنی جانیں قربان کرنے کا عہد کیا اور مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔<sup>(۱۰)</sup>

جنگ کا پہلا دن..... اگلے روز ہمدان کے باہر کھلے میدان میں مسلمانوں اور تاتاریوں میں شدید مقابلہ ہوا۔ فقیہہ اور حاکم صف اول میں لڑ رہے تھے اور اپنی سرفروش فوج کی ہمت بندھا رہے تھے۔ شام تک معرکہ کا رزار گرم رہا، مگر جنگ کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ جب دونوں فریق میدان چھوڑ کر بنے تو میدان جنگ میں تاتاریوں کی لاشوں کا کوئی حد و شمار نہ تھا۔ مسلمانوں میں سے بھی ایک بڑی تعداد قربان ہو چکی تھی، زنجیوں کا شمار بھی کم نہیں تھا، خود فقیہہ بھی زنجیوں میں شامل تھے، انہیں چند خطرناک زخم آئے تھے تاہم ان کا صبر و تحمل قابل دید تھا کہ وہ کسی تکلیف کے اظہار کے بجائے کل کی جنگ کی منصوبہ بندی میں مشغول تھے۔<sup>(۱۱)</sup>

جنگ کا دوسرا دن..... اگلے دن دونوں لشکر پھر آپس میں بھڑ گئے اور گزشتہ دن سے بڑھ کر شدید جنگ شروع ہو گئی، ہمدان کے سرفروش تعداد کی کمی کے باوجود آج تاتاریوں پر چھاتے ہوئے نظر آ رہے تھے، تاتاریوں کی لاشوں کے کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے۔ فقیہہ زخمی حالت میں بھی مجاہدین کی قیادت کر رہے تھے اور درحقیقت یہ ان کی حوصلہ مندی اور عالی ہمتی تھی جس نے اہل ہمدان کو مایوسی کے اندھیروں سے نکال کر جہاد کے ولولے کی لذت سے آشنا کیا

تھا۔ اپنے ہر عنصریز رہنما کو زخمی ہونے کے باوجود ادب و شجاعت دیتا دیکھ کر ان کے حوصلے مزید بڑھ گئے تھے۔ دن بھر معرکہ جاری رہا اور سرشام دونوں لشکر اپنے زخیموں کو سنبھالتے ہوئے میدان جنگ سے ہٹ گئے۔ اس دن کی جنگ کے اختتام پر تاتاری اور مسلمان دونوں نہایت تشویشناک صورتحال کا سامنا کر رہے تھے۔ تاتاری اپنے مقتولین اور زخیموں کی کثرت کی وجہ سے پریشان تھے اور ان کے اندر مزید لڑنے کا حوصلہ نہیں رہا تھا، ان کے سالار اگلے روز کی لڑائی میں شکست فاش کا خطرہ محسوس رہے تھے اور مشورہ کر رہے تھے کہ یہاں سے کوچ کر جائیں۔

دوسری طرف مسلمان اپنے قائد کو زخموں سے چور دیکھ کر سخت حواس باختہ تھے، فقیہہ کو دوسرے دن کی لڑائی میں مزید کئی زخم آچکے تھے۔ اب وہ اس قابل نہ تھے کہ اگلے دن کے فیصلہ کن معرکہ میں ان کی قیادت کر سکتے فقیہہ کے بعد وہ دوسرا شخص جو میدان جنگ میں فوج کی کمان کر سکتا تھا ہمدان کا حاکم تھا، مگر اس نازک موقع پر وہ انتہائی پست ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اہل خانہ کو لے کر ایک خفیہ سرنگ کے ذریعے شہر سے فرار ہو گیا تھا۔ ہمدان کے عوام بڑی بے تابی سے اسے تلاش کرتے رہے، مگر وہ نہ ملا۔ کسی رہنما کی عدم موجودگی میں کھلے میدان میں قدم جما کر لڑنا محال تھا۔ اگلے دن کی متوقع فتح اب بڑی حد تک ناممکن دکھائی دے رہی تھی، اہل شہر نے فیصلہ کیا کہ اب وہ فیصلہ بندرہ کر تادم آخر مقابلہ کرتے رہیں گے۔<sup>(۵۲)</sup>

تاتاریوں کا شہر پر قبضہ ..... تاتاری اگلے دن کوچ کا تہیہ کر چکے تھے، مگر جب طلوع آفتاب کے بعد شہر کے دروازوں پر کوئی حرکت نہ دکھائی دی تو وہ سمجھ گئے کہ مسلمان بھی اندرونی طور پر شدید کمزوری کا شکار ہیں اور لڑائی سے کترارہے ہیں۔ یہ دیکھ کر تاتاریوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے از سر نو منظم ہو کر شہر پر پے درپے حملے شروع کیے اور اہل شہر کی زبردست مزاحمت کے باوجود شہر میں داخل ہو گئے۔ ہمدان کے چوکوں اور بازاروں میں تلواروں سے تلواریں نکرانے لگیں، تنگ گلیوں میں جہاں حملہ آوروں کے رش کی وجہ سے تلواریں اور نیزے استعمال کرنے کا موقع نہیں تھا، خنجر زنی کے جوہر کھلنے لگے، اب مسلمان صرف عزت کی موت کے لیے لڑ رہے تھے۔ چونکہ تاتاری منظم تھے اور مسلمان منتشر اور پھر یہ ایک باقاعدہ فوج اور نا تجربہ کار عوام کا مقابلہ تھا، اس لیے کئی دن کے قتل عام کے بعد ہمدان کے تمام مرد و زن تاتاریوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے، مگر خود تاتاریوں کے مقتولین کی تعداد بھی کم نہیں تھی۔<sup>(۵۳)</sup> قتل عام سے فارغ ہونے کے بعد کوچ سے قبل تاتاریوں نے حسب عادت شہر کو جلا کر رکھ کر دیا۔ ہمدان کی تباہی و سوختگی کا یہ حسرت ناک سانحہ جب ۶۱۸ء میں پیش آیا۔<sup>(۵۴)</sup>

شہداء کی تعداد، مبالغہ آرائی یا حقیقت ..... قتل و غارت گری کی یہ کیفیت اور مقتولین کی یہ کیت آج مبالغہ آرائی محسوس ہوتی ہے، بلکہ بعض ذہنوں کو اس دور کے شہروں میں آبادی کی اتنی کثرت بھی ناقابل یقین معلوم ہوتی ہوگی، مگر یہ سب کچھ حقیقت ہے چاہے ہم اسے بعید گمان کریں۔

غور کیجئے! وہ دور عالم اسلام میں صنعت و حرفت اور معیشت و اقتصادیات کا سنہری دور تھا۔ ان دنوں دنیا بھر کے براعظموں سے لوگ اسی طرح عالم اسلام کا رخ کرتے تھے جیسے آج تلاش معاش کے لیے ہم مغربی ممالک کی طرف لپکتے ہیں۔ پھر عالم اسلام کے یہ شہر جو تاتاریوں کی شمشیر کی بھینٹ چڑھے، اپنی دولت، پیداوار آبادی اور خوشنمائی میں عالم اسلام کے تمام شہروں سے ممتاز تھے۔ اس وقت بغداد کی آبادی کاٹیس لاکھ تک ہونا تو مشہور و متواتر بات ہے۔ وسط ایشیا

کے یہ شہر بھی آبادی میں بغداد کے برابر نہیں تو اس کے قریب قریب ضرور تھے۔ انہیں دنیا کی عالمی منڈیوں کی حیثیت حاصل تھی، یہ بین الاقوامی علمی اور صنعتی مراکز تھے اور صدیوں سے اسی طرح آباد چلے آ رہے تھے۔ تاریخ قبل از اسلام میں بھی انہیں بڑے اور مرکزی شہروں کی حیثیت حاصل تھی۔ پھر خلفائے اسلام اور سلاطین کے دور میں ان کی حیرت انگیز ترقی دور دراز کی آبادی کو مسلسل کھینچ کر لاتی رہی، اس لیے ان کی آبادی کا لاکھوں تک پہنچ جانا قطعاً بعید نہیں۔ علاوہ انہیں جنگ کے دنوں میں آس پاس کے دیہاتوں کی آبادی کا شہروں کا رخ کرنا تو ایک یقینی امر ہے ہی، مگر تاتاریوں کی اس ہولناک یلغار کے دنوں میں تو دور دراز کے شہروں اور قصبوں سے بھی لوگ ہجرت کر کر کے، مغرب اور جنوب کے شہروں میں پناہ لے رہے تھے، اس لیے مؤرخین نے یہاں کے شہداء کی جو تعداد لکھی ہے وہ کسی عقلی اصول کے منافی نہیں ہے۔

ہیرلڈ لیب لکھتا ہے:

”آج ان خومین تفصیلات کے بیان ہی سے دہشت معلوم ہوتی ہے، یہ ایک ایسی جنگ تھی جو ہر حد سے متجاوز تھی، اس حد تک جیسا کہ دوسری عالمگیر جنگ، یہ بغیر منافرت کے بنی نوع آدم کا قتل عام تھا جس کا مقصد محض انسانوں کو فنا کرنا تھا، اس قتل عام نے عالم اسلام کے قلب کو ایک طرح کا چٹیل میدان بنا دیا۔ جو لوگ اس قتل عام سے بچ جاتے وہ روحانی طور پر اس قدر مضطرب اور پریشان ہوتے کہ بجز اس کے کہ کسی نہ کسی طرح کچھ کھا لیتے اور پھر چھپ جاتے، کسی کام کے نہ رہتے تھے..... حکم یہ تھا کہ مسمار شدہ شہروں میں پھر سے انسان آباد نہ ہونے پائیں، ان شہروں کے نشان اس سر زمین پر داغوں کی طرح باقی رہتے جو کسی زمانے میں بڑی زر خیز تھی۔ ایک مرتبہ سے زیادہ یہ ہوا کہ جہاں کوئی شہر آباد تھا وہاں ہل چلایا گیا اور غلہ کاشت کیا گیا۔“ (۵۹)

حیرت کی بات یہ تھی کہ قتل عام کا پورا زور صحیح العقیدہ مسلمانوں (اہل سنت والجماعت) کے شہروں پر تھا، اس کے برعکس شمالی ایران میں باطنی گروہ کے شہر بالکل مامون تھے، حالانکہ وہ خوارزمی سرحدوں سے متصل تھے، موثق بغدادی اس بارے میں واسطہ کے ایک تاجر کا بیان نقل کرتے ہیں جو تاتاریوں سے بچ کر پہاڑوں میں روپوش ہو گیا تھا، تاتاریوں نے ہرات کی طرف کوچ کیا تو وہ باہر نکلا، وہ تاجر بتاتا ہے:

”ہم سات افراد پہاڑوں سے اترے اور لاشیں گننے لگے، یہ پانچ لاکھ، پچاس ہزار لاشیں شمار کیں، ان کے علاوہ بے شمار مال و اسباب ہر طرف بکھرا ہوا تھا۔ پھر ہم باطنیوں کے شہروں سے گزرے، وہاں سب کچھ سلامت تھا، ذرا بھی فرق نہیں پڑا تھا۔“ (۶۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاتاری شروع سے مسلمانوں کے مختلف طبقات اور فرقوں کا فرق سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک بعض فرقے قابل لحاظ اور قابل اعتماد تھے جن سے مطلب کا کام لیا جا رہا تھا یا لیا جاسکتا تھا۔

————— “ —————

## حواشی و حوالہ جات

- ① سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۶..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴
- ② جہاں کشاج ص ۱۳۲..... سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۶..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴
- ③ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۶..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴..... جہاں کشا جوینی، ج ۲، ص ۱۳۲
- ④ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۷..... ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۵
- ⑤ جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۳۴
- ⑥ سیرۃ جلال الدین ص ۱۳۱..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴
- ⑦ خوارزم شاہی، ص ۲۲۷
- ⑧ چنگیز خان باب نمبر ۱۸ ص ۱۳۸
- ⑨ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۶
- ⑩ سیرۃ جلال الدین ص ۱۳۶، ۱۳۷
- ⑪ چنگیز خان، باب نمبر ۱۸ ص ۱۳۹
- ⑫ روضۃ الصفاح ص ۳۵ تا ۳۷..... جہاں کشاج ص ۱۳۱ تا ۱۴۰
- ⑬ سیرۃ جلال الدین ص ۱۳۲..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۴۱
- ⑭ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۴..... تاریخ خوارزم شاہی، ص ۱۴۱
- ⑮ تاریخ خوارزم شاہی، ص ۱۴۲
- ⑯ نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۵
- ⑰ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۳۲..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۵..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۵
- ⑱ چنگیز خان، باب نمبر ۱۷ ص ۱۳۱
- ⑲ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۴
- ⑳ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۱۳..... تاریخ خوارزم شاہی، ص ۱۲۴
- ㉑ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۷
- ㉒ سیرۃ جلال الدین ص ۱۱۵..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۲۴
- ㉓ چنگیز خان، باب نمبر ۱۸ ص ۱۳۵
- ㉔ روضۃ الصفاح ص ۳۷، ۳۸..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㉕ روضۃ الصفاح ص ۳۷، ۳۸..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㉖ روضۃ الصفاح ص ۳۷، ۳۸..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㉗ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㉘ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㉙ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㉚ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㉛ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㉜ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㉝ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㉞ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㉟ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㊱ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㊲ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㊳ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㊴ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㊵ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㊶ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㊷ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㊸ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㊹ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㊺ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㊻ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㊼ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㊽ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㊾ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
- ㊿ روضۃ الصفاح ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳



رضا کے مقبرے کے انہدام کا ذکر ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۵ پر اور ہارون الرشید کے مزار کی تباہی کا ذکر البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۰۶ پر بھی ہے۔

③۹ روضۃ الصفاح ج ۵ ص ۳۷

③۸ روضۃ الصفاح ج ۵ ص ۳۸

③۷ روضۃ الصفاح ج ۵ ص ۳۷، ۳۸

③۶ روضۃ الصفاح ج ۵ ص ۳۸..... جہاں کشا، ج ۱ ص ۱۳۳ تا ۱۴۰

③۵ روضۃ الصفاح ج ۵ ص ۳۷، ۳۸

③۴ جہاں کشا، ج ۱ ص ۱۳۳ تا ۱۴۰..... افغانستان درمیر تاریخ، ص ۲۱۹

③۳ سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۳۲۹۔ تاریخ نامہ ہرات کے مؤلف سیف الدین ہروی نے یہ تعداد سترہ لاکھ چالیس ہزار بتائی ہے۔ ملاحظہ ہو مذکورہ کتاب کا ص ۶۳، نیز تاریخ نہضتہائے ملی ایران، ص ۵۲۲۔

③۲ بحوالہ مراۃ الاسرار ص ۶۷۲

③۱ تاریخ اسلام کبیر ذہبی، طبقہ ۶۲ حوادث سن ۶۱۷ھ

③۰ چنگیز خان باب نمبر ۱۸ ص ۱۳۵

②۹ مراد دریاے مرغاب ہے، اسی کو مرو الرود بھی کہا جاتا ہے۔

②۸ روضۃ الصفاح ج ۵ ص ۳۶

②۷ جہاں کشا، ج ۱ ص ۱۱۹ تا ۱۳۲

②۶ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۲..... چنگیز خان، باب نمبر ۱۸ ص ۱۳۵

②۵ روضۃ الصفاح ج ۵ ص ۳۶

②۴ روضۃ الصفاح ج ۵ ص ۳۶..... چنگیز خان باب نمبر ۱۸ ص ۱۳۵..... جہاں کشا، ج ۱ ص ۱۱۹ تا ۱۳۲

②۳ ابن اثیر، ج ۷ ص ۵۹۱..... خوارزم شاہی، ص ۱۲۳

②۲ مفرج الکروب، ج ۴ ص ۶۰۔ بحوالہ سیر اعلام النبلاء ج ۲، ص ۲۴۰..... ابن اثیر نے بھی یہ تعداد سات لاکھ نقل کی ہے، دیکھیے ج ۷ ص ۵۹۱

②۱ روضۃ الصفاح ج ۵ ص ۳۷

②۰ معجم البلدان میں مرو، خوارزم اور بخارا کے حالات ملاحظہ کیے جائیں۔

①۹ روضۃ الصفاح ج ۵ ص ۳۷

①۸ تاریخ اکامل لابن اثیر، ج ۷ ص ۵۸۴، ۵۸۵

①۷ تاریخ اکامل لابن اثیر، ج ۷ ص ۵۸۴

①۶ تاریخ اکامل لابن اثیر، ج ۷ ص ۵۸۴، ۵۸۵

①۵ تاریخ اکامل لابن اثیر، ج ۷ ص ۵۸۴، ۵۸۵

①۴ تاریخ اکامل لابن اثیر، ج ۷ ص ۵۸۴، ۵۸۵

①۳ تاریخ اکامل لابن اثیر، ج ۷ ص ۵۸۴، ۵۸۵

①۲ تاریخ اسلام ذہبی، طبقہ ۶۲، حوادث، سن ۶۱۷

①۱ چنگیز خان، باب نمبر ۱۸ ص ۱۳۷، ۱۳۸

## سرزمین جہاد کے معرکے

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَانَتْهُمْ بُنْيَانٌ مَرُصُوصٌ ۝ ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔ (سورۃ الصف، آیت نمبر ۴)

عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ ہو بھی چکی اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ تو نے دیکھا سطوتِ رفتارِ دریا کا عروج موجِ مضطر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ ہرات کا معرکہ ..... اس باب میں ہم تاتاریوں کے خلاف ہونے والی ان جنگوں اور مزاحمتوں کا ذکر کریں گے جن کے مراکز وہ علاقے تھے جو موجودہ افغانستان میں شامل ہیں۔ مجاہدین کی یہ سرزمین صدیوں سے ایک قابلِ فخر تاریخ رکھتی ہے۔ یہاں کے بہادر مسلمانوں نے کبھی کسی جارح طاقت کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے، وہ کٹ گئے مگر کبھی جھکے نہیں۔ چنگیز خان سے لے کر برطانیہ، روس اور امریکا تک ہر سامراجی طاقت کو افغانستان میں یکساں تلخ تجربات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ آئیے! دیکھتے ہیں کہ اس دور میں چنگیز خان کا بے لگام لشکر جب سرزمین جہاد کی حدود میں داخل ہوا تو یہاں کیسے کیسے معرکے برپا ہوئے۔ اس داستان کی ابتداء ہم ہرات سے کرتے ہیں۔

ہرات افغانستان کے ان قدیم اور بڑے شہروں میں سے ایک ہے جو اسلام سے پہلے بھی مرکزی حیثیت رکھتا تھا، خوارزمی دور میں اس کی رونق کا یہ عالم تھا کہ یہاں مدارس، خانقاہوں اور لشکر خانوں کی تعداد ۳۵۰ سے کم نہ تھی۔ بازاروں میں بارہ ہزار کے لگ بھگ دکانیں تھیں اور ہجوم کے باعث کھوئے سے کھوا چھلتا تھا۔<sup>①</sup>

مرو اور نیشاپور کو خاستکر کے چنگیز خان کا سب سے جنگجو، خونریز اور شاطر مینا تو لی خان ایک زبردست لشکر لیے ہرات کی طرف بڑھا۔ ایک سال قبل محمد خوارزم شاہ کے تعاقب میں جانے والے تاتاری جرنیل جی نویان اور سودائی ہرات سے بھی ہو کر گزرے تھے، مگر شاہ کے تعاقب میں جلد بازی کے باعث انہوں نے یہاں کی آبادی سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا اور حاکم ہرات امین الملک سے اطاعت و فرمانبرداری کا عہد و پیمان لینا کافی سمجھا تھا۔ تاتاریوں کے جانے کے بعد امین الملک اپنے وفادار سپاہیوں کے ساتھ ہرات سے نکل کر موجودہ افغانستان کے جنوبی صوبے سیستان کی طرف چلا گیا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں شمس الدین محمد نامی ایک بااثر سردار کو ہرات کا نیا حاکم مقرر کر دیا گیا۔ وہ ایک باہمت اور نڈر انسان تھا، تاتاریوں سے ذرہ برابر خائف نہ تھا۔ دشمن کی یلغار سے پہلے پہلے اس نے ہرات کے دفاع کے بھرپور انتظامات کر لیے تھے۔ دوسرے کئی شہروں کی طرح ہرات میں بھی سلطان جلال الدین کے اعلان جہاد کے اثرات کام کر چکے تھے، اس لیے امراء اور سرداروں سے لے کر عام سپاہیوں میں بھی جہاد کا زبردست جوش و خروش

بیدا ہو چکا تھا۔ عوام بھی لڑنے کے لیے بے تاب تھے، ہر کہ و مہ جنگ پر آمادہ تھا۔ چند بعد تولی خان اپنے لاؤ لشکر سمیت ہرات کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے شہر سے باہر کھلے میدان میں پڑاؤ ڈالا اور ایک قاصد کی معرفت حاکم ہرات کو یہ پیغام بھیجوا یا: ”اگر تم اپنی خیر چاہتے ہو تو مزاحمت ترک کر کے شہر کے دروازے کھول دو۔“

شمس الدین محمد تاتاریوں کے قاصد کا پیغام پڑھ کر غصے سے بھڑک اٹھا اور جلا یا: ”خدا اس دن کو عارت کرے جب میں ان وحشیوں کی اطاعت کا طوق اپنی گردن میں ڈالوں۔“

یہ کہہ کر اس نے قاصد کو قتل کر دیا۔ قاصد کے قتل پر تولی خان کے وہی جذبات تھے جو ایسے موقع پر کسی بے رحم، خونخوار درندے کے ہو سکتے ہیں۔ اس نے پوری طاقت سے شہر پر حملہ کر دیا، مگر اس کی وحشیانہ اور بے لگام قوت جو ہر مزاحمت کو بل بھر میں کچل سکتی تھی، اہل ہرات کے حوصلے کے آگے کام نہ دے سکی۔ شمس الدین محمد نے اپنے بہادروں کو اس مہارت سے لڑایا کہ تولی خان انگشت بدنداں رہ گیا۔ صرف سات دن کی لڑائی میں وہ بڑے بڑے تاتاری سردار مارے گئے جن پر تولی خان اور اس کا باپ فخر کیا کرتے تھے۔ عام تاتاری سپاہیوں کی لاشوں کا کوئی حد و شمار ہی نہ تھا۔ یہ صورت حال تاتاریوں کے لیے تشویش ناک اور مسلمانوں کے لیے حوصلہ افزا تھی، مگر ہوتا ہی ہے جو خدا کو منظور ہو..... آٹھویں دن جبکہ شمس الدین محمد کمال شجاعت کے ساتھ کھلے میدان میں اپنی فوج کو لڑا رہا تھا اور تولی خان اس کی جرأت و ہمت پر پسینے پسینے ہو رہا تھا، یکا یک ایک تیر شمس الدین کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ زخم اتنا کاری تھا کہ اس شیر نرنے وہیں جام شہادت نوش کیا اور ابدی سرتوتوں سے ہم کنار ہوا۔

شمس الدین کی شہادت کے بعد اہل شہر میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ عوام اور سپاہی جنگ جاری رکھنے پر مصر تھے، اس لیے کہ تاتاری لشکر مسلسل نقصان اٹھانے کی وجہ سے کمزور پڑ گیا تھا اور چنگیز خان کی جانب سے کمک آنے سے پہلے پہلے اسے شکست دینا زیادہ مشکل نہیں رہا تھا۔ دوسری طرف شہر کے امراء اور عمائد مصالحت پر زور دے رہے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ ہماری وقتی فتح چنگیز خان کے انتقامی جذبے کو مزید برا بھجیتے کر دے گی اور اس فوج کے پیچھے وہ ایسا زبردست لشکر بھیجے گا جو ہرات کو خاستر کیے بغیر دم نہیں لے گا۔

نویں دن ہرات کی فصیلوں پر خاموشی دیکھ کر تولی خان نے بھانپ لیا کہ اہل شہر لڑائی جاری رکھنے کے بارے میں متذبذب ہیں۔ تولی خان گزشتہ دنوں کی جنگ میں اپنے کمزور پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے خود بھی لڑنے سے کتر رہا تھا۔ وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا فصیل کے سامنے خندق کے کنارے آ کر رکا۔ اپنے باپ کی طرح وہ دھمکی آمیز بیانات سے حریف کو مرعوب کرنا جانتا تھا۔ سرے سے ”خود“ اتارنے کے بعد اس نے جلا کر کہا:

”ہرات کے لوگو! کان کھول کر سن لو! میں تولی خان ہوں، چنگیز خان کا بیٹا، اگر تمہیں اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جانیں عزیز ہیں تو ہتھیار ڈال دو اور سالانہ خراج کا نصف بیٹنگی میرے حوالے کر دو۔ میں تمہاری جان بخشی کا وعدہ کرتا ہوں۔“

شہر کے عمائد نے باہمی مشوروں کے بعد جان و مال کے تحفظ کی شرط پر تاتاریوں کے لیے شہر کے دروازے کھولنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

اس معاہدے کے بعد جب تاتاری لشکر شہر میں داخل ہوا تو تولی خان نے جاں بخشی کے عمومی وعدے میں من مانی تخصیص کرتے ہوئے ان تمام لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا جو کسی بھی طور پر مزاحمت میں شریک رہے تھے یا سلطان

جلال الدین کے حامی تھے۔ آٹا فانا تاتاریوں کی تلواریں نیام سے نکل آئیں اور کم و بیش دس بارہ ہزار افراد کو زحمت میں شرکت یا سلطان جلال الدین کی حمایت کے الزام میں شہید کر دیا گیا۔<sup>①</sup>

مسند العصر محدث بزاز رحمہ اللہ کی شہادت ..... ان شہداء میں عظیم محدث امام عبد المعز محمد ابوالروح الہروی البزاز رحمہ اللہ بھی شامل تھے جنہیں ”مسند العصر“ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ وہ اس دور میں عالم اسلام کے واحد محدث تھے جو صرف سات واسطوں سے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کیا کرتے تھے۔<sup>②</sup> ان کی عمر چھانوے برس تھی۔<sup>③</sup>

ہرات کے سقوط کا یہ سانحہ ربیع الاول ۶۱۸ھ کو پیش آیا۔<sup>④</sup> اہل ہرات میں سے جو لوگ قتل عام سے بچ گئے تھے، تولی خان انہیں غلامی کی رسوا کن زنجیروں میں جکڑ کر واپس چلا گیا۔ تاتاریوں کی جانب سے ملک ابو بکر کو شہر کا کٹھ پتلی حاکم اور تاتاری افسر منکلتاؤ کو یہاں کا منتظم بنادیا گیا۔

قاضی وحید الدین کا عجیب قصہ ..... قاضی وحید الدین ہرات کے نامور عالم دین اور نکتہ رس فقیہ تھے۔ تاتاریوں کے خلاف اس جہاد میں وہ زہرہ اور خود میں ملبوس، ہتھیار لگائے، فصیل شہر کے اس برج پر چڑھے ہوئے تھے جس کے سامنے میدان میں تولی خان کا خیمہ تھا۔ قاضی صاحب دشمن پر تیر بر سار ہے تھے کہ مجمعے کے اژدحام کی وجہ سے اچانک ان کا پاؤں پھسلا، وہ بلند فصیل سے نیچے آ رہے اور لڑھکتے ہوئے فصیل کے باہر کھودی گئی گہری خندق میں گر گئے۔ سب سمجھے کہ وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، مگر کچھ دیر بعد وہ بالکل صحیح و سلامت خندق سے باہر نکل آئے۔ تاتاریوں نے ان پر تیر چلائے مگر ان کی زندگی باقی تھی، سب کے نشانے چوک گئے۔ تولی خان یہ منظر دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ حکم دیا کہ ان کو قتل نہ کیا جائے۔ اس نے قاضی صاحب کو اپنے پاس بلا کر پوچھا:

”تم کون ہو، جن ہو، فرشتے ہو یا کوئی اور آسمانی مخلوق؟“

قاضی صاحب نے جواب دیا: ”ایسی کوئی بات نہیں، میں ایک عام انسان ہوں۔“

تولی نے دریافت کیا: ”پھر زندہ کیسے بچے رہے۔“

قاضی صاحب نے چالپوسی سے کام لے کر کہا: ”مجھے کوئی گزند اس لیے نہ پہنچ سکی تاکہ آپ جیسے حکمرانوں کا منظور نظر بن سکوں۔“

ہرمغور فاتح کی طرح تولی کو بھی یہ خوشامد جواب پسند آیا، بولا: ”تم بڑے قابل آدمی ہو، اس لائق ہو کہ خان اعظم کے درباری بنو۔“

یہ کہہ کر اس نے قاضی صاحب کو بڑی عزت کے ساتھ چنگیز خان کے پاس بھیج دیا۔ چنگیز خان کو تاریخی قصے سننے کا شوق تھا۔ قاضی وحید الدین اسے اس مقصد کے لیے موزوں معلوم ہوئے، اس لیے اس نے انہیں اپنے دربار میں قصہ گو کے طور پر ملازم رکھ لیا اور ان سے خوارزم کے حکمرانوں کے تاریخی واقعات سنتا رہا۔ کچھ عرصہ اسی طرح گزارا، ایک چنگیز خان نے ان کی تاریخ دانی سے متاثر ہو کر ان سے پوچھا:

”کیا خیال ہے اس قتل عام کے باعث دنیا میں میرا نام عجیب و غریب طور پر مشہور رہے گا؟“

قاضی صاحب نے جان کی امان پانے کے وعدے پر فرمایا: ”انسان کا نام انسانوں کے درمیان ہی باقی رہتا ہے، جب خان اعظم انسانوں کو اس طرح قتل کرتے چلے جائیں گے تو ان کا نام لینے والا کون باقی رہے گا؟“

یہ سن کر چنگیز خان برہم ہو گیا۔ تیرکمان ہاتھ میں تھا، غصے سے زمین پر پھینک مارا اور بولا: ”میں تجھے عقلمند خیال کرتا تھا، مگر تو بڑا بے وقوف نکلا۔ میں نے محمد خوارزم شاہ کی قوم کو ہلاک کیا ہے مگر دنیا میں اور بہت سی قومیں ہیں جنہیں میں نے ہلاک نہیں کیا، ان میں میرا نام زندہ رہے گا۔“

قاضی صاحب کو جان کے لالے پڑ گئے۔ چنگیز خان نے مجلس برخواست کی تو قاضی صاحب موقع پا کر وہاں سے فرار ہو گئے۔<sup>①</sup>

سلطان جلال الدین کی سرزمین جہاد کو روانگی..... تاتاری افواج کی نقل و حرکت کی تازہ اطلاعات سے سلطان جلال الدین کو یقین ہو چکا تھا کہ اب چنگیز خان اپنی اصل قوت کے ساتھ کابل اور غزنی کا رخ کرنے والا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ جب تک چنگیز خان سے براہ راست ٹکرائے کر اسے سبق نہیں چکھایا جائے گا تاتاری یلغار رکے میں نہ آئے گی۔ نیز ان کے پاس فی الحال اتنی قوت نہیں تھی کہ وہ تمام محاذوں پر لڑ سکتے، اس لیے ارد گرد کے علاقوں میں تازہ تاتاری یورش سے قطع نظر کر کے اپنی جمیعت کے ساتھ غزنی روانہ ہوئے تاکہ وہ بدو چنگیز خان سے دودو ہاتھ کر کے اس عالمی فتنے کی روک تھام کی جاسکے۔

ان حالات میں جبکہ یورپ اور افریقہ تک کے حکمران چنگیز خان کے نام سے کانپ رہے تھے سلطان جلال الدین کا حوصلہ قابل صد تحسین تھا کہ وہ اس پیکر وحشت و بیہمی سے ذرہ بھر بھی ہراساں نہیں تھے۔ چونکہ عالم اسلام کا مردم خیز اور گنجان آباد خطہ تاتاری یلغار کے بعد ابڑ چکا تھا اور باقی ماندہ آبادی میں اکثر لوگ وہی رہ گئے تھے جو تلوار اٹھانے کے قابل نہ تھے، اس لیے سلطان جلال الدین کی مسلسل کوششوں کے بعد اب بھی ان کے ہمراہ سرفروشنوں کی تعداد چند ہزار سے زائد نہیں تھی البتہ انہیں افغان سرداروں کی جانب سے اعانت کی امید تھی۔

اہل زوزن کی بے حمیتی..... سلطان جلال الدین اپنی تلاش میں سرگرداں تاتاری فوج کی آنکھوں میں دھول جھونکتے، راہ میں مزاحم ہونے والی گشتی ٹولیوں کو مارتے کاٹتے ہوئے ”زوزن“ جا پہنچے جو نیشاپور اور ہرات کے درمیان ایک فیصل بند شہر تھا۔ تعاقب کرنے والے تاتاری لشکر کی دسترس سے دور رہنے کے لیے سلطان اور ان کے ساتھی کئی دن سے مسلسل سفر کر رہے تھے۔ تھکن سے ان کا ہر حال تھا، ان کی سوار یوں کو بھی آرام کی ضرورت تھی۔ سلطان نے فیصل شہر سے باہر رک کر وہاں کے باشندوں سے التماس کی کہ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو کچھ دیر شہر میں ٹھہرنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ اپنی حالت درست کر سکیں اور اگر تاتاری لشکر آئے تو وہ اس سے مقابلہ کے لیے تازہ دم ہو سکیں۔

اہل زوزن نے سلطان کی درخواست کو نہایت سنگدلانہ انداز سے رد کرتے ہوئے جواب دیا: ”ہم شہر کے دروازے نہیں کھولیں گے اور اگر تاتاری لشکر آپ پر حملہ آور ہو تو آپ کے سامنے ان کی شمشیریں ہوں گی اور پشت کی جانب سے ہم آپ پر سنگ باری کریں گے۔“

ان بزدل اور نام نہاد مسلمانوں کا یہ زہریلا جواب سن کر سلطان جلال الدین حیران رہ گئے۔ وہ چاہتے تو بڑو قوت شہر میں داخل ہونا، ان کے لیے کوئی مسئلہ نہ تھا، مگر ان حالات میں وہ مسلمانوں سے الجھناخت نقصان دہ خیال کرتے تھے، اس لیے اہل زوزن کو ان کے حال پر چھوڑ کر وہ زوزن سے کچھ دور ”ماہونا آباد“ جا کر ٹھہر گئے مگر تاتاریوں کا خطرہ بدستور موجود تھا، اس لیے نصف شب کو سلطان نے یہاں سے بھی کوچ کر دیا۔ صبح کے وقت تاتاری بھی تعاقب کرتے کرتے ماہونا

آباد تک پہنچ گئے، یہاں انہیں درست خبر نہ مل سکی کہ سلطان جلال الدین کدھر گئے ہیں، وہ اندازے سے ہرات کی طرف روانہ ہو گئے مگر نواح ہرات میں ”بردویہ“ تک سلطان کا کوئی سراغ نہ ملا تو ناکام واپس لوٹ گئے۔<sup>④</sup>

اس دوران سلطان زوزن کی سرحدوں ہی میں ایک نہایت مضبوط قلعے تک پہنچ گئے تھے جسے قلعہ قاہرہ کہا جاتا تھا، اسے کرمان کے حاکم مؤید الملک نے تعمیر کرایا تھا۔ سلطان نے وہاں پناہ لینا چاہی، قلعہ دار عین الملک اگرچہ سلطان کی رعایا میں شامل تھا مگر اس وقت سب کو اپنی اپنی پڑی تھی، اس نے اپنے آقا مؤید الملک سے رابطہ کیا، مؤید الملک گھبرا گیا کہ کہیں سلطان کی مدد کر کے وہ تاتاریوں کے عتاب کا نشانہ نہ بن جائے چنانچہ اس نے عین الملک کو یہ شاعرانہ اور منافقانہ پیغام دے کر سلطان کی خدمت میں بھیج دیا:

”بادشاہوں کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی قلعے میں محصور ہو کر رہیں، چاہے وہ قلعہ ستاروں کی بلندی پر ہو۔ بادشاہوں کے قلعے گھوڑوں کی پشت پر ہوتے ہیں، شیروں کو شہروں سے کیا واسطہ..... اگر ان حالات میں آپ قلعہ بند ہو گئے تو تاتاری تمام شہروں کو فنا کرتے چلے جائیں گے اور اپنا مقصد حاصل کر لیں گے۔“

سلطان نے جاتے جاتے قلعہ دار سے زاوراہ کے لیے رقم کا مطالبہ کیا، اس نے اشرفیوں کی تھیلیاں پیش کر دیں جو فیاض طبیعت سلطان نے اپنے رفقاء میں بانٹ دیں۔<sup>⑤</sup>

دریائے آمو کے جنوبی علاقوں (موجودہ شمال مغربی افغانستان) پہنچ کر سلطان جلال الدین نے جان لیا تھا کہ یہ علاقہ ان کے لیے قطعاً سازگار نہیں، یہاں کوئی شہر اور کوئی قلعہ انہیں جگہ دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ تاتاریوں کی گرفت یہاں مضبوط ہو چکی تھی، اس علاقے کا سب سے بڑا شہر ہرات تاتاریوں کے زیر تسلط آچکا تھا۔ الغرض شمالی افغانستان میں قدم جمانا مشکل نظر آ رہا تھا۔

ان حقائق کے پیش نظر سلطان جلال الدین نے جلد ہی پوری برق رفتاری سے سیستان (جنوبی افغانستان) کا رخ کیا۔ یہی وہ علاقہ تھا جو سلطان جلال الدین کو شہزادگی کے زمانے میں باپ کی طرف سے بطور جاگیر ملا تھا۔ تاتاریوں سے مقابلے کے لیے اس سے زیادہ سازگار علاقہ اب کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی سفر میں انہیں نیشاپور اور مرو کی تباہی کی خبر ملی جس کے بعد سلطان کا یہ خیال یقین میں بدل گیا کہ جنوبی خراسان کے سوا اب کوئی اور سرزمین جہاد کا حق ادا نہیں کر سکتی۔<sup>⑥</sup>

حضرت خضر علیہ السلام کی بشارت..... قاضی منہاج السراج بیان کے مطابق دوران سفر کرمان کے قریب خراسان کے صحرائے عظیم میں سلطان کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی جنہوں نے انہیں عن قریب اقتدار ملنے کی بشارت دی، ساتھ ہی یہ وعدہ لیا کہ ان کے ہاتھ سے کسی مسلمان کا خون نہیں بہنا چاہیے۔<sup>⑦</sup>

چنگیز خان کی پیش قدمی..... مختلف محاذوں پر افواج روانہ کرنے کے بعد ان دنوں چنگیز خان خود بھی نئے خطوط پر یلغار شروع کر چکا تھا۔ اس نے سمرقند سے کوچ کر کے دریائے آمو کے ساتھ ساتھ مشرق کی جانب دریائے آمو کے منبع کا رخ کیا جہاں صوبہ بدخشاں کا واقع ہے جو ہندوستان، کشمیر، چین، افغانستان اور وسط ایشیا کے مابین سنگم کی حیثیت رکھتا ہے۔ بدخشاں، فرغانہ اور دریائے آمو کے منبع کے قریب، سطح مرتفع پر قبضہ کر کے اس نے اپنے رفیقوں کے لیے ایک اہم شاہراہ مسدود کر دی۔<sup>⑧</sup> اس کے ساتھ ساتھ اس نے ایک فوج ترمذ پر حملے کے لیے بھیجی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کے

شہر کے باشندے لڑنے مرنے پر آمادہ تھے، گیارہ روز کی متواتر جنگ کے بعد تاتاری شہر پر قابض ہو گئے۔

یہاں دریائے آمو کے کنارے ”قلات“ نامی مشہور قلعہ تھا۔ شدید لڑائی کے بعد تاتاریوں نے اسے بھی فتح کر لیا۔ قلعے اور شہر میں تاتاریوں نے جن افراد کو جبری مشقت کے لیے مفید سمجھا انہیں قید کر لیا اور باقی ماندہ آبادی کا قتل عام کر کے خون کا دریا بہا دیا۔<sup>(۱۱)</sup>

بلخ کی تباہی..... چنگیز خان کا اگلا نشانہ بلخ کا گنجان اور دولت مند شہر تھا جسے قیۃ الاسلام بھی کہا جاتا تھا کیوں کہ یہ صوفیاء، سادات اور علماء کا شہر تھا۔ چنگیز خان نے دریائے آمو عبور کر کے اس شہر کا محاصرہ کیا تو اہل تہذیب کا انجام دیکھ کر سہمے ہوئے عوام نے جان کی امان کے وعدے پر شہر اس کے حوالے کر دیا۔ ویسے بھی شہر کے گرد فصیل نہ تھی لہذا مزاحمت ممکن نہ تھی۔ چند دن تو چنگیز خان اپنے وعدے پر قائم رہا، مگر جب اسے سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے جنوبی خراسان پہنچنے کی اطلاع ملی تو اس نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے اپنا وعدہ جابجائی پس پشت ڈال دیا اور بلخ کو مکمل طور پر لوٹنے کے بعد تمام اہل شہر کو قتل کر دیا۔<sup>(۱۲)</sup>

میر خاندان کا بیان ہے کہ بلخ میں قتل کیے جانے والے صرف سادات اور مشائخ کی تعداد پچاس ہزار تھی۔<sup>(۱۳)</sup> فاریاب اور زوزن..... بلخ کے بعد تاتاریوں نے زوزن، میمنہ، اندخوی اور فاریاب پر کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر قبضہ کر لیا اور یہاں کے باشندوں کو قتل کرنے کے بجائے قیدی بنا کر اگلے معرکوں میں جبری مشقت کے لیے ساتھ لے لیا۔<sup>(۱۴)</sup> چند روز قبل تاتاریوں کی حمایت میں سلطان جلال الدین کو سنگ باری کی دھمکیاں دینے والے زوزنی اب تاتاریوں کے ہاتھوں موت سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔

طالقان کا محاصرہ..... اس سے قبل چنگیز خان ایک لشکر طالقان کی طرف روانہ کر چکا تھا۔ طالقان کے جنگجو یہ سمجھ چکے تھے کہ تاتاریوں کے کسی وعدے پر بھروسہ کرنا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں، اس لیے انہوں نے لڑائی کے لیے ہر ممکن تیاری کر لی تھی۔ طالقان کا مرکزی قلعہ نصرت کوہ اپنی وسعت، بلندی اور مضبوطی میں بے مثال تھا۔ یہاں کے مجاہدین نے پیش بندی کے طور پر اسلحہ اور خوراک کے اتنے ذخائر جمع کر لیے تھے جو کئی ماہ کے لیے کافی تھے۔ چنگیز خان کا بھیجا ہوا لشکر بدخشاں کی فتح کے بعد سے طالقان کے محاصرے میں مصروف تھا، مگر ایک مدت گزرنے کے باوجود ”قلعہ نصرت کوہ“ فتح نہ ہو سکا۔ مجاہدین رات کو خفیہ راستوں سے باہر نکل کر تاتاری لشکر پر مختلف اطراف سے شب خون مارتے اور خاصا جانی و مالی نقصان کر کے اندھیرے کی آڑ میں واپس چلے جاتے۔ بعض اوقات وہ دشمن کے انانج کے ذخائر بھی لوٹ لیتے اور ان کے مویشیوں کو ہانک کر لے جاتے۔

بلخ کی مہم سے فارغ ہو کر چنگیز خان بذات خود اس محاذ پر آ گیا، اس کے بعد بھی قلعہ فتح ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ کچھ دنوں بعد چغتائی اوستائی اور تولی خان بھی شمال مغربی خراسان سے بے شمار فوج لے کر باپ کی مدد کے لیے آ پہنچے۔ جنگ اسی انداز سے جاری رہی۔ تیروں اور پتھروں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ اگرچہ محصورین بھی جانی نقصان برداشت کر رہے تھے، مگر تاتاریوں کے نقصانات اس سے کہیں بڑھ کر تھے۔ سات ماہ گزر گئے، مگر ان مجاہدوں کے حوصلے اور عزائم تازہ رہے۔ ان کی مزاحمت میں روزِ اوّل کی سی شدت موجود رہی۔ ادھر سلطان جلال الدین کے جنوبی خراسان آنے کی اطلاعات چنگیز خان کو مضطرب کر رہی تھیں۔ آخر کار چنگیز خان نے فوج کو حکم دیا کہ اس قلعے کے

بالمقابل لکڑیوں اور مٹی کا ایک ٹیلہ تعمیر کر کے دیوار پھلانگی جائے۔ تاتاریوں نے آس پاس کے جنگلات صاف کر کے لکڑیوں کے ڈھیر لگا دیے، اوپر مٹی ڈالی جاتی رہی۔ اہل شہر نے اس موقع پر تاتاریوں کو تاک کر نشانے لگائے، مگر جہاں ایک تاتاری گرتا وہاں دو اور آ جاتے، حتیٰ کہ یہ مصنوعی ٹیلہ فیصل کی بلندی کو چھونے لگا۔ اہل شہر کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا، اس سے قبل کہ تاتاری دیوار پھلانگتے، مجاہدین کے پیادہ اور سوار دستے یکدم قلعے کے دروازے کھول کر باہر نکل آئے۔ ان میں سے پیادے تو لڑتے بھڑتے شہید ہو گئے جبکہ اکثر گھڑ سوار جن کی تعداد پانچ سو کے لگ بھگ تھی، مار دھاڑ کرتے ہوئے پہاڑوں کے نشیب و فراز کی طرف نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔ حسب معمول تاتاریوں نے باقی ماندہ محصورین کو قتل کر ڈالا۔<sup>(۱۳)</sup>

قلعہ گریز یوان ..... ”نصرت کوہ“ کے بعد چنگیز خان کا اگلا حملہ قلعہ گریز یوان پر تھا جو شمالی مشرقی خراسان سے بامیان جانے والی شاہراہ پر واقع تھا۔ بلخ، جوزجان، فاریاب اور طالقان کے بے شمار مردوزن کی شہادت کی خبریں سن کر بھی گریز یوان کے بہادروں نے علم جہاد بلند رکھا اور چنگیز خان کے لشکر کی آمد پر اس کی طرف سے ہتھیار ڈالنے کے مطالبے کو مسترد کر دیا۔ چنگیز خان کی سرکش طاقت اور اس چھوٹے سے قلعے کے محافظوں کے درمیان شدید جھڑپوں کا آغاز ہوا جو روز بروز طول پکڑتا گیا۔ چنگیز خان کا خیال تھا کہ اس قلعے کو سر کرنے میں دو تین دن سے زیادہ وقت نہیں لگے گا، مگر قلعے کی مضبوطی سے زیادہ اس کے محافظوں کی شجاعت نے اس کا خیال غلط ثابت کر دیا۔ گھسان کی جنگ جاری رہی، قلعے کے محافظین ایک ایک کر کے شہید ہوتے رہے، آخر کار ایک ماہ کی مسلسل جنگ کے بعد جب آخری محافظ بھی شہید ہو گیا تو چنگیز خان اپنی فوج کے ساتھ قلعے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اسے حیرت ہوئی کہ اندر کوئی تنفس نہ تھا جسے وہ قیدی بنا سکتا۔ قلعے اور فصیل کو پیوند زمین کرنے کے بعد چنگیز خان کاہل اور غزنی کی طرف پیش قدمی کے لیے فارغ ہو گیا۔<sup>(۱۴)</sup>

سالانہ شکار ..... موسم گرما شروع ہو چکا تھا اور تاتاری ان نشیبی میدانی علاقوں کی شدید گرمی سے سخت اذیت محسوس کر رہے تھے، وہ گوبی کے بلند علاقے کی آب و ہوا کے عادی تھے۔ چنگیز خان نے یہ دیکھتے ہوئے اپنی تمام افواج کے دریائے جیحون کے اس پار نکلا کر ان پہاڑوں کی طرف منتقل کر دیا جن کے گرد و نواح میں اس نے کئی شہر حال ہی میں فتح کیے تھے۔ یہ کوہستان ہندوکش کا بلند علاقہ تھا۔ چنگیز خان نے یہاں اپنی افواج کی تفریح کے لیے انہیں شکار کھیلنے کا حکم دیا۔ چنانچہ چار ماہ تک یہ شکار جاری رہا۔ شکار تاتاریوں کا من پسند سالانہ مشغلہ تھا۔<sup>(۱۵)</sup>

جہاد کی یادگار تارتارخ ..... سلطان جلال الدین کے اعلان جہاد کے بعد خراسان کے مذکورہ بڑے بڑے فصیل بند شہروں ہی میں نہیں، بلکہ چھوٹے چھوٹے قلعوں اور معمولی فوجی چھاؤنیوں سے بھی تاتاریوں کے خلاف مزاحمت شروع ہو گئی تھی جس کی ایک مثال قلعہ گریز یوان کا معرکہ تھا۔ اس موقع پر تاتاری لشکر کے کئی حصے ان چھوٹے قلعوں اور چھاؤنیوں کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے خراسان کے طول و عرض میں پھیل گئے تھے۔ چنگیز خان کا اندازہ تھا کہ یہ سپاہی ہفتے یا مہینے میں اپنا کام منٹا کر لوٹ آئیں گے، مگر ان میں سے بعض دستے ایسے تھے جو کئی ماہ بعد لوٹے اور وہ بھی ناکام ہو کر۔ بعض دستوں کو قلعے سر کرنے میں سال یا اس سے زیادہ عرصہ بیت گیا۔ ان کی واپسی تک سلطان جلال الدین اور چنگیز خان میں کئی تاریخی معرکے ہو چکے تھے جن کا ذکر آگے آئے گا۔ ذیل میں ہم چند ایسے قلعوں کا تذکرہ



کرتے ہیں جنہوں نے محل وقوع کے لحاظ سے غیر اہم ہونے کے باوجود جہاد کی یادگار تاریخ مرتب کی۔ قلعہ کالیون..... ہرات سے بیس فرسخ (۶۰ میل) پر قلعہ کالیون واقع تھا۔ سلطان علاؤ الدین محمد کے مصاحب خاص ابو بکر کے دو بیٹے جو ”پہلوان“ کے لقب سے مشہور تھے جہاں کے کوتوال مقرر کیے گئے تھے۔ اسی طرح سلطنت کے اعلیٰ عہدیداروں میں سے اختیار الملک دولت یار طغرائی نامی ایک سردار بھی یہاں موجود تھا۔ جب تاتاری سپاہی یہاں پہنچے تو اہل قلعہ مقابلے میں ڈٹ گئے۔ قلعے سے باہر آ کر کھلم کھلا مقابلہ کیا اور بہت سے کافروں کو واصل جہنم کر دیا۔ یہ روز کا معمول بن گیا، تیروں اور پتھروں کا استعمال بھی جاری رہا اور شب خون کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ تاتاری سپاہیوں کی تعداد خاصی تھی، مگر قلعہ والوں کی شجاعت اور ہوشیاری سے وہ اتنے گھبرا گئے کہ منہاج السراج کی روایت کے مطابق: ”تاتاریوں کو خوف کی وجہ سے رات کو نیند نہیں آتی تھی، آخراںہوں نے اپنے کیمپ کے چاروں طرف ایک دیوار تعمیر کی جس میں دو دروازے رکھے، ان پر پہرے داروں کا دستہ کھڑا کیا تاکہ اہل قلعہ کے شب خون سے نجات ملے۔“

دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ قلعہ کی فتح کے آثار دکھائی نہ دیے۔ اس دوران سیستان سے ایک اور تاتاری لشکر حملہ آوروں کی کمک کے لیے پہنچ گیا جس کے ساتھ خوارک و رسد کا سامان بھی تھا۔ ادھر قلعہ والوں نے قلعہ میں پانی کے سات کنویں تیار کر رکھے تھے جن کے باعث انہیں پانی کی کوئی کمی نہ تھی، اسی طرح انہوں نے خشک گوشت اور پستے بھی بڑی مقدار میں جمع کر رکھے تھے، ان چیزوں کو وہ غذا کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ مگر ایک عرصہ تک صرف گوشت، پستوں اور پستوں کے تیل پر گزارا کرنے سے ان میں مختلف بیماریاں پھیلنے لگیں حتیٰ کہ ان میں سے اکثر بیمار ہو گئے، ان کے سر اور پیروں پر کھجوریں گر گئے۔ قلعے میں مریضوں کے علاج معالجے کا کوئی انتظام نہیں تھا، اس لیے مریضوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی اور قلعے میں جاں بحق ہونے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ ان سختیوں کے باوجود باقی ماندہ محصورین نے ہتھیار ڈالنے کے بجائے جہاد جاری رکھا۔ ایک سال پورا ہو گیا، مگر قلعہ سرنگوں نہ ہوا، تاتاری محاصرے سے اکتا گئے، لیکن شہادتوں کے اس سلسلے سے قلعے کے محافظوں کا جی نہیں بھرا۔

سولہ ماہ گزرنے کے بعد قلعے میں صرف پچاس آدمی رہ گئے، بیس بیمار تھے اور تیس تندرست۔ تاتاریوں کو قلعے کی اندرونی حالت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ کئی دن سے فسیلوں پر لڑنے والوں کی تعداد بہت کم دیکھ رہے تھے، انہوں نے بے خوف و خطر اسلحہ اٹھایا اور قلعے پر چڑھنے لگے۔ قلعہ کالیون کے باقی ماندہ پچاس نفوس شہادت کے لیے تیار تھے، اس لیے وہ قلعے کے سونے، چاندی، جواہرات، ملبوسات اور اناج کے ذخائر کو کنوؤں میں ڈال کر انہیں مٹی سے پُر کر چکے تھے اور اب شہادت کی طلب میں خوش و خرم کھڑے تھے..... تاتاریوں کے اندر داخل ہوتے ہی ان پچاس مجاہدوں نے ان پر حملہ کر دیا اور مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

قلعہ اشیار اور قلعہ فیوار..... قلعہ اشیار امیر محمد مرغزی کے پاس تھا جس نے طالقان اور بامیان کے راستے میں تاتاری لشکر پر چھاپہ مار حملے کر کے اس کو بے اندازہ جانی و مالی نقصان پہنچایا تھا۔ چنگیز خان نے ایک بڑی فوج جس میں دس ہزار جینیق انداز بھی شامل تھے، اس قلعے کی تسخیر کے لیے روانہ کر دی۔

قلعے کے محافظین نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور قلعہ سرنگوں نہ ہونے دیا۔ کئی ماہ اسی طرح گزر گئے، قلعے میں جمع شدہ غلے اور خوراک کے ذخائر ختم ہو گئے۔ اہل اشیار نے قلعے کے تمام موشیوں اور جانوروں کو ذبح کر کے ان کا گوشت

خشک کر لیا اور اسے تھوڑا تھوڑا استعمال کرنے لگے، آخر کار گوشت بھی ختم ہو گیا۔ قحط کی یہ حالت تھی کہ گوشت مہنگا اور سونا سستا ہو گیا تھا۔ جوز جانی کے بیان کے مطابق: ”محصورین میں سے ایک عورت کی ماں اور باندی نے یکے بعد دیگرے بھوک سے لاچار ہو کر وفات پائی، عورت نے ان کا گوشت فروخت کر کے کثیر مقدار میں سونا حاصل کر لیا، لیکن اس سونے سے وہ غذا حاصل نہ کر سکی اور بالآخر خود بھی بھوک سے مر گئی۔“

محاصرے کو پندرہ ماہ گزر گئے، اس دوران اشیاء کے اکثر محصورین قحط کے ہاتھوں ایک ایک کر کے جاں بحق ہو گئے۔ آخر میں صرف امیر محمد مرغزی اور اس کے تیس ساتھی باقی رہ گئے جو قلعے میں دشمنوں کے داخلے کے وقت شمشیریں سونت کر ان سے نبرد آزما ہوئے اور شہادت کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔

اسی طرح ”قلعہ فیوار“ کے محصورین خوراک کے ذخائر کی کمی کے باوجود دو ماہ تک دشمن کے مقابلے میں جے رہے اور آخر دم تک جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

قلعہ سیفرو د..... قلعہ سیفرو دغور کے صحرائیں واقع تھا، یہاں پانی بہت کم تھا، تاتاری یہاں پہنچے تو گرد و نواح کے علاقوں سے تمام غلہ، اناج اور مویشی لوٹ لیے تاکہ اہل قلعہ کو رسد نہ مل سکے۔ ادھر ”سیفرو د“ کے جنگجو قلعہ بند ہو کر مقابلے کے لیے تیار تھے۔ جنگ شروع ہو گئی۔ ایک طویل عرصے تک شدید جنگ کے بعد قلعے میں خوراک اور پانی کے ذخائر ختم ہونے لگے، جس کا اثر سب سے پہلے مویشیوں پر پڑا اور حسب ضرورت پانی اور چارہ نہ ملنے کے باعث چوبیس ہزار مویشی مر گئے۔ حاکم قلعہ ملک قطب الدین نے حکم دیا کہ باقی ماندہ مویشیوں کو فوراً ذبح کر کے ان کا گوشت خشک کر لیا جائے اور مردار جانور قلعے سے باہر پھینک دیئے جائیں۔ حکم پر عمل کیا گیا اور محصورین نے خاصی مقدار میں خشک گوشت کا ذخیرہ جمع کر لیا۔ قلعے کے بہادر مجاہد بہر حال پامردی سے دشمن کے سامنے ڈٹے رہے، حتیٰ کہ کئی ماہ گزر گئے اور تاتاری قلعے پر قبضہ کرنے کی ناکام کوششوں سے اکتاہٹ کا شکار ہو گئے۔

ایک عرصے تک مزاحمت کے بعد قلعے میں پانی کا اتنا ذخیرہ رہ گیا جو محصورین کو صرف چالیس دن تک کافی ہوتا۔ ملک قطب الدین نے پانی کے حصے مقرر کر دیے۔ ہر شخص کو دن رات میں ۳۴ تولہ (تقریباً آدھ سیر) پانی اور اتنا ہی غلہ دیا جانے لگا۔ البتہ ملک قطب الدین کو ۶۸ تولہ پانی دیا جاتا، اس لیے کہ اس کے ساتھ اس کا گھوڑا بھی تھا جس پر بیٹھ کر وہ قلعہ کا گشت کرتا تھا۔ اپنے حصے کے پانی میں سے جو وہ وضو کے لیے استعمال کرتا وہ بھی (مستعمل پانی) گھوڑے کے حصے میں آتا تھا۔ غرض اس طرح اس پانی کو پچاس چار مزید پچاس دن پورے کیے گئے۔ جب آبی ذخیرے کے محافظین نے صرف ایک دن کا پانی باقی رہ جانے کی خبر دی تو ملک قطب الدین نے نماز کے بعد قلعے میں موجود تمام مردوں کو قلعے کے میدان میں جمع کیا اور ان سے جنگ جاری رکھنے یا ہتھیار ڈالنے کے بارے میں مشورہ کیا۔

قاضی منہاج السراج کی روایت کے مطابق یہ طے پایا کہ کل صبح قلعہ میں موجود ہر آدمی اپنی عورتوں اور بچوں کو تاتاریوں کے ہاتھوں بے عصمت ہونے اور ان کے مظالم کا تختہ مشق بننے سے بچانے کے لیے خود قتل کر دے۔ اس کے بعد تمام آدمی تلواروں سمیت قلعے کے مختلف گوشوں میں چھپ جائیں اور پھر یکدم دروازہ کھول دیا جائے۔ تاتاری جب قلعے کے اندر بکھر جائیں تو ہر طرف سے ان پر یک بارگی حملے کیے جائیں اور آخری سانس تک مقابلہ جاری رکھا جائے۔ تمام حاضرین نے اس بات پر عہد و پیمان کیا۔ شہادت کے لیے کمر کس لی اور ایک دوسرے سے مل ملا کر رخصت ہوئے۔

رات کو اہل قلعہ زندگی کی گھڑیاں گن گن کر شہادت کی منزل کے منتظر تھے کہ یکا یک مطلع ابراؤد ہو گیا۔ گرج چمک کے ساتھ بادل برسے، پھر برف باری شروع ہو گئی۔ قلعہ کے جاں بلب محصورین موت کے دروازے پر زندگی پا کر خوشی سے نہال ہو گئے۔ لبوں پر حمد و ثنائے باری تعالیٰ جاری ہو گئی۔ سب کے سب پانی کے ذخائر جمع کرنے لگے۔ بارش اور برف باری تھمنے تک ان کے پاس دو ماہ کا آبی ذخیرہ جمع ہو چکا تھا۔ تاتاری غارتگروں نے یہ صورتحال دیکھی تو سمجھ گئے کہ اب مزید محاصرہ بے فائدہ ہے تھا، اس لیے وہ اس مہم کو موسم گرما تک ملتوی کر کے واپس چلے گئے۔

جاڑ ختم ہوا تو تاتاری لشکر دوبارہ ”سیفر وڈ“ کے محاصرے کے لیے آن پہنچا، مگر اس وقت تک قلعے کے باشندے اناج، پانی اور چارے کے بڑے بڑے ذخائر جمع کر کے طویل مدت تک جنگ کے لیے تیار ہو چکے تھے، تاتاری دو ماہ تک ٹھیرا ڈال کر قلعے کی دیواروں سے ناکام سرنگراتے رہے۔ ہر تدبیر بے سود دیکھ کر انہوں نے حسب عادت مکرو فریب سے کام لیا اور ایک طرفہ جنگ بندی کر کے چند دنوں میں واپسی کا ارادہ ظاہر کیا۔ قلعہ والے ان کی اس تبدیلی پر حیران بھی ہوئے اور خوش بھی کہ بلا سر سے ملنے والی ہے۔ تاتاریوں نے صلح میں اپنی نیک نیتی ظاہر کرنے کے لیے ارد گرد سے گزرنے والے سوداگروں کو اپنا اسباب تجارت قلعے میں لے جانے کی اجازت بھی دے دی۔ اہل قلعہ کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہو سکتی تھی۔ انہوں نے تاجروں کے لیے قلعے کے دروازے کھول دیئے، شاہراہ سے گزرنے والے سوداگر اپنا سامان تجارت لے کر قلعے میں آنے جانے لگے۔ تاتاری موقع کی تلاش میں تھے۔ تیسرے دن قلعہ کے محافظوں کو ذرا غافل پاکے تاجروں کے پیچھے پیچھے بہت سے تاتاری سپاہی بھی قلعے میں داخل ہو گئے اور سامنے آنے والے ہر شخص پر تیغ آزمائی کرنے لگے، اس سے پہلے کہ باقی تاتاری لشکر قلعے کے دروازوں تک پہنچ کر وہاں قابض ہوتا، قلعے کے محافظ ہوشیار ہو گئے اور تاتاریوں کو قلعے سے باہر دھکیل کر دروازے بند کر لیے، تاہم اس اچانک حملے میں بہت سے مسلمان شہید اور ۲۸ آدمی کفار کے ہاتھوں قید ہو گئے۔

اس بد عہدی کے بعد تاتاریوں نے قلعہ والوں کو پیغام بھجوایا کہ ”آپ ہمارے پاس حاضر ہوں اور فدیہ دے کر قیدیوں کو اپنے ساتھ لے جائیں۔“

”سیفر وڈ“ کے بہادروں نے اس پیش کش میں مخفی فریب کی بوسنگھ کرا سے مسترد کر دیا اور مقابلے کے لیے مستعد ہو گئے۔ دشمن نے ساری قوت اکٹھی کر کے طوفانی حملہ کیا، مگر ”سیفر وڈ“ کے سنگ اندازوں اور نشانہ بازوں نے ان کی جارحیت کا منہ توڑ جواب دیا۔ رضا کاروں نے فیصل سے بڑے بڑے پتھر برسائے جن سے درجنوں تاتاری کچلے گئے، رسہ کش چھاپہ مار مجاہدین اور خفیہ پناہ گاہوں سے پورے حملے کرنے والوں دلیروں نے تاتاریوں کے دانت کٹھے کر دیے اور وہ ان گنت لاشیں چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ اس ناقابل تسخیر حصار کے محافظوں کے سامنے ان کے حوصلے ماند پڑ چکے تھے، اس لیے چارونا چار انہوں نے اپنا ساز و سامان لپیٹ کر واپسی کی راہ اختیار کی۔

فیروز کوہ..... غور کا دوسرا قلعہ فیروز کوہ بھی ناقابل تسخیر رہا۔ بیس ہزار تاتاری اکیس روز تک اس کا محاصرہ کیے رہے۔ اس کے بعد خدا کی نصرت جاڑے اور برف باری کی شکل میں نازل ہوئی اور تاتاری محاصرہ چھوڑ کر واپسی پر مجبور ہو گئے۔

قلعہ تو لک..... تو لک کے قلعہ کو سرنگوں کرنے کے لیے تاتاری اطراف و جوانب کے دس ہزار قیدی مرد اور عورتوں کو ساتھ لے کر آئے تھے۔ سپاہیوں کی نگرانی میں ان قیدیوں سے مورچوں اور خندقوں کی تیاری کا کام لیا گیا۔ زبردست

تاریوں کے ساتھ محاصرہ شروع ہوا اور آٹھ ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران ”تو لک“ کے محافظین نے جان توڑ مقابلہ کیا اور دشمن کی ایک نہ چلنے دی۔ آخر کار تاتاری درندوں کو یہاں سے بھی نامراد واپس جانا پڑا۔<sup>(۱۸)</sup>

تاتاری یلغار کے خلاف سرزمین جہاد کے غیور اور شجاع مجاہدوں کے کارہائے نمایاں کی یہ چند جھلکیاں ہیں جو کتب تواریخ کے واسطے سے ہم تک پہنچی ہیں۔ بلاشبہ دشمنان اسلام کے خلاف ہر دور میں صفِ اوّل میں رہنے والے ان مجاہدوں نے تاتاری افواج کا جس ہمت و پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا، تاریخ عالم میں اس کی مثالیں بہت کم ملیں گی۔ یہی وجہ تھی کہ درندہ صفت چنگیز خان نے خراسان کو برباد کرنے میں انتہائی مبالغے سے کام لیا اور ایک بار نہیں بار بار یہاں قتل عام کرایا تاکہ مجاہدین کی یہ سرزمین ہمیشہ کے لیے ویران اور غیر آباد ہو جائے۔

عطا ملک جوینی نے سچ کہا کہ ”آج سے لے کر قیامت تک اگر اس ملک میں انسانوں کی پیدائش اور افزائش کا سلسلہ جاری رہے تب بھی یہ ملک اس برباد شدہ آبادی کے دسویں حصے کے برابر بھی گنجان آباد نہ ہو سکے گا۔“

سلطان جلال الدین سرزمین جہاد میں ..... ادھر مختلف محاذوں پر یہ معرکے جاری تھے اور ادھر سلطان جلال الدین جنوبی خراسان کی طرف رواں دواں تھے۔ انہیں یہ بھی خبر مل گئی تھی کہ چنگیز خان طالقان میں بھاری لاؤ لشکر جمع کر رہا ہے۔

سلطان جلال الدین نے سب سے پہلے جنوبی خراسان کے علاقے سیستان (بجستان) کا رخ کیا۔ آج کل یہ علاقہ نیمروز اور فرہہ میں تقسیم ہو چکا ہے۔ یہاں پہنچ کر سلطان بست کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے کہ انہیں خبر ملی کی ان کا ماموں زاد بھائی امین الملک جوہرات کا سابق حاکم تھا اور تاتاریوں کے حملے سے بچ نکلا تھا، دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ اسی علاقے میں کچھ فاصلے پر موجود ہے۔ سلطان نے فی الفور امین الملک کو اطلاع بھیجی کہ وہ ان سے آئے۔

امین الملک کی آمد پر سلطان نے گرم جوشی سے اس کا خیر مقدم کیا اور اسے تاتاریوں کے مقابلے میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اپنی رفاقت پر آمادہ کرنے لگے۔ امین الملک نے سلطان کی پیش کش کو قبول کرتے ہوئے اپنی ہر قسم کی خدمات ان کے سپرد کر دیں۔ سلطان جلال الدین اور امین الملک دیگر رفقاء کے ساتھ سر جوڑ کر تاتاریوں کے خلاف مناسب کارروائی کے لیے غور و خوض کرنے لگے۔<sup>(۱۹)</sup>

قدھار کا معرکہ اور شاندار فتح ..... خراسان کے پختون قبائل میں جگہ جگہ مخلص اور غیور عوام سلطان کا والہانہ استقبال کر رہے تھے۔ سلطان کے پرچم تلے مجاہدین کی تعداد بتدریج بڑھ رہی تھی۔ ان کی قوت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔

امین الملک کے سپاہیوں کے اتحاد سے اب ان کے لشکر میں اتنی طاقت پیدا ہو چکی تھی کہ وہ کسی مقام پر از خود تاتاریوں سے لڑائی چھیڑ سکتے تھے۔ اس فوج کا ہر فرد سلطان کی نگاہ میں ملت اسلامیہ کے مستقبل کا معمار تھا۔ ان مجاہدین کی

شمشیروں کی چمک دیک سلطان کے نزدیک مایوسی کے اندھیروں میں چراغ ہائے امید کی حیثیت رکھتی تھی۔ اپنی عسکری طاقت اور تاتاریوں کی قوت کے تناسب کو ملحوظ رکھتے ہوئے سلطان نے یہ مناسب سمجھا کہ ابتداء کسی ایسے محاذ سے کی

جائے جس میں اسلامی فوج کم سے کم نقصان اٹھا کر دشمن کو زیادہ سے زیادہ زک پہنچا سکے اس طرح ایک طرف اپنی قوت کو محفوظ رکھتے ہوئے دشمن کو ہراساں کیا جاسکے گا اور دوسری طرف تاتاریوں سے مرعوب اور دہشت زدہ عوام کو

حوصلہ دلا کر آئندہ فیصلہ کن جنگوں میں شرکت کے لیے تیار کیا جاسکے گا۔

انہی دنوں سلطان کو اطلاع ملی کہ تاتاریوں کا ایک لشکر قدھار کا محاصرہ کیے ہوئے ہے اور اہل شہر زبردست مدافعت

کے باوجود حملہ آوروں کا زور توڑنے سے عاجز ہیں۔ کسی بھی وقت تاتاری شہر کو زیر نگین کر سکتے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی سلطان جلال الدین نے امین الملک اور دوسرے کہنہ مشق افسران کو بلا کر حملے کی حکمت عملی مرتب کی اور قندھار کی طرف کوچ کر دیا۔ برق رفتاری سے منزلیں طے کرتے ہوئے غازیان اسلام جب قندھار کے قریب پہنچے تو تاتاری حملہ آوران کی آمد سے بے خبر فیصل پر تاتاری حملے کر رہے تھے۔ سلطان کی فوج مختلف سمتوں سے نہایت خاموشی کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے یکا یک تاتاری لٹیروں کے سر پر جا پہنچی۔ اس سے قبل کہ تاتاری اس بلائے ناگہانی کے مقابلے میں سنبھل پاتے مجاہدین کے ہزاروں تیر قہر الہی بن کر ان کے جسموں کو لہو لہان کر چکے تھے۔ پلک جھپکتے میں ترک اور افغان نیزہ باز گھوڑوں کو ایڑ لگا کر تاتاریوں کی صفوں میں جا گھسے اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک خون کی ندیاں بہاتے چلے گئے۔

تاتاریوں نے کئی بار قدم جما کر لڑنے کی کوشش کی، مگر فیصل شہر سے شدید تیر اندازی و سنگ باری اور سلطان جلال الدین کے غازیوں کی آبدار شمشیروں نے انہیں ہر بار منتشر ہونے پر مجبور کر دیا۔ اب تک ہر میدان میں فتح یاب ہونے والے تاتاری وحشیوں نے اس غیر متوقع صورتحال سے حواس باختہ ہو کر انجام کار راہ فرار اختیار کی، مگر سلطان جلال الدین اس کا پہلے سے انتظام کر چکے تھے۔ ہر پہاڑی، ہر گھاٹی اور ہر راستے پر ان کے مورچہ بند سپاہی متعین تھے جنہوں نے مفروین کو آڑے ہاتھوں لیا۔ علامہ ابن خلدون کے بیان کے مطابق ایک بھی تاتاری زندہ بچ کر نہ جاسکا۔<sup>(۱۵)</sup>

خونریز جنگوں اس طویل سلسلے میں قندھار کا معرکہ پہلا معرکہ تھا جس میں تاتاریوں کو کھلی شکست ہوئی۔ اس لحاظ سے مسلمانوں کے لیے یہ ایک بے مثال فتح تھی جس سے سلطان جلال الدین نے حسب توقع نتائج حاصل کیے۔ جنگ کی آگ کی طرح یہ خبر ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ تاتاریوں کے دلوں میں غازیان اسلام کی تیز دھار تلواروں کا خوف جگہ پکڑنے لگا اور مسلمانوں کے قلوب سے تاتاری بھیڑیوں کی دہشت انگیزی کے اثرات زائل ہونے لگے۔ اللہ کی تائید و نصرت پر بھروسہ کر کے وہ میدان جہاد میں اترنے لگے۔

غزنی کا مرکز جہاد..... جہادی تحریک میں کما حقہ توانائی پیدا کرنے کے لیے ایک مرکز ناگزیر تھا۔ اس سے قبل سلطان جلال الدین نے پایہ تخت اور گنج کو مرکز جہاد بنا کر دشمن کے خلاف معرکہ آرائی کی تیاریاں شروع کی تھیں، اگر مسلمانوں کی بد نصیبی آڑے نہ آ جاتی اور خود پایہ تخت کے چند نمک حرام امراء غداری نہ کرتے تو سلطان ”اور گنج“ جیسے محفوظ اور مستحکم شہر کی جگہ کسی اور مقام کو مرکز بنانے کا خیال بھی دل میں نہ لاتے۔ لیکن اس مرکز کے ناساز و نابود ہونے کے بعد سلطان کی نگاہ میں غزنی کا شہر جہادی سرگرمیوں کا بہترین گہوارہ ثابت ہو سکتا تھا۔ سلطان علاؤ الدین محمد نے اپنی زندگی میں شہزادوں کے درمیان سلطنت تقسیم کرتے وقت ”غزنی“ کو سلطان جلال الدین کی تحویل میں دیا تھا، چونکہ سلطان جلال الدین اپنے والد کی خدمت میں رہ کر سلطنت کے اہم امور کی انجام دہی میں مشغول رہتے تھے، اس لیے غزنی میں ان کا نائب حکومت کرتا تھا۔ تاتاری بلغار کے بعد جب تمام نظام سلطنت تہہ وبالا ہو گیا اور جگہ جگہ امراء نے بغاوت اور خود سری اختیار کی تو اسی دوران غزنی میں بھی کئی انقلابات آئے، انجام کار ایک باغی سردار غزنی پر قابض ہو گیا۔

قندھار کے معرکہ سے فتح یاب واپس ہو کر سلطان جلال الدین نے غزنی کی طرف کوچ کیا۔ غزنی پہنچ کر سلطان نے کسی دقت کا سامنا کیے بغیر باغی سردار کی سرکوبی کر کے شہر کا اقتدار سنبھال لیا۔ اور گنج سے نکلنے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ سلطان کو ایک معقول عسکری قوت کے ساتھ ایک ایسے علاقے پر تسلط حاصل ہوا تھا جہاں انہیں جہادی سبیل

اللہ کے لیے دی جانے والی قربانیوں کے بار آور ہونے کی امید تھی۔

غزنی میں سلطان کی آمد کی خبر طوفانی ہوا کی طرح مشرقِ اُردو کے کونے کونے تک پہنچ گئی۔ سلطان کے رضا کار، مقامی علماء اور مبلغین جگہ جگہ لوگوں کو فرضیتِ جہاد کا مسئلہ بتا کر جہاد کی طرف بلا رہے تھے۔ چند ہی دنوں میں غزنی کی فضا مجاہدین کے نعروں اور رجزیہ اشعار سے گونجنے لگی۔ شوقِ شہادت سے سرشار نوجوان جوق در جوق اس مرکزِ جہاد میں جمع ہو کر خود کو جہاد و قتال کے لیے وقف کرنے کا عہد کر رہے تھے۔ حاکم کاہل ملک شیر، بلخ کا سابق حاکم اعظم ملک، مظہر ملک، حسن قزلق اور غوری شہزادے تیس ہزار سپاہی لے کر سلطان کے پرچم تلے یکجا ہو چکے تھے۔ سیف الدین اغراق غلجی بھی اپنے قبیلے کے چالیس ہزار کارآمد موزدہ ترکمانوں کے ساتھ سلطان کے لشکر سے آلا۔ اس طرح سلطان کے ماتحت کوئی ایک لاکھ کے لگ بھگ مجاہدین جمع ہو گئے۔<sup>(۲۱)</sup>

مجاہدین کا معسکر..... غزنی میں سلطان جلال الدین کی افواج کا مستقر ایک یادگار معسکر کی حیثیت اختیار کر چکا تھا، جہاں مسلم قوم کے غیور عناصر اپنے بدترین دشمن سے بدلہ لینے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ جگہ جگہ چاق و چوبند، مستعد اور دلیر نوجوان نیزہ بازی، شمشیر زنی، شہسواری، پیراکی، تیر اندازی اور دیگر فنونِ حرب کی سخت ترین تربیت لے رہے تھے۔ اس نکلے کے بہترین ماہرینِ جنگ، جو اس تربیت گاہ میں جمع ہو چکے تھے افواج کی تدریب و تنظیم میں ہمہ تن مشغول تھے۔ سلطان جلال الدین کے اوقات کا ایک بڑا حصہ انہی مجاہدین کی خبر گیری اور گرانی میں گزرتا۔

سلطان کا نکاح..... غزنی میں قیام کے دوران امین الملک نے سلطان کے ساتھ اپنے تعلق کو مزید پختہ بنانے کے لیے اپنی بیٹی سلطان کے عقد میں دے دی۔<sup>(۲۲)</sup>

تاتاری فوج کی پیش قدمی..... طالقان میں مقیم چنگیز خان ان حالات سے بے خبر نہیں تھا۔ ایک عیار و سفاک درندے کی طرح اس کی خونی نگاہیں ارد گرد کے نشیب و فراز کو مسلسل کھنگالتی رہتی تھیں۔ غزنی میں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی سرکردگی میں مجاہدین کا اجتماع اس کے لیے ایک زبردست خطرہ پیدا کر چکا تھا۔ اسے احساس تھا کہ اگر بروقت اس قوت کو جڑ سے نہ اکھاڑا گیا تو حالات کا رخ پلٹ جائے گا اور سلطان جلال الدین کی قیادت میں جمع ہونے والے مجاہدین خونِ مسلم کے انتقام میں تاتاری قوم کا نام و نشان تک مٹا دیں گے۔ چنگیز خان کے نزدیک اس کا فوری حل یہی تھا کہ غزنی کی طرف پیش قدمی کر کے سلطان جلال الدین کی طاقت توڑ دی جائے۔ چند دن حالات کا جائزہ لینے اور یلغار کی تفصیلات طے کرنے کے بعد چنگیز خان نے ایک بھرپور لشکر اپنے قابل ترین سرداروں کی قیادت میں غزنی کی طرف روانہ کیا۔ اس لشکر کی عمومی کمان تاتاریوں کے نامور جرنیل ”شیگی قشوق“ کے ہاتھ میں تھی۔

سلطانی لشکر کا کوچ..... غزنی میں تاتاری فوج کی پیش قدمی کی خبر مشہور ہوئی تو عوام کے دل دھڑکنے لگے۔ سابقہ کئی جنگوں میں شکست کے مناظر نگاہوں کے سامنے پھرنے لگے۔ سلطان جلال الدین نے اہل شہر کی ہمت بندھائی اور اپنے افسران سے جنگ کی حکمت عملی کے بارے میں مشورہ کیا۔ طے یہ ہوا کہ شہر سے آگے نکل کر تاتاریوں سے معرکہ آزمائی کی جائے، تاکہ تاتاریوں سے محض مدافعتی جنگوں کا تصور ذہنوں سے نکل جائے۔ نیز جنگ کا نتیجہ خلاف توقع ہونے کی صورت میں اہل غزنی کسی فوری آفت سے محفوظ رہیں۔ مشورے کے بعد فوج تیار ہونے لگی۔ بہت سے لوگ جو تاتاری فوج کی آمد کی خبر سن کر شہر سے ہجرت کی تیاریاں کر رہے تھے سلطان جلال الدین کی افواج کا حوصلہ اور جذبہ

دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔ سلطان نے شہر کے دفاعی انتظامات مکمل کر لینے کے بعد ساٹھ ہزار چابنازوں کے ساتھ غزنی سے کوچ کیا۔ شہر کے ہر بچے، بوڑھے، مرد و عورت کے دل سے مجاہدین کے لیے بے تابانہ دُعا میں نکل رہی تھیں۔

غزنی کا میدان کارزار ..... غزنی سے باہر بلق <sup>(۳۲)</sup> کے مقام پر آ کر سلطانی افواج نے دیکھا کہ تاتاری لشکر غزنی کی طرح مشرق و مغرب کے کنارے پُر کیے ہوئے سامنے سے بڑھا چلا آ رہا ہے۔ دونوں فوجیں وہیں صف آراء ہوئیں اور معرکہ جنگ گرم ہو گیا۔ <sup>(۳۳)</sup> ایسی شدت کی لڑائی چھڑی کہ تلواریں ٹوٹ ٹوٹ کر گر گئے، نیزوں کے پھل دھڑے ہو گئے، سرتنوں سے اور اعضاء جوڑوں سے علاحدہ ہو رہے تھے۔ تاتاریوں کے بے ہنگم شور شرابے کے مقابلے میں مجاہدین کی تکبیریں گونج رہی تھیں۔ دن بھر مقابلہ جاری رہا۔ لاتعداد افراد کٹ گئے، مگر لڑائی کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ جب شب کی تاریکی پھیلنے لگی تو دونوں فوجیں اپنے اپنے پڑاؤ کی طرف لوٹ آئیں۔

شہداء کی تکفین و تدفین کے بعد مسلمان وضو کر کے نمازیں ادا کرنے میں مشغول ہو گئے۔ دن بھر کی لڑائی نے مجاہدین کے اعضاء شل کر دیے تھے۔ چند لقمے حلق سے نیچے اتارنے کے بعد تھکے ماندے سپاہی سستانے لگے، زخموں کے کیمپ میں طبیب اور جراح مستعدی سے اپنے کام میں جُتے ہوئے تھے۔

سلطان جلال الدین کو ایک پل آرام نہ تھا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے خصوصی ساتھیوں کے ساتھ وہ پڑاؤ کے ہر حصے میں جا کر مجاہدین کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ اس جانب سے قدرے اطمینان کے بعد کل کی لڑائی کی حکمت عملی طے ہونے لگی اور کچھ دیر بعد ان مجاہدین کی دبی دبی سکیموں سے سکوت شب ٹوٹنے لگا جو اپنے مولائے کریم کے سامنے ہاتھ پھیلائے ہوئے اس کی رحمت اور نصرت کی بھیک مانگ رہے تھے۔

سورج نے شب تاریک کا نقاب الٹا اور حق و باطل کے سپاہی ایک بار پھر معرکہ آراء ہوئے۔ اس دن کی لڑائی نے پہلے دن کی جنگ کی شدت کو بھلا دیا۔ دونوں جانب سے سپاہیوں نے معرکہ جیتنے کے لیے سردھڑکی بازی لگا دی۔ لڑائی کا پانسائی بار پلانا، مگر شام کے سائے گہرے ہوتے دم یہ دیکھا گیا کہ دونوں فوجیں اپنی جگہ برقرار تھیں۔ دونوں فریق خون آلود تلواریں نیاموں میں ڈالتے ہوئے واپس ہو گئے۔ جانین سے سپاہیوں کی اتنی بڑی تعداد تلف ہو چکی تھی کہ اب تیسرے دن کی لڑائی میں ثابت قدم رہنے والے فریق کی فتح یقینی دکھائی دے رہی تھی۔

تیسرے دن گزشتہ دونوں دنوں سے بڑھ کر شدید و مدید جنگ جاری رہی، مگر کوئی فریق میدان چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ رات بھر دونوں فوجیں اگلے معرکہ کی پیش بندی میں مصروف رہیں۔ آخر شب میں مجاہدین کی گریہ و زاری کا عالم ہی اور تھا۔ وہ رو رو کر مضطرانہ انداز میں اللہ کی رحمت کو پکار رہے تھے۔ یہ سرفروش رب العزت سے اس کی وہ تائید طلب کر رہے تھے جس نے غزوہ بدر میں مٹھی بھر مسلمانوں کو کئی گنا بڑے دشمن پر فتح عنایت کی تھی۔

علی الصباح اپنے افسران سے مشاورت اور بارگاہِ ایزدی میں رقت آمیز استغاثے کے بعد سلطان جلال الدین خوارزم شاہ میدان میں نکلے۔ فوج کی صفوں کا معائنہ کرنے کے بعد انہوں نے قلب لشکر میں آ کر اپنی جگہ سنبھال لی۔ نقارے پر چوٹ پڑی اور دونوں فوجیں آپس میں گتھم گتھا ہو گئیں۔

چند گھنٹیاں گزرنے پر معرکہ کارزار میں ایسی حدت پیدا ہو گئی جس نے گزشتہ تینوں دنوں کی لڑائی کو مات کر دیا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے اٹھنے والا غبار آسمان تک بلند ہونے لگا اور اس کی دھند نے دن میں شام کا سا سماں پیدا کر دیا۔



ایک طرف سے مسلمان تکبیریں بلند کرتے ہوئے آگے بڑھ بڑھ کے حملے کر رہے تھے۔ دوسری طرف سے تاتاری درندوں کی طرح دانت پیس پیس کر چھٹ رہے تھے۔ شمشیریں باہم اس طرح ٹکرائی تھیں کہ ان سے چنگاریاں جھڑتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں، تیر موسلا دھار بارش کی طرح برس رہے تھے۔ نیزوں کی انیوں سے خون کے فوارے بہہ رہے تھے۔ تلواروں کی جھنکار، بہادرروں کی لٹکار، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور زنجیوں کی چیخ و پکار سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

اہل جنوں نے آج لگا دی ہے سردھڑ کی بازی ہر بوڑھا ہے مرد مجاہد، ہر بچہ ہے غازی سلطان جلال الدین کمالی استقلال و ثابت قدمی سے قلب میں ڈٹے ہوئے پوری فوج کو لڑا رہے تھے۔ لڑائی کے نازک ترین مراحل میں بھی خوف و ہراس اور اضطراب ان کے پاس پھٹکنے نہ پاتے تھے۔ انہیں اپنے رب کے وعدوں پر پورا بھروسہ تھا۔

جنگ کے دوران بارہا سلطان اپنے خاص دستے کو لے کر خود میدان میں اترے اور اپنی شمشیر خارا شکاف سے دشمنوں کی صفوں میں تہلکہ مچا دیا۔ دن ڈھلے نصرت الہی کے نزول کے آثار ظاہر ہونے لگے اور تاتاریوں کے بازو ڈھیلے پڑنے لگے۔ خوارزمی، ترک اور افغان مجاہدین نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے ہوئے دشمنوں کی صفوں کو پیچھے دھکیلنے لگے۔ تاتاریوں کے قدم اُکھڑے اور دوبارہ نہ جم سکے۔<sup>(۲۵)</sup>

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ لشکر کے جذبات سے لہریز ہو کر دشمن کی منتشر ٹولیوں کو پسپا ہوتے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے فوج کو دشمن کے عمومی تعاقب کا حکم دے دیا۔ فتح کی خوشی نے ان تکھے ماندے جانبازوں سے تکان کا احساس زائل کر دیا تھا۔ سلطان کا حکم پاتے ہی وہ بھاگتے ہوئے دشمن پر عقابوں کی طرح جھپٹے اور جگہ جگہ ان کی لاشوں کے ڈھیر لگانے لگے۔ بہت کم تاتاری بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہوئے۔<sup>(۲۶)</sup>

اہل غزنی کا حال..... سلطان جلال الدین کو غزنی سے نکلے کئی دن گزر چکے تھے۔ عوام و خواص سب کی توجہات کا مرکز صرف اور صرف محاذ جنگ تھا۔ مساجد میں، گھروں میں، اجتماعاً و انفراداً، مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سب لشکر اسلام کی فتح یابی اور سلطان جلال الدین کی اقبال مندی کے لیے دعا گو تھے۔

اہل شہر امید و بیم کی اسی حالت میں تھے کہ سلطان جلال الدین کی فتح کی اطلاع آن پہنچی۔ لوگ خوشی سے نہال ہو گئے۔ سرزمین غزنی جو دشمن سے آباد ہو گئی۔ آنکھوں میں لشکر کے آنسو جھلکنے لگے۔ خوشیوں اور مسرتوں نے دامن پھیلادیا۔ اللہ کی رحمت و نصرت پر اعتماد بڑھ گیا۔ یہ عظیم کامیابی اگرچہ فیصلہ کن حیثیت نہیں رکھتی تھی، تاہم اس سے سلطان کی شجاعت و صلابت کا سکہ دشمن کے دل پر بیٹھ گیا۔ لشکر اسلام کو پہلی بار کھلے میدان میں اتنی بڑی فتح نصیب ہوئی اور تاتاریوں کے لیے بھی سخت مقابلے کے بعد عبرتناک شکست کا یہ بھیاں تک ترین تجربہ تھا۔

معرکہ غزنی کی فتح کے اثرات..... غزنی کے معرکے میں لشکر اسلام کی فتح مبین نے اس پورے خطے میں ہل چل مچادی جسے چنگیز خان اپنی سفاکی، خون ریزی اور دہشت انگیزی سے زیر نگین کیے ہوئے تھا۔ کوہ ہندو کش کے دامن سے لے کر خراسان کی آخری حدود تک بکھرے ہوئے مختلف محکوم افغان قبائل تاتاریوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ہر شہر، ہر بستی اور ہر چوکی پر متعین تاتاری عملے کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔<sup>(۲۷)</sup>

اہل ہرات کی بیداری..... ہرات کے محکوم مسلمانوں نے ایک بار پھر کروٹ لی۔ مقامی باشندے شہر کے تاتاری



نگران منکائی اور کھ پتلی مسلم حاکم ملک ابوبکر کے خلاف کارروائی کی تدابیر سوچنے لگے۔ ایک دن موقع پا کر مسلح نوجوانوں نے ان دونوں پر حملہ کر دیا۔ ملک ابوبکر سر بازار مارا گیا اور منکائی کو چند نوجوانوں نے قلعے میں گھس کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد مسلح عوام شہر کے ہر کونے میں تاتاری گماشتوں کا تعاقب کر کے انہیں قتل کرنے لگے۔ اس کارروائی کی بخوبی تکمیل کے بعد جہادی رہنماؤں کی نگرانی میں شہر میں اسز نو حکومت تشکیل دی گئی۔ ملک مبارز الدین کو شہر کا حاکم اور خواجہ فخر الدین عبدالرحمن کو امیر ریاست مقرر کر دیا گیا۔ تاتاریوں کے خلاف جہاد اور سلطان جلال الدین کی حمایت پر پختہ عہد و بیان لیے گئے۔<sup>(۳۸)</sup>

چنگیز خان کی برہمی ..... ہرات اور دیگر علاقوں میں مسلمانوں کا دوبارہ شمشیر بکف ہو جانا چنگیز خان کے لیے ایک نیا تعجب انگیز صدمہ ثابت ہوا، اس نے تولی خان کو طلب کر کے اسے بری طرح ڈانٹا کہ اس نے ہرات کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کو مکمل طور پر تہ تیغ کیوں نہیں کیا۔ اس نے تولی کو کوستے ہوئے کہا: ”یہ قتلہ اس لیے پیدا ہوا ہے کہ تو نے لوگوں پر تیر و تلوار چلانے میں سستی سے کام لیا تھا۔“

اس نے اٹلچنگکائی نویان کو اسی ہزار سوار دے کر ہرات کی تسخیر پر مامور کیا اور اسے تاکید کرتے ہوئے کہا: ”لگتا ہے ان علاقوں میں مردے بچھرے زندہ ہو جاتے ہیں لہذا ضروری ہے کہ ہر مقتول کا سرتن سے جدا کرو، کسی کو زندہ نہ چھوڑو، چشم پوشی اور نرمی کا راستہ ہرگز مت اختیار کرو۔“<sup>(۳۹)</sup>

اس نے ضروری سمجھا کہ سلطان جلال الدین سے فیصلہ کن مقابلے سے پہلے ان تمام علاقوں کو جہاں جہادی چنگاریاں سلگنے لگی تھیں بالکل تاراج کر دے تاکہ سلطان سے معرکہ آرائی کے دوران پشت سے کسی رخسہ اندازی کا امکان نہ رہے۔ اہل ہرات کا قتل عام ..... ہرات میں ملک مبارز الدین، خواجہ فخر الدین اور دوسرے مجاہد رہنمایہ تہیہ کر چکے تھے کہ خون کا آخری قطرہ بہہ جانے تک وہ ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ یہ مجاہدین بڑی پامردی سے دشمن کے نڈی دل لشکر کے سامنے ڈٹے رہے۔ دشمن کی سبختی شب و روز تفصیل پر سنگ باری کر رہی تھیں۔ ساڑھے چھ ماہ اسی طرح گزر گئے۔ تاتاریوں کی لاشوں پر لاشیں گرتی رہیں۔ دوسری طرف مجاہدین کی ایک بڑی تعداد نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ بالآخر تاتاریوں نے ساری طاقت جمع کر کے چند دن مسلسل و پیہم جان توڑ حملے کیے۔ مجاہدین بھرپور مدافعت کر رہے تھے، مگر اسی دوران منجیقو کی سنگ باری تفصیل میں جا بجا سوراخ کر چکی تھی۔ ایک جانب سے کوئی پچاس گزدیوار ایک زوردار دھماکے سے گر پڑی۔ اس کے بعد اہل شہر زیادہ مدافعت نہ کر سکے،<sup>(۴۰)</sup> تاتاری لشکر شہر میں داخل ہو گیا۔ تفصیل کو پیوند زمین کر دیا اور آبادی کا مکمل طور پر قتل عام کرنے کے بعد شہر کو آگ لگا کر بھسم کر دیا گیا۔<sup>(۴۱)</sup>

یہ سانحہ ربیع الاول ۶۱۸ھ (مئی ۱۲۲۱ء) کو پیش آیا۔ ہرات کے شہداء کی تعداد لاکھوں کے حساب سے بیان کی جاتی ہے۔ قاضی جوزجانی کے مطابق چھ لاکھ جبکہ صاحب روضۃ الصفا کے مطابق سولہ لاکھ کے لگ بھگ افراد شہید ہوئے۔<sup>(۴۲)</sup>

”روضۃ الصفا“ کے مؤلف کا کہنا ہے کہ لاکھوں کی آبادی والے اس عظیم شہر میں صرف خطیب مولانا شرف الدین اور دیگر پندرہ افراد زندہ بچے جو بعض خفیہ ٹھکانوں میں چھپ گئے تھے۔ تاتاریوں کے جانے کے بعد ان پندرہ افراد میں سے ایک سہا ہوا شخص اپنے پوشیدہ مقام سے باہر نکلا اور ایک حلوائی کی تباہ شدہ دکان کے سامنے بیٹھ گیا۔ خوفزدہ نگاہوں سے ادھر ادھر کا جائزہ لینے کے بعد خطرہ نہ پا کر اس نے اپنے سر پر یوں ہاتھ پھیرا جیسے اس کے سلامت

رہنے کا یقین کر رہا ہوا اور پھر چلا اٹھا:

”خدا کا شکر ہے، مجھے ایک لمحہ تو سکون سے سانس لینے کا موقع ملا۔“

کچھ دنوں بعد ہرات کے مضافات کے قتل عام سے بچ جانے والے چوبیس مزید افراد ان کے ساتھ آئے۔ پندرہ سال اس طرح گزرے ہرات کے کھنڈرات میں ان چالیس افراد کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ یہ لوگ سلطان غیاث الدین غوری کی تعمیر کردہ مسجد کے گنبد کے نیچے جوتا تاریوں کی تباہ کاری سے بچ گیا تھا، زندگی بسر کرتے رہے۔<sup>(۳۱)</sup> ہرات کے قتل عام سے امام رازیؒ کے اہل و عیال کی حفاظت ..... امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا داماد علاء الملک علوی سلطان محمد خوارزم شاہ کا وزیر تھا۔ خوارزم پر تاتاریوں کے حملے کی ابتداء ہی میں وہ چنگیز خان سے جا ملا تھا اور چنگیز خان اسے اپنے دربار میں جگہ دے دی تھی۔

امام رازی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کے اہل و عیال ہرات میں سکونت پذیر تھے، اس حملے کے وقت ان کی جانیں بھی شدید خطرے میں تھیں، مگر علاء الملک نے چنگیز خان سے سفارش کر کے ان کے لیے امان حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ جب تاتاریوں نے ہرات میں قتل عام کیا تو امام رازی رحمہ اللہ کے اہل خاندان اس سے محفوظ رہ گئے۔<sup>(۳۲)</sup> خراسان میں دوبارہ قتل عام ..... ہرات میں بھی ایک قتل عام کے بعد تاتاریوں نے خراسان کو ایک بار پھر کھ گالا۔ انہوں نے ہرات کے ارد گرد کے تمام علاقوں میں بکھری ہوئی آبادیوں پر ازسرنو یورش کی اور کوہ ہندوکش سے لے کر خراسان کی مغربی سرحدوں تک کا سارا علاقہ تاراج کر ڈالا۔<sup>(۳۳)</sup>

سیستان میں بھی تاتاریوں نے اوکٹائی خان کی قیادت میں دوبارہ حملہ کیا اور لوگوں کا بے محابا قتل عام کیا، مقامی لوگوں نے آخر دم تک ان کا مقابلہ کیا اور انجام کار سب مردوزن، بچے اور بوڑھے شہید ہو گئے۔ سیستان اور ہرات کے علاوہ انہی دنوں مرو کے قتل عام سے بچ جانے والے لوگوں نے شہر کے کھنڈرات میں دوبارہ آباد ہو کر زندگی کی ابتداء کی تھی، گرد و نواح کے لئے پٹے دیہاتوں سے بھی ہزاروں لوگ وہاں چلے آئے تھے۔ اگرچہ ان میں تاتاریوں سے مقابلے کی قطعاً ہمت نہیں تھی، نہ ہی وہ ایسی کسی نئی کارروائی میں شریک تھے، مگر دیگر علاقوں میں مزاحمت کا غصہ تاتاریوں نے ان مظلوموں پر بھی نکالا۔

برماس نامی تاتاری سردار نے جو اس علاقے کا حاکم بنادیا گیا تھا، یہاں ایک بار پھر لوگوں کا بے دریغ خون بہا دیا کیوں کہ لوگوں نے خوارزم شاہی خانوادے کی حمایت پر کمر بستہ ہو کر اس کے خلاف طنز یہ انداز میں ڈھول پیٹتے تھے۔ کچھ عرصے بعد ضیاء الدین نامی دو مسلمان امیروں نے اس بد قسمت شہر پر یکے بعد دیگرے قبضہ کر کے شکستہ فصیل کی مرمت کرا دی۔ دوسرے علاقوں سے بھاگنے والے پناہ گزین مرو کو محفوظ تصور کر کے ایک بار پھر یہاں جمع ہونے لگے حتیٰ کہ یہاں آبادی ایک لاکھ سے متجاوز ہو گئی۔ مگر اب قوت و قونامی ایک سردار ادھر سے گزرا تو اس اجڑے ہوئے شہر میں ازسرنو آبادی کے آثار دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا، اس نے توربائی نامی سردار کو جو خنشب میں قتل عام کر کے آ رہا تھا، ساتھ ملا کر شہر کا محاصرہ کر لیا، اہل شہر جلد ہی شکست کھا گئے اور ایک لاکھ افراد یکھتے ہی دیکھتے شہید کر دیے گئے۔

شہر کے مکانات اور گلی کوچوں سے آبادی کا صفایا کرنے کے بعد بھی تاتاریوں کو یہ شک تھا کہ کچھ لوگ ابھی

زمین دوز پناہ گاہوں میں محفوظ ہوں گے، ایسے لوگوں کو شکار کرنے کے لیے تاتاریوں نے اپنی ساری کوششیں صرف کر دیں۔ آتی ملک نامی ایک سردار کو اس مہم کا ذمہ دار بنایا گیا۔ اس نے پورے شہر کو کئی حصوں میں بانٹ کر سپاہیوں کے سپرد کر دیا جو شکاری کتوں کی طرح کھوج لگا کر چھپے ہوئے افراد کو مارتے رہے۔

چالیس دن تک مرو کے کھنڈرات سے انسانوں کو چن چن کر نکالنے اور بے دردی سے شہید کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ تہہ خانوں میں روپوش افراد کو براہِ دم کرنے کے لیے یہاں ایک عجیب چال چلی گئی۔ تاتاری خشب سے ایک مؤذن کو پکڑ لائے تھے، اسے اذیتیں دے دے کر اس سے جگہ جگہ اذانیں دلوائیں۔ چھپے ہوئے مسلمان اذان کی آواز سن کر یہ سمجھ کر باہر نکل آتے کہ دشمن شہر چھوڑ چکا ہے۔ باہر آتے ہی وہ ان درندوں کو اپنا منظر پاتے اور پھر دردناک تکالیف کا نشانہ بننے کے بعد شہید کر دیے جاتے۔ چالیس دن بعد جب یہ تاتاری فوج یہاں سے واپس ہوئی تو مرو کی آبادی صرف چار ہندوؤں پر مشتمل رہ گئی تھی جو تجارت کے لیے یہاں آئے ہوئے تھے۔

اب بھی بہت سے لوگ ایسے تھے جو تاتاریوں کے آتے ہی فرار ہو کر جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ لے چکے تھے۔ تاتاری لشکر کے جاتے ہی وہ پھر سے شہر میں آجے مگر مرو کی بد قسمتی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی، ایک اور تاتاری فوج ادھر سے گزری اور ان تمام لوگوں کو فنا کرتی چلی گئی۔

اس بھیانک اور مسلسل قتل عام کے بعد خراسان کے ہر علاقے کا یہ حال تھا کہ جگہ جگہ شہداء کی لاشوں کے ٹیلے نظر آرہے تھے۔ کٹے ہوئے سروں کے مینار اتنے بلند تھے کہ انہیں کئی میل دور سے دیکھا جاسکتا تھا۔ میر غلام محمد غبار نے قاضی جوزجانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہرات کے ارد گرد کی بستیوں اور قصبات میں چوبیس لاکھ کے لگ بھگ افراد تہہ تیغ کیے گئے تھے۔<sup>①</sup>

سلطان جلال الدین کا چیلنج..... بلخ، ہرات اور شمال مغربی خراسان میں تاتاری درندوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے اس سفاکانہ قتل عام کے دوران طالقان میں مقیم چنگیز خان کو سلطان جلال الدین کا یہ پیغام موصول ہو چکا تھا:

”میں تجھے مقابلے کی دعوت دیتا ہوں، مجھے بتا کہ تجھے لڑائی کے لیے کون سا میدان پسند ہے؟ میں وہاں پہنچ جاؤں گا..... اور تو بھی بذاتِ خود میدان میں نکل آ۔“<sup>②</sup>

سلطان جلال الدین کی یہ جرأت مندانہ لکار بوڑھے تاتاری فرماں روا کو پریشان کرنے کیلئے کافی تھی۔ اس طویل جنگی سلسلے میں اس نے پہلی بار یہ ضرورت محسوس کی کہ اپنی بکھری ہوئی عسکری توانائی کو مجتمع کر کے میدان میں اترے۔ اس نے دور دراز کے خطوں میں بکھرے ہوئے لشکروں اور سرداروں کو اپنے پاس حاضر ہونے کا حکم دے دیا۔ ان دنوں سو بدائی یورپ کے دروازے پر دستک دے رہا تھا جبکہ جو جی بطور سزا لشکر سے علاحدہ کیے جانے کے بعد بحیرہ خزر کے پار ٹھہرا ہوا تھا۔ چنگیز خان نے سو بدائی کو حکم نامہ ارسال کیا کہ وہ جو جی کو ساتھ لیتا ہوائی الفورا اس کے پاس آن پہنچے۔<sup>③</sup> خزاں کے موسم میں تمام اعلیٰ افسران چنگیز خان کی خیمہ گاہ میں جمع ہو گئے۔ قرولتائی (مجلس مشاورت) منعقد ہوئی۔ دیگر امور کے ساتھ سلطان جلال الدین سے مقابلے کی حکمت عملی پر غور و خوض کیا جاتا رہا۔ مشاورت کے بعد چنگیز خان نے بڑے پیمانے پر سلطان کے خلاف فوج کشی کے انتظامات مکمل کر لیے۔

سلطان کی کابل کی طرف پیش قدمی اور پروان میں قیام..... سلطان جلال الدین نے یہ موسم سرما غزنی کے

میدان سبز میں گزرا۔ اس دوران وہ آئندہ فیصلہ کن جنگ کے لیے بھرپور تیاریاں کر رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ اب چنگیز خان کے ساتھ فنا و بقا کی آخری جنگ لڑنے کا وقت قریب آ چکا ہے۔ انہیں یہ اطلاع بھی مل چکی تھی کہ تاتاری افواج ہر طرف سے سمٹ کر چنگیز خان کے پاس مجتمع ہو رہی ہیں۔

چند ہفتے غزنی میں اپنی عسکری طاقت کو مزید فعال و مستحکم بنانے کے بعد بہار کے آغاز میں سلطان جلال الدین نے اپنی فوج کو کابل کی طرف کوچ کا حکم دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ چنگیزی افواج کو کابل اور اس کے آس پاس کے گنجان و زرخیز علاقے تاراج کرنے کا موقع نہ دیا جائے اور خود آگے بڑھ کر دشمن کی پیش قدمی کو اس کے موجودہ مقبوضہ علاقے تک ہی محدود کر دیا جائے۔ ان دنوں چنگیز خان طالقان سے کوچ کر کے قلعہ گریزان کو مسخر کرتا ہوا بامیان تک پہنچ چکا تھا، کابل کے گرد و نواح سے سلطان جلال الدین بامیان میں چنگیز خان کی قیادت میں جمع تاتاری لشکر پر بھی کڑی نگاہ رکھ سکتے تھے۔

سلطان جلال الدین نے کابل شہر کو اپنا مستقر بنانے کے بجائے اس سے آگے ضلع پروان میں پڑاؤ ڈال دیا اور کچھ دنوں کے لیے یہی خطہ سلطان کی جہادی سرگرمیوں کے لیے ایک عارضی مرکز بن گیا۔ ۴۵

قلعہ والیان کی جنگ..... سلطان کے مقابلے میں روانہ ہونے والی تاتاری افواج کی پیش قدمی سے قبل ایک اور تاتاری لشکر پروان اور بامیان کے مابین واقع قلعہ والیان پر حملہ کر چکا تھا۔ سلطان جلال الدین کو جوں ہی اس کی اطلاع ملی وہ لشکر کا ایک حصہ اپنی کمان میں لے کر قلعہ والیان کی طرف روانہ ہو گئے۔

قلعہ والیان کے محافظین کی قوت مدافعت دم توڑ رہی تھی۔ تاتاری لشکر کی قیادت تنجک اور ملغور نامی دوسروں کے ہاتھ میں تھی۔ اس وقت یہ دونوں سردار سخت ناکہ بندی کر کے قلعے پر پیہم حملے کر رہے تھے، قریب تھا کہ وہ قلعہ سر کر لیتے کہ یکا یک سلطان جلال الدین کی فوج گرد کے بادل اُڑاتی تکبیر کے نعرے بلند کرتے ہوئی میدان کارزار میں داخل ہو گئی۔ سلطان افواج کو دیکھتے ہی تنجک اور ملغور نے اپنی فوجوں کو پسپائی کا حکم دے دیا۔ تاہم پہلے ہی پہلے میں ایک ہزار تاتاری خاک و خون میں لت پت ہو چکے تھے۔ سلطان جلال الدین نے فرار ہونے والے تاتاری بھگوڑوں کا تعاقب جاری رکھا۔ تاتاری فوج نے راستے میں پڑنے والے ایک دریا کو پل کے ذریعے عبور کر لیا اور دوسرے کنارے پر اترتے ہی پل کو توڑ دیا۔ سلطانی لشکر دریا کے اس پار ہی رک گیا۔ دونوں جانب سے نشاندہ باز مورچے سنبھال کر بیٹھ گئے اور تیروں کا مینہ لگا تا رہنے لگا۔ رات گئے تک یہ معرکہ جاری رہا۔ نصف شب کو تاتاری چپکے سے اپنے مورچے چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ سلطان نے مزید تعاقب بے سود خیال کرتے ہوئے بے شمار مال غنیمت سمیٹ کر پروان کا رخ کیا اور آئندہ جنگ کے لیے اپنی تیاریاں ہر لحاظ سے مکمل کرنے میں مصروف ہو گئے۔ قلعہ والیان پر سلطان کے کامیاب حملے سے تاتاری اس قدر ہراساں ہوئے کہ ان کے جودستے تتار کے قلعے ”لج“ کا گھیراؤ کیے ہوئے تھے وہ بھی محاصرہ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ ۴۶

تولی خان کی روانگی..... سلطان جلال الدین کے چیلنج کے جواب میں چنگیز خان کو خود مقابلے میں نکلنا چاہئے تھا، مگر زیرک و عیار، جہاں سوز فاتح نے احتیاط سے کام لیا، کیونکہ بکثرت افواج اور بھرپور وسائل کے باوجود اس بار اسے اپنی کامیابی کا وثوق نہ تھا، اس کے غرور و پندار کا ایوان شکستہ ہو چکا تھا، اپنی افواج پر اس کا اعتماد متزلزل ہو رہا تھا۔ اس نے خود محاذ پر جانے کے بجائے اپنے سب سے قابل اعتماد بیٹے تولی خان کو اپنی افواج کا اکثر حصہ دے کر سلطان جلال

الدین کے مقابلے پر روانہ کر دیا ﴿۳۱﴾ اور بقیہ فوج کو لے کر وہ خود با میان کے محاصرے میں مصروف رہا۔ ﴿۳۲﴾

سلطان جلال الدین کے پروان بچنے کے ایک ہفتہ بعد تولی خان کی قیادت میں تاتاریوں کا سیل ہمہ گیر طوفان کی طرح موجیں مارتا ہوا پروان کی حدود میں داخل ہو گیا۔ ﴿۳۳﴾ اس لشکر کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف سر ہی سر دکھائی دے رہے تھے، مفتوحہ صوبوں کے قیدیوں کا ایک انبوہ کثیر بھی اس لشکر میں شامل تھا۔ ان مظلوموں سے جبری مشقت بھی لی جاتی تھی اور لڑائی کے موقع پر ان کے ذریعے اپنی تعداد مزید بر مزید ظاہر کر کے حریف پر دہشت بھی طاری کر دی جاتی تھی۔ ﴿۳۴﴾

اسلامی فوج کی صف بندی..... تاتاری فوج کی آمد کی اطلاع پا کر سلطان جلال الدین نے پروان کے مرکز چہار یکار کے شمال مشرق کی طرف پیش قدمی کی۔ ﴿۳۵﴾ کوئی ایک فرسخ (تین میل) کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک وسیع میدان میں پہنچ کر سلطان اپنی فوج کی صف بندی کرنے لگے۔ ﴿۳۶﴾

سورج طلوع ہو چکا تھا اور اس کی سنہری کرنیں وقت کے اس صاحبِ عزیمت کی پیشانی کو چوم رہی تھیں جو ایشیا سے لے کر افریقہ تک کے مسلمانوں کے لیے آخری دفاعی حصار تعمیر کر رہا تھا۔

مجاہدین اسلام کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی۔ وہ ماضی کی تمام شکستوں کا بدلہ لینے کے لیے بیتاب تھے، وہ خونِ مسلم کے ایک ایک قطرے کا حساب لینا چاہتے تھے، ان کے چہروں پر خوف و ہراس کا نام و نشان تک نہ تھا۔ سلطان جلال الدین اپنے خصوصی افسران کے ساتھ صفوں کا معائنہ کر رہے تھے۔ ان کی پر عزم نگاہیں مجاہدین کے حوصلوں اور امنگوں کو اورچ ثریا تک پہنچانے کے لیے کافی تھیں۔

لشکر کے دائیں بازو پر امین الملک اور بائیں بازو پر سیف الدین اغراق کو امیر مقرر کر کے سلطان خود قلبِ لشکر میں آ گئے۔ ﴿۳۷﴾

جس وقت سورج قدرے بلند ہوا اور اس کی شعاعوں سے مجاہدین کی فولادی شمشیریں اور زہریلے آئینے کی طرح چمکنے لگیں، تاتاری لشکر پورے جوش و خروش کے ساتھ گرد و غبار اڑاتا، زمین کو دھلاتا، میدان کے دوسرے کنارے پر آ پہنچا۔ ﴿۳۸﴾ دشمن کو سامنے پا کر سرفروشان اسلام کے ہاتھوں کی گرفت اپنی تلواروں پر مضبوط ہو گئی، جذبات میں تلاطم پیدا ہو گیا، رجزیہ اشعار اور جہادی نغمات لبوں پر آ گئے، جامِ شہادت پینے کے شوق میں دل بُری طرح بے چین ہو گئے اور نعرہ ہائے تکبیر سے دشت و جبل گونج اٹھے۔

انوکھی وضع ہے، سارے زمانے سے نرالے ہیں یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں سلطان کی عجیب حکمت عملی..... میدانِ جنگ کی طبعی ساخت و محل وقوع کو مد نظر رکھتے ہوئے، نیز اپنے سپاہیوں کے دلوں سے فرار کا معمولی سا وسوسہ منقطع کرنے اور انہیں شہادت پر برا بھلا نہ کہنے کے لیے سلطان جلال الدین نے حکم دیا: ”تمام سپاہی گھوڑوں سے اتر کر پیدل ہو جائیں اور پوری ثابت قدمی سے لڑیں۔“ ﴿۳۹﴾

چنگیز خان کے افسران حیرت و تشویش سے مسلمانوں کو گھوڑوں سے اترتا ہوا دیکھ رہے تھے، تاہم وہ حملے کے لیے پوری طرح تیار تھے۔ طبلِ جنگ پر چوٹ پڑتے ہی دونوں فوجیں آپس میں گتھ گتھیں اور جوں جوں سورج بلند ہوتا گیا لڑائی کی شدت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ جنگ کے شعلے اس وقت عروج کو پہنچتے نظر آئے جب سلطان نے اپنے زیرِ کمان

قلب کے دستوں کو لے کرتا تار یوں کے قلب پر نہایت جارحانہ حملہ کیا اور ان کی صفیں چیر کر رکھ دیں۔ اس وقت چہار سو مسلمان اور کافر، اہل حق اور اہل باطل دست بدست بھڑے ہوئے تھے۔ شیریں کی گردش کے درمیان ہر طرف موت مٹھکے لکھڑی دکھائی دے رہی تھی۔ ہر طرف خون کے چھینے یوں گر رہے تھے جیسے آسمان سے لہو کی بارش ہو رہی ہو۔ نقشہ معرکہ کارزار ..... مسلمان شہادت کی تمنا میں سر دھڑکی بازی لگا کر لڑ رہے تھے، جبکہ کافر اپنے غرور و تکبر، جھوٹے وقار اور اسلام دشمنی کے جذبات کی بنیاد پر پوری وحشتوں کے ساتھ حملے کر رہے تھے۔ گھڑ سوار دشمنوں کے سامنے پایادہ مجاہدین اس ثابت قدمی سے لڑے کہ دشمن ان کی صفوں میں تزلزل پیدا کرنے سے عاجز آ گیا، خصوصاً امین الملک کی قیادت میں لشکر اسلام کا دایاں بازو نہایت مضبوطی سے جم کر مقابلہ کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر تولى خان نے دس ہزار تازہ م سپاہی اس طرف بھیج دیے اور حکم دیا کہ مسلمانوں کے دائیں بازو کو ان کے باقی لشکر سے کاٹ دیا جائے۔ تاتاریوں کے سننے اور شدید ترین حملے کے آگے امین الملک کے دستوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ پیدل سپاہی پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔

قلب لشکر میں سلطان جلال الدین نے یہ نازک صورتحال دیکھتے ہی قلب کی قیادت ایک معتمد جرنیل کے حوالے کر کے اپنے جانثار دستوں کے ساتھ دائیں بازو کا رخ کیا۔ سلطان کی آمد سے امین الملک کے دستے ایک بار پھر زور و شور کے ساتھ مقابلے پر ڈٹ گئے اور اپنے قدم جمانے کے بعد جاں توڑ حملوں سے وہ تاتاریوں کے پیچھے دھکیلے گئے، تاتاری شدید دباؤ میں آ کر پیچھے ہٹتے ہٹتے اپنے قلب لشکر سے جا ملے۔<sup>(۵۱)</sup>

لشکر اسلام کے بائیں بازو پر متعین امیر سیف الدین اغراق بھی بڑی دلیری سے میدان کارزار میں جمارہا اور دن بھر کی لڑائی میں تاتاری اس جانب کوئی رخ نہ ڈالنے میں ناکام رہے۔ لڑائی کے دوران سیف الدین اغراق نے اپنی بہادری، جنگی تجربے اور چالاکی کی دھاک بٹھادی، وہ اپنے ترک خلی بہادروں کے ساتھ بار بار آگے بڑھ کر دشمن پر حملے کرتا رہا۔ تاہم دوسرے دستوں کے سپاہیوں سے اس کا سلوک حوصلہ افزاء نہ تھا، ایک موقع پر سلطان جلال الدین کے دیگر سپاہیوں کو پیچھے ہٹا دیکھ کر اس نے چلا کر کہا: ”پرے ہٹ جاؤ..... تم دشمن سے خوفزدہ ہو.....“<sup>(۵۲)</sup>

شام تک جنگ پوری شدت سے جاری رہی۔ جب سورج نے مغرب کے پردے میں مٹ چھپا لیا تو فریقین میدان سے ہٹ کر اپنے اپنے پڑاؤ کی طرف چلے گئے۔ میدان جنگ میں جگہ جگہ لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ مسلمان اپنے شہیدوں کو تلاش کر کے ان کی نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین کی ذمہ داریاں انجام دینے لگے۔ رات بھر فریقین کل کی جنگ کے لیے اپنے توانائیاں مجتمع کرتے رہے تا آنکہ رات کا آخری پہرہ انجام کو پہنچا۔

تاتاریوں کا فریب ..... تاتاری جنگ آزماکر و فریب میں ید طولی رکھتے تھے۔ اس موقع پر انہوں نے ایک عجیب چال چلی، دن بھر کی لڑائی میں جو تاتاری مارے گئے تھے تاتاریوں نے لکڑیوں اور کپڑوں کے بُت بنا کر ان کے گھوڑوں کی زینوں پر نصب کر دیے اور اس مصنوعی فوج کو لشکر سے دور ایک مقام پر کھڑا کر دیا۔<sup>(۵۳)</sup>

اگلی صبح دونوں فوجیں ایک بار پھر آمنے سامنے کھڑی ہو کر اپنی صفیں آراستہ کرنے لگیں۔ سلطان جلال الدین فوج کے معائنے میں مصروف تھے کہ چند اعلیٰ افسران نے انہیں یہ خبر سنائی کہ تاتاریوں کیلئے بہت بڑی تعداد میں مک آ رہی ہے۔

سلطان جلال الدین نے غور سے دیکھا، دور افق پر ایک نئی فوج کی آمد کے آثار نظر آ رہے تھے، ہزاروں سوار گھائیوں سے نکل کر اس وسیع میدان کے آخری کنارے پر گشت کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ دراصل یہ تاتاری فوج

کے وہی مصنوعی سوار تھے جو انہوں نے راتوں رات تیار کیے تھے اور فاصلے کی زیادتی کے باعث دور سے وہ کسی اصلی فوج کی طرح محسوس ہو رہے تھے۔ سلطان جلال الدین کے افسران نے مشورہ دیتے ہوئے کہا:

”اپنی موجودہ تعداد کے ساتھ ہم اس میدان میں جم کر مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے، بہتر ہوگا کہ ہم فی الفور پسپا ہو کر اپنی پشت پر واقع بلند کوہستان میں مورچہ بندی کر لیں اور تیر اندازی و سنگ باری کے ذریعے تاتاری فوج کو آگے بڑھنے سے باز رکھیں۔“

سلطان جلال الدین کا استقلال..... ظاہری تناظر میں ان افسران کا یہ مشورہ بالکل قرین عقل تھا، مگر سلطان جلال الدین کے دل پر اطمینان و سکینت کے بادلوں نے اپنا سایہ کر رکھا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ وہ نصرتِ الہیہ کو کھلی آنکھوں سے اپنے شامل حال دیکھ رہے ہیں۔ غالباً وہ تاتاریوں کی چال بھی سمجھ چکے تھے، انہوں نے اپنے افسران کی بے چینی اور تذبذب کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے غایت سکون سے جواب دیا:

”میرا قطعی حکم یہ ہے کہ روزِ گزشتہ کی طرح گھوڑوں سے اتر جاؤ اور پاپیادہ ایک بارگی دشمن پر حملہ کر دو۔“

سلطان کو اپنی رائے پر اٹل دیکھ کر افسران کو حکم سے سرتابی کی مجال نہ رہی۔ سپاہیوں نے بیدل صفیں قائم کیں اور دشمن کی تعداد کو نظر انداز کرتے ہوئے اس پر حملہ کر دیا۔<sup>(۵۷)</sup>

گھمسان کی جنگ اور فتح..... گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ انسانی جسموں کے پرچے اڑنے لگے، تاتاری بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے، مسلمان بھی پاپیادہ نہایت پامردی کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے۔ سیف الدین اغراق کے چالیس ہزار سپاہی دشمن کے لیے حد مہلک ثابت ہو رہے تھے۔ آخر کار تاتاریوں کے چنیدہ سو راموں کا ایک طوفانی دستہ سیف الدین کے مقابل لڑنے والی اپنی صفوں کی مدد کو پہنچ گیا اور لشکر اسلام کے بائیں بازو اور تاتاریوں کے دائیں بازو کے مابین ایک ہولناک معرکہ برپا ہو گیا۔ اگرچہ تاتاریوں کا حملہ بڑی شدت کا تھا، مگر ترک سپاہیوں نے سامنے سے تیروں کا ایسا مینہ برسایا کہ دشمن منہ پھیر کر پیچھے ہٹ گیا۔ ساتھ ہی سلطان جلال الدین نے قلب کے سپاہیوں کی کمان کرتے ہوئے بذات خود تاتاریوں کے قلب پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ ان کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدان سے بھاگ نکلے۔

سلطان جلال الدین دشمن کو زندہ بچ نکلنے کا موقع دینے کے قائل نہ تھے۔ ان کے اشارے پر کوچ کے نقارے پر چوٹ پڑنے لگی۔ سلطان نے افواج کو حکم دیا کہ سوار ہو کر دشمن کا تعاقب کریں۔ پلک جھپکتے میں غازیان اسلام برق رفتار تازہ دم گھوڑوں پر سوار ہو کر دشمن کے پیچھے لپکنے لگے۔

اسلامی لشکر کے آگے منتشر ہو کر فرار ہونے والا تاتاری لشکر آگے جا کر ایک میدان میں جمع ہونے لگا۔ غازیان اسلام کے پیچھے ہی ایک بار پھر نئے عزائم کے ساتھ معرکہ حرب و ضرب برپا ہو گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ تاتاری کسی چال کے تحت اسلامی لشکر کو اس مقام تک لائے تھے، مگر چند شدید حملوں کے بعد تاتاریوں نے یہ محسوس کر لیا کہ انہوں نے یہاں رک کر اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ سلطانی افواج کا زبردست دباؤ انہیں بُری طرح سے دھکیل رہا تھا۔ آخر کار تاتاری لشکر ایک بار پھر پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوا، سلطانی افواج نے بھی ان کا تعاقب جاری رکھا۔ تاتاری لشکر کے اکثر حصے کو مجاہدین کی تلواروں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ سلطان کے کاتب شہاب الدین النسوی، علامہ ابن خلدون اور حافظ ذہبی کے بیان کے مطابق ان ہلاک شدگان میں چنگیز خان کا بیٹا تولی خان بھی شامل تھا۔<sup>(۵۸)</sup>



مِنْ عَهْدِ عَادٍ كَانَ مَعْرُوفًا لَنَا أَسْرَ الْمُلُوكِ وَقَتْلُهَا وَقَتْلُهَا ۝۲۱

شہاب الدین النسوی اس شاندار فتح پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”سلطان نے جہاد کے عزمِ مصمم اور عالی ہمتی کے ساتھ تولی خان کا مقابلہ کیا، لشکر آمنے سامنے ہوئے تو سلطان نے دشمن کے قلب پر بذات خود حملہ کیا اور ان کو تتر بتر کر دیا، ان کے پرچم اپنے گھوڑوں کے سوں تلے کچل ڈالے، انہیں بھاگنے اور تھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا، اس دن انتقام سے لبریز تلواریں دشمن پر حاوی ہو گئیں اور قتل ہونے والوں میں تولی خان بھی مارا گیا۔“

مسلمانوں نے اس دن درندہ صفت تاتاریوں سے ان کی زیادتیوں کا کس طرح بدلہ لیا۔ النسوی کا بیان ہے:

”تاتاری بہت بڑی تعداد میں قیدی بنے، لشکر کے خیمے گاڑنے والے مزدور تک اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے ان قیدیوں پر ٹوٹ پڑتے تھے اور ان کے کانوں میں میخیں ٹھونکتے تھے تاکہ انتقام کی آگ ٹھنڈی کریں۔“ (سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۵)

یاد رہے کہ یہ تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ تاتاری سپاہی قیدی بنے تھے ورنہ اس سے پہلے یہ بات کہاوٹ کی طرح مشہور تھی کہ تاتاری لڑتے لڑتے مر جاتے ہیں مگر ان کا کوئی فرد کبھی گرفتار نہیں ہوتا۔

تاتاری فوج مسلمان قیدیوں کے بہت بڑے مجمعے کو ساتھ لائی تھی، فتح کے بعد مجاہدین اسلام نے ان مظلوموں کو بھی آزاد کرالیا۔ ۝۲۲

بامیان کا معرکہ ..... اس دوران چنگیز خان ایک عرصے سے کوہ بابا کے بلند کوہستان کے دامن میں واقع سنگین فصیلوں والے شہر بامیان کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، مگر اس کے متواتر حملوں کے باوجود اہل شہر کی مزاحمت کا توڑ نہیں ہو سکا تھا۔ چند دنوں بعد پروان میں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے ہاتھوں شکست کھانے والی فوج کے سردار اور بچے کھچے سپاہی چنگیز خان کے پاس آئے اور اسے اپنی شکست فاش کے علاوہ تولی خان کی ہلاکت کی خبر سنائی۔ چنگیز خان کی زندگی میں اس سے زیادہ کٹھن، کڑوے اور تکلیف دہ لمحات شاید پہلے کبھی نہ آئے ہوں گے۔ لاکھوں بندگانِ خدا سے ان کی اولاد کی زندگیاں چھیننے والے ظالم بھڑیا آج خود اپنے بیٹے کی جدائی کا زخم سہنے پر مجبور ہو گیا تھا اور اسے یہ کاری زخم لگانے والا شخص اس کا سب سے بڑا حریف سلطان جلال الدین تھا۔

چنگیز خان نے بڑے غیظ و غضب کے ساتھ نئے سرے سے بامیان پر حملہ کیا۔ سلطان جلال الدین کے ساتھ زندگی یا موت کا آخری کھیل کھیلنے سے پہلے وہ اس مسلح شہر کی مدافعت سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ محصور مسلمانوں نے اس علاقے سے بڑی بڑی چٹانیں اور پتھر پہلے سے ہی غائب کر دیے تھے تاکہ تاتاری انہیں منجھقوں میں استعمال نہ کر سکیں۔ چنگیز خان کے حکم سے فصیلوں کے مقابلے میں لکڑی کے مورچے بند مینار کھڑے کر دیے گئے۔ تاتاری ان میناروں پر چڑھ کر فصیلوں پر موجود شہر کے محافظ دستوں سے مقابلہ کرنے لگے۔ اہل شہر نے جواباً آتش گیر مادہ پھینک کر جگہ جگہ لکڑی کے ان میناروں کو آگ لگا دی۔ اس کے دفاع میں تاتاریوں نے مویشیوں کو ذبح کر کے ان کی بھیگی ہوئی کھالیں ان میناروں پر لپیٹ کر انہیں آتش زدگی سے محفوظ بنالیا۔

نت نئی ترکیبوں پر مشتمل یہ جنگ جاری تھی کہ چنگیز خان نے ”آخری حملے“ کا حکم دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ قلعہ فتح



ہونے تک حملہ جاری رہنا چاہئے۔ تاتاری فوج نے پوری قوت مجتمع کر کے شہر پر حملہ کر دیا۔ فصیل سے پتھروں اور تیروں کی تیر انداز دستے کے جوابی حملے میں مارا گیا۔ چنگیز خان کی وحشت جنوں کی آخری حد کو چھونے لگی۔ اس نے اپنے پوتے کی لاش اپنے خیمے میں مگلوائی۔ شدت غضب سے اپنا ”خود“ سر سے اتار پھینکا اور اپنے سپاہیوں کی صفوں میں سے گزرتا ہوا اس دستے کے پاس جا پہنچا جو فصیل کے اندر گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چنگیز خان کو اپنے درمیان پا کر تاتاری حملہ آوروں کا جوش آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ وہ فصیل کے ایک حصے میں شکاف ڈال کر وہاں قدم جمانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد بامیان کے دلیر سپاہیوں کی زبردست مزاحمت کے باوجود تاتاری سیلاب شہر میں داخل ہو گیا۔

غصے سے پاگل چنگیز خان نے حکم دیا کہ شہر میں انسان تو کجا کسی اور جاندار شے کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائے اور تمام عمارتوں کو مسمار کر دیا جائے۔ اس حکم پر عمل ہوا، شہر کے تمام افراد کو نہایت بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔ کتوں، بلیوں اور چوہوں تک کو چن چن کو مارا گیا۔ مردہ عورتوں کے پیٹ چاک کیے گئے۔ کسی لاش کے لٹن سے کوئی بچہ برآمد ہوتا تو اس کا سرتن سے جدا کر دیا جاتا۔ انسانوں اور حیوانوں کے خاتے کے بعد نباتات و جمادات کی باری آئی، تمام درخت اور پودے اکھاڑ دیئے گئے، عمارتیں منہدم کر دی گئیں۔ غرض یہ کہ جب تاتاری لشکر نے بامیان سے کوچ کیا تو وہاں ملے اور اراکھ کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں بچا تھا۔

بامیان کے مجاہدین نے ایک طویل مدت تک جنگ لڑ کر تاتاریوں کو شدید جانی نقصان پہنچایا تھا نیز اسی مقام پر چنگیز خان کو اپنے لشکر کی شکست اور توتلی خان کی موت کی خبر ملی تھی اور اسی شہر کی فصیلوں کے سامنے چنگیز خان کا پوتا ہلاک ہوا تھا ان متعدد زخموں کے باعث تاتاریوں نے اس شہر کو ”موبالغ“ (شہر خرم) کہنا شروع کر دیا۔<sup>۵۸</sup>

### چند ضروری وضاحتیں

خراسان یا افغانستان ..... سرزمین جہاد ”افغانستان“ اس دور میں موجودہ نام سے موسوم نہ تھی، بلکہ اس کا زیادہ تر حصہ خراسان کہلاتا تھا۔ یہ علاقہ دریائے سندھ تک پھیلا ہوا تھا جہاں پختون آبادی کا اختتام ہوتا ہے۔ دریائے سندھ کے پار سے ہندوستان شروع ہو جاتا تھا۔ اس سرزمین کو احمد شاہ ابدالی کے دور میں ”افغانستان“ کا نام دیا گیا۔ افغانستان کی موجودہ بندی امیر عبدالرحمن کے دور میں انگریزوں سے ایک معاہدے کے تحت ہوئی جس کی وجہ سے ڈیورنڈ لائن کے اس طرف کا علاقہ افغانستان سے نکل گیا۔ قارئین یہ ذہن میں رکھیں کہ ہماری اس داستان میں جہاں مشرقی جنوبی یا شمالی خراسان کا ذکر ہے وہاں افغانستان کے علاقے مراد ہیں۔

ایک اتفاقی فتح یا فتوحات کا سلسلہ ..... سلطان جلال الدین جب سے امت مسلمہ کے غیور فرزندوں کو متحد کر کے دشمنان اسلام کے مقابلے میں آئے تب سے حالات کا رخ بدل گیا تھا اور تاتاریوں کو افغان عوام اور سلطان کے ہاتھوں شدید مزاحمتوں اور رسوا کن شکستوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ سلطان نے صرف ایک سال میں تاتاریوں کو جن معرکوں میں شکست دی، ان کی تعداد سات سے کم نہیں ہے۔ قندھار، غزنی، قلعہ والیان اور پروان کی جنگوں میں سلطان کی شاندار فتوحات کی تفصیلات تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں، ان کے علاوہ بھی چند معرکے پیش آئے، مگر ان کی تفصیل دستیاب نہیں ہو سکی تاہم ثبوت کے لیے فاضل مؤرخ حمد اللہ مستوئی قزوینی کی شہادت کافی ہے۔ وہ اپنی

تصنیف تاریخ گزیدہ میں (جو سلطان جلال الدین سے ایک صدی بعد ۷۳۰ھ میں اس دور کی تمام کتب تواریخ کا گہرا مطالعہ کر کے لکھی گئی ہے۔) لکھتے ہیں:

”در اس سال هفت نوبت میان او و لشکر جنگ افتاد و همیشه او مظفر بود“ (تاریخ گزیدہ، ج ۱، ص ۵۰۰) یعنی اس سال ۶۱۸ھ میں سلطان جلال الدین اور تاتاری لشکر کے درمیان سات معرکے ہوئے اور ہر بار سلطان کو فتح نصیب ہوئی۔ نہایت افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ بعض مؤرخین (خاص کر زمانہ قریب کے بعض بزرگ خود محققین) ان فتوحات کی جانب ایک اچھی نگاہ بھی نہ ڈال سکے اور اپنی کم نظری کی بناء پر صرف ایک دو فتوحات کا تذکرہ کر کے سلطان کے حق سے عہد برا ہو گئے۔ کسی نے فقط معرکہ غزنی کا ذکر کیا اور کسی نے پروان کی جنگ میں کامیابی کا تذکرہ کافی سمجھا۔ بعض حضرات نے تو غزنی یا پروان کی جنگ کا سرسری حال تحریر کرنے کے بعد یہ خلاف حقیقت وضاحت کی بھی ضروری سمجھی کہ ”یہ واحد فتح تھی جو مسلمانوں کو اس پورے سلسلہ جنگ میں حاصل ہوئی“ اور بعض حضرات نے یہ تبصرہ کیا کہ: ”یہ پہلا اور آخری موقع تھا کہ تاتاریوں کو کسی میدان میں شکست ہوئی۔“ پھر اس ایک فتح پر بھی اتفاقی کامیابی کا پردہ ڈال دیا گیا۔ مسلمانوں کی سرفروشی و قربانی کی بجائے تاتاریوں کی نفری میں کمی یا ان کے سپہ سالار کی کسی غلط فہمی جیسے خلاف واقعہ امور کو اس کامیابی کا سبب قرار دے کر گویا دانستہ طور پر اس فتح کا وزن گھٹانے کی کوشش کی گئی۔

گزشتہ اوراق میں پیش کردہ تفصیل سے یہ بات خوب نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ سلطان کی کامیابیاں کسی ایک آدھ اتفاقی فتح یا بی تک محدود نہیں تھیں، بلکہ یہ فتوحات کا ایک تسلسل تھا جس میں تاتاریوں کی مڈی دل افواج اپنی وسیع تر اسکیموں اور گہری منصوبہ سازیوں کے ساتھ مقابلے پر آتی رہیں اور ہر بار منہ کی کھاتی رہیں۔

امریکی مؤرخ کی غلط بیانی..... یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہیرلڈ لیمب نے اپنی کتاب ”چنگیز خان“ میں ان محاذوں پر تاتاری افواج کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد کو دس گنا ظاہر کیا ہے۔ اس کی تحریر کے دو اقتباس درج ذیل ہیں:

1 ”سلطان محمد خوارزم شاہ کی موت اور اس کے دو بیٹوں کی شہادت کے بعد مسلمان عوام اپنے

رہنماؤں، ایرانی شہزادوں اور سیدوں کے جھنڈوں تلے مقابلے کے لیے جمع ہو رہے تھے۔ چنگیز خان کو

اس صورتحال کا علم تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اصل زور آزمائی موقع اب آنے والا ہے۔ غالباً دس لاکھ مسلح

سوار فوج اس سے مقابلے کے لیے پیش قدمی کرنے والی تھی۔“

2 ”ییلغار کے اس دوسرے سال میں تاتاری لشکر بارہ تو مانوں سے زیادہ نہ ہوگا، یعنی یہ ایک لاکھ سے

کچھ زائد سا ہی تھے۔“ (چنگیز خان، باب نمبر ۷ ص ۱۳۲)

مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ ”مسلمان فوج کی تعداد دس لاکھ تھی۔“ اور ”تاتاری ایک لاکھ سے

کچھ زائد تھے۔“ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ”مسلمانوں کی قوت تاتاری سے تقریباً دس گنا زیادہ تھی۔“

ہیرلڈ لیمب کا یہ بیان سراسر مغالطہ ہے۔ یہ بات پہلے ثابت کی جا چکی ہے کہ تاتاری لشکر میں حملے کی ابتدا میں

آٹھ لاکھ سے کم افراد نہیں تھے (۵۹) ییلغار کے دوسرے سال تک چونکہ یہ لشکر دنیا کے دور دراز علاقوں تک پھیل چکا تھا اور

اس کے بہت سے افراد مارے بھی گئے تھے، اس لیے اس بات سے تو انکار نہیں کہ چنگیز خان کی ذاتی کمان (قلب

لشکر) میں سپاہیوں کی تعداد کم ہو چکی ہو، لیکن اس کو مباغذ کی حد تک گھٹا کر ظاہر کرنا غلط فہمی سے زیادہ کم نظری پر مبنی ہے۔

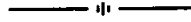
درحقیقت امریکی مؤرخ کا تاتاریوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی قوت کو دس لاکھ سوار سپاہیوں تک بڑھا کر پیش کرنا ایک بالکل ماوراء العقل بات ہے جس کا کوئی ثبوت پیش نہیں جاسکتا۔ ہم جانتے ہیں کہ محمد خوارزم شاہ کے زمانے میں خوارزم کی مسلح و منظم سپاہ کی تعداد چار لاکھ سے زائد نہیں تھی، جبکہ اس کے مد مقابل تاتاریوں کی تعداد آٹھ لاکھ سے کسی طرح کم نہیں تھی، اب جبکہ تاتاری تقریباً پورے ملک پر قابض ہو کر اکثر آبادی کو تہس نہس کر چکے تھے۔ خوارزمی فوج کے بڑے حصے کا صفایا ہو چکا تھا، عسکری صلاحیت رکھنے والے زیادہ تر افراد کام آچکے تھے اور بقیہ مسلمانوں کی اکثریت فنون حرب میں دسترس نہیں رکھتی تھی تو ایسے حالات میں دس لاکھ مسلح مسلمان سواروں کی یہ فوج کہاں سے اور کس طرح مہیا ہو سکتی تھی، جبکہ حالات سلطان جلال الدین کے سراسر خلاف تھے۔ بہت سے مسلمان امراء ابھی تک تاتاریوں کے خلاف جہاد میں سلطان کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ عوام اگرچہ سلطان سے محبت رکھتے تھے، مگر ان کی اکثریت فنون حرب میں مہارت نہیں رکھتی تھی، ان کے اثر و دام سے دس لاکھ مسلح سواروں پر مشتمل فوج تیار نہیں کی جاسکتی تھی۔ بہت سے مسلمان تاتاریوں سے خوف زدہ ہو کر جہاد کے نام ہی سے کوسوں دور بھاگنے لگے تھے اور اپنے امراء و رؤساء کی طرح خلاف حقیقت مصلحت پسندی کا شکار ہو چکے تھے۔ وہ سلامتی کے ساتھ زندہ رہنے کی خود فریبی میں مبتلا ہو کر تاتاریوں کے سامنے سرنگوں ہو چکے تھے۔ بہت سے امراء اس نازک وقت میں بھی خانہ جنگیوں میں مصروف تھے۔ ان حالات میں اس بات کا دور دور تک کوئی امکان نہیں تھا کہ سلطان کو تاتاریوں سے مقابلے کے لیے دس لاکھ سواروں کی قیادت کا موقع ملتا۔ سلطان کو اپنی جدوجہد کے اس طویل سلسلے میں جس بڑی سے بڑی فوج کی قیادت میسر آئی وہ افغان سرداروں کی متحدہ طاقت پر مشتمل تھی، مگر اس کے افراد بھی ایک لاکھ سے زیادہ نہیں تھے۔

اگر امریکی مؤرخ دس لاکھ سواروں سے ان مسلم ممالک کی فوجیں مراد لے رہا ہے جو خوارزم کی ہمسایہ تھیں، تو بھی غلط ہے، امریکی مؤرخ کے دعوے یعنی دس لاکھ مسلح سوار فوج چنگیز خان کے مقابلے کے لیے پیش قدمی کرنے والی تھی، سے دو باتیں ظاہر ہو رہی ہیں: 1۔ خوارزم کے ہمسایہ ممالک کے پاس دس لاکھ مسلح سوار فوج تھی۔ 2۔ یہ فوج چنگیز خان سے مقابلے کے لیے پیش قدمی کرنے والی تھی۔ یہ دونوں باتیں ”روایت“ کے لحاظ سے اس لیے ناقابل اعتبار ہیں کہ تاریخ میں ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور خود ہیرلڈیمب نے بھی حسب عادت اس کے متعلق کوئی حوالہ نہیں دیا۔ عقلی لحاظ سے بھی یہ دونوں باتیں ناقابل تسلیم ہیں، اس لیے کہ خوارزم کی ہمسایہ مملکتوں میں جو بمشکل چند چند ہزار سپاہیوں پر مشتمل مختصر مدافعی نظام رکھتی تھیں، اتنی طاقتور فوج تشکیل دینے کی ہرگز صلاحیت نہیں تھی۔

اس وقت خوارزم کے ہمسایہ ممالک میں صرف بغداد ایک ایسا مرکز تھا جہاں سے تاتاریوں کے خلاف لشکر کشی میں معقول مدد مل سکتی تھی، مگر بغداد کے سوار سپاہی بھی ایک لاکھ سے کم تھے۔ ⑤ دیگر چھوٹی چھوٹی سلطنتیں تو تاتاریوں سے چند جھڑپوں کے بعد ہی اپنا فوجی توازن کھو بیٹھی تھیں اور اپنے دفاع سے بھی عاجز تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مسلم حکومتیں اگر خلافت بغداد کے ساتھ مل کر تاتاریوں کے خلاف متحدہ محاذ بناتیں تو ایک طاقتور لشکر وجود میں آ سکتا تھا اور اگر اس لشکر کی قیادت سلطان جلال الدین جیسے عالی ہمت سپہ سالار کے ہاتھ میں ہوتی تو اس مشترکہ قوت سے تاتاریوں کو صحرائے گوبی کا راستہ ناپنے پر بھی مجبور کیا جاسکتا تھا، لیکن پھر بھی اس کا کوئی امکان نہیں تھا کہ اس فوج میں دس لاکھ افراد شامل ہوتے۔

نیز امریکی مؤرخ کا انداز بیان یہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ فوج پیش قدمی کرنے پر تئی ہوئی تھی، حالانکہ تاریخ اس کے برخلاف یہ بتاتی ہے کہ سلطان کی امداد اور تاتاریوں سے جہاد کے لیے کسی بھی ملک نے اپنی افواج مہیا نہیں کیں اور سلطان آخر دم تک تنہا ہی اپنے مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ تاتاریوں سے نبرد آزما رہے۔

اس مغالطہ آرائی سے امریکی مؤرخ کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے؟ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ یہ تاثر دینا چاہتا ہو کہ مسلمان اتنے کمزور اور بزدل تھے جو دس گنا منظم افواج رکھنے کے باوجود ایک غیر متمدن اور تعداد میں کم حریف سے بھی مسلسل شکستیں کھاتے رہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بے شمار مواقع پر مسلمان مٹھی بھر کئی گنا زیادہ دشمنوں کا سر پچل چکے ہیں۔



## حواشی و حوالہ جات

- ① افغانستان در مسیر تاریخ، ص ۲۱۸، بحوالہ ابن حوقل والمقدسی
- ② روضۃ الصفا، ج ۵ ص ۳۸ ..... افغانستان در مسیر تاریخ، ص ۲۱۸
- ③ سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۱۴ فی المکتبۃ الشاملۃ
- ④ ان کی ولادت ۵۲۲ھ میں ہوئی تھی، سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۱۴ شاملہ ..... تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۲ وفيات ۶۱۸ھ حرف عین
- ⑤ تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۲ وفيات ۶۱۸ھ حرف عین
- ⑥ روضۃ الصفا ج ۵ ص ۳۸، ۳۹ ..... افغانستان در مسیر تاریخ، ص ۲۱۹
- ⑦ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۴، ۱۳۵
- ⑧ سیرۃ جلال الدین ص ۱۳۲، ۱۳۳ ..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۵
- ⑨ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۵ ..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۵
- ⑩ طبقات ناصری طبقہ ۱۶، ص ۳۷۲
- ⑪ چنگیز خان، باب نمبر ۷ ص ۱۳۱ ..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۴، ۱۱۵
- ⑫ جہاں کشا ج ۱، ص ۱۰۱ ..... روضۃ الصفا ج ۵ ص ۳۲
- ⑬ جہاں کشا ج ۱ ص ۱۰۳، ۱۰۴ ..... روضۃ الصفا ج ۵ ص ۳۴
- ⑭ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۴
- ⑮ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۴ ..... جہاں کشا، ج ۱ ص ۱۰۴، ۱۰۵ ..... افغانستان در مسیر تاریخ، ص ۲۱۱
- ⑯ افغانستان در مسیر تاریخ، ص ۲۱۱ ..... جہاں کشا، ج ۱ ص ۱۰۵
- ⑰ چنگیز خان، باب نمبر ۷ ص ۱۲۸، ۱۲۹
- ⑱ ”قلعہ کالیون“ سے ”قلعہ توکک“ تک تمام محاذوں کے حالات ”افغانستان در مسیر تاریخ“ ص ۲۱۳ تا ۲۱۶ سے ماخوذ ہیں۔
- ⑲ نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۵ ..... ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۵
- ⑳ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۵، ۱۱۶ ..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۵
- ㉑ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۰ ..... جہاں کشا ج ۲، ص ۱۳۵ تا ۱۹۵ ..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۵

۳۲) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۵

۳۳) یہ صوبہ زابل سے متصل غزنی کا ایک گوشہ ہے۔ (معجم البلدان)

۳۴) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۳

۳۵) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۳

۳۶) جوینی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کی روانگی کے بعد شہر حفاظتی فوج سے خالی تھا، مگر تاتاریوں کے شہر پر حملے کا خطرہ نہ تھا، اس لیے شہر کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ جوینی نے لکھا ہے کہ اس دوران دس بارہ ہزار تاتاری سپاہی یکدم شہر میں داخل ہو گئے اور سڑک پر نظر آنے والے بہت سے شہریوں کو شہید کرنے اور ایک مسجد کو جزوی طور پر جلانے کے بعد سلطان کے خلاف صف آراء ہونے والے لشکر میں شمولیت کے لیے روانہ ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان حملہ آوروں کا غزنی پر حملہ کسی منصوبے کے تحت نہیں، بلکہ اتفاقاً تھا۔ سلطان سے لڑنے کے لیے جاتے جاتے راستے میں موقع پا کر وہ کچھ دیر غزنی میں قتل و غارت کے لیے رک گئے تھے، تاہم یہ غارت گری بڑے پیمانے پر نہیں تھی۔

(ملاحظہ کیجئے: جہاں کشا جوینی ج ۲، ص ۱۹۷)

۳۷) روضۃ الصفاح، ج ۵، ص ۳۹

۳۸) روضۃ الصفاح، ج ۵، ص ۳۹

۳۹) روضۃ الصفاح، ج ۵، ص ۳۹..... افغانستان درمیر تاریخ، ص ۲۲۵

۴۰) روضۃ الصفاح، ج ۵، ص ۳۹

۴۱) روضۃ الصفاح، ج ۵، ص ۴۰

۴۲) روضۃ الصفاح، ج ۵، ص ۳۹..... جامع تاریخ ہند، ص ۹۸

۴۳) روضۃ الصفاح، ج ۵، ص ۴۰

۴۴) امام رازی، ص ۲۶

۴۵) ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۵

۴۶) روضۃ الصفاح، ج ۵، ص ۳۷..... افغانستان درمیر تاریخ، ص ۲۲۰..... تاریخ نہضت ہائے ملی ایران، ص ۵۲۲

۴۷) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۳..... ابن کثیر، ج ۷، ص ۱۰۷

۴۸) چنگیز خان باب ۱۹، ص ۱۲۸

۴۹) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۵، ۱۳۶

۵۰) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۶..... افغانستان درمیر تاریخ، ص ۲۲۲

۵۱) ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۸..... ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۳..... شذرات الذہب، ج ۵، ص ۷۸

۵۲) چنگیز خان باب ۳۰، ص ۱۳۹

۵۳) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۷

۵۴) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۳..... البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۱۰۷

۵۵) اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۷۱۷

۵۶) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۷

۵۷) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۵

۵۸) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۷

۵۹) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۷

۶۰) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۷

۶۱) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۷

۶۲) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۳

۶۳) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۷

۶۴) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۷ تا ۱۳۸..... تاریخ خوارزم شاہی، ص ۱۲۳ تا ۱۲۴..... روضۃ الصفاح، ج ۲، ص ۸۲۷

۵۹) سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۴..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۰..... سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۳۲۸۔ البتہ ہیرلڈ لیمب کے مطابق تولی خان اس مہم میں سرے سے شریک نہیں تھا بلکہ ہرات گیا ہوا تھا۔ دیگر قرائن کے پیش نظر یہی بات درست ہے۔ دیکھئے چنگیز خان، ترجمہ عزیز احمد باب ۲۰ ص ۱۴۹۔

۶۰) یعنی ”بادشاہوں کو قید کرنا اور ان سے قتل و قتال کرنا ہماری مشہور عادت رہی ہے۔“

۵۷) البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۰۷..... ابن اثیر، ج ۷ ص ۵۹۳

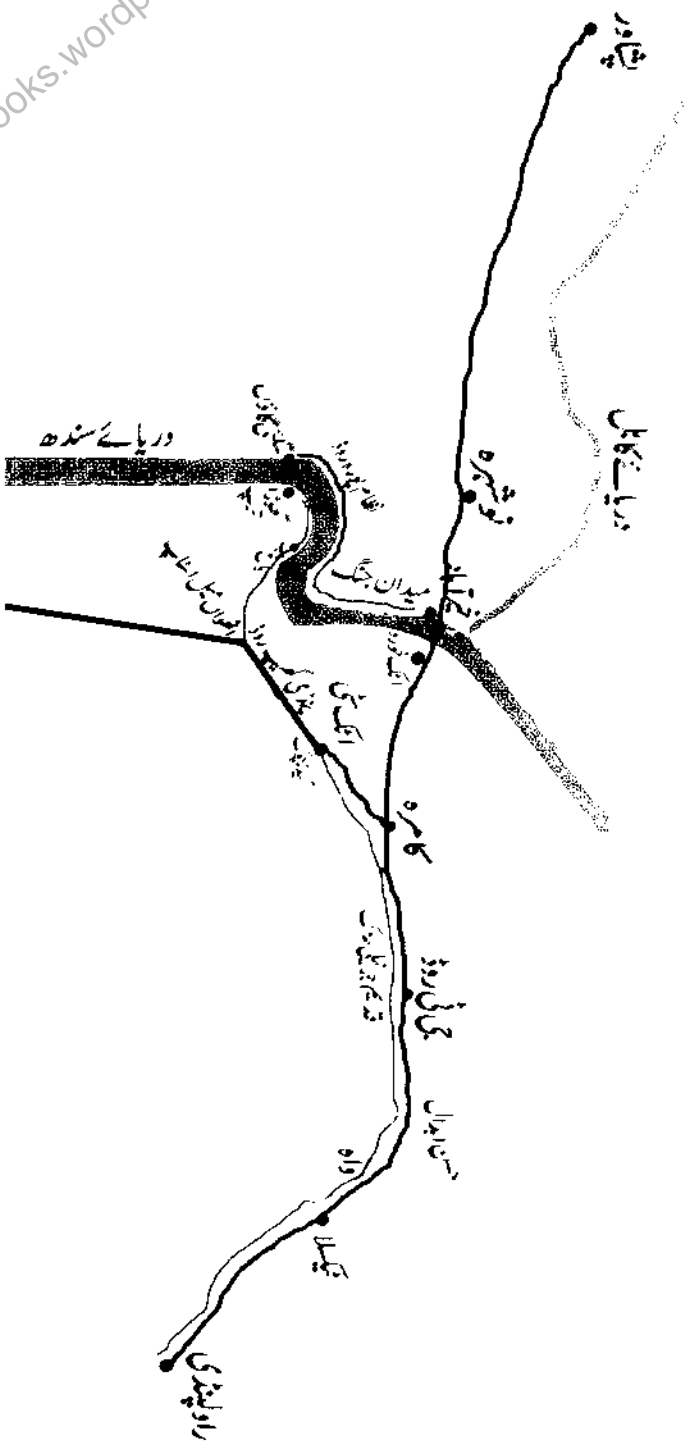
۵۸) روضۃ الصفاح ج ۴ ص ۸۲۷، ۸۲۸..... چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۰

۵۹) البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۳۸..... روضۃ الصفاح ج ۵ ص ۳۵..... اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود ص ۱۶ تا ۱۷ میں یہ تعداد چھ سات لاکھ بتائی گئی ہے۔

۶۰) خلیفہ ناصر کے پوتے خلیفہ مستنصر باللہ کے زمانے میں جب بغداد پر تاتاریوں کے حملے کا خطرہ بڑھ گیا، اس وقت بغدادی فوج کی تعداد میں اضافہ کر کے ایک لاکھ بیس ہزار سواروں پر مشتمل فوج تیار کی گئی تھی، اس سے پہلے وہاں کی سوار فوج ایک لاکھ سے کم ہی تھی۔ ملاحظہ کیجئے: تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۴ و فیات، حرف میم (”مستنصر“ کے ذیل میں)..... تاریخ اسلام، شاہ معین الدین ندوی حصہ ۴، ص ۴۸۸، بحوالہ دول الاسلام، ج ۲، ص ۱۱۱

————— ❦ —————

# سلطان جلال الدین اور چنگیز خان کے درمیان ساحل سندھ کے تاریخی معرکے کا نقشہ





## ساحلِ سندھ کا قیامت خیز معرکہ

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ  
النَّاسِ..... ترجمہ: اگر تم کو زخم پہنچ جائے تو جماعتِ کفار کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے اور ہم ان ایام کو  
لوگوں کے درمیان اڈلتے بدلتے رہتے ہیں۔ (سورۃ آل عمران، آیت: ۱۳۰)

یہ قدم قدم قیامت یہ سواؤ کوئے جانان وہ یہیں سے لوٹ جائے جسے زندگی ہو پیاری  
لشکرِ اسلام میں انتشار..... پے درپے کئی میدانوں میں تاتاریوں کو شکست فاش دینے کے بعد سلطان جلال الدین  
مکمل فتح کے دوازے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ان کی مسلسل فتوحات نے تاتاری فرمانروا کا سارا غرور خاک میں ملادیا  
تھا۔ کئی بڑے بڑے تاتاری سردار مارے جا چکے تھے اور اگلے ایک دو معرکوں کے نتائج خود چنگیز خان کو صحرائے گوبی کا  
راستہ ناپے پر مجبور کر سکتے تھے، لیکن مشیتِ ایزدی کو کچھ اور ہی منظور تھا، سلطان جلال الدین کی امیدوں کے یہ روشن  
چراغ ایک ناگہانی سانحے کی آندھی نے یکا یک گل کر دیے۔ گلشنِ اسلام کی پژمرده کلیاں جو بہار کے آثار دیکھ کر  
مُسکرانے لگی تھیں اچانک خزاں کی پلیٹ میں آگئیں۔

پردان کے معرکے میں سلطان کے سپاہیوں کو جو بے شمار مالی غنیمت حاصل ہوا تھا، اس میں ایک خوبصورت،  
بیش قیمت اور صبار قرار گھوڑا بھی شامل تھا، اس گھوڑے کے استحقاق پر امین الملک اور سیف الدین اغراق میں بحث  
شروع ہو گئی۔ بات بڑھتی چلی گئی، نوبت یہاں تک پہنچی کہ امین الملک نے غصے سے بے قابو ہو کر اغراق کے گھوڑے  
کے سر پر چابک دے مارا۔ یہ دیکھ کر ایک طرف سے سیف الدین اغراق کے حامیوں نے تلواریں سونت لیں اور  
دوسری طرف امین الملک کے ساتھی شمشیر بکف ہو گئے۔ فریقین باہم الجھ پڑے، اسی کش کش میں سیف الدین اغراق  
کا بھائی امین الملک کے کسی حامی کے ہاتھوں جان سے مارا گیا۔ سلطان کو اس انتہائی نازک صورتحال کا علم ہوا تو ان  
کے دل پر قیامت بیت گئی۔ فوج کے ان دوسرے داروں کو متحد رکھنا اب آگ اور پانی کے ملاپ سے زیادہ مشکل مسئلہ بن  
گیا تھا۔ سلطان کو ان پر قابو نہ تھا، نہ سیف الدین سے درگزر کی امید تھی اور نہ ہی امین الملک سے یہ توقع کی جاسکتی تھی  
کہ وہ ہزاروں سواروں کا قائد ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بلا تا مل انصاف کے کٹہرے میں پیش کر دے گا۔ سلطان  
کو اندیشہ تھا کہ حصولِ انصاف کے لیے اس سختی کی گئی تو وہ ان کا ساتھ چھوڑنے میں تاخیر نہیں کرے گا۔

دوسری طرف سیف الدین کے بھائی کے قصاص کا معاملہ التواء میں ڈالنے سے چالیس ہزار ترک سپاہیوں کی  
لشکر سے علاحدگی کا خطرہ تھا۔ سلطان جلال الدین چکی کے دو پائوں کے درمیان آچکے تھے۔ وہ شریعت کے مطابق  
اس مسئلے کا حل نکالنے اور اس سلسلے میں علماء و قضاة سے فیصلہ دلوانے کے لیے تیار تھے، مگر ان نازک حالات میں فوج

کے بھرے ہوئے دوسرا روں کو اس پر راضی کرنا ہی بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ سیف الدین نے جب دیکھا کہ امین الملک اور اس کے ساتھیوں سے باز پرس میں مساحت برتی جا رہی ہے تو اسے سلطان کی نیت اور عدل و انصاف میں شک ہونے لگا۔ امین الملک سلطان جلال الدین کا سر اور ماموں زاد بھی تھا۔ سیف الدین نے سلطان کی وقتی چشم پوشی کو امین الملک سے ان کی قرابت کے پس منظر میں بڑی غلط نگاہوں سے دیکھا۔ اس نے کہا:

”تاتاریوں کو میں نے شکست دی تھی اور یہاں میرے ہی بھائی کو مال غنیمت کے جھگڑے میں قتل کیا جا رہا ہے۔“

سیف الدین نے آنے والے حالات کی سیاہ آنکھوں سے آنکھیں بند کر لیں اور ماضی و مستقبل کو یکسر نظر انداز کر کے سلطانی لشکر سے علاحدگی کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اپنے سپاہیوں سمیت لشکر گاہ سے نکلنے لگا۔ سلطان کو علم ہوا تو وہ بے تابانہ دوڑتے ہوئے اس کے پیچھے گئے۔ بمشکل سیف الدین کو روک کر اپنی مجبوریاں بیان کیں۔ اسے حالات کی نزاکت کا احساس دلایا، جہاد کی فریضیت یاد دلائی۔ شدت جذبات سے سلطان کی آواز کانپ رہی تھی۔ پھر ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور صبر و تحمل، شجاعت و تہو رکا یہ پہاڑ ایک معصوم بچے کی طرح سیف الدین کے سامنے ہلک ہلک کر رونے لگا۔ وہ کہہ رہے تھے: ”سیف الدین! اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو۔“

سلطان کا اس قدر جذباتی انداز دیکھ کر سیف الدین نے بادلِ نخواستہ وقتی طور پر اپنے لشکر کو روک لیا، لیکن جب رات کی تاریکی چھا گئی تو وہ چپکے سے ننگر ہار کی طرف روانہ ہو گیا۔ اعظم ملک اور دیگر ترکمان و غوری امراء نے بھی اس کی تقلید کی۔ اگلے دن صبح اٹھ کر سلطان جلال الدین نے دیکھا کہ سیف الدین اغراق اور اس کے حامی امراء کی خیمہ گاہ سوئی پڑی ہے اور وحشت و بے میت کے طوفانوں کے سامنے باندھا جانے والا حصار پلک جھپکتے میں شکستہ ہو چکا ہے۔<sup>①</sup>

سیف الدین اور ترکوں کے چلے جانے کے بعد سلطان کے باقی ماندہ سپاہیوں میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہونے لگیں کیونکہ شروع میں اصل بات سے سب لوگ واقف نہیں تھے۔ بعض لوگ کہہ رہے تھے: ”دراصل یہ ترک تاتاریوں سے دہشت زدہ ہو کر بھاگے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ تاتاری انسان نہیں کوئی اور مخلوق ہیں جس پر تلوار اثر کرتی ہے نہ تیر۔ اسی لیے تاتاری کسی سے ڈرتے ہیں نہ پسپا ہوتے ہیں۔“ کچھ کہہ رہے تھے: ”ان لوگوں نے عہد توڑا ہے، تکبر اور مکاری کی وجہ سے وعدہ خلافی کی ہے۔ ان مکاروں کو اس فریب کا بدلہ ضرور ملے گا۔“ (سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۶)

غرض جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔ مگر جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔ ظاہری اسباب کے لحاظ سے اب چنگیز خان کے سامنے کوئی بند باندھنا ممکن نہیں رہا تھا۔

نگاہِ عبرت..... سلطان جلال الدین کی قیادت میں جمع ہونے والے ان مجاہدین کا باہمی اختلاف آخری فتح سے قبل جس بھیاں شکست کا پیش خیمہ بنا وہ ہماری تاریخ کا ایک عبرتناک باب ہے۔ دورِ حاضر کے مسلم رہنما اس سے خاص طور پر عبرت حاصل کریں جو معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے سے بدظن ہو کر باہم محاذ آرائی میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھیے! باہمی اختلاف اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا قابلِ نفرت جرم ہے کہ اس کے باعث مخلص قائدین اور بے لوث مجاہدین بھی فتح کی منزل سے بہت دور ہو جاتے ہیں۔

نوٹ..... سیف الدین، اعظم ملک اور ان کے دوسرے رفقاء چند ہفتوں بعد کچھ باہمی جھگڑوں میں اور کچھ تاتاریوں کے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اتر گئے۔

چنگیز خان کی یلغار..... چنگیز خان ایک زخم خوردہ درندے کی طرح انتقام کی آگ میں جھلس رہا تھا۔ سلطان جلال الدین کی افواج میں پھوٹ پڑنے کی خبر پاتے ہی اس نے اپنے تمام منتشر لشکروں کو جمع کیا اور اس عظیم طاقت کے ساتھ سیاہ آندھی کی طرح سلطان کے تعاقب میں لپکا۔<sup>①</sup>

خلیج، غوری اور ترکمان امراء کی غداری کے بعد سلطان جلال الدین کے پاس کم وبیش تیس ہزار سپاہی باقی رہ گئے تھے۔<sup>②</sup> یہ معمولی فوج چنگیز خان کی افواج کے بے پایاں سیلاب سے کوئی تناسب نہیں رکھتی تھی، اس لیے سلطان جلال الدین نے باغی امراء کی طرف چند سفیر روانہ کیے اور انہیں اسلام کی حرمت کا واسطہ دے کر اس جنگ میں مسلمانوں کی مدد کے لیے پکارا اور خود کسی میدان میں جم کر مقابلہ کرنے کی بجائے غزنی کے مشرق کی طرف کوچ کی تیاری کی۔

دراصل اس وقت سب سے بڑا مسئلہ اپنی عدویٰ کمی پوری کرنے کے لیے وقت حاصل کرنا تھا، سلطان کو معلوم تھا کہ ان سے بغاوت کرنے والے امراء مشرقی علاقوں کی طرف گئے ہیں، اس لیے سلطان نے بھی اسی جانب ہٹتے چلے جانا مناسب سمجھا، ان کا منصوبہ یہ تھا کہ اگر باغی امراء کو امت کی حالت زار پر حرم آگیا تو وہ ان کے ساتھ مل کر دریائے سندھ کے آس پاس کسی موزوں ترین مقام پر بنی صف بندی کر کے چنگیز خان کا مقابلہ کریں گے اور اگر باغی بدستور اپنی ضد پراڑے رہے تو وہ دریائے سندھ عبور کر کے تاتاریوں کے فوری حملے سے بچ سکیں گے۔<sup>③</sup>

آخر لشکر اسلام نے غزنی سے کوچ کیا، عالم یہ تھا کہ اہل شہر خون کے آنسو رو رہے تھے، مدتوں بعد انہیں سلطان کے سائے میں امن ملا تھا، سلطان کے بعد انہیں اپنا سب کچھ موت کے منہ میں جاتا نظر آ رہا تھا۔ خود سلطان جلال الدین کی اس وقت حالت یہ تھی کہ قونج کی بیماری سے ان کی حالت نہایت خستہ ہو رہی تھی، طبیب نے انہیں چلنے پھرنے سے منع کر دیا تھا۔ سلطان کو اس قدر رنقا تھا کہ بستر سے اٹھنا دشوار تھا، ایسی حالت میں اتنا طویل سفر اور ایسی دشوار مہمات کی قیادت بظاہر انسانی طاقت سے باہر تھی۔ مگر اب کوچ کیے بغیر کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ آخری صورت یہ ہو سکتی کہ سلطان کو پالکچر ڈال کر ساتھ لے لیا جائے، سلطان کے خدام اور امراء لشکر نے یہی تجویز کیا تھا، مگر سلطان نے اسے مسترد کر دیا کہ کہیں قائد کو لا چارہ دیکھ کر اس باقی ماندہ فوج کی ہمت پست نہ ہو جائے۔ سلطان نے اپنے حیرت انگیز جذبہ ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ وہ عام سپاہیوں کی طرح گھوڑے کی پشت پر سفر کریں گے..... اور پھر سلطان نے ایسا کر دکھایا، وہ ناقابل برداشت تکلیف سہتے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو کر غزنی سے نکلے، عام لوگوں اور سپاہیوں کو شک تک نہ ہوا ان کا محبوب قائد جان کنی جیسی اذیت سے گزر رہا ہے۔ سلطان کی اس ہمت اور قربانی پر رحمت الہیہ متوجہ ہوئی اور ان کی طبیعت سنہلنے لگی، حتیٰ کہ سفر کے دوران ہی وہ مکمل طور پر شفا یاب ہو گئے۔<sup>④</sup>

ادھر چنگیز خان ایک وسیع و عریض رقبے پر پھیلی ہوئی لاتعداد افواج کے ساتھ زلزلے کی طرح بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اس کے پیش نظر سب سے اہم بات یہ تھی کہ سلطان سے منحرف ہونے والے امراء دوبارہ ان کی مدد کو نہ پہنچے پائیں، چنانچہ اس نے اپنی افواج کو اس انداز سے پیش قدمی کا حکم دیا کہ سلطان جلال الدین کو کسی پہلو سے کوئی کمک نہ پہنچ سکے۔

سلطان سے بغاوت کرنے والے امراء اپنی اپنی افواج کے ساتھ مختلف علاقوں کی طرف نکل گئے تھے۔ تاتاری لشکر نے آگے بڑھتے ہوئے ان سب علاقوں کے راستوں کی ناکہ بندی کر کے ان سے سلطان کا رابطہ کاٹ دیا۔<sup>⑤</sup> چنگیز خان غزنی پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر پانچ روز قبل وہاں سے کوچ کر چکا ہے۔<sup>⑥</sup>

چنگیز خان اپنے راستے کی اس سب سے بڑی چٹان کو ہر قیمت پر چکنا چور کرنے کا عہد کیے ہوئے تھا، اس لیے بلا کسی تاخیر کے وہ سلطان جلال الدین کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ سلطان جلال الدین بہت آگے نکل چکے تھے، مگر چنگیز خان کسی صورت میں بھی اپنے اس دیرینہ دشمن کو ہاتھ سے نکلتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے اس ناممکن کو ممکن بنانے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے لشکر کو حکم دیا کہ دن رات بلا توقف پوری رفتار سے سفر جاری رکھا جائے۔ کسی کو کھانا تیار کرنے کے لیے بھی گھوڑے سے اترنے کی اجازت نہ دی گئی۔<sup>(۱)</sup> وہ ایک دن میں کئی منازل طے کر رہے تھے۔ گزشتہ تمام لڑائیوں کی بہ نسبت اس موقع پر چنگیز خان کی افواج کی تعداد پہلے سے بہت زیادہ تھی۔ تقریباً تمام اطراف و جوانب کے تاتاری لشکر اس میں شامل ہو چکے تھے، مگر اس کثرت کے ساتھ ساتھ چنگیزی افواج کی پیش قدمی کی رفتار بھی حیرت انگیز تھی۔ یہ ایک غیر معمولی طویل اور تھکا دینے والا تاریخی تعاقب تھا۔ ایک طرف سلطان جلال الدین کے شہ سوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے جا رہے تھے۔ دوسری طرف چنگیز خان کے گھڑ سوار برق و باران کی طرح ان کے قریب سے قریب تر آ رہے تھے، فاصلہ ہر لمحہ کم ہو رہا تھا۔<sup>(۲)</sup>

سلطان جلال الدین نے پشاور سے کتر اکر دریاے سندھ کا رخ کیا، اب ان کے لیے دریا پار کرنا ضروری تھا تاکہ وہ سلطنت ہند کے مسلمان بادشاہ شمس الدین التمش کا تعاون حاصل کر سکیں اور دونوں کی متحدہ افواج تاتاری سیلاب کا راستہ روک سکیں۔ چنگیز خان نے سلطان کا یہ ارادہ بھی بھانپ لیا، اس لیے اس نے اپنے ہراول دستوں کو یہ حکم دیا کہ وہ ہر قیمت پر آگے بڑھ کر سلطان جلال الدین کو دریا عبور کرنے سے روک لیں اور باقی تاتاری لشکر کے پہنچنے تک انہیں الجھائے رکھیں۔ ہراول دستے پوری سرعت کے ساتھ اپنے لشکر سے بہت آگے نکل گئے۔

تاتاری ہراول کی تباہی..... یہ ہراول دستے سلطان جلال الدین کے تعاقب میں یلغار کرتے کرتے ”جردین“ کے مقام تک آ گئے۔ مخبروں نے سلطان کو یہ تازہ اطلاع دی تو انہوں نے دریاے سندھ تک پہنچنے سے پہلے دشمن کے ہراول کو تھس نہس کرنا ضروری سمجھا اور اسی رات اپنے جانثاروں کے ساتھ ان کے پڑاؤ پر اچانک حملہ کر دیا۔ تاتاری جو ایک مفرو فوج کو روند ڈالنے کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر بے فکر تھے، اس ناگہانی افتاد سے گھبرا گئے، انہیں اس مزاج پرسی کی توقع نہ تھی۔ آس پاس کی پہاڑیوں سے یلغار کرنے والے مسلمانوں کی تیر اندازی کا نشانہ بننے کے بعد تاتاری ہراول فوج نہایت حواس باختہ ہو گئی۔ سلطان نے اپنے سپاہیوں کو لاکر کر آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ چند لمحوں میں مجاہدین نے تاتاری دستوں کی صفیں درہم برہم کر کے ان کی جمعیت چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم کر دی اور چند زوردار حملوں کے بعد میدان صاف کر دیا۔ دشمن کے ہراول دستوں کے اکثر سپاہی موت کے گھاٹ اتر گئے۔ ایک قلیل تعداد ہی فرار ہونے میں کامیاب ہو سکی۔ سلطان جلال الدین نے ان مغرورین کا تعاقب کرنے کی غلطی نہ کی۔ وہ فوراً اپنی تمام فوج کو لے کر نشیبی وادیوں کی طرف نکل گئے۔<sup>(۳)</sup> ہراول دستوں کی تباہی کی خبر سے چنگیز خان ایک بار پھر تملکا کر رہ گیا، بہر حال اس نے لگاتار تعاقب جاری رکھا۔

کشتیوں کی تلاش..... مسلمان اب پہاڑوں اور پُر پیچ گھاٹیوں سے نیچے اتر کر دریاے سندھ کے قریب جا پہنچے تھے۔ دریا عبور کر کے وہ چنگیز خان کے فوری حملے سے کافی حد تک محفوظ ہو سکتے تھے، مگر اس مقام پر دریا کی گہرائی بہت زیادہ اور اس کا بہاؤ انتہائی تیز تھا۔ کشتیوں کے بغیر اس کی بھری ہوئی موجوں سے گزرنا ناممکن تھا۔ سلطان نے کشتیاں تلاش کرنے

کے لیے ساحلی دیہاتوں کی طرف کارندے دوڑا دیے، اس دوران مجروحوں نے آکر اطلاع دی کہ تاتاری لشکر قریب تر آتا جا رہا ہے، سلطان نے دریا عبور کرنے کی مہلت حاصل کرنے کے لیے تاتاریوں کو دور ہی الجھانا ضروری سمجھا اور ہراول دستے کو اپنے بہترین سالار اور خان کی کمان میں چنگیز خان کے ہراول کو مصروف رکھنے کے لیے روانہ کر دیا تاہم اور خان اس مہم کو کامیابی سے انجام نہ دے پایا اور تاتاریوں کے ہراول سے خاصا نقصان اٹھا کر واپس لوٹ آیا۔ ادھر کشتیوں کی تلاش میں جانے والے کارندے بھی بہت تگ و دو کے بعد اس علاقے سے صرف ایک ہی کشتی حاصل کر سکے۔<sup>(۱۱)</sup>

اس دوران تاتاری لشکر کا ہراول اب صرف آدھے دن کی مسافت پر آچکا تھا۔ تاتاریوں کی آمد سے پہلے تیس ہزار مسلمانوں کا اس کشتی کے ذریعے دریا کے پار اتر جانا محال تھا۔ سلطان کا حرم بھی ان کے ساتھ تھا جس میں ان کی والدہ، بیویاں، بچے اور خاندان کی دیگر عورتیں تھیں، انہیں محفوظ مقام تک پہنچانا ضروری تھا، سلطان نے انہیں کشتی میں بٹھا کر دریا کے پار بھیجنے کی کوشش کی مگر ہونی ہو کر رہتی ہے، کشتی غالباً بوسیدہ تھی، اتنے افراد کا بوجھ نہ برداشت کر سکی، تختے ٹوٹ گئے اور کشتی ناکارہ ہو گئی۔ اس طرح انہیں دریا پار کرانے کے تمام امکانات ختم ہو گئے۔<sup>(۱۲)</sup>

سلطان کی غیرت..... سلطان جلال الدین کے دل کے کسی گوشے میں بھی اگر عافیت پسندی کا گزر رہا تو اس موقع پر جب کہ موت سامنے آکھڑی ہوئی تھی، وہ اہل و عیال کے تحفظ کا بہانہ بنا کر کہیں روپوش ہو سکتے تھے..... مگر..... انہوں نے اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کو ایک عام سپاہی پر ترجیح نہ دی۔ ان کی غیرت نے ان مجاہدین کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا جو اس کڑے وقت میں بھی انکا ساتھ نبھا رہے تھے۔ سلطان نے طے کر لیا تھا کہ ان کا اور ان کے کنبے کا جینا مرنا انہی سرفروشنوں کے ساتھ ہوگا۔ اب مقابلے کے سوا کوئی باعزت راستہ باقی نہیں بچا تھا۔ چنگیز خان سے براہ راست مقابلے کا وقت اب قریب آن پہنچا تھا۔ اپنی مختصر فوج کے ساتھ تاتاری ٹڈی دل سے بھرپور ٹکر لینے کے لیے سلطان دریا کے کنارے ایسے مقام پر صف آرائی کرنا چاہتے تھے جہاں وہ اپنے عقب اور پہلوؤں کو زیادہ سے زیادہ محفوظ رکھتے ہوئے ان دشمنان اسلام کو منہ توڑ جواب دے سکیں۔

ساحل نیلاب..... چنگیز خان اپنی افواج کو نیم دائرے کی شکل دے کر تیزی سے پیش قدمی کرتا آ رہا تھا، جب کہ مسلمانوں کے لیے پیچھے ہٹنے کے تمام راستے مسدود ہو چکے تھے، آخر کار ایک رات چنگیزی افواج نے ایک ایسے مقام پر سلطان جلال الدین کی فوج کو جالیا جہاں مسلمانوں کے ایک طرف دریائے سندھ موجیں مار رہا تھا اور دوسری سمت دشوار گزار چٹیل پہاڑ سر اٹھائے کھڑے تھے۔<sup>(۱۳)</sup> یہ مقام دریائے سندھ کا ساحل ”نیلاب“ تھا۔<sup>(۱۴)</sup>

یہاں دریا اور پہاڑی سلسلے کے درمیان تقریباً پانچ میل چوڑا اور بارہ میل لمبا ایک سرسبز میدان ہے، پہاڑی سلسلہ دریائے متوازی شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف بڑھتے ہوئے اس میدان کو تنگ کرتا جاتا ہے اور آخر کار دریائے اس طرح آگتا ہے کہ دریائے دونوں کنارے بلند پہاڑی چٹانوں سے گھر جاتے ہیں۔ وادی کے دو اطراف میں پہاڑ اور ایک جانب دریا اسے ایک فنیل بند میدان کی شکل دے رہا ہے جس میں داخل ہونے کا کھلا راستہ صرف شمال مشرق میں دریائے سندھ اور لنڈے دریا (دریائے کابل) کے سنگم کے پاس ہے۔

سلطان اپنی افواج کے ساتھ اس مقام پر پہنچے تو وادی کے محل وقوع کو دیکھتے ہی انہوں نے محسوس کیا کہ تاتاریوں کے سیلاب کا سامنا کرنے کے لیے اس وقت اس سے بہتر میدان کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ وہ دریائے سندھ و کابل کے سنگم کے

قریب نشینی زمین سے اس وادی میں داخل ہوئے اور اس کے آخری سرے پر پہنچ کر جہاں بلند چٹانیں وادی کا دامن تنگ کرتے ہوئے دریا سے مل جاتی ہیں، پڑاؤ ڈال دیا۔ یہاں سلطانی افواج کی پشت پر ٹھنڈے میٹھے پانی کی ایک ندی تھی جسے مسگنی ندی کہا جاتا ہے، یہ ندی مسگنی گاؤں سے گزرتے ہوئے گھوڑا ترپ کے مقام پر دریائے سندھ میں آگرتی ہے۔ سلطان کی سپاہ نے کل کی فیصلہ کن جنگ کے لیے تیاری کر کے رات بھر آرام کیا۔ اندھیرا چھٹا تو صبح صادق کی مدہم روشنی میں سلطان جلال الدین نے دیکھا، تاتاری مٹی دل افواج دوسری سمت سے وادی میں داخل ہو کر ان کی واپسی یا فرار کا ہر راستہ مسدود کر چکی ہیں۔<sup>(۱۵)</sup>

سلطان کا اندازِ صف بندی..... سلطان جلال الدین نمازِ فجر کے بعد ”نیلاب“ کے ساحل پر اپنی جانباز فوج کی صفیں درست کر رہے تھے۔<sup>(۱۶)</sup> دائیں جانب دریائے سندھ کی تلطم خیز موجیں ساحل سے ٹکرا کر خوفناک شور پیدا کر رہی تھیں،<sup>(۱۷)</sup> جب کہ بائیں ہاتھ پر بلند بالادشوار گزرا پہاڑی سلسلہ سر اٹھائے کھڑا تھا۔ سامنید ریا کے کنارے کنارے پھیلی ہوئی وہ وسیع و عریض وادی تھی جس میں دو قوموں کے مابین ایک فیصلہ کن جنگ ہونے والی تھی..... ایک ایسی جنگ جس کا انجام مکمل فتح یا مکمل شکست کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا تھا.....

چنگیز خان کی بے شمار افواج کھلی سمت سے اس وادی کا رخ کر رہی تھیں۔ ان کی صفیں پرت در پرت ایستادہ ہو رہی تھیں۔ قلب لشکر میں چنگیز خان خود موجود تھا اور سلطانی لشکر کی ترتیب اور اس کے ارد گرد کے طبعی ماحول کو بغور دیکھ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اسے سلطان جلال الدین کی جنگی مہارت کا اعتراف کرنا پڑا کہ اس کے بالمقابل سلطان نے اپنی مختصر فوج کو ایسے موثر انداز سے ترتیب دیا تھا کہ وہ دائیں اور بائیں پہلو سے نہایت محفوظ ہونے کے علاوہ آگے بڑھ کر جارجانہ حملہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتی تھی۔ سلطانی فوج کا دایاں بازو جوامین الملک کی قیادت میں تھا، دریائے سندھ کے ایک موڑ کی آغوش میں ہونے کے باعث پہلو سے کسی حملے سے مامون تھا، جبکہ پشت اور بائیں بازو کو سنگلاخ کی پناہ حاصل تھی۔<sup>(۱۸)</sup> (غور کیجئے تو محسوس ہوگا کہ یہاں سلطان جلال الدین کی افواج کی صف بندی، غزوہ احد میں حضور خاتم النبیین امام المجددین نبی الملاحم صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ صف بندی سے حدود درجہ مماثلت رکھتی ہے۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ سلطان سیرت نبوی کے ان گوشوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔)

سلطان جلال الدین موت و حیات، فتح و شکست سے بے نیاز ہو کر میدانِ جہاد میں اترے تھے۔ وہ صرف اپنے خالق حقیقی کی جانب سے عائد کردہ فریضہ جہاد کی ادائیگی چاہتے تھے۔ اس جنگ کا انجام کچھ بھی ہوتا، سلطان کو اتنا یقین ضرور تھا کہ وہ بہر حال اپنے رب کے سامنے سرخرو ہوں گے۔ سلطان کے جانثار ساتھیوں کے جذبات بھی مختلف نہ تھے، دین کی خاطر بار زندگی سے سبک دوش ہو جانا ان کے لیے محبوب ترین چیز تھی جن دندلوں نے ان کے گھروں کو لوٹا، ان کے اعزہ و اقارب کو ہلاک کیا، انہیں وطن سے بے وطن کیا تھا، ان کے آگے ہتھیار ڈال دینا، ان سرفروشنوں کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ اس کے بدلے انہیں شہادت کی موت عزیز تھی۔

مجاہدین کی صفوں میں جگہ جگہ پرجوش خطیب باواز بلند جہاد کے متعلق آیات و احادیث سن کر خونِ مسلم کو گرما رہے تھے۔ لشکر کے کونے کونے سے تکبیریں بلند ہو رہی تھیں، رجز یہ اشعار اور جہادی نعمات سنائی دے رہے تھے۔ کشتیاں جلا دو..... چنگیزی افواج کو سلطانی افواج پر عددی غلبے کے علاوہ یہ برتری بھی حاصل تھی کہ ان کے لیے

شکست کی صورت میں فرار کا راستہ کھلاتھا، جبکہ سلطانی سپاہ کے لیے یہ زندگی اور موت کی بازی تھی، اگر وہ یہ معرکہ جیت نہ پاتے تو ان کے لیے صرف موت کا دروازہ ہی بچتا تھا، فرار کا کوئی امکان نہ تھا۔

سلطان کی ہمت، ذکاوت اور موقع شناسی کی داد دینا پڑتی ہے کہ انہوں نے اپنی فوج کی اس کمزوری کو اس کی طاقت بنادیا، وہ ایسے قائد تھے جو اپنی مجبوریوں سے بھی فائدہ اٹھانا اور اپنی ناتوانی کو قوت کے طور پر استعمال کرنا جانتے تھے۔ انہوں نے فرار کی راہوں کو بند پا کر اپنی فوج کو راہ خدا میں کٹ جانے پر ابھارا۔ اپنے اور اپنے کنبے سمیت کسی بھی مجاہد کے لیے میدان سے بھاگ نکلنے کا امکان ختم کرتے ہوئے انہوں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ کنارے پر موجود تمام کشتیاں جلادی جائیں تاکہ کوئی جان بچا کر فرار ہونے کا خیال تک دل میں نہ لائے۔ حکم پر فوراً عمل ہوا، کشتیاں جلادی گئیں۔<sup>(۱۹)</sup> اس کے بعد کسی مسلمان سپاہی کے دل میں اس دوسرے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کہ جنگ میں فرار کا بھی کوئی موقع آ سکتا ہے۔ اب وہ آخر دم تک جنگ کے سوا اور کچھ نہیں سوچ سکتے تھے۔

سورج طلوع ہوتے ہی طبل جنگ پر ضرب لگی، خوارزمی سپاہی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، اللہ عزوجل کی ذات پر توکل کر کے نعرہ ہائے تکبیر کی گونج میں دشمن کی طرف بڑھے اور ایک نہایت خوں ریز معرکہ کا آغاز ہو گیا۔ آغاز جنگ، پہلا دن..... تاتاری مست ہاتھیوں کی طرح غول درغول آگے بڑھے، ان کا خیال تھا کہ وہ آٹا فانا مسلمانوں کو پیس کر رکھ دیں گے، مگر مجاہدین نے اس قدر ثابت قدمی سے ان کا مقابلہ کیا کہ قرون اولیٰ کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ تاتاری اپنے اپنے سرداروں کے جھنڈوں تلے جمع ہو کر بار بار حملے کرتے اور ہر بار مسلمانوں کو چٹانوں کی طرح اپنی جگہ جما ہوا پاتے۔ سلطان جلال الدین شیر کی طرح میدان میں اپنی فوج کو لڑا رہے تھے۔ ان کے دائیں بائیں جانثاروں کے دستے تاتاریوں کی صفوں کو تہہ و بالا کر رہے تھے۔ ترک اور افغان سرفروش ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر شمشیر زنی اور نیزہ بازی کے جوہر دکھا رہے تھے۔ دن بھر یہ خوں ریز لڑائی جاری رہی، اندھیرا چھا جانے تک ہار جیت کا فیصلہ نہ ہو سکا۔<sup>(۲۰)</sup>

جنگ کا دوسرا دن..... اگلے دن صبح تڑکے تاتاری لشکر ایک بار پھر بھوکے بھیڑیوں کی طرح بے ہنگم چنچ و پکار کے ساتھ آگے بڑھا۔ مسلمان سرفروش پوری طرح مقابلے کے لیے مستعد تھے۔ اپنے قائد کا اشارہ پاتے ہی وہ لپکے، دائیں بائیں نیزہ بازی کے ہاتھ دکھلا کر انہوں نے حملہ آوروں کے منہ پھیر دیے۔ اس کے بعد نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے فدا یان اسلام کافروں پر ٹوٹ پڑے۔ تاتاری لشکر کا سیلاب مسلمانوں کو دبانے میں بری طرح ناکام رہا۔ پہلے دن کی جنگ کے بعد اپنے دشمن کو حد سے زیادہ سخت جان پا کر چنگیز خان نے دوسرے دن کی لڑائی کے متعلق جو پیش بندیاں کی تھیں وہ سب دم توڑتی نظر آ رہی تھیں۔ تاتاری حملہ آور آگے بڑھنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے، مگر مجاہدین کی آبدار شمشیروں اور چکمدار نیزوں سے لہولہاں ہو کر پیچھے ہٹ جاتے۔ لڑائی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

دوسرے دن کی جنگ بھی کسی حتمی فیصلے کے بغیر ختم ہو گئی،<sup>(۲۱)</sup> تاہم اسلام کے ان بدترین دشمنوں پر یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ مسلمان قوم ضعیف و کمپری کے آخری درجے تک پہنچنے کے بعد بھی جب سر پر کفن باندھ کر میدان میں اتر آتی ہے تو معجزانہ کارنامے انجام دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ واقعی مٹھی بھر مسلمانوں کا اس شیطانی سیلاب کو متواتر دو دن تک نیزوں اور تلواروں کی نوکوں پر روکے رکھنا ایک معجزے سے کم نہ تھا۔ قلیل التعداد، بے وطن، بے سروسامان مجاہدین جو دودن کی شدید ترین جنگ میں محض خداوندی نصرت و امداد کے باعث دشمن کے سامنے سب سے پلائی ہوئی



دیوار بن کر کھڑے رہے، اگلے روز کی جنگ میں بارگاہِ ایزدی سے ایسی تائید کے طلب گار تھے جو عجائبِ قدرت کو زمانے بھر پر آشکارا کر دے اور بظاہر ناممکن معلوم ہونے والی فتح ان کے لیے سہل و آسان کر دے۔ عزت کی زندگی یا شہادت کی باعزت موت کے سوا اب انہیں کسی چیز کی تمنا نہیں تھی۔

تیسرا دن، فیصلہ کن لڑائی..... بدھ ۸ شوال ۶۱۸ھ (۲۳ نومبر ۱۲۲۱ء) کا سورج لہورنگ کر نیں بکھیرنا طلوع ہو رہا تھا۔ آج فیصلہ کن جنگ کا دن تھا۔ ﴿۴۵﴾ زمین و آسمان ساکت و جامد ہو کر دو قوموں کے مابین فنا و بقا کی کشمکش کا نتیجہ دیکھنے کے منتظر تھے۔ ایک طرف وہ قوم تھی جس کے آباؤ اجداد لات و عڑی کو پامال کر کے صحرائے عرب سے نمودار ہوئے اور سارے جہاں پر چھا گئے تھے۔ یہ وہ قوم تھی جس کی تلوار نے صدیوں بنی نوع آدم کی حفاظت کی، جس نے دنیا کو ایمان و معرفت، اخلاق و کردار اور علوم و فنون کے انمول اصول مہیا کیے۔ دوسری طرف وہ قوم تھی جو صحرائے گوبی کی جہالت، وحشت اور بے ہیمیت کی پیداوار تھی، جس کے عروج کا بیڑا نسلِ انسانی کے خون میں لنگر انداز تھا۔ تاریخ کا ظالم ترین حکمران اپنے لشکر کے قلب میں قدرے بلندی پر کھڑا ہو کر غایتِ نفرت و حقارت سے اپنے ان حریفوں کی صف بندی کا مشاہدہ کر رہا تھا جو اس کے لیے لوہے کے پنے ثابت ہوئے تھے۔

اس دن تاتاریوں کو مزید کمک بھی مل گئی تھی کیوں کہ اوکتائی اور چغتائی بھی خوارزم سے اپنے لشکروں سمیت اس محاذ پر آن پہنچے تھے۔ یوں تاتاریوں کو ہر لحاظ سے برتری حاصل ہو گئی تھی۔ ﴿۴۶﴾

گزشتہ دو دن کی جنگ میں تاتاریوں کے نقصانات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی تعداد میں بھی مسلسل کمی ہو رہی تھی، تاتاری اپنی بے پناہ کثرت کی وجہ سے اپنے سوسپاہیوں کی ہلاکت پر بھی اتنے فکر مند نہیں تھے جتنا کہ مسلمان اپنے دس آدمیوں کی کمی پر۔ پھر اس پہاڑوں اور دریا کے قدرتی حصار میں جہاں سے کہیں نکل کر جانا ممکن نہیں تھا سلطان کا پڑاؤ خوراک اور رسد سمیت بنیادی انسانی ضروریات سے محروم تھا، نیز ایسی حالت میں زنیوں کو زیادہ دیر تک سنبھالے رکھنا بھی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ اس صورتحال کو دیکھ کر سلطان یہ حقیقت سمجھ چکے تھے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انکے لیے حالات بد سے بدتر ہوتے جائیں گے۔ اگر وہ آج کے معرکے کو فیصلہ کن نہ بنا سکے تو کل اس جنگ کو جیتنے کے تھوڑے بہت امکانات بھی معدوم ہو جائیں گے۔

سلطان کی حکمتِ عملی..... ان پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے سلطان نے تیسرے دن کی لڑائی کو بہر حال نتیجہ خیز بنانے کا اہل فیصلہ کر لیا تھا۔ سلطان جانتے تھے کہ فاتح تاتاریوں کو مسلمانوں پر نفسیاتی برتری حاصل ہے اور انہیں کوئی غیر معمولی صدمہ پہنچائے بغیر اس نفسیاتی برتری کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ انہیں یہ بھی یقین تھا کہ تاتاریوں کے لیے اپنے رہنما چنگیز خان کی موت سے زیادہ ہولناک دھچکا کوئی نہیں ہو سکتا تھا، اس وقت یہ خون آشام انسان پہلی بار سلطان کے بالمقابل خود میدانِ جنگ میں موجود تھا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطان نے اپنی جنگی حکمتِ عملی کا بنیادی ہدف چنگیز خان کو برسرِ میدانِ قتل کرنا طے کر لیا۔ سلطان کو یقین تھا کہ اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تاتاریوں پر دہشت چھا جائے گی، اور کثرت کے باوجود انکے پاؤں ایسے اکھڑیں گے کہ انہیں دوبارہ کہیں قدم جمانا مشکل ہوگا۔ چنگیز خان تک پہنچنے کے لیے اسکے قلبِ لشکر کو تر بتر کرنا ضروری تھا، یہ کوئی آسان کام نہیں تھا، تاتاریوں کی اکثر فوج قلب میں ہی تھی جس میں صرف چنگیز خان کے خاص زرہ پوش محافظ دس ہزار سے کم نہیں تھے۔ اپنے محدود



سپاہیوں کے ساتھ سلطان کا چنگیزی قلب کو چیر کر اپنے ہدف تک پہنچنا ممکن نہ تھا، انہیں اس کام کے لیے اپنے قلب لشکر میں سپاہیوں کی مزید تعداد درکار تھی، چون کہ یہ کام اب بہر حال ناگزیر تھا اس لیے ہر خطرہ مول لیتے ہوئے انہیں کسی بھی طرح سپاہیوں کی مطلوبہ تعداد پوری کرنا بھی۔ کافی غور و خوض کے بعد سلطان نے اس مقصد کے لیے بائیں بازو کے سپاہیوں کو عین ضرورت کے وقت قلب میں شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ گزشتہ دو دن کی لڑائی میں خوارزمی سپاہ کے بائیں بازو کو تاتاریوں کے دباؤ کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا، کیونکہ پہاڑ کی اوٹ کے باعث وہ گویا ایک فسیل کی حفاظت میں تھے اور صرف مدافعتی حیثیت سے لشکر کے بائیں پہلو کو تاتاریوں سے بچاتے ہوئے سلطان کی محفوظ فوج کے طور پر میدان میں موجود تھے۔ سلطان کا اندازہ یہ تھا کہ اس دن بھی بائیں بازو کو تاتاریوں سے بھڑنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اس اقدام میں یہ اندیشہ ضرور تھا کہ اگر تاتاری کسی طرح پہاڑ کی پشت سے بائیں بازو پر حملہ آور ہو گئے تو وہاں سپاہیوں کی کمی پوری فوج کے لیے مہلک ثابت ہوگی، مگر مسلمانوں کو یہ خطرہ بہر حال مول لینا ہی تھا۔

اس دن کی مجموعی حکمت عملی یہ طے کی گئی کہ جنگ کے ابتدائی گھنٹوں میں تاتاریوں کے بائیں بازو پر جارحانہ حملے کرتے ہوئے تاتاریوں کو اس محاذ پر اس قدر مشغول کر دیا جائے کہ انکی توجہ قلب کی طرف کم ہو جائے، چند گھنٹوں کی لڑائی کے بعد جب کہ حریف اپنی پوری طاقت میدان میں جھونک چکا ہوگا اور اس میں صبح کی نسبت توانائی کم دکھائی دے رہی ہوگی، سلطان اپنے قلب کی سپاہ میں بائیں بازو کے تازہ دم سپاہی شامل کر کے چنگیز خان کے زیر قیادت قلب پر ایک طوفانی حملہ کرتے ہوئے اس تک پہنچنے کی کوشش کریں گے، چنگیز خان غالباً سلطان کے سامنے سے پسپائی کی ذلت مول لینا گوارا نہیں کرے گا اور اگر تائید خداوندی شامل حال ہوئی تو سلطان اسے کیفر کردار تک پہنچا کر دنیا کو اس فتنے سے نجات دلا سکیں گے۔

جنگ کا آغاز ..... سورج کی روشنی پھیلتے ہی ایک ہولناک جنگ کا آغاز ہوا۔ مجاہدین اپنی افرادی قلت کو نظر انداز کرتے ہوئے محض اللہ پر بھروسہ کر کے ناممکن فتح یا شہادت کے حصول کے لیے معرکہ کارزار میں اتر چکے تھے۔ کئی دن کی شدید تھکان کے باوجود وہ تازہ دلوں کے ساتھ دشمن سے برسر پیکار تھے۔ ادھر سورج بلندی پر آیا اور ادھر لڑائی کے شعلے اپنے عروج پر پہنچ کر انسانوں کو بھسم کرنے لگے۔ زمین خون سے سرخ ہو چکی تھی۔ تیر جسوں سے پار ہو رہے تھے، سروں کی فصلیں کٹ کٹ کر گر رہی تھیں۔ علامہ ابن اثیر اپنی تاریخ میں اس معرکہ کی کیفیت کو مختصر اور جامع انداز میں یوں سموتے ہیں:

اعْتَرَفُوا كُلُّهُمْ أَنَّ كُلَّ مَا مَضَى مِنَ الْخُرُوبِ كَانَ لِعِبَا بِالنِّسْبَةِ إِلَى هَذَا الْقِتَالِ. (اس بات کا سب نے اعتراف کیا کہ گزشتہ تمام جنگیں اس معرکہ کے سامنے محض ایک تماشا تھیں۔) ۳۵

امین الملک کی شجاعت ..... لڑائی کی ابتداء ہی سے مسلمان جانبا زوں کا انداز جارحانہ تھا، سلطان جلال الدین کے حکم کے مطابق ان کے دائیں بازو کی افواج کے قائد امین الملک نے تاتاری لشکر کے بائیں بازو پر شروع ہی سے زبردست دباؤ ڈال رکھا تھا۔ پھر چشم فلک نے حیرت سے یہ منظر دیکھا کہ امین الملک کے چند ہزار سرفروش تاتاری لشکر کے بائیں بازو کو بُری طرح پیچھے دھکیل رہے ہیں۔ تاتاری لشکر کا بایاں بازو تتر بتر ہو کر دریا کے کنارے کنارے شمال کی طرف بائیں بازو ف پسپا ہو گیا۔ امین الملک نے ان کا تعاقب کیا۔ بکھرا ہوا تاتاری لشکر دریا کے کنارے پیچھے ہٹا رہا۔ ایک

مناسب مقام پر انہوں نے چنگیز خان کے ایک بیٹے کی قیادت میں دوبارہ صف بندی کی اور پلٹ کر امین الملک کی فوج سے بھڑ گئے۔ ایک بار پھر تلواروں کی بجلیاں چمکیں۔ امین الملک کے جانبازوں نے اس شجاعت سے تابڑ توڑ حملے کیے کہ تاتاریوں کے قدم ایک بار پھر اکھڑ گئے اور وہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ کر دوبارہ منتشر ہو گئے۔ (۵۵)

بائیں بازو کی صورتحال..... مسلم فوج کا بایاں بازو سنگلاخ پہاڑیوں کی پناہ میں صفیں باندھے ہوئے تھا۔ پہاڑیوں کے اوپر بھی جگہ جگہ تیر اندازوں کے دستے متعین تھے۔ تاتاری لشکر کے دائیں بازو نے اس طرف پیش قدمی کی کوشش کی، مگر قدرتی پہاڑی دیوار کی رکاوٹ کے علاوہ بلندی پر مسلمانوں کے تیر انداز دستوں کی موجودگی میں ان کا آگے بڑھنا خودکشی کے مترادف تھا، اس لیے وہ وہیں رک گئے۔

عزم و استقلال کے پیکر سلطان جلال الدین خوارزم شاہ قلب لشکر میں ڈٹے ہوئے تھے۔ میدان جنگ کے ہر گوشے پر وہ پوری حاضر دماغی اور ہوش مندی کے ساتھ نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ بائیں بازو کو تاتاری لشکر کی پیش قدمی سے محفوظ دیکھنے کے بعد انہوں نے خاموشی سے کئی دستے وہاں سے ہٹا کر امین الملک کے بڑھتے ہوئے دستوں کی مدد کے لیے بھیج دیے تاکہ تاتاری فوج کے بائیں بازو کو مکمل طور پر نرما دیا جائے۔ (۵۶)

سورج اب وسط آسمان میں پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ لڑائی کے شعلے موت بن کر لپک رہے تھے۔ چہارم گردوغبار کا سیاہ طوفان چھار ہاتھ جسکے مابین آب و دار تلواروں اور نیزوں کی چمک بجلیوں کی طرح جھلکتی دکھائی دے رہی تھی۔

زندگی اور موت کی بازی..... چند گھنٹوں کی لڑائی کے بعد جنگ وہ خطرناک ترین مرحلہ آن پہنچا جس کی سلطان پہلے سے منصوبہ بندی کر چکے تھے۔ یہ زندگی اور موت کی بازی تھی جس میں یا شاندار فتح تھی یا جان لیوا شکست..... مگر شہادت کے متوالوں کے لیے ایسی شکست بھی رحمت تھی جو انہیں بارگاہ الہی میں مقبولیت سے نواز دے۔ اب سلطان نے فتح حاصل کرنے یا شہادت پانے کا تہیہ کر کے براہ راست چنگیز خان پر حملے کی تیاری کی۔ انہوں نے نہایت خاموشی سے اپنے بائیں بازو کے محفوظ دستوں میں سے کئی دستے اپنے قلب لشکر میں شامل کر لیے۔ ان کی کوشش تھی کہ تاتاریوں کو حتی الامکان بائیں بازو میں اس تخفیف کا علم نہ ہونے پائے ورنہ نتائج بہت بھیانک نکل سکتے تھے۔ سلطان کے بائیں بازو کا ایک حصہ پہلے ہی دائیں بازو کی کمک کے لیے جا چکا تھا، اس کے بہت سے سپاہی سلطان کے نئے حکم کے مطابق اب قلب میں بھی آ گئے۔ اس طرح اسلامی لشکر کے بائیں بازو کی اکثر فوج قلب اور دائیں بازو میں شامل ہو گئی اور بائیں بازو میں مٹھی بھر سپاہی اور تیر انداز ہی باقی رہ گئے۔ سلطان جلال الدین جیسے تجربہ کار، جہاں دیدہ اور جنگجو قائد کے بارے میں ہمیں اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے کہ وہ بائیں بازو کی حفاظت سے غافل ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ بائیں بازو کی نفری میں کمی کرنا ان کی غفلت یا غلطی نہیں، بلکہ ایک مجبوری تھی۔ سلطان کی فوج کی تعداد دشمن کے دسویں حصے کے برابر بھی نہ تھی۔ قلب لشکر اور دایاں بازو اس وقت تاتاریوں سے برسرِ پیکار تھے، اسی افرادی کمی کا شکار تھے اور ان دونوں حصوں میں لمحہ بلحہ تازہ دم سپاہیوں کی ضرورت پڑ رہی تھی، اگر اسلامی لشکر کا بایاں بازو پہاڑیوں کے حصار میں محفوظ نہ ہوتا تو یقیناً سلطان کو اپنے لڑنے والے سپاہیوں کی کمک کے لیے کہیں سے چند آدمی بھی میسر نہ آتے۔ بائیں بازو کے فی الحال محفوظ ہونے کے باعث ہی لڑنے والی صفوں کو تازہ دم سپاہی مل رہے تھے۔ بائیں بازو سے کمک وصول نہ کرنے کی صورت میں دائیں بازو اور قلب کی شکست کا خطرہ تھا، لہذا سلطان ان

دونوں حصوں کو مضبوط کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ سلطان کو معلوم تھا کہ بائیں بازو میں افرادی کمی سے کسی وقت سخت نقصان کا امکان ہے، مگر اس کے باوجود انہوں نے بائیں بازو سے فوج کم کر کے دوسرے پہلوؤں کو اس لیے ملک بھجوائی کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں شکست یقینی تھی کیوں کہ افرادی قوت میں کمی کے باعث نہ اسلامی فوج کا قلب زیادہ دیر تک دشمن کا مقابلہ کر سکتا تھا اور نہ ہی دایاں بازو۔ بلکہ سپاہیوں کی کمی فوج کے ان دونوں مصروف عمل حصوں کو کسی بھی لمحہ شکستِ فاش سے دوچار کر سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ فوری اور حتمی ضرورت کے موقع کو آئندہ کی امکانی ضرورت پر ترجیح دی جاتی ہے۔ بایاں بازو بائیں بازو جہاں سے فوج کی تخفیف کی گئی تھی، فی الحال مصروف عمل نہ تھا، نیز دشمن کی زد سے محفوظ بھی تھا۔ اس کے علاوہ یہ امید کی جاسکتی تھی کہ اگر دشمن نے اس سمت سے حملہ کرنے کی کوشش کی تو دشوار گزار پہاڑیاں ان کا حوصلہ پست کر دیں گی اور بلندی پر موجود مٹی بھر تیر انداز ہی ان کی تواضع کے لیے کافی ہوں گے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ جنگ جس ماحول میں لڑی جا رہی تھی وہاں مکمل فتح تھی یا مکمل شکست..... جو کچھ ہونا تھا اس کے لیے چند گھنٹے فیصلہ کن تھے، نہ پسائی کا کوئی موقع تھا نہ مستقبل کی پیش بندیوں کا کوئی تصور کہ جس کے بھروسے پر اپنے آدمی بچا بچا کر رکھے جاتے۔ کھن آزماتوں سے گزرنے والے دیگر قائدین کی طرح سلطان بھی ایک ایسے خطرناک دورا ہے پر آگئے تھے جہاں ان کے پاس فیصلے کے لیے صرف ایک لمحہ تھا، ایسے مواقع پر جرأت مند قائد فوری طور پر کسی ایک جانب کو ترجیح دے کر میدانِ عمل میں کود جاتا ہے۔ سلطان جلال الدین نے ان نازک لمحات میں جس اقدام کو ترجیح دی اس میں یقینی اور فوری شکست سے بچاؤ کا پہلو بھی تھا اور فتح کی امید بھی، جبکہ وہ اقدام ترک کر دیا جو کسی وقت دشمن سے صرف وقتی بچاؤ کا ایک ذریعہ بن سکتا تھا۔

سلطان کا خطرناک حملہ..... بائیں بازو سے امدادی دستے طلب کر کے اپنے زیر قیادت قلب لشکر کو مزید مضبوط بنانے کے بعد سلطان جلال الدین رب العزت کی قدرت کاملہ کے بھروسے پر چنگیز خان کو قتل کر کے اس کے فتنے کو مٹانے کا عزم لے کر جارجانہ انداز میں حریف کے قلب لشکر پر حملہ آور ہوئے۔ تاتاریوں کی اگلی صفیں سر توڑ کوششیں کے باوجود اس مجاہد کا حملہ نہ روک سکیں۔ سلطان کی شمشیر خارا شکاف لاشوں کے ڈھیر لگاتی چلی گئی، تاتاریوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ شیر خوار زم اور گوبی کے ریچھ کا آمنا سامنا..... سلطان جلال الدین دور سے چنگیز خان کا ٹھکانہ اور اس پر سایہ نکلن تاتاری پرچم دیکھ چکے تھے۔ اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لائے ہوئے وہ آگے بڑھتے رہے۔ انہیں اسلام کے بدترین دشمن چنگیز خان کی تلاش تھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا سرتن سے جدا کر دینا چاہتے تھے۔ اسی جذبے کے تحت وہ دشمن کی صفوں کو روندتے ہوئے چنگیز خان کے محافظ دستے تک جا پہنچے۔ ہزاروں زہر پوش شمشیر بکف محافظوں کے زبردست پہرے کے درمیان کشادہ شانوں اور مضبوط جسم والا ایک قد آور شخص گھوڑے پر سوار چوکنا لگا ہوں سے دائیں بائیں کا جائزہ لے رہا تھا۔ سن رسیدگی کی وجہ سے اس کے چوڑے چکلے، بیٹ ناک چہرے پر ہلکی ہلکی شکنیں پڑ چکی تھیں اور چھدری لمبوتری داڑھی سفید ہو چکی تھی۔<sup>(۱۵)</sup> یہ چنگیز خان تھا۔ اقوامِ عالم کا سب سے بڑا قاتل.....

اسے دیکھتے ہی سلطان کی نگاہیں نفرت و غضب سے شعلے برسانے لگیں۔ انہوں نے ایسا شدید حملہ کیا کہ زہر پوش محافظوں کی صفیں تہہ و بالا ہو گئیں۔ چنگیز خان کی آنکھوں کے سامنے موت کے سائے لہرا گئے۔ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے بیٹے کا ہاتھ اس کے گریبان تک پہنچنے والا تھا۔ چند مجاہد چنگیز خان کے دائیں بائیں اور سامنے دیوار بن

جانے والے محافظوں سے الجھتے ہوئے چنگیز خان کے بالکل قریب جا پہنچے۔ چنگیز خان خود ان کے وار سے بچ گیا، مگر اس کا گھوڑا مارا گیا۔ صحرائے گوبی کے ریچھے نے خوارزمی شیر سے دو بدو مقابلے کی قطعاً ہمت نہ کی، دلیری اور شجاعت کے اس امتحان میں وہ سلطان سے مات کھا گیا، آن، عزت اور وقار پر جان کو ترجیح دیتے ہوئے اس نے فوراً گھوڑا تبدیل کیا اور اپنے چند محافظوں کے ہمراہ پشت پھیر کر بھاگ نکلا <sup>(۹۸)</sup> چشم زدن میں وہ گردوغبار کے مرغولوں میں مجاہدین کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ چنگیز خان کا یہ طرز عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ غیور یا اس قدر شجاع نہ تھا جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے۔ ہاں! وہ چالاکی، موقع شناسی اور بے رحمی میں اپنی مثال آپ تھا۔

چنگیز خان کے فرار کے بعد سلطان جلال الدین اپنے ہدف سے دور ہو چکے تھے تاہم انہوں نے دشمن کے قلب لشکر پر دھاوا جاری رکھا، مگر دشمن اپنے قائد کو محفوظ پا کر اب مطمئن ہو کر لڑ رہا تھا چنانچہ تاتاریوں کی پچھلی صفوں نے دوبارہ سخت مزاحمت شروع کر کے قلب کو مکمل تباہی سے بجالایا۔ اس کے باوجود اس وقت لڑائی کا پانہ مسلمانوں کے حق میں تھا، فتح قریب معلوم ہو رہی تھی، تاتاریوں کا قلب لشکر بالکل لرز کر رہ گیا تھا، دایاں بازو مسلسل پسپا ہو رہا تھا اور بایاں بازو و پیش قدمی سے عاجز تھا، مگردن کے آخری پہر لڑائی کا رخ بدلنے لگا۔ چنگیز خان کی ایک شاطرانہ تدبیر نے مسلمانوں کی جیتی ہوئی بازی کو پلٹ کر رکھ دیا۔

چنگیز خان کی چال..... تاتاریوں کے قلب لشکر پر سلطان جلال الدین کے طوفانی دھاوے کے بعد چنگیز خان وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔ ابھی وہ سلطان سے مقابلے کے بارے میں کسی نئی حکمت عملی کا فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ اچانک اسے ایک عجیب اطلاع ملی، اسے معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر کے بائیں بازو کے اکثر افراد دائیں بازو اور قلب میں جا چکے ہیں اور خود بائیں بازو کی صفوں میں بہت کم سپاہی باقی رہ گئے ہیں۔ یہ اطلاع اسے تاتاری جاسوسوں نے فراہم کی تھی یا مسلمانوں میں سے کسی غدار نے یہ جرم کیا تھا؟..... تاریخ اس بارے میں خاموش ہے۔ بعید نہیں کہ سلطان کی فوج کے کسی نمک حرام نے فتح سے مایوس ہو کر اپنے لیے اس طوفانِ بلا سے نجات کا واحد راستہ یہی سمجھا ہو کہ کسی طرح چنگیز خان کو اس راز سے آگاہ کر کے اس کے وفاداروں میں اپنا نام شامل کر لیا جائے۔

بہر کیف یہ جانتے ہی چنگیز خان نے دس ہزار تازہ دم منتخب جنگجو بلانویان نامی ایک معتمد سردار کی قیادت میں اس طرف روانہ کر دیے اور اسے حکم دیا کہ ایک طویل چکر کاٹ کر اس سنگلاخ پہاڑ کے پیچھے پہنچ جائے اور ہر قیمت پر اسے عبور کر کے سلطان کے بائیں بازو پر پشت سے حملہ کر دے۔

بلانویان دس ہزار جنگجوؤں کے ساتھ ناقابل عبور دشوار گزار چٹانوں پر رینگتا اور سرکتا ہوا پہاڑ کی بلندی کی جانب بڑھنے لگا۔ جگہ جگہ تاتاری سپاہی پھسل پھسل کر گرتے رہے، مگر وہ نہ رکا۔ آخر کار سہ پہر کے وقت جبکہ جنگ پوری شدت سے جاری تھی اور چنگیز خان کی بے تاب نگاہیں بار بار اسی پہاڑی درّے کی طرف اٹھ رہی تھیں، بلانویان اپنے اکثر سپاہیوں کے ساتھ چوٹی پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ سلطان جلال الدین کے مٹھی بھر سپاہی جو یہاں پہرہ دے رہے تھے، جاں توڑ مزاحمت کے بعد شہید ہو گئے اور بلانویان کی قیادت میں ہزاروں سپاہی ان کی لاشوں کو روندتے ہوئے مسلمانوں کی پشت پر واقع دھلونوں سے نیچے اتر کر ان کے بائیں بازو کی مختصر فوج پر حملہ آور ہو گئے اور اس کی صفیں تہہ وبالا کر دیں۔ <sup>(۹۹)</sup> لشکر اسلام کے دائیں بازو کی شکست..... سلطان جلال الدین ابھی تک چنگیزی لشکر کے قلب سے سرسریکا رہے

اور وہاں ایک زبردست معرکہ جاری تھا۔ تاہم چنگیز خان نے اس وقت سلطان جلال الدین کے بالمقابل آنے کی غلطی نہ کی، اسے اندازہ تھا کہ سلطان اپنی جنگی مہارت کے باعث ایک بار پھر اسے موت کی جھلک دکھا سکتا ہے۔ اس نے پہلے سلطان کو پہلوؤں سے غیر محفوظ کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ خوارزمی قلب کارخ کرنے کے بجائے وہ دس ہزار بھاری زرہ پوش سواروں کی کمک اپنی قیادت میں لے کر میدان کے اس حصے میں جا پہنچا جہاں امین الملک ابھی تک تاتاری لشکر کے بائیں بازو سے نیرو آ رہا تھا۔

امین الملک کے دستوں پر چنگیز خان کا حملہ نہایت اچانک تھا۔ امین الملک کی فوج نے زبردست مزاحمت کی، مگر اتنے میں اسکے بالمقابل بائیں بازو کے تاتاری بھی از سر نو صفیں درست کر کے جارحانہ حملے شروع کر چکے تھے۔ امین الملک کی فوج کے قدم اُکھڑ گئے اور پسپائی کے دوران اس کے بیشتر سپاہی شہید ہو گئے۔ پیچھے ہٹتے ہوتے ہوئے اس نے دیکھا کہ اس کے اور سلطان جلال الدین کی قیادت میں لڑنے والے قلب لشکر کے درمیان طویل فاصلے کو تاتاری دستے پُر کر چکے ہیں، ان کو کاٹ کر قلب لشکر سے دوبارہ جاملنا اب آسان نہ رہا تھا۔ بازی ہاتھ سے نکل رہی تھی۔ بائیں بازو کو اس نے جان بچانے کی کوشش کی اور بچے کچھے سپاہیوں کو لے کر دریا کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف روانہ ہو گیا، وہ پشاور پہنچنا چاہتا تھا۔ چنگیز خان نے راستے میں جگہ جگہ دستے متعین کر کے مفردین کی ناکہ بندی کر رکھی تھی، اس لیے امین الملک کے دستوں کو فرار ہوتا دیکھ کر اس نے تعاقب میں وقت ضائع نہ کیا۔ امین الملک اپنے ساتھیوں سمیت راستے میں ناکہ بندی کرنے والے تاتاریوں کے زرنے میں آ کر شہید ہو گیا۔<sup>(۳۵)</sup>

پانسہ پلٹ گیا..... چنگیز خان نے مسلمانوں کے دائیں بازو کو تتر بتر کرنے کے بعد دریا کے کنارے کنارے مڑتے ہوئے سلطان جلال الدین کی قیادت میں معرکہ آزمایا۔ سلطان پر پہلو سے حملہ کر دیا۔ ادھر دریا کے کنارے سلطان جلال الدین کا ایک حفاظتی دستہ موجود تھا۔ سلطان کے پہلو پر چنگیز خان کا خطرناک وار روکنے کے لیے یہ جانثار آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے اور دیوانہ وار لڑتے ہوئے ایک ایک کر کے کٹ گئے۔<sup>(۳۶)</sup>

سلطان جلال الدین جو چند ساعت پیشتر ایک بعید الموصول فتح کو چند گام کے فاصلے پر دیکھ رہے تھے، اپنے دائیں بازو اور بائیں بازو کی تباہی کے بعد نوشتہ تقدیر پڑھ چکے تھے، جدوجہد، قربانی اور سرفروشی کی ایک داستان حسرت ناک انجام کو پہنچ رہی تھی۔

کس مصیبت سے تو پکڑا تھا کنارہ، اے خدا آ کے موجیں لی چلیں پھر ہائے اساحل سے مجھے سلطان زرنے میں..... سلطان اب تینوں جانب سے تاتاریوں کے زبردست دباؤ کا سامنا کر رہے تھے۔ ان کے اکثر سپاہی شہید ہو چکے تھے۔ اب عزت کی موت کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں بچا تھا۔ انہوں نے ساری قوت یکجا کر کے چنگیز خان کے محافظ دستوں پر ایک اور طوفانی حملہ کیا اور سینکڑوں دشمنوں کو خاک و خون میں لت پت کر کے تاتاریوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے سامنے وادی کے آخری کونے کی جانب مڑے جہاں پہاڑی سلسلہ اور دریائے سندھ ہم آغوش ہوتے ہیں۔ سلطانی لشکر کی خیمہ گاہ بھی اسی طرف تھی، اور سلطان کے بیوی بچے وہیں ٹھہرے ہوئے اپنے مقدر کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے۔

تاتاری وحشی سلطان کے بچے کچھے سپاہیوں کو منتشر کرتے اور روندتے ہوئے ان کے پیچھے لپکے۔ بلانویان جو

خوارزمی فوج کے بائیں بازو کی شکست کا باعث بنا تھا، ایک پہلو سے سلطان کے باقی ماندہ سپاہیوں کو بُری طرح دھکیل رہا تھا۔ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ تقریباً پانچ میل پسپائی کے بعد جب اپنی خیمہ گاہ کے پاس دریا کے کنارے بلند چٹانوں تک پہنچے تو ان کے ساتھ فقط سات سو جانثار باقی رہ گئے تھے۔ ۳۱

جہاد آخری سانس تک ..... یہاں ایک طرف پہاڑی چٹانوں اور دوسری طرف دریا کے کنارے کی پناہ لے کر سلطان نے گنتی کے ان چند افراد کے ساتھ تاریخوں کے خلاف نئے جوش و جذبے سے لڑنا شروع کیا، تاہم اس جگہ کے محل وقوع کے باعث ان پر صرف سامنے سے حملہ کر سکتے تھے اس لیے مجاہدین کھلے میدان کی نسبت یہاں زیادہ دیر تک شمشیر کے جوہر دکھا سکتے تھے۔ ڈھلتے ہوئے سورج کی روشنی میں یہاں حق کے پرستار ایک بار پھر اسلام کے دشمنوں سے بھڑ گئے۔

وہ محاذ جنگ جو چند گھنٹے قبل کئی میل کی وسعت پر پھیلا ہوا تھا اب دریائے سندھ کے کنارے ایک کونے میں سمٹ آیا تھا۔ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ اپنے مٹھی بھر جانثاروں کے ساتھ شہادت کی باعزت موت حاصل کرنے کے لیے آخری سانس اور خون کے آخری قطرے تک لڑنے کا تہیہ کر کے دشمن سے سرسری پیکار تھے۔ ان کی تلوار سے خون ٹپک رہا تھا، ہاتھوں پر اس خون کے لوتھڑے جم گئے تھے، زرہ اور لباس پر جگہ جگہ سرخ دھبے دکھائی دے رہے تھے۔ جب سلطان جلال الدین اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے زخمی شیر کی طرح دشمن پر حملہ کرتے تو دشمن کی صفیں الٹ پلٹ ہو جاتیں اور وہ دور دور تک پیچھے ہٹ جاتے، مگر جلد ہی ان کے تازہ دم سپاہی آگے بڑھ کر نئے جوش و خروش سے سلطان پر حملہ آور ہو جاتے۔ سلطان کے عزیز ترین ساتھی ایک ایک کر کے شہید ہوتے رہے اور دشمن کا حلقہ تنگ سے تنگ تر ہوتا چلا گیا۔ مجاہدین صبح سے شام تک مسلسل لڑنے کے بعد اب زخموں اور تکان سے چور ہو چکے تھے۔ ان کے ہاتھ سن ہونے لگے تھے، کاندھوں اور کلائیوں کی ہڈیوں سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں، مگر ان تکالیف کو بھلاتے ہوئے وہ صرف شہادت کی امید پر لڑ رہے تھے۔ ۳۲

سلطان کے بیٹے کی شہادت ..... سلطان جلال الدین اس خون ریز لڑائی میں اس قدر منہمک تھے کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے بھی قطعاً بے پروا ہو چکے تھے۔ اسی ہنگامہ محشر میں ان کے جگر کا ٹکڑا، ان کا سات سالہ شیر دل، حسین و جمیل معصوم بیٹا جو دائیں بازو کے سالار امین الملک کی حفاظت میں تھا، دائیں بازو کے تیز تر ہو جانے کے بعد کسی طرح دشمن کے ہاتھ آ گیا۔ اسے گرفتار کر کے چنگیز خان کے سامنے پیش کر دیا گیا، بے رحم چنگیز خان نے اس پیکرِ معصومیت کے تلوار سے دو ٹکڑے کر ڈالے ۳۳ سلطان جلال الدین کو اطلاع ہوئی تو زبانِ حال سے گویا ہوئے:

ہے یہ اے دل امتحاں کا وقت، رہ ثابت قدم صبر کر، حق کی مشیت پر نہ ہرگز مار دم بیٹے کی جدائی کا تیر سلطان کے جگر میں پیوست ہوا، مگر اس کو ہ استقامت کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ جنگ کی ہولناکیوں میں انہیں اپنے اس درد کی طرف التفات کرنے کا ہوش بھی نہیں تھا۔ شاید کوئی اور شے اس وقت ان کا دھیان محاذ جنگ سے نہ ہٹا سکتی، مگر یکا یک چند نسوانی چیخوں نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ یہ آوازیں لشکرِ اسلام کی خیمہ گاہ کی طرف سے آرہی تھیں۔

جلال! ... ہمیں قتل کر دے ..... سلطان جلال الدین نے پلٹ کر دیکھا، دریائے سندھ کے کنارے دشمن کے لمحہ بلحہ بڑھتے ہوئے ہجوم کے سامنے ان کی والدہ اور بیویاں کسی جائے پناہ کی تلاش میں مضطرب و بے قرار تھیں۔ وہ عظیم ماں

جس نے اپنے خون سے ان کی پرورش کی تھی، جس نے ان کی شیر خوارگی سے لے کر اب تک انہیں ہر ہر قدم پر ہزاروں شفقتوں سے نوازا تھا، جس کی تربیت نے ایک معصوم بچے کو شجاعت، غیرت، حمیت، صداقت اور ایثار کے جواہر سے آراستہ کر کے جوانی کی حدود تک پہنچایا تھا، جس کی ہزاروں دعائیں لے کر وہ معرکہ کارزار کی طرف روانہ ہوتے تھے، وہ ماں آج اپنی رداء عصمت کے تحفظ کے لیے اپنے لختِ جگر کو پکار رہی تھی..... اور وہ حیا پیکر اور وفا شعار بیویاں جو سراپا عفت و عصمت تھیں، جن کی خلوص مندی، محبت اور وفاداری شاہی محل کی آسائشوں سے لے کر میدانِ جنگ کی کلفتوں تک یکساں رہی، جن کا ہر تہم ان کے لیے راحتِ جاں تھا، آج ایک درندہ صفت دشمن کی قید میں آنے کو تھیں۔ سلطان جلال الدین تیزی سے اس طرف لپکے، انہیں دیکھتے ہی ان کی غیرت مند ماں نے چلا کر کہا:

”جلال!.. جلال!.. تجھے اللہ کی قسم دیتی ہوں..... ہمیں قتل کر دے..... ہمیں دشمن کی قید سے بچالے!!“

اب مزید کچھ کہنے سننے کا وقت نہیں رہا تھا۔ عام حالات میں سلطان جلال الدین کے لیے کھولتے ہوئے تیل میں چھلانگ لگا دینا، بھوکے بھیڑیوں سے اپنی بوٹی بوٹی نچوڑنا یا زمین میں خود کو زندہ دفن کر لینا اس سے آسان تھا کہ وہ اپنی والدہ کو اپنے ہاتھوں موت کی نیند سلائیں یا اپنی رفیقہ حیات کو خود بار زندگی سے سبکدوش کریں..... مگر اب..... لمحہ بھر تو وقف کیے بغیر وہ فیصلہ کر چکے تھے کہ ان کے لیے دریاے سندھ کی تلاطم خیز لہروں سے بہتر پناہ گاہ کوئی اور نہیں ہو سکتی..... سلطان جلال الدین دل پر پتھر رکھ کر اس فیصلے پر عمل کے لیے آگے بڑھے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس وقت سلطان کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی..... پھر کیے بعد دیگرے انہوں نے اپنی یہ مقدس امانتیں دریا کے سپرد کر دیں۔ دریاے سندھ کی موجوں نے بڑھ کر ان پاکیزہ جسموں کو اپنی آغوش میں چھپالیا..... ⑤

یہ کس جانِ عالم کا ہے وقتِ آخر کہ حالاتِ دگرگوں ہے ارض و سما کی یہ حیرت میں ہے کیوں فرشتہ اجل کا یہ نوری سے بھی بڑھ گیا کون خاکی سلطان جلال الدین کے پاس دو آنسو بہانے کی فرصت بھی نہ تھی۔ بس اک آہ سرد بھری اور شیر بکف ہو کر ایک بار پھر میدانِ جنگ میں آکودے۔ ان کے ہر حملے میں کئی تاتاری شہسوار اپنی زینوں سے کٹ کر نیچے آگرتے۔ چنگیز خان کی خواہش..... چنگیز خان حیرت زدہ نگاہوں سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا، اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ہر حال میں سلطان کو زندہ پکڑ کر لائیں۔ اس حکم کے بعد تاتاری حملہ آور سلطان پر تیروں اور نیزوں سے براہِ راست کوئی مہلک حملہ کرنے سے کترانے لگے اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنا گھیرا جنگ سے تنگ کرتے جا رہے تھے، ان کی چھوٹی چھوٹی کلڑیاں سلطان کی طرف بڑھتی تھیں اور سلطان شمشیر کے پے در پے وار کر کے انہیں مار گراتے تھے۔

چنگیز خان کا کاتب عطا ملک جوینی لکھتا ہے:

سلطان مثل شیر خنماک جنگ می کرد

”سلطان غضبناک شیر کی مانند لڑ رہے تھے۔“ ⑥

چنگیز خان شمشیر زنی میں سلطان کی مہارت کا یہ منظر بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا، وہ جانتا تھا کہ انسانی طاقت اور بساط کی ایک حد ہوتی ہے، اس لیے اسے یقین تھا کہ تھوڑی دیر میں یہ کھیل ختم ہو جائے گا۔ سلطان جلال الدین اپنے بچے کچھے ساتھیوں کے نمٹ جانے کے بعد آخر کار خود بھی تھک کر نڈھال اور نیم جان ہو جائیں گے اور کئے



ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں آ گریں گے۔

ادھر اپنے بالمقابل تاتاری سپاہیوں کا بدلتا ہوا انداز جنگ دیکھ کر سلطان جلال الدین بھی چنگیز خان کا مقصد سمجھ گئے۔ وہ لقاے شہادت کی آرزو لے کر لڑ رہے تھے، انہیں یہ بات برداشت نہ تھی کہ چنگیز خان ان کے سر پر ٹھو کریں رسید کرے اور انہیں ذلت کی زنجیروں میں جکڑ کر قہقہے لگائے۔ انہوں نے چنگیز خان کے منصوبے کو ہر صورت میں ناکام بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس دوران سلطان دشمن سے لڑتے لڑتے ایک ایسی جگہ پہنچ چکے تھے کہ چند قدم آگے بڑھنے سے وہ دشمن کے جال میں پھنس جاتے۔ سلطان کا ماموں زاد بھائی اخش ملک ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ عین موقع پر خطرہ بھانپ کر اس نے سلطان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور پوری قوت سے کھینچ کر انہیں دشمن کے زرخے سے باہر لے آیا۔<sup>(۴۵)</sup>

موت کی جست..... سلطان جلال الدین نے دریا کے کنارے چٹانوں کی بلندی پر چڑھ کر پیچھے نگاہ ڈالی، دشمنوں کا ریلا سیلاب کی طرح بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ دوسری طرف دریائے سندھ اس زور و شور سے ٹھاٹھیں مار رہا تھا کہ اس میں ایک لمحے کے لیے داخل ہونے کا تصور ہی بڑے بڑے سوراخوں کا پتہ پانی کرنے کے لیے کافی تھا، مگر سلطان جلال الدین نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے دریا میں کودنے کا فیصلہ کر لیا۔ دن بھر کی سخت لڑائی میں سلطان کا گھوڑا بھی تھک چکا تھا۔ انہوں نے ایک تازہ دم گھوڑا جو شیر کی طرح دلیر اور چیتے کی مانند تیز رفتار تھا اس پر سوار ہو کر وہ ایک بار پھر ان تاتاریوں پر حملہ آور ہوئے جو ان کے سر پر پہنچ کر ان کے آخری چند ساتھیوں کے ساتھ اُلجھے ہوئے تھے۔<sup>(۴۶)</sup> سلطان کی تلوار نے برقی آسمانی کی طرح چمک کر کئی دشمنوں کو کاٹ ڈالا۔ تاتاریوں کے پیچھے ہٹتے ہی سلطان جلال الدین نے گھوڑے کی باگ پھیری اور لب دریا جا پہنچے۔ اس بلند چٹان سے کوئی چالیس فٹ نیچے دریا کی لہریں سرسکرا رہی تھیں۔<sup>(۴۷)</sup>

تاریخ خوارزم شاہی کے مؤلف کے بقول اس مقام پر دریا کی گہرائی ایک سو اسی (۱۸۰) فٹ تھی<sup>(۴۸)</sup> جس میں جابجا خوفناک چٹانیں سر اٹھائے کھڑی تھیں۔ سلطان نے اپنے ساتھیوں کو الوداع کہا، زرہ اُتار بیٹھ گئی، پشت کو تاتاریوں کی تیر اندازی سے محفوظ رکھنے کے لیے ڈھال پیچھے لٹکائی، شاہی چتر سنجالا، نیزہ اور ترکش ساتھ لیا، گھوڑے کو چابک رسید کیا اور اللہ کو یاد کرتے ہوئے خطرناک بلندی سے بے خوف و خطر دریا کی سرکش لہروں میں کود گئے۔<sup>(۴۹)</sup>

پُر شور موجوں میں ایک گرجدار آواز پیدا ہوئی، دریا کا پانی کئی گز اوپر اُچھلا، لمحہ بھر کے لیے سلطان جلال الدین لہروں میں گم ہو گئے، مگر اگلے ہی لمحے وہ دریا کی طوفانی موجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے دریا کے دوسرے کنارے کی طرف بڑھتے نظر آئے۔ دریائے سندھ کی سرکش موجیں بار بار ان کو ڈھانپ رہی تھیں۔ تلامخ نیز دریا بڑی شدت کے ساتھ انہیں اپنے بہاؤ کے ساتھ بہنے پر مجبور کر رہا تھا۔ نومبر کے سرد مہینے میں دریا کا بخ بستی پانی، خراشوں اور زخموں سے جھلنی تھکے ماندے جسم پر قیامت ڈھار رہا تھا، مگر سلطان جلال الدین نے بے مثال صبر و تحمل اور حیرت انگیز ہمت و حوصلے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ہوش و حواس بحال رکھے، اپنی ساری طاقت جمع کر کے وہ گھوڑے کی گردن اور پشت کے ساتھ چمٹے رہے۔ وفادار گھوڑا اپنے آقا کو لے کر پیرتے ہوئے کبھی دوسرے کنارے کی طرف بڑھنے لگتا اور کبھی کوئی مخالف موج اسے اپنے ہدف سے دور کر دیتی۔ اسی اثناء میں ایک زوردار موج آئی، گھوڑے کا توازن بگڑ گیا، مگر جب موج گزر گئی تو سلطان نے دیکھا کہ وہ دوسرے کنارے کے بالکل قریب ہیں<sup>(۵۰)</sup> تھوڑی سی کوشش کر کے سلطان



جلال الدین خوارزم شاہ دریا کے مشرقی کنارے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

مجاہد کا قہقہہ..... چنگیز خان نے ہر قیمت پر سلطان جلال الدین کی زندہ گرفتاری کا حکم دیا تھا۔ جب سلطان دریا کے کنارے بلند چٹان سے کودنے کی تیاری کر رہے تھے، چنگیز خان اپنے گھوڑے کو چاک مار کر برق رفتاری سے اس طرف لپکا، اس کے بیٹے اور سرداران لشکر بھی اس کے پیچھے تھے۔ جب چنگیز خان میدان سے ہوتا ہوا دریا کے کنارے پہنچا تو سلطان جلال الدین دریا میں چھلانگ رہے تھے۔<sup>(۳۲)</sup> یہ منظر دیکھ کر چنگیز خان ششدر رہ گیا اور اس نے حیرت سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا، شاید اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کے بیٹے اور سردار بھی انگشت بندھاں ہو کر یہ تعجب خیز منظر دیکھ رہے تھے۔<sup>(۳۳)</sup>

چنگیز خان کا نشی عطا ملک ہمت و بسالت کے اس مظاہرے پر یہ شعر نذر کرتا ہے:

کیستی کے مردا زیں ساں ندید نہ ازنا مداران پیشیں شنید  
(دھرتی پر نہ تو ایسا جوان کبھی دیکھا۔ نہ ہی گزشتہ ناموروں میں کسی ایسے کے بارے میں سنا)

کچھ دیر بعد چنگیز خان نے دیکھا کہ سلطان جلال الدین صحیح و سالم دوسرے کنارے پر پہنچ چکے ہیں۔ وہ سر سے پاؤں تک پانی میں شرابور تھے۔ گھوڑے سے اتر کر سلطان نے اپنا کرتا اتارا، گھوڑے کی پشت سے زین ہٹا کر اس کا نمہ (گدا) نکالا، ترکش سے تیر نکال کر باہر پھینکے اور یہ سب چیزیں ڈھلتے ہوئے سورج کی زرد دھوپ میں خشک ہونے کے لیے پھیلا دیں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنا نیزہ گاڑ کر شاہی چتر اس پر ٹانگ دیا۔

اب اس مجاہد نے ایک نگاہ غلط انداز چنگیز خان پر ڈالی اور اسے بے بسی سے اپنی جانب گھورتا دیکھ کر بے اختیار ایک قہقہہ لگایا،<sup>(۳۴)</sup> شبہ یہ مجاہد کا وہ مستانہ قہقہہ تھا جو چینیں اور آہیں سننے کے عادی تھم کر گوجلا کر کونلہ کر دیا کرتا ہے۔ تاریخ عالم کے دوسب سے بڑے حریف یہاں ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے، یہ آسانسا منا میدان جنگ کے مقابلے مختلف تھا۔ وہاں اسلحے کا اسلحے سے ٹکراؤ تھا اور یہاں آنکھوں کا آنکھوں اور دل کا دل سے تصادم تھا..... یہاں وہ اچھی طرح ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے اور ایک دوسرے کے چہروں پر لکھی تحریر پڑھ سکتے تھے۔

اس موقع پر سلطان کا اپنی عام عادت کے خلاف بلند آہنگ قہقہہ لگانا نادر حقیقت نفسیاتی طور پر ان کی کھلی فتح کا ثبوت تھا..... جبکہ دوسری طرف چنگیز خان کی بے بسی قابل دید تھی۔ اس کا سب سے بڑا دشمن اس سے صرف چند سو قدم کے فاصلے پر تھا، مگر وہ اس کا بال تک بریک نہیں کر سکتا تھا۔ جس حریف کو ختم کرنے کا تہیہ کر کے وہ دریا ئے آمو سے یہاں تک کالے کوسوں کی مسافت طے کر کے آیا تھا وہ اس کے سامنے ہوتے ہوئے بھی اس کی دسترس سے باہر تھا۔ فاتح عالم سوز جنگ جیت کر بھی خود کو بے بس اور شکست خوردہ محسوس کر رہا تھا۔ اپنے سب سے زیادہ مطلوب حریف کے بچ نکلنے کے بعد میدان جنگ سے فاتح بن کر لوٹنا اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسے جری رہنما جب چاہیں خاک سے قلعے اور بے روح جسموں سے طاقتور لشکر بنا سکتے ہیں۔

چنگیز خان شکست خوردگی کا احساس لیے شیر خوار زم کے چہرے پر عزم کی بجلیاں چمکتے دیکھتا رہا۔ دریا ئے سندھ نے موت کی جو سرد اس کے آگے کھینچ دی تھی اسے عبور کرنا صرف سلطان جلال الدین ہی کا کام تھا۔ چند لمحوں بعد سلطان اطمینان سے اپنے چتر شاہی کے نیچے بیٹھ کر سستانے لگے۔<sup>(۳۵)</sup>

ہوئے مدفون دریا زیر دریا تیرنے والے طمانچے موج کے کھاتے تھے، بن کر گھر نکلے  
زمین سے نوریاں آسمان پرواز کہتے تھے یہ خاکی زندہ تر، پابندہ تر، تابندہ تر نکلے  
چنگیز خان کا خراج تحسین ..... چنگیز خان حیرت سے مبہوت یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کے بیٹے اونگائی اور چغتائی  
بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ چنگیز خان کے منہ سے بے ساختہ یہ جملہ نکلا:  
”بیٹا ہو تو ایسا ہو،“ (۷۴) وہ باپ بڑا خوش قسمت ہے جس کا بیٹا اتنا بہادر ہو۔“ (۷۵)

اس جیسا جوان مرد دنیا میں نہ پیدا ہوا ہے نہ ہوگا۔“ (۷۶)

اپنے خطرناک ترین حریف کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اس نے مزید کہا:

”حیرت ہے یہ شخص آگ اور پانی دونوں کی ہلاکت خیزیوں سے بچ کر ساحلِ نجات تک پہنچ گیا.....“

پھر اس نے اپنے بیٹوں اور سرداروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

”یہ انسان ہمارے لیے مزید مصائب اور بے شمار فتنوں کا باعث بنے گا۔ ہمیں اس سے ہرگز غافل نہیں رہنا

چاہئے۔“ (۷۷)

چند جو شیلے تاتاری سرداروں نے چنگیز خان سے تیر کر دریا عبور کرنے کی اجازت مانگی تاکہ سلطان کا تعاقب  
کیا جاسکے، مگر دریائے سندھ کی ہولناک موجوں کو دیکھ کر چنگیز خان نے ان کی خواہش کو حماقت پر محمول کیا۔ وہ جانتا تھا  
کہ ان میں سے کوئی بھی سلطان جلال الدین جیسا نہیں ہے کہ موت کی اس سرحد کو عبور کر سکے، اس نے اپنے سرداروں  
کو منع کرتے ہوئے کہا:

”تم اس پائے کے جواں مرد نہیں ہو..... اور یہ بھی نہ بھولو کہ وہ دوسرے کنارے سے تیر چلا کر تمہیں دریا کے  
پہنچ بچ غرق کر سکتا ہے۔“ (۷۸)

دریا عبور کرنے سے قبل جلال الدین نے شاہی خزانہ دریا میں پھینکوا دیا تھا، چنگیز خان نے غوطہ خوروں کو طلب  
کر کے اس کا بڑا حصہ دریا کی تہ سے برآمد کر لیا۔ (۷۹)

سلطان جلال الدین کے بچے کچھے اکثر ساتھی ان کے پیچھے پیچھے دریا میں کود گئے تھے۔ تاتاری تیر اندازان پر  
نشانہ آزمائی کرتے رہے۔ دریا میں کودنے والے جانبازوں میں سے بہت سے ان تیروں سے گھائل ہو کر اور بہت  
سے دریا کی پھری ہوئی موجوں کا ہو کر شہید ہو گئے۔ دریائے سندھ کے چوڑے پاٹ کا وہ حصہ جہاں تک دشمن کے تیر  
پہنچ رہے تھے خون سے سرخ ہو گیا۔ اس افراتفری کے عالم میں سلطان کے گھر کی چند خواتین اور ان کے شیرخوار بچے  
جو دریا میں نہ کود سکے تھے، دشمن کے زرنے میں آ گئے تھے۔ چنگیز خان نے ان سب کو اپنے سامنے طلب کر کے ان کے  
کلڑے اڑا دیے۔ دریا کے دوسرے کنارے پر سلطان جلال الدین زخمی قلب و جگر کے ساتھ ظلم و ستم کے یہ ہولناک  
مناظر دیکھ رہے تھے، مگر ان کے بس میں کچھ نہ تھا۔

مغرب کے وقت سات مجاہدین زندہ سلامت دوسرے کنارے تک پہنچ کر سلطان جلال الدین سے آ ملے۔ ایک  
دوسرے کو زندہ پا کر وہ سب یوں محسوس کر رہے تھے جیسے وہ موت کا نوالہ بننے کے بعد از سر نو ساحلِ حیات تک پہنچے ہوں۔  
سورج غروب ہو چکا تھا، تاریکی پھیل رہی تھی۔ سلطان جلال الدین نے ان سات ساتھیوں کو ہمراہ لیا اور

سنان جنگلات میں قدم رکھ دیا۔<sup>(۵۹)</sup> دریا کے مغربی کنارے پر کھڑا چنگیز خان حیرت و حسرت کے ساتھ وقت کے اس مردِ آہن کو دیکھ رہا تھا جو زبانِ حال سے ہر تماشا کی کو یہ پیغام دے کر جا رہا تھا.....

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوردی پر تجھے یہ تگا پوئے دما دم زندگی کی ہے دلیل  
اے رہین خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگِ رحیل  
ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام وہ حضر بے برگ و سماں وہ سفر بے سنگ و میل  
سلطان جلال الدین نے جس گھوڑے پر دریا عبور کیا تھا، وہ انہیں بہت محبوب ہو گیا تھا۔ یہ بہادر جانور مزید کئی سال تک ان کا رفیق رہا۔ یہ گھوڑا معرکہ سندھ کے پانچ سال بعد تفلیس کی فتح تک سلطان کے پاس تھا۔ اس کے اعزاز کی وجہ سے اس پر سواری نہیں کی جاتی تھی۔ (سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۶۲)

ساحلِ سندھ کے معرکہ کے اثرات..... ساحلِ سندھ کے اس تاریخی معرکہ میں اگرچہ مسلمانوں کو شکست ہوئی، لیکن ان کی قربانی اور سرفروشی رانگاں نہیں گئی۔ تاریخ پر اس معرکہ کے اثرات مثبت ہیں اور رہیں گے۔ اس لڑائی میں تاتاریوں نے اپنی تمام بکھری ہوئی قوت جمع کر کے مسلمانوں کے مقابلے میں جھونک دی تھی، مگر مجاہدینِ اسلام نے تعداد کی کمی گناہی کے باوجود تین دن تک تاتاریوں سے اس قدر شدید مقابلہ کیا کہ جس کی مثال تاریخِ عالم میں بہت کم ملے گی۔ چنانچہ اس لڑائی میں جس قدر مسلمان شہید ہوئے اس سے کئی گنا زیادہ تاتاری واصل جہنم ہوئے۔

مؤرخ ابن اثیر لکھتے ہیں: ”وكان القتل في الكفار اكثر و الجراح اعظم“ (اکال فی التاریخ، ج ۷، ص ۵۹۴) یعنی کفار کے مقتولین اور زخمیوں کی تعداد مسلمانوں سے بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ لڑائی کے انجام پر اگرچہ میدانِ تاتاریوں کے ہاتھ رہا، لیکن انہیں اپنے مقتولین کی کثرت کے باعث شدید افرادی کمی لاحق ہو گئی جس کا اثر یہ ہوا کہ چنگیز خان وادیِ سندھ و پنجاب سے آگے قدم نہ بڑھا سکا، اس کی وہ طوفانی پیش قدمی جو بڑے بڑے صوبوں کو چشمِ زدن میں روند رہی تھی یہاں آ کر ایک طویل عرصے کے لیے تھم گئی اور وہ جلد ہی مختلف عوارض سے پریشان ہو کر قراقرم واپس لوٹ گیا۔ اگر دریائے سندھ کے کنارے شہید ہونے والے ہزاروں مجاہدین کی قربانیاں نہ ہوتیں تو ارضِ ہند جو اس وقت کئی حکومتوں کا مجموعہ تھی چنگیز خان کے لیے ترنوالثابت ہوتی۔ اگر سلطان جلال الدین کے ہاتھوں اس محاذ پر تاتاریوں کو کاری زخم نہ لگتے تو چند ہی مہینوں میں ان کا دہلی، بغداد اور مشرق پر قبضہ کوئی بعید بات نہ تھی۔ تب ہی تو حافظ ذہبی جیسے عظیم صاحبِ نظر کہہ اٹھے: ”لولا ه لدا سوا الدنيا“ (اگر سلطان جلال الدین نہ ہوتے تو تاتاری تمام روئے زمین کو روند ڈالتے)<sup>(۶۰)</sup>

”نیلاب“ کہاں ہے؟..... نیلاب کا تاریخی ساحل جہاں چنگیز خان اور سلطان جلال الدین کی افواج کے مابین یہ لافانی معرکہ برپا ہوا تھا، تاریخ سے ہماری بے اعتنائی کے باعث گمنام ہو چکا تھا۔ راقم ایک عرصہ تک اسی جستجو میں رہا کہ اس تاریخی مقام کی تعیین کر کے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھے، مگر باوجود سعی بسیار کے اس مقصد تک رسائی نہ ہو سکی۔ ایک عرصہ اسی شش و پنج میں گزرا، بالاخر اللہ کے فضل و کرم سے جو اس کتاب کی تسوید و ترتیب میں ہر قدم پر شامل حال رہا، یہ عقدہ بھی حل ہو گیا۔ راقم ۲۰۰۳ء میں خود اس مقام کا سفر کر کے آیا ہے۔ اس سفر کی روداد پر سفرنامہ ”تیرے نقشِ پا کی تلاش میں“ طبع ہو کر آچکا ہے۔

نیلاب ضلع انک کا ایک گاؤں ہے جو دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے۔ انک سے پنڈی گھپ جانے والی شاہراہ پر اٹھواں میل اسٹاپ سے نیلاب کے لیے سڑک نکلتی ہے۔ یہی سڑک آگے گھوڑا تروپ کو جاتی ہے جہاں سے سلطان جلال الدین نے دریا میں چھلانگ لگائی تھی۔

آج کل نیلاب کو باغ بیاغ نیلاب کہا جاتا ہے۔ غالباً گاؤں کو نیلاب کا نام دریائے سندھ سے قرب کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ یہاں دریا کا پانی نہایت صاف و شفاف نیلگوں رنگ کا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نیلاب کا لفظ ”نیلآب“ (نیلآ پانی) سے بنا ہے جسے یہاں کے پانی کی رنگت کی مناسبت سے اس ساحل اور قریبی گاؤں پر منطبق کر دیا گیا۔ قدیم زمانے میں ”نیلاب“ خاصی اہمیت کا حامل تھا۔ ذریعہ الحواطر کے مصنف کے بقول ہندوستان کے مشہور بادشاہ شیر شاہ سوری کی تعمیر کردہ جرنیلی سڑک بنگال کے ”سارگاؤں“ سے شروع ہو کر نیلاب تک آتی تھی۔ تب دریائے سندھ پر کوئی پل نہ تھا اور نیلاب گھاٹ کے طور پر استعمال ہوتا تھا یعنی یہاں سے لوگ کشتیوں کے ذریعے دریا عبور کیا کرتے تھے۔ یہاں اب بھی کشتیاں استعمال ہوتی ہیں مگر بہت کم۔ سلطان جلال الدین بھی کشتیاں حاصل کرنے کے لیے اس جانب آئے تھے، مگر مناسب مقدار میں کشتیاں میسر نہ آنے کے سبب وہ تارکیوں کے آنے سے پہلے فوج کو دریا عبور نہ کرا سکے۔

وہ چٹان جہاں سے سلطان جلال الدین نے چھلانگ لگائی تھی ”جلالیہ“ یا ”چونگ جلالیہ“ کے نام سے مشہور ہے، قدیم بولی میں ”چونگ“ چھلانگ کو کہا جاتا ہے۔ جامع تاریخ ہند میں بھی اس کا ذکر ہے

دریائے سندھ کے پار خیر آباد کے اسٹاپ سے نظام پورہ جانے والی سڑک پر (جو دریا کے متوازی ہے) تقریباً دس کلومیٹر آگے جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ دریا کا تنگ پاٹ یک دم چوڑا ہو گیا ہے۔ اس مقام پر دریا اپنا رخ پہلے جنوب پھر مغرب اور پھر جنوب کی طرف تبدیل کرتا ہے۔ یہیں پہاڑ اور دریائے سندھ کے درمیان گھراؤہ میدان آ جاتا ہے جہاں سلطان جلال الدین اور چنگیز خان کے درمیان تاریخی معرکہ آرائی ہوئی تھی۔<sup>(۵)</sup> نیز دریائے سندھ کے اس پار صوبہ سرحد میں ایک پہاڑ ”جلالہ سار“ بھی سلطان جلال الدین کی یادگار کے طور پر موجود ہے۔ ممکن ہے یہ وہی پہاڑ ہو جس کی اوٹ میں لشکر جلالی کا ”یہاں“ یعنی بایاں بازو تعینات تھا۔ ”جلالی یہاں“ بگڑ کر ”جلالہ سار“ بن گیا ہو۔

مزید چند کلومیٹر آگے جا کر دریادوبارہ موڑ کاٹتے ہوئے بالکل تنگ ہو جاتا ہے۔ یہاں سنگی گاؤں کے قریب دریا کے موڑ پر وہ تاریخی چٹان ہے جس سے سلطان نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈالا تھا۔ اس مقام کو گھوڑا تروپ“ یا ”گھوڑا ٹپ“ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

— — — — —

## حواشی و حوالہ جات

① ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۳ تا ۵۹۴..... جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۹..... ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۸

② جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۹..... ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۸..... ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۴

③ چنگیز خان باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۱

④ سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۶، ۱۵۷..... نہایۃ الارباب ج ۷ ص ۳۶۶

⑤ سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۶، ۱۵۷..... نہایۃ الارباب ج ۷ ص ۳۶۶

سلطان جلال الدین نے غزنی سے ہندوستان جانے کے لیے دریائے سندھ تک کون سا راستہ اختیار کیا؟ اس کے بارے میں دو آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ انہوں نے اسی معروف شاہراہ پر سفر کیا جسے سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ نے اختیار کیا تھا جو درہ خیبر سے گزر کر پشاور اور اٹک تک پہنچتی ہے۔ اس رائے کی بنیاد تاریخ کی یہ مشہور روایت ہے کہ چنگیز خان سلطان جلال الدین کے تعاقب میں درہ خیبر سے ہندوستان میں داخل ہوا تھا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ سلطان نے غزنی سے پکتیا اور گردیز کا رخ کیا اور کرم ایجنسی کے علاقے سے ہوتے ہوئے دریائے سندھ تک پہنچے۔ ”افغانستان در سیر تاریخ“ کے مؤلف میر غلام محمد غبار نے یہی نقل کیا ہے۔ غور کرنے پر یہی زیادہ ترین قیاس معلوم ہوتا ہے کیوں کہ غزنی سے ہندوستان جانے کے لیے دریائے سندھ تک کا یہی راستہ مختصر ہے جبکہ درہ خیبر اور طورخم کا راستہ نسبتاً بہت طویل ہے، نیز درہ خیبر کے راستے میں ننگر ہار کا صوبہ آتا ہے جہاں سلطان سے منحرف ہونے والے امراء جمع تھے اور چنگیز خان سلطان سے ان امراء کا رابطہ منقطع کرنے کے لیے ان راستوں کی پہلے ہی ناکہ بندی کراچکا تھا، دریں حالات سلطان کا وہاں سے گزر مشکل تھا۔ واللہ علم بالصواب۔

سلطان کے اس سفر کے ممکن راستوں پر مزید غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کرم ایجنسی سے اٹک جانیکے لیے وہ پاراچنار، مری خیل اور چرات سے گزرے ہوں گے، اس طرح پشاور ان کے راستے میں نہیں آیا اور وہ براہ راست ساحل سندھ تک پہنچ گئے۔ چنگیز خان کے درہ خیبر عبور کرنے کی مشہور روایت اگر صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ چنگیز خان نے سلطان کو روکنے کے لیے مختلف راستے اختیار کیا تھا اور اس صورت میں چنگیز خان کے غزنی پہنچنے کی روایت کو غلط فہمی پر محمول کر کے یہ کہنا پڑے گا کہ اس نے غزنی سے سلطان کی روانگی کی خبر سنتے ہی کابل، جلال آباد اور پشاور کا راستہ اختیار کیا۔ تب ہی اس سے یہ ممکن ہو سکا کہ اس نے کئی دن کے سفر کا فرق ختم کر کے سلطان کو جالیا۔ ورنہ اتنے دنوں تاخیر سے چلنے والے لشکر کا سلطان تک پہنچنا بظاہر ممکن نہیں تھا۔

⑥ ابن خلدون ج ۵، ص ۱۱۹..... نہایۃ الارباب ج ۷ ص ۳۶۶..... چنگیز خان باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۱

④ چنگیز خان باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۱، جبکہ تاریخ مختصر الدول ص ۱۲۳۶ اور روضۃ الصفاق ص ۸۲۸ پر پندرہ روز تاخیر کا ذکر ہے جو بعید از قیاس ہے۔ ویسے درایت کے اصول پر چنگیز خان کے غزنی پہنچنے کی کوئی روایت قابل قبول نہیں ہونی چاہیے، صحیح یہی ہے کہ چنگیز خان نے الگ راستے سے سلطان کا تعاقب کیا تھا۔

⑧ جامع التواریخ ص ۳۷۵..... تاریخ مختصر الدول ص ۲۳۶

⑨ روضۃ الصفاق ص ۸۲۸

⑩ سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۷..... نہایت الارب ج ۷ ص ۳۶۶..... ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۸ ملحوظہ: یہاں جس مقام ”جر دین“ کا ذکر ہے اس کی صحیح تعیین نہیں ہو سکی۔ یاقوت حموی نے ”کابل اور غزنی کے درمیان جر دان“ نامی ایک بستی کا ذکر کیا ہے مگر یہ معرکہ کابل اور غزنی کے درمیان نہیں بلکہ غزنی اور پشاور کے درمیان پیش آیا تھا۔ اس لیے دونوں مقامات کو الگ الگ ہی ماننا پڑے گا۔

⑪ سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۷..... جہاں کشاج ص ۲ ص ۱۳۹، ۱۴۰

⑫ سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۷

⑬ چنگیز خان باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۱..... جہاں کشاج ص ۲ ص ۱۴۰

⑭ تاریخ خوارزم شاہی ص ۲۱۹.....

⑮ تاریخ خوارزم شاہی ص ۲۱۹

سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۲۴۰ میں بحوالہ ”منہج الکروب ج ۴ ص ۶۱ بیان کیا گیا ہے کہ یہاں انہیں کشتیاں میسر آ گئی تھیں، مگر دریا پار نہ کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اب اتنے مختصر وقت میں چند کشتیوں کے ذریعے فوج کو پار لے جانا ممکن نہیں تھا۔

⑯ روضۃ الصفاق ص ۸۲۸

⑰ چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۱

⑱ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۹

⑲ تاریخ ابن الوردي ج ۳ ص ۲۲۹..... شذرات الذهب ج ۵ ص ۷۸

قرائن کی روشنی میں یہی تاریخ درست معلوم ہوتی ہے۔ جبکہ عطا ملک جوینی اور میر خواند کے مطابق یہ معرکہ رجب کے مہینے میں پیش آیا تھا (دیکھئے جہاں کشاج ص ۱۰۷، روضۃ الصفاق ص ۸۲۸ نیز تاریخ مختصر الدول ص ۲۳۶)

⑳ جہاں کشاج ص ۱۰۶

㉑ چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۱، ۱۵۲

㉒ اسلامی انسائیکلو پیڈیا ص ۷۱

㉓ سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۲۴۰..... چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۲..... نہایت الارب ج ۷ ص ۳۶۶..... تاریخ

خوارزم شاہی ص ۱۴۵

㉔ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۵۸..... نہایت الارب ج ۷ ص ۳۶۶..... چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۲.....

شذرات الذهب ج ۵ ص ۷۸

۴۰) چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۳..... جہاں کشاج ص ۱۴۰..... سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۵۸..... نہایت الارب ج ۷ ص ۳۶۶

۴۱) چنگیز خان باب ۲۰ ص ۱۵۳..... سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۵۸..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۴۵..... جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۴۱

۴۲) چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۳

۴۳) روضۃ الصفاق ج ۴ ص ۸۲۸..... جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۴۱

۴۴) ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۹..... ابن الورودی ج ۳ ص ۲۲۹

۴۵) سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۹..... نہایت الارب ج ۷ ص ۳۶۶..... تاریخ ابن الورودی ج ۳ ص ۲۲۹..... ابوالفداء ج ۳ ص ۱۵۰..... ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۹

یاد رہے کہ ایسے مواقع پر عزت بچانے کی نیت سے اہل و عیال کو قتل کرنا یا خودکشی کر لینا اسلامی فقہ کے نقطہ نظر سے درست نہیں ہے بلکہ فقہائے اسلام لڑتے ہوئے مارے جانے یا گرفتار ہو کر قید و بند اور دوسری پیش آمدہ آزمائشوں پر صبر کرنے کی تاکید کرتے ہیں اور اس پر بے حد اجر و ثواب کا یقین دلاتے ہیں۔ اس لیے سلطان جلال الدین کا یہ عمل از روئے شرع لائق تقلید یا قابل تحسین نہیں۔

۴۶) جہاں کشاج ص ۱۰۶، ۱۰۷..... جہاں کشاج ص ۱۰۶ ۴۷) جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۴۱

۴۸) جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۴۱، ج ۷ ص ۱۰۷..... تاریخ مختصر الدول ص ۲۳۶

۴۹) روضۃ الصفاق ج ۴ ص ۸۲۸ ۵۰) خوارزم شاہی ص ۲۱۹

۵۱) جہاں کشاج ص ۱۴۱، ج ۷ ص ۱۰۷..... روضۃ الصفاق ج ۴ ص ۸۲۸..... سیرۃ جلال الدین ص ۸۴

۵۲) ابن الورودی ج ۳ ص ۲۳۰..... ابوالفداء ج ۳ ص ۱۵۰ ۵۳) چنگیز خان باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۳

۵۴) روضۃ الصفاق ج ۴ ص ۸۲۸..... جہاں کشاج ص ۱۴۲، ج ۷ ص ۱۰۷..... تاریخ مختصر الدول، ص ۲۳۶

۵۵) افغانستان در مسیر تاریخ ص ۲۲۵ ۵۶) روضۃ الصفاق ج ۴ ص ۸۲۸..... جہاں کشاج ص ۱۴۲

۵۷) جہاں کشاج ص ۱۰۷ ۵۸) چنگیز خان، باب ۲۰ ص ۱۵۳

۵۹) مقدمہ مثنوی مولانا روم، ج ۵ ص ۱۹ از مولانا قاضی سجاد حسین، حامد اینڈ کمپنی لاہور

۶۰) روضۃ الصفاق ج ۴ ص ۸۲۸..... جہاں کشاج ص ۱۴۲

۶۱) مختصر الدول، ص ۲۳۶ ۶۲) روضۃ الصفاق، ج ۴ ص ۸۲۸

۶۳) سیر اعلام النبلاء، ج ۲ ص ۲۳۸ ۶۴) سیر اعلام النبلاء، ج ۲ ص ۲۳۸

۶۵) اردو ڈائجسٹ اپریل ۲۰۰۲ء۔ جامع تاریخ ہند کے تیسرے باب کے حواشی (ص ۷۶ تا ۷۷) میں مرقوم ہے کہ وہ جگہ جہاں سے سلطان کے گھوڑے نے چھلانگ لگا لی تھی اب ”چاؤں جلالی“ کے نام سے مشہور ہے۔

## سرزمین ہند میں

نہ پوچھو مجھ سے لذت خانماں برباد رہنے کی نشین سینکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں وقت کی پکار..... سلطان جلال الدین اب سرزمین ہند میں تھے۔ اس سرزمین سے ان کا نسلی رشتہ بھی بنتا تھا۔ ان کی والدہ ہندوستانی تھیں اور اسی ملک کی سرحد پر قفسِ حیات سے آزاد ہوئی تھیں۔ آج ان کا بیٹا، اپنے ننھیال میں پناہ ڈھونڈ رہا تھا۔ ہاں! اس دن دریائے سندھ کے دوسرے کنارے سے ملحقہ جنگلات میں فروکش سلطان جلال الدین ایک لٹے ہوئے قافلہ سالار کی طرح ان پیش آمدہ حوادث پر غور کر رہے تھے جن سے دو سال کے اندر اندر عالم اسلام کا جغرافیہ بدل گیا تھا۔ دو سال قبل جس خاندان کی سلطنت کوہِ البرز سے پشاور اور دریائے سیکوں سے خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی آج اس کی سطوت کا جنازہ نکل چکا تھا۔ اور گنچ سے ساحلِ سندھ تک تمام اسلامی شہر سوختہ ہو چکے تھے۔ مملکت خوارزم کا آخری فرمانروا جنوب میں اپنی آخری سرحدوں سے بھی باہر نکلنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

سلطان کو وہ باپ یاد آیا جس کی عظمت و ہیبت سے دنیا بھر کے حکمرانوں کا پتہ پانی ہوتا تھا..... آج اس کی قبر ایک دور افتادہ جزیرے میں نشانِ عبرت بنی ہوئی تھی۔ انہیں وہ دادی یاد آئی جس کے جاہ و جلال سے ترکمان سرداروں پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا..... آج وہ تاتاریوں جیسے بے رحم دشمنوں کے چنگل میں تھی۔ محبت کرنے والی بہن خان سلطان یاد آئی جو ان کی ہر خوشی اور غم میں شریک رہا کرتی تھی..... آج وہ کسی اجڈ تاتاری شہزادے کی قید میں تھی۔ قطب الدین، آق سلطان اور رکن الدین یہ سب ان کے بھائی تھے جو شہید ہو چکے تھے..... ان کی ماں، بیویاں، اولاد، اعزہ و اقارب سب فنا کے گھاٹ اتر چکے تھے..... ہر مرحلے پر ساتھ دینے والے جاں نثار ساتھی اور عزیز ترین سالار ان لشکرِ قربان ہو چکے تھے..... پُر امن اور وفادار مسلم عوام کے سروں کی فصل کٹ چکی تھی۔ کھوپڑیوں کے مینار آسمان کو چھو رہے تھے، مگر ان سب کی قربانیوں کے بعد قوم کو کیا حاصل ہوا؟؟ ایک مکمل شکست..... ایک ذلیل دشمن کی غلامی..... کیا اب کسی جدوجہد کا میاں بی کی امید نہ رکھی جائے؟؟ کیا امت مسلمہ کی ہلاکت و استیصال کو قضائے مبرم سمجھ کر تلوار پھینک دی جائے؟؟

ان تمام سوالات پر غور کرنے کے بعد سلطان جلال الدین کے نزدیک ان کا جواب نفی میں تھا۔ عمائدِ قوم اگر ہمت کرتے اور مسلم حکمران خوابِ غفلت سے ہوش میں آ کر سر بکف مجاہدین کے دست و بازو بنتے تو یقیناً اس عظیم حادثے سے بچاؤ ہو سکتا تھا، مگر صد افسوس کہ خوارزم کے کم و بیش ایک کروڑ مسلمانوں کا قتل عام بھی ان پتھر دل حکمرانوں کے دلوں پر چوٹ نہ لگا سکا..... خلیفہ بغداد، سلطان روم، حکمران مصر، شاہِ دہلی اور فرمانروائے شام سمیت سب اربابِ اقتدار دیکھ رہے تھے کہ خوارزمی فوج اور عوام دشمن کے مقابلے سے عاجز آ چکے ہیں، مگر کسی نے ان مظلوموں کی حمایت





نہ کی..... کسی نے اپنے اوپر جہاد فرض نہ سمجھا، حالانکہ اس وقت آس پاس کی تمام اسلامی مملکتوں پر تاتاریوں سے جہاد کرنا اور خوارزمی مظلوم عوام کی حمایت میں تلوار اٹھانا شرعاً فرض ہو چکا تھا۔

سلطان جلال الدین نے ان حالات میں تلوار اٹھائی، جبکہ خوارزم کے بازوئے شمشیر زن کٹ چکے تھے، کسمپرسی کی حالات میں بھی ان کی جدوجہد پر اللہ بزرگ و برتر نے نصرت کے دروازے کھول دیے۔ کئی میدانوں میں تاتاری شکست کھا کر بھاگے، مگر افسوس کہ فیصلہ کن معرکے سے پہلے ہی ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ امراء کی غداری ان کی شکست فاش کا سبب بن گئی۔

تمام حالات پر غور کرنے کے بعد سلطان جلال الدین اسی نتیجے پر پہنچے کہ آسانی فیصلے ہمارے اجتماعی اعمال کے مطابق ہو رہے ہیں۔ اگر ایک بار ہندوستان سے لے کر بغداد اور شام تک کے حکمران امت مسلمہ کی نصرت و حمایت کے نام پر ان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائیں تو امت کے غیور فرزندوں کو اپنے گرد جمع کر کے تاتاریوں سے بدلہ لینا اب بھی ناممکن نہیں۔ انہوں نے سوچا، شہیدوں کے خون کا ہر قطرہ انتقام کا مطالبہ کر رہا ہے، اس خون کو رائیگاں نہیں جانے دیا جائے گا۔ خالی ہاتھ سلطان جلال الدین ایک نئے عزم کے ساتھ اٹھے، وہ سرزمین ہند کو اپنی جہادی مہم کے لیے نیا مرکز بنانا چاہتے تھے۔

ہو صداقت کیلئے جس دل میں مرنے کی تڑپ پہلے اپنے ہیکر خاکی میں جاں پیدا کرے  
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے  
زندگی کی قوت پنہاں کو کر دے آشکار تا یہ چنگاری فروغ جاوداں پیدا کرے

ہندوستان کی سیاسی صورتحال..... ہندوستان میں سلطان جلال الدین کے داخلے کے تفصیلی حالات پڑھنے سے پہلے مناسب ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان کے سیاسی اتار چڑھاؤ پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ فاتح ہند سلطان شہاب الدین غوری کی شہادت کے بعد غور سے لے کر بنگال تک پھیلی ہوئی ان کی عظیم سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی۔ منگل ۱۸ ذی قعدہ ۶۰۲ھ (۲۷ جون ۱۲۰۶ء) کو ان کے نائب قطب الدین ایبک نے تختِ دہلی کا خود مختار حکمران بن کر ہندوستان میں پہلی خود مختار اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) میں قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد اس کا آزاد کردہ غلام اور داماد شمس الدین التمش دہلی کا بادشاہ بنا۔ اس دوران خراسان میں غوری سلطنت کے باقی ماندہ نائبین علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے آگے سرگرم ہو چکے تھے، مگر زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ خود خوارزمی سلطنت تاتاریوں کے ہاتھوں پامال ہو گئی۔

۶۱۸ھ میں جب سلطان جلال الدین خوارزم شاہ نے دریائے سندھ عبور کر کے سرزمین ہند پر قدم رکھا تو دریائے سندھ کے مشرقی ساحل سے ملحقہ علاقے حکومتِ دہلی کے تسلط سے آزاد ہو کر چھوٹی چھوٹی مختلف ہندو ریاستوں میں بٹے ہوئے تھے۔ سندھ میں ناصر الدین قباچہ کی اور تختِ دہلی پر التمش کی حکمرانی تھی۔<sup>①</sup>

دریائے سندھ کے پار..... سلطان جلال الدین دو دن ساحلِ سندھ کے مشرقی جنگلات میں ٹہرے رہے، ان کے پیچھے ہوئے ساتھی جو دریا عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور ان کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے، ایک ایک، دو دو کر کے ان کے ساتھ شامل ہوتے رہے، یہاں تک کہ ان کی تعداد پچاس ہو گئی۔<sup>②</sup> انیسویں کے مطابق

ان میں سے تین کے نام سعد الدین علی، قلمبرس بہادر اور قلیج تھے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے تاریخ کبیر میں قاضی ابن واصل کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان سے آملنے والے بہت سے سپاہی کسی طرح کشتیوں کا انتظام کر کے دریا کے پار آئے تھے۔ جبکہ کاتب النسوی کے بیان کے مطابق سلطان کے بہت سے بہت سے سپاہی ان کے پیچھے دریا میں کود گئے تھے، ان میں سے کچھ افراد کو دریا کی موجوں نے میلوں دور ساحل پر جا پھینکا تھا، وہ سلطان کی زندگی سے لاعلم تھے اور ادھر ادھر بھٹکتے ہوئے خوش قسمتی سے سلطان سے آملے تھے۔ ان میں ضیاء الملک عارض النسوی بھی تھے جنہوں نے سلطان کے ساتھ دریا میں چھلانگ لگائی تھی، وہ اپنا قصہ خود بیان کرتے ہیں:

”میں پانی میں کود گیا حالانکہ میں جانتا ہی نہ تھا کہ پیرا کی کیا ہوتی ہے۔ میں غوطے پر غوطے کھار ہا تھا اور ڈوبنے ہی والا تھا کہ ایک بچہ ہوا سے پھولی ہوئی مشک کے سہارے تیرنا نظر آیا۔ میں نے اس کی مشک کو پکڑنے کی کوشش کی تو وہ بولا: ”زندگی چاہتے ہو تو مشک چھینو تم، بلکہ میرے ساتھ تم بھی تھامے رہو، کنارے لگا دوں گا۔“ وہ مجھے کنارے لے آیا اور غائب ہو گیا۔ میں اسے ڈھونڈتا ہی رہ گیا۔ ہمارے بہت کم ساتھی بچ کر دوسری طرف آ سکے تھے۔ اتنی کم تعداد میں بھی وہ بالکل نظر نہ آیا۔“ (سیرۃ جلال الدین ص ۱۶۱)

اسے غیبی مدد کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔ دریا کے اس تیز دھارے میں کوئی ماہر تیراک تنہا بھی بمشکل تیر سکتا ہے چہ جائے کہ ایک بچہ دوسرے کو سہارا دے کر پار لگا دے۔

بہر کیف بچ کر پار آنے والوں کا یہ چھوٹا سا گروہ اپنے محبوب رہنما کو اپنے درمیان زندہ سلامت پا کر خوشی سے نہال تھا اور کمپرسی و بے چارگی کی انتہا کے باوجود یہ سرفروش آفتوں اور آزمائشوں کے ہر پہاڑ سے ٹکرانے کے عہد کی تجدید کر رہے تھے۔ مجاہدین کی تہی دہشت کا یہ عالم تھا کہ سواریاں اور اسلحہ تو درکنار ان کو ستر پوشی کے لیے مناسب کپڑے اور کھانے کے لیے چند لقمے بھی میسر نہ تھے۔ ان میں سے بہت سے زخمی بھی تھے جن کے علاج معالجے کا کوئی انتظام نہ تھا۔

اس موقع پر ”جمال زراد“ نامی ایک شخص غیبی مددگار بن کر سلطان کی خدمت میں آن پہنچا۔ یہ سلطان کا ایک صاحب ثروت افسر تھا جو چنگیز خان سے سلطان کی معرکہ آزمائی سے پہلے اپنے مال و متاع سمیت فرار ہو گیا تھا مگر جب اسے سلطان کی شکست اور دریا کے پار آمد کا علم ہوا تو اس سے رہا نہ گیا اور اپنے آقا کی ضروریات کا اندازہ کر کے بھاری مقدار میں خوراک، کپڑے اور دیگر اجناس کا ذخیرہ ایک کشتی میں لا کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا، اس سے سلطان کے ساتھیوں کو بقدر ضرورت غذا اور ستر پوشی کے لیے لباس مل گیا۔<sup>(۳)</sup> سلطان نے خوش ہو کر نہ صرف یہ کہ اس کا جرم معاف کر دیا بلکہ اسے اپنا مقرب بنا کر اختیار الدین کا خطاب بھی عطا کیا۔ یہ واقعہ **وَيَسْرُدُفُهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ**<sup>(۴)</sup> کا ایک مظہر اور اللہ کی غیبی نصرت کا ثبوت تھا۔

بے تیغ سپاہی..... سلطان جلال الدین جلد از جلد تاری فتنے کے مقابلے میں شاہ دہلی شمس الدین التمش سے امداد طلب کرنے دہلی جانا چاہتے تھے، مگر اس سے پہلے راستے کے خطرات سے نمٹنے کا بندوبست ضروری تھا، کیونکہ تاتاریوں کے تعاقب کا خطرہ موجود تھا، اس کے علاوہ خود مقامی ہندو حکمران بھی کچھ کم خطرناک نہ تھے۔

سلطان نے آس پاس کے محل وقوع اور حالات کے جائزے کے لیے چند مجاہدوں کو جاسوس بنا کر روانہ کیا۔ ان کے ذریعے سلطان کو یہ اطلاع ملی کہ قریب ہی ہندو سپاہیوں کا ایک گروہ عیش و عشرت میں مشغول ہے۔ سلطان نے اس اطلاع کو نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے اپنے سپاہیوں کے لیے اسلحے اور سوار یوں کی فراہمی کا منصوبہ تیار کر لیا۔ انہوں نے اپنے چند سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ جنگل سے درختوں کی شاخیں کاٹ لیں۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو یہ لاشی بردار مجاہدین چپکے چپکے ہندو فوجیوں کے سروں پر جا پہنچے اور دفعہً حملہ کر دیا۔ اس کا میاب گوریلا کا رروائی میں بہت سے ہندو مارے گئے، باقی ماندہ اپنا اسلحہ، مویشی اور دیگر ساز و سامان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ یہ مال غنیمت مجاہدین کے لیے ایک غیبی امداد سے کم نہ تھا۔ ⑤

ہندو حکمرانوں سے جہاد..... ساحل سندھ کے ہندو حکمران دریا پار کے خوں ریز معرکے میں سلطان جلال الدین کی شکست اور عبور دریا کے حالات سن چکے تھے، چونکہ سلطان کی جرأت اور شجاعت کا شہرہ دور دور کے ممالک میں پھیل چکا تھا، لہذا ہندو حکمرانوں کو ہندوستانی سرحدوں میں سلطان کی آمد سے ایک طرف تو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ آئندہ چل کر یہ مرد مجاہد ہندوستان میں ایک بار پھر غزنوی اور غوری کی تاریخ نہ دہرا دے۔ دوسری طرف وہ اس بات سے بھی خوفزدہ تھے کہ کہیں تاتاری سلطان کے تعاقب میں ہندوستان کو تاخت و تاراج نہ کر دیں۔ ان خطرات کی بناء پر ہندو حکمران سلطان سے مقابلے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ سلطان اور مقامی ہندو راجاؤں کے درمیان جنگوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اور ہر معرکے میں سلطان نے تائید خداوندی سے ہندو راجاؤں کی کئی کئی گنا بڑی جمیعتوں کو شکست فاش دی۔ پہلا معرکہ..... سب سے پہلے رانا جتراجو اس ریاست کا راجا تھا جس کے نواح میں سلطان کا قیام تھا، ایک ہزار پیادوں اور پانچ سو گھڑ سواروں کے ساتھ سلطان کی تلاش میں نکلا۔ ①

سلطان کے لیے یہ حالت سخت آزمائش کے تھے، اس لیے کہ ان کے ساتھیوں کی تعداد انگلیوں پر شمار کی جاسکتی تھی اور ان میں سے بھی بہت سے معرکہ سندھ کے زخموں سے چور اور پے در پے مصائب سے نڈھال تھے۔ اکثر کے پاس اسلحہ بھینہ تھا، اس حالت میں کھلے میدان میں ایک باقاعدہ اور منظم فوج سے لڑنا ممکن نہ تھا۔ سلطان نے فوراً اپنا مستقر چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ جن زخموں میں نقل و حرکت کی سکت ہے انہیں بھی ساتھ لے لیا جائے۔ سلطان کا ارادہ یہ تھا کہ وہ دریائے سندھ کے کنارے تک پسپا ہو کر کشتیوں کے ذریعہ دریا عبور کر کے کسی ایسے سلسلہ کوہ میں چھپ جائیں جو تاتاریوں کے پڑاؤ سے بہت دور ہو۔ جب راجا ان کی تلاش سے مایوس ہو کر لوٹ جائے گا تو وہ واپس اس پار آجائیں گے۔ اگرچہ اس تدبیر پر عمل کی صورت میں دوبارہ تاتاریوں سے ٹکبھڑکا امکان بھی تھا مگر فوری خطرے سے بچاؤ کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آتا تھا۔ تاتاریوں کے بارے میں سلطان کو یقین تھا کہ وہ دریائے اس پار ان کی تلاش میں نہیں، کیوں کہ ان کے خیال میں سلطان کا دریا عبور کر کے واپس آنا ناقابل تصور تھا۔

سلطان نے یہ خطرناک، جرأت مندانہ اور عجیب منصوبہ بنا تو لیا مگر انہیں اس پر عمل کا وقت نہ مل سکا، راجا کے لشکر کی پیش قدمی شروع ہو چکی تھی۔ سلطان جلال الدین اپنے ساتھیوں کو لے کر پیچھے ہٹیں ہوئے قریب ہی جنگل میں داخل ہو گئے، پیادوں کو چھپا دیا اور گھڑ سواروں کے ساتھ ایک پہاڑ کے قریب پہنچ کر راجا سے دست بدست جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔

راجا کاشنکر سلطان کے تعاقب میں بڑھا چلا آ رہا تھا۔ پہاڑ کے قریب سلطان جلال الدین اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ کمائوں پر تیر چڑھائے ہوئے ان کے منتظر تھے۔ راجا نے دور سے سلطان کو دیکھا تو اس کا جوش و خروش آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ وہ طوفانی انداز میں اپنے سواروں اور پیادوں سمیت سلطان کی طرف بڑھا۔ سلطان چٹان کی طرح اپنی جگہ پر جمے ہوئے تھے، انہوں نے راجا کو اور قریب آنے دیا۔ جب فاصلہ کم رہ گیا تو سلطان نے تاک کر ایک ایسا تیر مارا جو سیدھا راجا کے دل میں پیوست ہو گیا۔ راجہ کی لاش گرتے ہی اس کا لشکر تتر بتر ہو گیا۔ ②

مِنْ غَهْدِ عَادٍ كَانَ مَعْرُوفًا لَنَا  
أَسْرُ الْمُلُوكِ وَقَتْلُهَا وَقَتْلُهَا  
(بادشاہوں کو قید کرنا، قتل کرنا اور ان سے مقابلہ کرنا ہماری پرانی مشہور عادت ہے۔)

اس فتح سے سلطان کے سپاہیوں کو خاصی مقدار میں اسلحہ، گھوڑے اور رسد کا سامان مل گیا۔

دوسرا معرکہ ..... چند دنوں سلطان جلال الدین کے مخبر یہ اطلاع لائے کہ چار ہزار ہندو سپاہی کچھ فاصلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ سلطان نے ان پر چھاپہ مار حملے کا منصوبہ ترتیب دیا اور ایک سو بیس جاننازوں کے ساتھ آسمانی بجلی کی طرح بے خبر دشمن پر دھاوا بول دیا۔ بہت سے ہندو سپاہی مارے گئے اور باقی ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ اس کا رروائی سے مجاہدین کو خاطر خواہ مال غنیمت حاصل ہوا، جس سے ان کی اسلحے کی کمی پوری ہو گئی۔ ③

ہندوؤں کی متحدہ فوج سے معرکہ ..... کسمپرسی کی حالات میں مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ دیارِ غیر میں لڑے جانے والے ان معرکوں میں مسلسل کامیابیوں سے جہاں سلطان کی سپاہ کو تقویت ملی وہاں مقامی راجاؤں کے لیے خطرے کا بگل بج گیا۔ ”کوہِ بلاالہ“ اور ”رکالہ“ ④ کے ہندو حکمران سلطان کی ان کامیابیوں سے گھبرا کر آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کس طرح اس خطرے کا مقابلہ کیا جائے۔ آخر انہوں نے چھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک متحدہ فوج سلطان کی طرف روانہ کی تاکہ سلطان کو قتل کر دیا جائے یا گرفتار کر لیا جائے۔

اب تک سلطان جلال الدین کے پیچھے ہوئے ساتھیوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا، تاہم اب بھی وہ پانچ سو سے متجاوز نہیں تھے۔ جب ہندوؤں کے لشکر سے سامنا ہوا تو سلطان جلال الدین نے ان پانچ سو سرفروشن کی صفیں ترتیب دے کر اس شدت سے حملہ کیا کہ بارہ گنازا اندھندو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان فتوحات نے سلطان کی مقبولیت اور قوت میں بے حد اضافہ کر دیا۔ اب بھی دور دراز سے ان کے بھولے بھٹکے سپاہی اور رضا کار آ کر لشکر میں شامل ہو رہے تھے یہاں تک کہ تین چار ہزار افراد ان کے پرچم تلے جمع ہو گئے۔ ⑤

سلطان کا تعاقب ..... چنگیز خان اب تک دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ سلطان کی ان کامیابیوں کی خبر پا کر اس نے مزید تاخیر نقصان دہ خیال کرتے ہوئے فی الفور ایک بھاری لشکر بلانویان کی قیادت میں سلطان کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ تاتاریوں کی آمد کی خبر پا کر سلطان جلال الدین نے دہلی کی طرف کوچ کیا۔ ان کی مختصر فوج بیک وقت تاتاریوں اور ہندوؤں سے ٹکرانے کے قابل نہ تھی۔ ⑥

قدرتی رکاوٹ ..... بلانویان سلطان جلال الدین کے تعاقب میں راستے کے شہروں کو تاراج کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ لاہور، ملتان اور شاہ پور (موجودہ سرگودھا) اس کی دہشت گردی کا نشانہ بنے، مگر سلطان جلال الدین اس کی پہنچ سے دور نکل چکے تھے۔ ادھر موسم گرما کی آمد کے ساتھ ہی ہندوستان کی شدید گرمی صحرائے گوبی کی بلند آب و ہوا کے

عادی تاتاریوں کے لیے ناقابل برداشت ہو چکی تھی، اس لیے تاتاری لشکر کے اکثر سپاہی بیمار ہو گئے۔ بلانویان واپس پلٹ آیا اور چنگیز خان کو بتایا کہ اس علاقے کی آب و ہوا سے ہمارے سپاہی مر رہے ہیں، یہاں کا پانی بھی تازہ اور صاف نہیں ہے۔<sup>(۱۲)</sup>

تاتاریوں نے ملتان پر شہزادے چغتائی خان کی قیادت میں حملہ کیا تھا، جہاں ناصر الدین قباچہ کی حکومت تھی۔ تاتاریوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا تھا مگر اسے فتح نہ کر سکے اور چالیس روز بعد واپس چلے گئے۔ یقیناً اس میں شہر والوں کی بلند ہستی کے علاوہ وسطی پنجاب کے شدید گرم موسم کا بھی حصہ تھا۔<sup>(۱۳)</sup>

چغتائی خان کی اس فوج نے ملتان کے بعد بلوچستان کا رخ کیا تھا اور کران و خضدار میں بے شمار خلقت کا خون بہا کر دریائے سندھ کے کنارے کالجھر میں پڑاؤ ڈال دیا تھا۔ وہیں چغتائی خان نے ہندوستان کے مختلف علاقوں سے قیدیے گئے ہزاروں انسانوں کو محض اس بناء پر قتل کرایا تھا کہ ان موجودگی سے تاتاری لشکر میں بُو پیدا ہو رہی ہے حالانکہ یہ ہندوستان کے گرم موسم کا اثر تھا۔<sup>(۱۴)</sup>

بہر کیف سلطان سے سندھ کے معرکے میں تاتاریوں کی افرادی قوت کو ایک بڑا دھچکہ پہنچ چکا تھا، اب موسم کی ناسازگاری اس پر مستزاد تھی، چنانچہ چنگیز خان نے پیش قدمی کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس طرح ہندوستان کے شمالی حصے کے سوا باقی تمام علاقہ تاتاری غارت گروں سے محفوظ رہ گیا۔<sup>(۱۵)</sup> بعض مؤرخین کے مطابق چنگیز خان کے ہندوستان میں مزید پیش قدمی نہ کرنے میں اس کے بعض توہمات اور بدشگونیوں کا دخل بھی تھا۔<sup>(۱۶)</sup>

واپسی..... چنگیز خان اب اپنے وطن واپس جانا چاہتا تھا۔ چین اور منگولیا میں اس کی واپسی اس لیے بھی ضروری ہو چکی تھی کہ وہاں اس کا نائب مقولی بہادر مرچکا تھا اور ”ہیا“ کی مفتوحہ مملکت میں بغاوت کے شعلے لپک رہے تھے۔ واپسی کے لیے ابتداء اس نے کشمیر کا رخ کیا، مگر اپنے سامنے ناقابل عبور سلسلہ کوہ دیکھ کر وہ اسی راستے کی طرف مڑ گیا جس سے وہ آیا تھا۔<sup>(۱۷)</sup>

واپسی پر پشاور کو تاخت و تاراج کر کے اس نے سمرقند کی طرف کوچ کیا۔ راستے میں غزنی کی آبادی کو تہ تیغ کر کے شہر کو تباہ کر دیا اور سلطان محمود غزنوی کی قبر سے اس کی ہڈیاں برآمد کر کے نذر آتش کر دیں۔ اسی طرح وہ زابل، غزنی اور غور سمیت خراسان کی بچی کھچی آبادیوں کو صفحہ ہستی سے مٹاتا چلا گیا تا کہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کو ان علاقوں سے مدد ملنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔<sup>(۱۸)</sup>

نظارہ عبرت..... اب تک مسلمان قیدیوں کی بہت بڑی تعداد تاتاریوں کی جبری خدمت کے لیے ان کے ساتھ ساتھ گھسٹی پھر رہی تھی، اب چونکہ ان کی ضرورت نہیں رہی تھی، اس لیے چنگیز خان کے حکم سے ان کا قتل عام کر دیا گیا۔<sup>(۱۹)</sup> سمرقند میں کچھ وقت گزار کر چنگیز خان نے شمال مشرق کی طرف کوچ کیا۔ فتح کی تکمیل کی خوشی دوبالا کرنے کے لیے اس نے مادر خوارزم شاہ بوٹھی ملکہ ترکان خاتون اور شاہی خاندان کی دیگر بیگمات اور شہزادیوں کو حکم دیا کہ وہ سارے لشکر کے آگے آگے چلیں اور بلند آواز سے خوارزم شاہ اور اس کے تاج و تخت پر نو حو زاری کریں۔<sup>(۲۰)</sup>

دریائے سیحون کے کنارے جہاں سے چنگیز خان خوارزم میں داخل ہوا تھا، ایک سبزہ زار میں چنگیز خان نے تمام سرداران لشکر کو قروا لئی کے لیے طلب کیا۔ اس جشن کا جو نقشہ ہیر لڈیمب نے کھینچا ہے اس کا ایک عبرت انگیز اقتباس

درج ذیل ہے:

”اس وقت چنگیز خان..... محمد خوارزم شاہ کے تخت پر بیٹھا، جسے وہ سمرقند سے اپنے ساتھ لایا تھا۔

اس کے پاس اس مرحوم مسلمان بادشاہ کا تاج اور شاہی عصا رکھا تھا۔ جب قرولتائی کا آغاز ہوا تو خوارزم شاہ کی والدہ (ترکان خاتون) کو گھسیٹ کر لایا گیا، اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی تھیں۔“

(چنگیز خان، باب نمبر ۲۱ ص ۱۵۹)

چنگیز خان صحرائے گوبی کی طرف روانہ ہوا تو وہ مطمئن تھا کہ اب اس کے حریفوں کی طاقت فنا ہو چکی ہے۔ ساحل سندھ سے بحیرہ خزر کے پار تک تاری پرچم لہرا رہے تھے اور مسلمانوں کی اس عظیم سلطنت کی چند فیصد آبادی جو زندہ بچ گئی تھی فاتحین کی غلام بن چکی تھی۔

شاہِ دہلی کے در پر..... سلطان جلال الدین نے دہلی سے دو تین منازل کے فاصلے پر ڈیرے ڈال کر ایک معتمد مشیر سید عین الملک کو قاصد بنا کر سلطان شمس التمش کے دربار میں بھیجا تاکہ التمش کو تاری فتنے کی ہمہ گیر ہولناکیوں اور عمومی تباہ کاریوں سے آگاہ کیا جائے اور امت مسلمہ کے مستقبل کو لاحق خطرات کی صحیح تصویر پیش کر کے شاہِ دہلی سے اسلام اور ملت کے نام پر امداد طلب کی جاسکے۔ التمش کے نام اپنے خط میں سلطان نے تحریر کیا تھا:

”إِنِّ الْكَرَامَ لِلْكَرِيمِ مَحَلَّ (یقیناً شریف آدمی شریف لوگوں کے پاس ٹھہرتا ہے۔) زمانے کے

حوادث نے مجھے آپ کے پڑوس میں آنے اور ملاقات کرنے کا حق دیا ہے۔ ایسے مہمان بہت کم آیا کرتے ہیں، اگر ہم پاکیزہ محبت اور کامل بھائی چارے کا مظاہرہ کریں اور خوشحالی و بد حالی میں باہمی تعاون اور امداد کا عہد و پیمان کر لیں تو ہمارے تمام مقاصد اور اغراض ہمیں آسانی سے حاصل ہو سکیں گے اور ہمارے دشمن جب ہمارے اتحاد و یکجہتی کی اطلاع پائیں گے تو ان کی جارحیت کے دانت کند ہو جائیں گے۔“ (۲۱)

التمش کا جواب..... سلطان شمس الدین التمش ایک محتاط طبیعت حکمران تھے، سلطان جلال الدین کی کھلم کھلا دکرنا ان کے لیے کئی پیچیدگیاں اور مسائل پیدا کر سکتا تھا۔ وہ خود اندرونی شورشوں اور سازشوں کو بمشکل دبا کر اپنا تخت و تاج سنبھالے ہوئے تھے۔ پنجاب اور سندھ میں قباچہ اور اس جیسے بعض باغی ابھی تک ان کے قابو سے باہر تھے، ان کے پڑوسی خود مختار ہندو راجے پہلے ہی سلطان جلال الدین سے دشمنی ظاہر کر چکے تھے۔ نیز سلطان جلال الدین کی شجاعت، جنگی مہارت اور شہرہ آفاق دبدبے کو دیکھتے ہوئے التمش کو اس بات کا بھی خوف تھا کہ کہیں وہ ہندوستان میں اپنے قدم جما کر دہلی کے تخت کے لیے ایک مستقل خطرہ نہیں بن جائیں۔ ان وجوہات سے قطع نظر کر کے التمش کو سب سے زیادہ خدشہ اس بات کا تھا کہ سلطان کی اعانت و نصرت سے تاتاریوں کو ہندوستان پر حملے کا بہانہ مل جائے گا۔ یہ ایک ایسا خطرہ تھا جس کا تصور ہی اس دور کے حکمرانوں کو لرزانے کے لیے کافی تھا۔

مگر ان تمام باتوں کے باوجود چونکہ سلطان جلال الدین بہر حال ان کے پڑوسی اور ایک مسلم حکمران تھے اور انہوں نے اسلام اور ملت کے نام پر ان سے امداد طلب کی تھی، اس لیے سلطان التمش نے صاف صاف لفظوں میں انکار کرنا بھیجیے مروتی سمجھا۔ آخر کار کئی دن کی سوچ بچار کے بعد انہوں نے سلطان کے لیے قیمتی تحائف اور لشکر کے لیے سامانِ رسد کے بھاری ذخیرے کے ساتھ اس مضمون کا جوابی مراسلہ بھیجا:

”ہندوستان کی آب و ہوا آپ کے لیے ناسازگار ہے، یہاں آپ کے لشکر کی صحت پر بہت بُرا اثر پڑے گا، بہتر ہوگا کہ آپ کسی اور خطے کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنائیں، لیکن اگر آپ یہیں رہنا پسند کرتے ہیں تو ہم آپ کے قیام کے لیے دہلی کے نواح میں ایک قطعہ زمین مخصوص کرنے کے لیے آمادہ ہیں، نیز اس ملک کے غیر مفتوحہ علاقوں میں سے جو علاقے بھی آپ اپنی طاقت کے ذریعے باغیوں اور فتنہ پردازوں سے پاک کریں گے ہم ان پر آپ کی حکومت تسلیم کر لیں گے۔“

سلطان التمش کے جوابی خط سے سلطان جلال الدین کو معلوم ہو گیا کہ حکومت دہلی کھلم کھلا اس جہاد میں اس کے ساتھ شریک ہونے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس طرف سے ناامید ہو کر انہوں نے اپنی عنانِ عزیمت مغربی پنجاب اور سندھ کے علاقوں کی طرف پھیر دی تاکہ اپنی قوت بازو سے کچھ علاقے فتح کر کے مستقبل کے طوفانوں کے سامنے بند باندھنے کی کوئی سبیل پیدا کر سکیں۔ ۳۱

پنجاب اور ساحلِ سندھ کی تازہ فتوحات ..... ساحلِ سندھ کے حکمرانوں کو سلطان جلال الدین کی پیش قدمی کی اطلاع ہوئی تو وہ گھبرا گئے۔ دریائے سندھ کی وادی کے سب سے بڑے راجہ رائے کھوکھر سنگھ نے سلطان کی شمشیر بے نیام کے سامنے سرنگوں ہو کر اظہارِ اطاعت و فرمانبرداری کیا اور اس ارادے کی توثیق کے لیے اپنا بیٹا سلطان کی خدمت میں بھیج دیا۔ سلطان نے اس پر اظہارِ مسرت کرتے ہوئے راجہ کے بیٹے کو ”قتلغ خان“ کے خطاب اور خلعتِ شاہانہ سے نوازا۔ ادھر حاکم پنجاب قباچہ کے نائب قمر الدین نے بھی سلطان کو تحائف پیش کر کے خیر سگالی کا اظہار کیا۔ ۳۲

”کوہِ جوڈ“ کا حاکم سلطان کی طاقت کو فنا کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس مقصد کے لیے وہ ایک فوج تیار کر چکا تھا۔ سلطان جلال الدین اپنی کمزوری کے باعث اب تک اس سے مقابلے سے کتراتے رہے تھے، مگر دہلی سے واپسی کے وقت ان کے لشکر کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی تھی، لہذا اب سلطان جلال الدین نے اس حریف کی گوشمالی ضروری سمجھی اور اپنے سالار تاج الدین ملک کو فوج کے ایک حصے کے ساتھ اس کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ تاج الدین ملک نے حریف کو شکست دی اور بھاری مقدار میں مالِ غنیمت حاصل کر لیا۔ ۳۳

غیاث الدین کی نو تشکیل حکومت ..... سلطان کی فوج میں حالیہ اضافے کی ایک بڑی وجہ عراق سے خوارزمی سپاہیوں کی تازہ کمک تھی۔ ہوا یہ تھا کہ سلطان جلال الدین کا بھائی غیاث الدین تاتاریوں کی عارضی واپسی کے بعد عراق اور ایران کا کچھ حصہ واپس لینے میں کامیاب ہو گیا تھا، تاتاریوں کے حملے کے دوران وہ ایرانی شہر اصفہان کے مستحکم قلعے میں پناہ گزین رہا تھا، خوش قسمتی سے تاتاری اس شہر پر قبضہ نہ کر سکے اور کافی مدت تک محاصرہ کرنے کے بعد واپس چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد سلطنتِ خوارزم کے ہزاروں منتشر سپاہی غیاث الدین کے گرد جمع ہو گئے اور کرمان سے خراسان تک خاصے وسیع علاقے اس کے لیے مسخر کر ڈالے، مگر شہزادہ خود نا تجربہ کار اور عیش پرست انسان تھا، امور سلطنت سے اتنا لاپرواہ تھا کہ امور سلطنت کی تمام دیکھ بھال اس کی والدہ کو کرنا پڑتی تھی۔ اس صورتحال میں کہنہ مشق سرداروں کی رائے یہ تھی کہ سلطان جلال الدین واپس آ کر اس نو تشکیل حکومت کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں سنبھالیں اور غیاث الدین ان کا نائب بن کر رہے۔ پہلے پہل ان امراء اور سرداروں نے سلطان سے اس موضوع پر خط و کتابت کی اور پھر ان میں سچند امراء مثلاً سبختان خان، اپجی پہلوان، اور خان اور تشارق جنگشی اپنے سپاہیوں



سمیت سلطان کی خدمت میں آن پہنچے اور اپنا مدعا دہراتے رہے۔ اس تازہ ملک سے سلطان کی قوت میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا۔ النسوی کا بیان ہے کہ ان کی آمد سے سلطان کو اتنی تقویت ملی کہ وہ قباچہ سے جنگ شروع کرنے کے لیے تیار ہو گئے جس کے اسباب پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے۔ (سیرۃ جلال الدین، ص: ۱۶۴)

قباچہ کی شرائط گزیریاں ..... آپ پڑھ چکے ہیں کہ دریائے سندھ کے کنارے تاتاریوں سے لڑائی میں سلطان جلال الدین کا سپہ سالار امین الملک شکست کھا کر پشاور کی طرف فرار ہو گیا تھا۔ فرار ہوتے وقت امین الملک نے اپنی بیٹی کو جو سلطان جلال الدین کے نکاح میں تھی، اپنے ساتھ اپنی حفاظت میں لے لیا تھا، مگر راستے میں پشاور کے قریب تاتاریوں نے امین الملک کے قافلے کو گھیر لیا۔<sup>(۱۵)</sup> امین الملک اور اس کے اکثر رفقاء شہید ہو گئے، جبکہ اس کا کم سن بیٹا قارن خان اور اس کی بیٹی (زوجہ سلطان جلال الدین) کسی نہ کسی طرح جان بچا کر بھاگ نکلے، مگر ہر طرف موت منہ کھولے کھڑی تھی، کوئی سر پر ہاتھ رکھنے والا نہ تھا، سلطان جلال الدین کا کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہیں۔ آخر دردر کی خاک چھانتے، مصائب سہتے ہوئے، یہ دونوں بھائی بہن سندھ پہنچ گئے جہاں ناصر الدین قباچہ کی حکومت تھی۔

بد قسمتی سے یہاں کلور کے علاقے میں وہ لالچی لوگوں کے ہتھے چڑھ گئے۔ قارن خان کے کان میں ایک قیمتی موتی تھا، ایک بد بخت نے معصوم یتیم بچے کو قتل کر کے وہ موتی چھین لیا اور قباچہ کے پاس جا کر اسے بطور تحفہ پیش کر دیا۔ بے رحم قباچہ نے قاتل کے اس جرم پر کوئی کارروائی کرنے کے بجائے اس کے تحفے کو نہ صرف قبول کر لیا، بلکہ اسے انعام و اکرام سے بھی نوازا۔ تاہم امین الملک کی بیٹی کے ساتھ اتنی رعایت کر لی کہ اسے اپنے ہاں رہنے کی جگہ دے دی۔

انہی دنوں قباچہ کے دربار میں سلطان جلال الدین کے شکست خوردہ لشکر کے منتشر افراد میں سے دو اہم اشخاص بھی پہنچے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک تو شمس الملک شہاب الدین تھا جو علاء الدین محمد خوارزم شاہ کے زمانے سے سلطان جلال الدین کا وزیر چلا آ رہا تھا۔ دوسرا شخص نصرت الدین محمد تھا جو ہرات کے نامور غوری حاکم حسن بن خرمیل کا بیٹا تھا۔ نصرت الدین محمد کو کسی طرح قباچہ کے ہاں امین الملک کے بیٹے کے قاتل کے اعزاز کا علم ہوا تو وہ غصے سے کھول اٹھا، مگر حالات سے مجبوری کے باعث کچھ نہ کر سکتا تھا، اس لیے خاموش رہا۔

دوسری طرف قباچہ نے یہ سمجھ کر اب سلطان جلال الدین ہمیشہ کے لیے تخت و تاج سے محروم ہو کر ایک بھولا بسرا افسانہ بن چکے ہیں، سلطان کے وزیر کی موجودگی میں سلطان کی شان میں کوئی حد درجے قابل اعتراض بات کہہ دی۔ شمس الدین اس گستاخی کا چشم دید گواہ تھا، مگر وہ بھی حالات کو دیکھ کر مہر بلب رہا، مذکورہ دونوں واقعات قباچہ کو سلطان جلال الدین کے عتاب کا مستحق بنا سکتے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جب سلطان جلال الدین نے دہلی سے واپس آ کر سندھ کے ساحل پر یلغار کی تو ان کو معلوم ہوا کہ ان کی ایک بیوی (دختر امین الملک) ان کا مصاحب نصرت الدین محمد اور ان کا وزیر سلطنت شمس الملک اس وقت قباچہ کی پناہ میں ہیں۔ چنانچہ سلطان نے قباچہ کو مراسلے میں لکھا کہ وہ ان سب کو فوراً ان کے پاس روانہ کر دے۔ پیغام ملنے پر قباچہ نے سلطان کی زوجہ کو قیمتی تحائف کے ساتھ جن میں ایک جنگی ہاتھی بھی شامل تھا، خدمتِ سلطانی میں بھیج دیا، لیکن شمس الملک کے بارے میں قباچہ کو خدشہ تھا کہ وہ اس کے منہ سے نکلے ہوئے نازیبا کلمات سے سلطان کو مطلع کر دے گا۔ اس خوف سے قباچہ نے شمس الملک کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ قباچہ کی تیسری شرائط گزیر تھی۔

قباچہ کو نصرت الدین محمد کے بارے میں اطمینان تھا کہ وہ اس کے حق میں مضرت ثابت نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ تھی کہ قباچہ اور نصرت الدین دونوں کے خاندان غوری سلاطین کے نمک خوار رہے تھے۔ اس قدیم تعلق کے باعث قباچہ نے نصرت الدین سے کوئی خطرہ محسوس نہ کیا اور اسے یہ پیغام دے کر سلطان جلال الدین کی خدمت میں بھیج دیا کہ شمس الملک طبعی موت مر گیا ہے۔<sup>(۴۸)</sup> لیکن نصرت الدین کے بارے میں قباچہ کا اندازہ غلط تھا۔ اس میں شک نہیں کہ نصرت الدین کا خاندان غوری حکمرانوں کا پروردہ اور خوارزم شاہی خاندان کا حریف رہا تھا، خود نصرت الدین کا باپ حسن بن خرمیل خوارزمی فوج کے ہاتھوں قتل ہوا تھا،<sup>(۴۹)</sup> مگر ان تمام باتوں کے باوجود نصرت الدین سلطان جلال الدین کا سچا خیر خواہ اور جانثار تھا اور انہیں عالم اسلام کی سرحدوں کا محافظ یقین کرتے ہوئے ان کے ایک اشارے پر کٹ مرنے کو تیار رہتا تھا۔

قباچہ سے ٹکرا..... سلطان جلال الدین کی خدمت میں پہنچ کر نصرت الدین نے قباچہ کا سارا کچا چھایان کر دیا۔ امین الملک کے بیٹے کے قاتل پر قباچہ کی نوازشوں اور شمس الملک کے قتل کا حال سن کر سلطان جلال الدین کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اس وقت تک سلطان کے بھائی غیاث الدین کے چند منحرف امراء اپنے سپاہیوں سمیت ایران سے ہندوستان چلے آئے تھے جس سے سلطان کی قوت خاصی بڑھ گئی تھی پس اب قباچہ سے ٹکرا لینا کوئی مشکل نہ تھا۔ سلطان نے پہلے قباچہ کے مضبوط گڑھ کلور (موجودہ کلور کوٹ) پر حملہ کیا۔ یہی وہ شہر تھا جہاں معصوم بچے قارن خان کو قتل کیا گیا تھا۔ سخت محاصرے اور دن رات جنگ کے بعد کلور فتح کر لیا گیا، اس جنگ کے دوران ایک دھاوے میں سلطان کا ہاتھ تیر سے زخمی بھی ہوا۔ پھر قلعہ پر نوزج پر دھاوا بول کر اس پر قبضہ کیا گیا، یہاں بھی سلطان کو تیر سے زخم لگا۔ وجہ یہ تھی کہ یہاں بھی سلطان سپاہ کے شانہ بشانہ قلعے پر حملے میں شامل تھے۔<sup>(۵۰)</sup>

ان فتوحات کے بعد زخمی سلطان نے دم لیے بغیر اپنے سالار جہاں پہلوان اوزبک کو سات ہزار سپاہی دے کر قباچہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کر دیا۔ اس فوج میں راجا کھوکھر سنگھ کا بیٹا بھی شامل تھا۔ قباچہ نے بیس ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر لے کر دریائے سندھ کے ساحل سے کوئی ایک فرسنگ دور ”اُچ“ کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔<sup>(۵۱)</sup>

جہاں پہلوان نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ طوفانی انداز میں یلغار کر کے راتوں رات قباچہ کے لشکر پر شب خون مارا۔<sup>(۵۲)</sup> قباچہ کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور سارا لشکر منتشر ہو گیا۔ جہاں پہلوان نے قباچہ کی لشکر گاہ سے بے اندازہ مال غنیمت حاصل کیا اور سلطان کو اس کامیابی کی اطلاع بھجوا دی۔<sup>(۵۳)</sup> سلطان نے خود پیش قدمی کی اور ”اُچ“ پہنچ کر قباچہ کی سابقہ لشکر گاہ میں ڈیرے ڈال دیے۔ قباچہ جہاں پہلوان کے مقابلے سے فرار ہو کر دریائی جزیرے پر واقع قلعہ بکر (بھکر)<sup>(۵۴)</sup> میں جا چھپا تھا، کچھ دن بعد موقع پا کر وہ وہاں سے نکل کر ملتان پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔<sup>(۵۵)</sup>

موسم گرما شروع ہو چکا تھا۔ شدت کی گرمی پنجاب کے ان میدانی علاقوں میں غضب ڈھا رہی تھی۔ سلطان جلال الدین نے ”بلالہ“، ”رکالہ“ اور ”جود“ کے پہاڑوں کا رخ کیا تاکہ موسم گرما وہاں بسر کریں۔ راستے میں ”بس راور“ (پسرور) نامی ایک قلعے کے محاصرے کے دوران سلطان خود بھی زخمی ہو گئے، کیوں کہ وہ حملے میں عام سپاہیوں کے ساتھ شریک تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک تیر پیوست ہو گیا تھا۔<sup>(۵۶)</sup> بہر حال قلعہ فتح ہو گیا۔ سلطان نے موسم گرما کا کچھ عرصہ اپنی پہاڑی چھاؤنی میں گزارا۔<sup>(۵۷)</sup> کچھ مدت بعد انہیں اطلاع ملی کہ کچھ تاتاری فوجی دستے ان کی تلاش میں ان بلند علاقوں کے قریب نقل و حرکت کر رہے ہیں۔ مورخ فرشتہ کا بیان ہے کہ اس تاتاری فوج کی کمان

چغتائی خان کے پاس تھی جبکہ قرین قیاس ہے کہ یہ تاتاری مقبوضہ علاقوں کی سرحدات کے گشتی دستے تھے۔ بہر حال سلطان نے ان سے مذہبیٹر مناسب نہ سمجھی اور دوبارہ پنجاب کا رخ کیا۔

مؤرخ فرشتہ بتاتا ہے کہ سلطان کو شک گزرا تھا کہ حاکم پنجاب قباچہ ان کے خلاف چغتائی خان کی مدد کر رہا ہے، اسی لیے انہوں نے تاتاریوں سے لڑنے کی بجائے قباچہ پر دباؤ ڈالنے کے لیے پنجاب کا رخ کیا۔<sup>(۷۵)</sup> لاہور، اُچ اور سدوستان کی فتوحات..... ملتان سے گزرتے ہوئے انہوں نے قباچہ سے نعل بہا (ایک قسم کا ٹیکس جو بانج گزاریوں سے لیا جاتا ہے) طلب کیا۔ قباچہ نے دینے سے انکار کر دیا اور لڑائی کی تیاری کرنے لگا۔ سلطان نے فی الحال اس سے الجھنا خلاف مصلحت خیال کرتے ہوئے کچھ دیر قیام کے بعد لاہور کی طرف کوچ کر دیا۔ قباچہ کا بیٹا لاہور کا خود مختار حکمران تھا، اس نے اظہار اطاعت کر کے خود کو محفوظ رکھا۔<sup>(۷۶)</sup>

اُدھر ”اُچ“ کے باشندے سلطان جلال الدین کے خلاف سر اٹھا رہے تھے۔ سلطان ”اُچ“ کو مسخر کرتے ہوئے صوبہ سندھ کے علاقے ”سدوستان“ (سینہون) پہنچے۔<sup>(۷۸)</sup> قباچہ کی جانب سے نامزد یہاں کا حاکم فخر الدین سالاری مقابلے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ سلطان جلال الدین کے ہراول دستے جو ”اورخان“ کی قیادت میں تھے جب یہاں پہنچے تو سدوستان کے سپہ سالار ”لاجین خٹائی“ نے سخت مزاحمت کی، مگر بالآخر مارا گیا۔ ”اورخان“ نے آگے بڑھ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔

سلطان جلال الدین باقی لشکر کے ساتھ جب یہاں پہنچے تو حاکم سدوستان فخر الدین شمیر اور کفن کا کپڑا ہاتھ میں لیے ہوئے نہایت عاجزانہ انداز میں سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا، معذرت کی اور اطاعت و فرماں برداری کا عہد کیا۔ سلطان نے درگزر سے کام لیا اور اسے سدوستان کی حکومت پر بحال رکھا۔<sup>(۷۹)</sup> دہلی میں..... سدوستان میں ایک ماہ قیام کے بعد سلطان جلال الدین نے ”دہلی“ کی طرف کوچ کیا<sup>(۸۰)</sup> اور لشکر کا ایک حصہ اپنے بہترین سالاروں کی قیادت میں ”نہروالہ“ کی طرف روانہ کر دیا۔

دہلی، بحیرہ عرب کے کنارے واقعے ایک اہم عسکری اور تجارتی شہر تھا۔ ابتداء اموی دور خلافت میں محمد بن قاسم نے اسے فتح کیا تھا، عباسی دور میں بھی یہ اسلامی خلافت کے ماتحت رہا، مگر آثار و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) میں جب سلطان جلال الدین خوارزم شاہ نے اس شہر پر حملہ کیا تو اس وقت یہاں ہندوؤں کی حکومت تھی۔

”جہاں کشاجوینی“ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اس شہر میں کوئی مسجد تک نہیں تھی۔ سلطان جلال الدین نے دہلی پر بزورِ شمیر قبضے کے بعد شہر کے بُت خانے (مندر) کی جگہ ایک جامع مسجد تعمیر کرائی،<sup>(۸۱)</sup> چونکہ شہر جنگ کے ذریعے فتح ہوا تھا، اس لیے سلطان ہندوؤں سے کسی ایسے معاہدے کے پابند نہ تھے کہ جس کی رو سے ان کا مندر کی جگہ پر مسجد تعمیر کرنا قابلِ اعتراض بات ہو۔

ایک تاریخی تحقیق..... کراچی سے کوئی چالیس میل دور حیدر آباد جانے والی شاہراہ کے کنارے ”بھنہور“ نامی ایک تباہ شدہ شہر کے کھنڈرات ہیں، محکمہ آثار قدیمہ پاکستان کی جانب سے اس قدیم شہر کے حالات پر ”بھنہور“ نامی ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں بہت سے قرائن و آثار سے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ”بھنہور“ دراصل ”دہلی“ ہی کا

دوسرا نام ہے۔ ”نبھور“ تباہ کیسے ہوا؟ اس کے متعلق مذکورہ کتابچے میں تحریر کیا گیا ہے:

”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبھور کا زوال تیرہویں صدی میں ہوا۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ اسی زمانے میں دریا (دریائے سندھ جو اس زمانے میں اس شہر سے کچھ فاصلے پر بہتا تھا) نے اپنا راستہ بدل لیا تھا۔ دوسرے اسی زمانے میں یہاں شدید قسم کا ہنگامہ برپا ہوا تھا جس کے نشانات تمام کھنڈرات میں ملتے ہیں۔ مختلف حصوں میں جہاں جہاں کھدائیاں ہوئی ہیں مردوں کے بے شمار ڈھانچے نکلے ہیں..... اس ضمن میں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ جلال الدین خوارزم شاہ نے تیرہویں صدی کے وسط میں سندھ پر حملے کے دوران کئی ساحلی قصبات فتح کر لیے تھے، حتیٰ کہ ”دہیل“ کی آخری تباہی بھی اس سے منسوب کی جاتی ہے۔“ (نبھور، ص: ۳۲)

اسی عبارت میں ”منسوب کی جاتی ہے“ کے الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ یہ روایت کمزور ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ تاریخ کی مشہور اور متداول کتب میں سے کسی ایک میں بھی سلطان کو دہیل کی تباہی کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا گیا، البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے یہاں قبضہ کیا تھا۔

نئی فتوحات..... دہیل کی فتح کے ساتھ ہی سلطان جلال الدین نے ”دہریلہ“ پر قبضہ کر لیا۔ اسی دوران ان کے دوسرے جرنیل ”نہروالہ“ کو فتح کر کے بڑی مقدار میں مالی غنیمت اور بار بار داری اور سواری کے اونٹ حاصل کر چکے تھے۔<sup>(۳۷)</sup> سلطان التمش سے رنجش کے اسباب..... ہندوستان میں سلطان جلال الدین کی آمد کا یہ دوسرا سال تھا۔ اس دوران نت نئی مہمات نے انہیں کسی کروٹ فارغ نہ بیٹھنے دیا۔ سلطان دیکھ چکے تھے کہ ان کے ہمسائے ایک عالمی طوفان کی تباہ کاریوں کی ہمہ گیری ملاحظہ کر کے بھی ان کا ساتھ دینے پر تیار نہیں ہیں۔ تجربے نے ان کو یہ سبق دیا تھا کہ اس دنیا میں صرف طاقت کا احترام کیا جاتا ہے۔ بازی ہارے ہوئے شکستہ حال سپاہی کو کوئی نہیں پوچھتا۔ اس بناء پر تقریباً ایک سال سے زائد مدت تک سلطان کی کوشش بیکر رہی کہ زیادہ سے زیادہ قوت فراہم کی جائے تاکہ تاتاریوں سے آئندہ کسی جنگ میں ان کی حیثیت کرائے کے سپاہیوں کے سہارے میدان جنگ میں اترنے والے سالار کی سی نہ ہو۔

سلطنتِ دہلی کے تاج دار سلطان شمس الدین التمش کے عدل و انصاف، پرہیزگاری، شجاعت اور حسن خلق میں کلام نہیں، مگر سلطان جلال الدین اور سلطان التمش کے درمیان منافرت کی ایک خلیج حائل ہو چکی تھی جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ سلطان التمش نے زبردست لشکر و سپاہ کا مالک ہونے کے باوجود اپنی داخلی مصلحتوں کی بناء پر سلطان جلال الدین کا کماحقہ ساتھ دینے سے پہلو تہی کی تھی۔ سلطان جلال الدین جو ملتِ اسلامیہ کے عمومی مفاد کی بھیک مانگنے التمش کے دروازے پر حاضر ہوئے تھے، اس خلاف توقع سلوک پر حکومتِ دہلی سے سخت نالاں ہو گئے اور دن گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی یہ کیفیت ترقی کرتی رہی۔ چنانچہ پنجاب و سندھ کے ایک وسیع علاقے پر قبضہ کرنے کے بعد سلطان کو اس بات سے باک نہ ہوا کہ اب وہ التمش کے مقبوضات پر ہاتھ صاف کرنے کا آغاز کریں، مگر درحقیقت سلطان کا یہ فیصلہ خلاف مصلحت تھا۔ آئندہ حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ اگر سلطان ایسا نہ کرتے تو انہیں ہندوستان کے اپنے مفتوحہ علاقوں میں اچھی طرح قدم بجانے کا موقع مل سکتا تھا۔

خانسر کا میدان جنگ..... سلطان جلال الدین اور شمس الدین التمش کے مابین چھیڑ چھاڑ کا آغاز خانسر سے ہوا جو

حکومت دہلی کی عملداری کے ماتحت سندھ کا ایک شہر تھا (آج کل اسے کھنسر کہا جاتا ہے، یہ ضلع تھرپارکر میں عمرکوٹ کے مشرق میں ہے)۔ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ اپنی مختصر فوج لے کر خاسر کی طرف بڑھے تاکہ شہر پر قبضہ کر لیں۔ حاکم شہر نے سلطان سے مرعوب ہو کر اقرار وفاداری کیا اور یوں کشت و خون کی نوبت نہ آئی مگر کچھ ہی دنوں بعد سلطان جلال الدین کو معلوم ہوا کہ شاہ دہلی نے بہت بڑے لشکر کے ساتھ مقابلے کے لیے پیش قدمی شروع کر دی ہے۔ سلطان جلال الدین بھی لڑائی پر آمادہ تھے۔ نتیجتاً عالم اسلام کی سرحدوں کے دو قابل قدر محافظ شمشیر بکف ہو کر آمنے سامنے آ گئے۔

سلطان التمش کی فوج میں ایک لاکھ پیادے، تیس ہزار سوار اور تین سو جنگی ہاتھی تھے، اس کے بالمقابل سلطان جلال الدین کی فوج بہت کم تھی، تاہم انہوں نے صف بندی کر کے ایک جہاں پہلوان کو جو ہراول کا سالار تھا، آگے بڑھایا۔ التمش کی فوج کے ہراول دستوں نے بھی پیش قدمی کی، مگر خوش قسمتی سے دونوں فوجوں کے ہراول راستے سے بھٹک کر ادھر ادھر نکل گئے اور باقاعدہ صف بستہ جنگ نہ ہو سکی۔ البتہ دونوں فوجوں میں ایک جھڑپ ہوئی، وہ اس طرح کہ جہاں پہلوان نے عام جنگی قواعد سے ہٹ کر اپنا ایک دستہ التمش کے بھٹکتے ہوئے ہراول کی خیمہ گاہ میں گھسا دیا، جس میں فریقین کے کچھ آدمی مارے گئے۔<sup>(۳۲)</sup>

صلح و صفائی..... سلطان شمس الدین التمش نے حالات کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہوئے سلطان جلال الدین کو مصالحت کی پیش کش کی اور یہ پیغام دیا:

”آپ پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ دین کا دشمن ہمارے سروں پر پہنچ چکا ہے، آپ سلطان المسلمین اور ابن سلطان ہیں، میرے لیے جائز نہیں کہ آپ کے خلاف کسی کا معاون بنوں، نہ مجھ جیسے شخص کو زیبا ہے کہ آپ جیسے شخص کے مقابلے پر تلوار سونٹے، سوائے اس کے کہ اپنی مدافعت کی مجبوری درپیش ہو۔ ان حالات میں ہمیں صلح کر لینی چاہئے۔ اگر آپ پسند کریں تو میں اپنی بیٹی کا رشتہ آپ کو پیش کرتا ہوں تاکہ کشیدگی دور ہو اور میرے اور آپ کے درمیان اعتماد بحال ہو اور کشیدگی دور ہو۔“

سلطان التمش کی اس مدبرانہ پیش کش کو سلطان جلال الدین نے قبول کر لیا یوں امت مسلمہ ایک ہولناک مسلم کش خوں ریزی سے بال بال بچ گئی۔ سلطان شمس الدین التمش نے دہلی واپس جاتے ہوئے سلطان جلال الدین کے دوسرا دروں یزیدک پہلوان اور خنجر حق طائسی کو بھی اپنے ساتھ لے لیا، تاکہ باہمی تعلقات کی پائیداری میں ان کا مشورہ اور تعاون حاصل رہے۔<sup>(۳۳)</sup>

تاتاریوں کی خراسان و عراق میں ازسرنو لوٹ مار..... سلطان کے قیام ہندوستان کے ان دنوں میں تاتاریوں کا زیادہ زور چین اور یورپ کی مہمات پر تھا تاہم ۶۲۱ھ (۱۲۲۳ء) میں ان کی ایک مختصر فوج جو کہ صرف تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی، ایک بار پھر خراسان، فارس اور عراق کے ان اسلامی شہروں کو تاراج کرنے نکلے جو مغربی تاتاریوں کی زد سے بچ گئے تھے یا وہاں تباہی کے بعد ازسرنو آبادی کے آثار نظر آرہے تھے، اس فوج نے فارس میں قم، کاشان، ہمدان اور دیگر شہروں کو بری طرح پامال کیا، پھر یہ رے کی طرف بڑھی۔ یہاں خوارزمی فوج کے بہت سے بھٹے سپاہی جمع ہو کر نئے سرے سے بستی آباد کر رہے تھے، تاتاریوں نے ان خانماں بربادوں کو ایک بار پھر جاڑ دیا۔

ان کا اگلا حملہ تبریز پر تھا، رے کے مفروز خوارزمی سپاہیوں میں سے چھ ہزار افراد جان بچا کر یہاں آ گئے تھے۔ تبریز کا حاکم اوزبک مظفر بہلوان جو کہ پہلے ہی تاتاریوں کا باج گزار تھا ان خوارزمیوں کی موجودگی کو اپنے لیے سخت خطرہ سمجھ رہا تھا۔ چنانچہ جب تاتاریوں نے تبریز کی تفصیل کے سامنے پڑاؤ ڈال کر اسے دھمکی دی تو اس نے ان پناہ گزین خوارزمی سپاہیوں میں سے بہت سوں کے سر کاٹ کر اور باقی ماندہ کوزندہ تاتاریوں کے حوالے کر دیا۔ علامہ ابن اثیر یہ واقعہ بیان کر کے مسلمانوں کی کم ہمتی کا رونا روتے ہوئے کہتے ہیں:

”یہ تاتاری صرف تین ہزار گھڑ سوار تھے، جبکہ مفروز خوارزمی سپاہی چھ ہزار پیادے تھے اور اوزبک کی فوج ان دونوں کے مجموعے سے کہیں زیادہ تھی مگر اس کے باوجود خوارزمیوں نے اپنے دفاع کی ہمت کی، نہ ہی اوزبک نے کچھ کیا۔“ (اکامل ج ۷ ص ۶۰۶، ۶۰۷)

یہ واقعہ اس حقیقت کی وضاحت کے لیے کافی ہے کہ کسی قائد کی عدم موجودگی میں کوئی فوج ایسے دشمن سے ہرگز ٹکر نہیں لے سکتی جس کا رعب و دبدبہ چھاپ کا ہو۔ ایسے حالات میں سلطان جلال الدین ہی قوم کا وہ واحد سہارا تھے جو انہیں اس خوف و دہشت سے نجات دلا سکتے تھے۔ تاتاریوں کے اس دستے کی قتل و غارت دراصل عن قریب ان کی کسی بڑی یلغار کی تمہید تھی اور فارس و عراق کے مسلمان محسوس کر رہے تھے کہ اب ہندوستان سے زیادہ انہیں سلطان کی ضرورت ہے۔

دربارِ دہلی کی فضا..... سلطان جلال الدین ارض ہند میں ایک نیا جہان آباد کر چکے تھے اور اب وہ اپنے ہمسایوں سے اچھے تعلقات رکھ کر اپنے مشن کی طرف متوجہ ہونا چاہتے تھے۔ شاہِ دہلی سلطان شمس الدین التمش بھی سلطان جلال الدین سے اچھے تعلقات استوار کرنے میں نیک نیت تھے، مگر افسوس کہ ان کے حاشیہ بردار امراء اور سرداران لشکر جو سلطان جلال الدین کے سخت خلاف تھے، اس معاملے میں ان سے متفق نہ تھے۔ چنانچہ دربارِ دہلی کی فضا سلطان جلال الدین کے لیے ناسازگار ہی رہی۔ سلطان التمش کے دہلی پہنچنے کے چند روز بعد ان کے مشیروں، سرداروں اور ماتحت راجاؤں کا یہ اصرار زور پکڑ گیا کہ ہر قیمت پر سلطان جلال الدین کو سرزمین ہندوستان سے باہر نکال دیا جائے۔ قباچہ اور دوسرے آزاد ہندو حکمران بھی اسی خیال کے حامی تھے۔ وہ یہ منصوبہ بھی بنا رہے تھے کہ سلطان جلال الدین کو مہاراجہ خجندیہ (کینجہر جمیل) کے کنارے گھیر لیا جائے۔<sup>(۹۵)</sup>

مگر یہ محض ایک ہوائی منصوبہ تھا۔ شمس الدین التمش کو سیاسی مصالح کی خاطر ایک حد تک ان سے اظہارِ اتفاق کرنا پڑا مگر وہ سلطان سے کیے گئے صلح نامے کو اتنی جلد پس پشت ڈالنے اور انکے خلاف کسی کارروائی سے حتی الامکان اجتناب برتتے رہے۔

سلطان جلال الدین کی واپسی..... ہندوستان میں صرف دو سال کی جدوجہد کے نتیجے میں سلطان دریائے جہلم سے بحیرہ عرب تک ایک ایسی وسیع سلطنت کی داغ بیل ڈال چکے تھے جسے کوئی عام حکمران شاید کئی برسوں میں بھی نہ بنا پاتا۔ اس کے باوجود وہ اس پر مطمئن نہیں تھے کہ یہاں ایک نئی دنیا آباد کر کے چین سے زندگی گزاریں۔ اگر انہیں محض ملک گیری کا شوق ہوتا تو ایک حکمران کے ذوقِ اقتدار کی تکمیل کے لیے یہ مملکت کوئی تنگ نہ تھی، بلکہ رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے یہ شام اور مصر کے ہم پلہ تھی اور اس پر حکومت کسی بھی حکمران کے لیے نہایت فخر و دستر کا باعث ہو سکتی تھی۔ تاہم سلطان دیکھ رہے تھے کہ یہاں مستقل طور پر ٹہرے رہنے سے انکا اصل مقصد خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

سب سے پہلی بات یہ تھی کہ ہندوستان تاتاری یلغار کے راستے سے ہٹ کر تھا۔ یہاں مورچہ بنا کرتا تاریوں کو دوسرے ملکوں پر حملہ کرنے سے نہیں روکا جاسکتا تھا۔ چونکہ اس ملک کے دو اطراف میں سمندر اور ایک طرف ہمالیہ اور قراقرم کے کہساروں نے اسے بیرونی حملہ آوروں سے خاصا محفوظ کر دیا ہے اس لیے یہ سلطان کی افواج کے لیے بہترین چھاؤنی تو بن سکتا تھا مگر اسے محاذ جنگ بنانا خطرات سے خالی نہیں تھا۔ مقامی حکمرانوں کا حالیہ عدم تعاون اگر تاتاریوں سے جنگ کے دوران کھلی دشمنی کی شکل اختیار کر لیتا تو اس کے نتائج تباہ کن ہو سکتے تھے، ویسے بھی سلطان مسلمانوں کی اس سرسبز و شاداب محفوظ پناہ گاہ کو جنگ کی آگ میں نہیں دھکیلنا چاہتے تھے۔

سلطان کے سامنے اصل مسئلہ باقی عالم اسلام اور خصوصاً حرمین شریفین کی حفاظت کا تھا۔ عالم اسلام کے یہ انتہائی اہم اور مرکزی علاقے کسی بھی وقت تاتاریوں کے حملوں کی زد میں آسکتے تھے۔ چونکہ اب عراق، عرب، شام، مصر، شمالی افریقہ اور ایشائے کوچک کے اسلامی ممالک ہی عالم اسلام کا بچا کچھا اثاثہ تھے، اس لیے ان ممالک کے سامنے تاتاریوں سے حفاظتی دیوار تعمیر کرنا وقت کا فوری تقاضا تھا۔ بد قسمتی سے تاتاری یلغار کے عارضی طور پر ختم جانے کے بعد تین چار سال کی مہلت پا کر بھی عرب و عجم کے مسلم حکمرانوں کو ہوش نہیں آیا تھا۔ اس لیے ان کی طرف سے اہل اسلام کی مدافعت کا فریضہ انجام دینے والا دور دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ سلطان وہاں پہنچ کر فوری طور پر اس کی کوپرا کرنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ علاقے سلطان کی موروثی مملکت کا حصہ تھے لہذا طبعی طور پر بھی سلطان کا رجحان اسی سمت تھا۔

آخر کار سلطان نے اس موضوع پر اپنے امراء سے مشورہ کیا، جہاں پہلوان نے کہیں اور جانے کی مخالفت کی اور ہندوستان میں جے رہنا ہی مفید بتایا، اس کا کہنا تھا کہ دوسرے ممالک میں چنگیزی افواج کا خطرہ برقرار ہے جب کہ ہندوستان ان سے بچا ہوا ہے، اس کے علاوہ سرزمین ہند کے حکمران کمزور ہیں، ان سے کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔ مگر جو امراء جو غیاث الدین سے منحرف ہو کر عراق سے آئے تھے، مصر ہوئے کہ سلطان کو ہندوستان سے کوچ کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے، غیاث الدین سے نہ سننے والی حکومت عراق ان کی منتظر ہے، بہر کیف تمام پہلوانوں پر غور و خوض اور مشاورت کے بعد سلطان نے ہندوستان سے ایران و عراق کی طرف روانگی کا فیصلہ کر لیا۔ سلطان جلال الدین نے اپنے قابل اعتماد سالار ازبک جہاں پہلوان کو فوج کے کچھ حصے کے ساتھ ہندوستان میں اپنے مقبوضات کا گورنر بنایا، ایک امیر حسن مزلق عرف و فام ملک کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ خراسان جا کر غزنی اور غور کے کھنڈرات میں ازسرنو ہونے والی آبادی کا انتظام سنبھالے۔ اس کے بعد سلطان نے اپنی اکثر سپاہ کے ساتھ وادی سندھ سے کوچ کر دیا۔<sup>(۴۹)</sup>

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ بعض مؤرخین نے ہندوستان سے سلطان کی واپسی کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ سلطان اپنے خلاف مقامی حکمرانوں کے اتحاد سے مرعوب ہو گئے تھے، حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں تھا۔

ہمیں یہ بات ملحوظ رکھنا ہوگی کہ سلطان اپنی مہمات ہند کے دوران ایک بار بھی میدان جنگ میں کسی حریف سے مغلوب نہیں ہوئے، بلکہ شمس الدین التمش سے مصالحت کے بعد تو کوئی ایک موقع بھی ایسا نہیں آیا کہ مقامی حکمران سلطان سے عملاً مزاحم ہوئے ہوں۔ ایسے میں سلطان کا اچانک ان وسیع و عریض آباد و شاداب مفتوحہ علاقوں سے نکل کر لٹے پٹے خراسان و ایران کی طرف کوچ کر دینا کسی نہایت قوی محرک کے بغیر ناممکن تھا۔ اگر اس دور کی تاریخ کو کھنگالا جائے تو ہمیں کوئی ایسا محرک نظر نہیں آتا۔ عقلاً اتنے بڑے جنگ آزما کو کسی معرکے میں شکست دیے بغیر



ہندوستان سے نہیں نکالا جاسکتا تھا اور یہاں تاریخ ہمیں کسی شکست کے ذکر سے خالی نظر آتی ہے، اسکا صاف مطلب یہ ہے کہ سلطان اپنی خوشی اور مرضی سے صرف اپنے مقصد کی خاطر یہاں سے واپس ہوئے تھے۔

یہ درست ہے کہ مقامی حکمران سلطان کی سرزمین ہند میں موجودگی ناپسند کرتے تھے مگر حقیقت میں وہ لوگ سلطان کو بزور قوت وہاں سے نکالنے پر دسترس نہیں رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب سلطان نے ہندوستان میں ٹھہرنے یا یہاں سے چلنے کے بارے میں امراء سے مشورہ کیا تو جہاں پہلوان نے انہیں روکنے کے لیے دو وجوہ بیان کیں، ایک یہ کہ یہ ملک چنگیز خان کے خطرے سے محفوظ ہے اور دوسرا یہ کہ یہاں کے حکمران کمزور ہیں۔<sup>(۱۷۴)</sup>

اس کے باوجود سلطان نے ایران سے آنے والے خوارزمی امراء سے شدید حالات کے پیش نظر اس محفوظ مرکز کو الوداع کہنے کا عزم کر لیا۔ وہ فرض کے لیے مرکز سلطنت کو چھوڑنے کی کٹھن قربانی تخت خوارزم کے بعد دوسری بار دے رہے تھے۔ تاریخ عالم میں ہمیں ایسی مثالیں بہت کم ملیں گی۔

سلطان کی واپسی میں مقامی حکمرانوں کے دباؤ کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ مقامی راجے سلطان کی موجودگی کو تاتاریوں کے حملے کی دعوت کے مترادف سمجھ کر آتش کو سلطان سے لڑائی پر اکسارہے تھے، مگر آتش اس کے عواقب کا اچھی طرح علم تھا۔ ادھر سلطان جلال الدین کو بھی اس تمام صورتحال کی اطلاع ہو گئی تھی۔ انہیں مسلمانان ہند کے استحکام کی خاطر دہلی کی اسلامی حکومت کی تقویت بہر حال ملحوظ تھی، وہ از خود ہندوستان سے نکل کر فرماؤاے دہلی کو بہت بڑے مخمضے سے نجات دے سکتے تھے کیونکہ اس طرح دہلی کی حلیف راجدھانیوں کی شکایات ختم ہو جاتیں، جبکہ یہاں بچے رہنے کی صورت میں سلطان خود بھی ان کی طرف سے بے اطمینانی کا شکار ضرور رہتے اور ان مہمات میں اپنے اصل ہدف سے دور ہو جاتے۔ ہندوستان میں حکومت قائم کر کے وہ اپنے مشن کے لیے کسی نہ کسی درجے میں وسائل حاصل کر چکے تھے۔ جہاں تک سرحدات ہندوستان کی حفاظت کا تعلق ہے، تو اس کے لیے سلطان ضرورت کے مطابق عالمیں، اہلکار اور رضا کار پیچھے چھوڑے جا رہے تھے۔

سفر کے مصائب..... سلطان جلال الدین مکران اور کرمان کے راستے سے ایران کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے پاس اس وقت کوئی دس ہزار سپاہی تھے۔ راستے میں کچھ (خضدار) کے پتے ہوئے صحراؤں سے گزرتے ہوئے اس قافلے کو سخت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ شدید گرمی، ٹوکے تھپڑوں اور پانی و غذا کی کمیابی نے سلطان جلال الدین کے سپاہیوں کو مری طرح متاثر کیا۔ شہاب الدین النسوی لکھتے ہیں:

”سلطان جلال الدین اور ان کے ہمراہیوں نے ہندوستان سے کرمان تک کے سفر میں ایسے مصائب جھیلے جنہوں نے ان کی گزشتہ تمام تکالیف کو بھلا دیا اور انہیں موت کے گھاٹ تک پہنچا دیا۔..... جب بادِ سموم کے تھپڑے چلتے تو لوگوں کو سانس لیتے ہوئے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ بخار کی حالت میں سانس لے رہے ہیں۔“ (سیرۃ جلال الدین ص ۱۷۴)

مکران کے چٹیل و بے آب و گیاہ میدانوں کے چھلدا دینے والے موسم نے رہی سہی کسر نکال دی۔ سلطان کے لشکر کے اکثر سپاہی بیمار ہو گئے اور علاج معالجے کا خاطرہ خواہ انتظام نہ ہونے کے باعث ان کی حالت نازک سے نازک تر ہوتی گئی، یہاں تک کہ ایک ساتھ کئی کئی جنازے اٹھنے لگے اور کچھ ہی دن میں سپاہیوں کی ایک بہت بڑی



تعداد جاں بحق ہو گئی۔

موسم کی شدت نے سواری اور بار برداری کے جانوروں کو بھی زک پہنچائی، اکثر گھوڑے ہلاک ہو گئے۔ سپاہیوں کی اکثریت جو بیمار تھی بیلوں اور گدھوں کی سواری پر مجبور ہوئی۔ ناقابل برداشت تکالیف جھیلنے ہوئے سلطان جنب کرمان کے قریب پہنچے تو ان کے ساتھ صرف چار ہزار افراد باقی رہ گئے تھے۔<sup>(۸)</sup>

————— ❦ —————

## حواشی و حوالہ جات

① طبقات ناصری طبقہ ۱۹ ص ۴۷۲، ۴۸۶، طبقہ ۲۰ ص ۴۹۰، طبقہ ۲۱ ص ۵۲۰..... تاریخ ملت ج ۳ ص ۳۳۳ تا ۴۵۲.....  
تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۴۸

② روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۸۲۸..... جہاں کشا ج ۲ ص ۱۴۲، ۱۴۳

نوٹ: سلطان جلال الدین نے دریا عبور کر کے جس جگہ پناہ لی تھی اسے ”چل جلالی“ کہا جاتا ہے۔ مقامی زبان میں بنجر علاقے کو ”چل“ کہتے ہیں۔ اس دور میں یہ علاقہ بنجر اور ویران تھا، تاہم اب یہاں آب پاشی کی سہولت کے باعث سرسبز کھیت لہلہاتے دکھائی دیتے ہیں۔ (بحوالہ: اردو ڈائجسٹ، اپریل ۲۰۰۲ء)

③ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۶۰..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۹..... نہایت الارب ج ۷ ص ۳۶۶..... تاریخ الاسلام ذہبی طبقہ ۶۲ حوادث ۶۱۸ھ

④ ترجمہ: ”وہ (اللہ) اس (متقی) کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔“ (سورۃ الطارق)

⑤ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۴۳..... جہاں کشا کی روایت کے مطابق یہ مقام جہاں ہندوؤں سے معرکہ ہوا، سلطان کے ٹھکانے سے دو فرسنگ (چھ میل) کے فاصلے پر تھا۔ غالباً یہ دریا کے پار باغ نیلاب گاؤں کی حفاظتی چوکی ہوگی اس لیے کہ گھوڑا تپ سے باغ نیلاب کا فاصلہ تقریباً اتنا ہی ہے۔

⑥ عربی تواریخ میں اس راجا کا نام ”زانہ شترہ“ درج ہے جس کا صحیح ہندی تلفظ ”رانا شترہ“ یا ”رانا چترا“ ہو سکتا ہے۔ بعض روایات میں اسے صاحب الجبل الجودی کہا ہے یعنی کوہستان نمک کا حاکم (نہایت الارب ج ۷ ص ۳۶۶) مگر یہ درست معلوم نہیں ہوتا کیوں کہ حاکم جود سے سلطان کی نکر دہلی سے واپسی پر ہوئی تھی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کوہستان نمک میں کئی حاکم ہوں کیوں کہ یہ بہت وسیع علاقہ ہے۔

⑦ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۶۲..... سیر اعلام النبلاء، ج ۲۲، ص ۲۴۰..... تاریخ الاسلام الکبیر للذہبی طبقہ ۶۲ حوادث ۶۱۸ھ

⑧ روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۸۲۸..... جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۴۳

⑨ ”کوہ بلالہ“، ”رکالہ“ اور ”جودی“ وغیرہ چند مقامات کے نام روضۃ الصفا اور جہاں کشا جوینی میں خاصے فرق کے ساتھ منقول ہیں، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کوہستان نمک کے علاقے تھے۔ رکالہ کے بارے میں راقم کا خیال ہے کہ اس سے کلر کہا مراد ہے۔

⑩ روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۸۲۸..... جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۴۳..... خوارزم شاہی ص ۱۴۷

۱۱) چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۴ ۱۲) چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۴

۱۳) تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۸۹۶ میں یہی توجیہ کی گئی ہے۔

۱۴) روضۃ الصفا ج ۵ ص ۴۰

۱۵) چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۴..... روضۃ الصفا، ج ۵ ص ۴۰

۱۶) ملاحظہ ہو ”جامع تاریخ ہند“ از خلیق احمد و حبیب احمد۔ مطبوعہ تخلیقات لاہور۔

۱۷) چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۴

۱۸) روضۃ الصفا، ج ۵ ص ۴۰..... افغانستان در مسیر تاریخ ۲۲۵

۱۹) چنگیز خان، روضۃ الصفا، ج ۵ ص ۴۰

۲۰) روضۃ الصفا، ج ۵ ص ۴۱ ۲۱) جہاں کشاج ص ۲ ص ۱۳۴

۲۲) جہاں کشاج ص ۲ ص ۱۴۵..... خوارزم شاہی، ص ۱۳۸

۲۳) جہاں کشاج ص ۲ ص ۱۴۵..... سیرۃ جلال الدین ص ۱۶۲

۲۴) جہاں کشاج ص ۲ ص ۱۴۵..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۹

یاد رہے کہ کوہ جوہ کوہستان نمک کا قدیم نام ہے، قدیم مسلم جغرافیہ دان کوہستان نمک کو اس نام سے یاد کرتے تھے، تاہم جامع تاریخ ہند کی بعض عبارتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوہ جوہ کوہ سلیمان (جو پنجاب اور بلوچستان کے درمیان ہے) کا قدیم نام ہے۔ قرآن سے پہلا قول رائج معلوم ہوتا ہے۔

۲۵) جہاں کشاج ص ۲ ص ۱۴۷ مع حاشیہ نمبر ۱

۲۶) نہایۃ الارباب ج ۷ ص ۳۶۷..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۴۹..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۹

۲۷) تاریخ خوارزم شاہی ص ۸۳

۲۸) سیرۃ جلال الدین ص ۱۶۴، ۱۶۵..... نہایۃ الارباب ج ۷ ص ۳۷۶

۲۹) جہاں کشاج ص ۲ ص ۱۴۶..... ابن خلدون ج ۵ ص..... تاریخ فرشتہ حصہ دوم ص ۸۹۵

۳۰) جہاں کشاج ص ۲ ص ۱۴۶..... ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۹

۳۱) جہاں کشاج ص ۲ ص ۱۴۶..... ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۹

۳۲) اب یہاں پنجاب کا مشہور شہر ”بھکر“ آباد ہے جو ملتان کے قریب واقع ہے۔

۳۳) جہاں کشاج ص ۲ ص ۱۴۶، ۱۴۷

۳۴) جہاں کشاج ص ۲ ص ۱۴۷..... روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۲۸..... ”پس رور“ نواح سیالکوٹ کا ایک شہر ہے۔ یاد رہے کہ انسوئی کے بیان کے مطابق ”کلوڑ“ اور ”برنوزج“ کے محاصروں میں بھی سلطان کا ہاتھ تیر سے زخمی ہوا تھا۔

۳۵) کوہستان نمک کی وادی لکڑکھار کے قصبہ چین جی سے ۱۸ کلومیٹر مغرب میں ”میراماں“ نامی ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اس سے ایک گھنٹہ پیدل مسافت پر ایک پہاڑی ہے جس پر ۶۰۰ میٹر لمبا اور ۳۰۰ میٹر چوڑا قدیم قلعہ ہے جو قلعہ سرقند کے نام سے مشہور ہے۔ ماہرین آثار قدیمہ کے مطابق یہ قلعہ تیرہویں صدی عیسوی میں تعمیر ہوا تھا۔ جلال

الدین خوارزم شاہ اسی زمانے میں ہندوستان آئے تھے اور ان کی فوجی چھاؤنی بھی کوہستان نمک کے کسی ایسے ہی محفوظ گوشے میں تھی۔

اردو ڈائجسٹ اپریل ۲۰۰۲ء میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں پاکستانی جغرافیہ دان جناب سلمان راشد نے مذکورہ قرائن کی بناء پر خیال ظاہر کیا ہے کہ قلعہ سمرقند ہی دراصل سلطان جلال الدین کی موسم گرما کی چھاؤنی تھی اور اس کی تعمیر یا مرمت کے بعد سلطان جلال الدین نے اپنے وطن کے شہر سمرقند کی یاد میں اسے قلعہ سمرقند کا نام دے دیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۴۱) تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۸۹۵

۴۲) تاریخ فرشتہ حصہ دوم ص ۸۹۵، ۸۹۶..... جہاں کشا ج ۲ ص ۱۳۷..... ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۹

۴۳) قدیم زمانے میں اس کو سیوستان بھی کہا جاتا تھا، اب یہ ”سیہون شریف“ کے نام سے مشہور ہے۔

۴۴) روضۃ الصفا، ج ۳ ص ۸۲۸..... جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۳۸..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۵۰

۴۵) جہاں کشا جوینی ج ۲ ص ۱۳۸ پر اسے ”قُول“ لکھا گیا ہے، مگر اسی صفحے کے حاشیہ میں ”معجم البلدان“ کا حوالہ دیتے ہوئے اسے ”دبیل“ تحریر کیا گیا ہے۔

۴۶) جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۳۸

۴۷) سیرۃ جلال الدین ص ۱۶۸..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۷..... ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۹

۴۸) سیرۃ جلال الدین ص ۱۶۸..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۷..... ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۹

۴۹) سیرۃ جلال الدین ص ۱۶۸..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۸..... سیرۃ سلطان جلال الدین، ص ۹۰

۵۰) سیرۃ جلال الدین ص ۱۶۹..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۸..... ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۲۰

۵۱) سیرۃ جلال الدین ص ۱۶۹..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۸

۵۲) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۰..... جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۳۹

— — — — —

## دفاعی حصار کی از سر نو تعمیر

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔ اور تم اللہ کی رسی کو مجتمع ہو کر مضبوطی سے تھامے رہو اور متفرق نہ ہو۔ (آل عمران، آیت ۱۰۳)

رابط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات  
ایٹیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر  
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو  
ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا اک ثمر  
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے  
نیل کے ساحل سے لے کر تاجخاک کا شجر

براق حاجب ..... سلطان جلال الدین کو راستے ہی میں یہ اطلاع مل چکی تھی کہ تاتاری ایک بار پھر عالم اسلام پر یورش کی تیاریاں کر رہے ہیں، اس لیے اب سلطان جلد از جلد اس طوفان کی روک تھام کے ذرائع مہیا کرنا چاہتے تھے۔ سلطان کو معلوم تھا کہ یہ کوئی آسان کام نہیں، اس عظیم فریضے کی انجام دہی کے لیے بے پناہ وسائل اور بھاری نفری کا حصول ناگزیر تھا جبکہ سلطان تہی دست تھے، ان کے ہمراہی قلیل تھے اور حالات سخت ناسازگار تھے۔ پھر بھی سلطان مایوس ہونے والے انسان نہیں تھے اور عالم اسلام کی خاکستر سے کسی چنگاری کی تلاش انہیں کشاں کشاں سوئے فارس و عراق لیے جا رہی تھی۔ سلطان وہاں پہنچ کر اپنے عظیم مقصد کے لیے نئے سرے سے جدوجہد کا آغاز کرنا چاہتے تھے، مگر کرمان کے قریب پہنچتے ہی وہاں کے اندرونی خلفشار نے ان کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ اس خلفشار اور ہنگامے کا ذمہ دار ایک بد بخت شخص براق حاجب تھا۔

براق حاجب سلطان علاؤ الدین محمد کے دربار میں ایک اہم عہدہ دار تھا، یہ قراخانی نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ ابتداءً ترکانِ خطا کا درباری تھا، بعد میں خوارزم شاہی ایوان سے منسلک ہو گیا۔ علاؤ الدین محمد نے اسے حاجب کے رتبے سے سرفراز کیا۔ اسے علم نہ تھا کہ وہ اس منافق، دغا باز اور عیار شخص کو اپنی نظرِ کرم کا مستحق بنا کر درحقیقت اپنی آستین میں ایک موزی سانپ پال رہا ہے جو اس کی اولاد کے لیے سرسرفتنہ ثابت ہوگا۔

علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے دببے اور سطوت کے باعث اس کی زندگی میں براق حاجب کو اپنا زہرا گلنے کا موقع نہ ملا، مگر جب خوارزمی ایوان تاتاری حملے کے دھچکوں سے یکا یک زمیں بوس ہو گیا تو وہ کھل کر سامنے آ گیا۔ شہزادہ غیاث الدین جو تاتاری سیلاب کے گزر جانے کے بعد چند تباہ شدہ شہروں اور بستیوں پر قبضہ کر چکا تھا، اپنی ناتجربہ کاری کی بناء پر براق حاجب کو اپنا مخلص سمجھ بیٹھا اور اسے کرمان کا حاکم مقرر کر دیا۔ براق نے کچھ ہی دن بعد کرمان پر اپنی خود مختار حکومت قائم کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں اور مزید آگے بڑھ کر کرمان کے قریب ”جو شیر“ نامی ایک شہر کا محاصرہ کر لیا۔<sup>①</sup> یہ سارا علاقہ سلطان علاؤ الدین محمد مرحوم نے شہزادہ غیاث الدین کے نام کر دیا تھا،

لہذا براق حاجب کا یہاں خود مختاری کا دعوے دار بننا خوارزمی خانوادے کے خلاف کھلی بغاوت تھی۔  
 براق کی گوشمالی..... براق حاجب کے سیاہ کارناموں اور مظالم کا تذکرہ سن کر سلطان جلال الدین نے اس کی گوشمالی  
 ضروری سمجھی اور کرمان کے نواح میں ”جواشیر“ کا رخ کیا۔ براق حاجب نے سلطان کی آمد کی خبر پا کر محاصرہ اٹھالیا۔  
 ”جواشیر“ کے حاکم نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں قلعے کی چابیاں پیش کر کے اطاعت کا عہد و پیمان کیا۔  
 ادھر براق حاجب بھی حالات کی نزاکت اور اپنے جرم کی سنگینی کا اندازہ کر کے سلطان کی بارگاہ میں پیش ہوا اور وفاداری کا  
 وعدہ کیا۔ سلطان جلال الدین براق حاجب کو سخت سزا دینے کا ارادہ کر چکے تھے، مگر اس سے قبل انہوں نے اپنے امراء  
 سے مشورہ کیا۔ اور خان نے رائے دی کہ براق کو گرفتار کر لیا جائے اور کرمان پر قبضہ کر کے اسے دوسرے علاقوں پر قبضے کی  
 بنیاد بنایا جائے۔ تاہم نئے وزیر اعظم ”شرف الملک خولجہ جہاں“ نے اس تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے عرض کی:

”ان علاقوں کے نائبین اور حکام میں سے یہ پہلا فرد ہے جو اظہار اطاعت کر رہا ہے۔ دوسرے حکام اس کی  
 فریب کاریوں اور غداریوں سے واقف نہیں، اگر اسے سزا دی گئی تو ان کے دل متوحش ہوں گے، طبیعتیں بے چین ہوں  
 گی، آرزوئیں اور امیدیں پڑمر رہو جائیں گی اور لوگوں کے خیالات بدل جائیں گے۔“  
 سلطان نے وزیر کی سفارش اور مشورے کو قبول کرتے ہوئے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ ⑤

حیلہ بازی..... کچھ روز بعد سلطان جلال الدین نے شکار کے لیے گردنواح کے جنگلات کا رخ کیا اور براق  
 حاجب کو بھی اس تفریح میں شرکت کی دعوت دی۔ براق نے پاؤں میں شدید تکلیف کا جھوٹا عذر کر کے سلطان کی پیش  
 کش قبول نہ کی۔ شکار گاہ میں پہنچ کر بعض مخلص امراء کی زبانی سلطان کو براق حاجب کی دروغ گوئی کا حال معلوم ہوا۔  
 سلطان نے براق کو اس فریب کا مزہ چکھانے کے لیے خود بھی ایک چال چلی اور ایک قاصد کو یہ پیغام دے کر براق کے  
 پاس بھیجا کہ سلطان عراق کے سفر کے متعلق مشورے کے لیے اسے فوراً طلب کر رہے ہیں۔ براق حاجب بلا کا ذہین  
 اور چالاک تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس پیغام کے پیچھے اسے گرفتار کرنے کی حکمت عملی کام کر رہی ہے۔ چنانچہ اس نے دوبارہ  
 وہی عذر کر کے حاضری سے معافی چاہی اور سلطان کو فی الفور عراق روانہ کیا۔ مشورہ دیتے ہوئے کہلا بھیجا:

”مناسب ہوگا کہ سلطان عراق کو روانگی کے ارادے پر جس قدر جلد ہو سکے عمل پیرا ہوں۔ کیوں کہ یہ علاقہ نہ تو  
 آپ کے تاج و تخت کا مرکز بننے کے لائق ہے اور نہ ہی آپ کے لشکر و خدام کے قیام کا بار برداشت کرنے کی سکت  
 رکھتا ہے۔ ہاں! ان قلعوں کی حفاظت کے لیے یہاں آپ کے ایک امانت دار نائب اور قلعہ دار کو کووال کار ہنا ضروری  
 ہے..... تو آپ کی نیابت میں بندہ ان علاقوں کی نگہداشت کے فرائض انجام دینے کے لیے حاضر ہے۔ مجھ سے زیادہ  
 آپ کا وفادار کوئی اور نہیں ہو سکتا کہ میں نے سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ مرحوم کی خدمت میں اپنے بال سفید کیے  
 ہیں اور یہ علاقہ بھی میں نے ہی بزو و شمشیر و اگزار کر لیا ہے۔“ ⑥

گویا پیغام کا صاف مطلب یہ تھا کہ آپ فی الفور عراق کا رخ کریں اور جواشیر میں مجھے آزاد چھوڑ دیں۔  
 قاصد کو یہ پیغام دے کر روانہ کر دینے کے بعد براق حاجب نے شہر میں موجود سلطان کے سپاہیوں کو شہر سے نکل  
 جانے کا حکم دیا۔ ان کے جاتے ہی وہ فہمیل کے دروازے بند کر کے محصور ہو گیا۔ سلطان جلال الدین براق حاجب کی  
 اس فریب کاری پر لہو کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ حالات ایسے تھے کہ اس مکینہ صفت شخص کے خلاف کوئی فوری اقدام نہیں

کیا جا سکتا تھا۔ آخر کار سلطان نے مجبوراً زحمت سفر باندھ کر مغرب کا رخ کیا۔<sup>④</sup> راستے میں یزد کا عمر رسیدہ حاکم علاؤ الدولہ حاضر ہو کر حلقہ بگوش ہوا، سلطان نے اسے یزد کا پروانہ حکومت دے دیا۔ نئے دوست ..... چند دن کے سفر کے بعد سلطان جلال الدین شیراز کے قریب جا پہنچے۔ حاکم شیراز اتابک سعد بن زنگی نے سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے زمانے میں حکومت خوارزم کی بالادستی قبول کر لی تھی، مگر بعد میں بغاوت کر کے اس کے حلقہ بگوشوں سے نکل گیا تھا۔ محمد خوارزم شاہ تاتاری فتنے کے ظہور کے باعث دوبارہ اس طرف توجہ نہ دے سکا تھا، تاہم تاتاری طوفان گزر جانے کے بعد شہزادہ غیاث الدین پیر شاہ نے سعد بن زنگی کو شکست دے کر کئی علاقے اس سے چھین لیے تھے۔<sup>⑤</sup>

سلطان جلال الدین جب شیراز کے مضافات میں پہنچے تو سعد بن زنگی اور غیاث الدین کے مابین کشمکش کی فضا برقرار تھی۔ غیاث الدین کا پلہ بھاری ہونے کی وجہ سے اتابک سعد بن زنگی گویا اس کا زیر دست تھا۔ سلطان جلال الدین نے ایک ایچی اتابک سعد کے دربار میں روانہ کیا تاکہ اسے اپنی آمد کے سبب سے مطلع کریں۔ سلطان کی زندگی کا مقصد اب اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ حرمین شریفین سمیت عالم اسلام کے باقی ماندہ علاقوں کو تاتاریوں کی دست برد سے محفوظ رکھنے کے لیے جدوجہد کی جائے اور سب سے پہلے ایک طویل دفاعی خط تیار کر کے تاتاری یلغار کی تازہ لہر کو آگے بڑھنے سے روک دیا جائے۔

atabk سعد بن زنگی نے سلطان جلال الدین کی آمد کو ان اطراف کے مسلمانوں کے لیے نیک فال تصور کیا۔ سلطان جلال الدین کا شیراز کا باہر شاندار تاریخی استقبال کیا گیا۔ شہزادے سلفور شاہ بن سعد نے پانچ سو شہسواروں کے ساتھ آگے بڑھ کر سلطان کا خیر مقدم کیا۔ خوارزمی خانوادے سے گزشتہ رنجشوں کی تلافی کو وقت کی اہم ضرورت سمجھتے ہوئے سعد بن زنگی نے سلطان کے اعزاز و اکرام میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ قیمتی پوشاکیں، اشرفیاں، رسد کے خچر اور اونٹ، حبشی و ترک غلام اور انواع و اقسام کی بیش بہا نعمتیں سلطان کی خدمت میں پیش کیں۔ تعلقات میں مزید پختگی کے لیے اس نے اپنی بیٹی سلفوری خاتون سلطان جلال الدین کی زوجیت میں دے دی۔ نیز سلطان اور سعد بن زنگی کے مابین ایک معاہدے پر دستخط ہوئے جس کے تحت سلطان جلال الدین نے خوارزمی خانوادے کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے اتابک سعد کے مقبوضات پر غیاث الدین کا قبضہ مسترد کرتے ہوئے ان علاقوں میں اتابک سعد کی حکومت کو بحال کر دیا۔<sup>⑥</sup>

atabk کے چھوٹے بیٹے شہزادے سلفور شاہ نے سلطان کے ادب و احترام اور خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، سلطان بھی اس کے سلوک سے بہت متاثر ہوئے، اس لیے انہوں نے جو اب شہزادے سلفور کو گراں مایہ اعزازات و نوازشات سے نوازا اور اسے ”فرزند خان“ کا لقب بھی عطا کیا۔

سعد بن زنگی کا بڑا بیٹا شہزادہ مظفر الدین ابوبکر سعد جو مملکت شیراز کا ولی عہد بھی تھا، اپنے باپ سے بغاوت کے جرم میں کئی سال سے جیل خانے میں تھا۔ سلطان جلال الدین کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اتابک سعد سے پُر زور سفارش کر کے اس شہزادے کو رہا کر دیا۔ شہزادہ ابوبکر سلطان جلال الدین کا یہ احسان تا عمر نہ بھولا۔ رہائی کے چند دن بعد ہی اس نے اپنی خدمات سلطان کو پیش کر دیں اور جب سلطان جلال الدین اصفہان روانہ ہوئے تو شہزادہ ابوبکر بھی

ان کے لشکر کا ایک سپاہی بن چکا تھا۔<sup>(۷)</sup> سلطان جلال الدین کے پرچم تلے تاتاریوں کے خلاف جہاد میں شہزادے ابو بکر نے شاندار کارنامے انجام دیے۔ اپنے باپ کے انتقال کے بعد ابو بکر نے شیراز کی حکومت سنبھالی اور طویل مدت تک مثالی عدل و انصاف سے حکومت کرتا رہا۔ شیخ سعدی شیرازی نے گلستان و بوستان میں ابو بکر سعد کے عدل و انصاف کی خوب تعریف کی ہے۔

اصفہان میں ..... شیراز کے بعد سلطان جلال الدین کی اگلی منزل اصفہان تھی جو تاتاریوں کی دست برد سے محفوظ رہنے والے چند خوش قسمت شہروں میں سے ایک تھا۔ ان دنوں یہ شہر غیاث الدین پیر شاہ کے زیر تسلط تھا، مگر امراء و اعیان شہر سلطان جلال الدین کی طرف مائل تھے، اس کی بڑی وجوہات یہ تھیں کہ غیاث الدین اپنی فوج اور ماتحتوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا تھا، عیش و عشرت میں منہمک اور انتظام حکومت سے بے پروا تھا۔<sup>(۸)</sup>

اصفہان میں بھی سلطان جلال الدین کا زبردست خیر مقدم ہوا۔ قاضی اصفہان رکن الدین مسعود ابن صاعد نے حاضر ہو کر وفاداری کا یقین دلایا۔<sup>(۹)</sup> اتابک علاء الدولہ جو ثروت، وجاہت اور شجاعت میں شہر کے چوٹی کے امراء میں شمار ہوتا تھا، بیش بہا تحائف اور نوادرات کے ساتھ سلطان جلال الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اتابک علاء الدولہ اتنی برس کا ہو چکا تھا، سلطان جلال الدین نے اسے باپ کی سی عزت دی، اسے اپنے برابر تخت پر بٹھایا اور اسے ”پدر“ (والد) کہہ کر مخاطب کیا۔<sup>(۱۰)</sup>

غیاث الدین کی بدگمانی ..... اصفہان کے بعد سلطان جلال الدین رے جا کر اپنے بھائی غیاث الدین سے ملنا چاہتے تھے تاکہ اس کے تعاون اور اشتراک سے وہ سلطنت خوارزم کو از سر نو مضبوط بنیادوں پر استوار کر کے مسلمانوں کو دشمنانِ دین کے ظلم و ستم سے محفوظ رکھ سکیں، اس طرح ان کا بھائی دشمنانِ اسلام کے خلاف جہاد میں ان کا دست و بازو بنے، مگر غیاث الدین ملک و ملت کے مفادات کا ادراک کرنے سے قاصر تھا۔ وہ سلطان جلال الدین کو تاتاریوں سے بڑھ کر اپنا دشمن خیال کرنے لگا تھا، اس لیے ہندوستان سے اپنے بڑے بھائی کی واپسی کی اطلاع اسے خطرے کا بگل محسوس ہوئی۔ غیاث الدین سے جھڑپ ..... غیاث الدین پیر شاہ کو رے میں یہ خبر ملی کہ سلطان جلال الدین اصفہان پہنچ چکے ہیں، اس نے فوراً تیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک لشکر جمع کیا اور سلطان جلال الدین کو اس سرزمین سے بے دخل کرنے کے عزم کے ساتھ پیش قدمی کی۔ سلطان جلال الدین جو اپنے بھائی کے ساتھ مل کر تاتاریوں کے خلاف جہاد کا جذبہ لے کر آئے تھے، اس صورتحال سے چونک گئے۔ آخر کار انہوں نے خون ریزی سے بچنے کے لیے ایک خاص حکمت عملی ترتیب دی، انہوں نے اپنے زیرک مصاحب ”ادک امیر آخور“ کو ایک مصالحت آمیز مراسلہ دے کر غیاث الدین کے پاس روانہ کر دیا۔ مراسلے میں انہوں نے تحریر کیا تھا:

”والد مرحوم کی وفات کے بعد میں نے جو شدید ترین مصائب جھیلے ہیں اگر وہ پہاڑوں پر رکھ دیے جائیں تو پہاڑ بھی ان کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیں۔

”حَتَّيْ صَافَتْ عَلَيَّ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ“ زمین اپنی وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہوگئی، میں اپنی موروثی سلطنت سے بھی دست کش ہوا اور اپنی قوت بازو سے فتح کیے ہوئے علاقے بھی چھوڑ کر چلا آیا۔ میں اس خیال سے تمہارے پاس آ رہا تھا کہ چند دن استراحت کر لوں، لیکن اب معلوم



ہوا کہ تمہارے پاس مہمان کے استقبال کے لیے تلوار کی دھار ہی رہ گئی ہے تو میں چشمے کے کنارے آکر بھی شوق کی پیاس کے ساتھ واپس لوٹ جاتا ہوں۔“ ⑩

اس کے ساتھ سلطان نے ہدیے کے طور پر پروان کی جنگ میں مارے جانے والے چنگیز خان کے بیٹے تولی خان کا بیش قیمت لباس، اس کی آب دار شمشیر اور اس کا برق رفتار گھوڑا بھی غیاث الدین کے پاس بھجوا دیے۔ یہ نادر اشیاء سالہا سال کے مسلسل حوادث کے باوجود سلطان جلال الدین کے پاس محفوظ چلی آ رہی تھیں۔ ان کی تاریخی حیثیت کے باوجود غیاث الدین کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے سلطان نے ان کو ہدیہ کرنے میں تامل نہ کیا۔

دوسری طرف انہوں نے سفیر کے توسط سے غیاث الدین کے افسران میں خفیہ طور پر چھوٹے چھوٹے تقسیم کرا کے انہیں اپنے وہ انعامات اور احسانات یاد دلانے جو وہ اپنے والد کے دور میں ان پر بھجوا کر رہے تھے۔ سلطان اپنے والد کے زمانے ہی سے فوج کے شعبے سے خاص محبت رکھتے تھے، افسران اور سپاہیوں پر ان کی نوازشیں اس دور میں بھی کم نہ تھیں، اس لیے وہ فوج کے ہر دل عزیز رہتا تھا۔

سلطان جلال الدین کا خفیہ پیغام ملنے پر غیاث الدین کے کئی افسران نے ان سے آملے، ان میں ابو بکر ملک بھی تھا۔ اس نچا ضر ہو کر عرض کیا: ”ہم سب غیاث الدین کے خالمانہ سلوک سے نالاں ہیں۔ آپ کی آمد کے مشتاق اور آپ کے اشارے کے منتظر ہیں، آپ بلا خوف و خطر فوراً لڑائی چھیڑ دیں۔“

غیاث الدین سلطان کا مراسلہ ملنے کے بعد جنگ سے بے فکر ہو کر اپنی فوج کو منتشر کر چکا تھا، اتنے میں چند امراء نے سلطان کی طرف سے ملنے والی انگوٹھیاں دکھا کر اسے سارا کچا چٹھا کہہ سنایا۔ اب غیاث الدین کی آنکھیں کھلیں، اس نے سلطان کے سفیر امیر آخور کو حراست میں لے لیا اور فوری کارروائی کر کے سلطان سے نامہ و پیام کرنے والے چند افسران کو گرفتار کر لیا۔ باقی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور سلطان جلال الدین سے جا ملے۔ غیاث الدین نے از سر نو جنگ کی تیاری کی مگر اتنے افسران کے ساتھ چھوڑ جانے کے باعث وہ خود بھی پست ہمت ہو چکا تھا اور اس کے باقی ماندہ سپاہی بھی سخت بد دل ہو گئے تھے۔ سلطان جلال الدین کے لیے اتنا متوقع کافی تھا، انہوں نے سپاہ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ ان کی قیادت میں بمشکل تین ہزار تھکے ہارے سپاہی تھے، جبکہ غیاث الدین کی فوج تیس ہزار سے کم نہ تھی، مگر اس سے پہلے کہ یہ فوج لڑائی کے لیے مستعد ہوتی، سلطان کے گھڑ سوار آن پہنچے، یہ دیکھ کر غیاث الدین کی فوج نے لڑے بغیر ہتھیار ڈال دیے، نااہل غیاث الدین خیمہ گاہ سے فرار ہو کر ”سلو قان“ کے قلعے میں چھپ گیا۔ ⑪

اپنے محافظوں کے جلو میں جب سلطان جلال الدین غیاث الدین کے لشکر کی خیمہ گاہ میں آئے تو نالائق شہزادے کے تمام امراء اور افسران ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے اپنے سپاہیوں سمیت ان کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ یہاں خیمہ گاہ میں سلطان نے اپنی سوتیلی ماں یعنی غیاث الدین کی والدہ ”بلکوائی بیگم“ کو موجود پایا جسے غیاث الدین گھبراہٹ میں وہیں چھوڑ کر فرار ہو گیا تھا۔ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی بیگمات میں سے یہ واحد خاتون تھی جو تاریخوں کے خونی پنچے سے محفوظ رہ گئی تھی۔ اپنے بیٹے کی نااہلیت کا احساس کر کے اس نے حکومت کا زیادہ تر انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور اپنی ساس ترکان خاتون کے نقش قدم پر چل رہی تھی۔ ⑫

سلطان جلال الدین اپنی سوتیلی والدہ کے ساتھ نہایت ادب سے پیش آئے اور اس کے سامنے چھوٹے بھائی کی

کچھ فہمی اور عاقبت نااندیشی کی شکایت کی اور کہا:

”وہ مجھ سے ڈر کر کیوں بھاگ گیا؟ اس دنیا میں اس کے سوا میرا کونسا بھائی باقی رہ گیا ہے؟“ مجھے وہ آنکھ کی روشنی سے زیادہ محبوب ہے۔ دست و بازو سے زیادہ معزز ہے۔“ (۱۳)

ستارہ اقبال بلندی پر..... غیاث الدین کی ماں کو ان باتوں سے بڑا اطمینان ہوا۔ اس نے اپنے بیٹے کو واپس بلوالیا اور دونوں بھائیوں میں صلح کرا دی۔ (۱۴) غیاث الدین اگرچہ رنجیدہ دل اور کبیدہ خاطر تھا، مگر اب بڑے بھائی کے اقبال اور سطوت کا ستارہ بلندی پر دیکھ کر وہ خاموشی کے ساتھ ان کی خدمت میں دن گزارنے لگا۔ سلطان جلال الدین بھی نے اس کے اکرام و اعزاز میں کوئی کمی نہ کی۔ اس کا ساتھ چھوڑ کر آنے والے سرداروں کی بھی خوب خاطر داری کی۔ وہ امراء جو تاتاریوں کے حملے کے دنوں میں یا ان کے چلے جانے کے بعد وفا شعار رہے تھے، سلطان کی خاص عنایات کے حق دار بنے اور اپنے علاقوں پر ان کی سیادت برقرار رہی، جو غداری اور نمک حرامی کے عادی تھے انہیں اپنے کرتوتوں کا مزاج کھنا پڑا۔ اس طرح چند ہی دنوں میں وہ تمام باغی اور خود سر امراء جو غیاث الدین کے دور میں سراپا فتنہ تھے، سلطان کے رعب و دبدبے اور حسن تدبیر کی بدولت سرنگوں ہو گئے۔ (۱۵)

فوج کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا، تیس چالیس ہزار سپاہی سلطان کے پرچم تلے جمع ہو گئے۔ خراسان، کرمان، اصفہان، فارس، مازندران اور دیگر کئی علاقوں پر سلطان جلال الدین کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا اور اس سرزمین میں ایک مضبوط جہادی مورچہ تیار کرنے کے لیے حالات سازگار ہو گئے۔ خوارزم، خراسان اور ہندوستان میں جہادی مراکز قائم کرنے کی تمین جاں توں مگر رازیگان کوششوں کے بعد آخر کار عالی حوصلہ سلطان جلال الدین اپنی جدوجہد کے چوتھے دور میں ایک بار پھر ایک نیا مورچہ تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس پُرسرت موقع پر ان کے ایک درباری ”نور الدین نشی“ نے فارسی میں ایک قصیدہ پیش کیا جس کا مطلع یہ تھا۔

بیاجانا کہ خد عالم دگر بارہ خوش و خرم  
بفرخسر و اعظم، الف سلطان جلال الدین (۱۶)

(اے زندگی! لوٹ آ، کیونکہ دنیا عظیم بادشاہ عالی مرتبت سلطان جلال الدین کی شان و شوکت کے سبب دوبارہ خوش و خرم ہو گئی ہے۔)

خوزستان کی مہم..... کچھ عرصے بعد سلطان جلال الدین نے ”خوزستان“ کی طرف پیش قدمی کی اور اس کے دارالحکومت ”تسمر“ کے محاصرے میں مصروف رہے، مگر کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ موسم سرما اسی مشغولیت میں گزر گیا۔ بہار کی آمد پر سلطان محاصرہ اٹھا کر ”شاہ پور خواست“ آ گئے اور ایک ماہ تک یہیں مقیم رہے۔ (۱۷)

عالمی صورتحال..... آپ پڑھ چکے ہیں کہ دریائے سندھ کی جنگ کے کچھ عرصے بعد چنگیز خان خراسان میں سہ بارہ قتل عام کرتا ہوا چین کی طرف لوٹ گیا تھا، وہاں ”ہیا“ کے باغیوں کی سرکوبی اور دیگر مہمات نے اسے چند سال تک اسلامی ممالک میں دوبارہ پیش قدمی کا موقع نہ دیا۔ تاتاری یلغار کے اس طرح عارضی طور پر رک جانے کے بعد خراسان، ایران اور عراق عجم کے تباہ شدہ شہروں میں ایک بار پھر زندگی کی رنق دکھائی دینے لگی تھی اور فراریار و پوش ہونے والے بہت سے لوگ اپنے آبائی شہروں کے کھنڈرات میں دوبارہ آ بسے تھے، مگر اب ان کی تعداد سابقہ آبادی کا چند فیصد بھی نہ تھی۔ مثلاً ہرات ہی کو لے لیجئے، تاتاریوں کے حملے سے پہلے اس کی آبادی لاکھوں کے حساب سے تھی،

مگر ان کے ہاتھوں پا مال ہونے کے بعد پندرہ سال تک اس عظیم شہر کی آبادی چالیس نفوس سے متجاوز نہ ہو سکی۔<sup>(۱۹)</sup> سلطان جلال الدین کے زیر قبضہ موجودہ علاقے بھی زیادہ تر ایسے ہی برباد شدہ شہروں پر مشتمل تھے، جہاں معدودے چند افراد دوبارہ آشیانے بنا چکے تھے، مگر ان کھنڈرات کے مغرب میں عالم اسلام کا نصف حصہ آبادی اور وسائل سے بھرپور تھا جس کی طرف تاتاری حملہ آوروں کی حریصانہ نگاہیں لگی ہوئی تھیں۔ سب سے بڑھ کر مسلمانوں کے تمام مقدس مقامات اور مذہبی مراکز انہی علاقوں میں تھے اور یہ بات تاتاری بھی بخوبی جانتے تھے کہ جب تک مسلمانوں کے یہ مراکز آباد ہیں اس قوم کو ختم کرنا محال ہے۔

سلطان کا نظریہ اتحادی..... عالم اسلام میں اس وقت سلطان جلال الدین وہ واحد حکمران تھے جو تاتاریوں کے عظیم فتنے کی تباہ کاریوں سے سب سے زیادہ واقف، ان کی مکاریوں سے سب سے زیادہ آگاہ اور میدان جنگ میں ان کو مُنہ توڑ جواب دینے کی سب سے بہتر صلاحیت رکھتے تھے۔ وقت کی آواز پر ہمدن گوش رہتے ہوئے وہ اس بات کو نہایت ضروری خیال کرتے تھے حرمین شریفین اور باقی ماندہ مسلم ملکوں کی حفاظت کے لیے ایک متحدہ محاذ بنایا جائے۔ اس اتحادی طاقت کو تاتاریوں کے مقابلے میں بہترین طور پر استعمال کرنے کے لیے ان کے ذہن میں ایک عجیب منصوبہ تھا اور وہ یہ کہ ہندوستان کی سرحدوں سے لے کر بحیرہ اسود کے ساحل تک ہلائی شکل کی ایک طویل دفاعی دیوار تیار کی جائے جو بیک وقت ہندوستان، فارس، بغداد، شام، حجاز، مصر اور ایشیائے کوچک کی مسلم آبادیات کا حصار بن سکے۔

اس عظیم کام کے لیے بے شمار وسائل اور لامحدود مالی وافرادی قوت درکار تھی۔ بے سرو سامانی کے عالم میں اس منصوبے کا نقشہ بنانے والے سلطان جلال الدین کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے مسلمان حکمرانوں کا تعاون حاصل کرنا ناگزیر تھا۔ چونکہ خلافت بغداد کو عالم اسلام میں مرکزی حیثیت حاصل تھی، اس لیے سلطان کا خیال تھا کہ اگر خلیفہ ناصر سابقہ تختیں فراموش کر کے ان کی امداد پر رضامند ہو جائے تو پھر اردگرد کی مسلم حکومتیں بھی حالات کی سنگینی کا اندازہ کر کے ان کے ساتھ تعاون میں پس و پیش نہیں کریں گی۔ اس خیال کے پیش نظر سلطان نے خلیفہ سے براہ راست رابطہ کرنا ضروری سمجھا تاہم موسم سرما شروع ہو چکا تھا اس لیے وہ مناسب دنوں کے منتظر رہے۔

دربار خلافت میں سفارت کی روانگی اور ناکامی..... سلطان نے موسم سرما تیز میں گزارا، آمد بہار ہوئی تو ”شاہ پور خواست“ آ کر ایک ماہ قیام کیا اور آخر ماہ صفر ۶۲۱ھ (مارچ ۱۲۲۳ء) میں جبکہ موسم بہار اپنے جوہن پر تھا، بغداد کی طرف روانہ ہوئے، تاکہ خلیفہ ناصر سے گفت و شنید کر کے باہمی تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کریں۔<sup>(۲۰)</sup>

بغداد کے قریب پہنچ کر سلطان نے ضیاء الملک کو اپنا ایلیگی بنا کر دربار خلافت میں بھیجا۔<sup>(۲۱)</sup> ضیاء الملک نے خلیفہ کی خدمت میں سلطان کی آمد کا مقصد اور اس کا پس منظر بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کیا اور خلیفہ کو سلطان کی نیک نیت کا یقین دلانے کی کوشش کی، مگر افسوس کہ خوارزم کے کم و بیش ایک کروڑ مسلمانوں کا خون بہہ جانے کے بعد بھی خلیفہ کے دل میں برباد شدہ مملکت خوارزم کی نفرت اسی طرح موجود تھی۔ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کے بعد بھی عالم اسلام کا پیشوا اس کی اولاد اور مسلم رعایا پر رحم کھانے کے لیے تیار نہیں تھا۔

خلیفہ کی برافروختگی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کچھ دنوں پہلے سلطان کے ہراول دستوں کے سالار ایلیگی جہان بہلولان نے ایران کے علاقے خوزستان پر حملہ کیا تھا جو دربار خلافت کے زیر سایہ سمجھا جاتا تھا، اگرچہ سلطان نے خوزستان کی

شکست خوردہ فوج سے بھی اچھا سلوک کیا تھا اور اس لڑائی کے تمام گرفتار شدگان کو فوراً رہا کر دیا تھا مگر اس بھرپور سے بغداد اور خوارزم کے پرانے اختلافات پھر سے تازہ ہو گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خلیفہ نے سلطان کے پیام صلح و تعاون کو قابل اعتناء نہ سمجھا بلکہ سخت ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ترک سپہ سالار ”قشتمور“ کو بیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ سلطان جلال الدین سے مقابلے کے لیے روانہ کر دیا، ساتھ ہی حاکم ارنبیل مظفر الدین کو کبریٰ کو نامہ بر کبوتروں کے ذریعے یہ فرمان بھیجا کہ وہ دس ہزار سپاہیوں کو لے کر دوسری سمت سے سلطان پر یلغار کرے تاکہ سلطان کو دونوں جانب سے گھیر لیا جائے۔ نیز خلیفہ نے قشتمور کو بھی یہ ہدایت کی کہ وہ مظفر الدین کی آمد سے پہلے جنگ کا آغاز نہ کرے۔

خلافتی افواج کی یلغار..... سلطان جلال الدین بغداد کے باہر پڑاؤ ڈال کر خلیفہ کے جواب کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے کہ انہیں بغدادی افواج کی پیش قدمی کی خبر ملی۔ سلطان جنگ کے ارادے سے آئے تھے نہ اس کے لیے ذہنی طور پر تیار تھے۔ ان کے پاس صرف اپنی رفاقت اور حفاظت کے لیے دو ہزار سپاہیوں کا دستہ تھا۔

سلطان کا پیام..... تصادم سے بچنے کے لیے سلطان نے ایک بار پھر غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش کی اور قشتمور کے پاس ایچی کی معرفت یہ پیغام بھیجا:

”میں لڑنے کے ارادے سے نہیں آیا، خلیفہ کا مہمان بن کر حاضر ہوا ہوں۔ مہمان کے ساتھ ایسا سلوک بے مروتی ہے۔ اس جانب ہماری آمد کا مقصد صرف یہ ہے کہ امیر المؤمنین ناصر کے سایہ عاطفت کی پناہ حاصل کریں۔ اس وقت بلاد اسلامیہ کو تاراج و برباد کرنے والے طاقتور دشمن نے ہر طرف غلبہ پالیا ہے اور کوئی لشکر اس کے مقابلے کی سکت نہیں رکھتا۔ اگر خلیفہ المسلمین میری مدد فرمائیں اور مجھے ان کی رضامندی کی پشت پناہی حاصل ہو تو میں اس گروہ کو تاتار سے مقابلہ کرنے اور اس کو مار بھگانے کا ذمہ لیتا ہوں۔“ (۱۲)

لڑائی کا آغاز..... قشتمور پر سلطان کی درخواست کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اسے خلیفہ کی جانب سے جنگ کے واضح احکامات مل چکے تھے، اب اس کے لیے سلطان کی باتوں پر کان دھرنا بے معنی تھا۔ تاہم خلیفہ کی تاکید کی بنا پر وہ مظفر الدین کو کبریٰ کی آمد کا انتظار کر رہا تھا، جب مظفر الدین کی فوجوں کے پہنچنے میں دیر ہو گئی تو قشتمور نے یہ سوچ کر کہ سلطان کے مٹھی بھر ساقیوں کو روندنے کے لیے اس کے بیس ہزار سپاہی کافی ہیں، حملے کا حکم دے دیا۔ قشتمور کی فوجیں گرد کے بادل اُڑاتی ہوئی آگے بڑھیں۔ سلطان جلال الدین سمجھ گئے کہ اب مقابلہ ناگزیر ہے، دس گنا زائد دشمن کو دیکھ کر وہ ذرا بھی ہراساں نہ ہوئے، بلکہ اپنے ڈیڑھ ہزار سپاہیوں کو انہوں نے کچھ فاصلے پر گھات میں بٹھادیا اور خود پانچ سو جانبازوں کے ساتھ صف بنا کر حریف افواج کے بالمقابل جا کھڑے ہوئے۔

سلطان کے ساتھ صرف پانچ سو سپاہی دیکھنے کے بعد قشتمور کی جلد بازی اور بے صبری آخری حد کو پہنچ گئی۔ اپنی دانست میں چند لمحوں کے اندر اندر سلطان کو گرفتار کر کے خلیفہ کی نظرِ کرم کا مستحق بننے کا خواب دیکھتے ہوئے قشتمور طوفانی انداز میں ان مٹھی بھر حریفوں پر حملہ آور ہو گیا۔

جنگ کا انجام..... سلطان جلال الدین نے بغدادی افواج کے مقابلے میں شہد کی مکھی کی طرح ڈنک مار کر پیچھے ہٹنے کا انداز اپنایا۔ حریف فوج کے قلب اور دائیں و بائیں پہلو پر چند جارحانہ حملے کرنے کے بعد سلطان نے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق پسپائی اختیار کی۔ قشتمور نے یہ خیال کر کے کہ سلطان جلال الدین فرار ہو رہے ہیں، پوری تیزی

سے ان کا تعاقب کیا۔ سلطان پیچھے ہٹتے ہٹتے اپنے مخالفین کو ان گھاٹیوں اور پہاڑیوں میں لے آئے جہاں ان کے پندرہ سو سپاہی مورچہ زن تھے۔ خلافتی افواج کو یہاں پہنچتے ہی تیروں اور پتھروں کی بارش کا سامنا کرنا پڑا۔ اس اچانک افتاد سے ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ قشمو رنے یہ گمان کر کے کہ سلطان کا اصل لشکر تعداد میں بہت زیادہ ہے، واپس مڑنے کی کوشش کی، مگر اسے زندہ بچ کر نکلتا نصیب نہ ہوا۔ اس دوران مورچوں میں چھپے ہوئے خوارزمی سپاہی ششیر کف ہو کر باہر نکل آئے تھے۔ ادھر سلطان جلال الدین بھی پلٹ کر حملہ کر چکے تھے اور بغدادی لشکر یہ دیکھے بغیر کہ ان حملہ آوروں کی تعداد کتنی ہے، پوری رفتار سے بغداد کی طرف بھاگ رہا تھا۔ ان کی بدحواسی سے محظوظ ہوتے ہوئے سلطان جلال الدین اپنے مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ ان کا تعاقب کرتے رہے اور بغداد شہر تک ان کو ہانکتے چلے گئے۔<sup>(۳۲)</sup>

خلیفہ کی بدحواسی..... قشمو ر کی ہلاکت اور خلافتی افواج کی رسوا کن شکست کی خبر سے خلیفہ ناصر بے حد سراسیمہ ہو گیا۔ اس نے بغداد کے آہنی پھانک بند کر کر زبردست پہرے مقرر کر دیے اور مخفی قیاس نصب کرادیں۔ دس لاکھ دینار کے عظیم خرچ سے کی جانے والی یہ دفاعی تیاریاں دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا کہ شاید بغداد پر کسی بہت بڑے لشکر نے چڑھائی کر دی ہے<sup>(۳۳)</sup> مگر سلطان جلال الدین کے پاس کوئی بڑا لشکر تھا نہ ان کا بغداد پر چڑھائی کا ارادہ تھا۔ وہ خلافتی افواج کو ان کے گھر کا راستہ دکھا کر واپس لوٹ آئے۔

بعقوبا اور دوققا پر قبضہ..... سلطان اس وقت اپنی چھاؤنی سے سینکڑوں میل دور تھے..... خوراک و رسد کی کمیابی، بار برداری اور سواری کے جانوروں کی قلت اور ضرورت کے مطابق اسلحہ نہ ہونے کے باعث ان کے سپاہیوں کی حالت بہت دگرگوں ہو چکی تھی، اس حالت میں بغدادی افواج کا اچانک پھر سے آڑنا یا ان کے کسی اور حلیف کی جانب سے حملہ قطعاً بعید نہ تھا۔ ظاہر ہے ایسی کوئی صورتحال سلطان کے لیے مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ مجبور ہو کر انہوں نے بغداد سے سات فرسخ کے فاصلے پر واقع قصبہ ”بعقوبا“ پر قبضہ کیا..... اور وہاں سے رسد کا سامان اور سواری کے گھوڑے اور خچر حاصل کر لیے۔

بعد ازاں سلطان کا گزر ”ارتیل“ کے راستے میں پڑنے والی آبادی ”دوققا“ سے ہوا، یہاں کے لوگوں میں ہجر چا ہو چکا تھا کہ سلطان اور ان کے ساتھی خلافت کے باغی ہیں، چنانچہ اہل شہر نے فیصل پر چڑھ کر سلطان کو گالیاں دیں۔ سلطان نے شہر کا محاصرہ کر کے ایک ہی ہلے میں اس پر قبضہ کر لیا۔ سلطان کے سپاہی گالیاں سن کر سخت طیش میں تھے، اس لیے سلطان کے روکتے روکتے بھی بہت سے لوگ ان کے ہاتھوں مارے گئے۔<sup>(۳۴)</sup>

حاکم ارتیل سے جھڑپ اور صلح..... اسی دوران سلطان کو اطلاع ملی کہ ارتیل کا حاکم مظفر الدین کو کبری دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ ان کے مقابلے کے لیے آ رہا ہے۔ سلطان جلال الدین اپنے جانشینوں کے ساتھ ارتیل کے راستے میں ایک پہاڑ کے عقب میں گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ مظفر الدین کو کبری کی فوج جب یہاں سے آگے نکل گئی تو عقب سے دفعۃً حملہ کر دیا۔ مظفر الدین گرفتار کر لیا گیا اور اس کے سپاہی بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔

مظفر الدین کو کبری ایک شریف، تجربہ کار اور دلیر انسان تھا، اس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے سالار کی حیثیت سے تیسری صلیبی جنگ میں اپنی بہادری کے خوب جوہر دکھائے تھے، اب وہ عمر رسیدہ ہو چکا تھا۔ جب اسے سلطان جلال الدین کی خدمت میں لایا گیا تو سلطان نے اس کا پُر تپاک استقبال کیا اور شاہانہ اعزاز و اکرام سے

نواز۔ مظفر الدین نے اپنے تصور پر ندامت کا اظہار کیا۔ سلطان نے درگزر سے کام لیا، ساتھ ہی کروی ڈاکوؤں سے جاج کرام کے تحفظ کے لیے اس کی کامیاب کوششوں پر اس کی تعریف کی۔ مظفر الدین سلطان کے کریمانہ اوصاف سے بے حد متاثر ہوا، وہ بعد اصرار سلطان کو اپنے شہر لے گیا<sup>(۴۸)</sup> جہاں سلطان بطور مہمان کچھ عرصہ مقیم رہ کر اس کی خاصانہ خدمات و خاطر و مدارات سے لطف اندوز ہوئے۔<sup>(۴۹)</sup>

عزم نو..... خلیفہ ناصر کی بے مروتی کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی سلطان جلال الدین مایوس نہ ہوئے۔ انہوں نے ملک و قوم کے دفاع کے لیے خود اپنے زور بازو میں اضافہ کرنے کی حکمت عملی اپنائی۔ اپنے دائرہ کار کو وسعت دیتے ہوئے انہوں نے شمالی عراق سے لے کر آذربائیجان تک پھیلی ہوئی ان چھوٹی چھوٹی متعدد ریاستوں پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی جن کے حکمران تاتاریوں کے حلیف اور باج گزار تھے اور ان سے تاتاریوں کے خلاف جہاد میں مدد ملنے کی کوئی امید نہ تھی، بلکہ یہ خطرہ ہر آن موجود تھا کہ وہ اس نو تشکیل جہادی قوت کی پشت میں خنجر ثابت ہوں گے۔

مراغہ پر قبضہ..... آذربائیجان جاتے ہوئے راستے میں سلطان کو مراغہ شہر کے بعض رؤساء کے خفیہ خطوط ملے، جن میں انہیں مراغہ پر قبضے کی دعوت دی گئی تھی۔ دراصل بات یہ تھی کہ مراغہ تبریز کے حاکم ازبک مظفر کے ماتحت تھا مگر وہ عیاش انسان ایک طرف تاتاریوں کا نمک خوار تھا تو دوسری طرف گرجستان کے عیسائیوں سے دبتا تھا۔ چنانچہ بہت سے رؤساء شہر سلطان جلال الدین کی ماتحتی میں آنا چاہتے تھے۔ ان کی دعوت پر جمادی الثانیہ ۶۲۲ھ (جولائی ۱۲۲۵ء) میں سلطان جلال الدین نے مراغہ پر حملہ کیا اور چند دن کے محاصرے کے بعد شہر فتح کر لیا۔ مسلسل حوادث اور بد امنی نے شہر کو زیور بر کردیا تھا۔ سلطان کے حکم سے تباہ حال شہر کی از سر نو مرمت اور تعمیر کا کام بحسن و خوبی تکمیل کو پہنچا۔<sup>(۵۰)</sup>

مسلم حکمرانوں سے روابط کا آغاز..... خلیفہ کی امداد سے ناامید ہونے کے بعد سلطان جلال الدین شدت سے اس بات کی ضرورت محسوس کر رہے تھے کہ عالم اسلام کے دیگر حکمرانوں سے براہ راست روابط بڑھائے جائیں تاکہ یہ باہمی اتحاد آئندہ چل کر دشمنان اسلام کے سامنے سد سکندری بن سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ آذربائیجان اور اس کے بعد گرجستان پر یلغار کا منصوبہ ترتیب دے رہے تھے۔ چونکہ ان کے پڑوسی مسلم حکمران جو ان کے باپ کی نئی مہمات سے سہمے رہتے تھے، اب ان کی فتوحات کو بھی اسی زاویے سے دیکھنے لگے تھے اس لیے سلطان انکی غلط فہمیاں دور کر کے انہیں اپنے مقصد اور منصوبے سے آگاہ کرنے کے خواہش مند تھے اور اپنا رد و بدل ان کے سامنے کھنا چاہتے تھے۔<sup>(۵۱)</sup>

علاء الدین کی قیقاہ (سلطان روم) سے اتحاد..... جمادی الاخری کے اواخر میں جبکہ سلطان مراغہ ہی میں مقیم تھے، انہوں نے اپنی مملکت کے قاضی القضاۃ مجیر الدین عمر بن سعد الخوارزمی کو اپنا سفیر بنا کر خیر سگالی کے مراسلے کے ساتھ ایشیائے کوچک، شام اور مصر کے دورے پر بھیجا۔ سلطان کے مکتوب میں دوطرفہ تعلقات کو مضبوط بنانے سے متعلق امور کے علاوہ فرماؤں کو یہ اطلاع بھی دی گئی تھی کہ سلطان جلال الدین نے آذربائیجان فتح کر لیا ہے اور اب وہ جہاد کے لیے گرجستان کا رخ کرنے والے ہیں۔<sup>(۵۲)</sup>

ایشیائے کوچک میں سلاجقہ روم کا باعظمت فرماں روا علاء الدین کی قیقاہ حکومت کر رہا تھا، اس کے نام سلطان کے طویل مراسلے کا مکمل ترجمہ درج ذیل ہے:

مکتوب سلطان جلال الدین خوارزم شاہ مکبر تہ..... بنام سلطان روم علاء الدین کی قیقاہ سلجوقی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تحتیت و سلام کے اور ادکی وہ برکتیں اور ثا و مدائح کے وہ لطائف جن سے عقیدے کی صفائی اور باطن کی پاکیزگی مشام دل کو حاصل ہوتی ہے اور محبت و دوستی کی عمارتیں مضبوط ہوتی ہیں، ہر وقت سلطان معظم، جمشید زمانہ، ذوالقرنین وقت، علاء الدینا والدین، قطب الاسلام والمسلمین، فلک المعالی، ظن اللہ فی العالمین، افتخار آل سلجوق، ملک الملوک والسلاطین، برہان امیر المؤمنین (سلطان علاؤ الدین) کی مجلس پر نازل و شامل رہیں۔

اجتماع کی سعادت اور ملاقات کی عزت حاصل کرنے کی آرزو جو ہر حالت میں باقی رہے گی اتنی مختصر نہیں کہ قلم اپنی تیز رفتاری کے باوجود اس کا بیان احاطہ تحریر میں لاسکے۔ اَلْخَطُّ لَا يُغْنِي بَمَا لَا يَنْفَدُ (خط اس بات سے بے نیاز نہیں کرتا جو ختم نہ ہوتی ہو۔)

اگرچہ اس سے پہلے زمانہ کے تغیر و انقلاب کی بدولت خط و کتابت کا دروازہ جس سے جدائی کے زمانہ میں دوستوں کو تسلی ہوتی ہے، بند رہا، لیکن آج کے بعد سے بیگانگی کا حجاب دور کرنے اور مودت و یگانگی کا باب کھولنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اور جانبین سے تَمَسُّكُ اِنْ ظَفَرْتُ بُوْدٍ خَيْرٌ، فَاِنَّ الْحُرَّ فِي الدُّنْيَا قَلِيلٌ (اگر تم کسی شریف آدمی کی دوستی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو اسے مضبوطی سے تھام لو، کیونکہ شریف آدمی دنیا میں تھوڑے ہیں۔) والے مقولے پر عمل کرنا چاہئے۔ خدا کا شکر و احسان ہے کہ جہاد و جنگجوئی کی سنت پر عمل پیرا ہونے میں ہماری اور آپ کی شرکت ثابت ہے۔ اسی طرح دین و ملت میں بھی ہم دونوں موافق ہیں اور ”اَوَّلَى النَّاسِ بُوْدُكَ وَ خُلَّتِكَ مَنْ وَافَقَكَ فِي دِينِكَ وَ مِلَّتِكَ“ (تیری محبت و دوستی کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو دین و ملت میں تیرے موافق ہے۔)

بادشاہان مغرب میں آپ کی ذات گرامی سرحدوں کی روک تھام اور اہل کفر و فجور کے قلع و قمع کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔ میں دیار مشرق میں شمشیر آبدار سے کفار کے فتنہ و فساد کی آگ بجھاتا رہتا ہوں۔ اگر ہم آہنگی کی ایسی علامات کے باوجود ہم نے باہمی تعلقات اور دوستانہ مراسم قائم رکھنے اور نباہنے کی کوشش نہ کی اور منافع کے حصول اور نقصانات سے بچاؤ کے لیے باہم حصہ دار اور شراکت دار نہ بنے تو فَاَيُّ النَّاسِ نَجَعْلُهُ صَدِيقًا وَ اَيُّ الْاَرْضِ نَسْلُكُهُ اَزْبَادًا۔ (بھلا پھر کس کو دوست بنائیں گے اور کسی زمین پر چادر لٹکا کر..... یعنی بے فکری سے..... چل سکیں گے!)

یہ مراسلہ شہر مراٹھ میں جو آج کل فتح و ظفر کے پرچموں کا مرکز ہے اور آخر جمادی الثانیہ میں لکھا جا رہا ہے۔ الحمد للہ! آنجناب کی تائید دولت و برکت سے ہمارے ملک کا حال لا لکھ لا کھ حمد اور شکر کا مستحق ہے۔ کامرانی کے اسباب اور جہان بینی کے ذرائع اجتماع امت، باہمی اتفاق اور اکابر ملوک و سرداران ملک کی اطاعت کی صورت میں مہیا ہیں۔ ملک مورثی قبضہ میں ہے اور (مزید) فتوحات جاری ہیں۔ جس زمانہ میں ہم ان ممالک سے غائب رہے ہندوستان کے شہروں سے ایک وسیع و عریض مملکت ہمارے کارکنوں



کے قبضہ میں آ گئی۔

ہمارا عزم و ارادہ ہمیشہ اعدائے دین سے انتقام لینے اور اہل اسلام کے دلوں کو شفی دینے کے لیے وقف رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ آنجناب ہمارے ملک و دولت کی سرسبزی و رونق پر جس سے رعایا کی راحت اور کارکنوں کی استقامت وابستہ ہے، کس درجہ خوش و خرم ہوں گے، اسی طرح جو سعادت آپ کو حاصل ہوئی ہے اس میں ہم اپنے آپ کو شریک اور حصہ دار خیال کرتے ہیں۔

فی الحال صدر معظم، عالم مجتہد، قوام الملک، مجیر المملۃ والدین، شرف الاسلام والمسلمین، علامہ زمان، دانشمند دوران، فخر خوارزم و خراسان، قاضی القضاۃ ممالک، ابوالملوک والسلاطین، طاہر..... ادام اللہ تائیدہ..... جو سلسلہ اکابر کے نفیس ترین جوہر ہیں اور گروہ اہل فخر کا خلاصہ ہیں اور قدمائے ملک و اعیان دولت میں سے مخصوص تقرب و امتیاز کے ساتھ مشرف ہیں، اس کے علاوہ اہم معاملات میں انہی کے مشورے پر اتفاق کیا جاتا ہے..... وہ آپ کی جانب روانہ کیے جا رہے ہیں۔ ان کی زبانی وہ تمام پیام گوش گزار ہوں گے جن سے راہ محبت کشادہ ہوگی، بیگانگی اور اجنبیت کا غبار دل کے آئینے سے صاف ہو جائے گا اور ہماری دوستی کا معیار جو آپ پر روشن ہے، پورے خلوص کے ساتھ واضح ہو جائے گا..... اس طرح کہ آج کے بعد سے جانین سے ایلیچیوں اور قاصدوں کی آمد و رفت پیہم جاری رہے گی۔ مناسب ہوگا کہ آں محترم بھی (قاضی صاحب کی زبانی) ان باتوں کو جو ہمیشہ ملوک و سلاطین کے کانوں تک پہنچتی رہتی ہیں، قبولیت کے گوش سے سنیں اور جو کچھ وہ ① کہیں اور بیان کریں..... اسے ہمارا ہی کہا ہوا اور ہمارا ہی پیام خیال فرمائیں۔ امید ہے کہ وہ اپنی معروضات سے ہمارے مراسم خلوص و دوستی کی کیفیت و کسیت نہایت صفائی اور نیک نیتی سے واضح کریں گے۔ والسلام

سلطان علاؤ الدین کی قیباد کا جواب..... قاضی القضاۃ مجیر الدین طاہر خوارزمی جب یہ مکتوب لے کر سلطان علاؤ کی قیباد کے دربار میں پہنچے تو ان کی زبردست پذیرائی ہوئی۔ سلطان کی قیباد نے ان کا بے حد اعزاز و اکرام کیا اور کچھ مدت مہمانی کے بعد سلطان جلال الدین کے نام اپنا مراسلہ دے کر ان کو رخصت کیا۔ سلطان علاؤ الدین کی قیباد کے اس مکتوب کے متن کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

مکتوب سلطان علاؤ الدین کی قیباد..... بنام سلطان جلال الدین خوارزم شاہ  
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فخر و مباہات کے جوہر اور بلند و اعلیٰ مناقب و اوصاف سلطان معظم، شہر یار بنی آدم، سکندر دوم، صاحب قرآن، عالم، علاء الاسلام والمسلمین سلطان جلال الدین کی ذات شریف میں ودیعت فرمائے ہیں اور نہایت صحیح و درست دلائل کے ساتھ لطف کی گراں قدر خوبیاں عطا کی ہیں، اس لیے اس قاعدے سے کہ لَیْسَ مِنَ اللّٰہِ بِمُسْتَنْکِرٍ اَنْ یَّجْمَعَ الْعَالَمُ فِیْ وَاحِدٍ (یہ بات اللہ سے کچھ بعید نہیں کہ وہ ایک شخص کے اندر ساری دنیا بھر کی خوبیاں جمع کر دے۔) (اللہ تعالیٰ نے یہ بھی چاہا کہ موانست و میلان باہمی کی ابتدا اور اشتیاق و توجہ کی سلسلہ جنبانی بھی آں محترم کی طرف سے



ہوتا کہ دلنوازی اور دوست داری کی تمام قسمیں اور لطف و عنایان کے سارے وصف آں جناب کو مہیا و میسر ہو جائیں۔ اَبی الْفَضْلِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ لَا هِلَهٗ۔

(فضیلت انہی کو حاصل ہوتی ہے جو اس کے اہل ہوں۔)

اسی قاعدے کی بنا پر آپ نے اس مخلص کے ساتھ مراسلت کا افتتاح فرمایا اور دوستی کی بنیاد ڈالنے میں سبقت کی۔ جب آپ کا خط جو سرمایہ فخر و مباہات ہے پہنچا تو جو شوق پہلو میں پوشیدہ تھا سینے میں مشتعل ہو گیا اور سو زحمت کا شعلہ ثریا تک جا پہنچا۔

وَابْسُرْخُ مَا يَكُوْنُ الْوُفَّ يَوْمَ اِذَا دَنَسَ الْخِيَامُ مِنَ الْخِيَامِ۔

(جب محبوب کے خیمے ہمارے خیموں کے قریب آ جاتے ہیں تو یہ تھوڑا سا فاصلہ ہزاروں دنوں کی مسافت کی مانند دکھائی دے والا ہوتا ہے۔)

اللہ علیم ہے کہ جب سے ملعون کافروں سے انتقام لینے اور اہل دین کے قلوب کو تسلی دینے کے لیے آپ کے فتح مند پرچوں کا مسلسل حرکت میں آنا معلوم ہوا ہے، خصوصاً سلطان معظم کی عالی ہمتی اور کامرانی کی بشارت کا علم ہوا ہے، تب سے لحظہ بلحظہ ملاقات کا شوق بڑھتا جاتا ہے اور مراسلت کی آرزو ترقی کرتی جاتی ہے، مگر یہ بات آپ سے پوشیدہ نہ ہوگی کہ اس مخلص کو ہمیشہ گراما و سراما کا سفر چاروں طرف تلوار کے سائے میں طے کرنا اور جہاد کرنا پڑتا ہے (سلطان علاء الدین کی قیادت اس دور میں یورپی حملہ آوروں کا مقابلہ کر رہا تھا) اور یہی بات جو آپ نے مراسلہ گرامی میں بیان فرمائی اور اسے باہمی ہم آہنگی کی علامات میں شامل فرمایا میری طرف سے عذر کے لیے کافی ہے۔

دوسرے یہ کہ خدا نے عز و جل نے افتتاح رسم و مراسلت کا شرف آں محترم کو عطا فرمایا ہے تو یہ الطاف و عواطف (یعنی ملاقات میں پیش قدمی) بھی آپ ہی کے حصے میں رکھے ہیں۔ اس کے خلاف جرأت کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اب جبکہ آپ نے تعلقات کی وسعت کی اجازت عطا کی ہے یقین ہے کہ متواتر مراسلات سے آپ کو زحمت نہ ہوگی۔

صدر کبیر، عالم، مجیر الدولہ والدین، ظہیر الاسلام و المسلمین، نصیر الملوک و السلاطین، صدرِ صدور خوارزم و خراسان، افتخارِ جہان، علاء طاهر پہنچے اور ان کے ذریعے سے پیامہائے گرامی اور مراسلہ مبارک وصول ہوا۔ اس کے مطالعہ سے ان کے الطافِ عمیمہ کی بیاضِ خلوص نمایاں ہوئی اور علاء موصوف نے اپنے چند روزہ قیام میں سب کے دل شاہانہ بلند خیالیوں کے ذکر سے جیت لیے اور جان و روح کی تقویت پہنچائی۔

جواب کے لیے امیر سپہ سالار صلاح الدین خدمت گرامی میں باریابی کی سعادت حاصل کرنے کے لیے مامور ہوئے۔ قوی امید ہے کہ جب ملازمت و باریابی سے مشرف ہوں تو جو کچھ یہ کہیں اور بیان کریں آپ اس پر بھرپور فرمائیں اور اسے ہمارا کہا ہوا خیال فرمائیں اور محبت و دلنوازی کی جو بنیاد قائم کی ہے اسے پیہم مراسلت و دوستانہ پیام و سلام سے مضبوط کرتے رہیں۔

لَوْ كَانَ فِيمَا مِنْ كَرَمٍ فِيهِ مَزِيدٌ فَزَادَكَ اللَّهُ.

(عزت و تکریم کے بارے میں جو کچھ خیال کیا جاتا ہے اگر اس میں زیادتی ہو سکتی ہو تو اللہ تعالیٰ

آپ کے لیے اسے مزید بڑھا دے)

تاکہ یہ مخلص طریق خدمت پر گامزن رہے اور مودت و پیوستگی کے تعلقات مضبوط اور قائم

رہیں۔ والسلام

اس سفارت سے دونوں بادشاہوں میں خط و کتابت اور دوستی و الفت کے جس رشتے کا آغاز ہوا تھا وہ جاری رہا۔ جانشین سے وفود کا تبادلہ ہوتا رہا، کچھ عرصہ بعد جب سلطان جلال الدین کو تاتاریوں سے جہاد کے لیے رقم کی ضرورت پڑی تو سلطان کی قیادت نے ان کی بھرپور مالی امداد کی۔<sup>(۳۶)</sup>

حکمران شام ”الملک المعظم“ سے تعلقات ..... مصر اور شام پر سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کے برادر زادے حکومت کر رہے تھے۔ الملک الکامل محمد مصر کا حکمران تھا۔ الملک الاشرف موسیٰ خلاط اور الجزیہ کی مسند اقتدار سنبھالے ہوئے تھا۔ رہا اور میافارقین پر الملک المعظم شہاب الدین غازی کی حکومت تھی، جبکہ الملک المعظم عیسیٰ دمشق کا حاکم تھا۔ یہ چاروں بھائی عیسائیوں سے معرکہ آزمائیوں کے ساتھ ساتھ باہمی سرحدی تنازعات پر ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑے رہتے تھے۔ خصوصاً الملک المعظم اور الملک الاشرف کے درمیان اکثر ناچاقی رہا کرتی تھی۔

الملک المعظم بعض خصوصیات کے لحاظ سے ایک منفرد حکمران تھا۔ وہ قرآن مجید کا حافظ اور فقہ میں پید طولی رکھتا تھا۔ مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا پختہ پیروکار تھا اور اپنے عقائد کے لیے ”العقیدۃ الطحاویہ“ جیسی معتمد کتاب کو معیار قرار دیتا تھا۔ شجاعت و حمیت کا مادہ اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔<sup>(۳۷)</sup> ۶۱۸ھ میں فرنگیوں سے دمیاط کی بازیابی میں اس کی حمیت اور جرأت کا بڑا دخل تھا۔ سلطان جلال الدین نے جن دیگر حکمرانوں کے ساتھ مراسلت و مکاتبت کے ذریعے اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی ان میں الملک المعظم کا نام قابل ذکر ہے۔ اس مراسلت میں یہ طے ہوا کہ دونوں حکمران ایک دوسرے کے مخالفین کے مقابلے میں باہمی تعاون کی راہ اپنائیں گے۔

یہ معاہدہ آذربائیجان میں ہوا جس کے لیے الملک المعظم نے سلطان جلال الدین کی خدمت میں اپنے دربار کے ایک معزز رکن صدر البکری کو سفیر بنا کر بھیجا تھا۔<sup>(۳۸)</sup>

چونکہ پہلے سے الملک الاشرف اور المعظم کے درمیان تنازعہ چلا آ رہا تھا، اس لیے خود بخود اس معاہدے اور اتحاد کی زداشراف پر بھی پڑ رہی تھی۔<sup>(۳۹)</sup> اسی وجہ سے الملک الاشرف سلطان جلال الدین سے ناراض ہو گیا اور اس کے اور سلطان جلال الدین کے درمیان کبھی خوشگوار تعلقات قائم نہ ہو سکے۔

الملک المعظم کی سلطان سے عقیدت ..... الملک المعظم کو سلطان جلال الدین سے اس قدر عقیدت ہو گئی تھی کہ وہ سلطان کی دی ہوئی خلعت بڑے اہتمام سے زیب تن کیا کرتا تھا اور بڑے فخر سے سلطان کے عطا کردہ گھوڑے پر سواری کیا کرتا تھا۔ الملک الاشرف سے گفتگو کے درمیان وہ اکثر کسی بات پر زور دینے کیلئے یوں کہا کرتا: ”وحیاء رأس السلطان جلال الدین“ (سلطان جلال الدین کی زندگی کی قسم)

اشرف یہ الفاظ سن کر بہت جھنجھلاتا مگر معظم کو پروا نہ ہوتی۔<sup>(۴۰)</sup>

خلیفہ کے متعلق المعظم سے سلطان کی مکاتبت ..... سلطان جلال الدین خلیفہ ناصر کی بدسلوکی اور فتنہ پروری سے سخت نالاں ہو چکے تھے، ایک بار ان کے جی میں آئی کہ کیوں نہ الملک المعظم کے ساتھ مل کر خلیفہ کے خلاف فوج کشی کی جائے تاکہ اس فتنہ پرور شخص سے نجات ملے۔ چنانچہ سلطان نے المعظم کو لکھا:

”آئیے! میرے ساتھ متحد ہو جائیے۔ ہم مل کر خلیفہ کے خلاف اقدام کریں گے۔ میرے باپ کی ہلاکت اور اسلامی ممالک پر تاتاریوں کے حملے کا سبب وہی ہے۔ ہم نے اس کے ایسے خطوط بھی برآمد کیے تھے جس میں اس نے ترکان خطا کو ہمارے خلاف ابھارتے ہوئے ان سے دستخط شدہ وعدے کیے تھے کہ انہیں حکومتیں، خلعتیں اور لشکر عنایت کیے جائیں گے۔“

الملک المعظم جانتا تھا کہ ایسا کوئی بھی اقدام عامۃ المسلمین کے حق میں مہلک ہونے کے ساتھ ساتھ خود ان دونوں کے لیے بھی بدنامی اور خسارے کا باعث ہوگا، اس لیے اس نے سلطان کو سمجھا بجا کر ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی اور اپنے جوابی خط میں لکھا:

”میں ہر مرحلے میں آپ کا ساتھ دوں گا، مگر خلیفہ کے خلاف کچھ نہیں کروں گا، اس لیے کہ وہ بہر حال مسلمانوں کا پیشوا ہے۔“ (۴۵)

اس جواب کے بعد سلطان کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور خلیفہ کے متعلق انہوں نے اپنی روش دوبارہ مؤدبانہ کر لی۔ الملک المعظم کے مقاصد ..... الملک المعظم اگرچہ سلطان جلال الدین سے اتحاد کر چکا تھا اور سلطان کے اکرام و احترام میں کوئی کسر نہ چھوڑتا تھا، مگر اس کا یہ تعاون اور بھائی چارہ حقیقتاً اپنے سیاسی مفادات کے حصول کے لیے تھا۔ اپنے بھائیوں الملک الاشرف اور الملک الکامل کی دست برد سے بچنے کے لیے اس نے سلطان کی دوستی سے اپنی کمر مضبوط کر لی تھی۔ (۴۶)

معظم کے تعاون اور ہمدردی کا یہ پہلو غالباً سلطان کی نگاہوں سے بھی پوشیدہ نہ ہوگا، مگر انہوں نے بہر صورت ایک حلیف کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے معظم کی دوستی کو غنیمت ہی سمجھا، مگر آئندہ چل کر ان کو یہ دوستی بڑی مہنگی پڑی۔ سلطان کے متعلق معظم کے ذہن کا اندازہ ایک واقعے سے ہو سکتا ہے۔

ایک بار خلافت بغداد کی جانب سے کوئی صاحب سفیر بن کر الملک المعظم سے ملے اور دوران گفتگو اس سے کہنے لگے: ”میں مصلحت یہ سمجھتا ہوں کہ آپ اس خارجی جلال الدین خوارزمی سے قطع تعلق کر لیں اور اپنے بھائیوں سے تعلقات قائم کریں۔ آپ کے درمیان صلح کرانے کے لیے ہم اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔“

الملک المعظم نے جواباً کہا: ”مجھے یہ تو بتائیے کہ جب میں سلطان جلال الدین خوارزمی سے قطع تعلق کر لوں گا اور پھر کبھی میرے کسی بھائی نے مجھ پر حملہ کیا تو کیا آپ لوگ میری مدد کریں گے؟“

سفیر نے کہا: ”ہاں! بالکل“

الملک المعظم نے یقین نہ کرتے ہوئے کہا: ”آپ حضرات کی عادت ہی نہیں کہ آپ کسی کی مدد کریں۔ یہ دیکھئے خلیفہ ناصر کے خطوط ہمارے پاس موجود ہیں۔ جب ہم دمیاط کے محاذ پر نصرانیوں سے برسرِ پیکار تھے تو ہم نے خلیفہ سے مرسلت کر کے اس سے مدد مانگی۔ جواب ملا کہ ہم تو الجزیرہ کے حکام کو آپ کی مدد کا کہہ چکے ہیں، مگر انہوں نے

مدد نہیں بھیجی۔“

یہ کہہ کر الملک المعظم نے کہا: ”بغداد والو! میری اور تمہاری مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک آدمی تھا۔ وہ نماز کے لیے جاتا تو کتوں کے خوف سے لاشی ہاتھ میں تھام کر رکھتا۔ اس کے کسی دوست نے اسے کہا کہ آپ بوڑھے بزرگ ہیں، یہ لاشی آپ کے لیے بڑا بھاری بوجھ ثابت ہو رہی ہے، اسے رکھ دیں، میں آپ کو ایسی چیز بتاتا ہوں کہ آپ کو لاشی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ بوڑھے نے پوچھا: وہ کیا؟“ کہنے لگا: گھر سے نکلتے ہوئے سورۃ یٰسین پڑھ لیا کریں، کتا آپ کے قریب نہیں آئے گا۔“ کچھ مدت گزر گئی، اس دوست نے ایک بار پھر اسی بوڑھے کو لاشی سمیت دیکھا تو پوچھا: ”میں نے آپ کو ایسی چیز نہیں بتادی تھی جو آپ کو لاشی سے بے نیاز کر چکی تھی۔“ بوڑھا بولا: ”میاں! یہ لاشی ایسے کتے کے لیے ہے جو قرآن نہیں سمجھتا۔“

یہ قصہ سنا کر معظم نے سفیر سے کہا: ”میرے بھائی میرے خلاف متحد ہو چکے ہیں، اس لیے میں نے سلطان جلال الدین خوارزمی کو خلاط (جو الملک الاشرف کا علاقہ تھا) کے محاذ پر کھڑا کر دیا ہے، اگر مجھ پر میرا بھائی اشرف حملہ کرنا چاہے گا تو جلال الدین اسے روک لے گا اور اگر میرے بھائی الملک الکامل نے حملہ کیا تو اس سے میں خودمٹ لوں گا۔“<sup>۳۰۹</sup>

ایک نیا فتنہ اور اس کا مدارک ..... خلیفہ ناصر کی سازشی فطرت سلطان جلال الدین کو زک پہنچانے کے لیے مسلسل منصوبہ سازی کر رہی تھی۔ اس مقصد کے لیے اس نے امیر ”ایغان طائسی“ کو آلہ کار بنایا۔ ”ایغان طائسی“ خوارزمی دربار کا ایک اہم رکن شمار ہوتا تھا۔ وہ سلطان جلال الدین کا بہنوئی اور شہزادہ غیاث الدین کا ماموں تھا۔ جن دنوں سلطان جلال الدین ہندوستان میں تھے، امیر ایغان طائسی عراق میں اپنے بھانجے غیاث الدین کا سرپرست بن کر اس کی حکومت کی تشکیل میں تعاون کر رہا تھا، مگر تھوڑے ہی عرصے بعد ماموں بھانجے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایغان طائسی خود مختار حکمرانی کا دعوے دار بن بیٹھا تھا۔ غیاث الدین اور اس کے مابین جھڑپیں بھی ہوئیں تھیں جن میں عموماً غیاث الدین کا پلہ بھاری رہا تھا۔

ایران و عراق میں سلطان جلال الدین کی حالیہ فتوحات کے دوران امیر ایغان طائسی آذربائیجان میں اپنی فوج تیار کر رہا تھا۔ پانچ ہزار جنگجو اس کے ماتحت جمع ہو چکے تھے۔ اس موسم سرما میں وہ ”بحیرۃ ازان“ کے ساحلی علاقے میں فروکش تھا۔ خلیفہ ناصر نے پیغام بھیج کر اسے ہمدان سمیت سلطان جلال الدین کے تمام مقبوضات پر حملے کے لیے اکسایا اور کامیابی کی صورت میں اسے ان علاقوں کا خود مختار فرمانروا تسلیم کرنے کا وعدہ کیا۔

خلیفہ کی سرپرستی سے دلیر ہو کر امیر ایغان طائسی نے اپنے لشکر کے ساتھ ہمدان کا رخ کیا۔ آذربائیجان سے لوٹے ہوئے مونیشیوں کے ریوڑ اور غنائم کے انبار بھی اس کے ساتھ تھے۔ سلطان جلال الدین کو اس کی اطلاع ہو چکی تھی۔ انہوں نے برق رفتاری سے یلغار کی اور ہمدان کے نواحی پہاڑوں میں ”ایغان طائسی“ کو جالیا۔ سلطان کی حکمت عملی یہ تھی کہ بلا لشت و خون اس فتنے کی سرکوبی ہو جائے اور وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب رہے۔

سلطان رات کے اندھیرے میں خاموشی سے ”ایغان طائسی“ کی خیمہ گاہ کے قریب جا پہنچے۔ خیمہ گاہ کے چاروں طرف آذربائیجان اور بحیرۃ ازان سے لوٹے ہوئے مال و متاع کے انبار لگے ہوئے تھے، سواری اور بار برداری کے جانوروں کے ریوڑ بہت بڑی تعداد میں موجود تھے۔ سلطان نے خیمہ گاہ کا گھیراؤ کر کے ان سب چیزوں پر قبضہ

کر لیا۔ صبح تڑکے ایغان طائسی میٹھی نیند سے بیدار ہوا تو اپنے کیپ کے ارد گرد کا منظر دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اچانک اس کی نگاہ سلطان جلال الدین کے چتر شاہی پر جا پڑی، سلطان کو پہچان کر وہ حیرت سے انگشت بدندان رہ گیا۔ وہ اس خام خیالی میں مبتلا تھا کہ سلطان یہاں سے سینکڑوں میل کے فاصلے پر دوقا کے محاصرے میں مصروف ہیں اور اس کی حرکتوں سے بے خبر ہیں۔ بہر حال اب معافی کی درخواست ہی نجات کی ایک صورت باقی رہ گئی تھی۔ اس نے اپنی بیوی (سلطان کی بہن) کو بھیج کر جان بخشی کی التماس کی۔ سلطان نے بڑے اعزاز و اکرام سے اپنی بہن کا استقبال کیا اور اس کے شوہر کی جان بخشی کر دی۔ نیز اس کے تمام سپاہیوں کو اپنی فوج میں شامل کر لیا اور اس کی خدمت اور حفاظت کے لیے اپنے سپاہیوں کا ایک دستہ اس کے پاس چھوڑ دیا۔<sup>(۳۵)</sup>

تبریز کی مہم..... سلطان جلال الدین کا اگلا ہدف آذربائیجان کی ریاست تھی۔ وہاں کا حاکم ازبک مظفر بن بہلوان ایک عیش پرست انسان اور تاتاریوں کا حلیف تھا۔ چند سال قبل جب تاتاریوں نے مرو پر حملہ کیا تھا تو وہاں کے شکست خوردہ چھ ہزار خوارزمی سپاہیوں نے فرار ہو کر آذربائیجان کے مرکز تبریز میں پناہ لی تھی۔ تاتاریوں نے جب ازبک مظفر سے ان خوارزمیوں کی گرفتاری کا مطالبہ کیا تو اس نے بلاتامل بعض خوارزمیوں کے سر کاٹ کر تاتاریوں کے پاس بھیج دیے تھے اور باقی ماندہ کو گرفتار کر کے ان کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ ازبک کے ان سنگین جرائم کے باعث سلطان جلال الدین سخت برا فروختہ تھے اور اسے اس کے کرتوتوں کی سزا دینا چاہتے تھے۔

اس کے علاوہ سلطان کو یہ اطلاع بھی ملی تھی کہ ازبک اور گرجستان کے عیسائی مل کر ان کے خلاف محاذ کھولنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

ایغان طائسی کا فتنہ فرو کر کے سلطان مراغہ لوٹ آئے اور کچھ مدت تیاری کے بعد آذربائیجان کی طرف کوچ کر دیا۔ دریں اثناء انہیں اطلاع ملی کہ ازبک مظفر ان کے حملے سے خوفزدہ ہو کر تبریز سے فرار ہو کر گنچہ پنہنج چکا ہے۔ اس کے امراء اور اس کی بیوی بنت سلطان طغرل نے شہر کا انتظام سنبھالا ہوا ہے۔<sup>(۳۶)</sup>

رجب ۶۲۲ھ (جولائی ۱۲۲۵ء) میں سلطان نے تبریز کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر فیصل بند ہو کر پانچ روز تک بھرپور مدافعت کرتے رہے۔<sup>(۳۷)</sup>

بیگم بنت طغرل کا پیام..... تبریز کے مفروز حاکم ازبک مظفر<sup>(۳۸)</sup> بن بہلوان کی اہلیہ، سلاہجہ عراق کے آخری مقتول فرمانروا سلطان طغرل بن الپ ارسلان کی بیٹی تھی۔<sup>(۳۹)</sup> اپنے شوہر کے ساتھ اس کے تعلقات کشیدہ رہا کرتے تھے۔<sup>(۴۰)</sup> ازبک شراب نوشی اور لہو و لعب مشغول رہتا، جبکہ امور مملکت اس کی بیوی اور امراء انجام دیا کرتے تھے۔<sup>(۴۱)</sup> ایک بار ازبک کے منہ سے نکل گیا: ”اگر میں فلاں غلام کو قتل کروں تو تجھے تین طلاق“۔ بعد میں وہ غلام ازبک کے ہاتھوں ہی مارا گیا۔<sup>(۴۲)</sup> بیگم بنت طغرل نے بغداد اور شام کے امراء سے فتویٰ طلب کیا تو سب نے طلاق واقع ہو جانے کا فتویٰ دیا۔<sup>(۴۳)</sup> مگر ازبک کے چنچے اقتدار سے مغلوب ہو کر بے چاری بنت طغرل چارونا چاراس کے ساتھ رہتی رہی۔

تبریز پر سلطان کے حملے کے دوران ایک روز بیگم بنت طغرل اپنے محل کی بلندی سے جنگ کا نظارہ کر رہی تھی کہ اچانک اس کی نگاہ سلطان جلال الدین پر جا پڑی جو اپنی فوج کی کمان کر رہے تھے۔ سلطان کے خداداد جاہ و جلال، ان کی جرأت و ہمت اور وقار و مملکت کا مشاہدہ کر کے بیگم بنت طغرل نہایت متاثر ہوئی اور سلطان سے نکاح کے خواب

دیکھنے لگی۔<sup>(۳۹)</sup> اس نے تبریز کے قاضی القضاۃ عزالدین قزوینی کے ہاں نسخ نکاح کا دعویٰ کر کے اپنے حق میں فیصلہ لے لیا۔<sup>(۴۰)</sup>

بعد ازاں اس نے خفیہ طور پر سلطان جلال الدین کو پیام دیا کہ مجھے اپنے شوہر کی جانب سے طلاق ہو چکی ہے جس پر بغداد و شام کے علماء کے فیصلے پیش خدمت ہیں، میں آپ سے مصالحت کر کے شہر حوالے کرنے کے لیے تیار ہوں، مگر اس سے قبل آپ مجھے اپنے مال و متاع کے ساتھ اپنی جاگیر چلے جانے کی اجازت دے دیں۔ شہر پر قبضے کے بعد تشریف لا کر آپ مجھے اپنے نکاح میں قبول کر لیں۔

سلطان نے اس پیش کش کو اس شرط پر قبول کر لیا کہ بنت طغرل کو ازبک سے طلاق ملنا ثابت کیا جائے۔ بنت طغرل نے طلاق کے گواہ بھیج دیے جنہوں نے سلطان کے روبرو حلفیہ شہادت دی کہ طلاق واقع ہو چکی ہے اور ازبک سے نکاح ختم ہو چکا ہے۔ تب سلطان نے نکاح پر آمادگی ظاہر کر کے نشانی کے طور پر ایک بیش قیمت انگوٹھی ارسال کر دی<sup>(۴۱)</sup> بیگم بنت طغرل خوشی سے نہال ہو گئی۔ اس نے بڑی فراست سے کام لیتے ہوئے امراء کو جمع کر کے انہیں سلطان کی قوت اور انتقام سے ڈرا کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ بعض شرائط پیش کر کے سلطان سے مصالحت کر لیں۔

امراء نے دولت نے اس تجویز کو بخوشی قبول کر لیا اور قاضی عزالدین قزوینی کو عمائد شہر کے ایک وفد کے ساتھ سلطان کے پاس بھیج دیا۔<sup>(۴۲)</sup>

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ سلطان جلال الدین ازبک مظفر سے سخت نفرت کرتے تھے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ تاتاریوں کے حملے کے آغاز میں جب مغربی تاتاریوں کا لشکر سودائی اور جرجی نویان کی قیادت میں تبریز سے گزرا تھا تو ان دنوں شکست خوردہ خوارزمی افواج کے کئی سپاہی تبریز میں پناہ لیے ہوئے تھے، تاتاریوں کے یہاں پہنچنے پر ازبک نے نہ صرف انکی باج گزاری فوراً قبول کر لی تھی بلکہ انکو خوش کرنے کے لیے اپنے ہاں پناہ لینے والے خوارزمی فوجیوں کے سر قلم کر کے ان کے پاس بھیج دیے۔ سلطان اس ظلم کو کبھی نہ بھلا سکے، اور اب تبریز کے محاصرے کے دوران وہ بار بار اپنی مجلس میں کہہ رہے تھے کہ یہی وہ اہل تبریز ہیں جنہوں نے کل ہمارے مسلمان بھائیوں کو قتل کر کے ان کے سر کا فر تاتاریوں کے پاس بھیجے تھے۔

وفد کے ارکان کو سلطان کی اس برہمی کا علم ہو چکا تھا، اس لیے وہ ڈرتے ڈرتے سلطان کے پاس حاضر ہوئے اور جان کی امان طلب کی۔ سلطان نے خوارزمی سپاہیوں کے ساتھ ان کے ظلم و ستم کا تذکرہ کیا تو وفد نے معذرت کرتے ہوئے کہا:

”یہ ازبک کا اپنا فعل تھا، ہمارا اس جرم میں کوئی حصہ نہیں۔ ہمیں اتنی قوت حاصل نہیں تھی کہ ازبک کو اس بُرے فعل سے روک سکتے۔“

سلطان نے ان کے عذر کو قبول کر لیا اور وفد کی التماس کے مطابق تمام شہریوں کی جان و مال کے تحفظ کا وعدہ کیا۔ اسکے علاوہ بیگم بنت طغرل کو اس کی جاگیر میں جانے کی اجازت دے دی۔<sup>(۴۳)</sup>

تبریز میں فاتحانہ داخلہ ..... جمعہ ۱۷ رجب ۶۲۲ھ (۲۵ جولائی ۱۲۲۵ء) کی صبح تبریز شہر کے دروازے کھول دیئے گئے۔<sup>(۴۴)</sup> امراء، عمائد شہر اور ارکان دولت کے وفد سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر تعظیم بجالاتے رہے۔ سلطان کمال

بناشت اور خندہ روئی کے ساتھ ان سے ملتے رہے۔<sup>(۵۵)</sup> شہر میں داخل ہو کر انہوں نے حکم دیا کہ کسی شخص کو مجھ تک پہنچنے سے نہ روکا جائے۔ لوگ سلطان کی بارگاہ میں آ کر سلام عرض کرتے رہے۔ سلطان سب سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے، عدل و انصاف کے مطابق فیصلے نافذ کیے اور مزید احسانات و عنایات کا وعدہ کرتے ہوئے بولے:

”مراغہ شہر ویران ہو چکا تھا، تم دیکھ چکے ہو کہ میں نے اسے دوبارہ اچھی طرح تعمیر کرا دیا ہے۔ اب تم یہاں بھی دیکھ لو گے کہ میں کیسے عدل و انصاف کا برتاؤ کروں گا اور تمہارے شہر کو آباد کروں گا۔“<sup>(۵۶)</sup>

بیگم بنت طغرل نے آذربائیجان میں اپنی ذاتی جاگیر ”خوی“ جانے کا ارادہ کر لیا تھا، اس لیے سلطان نے وعدے کے مطابق اس کو فوج کے ایک دستے کی حفاظت میں ”خوی“ بھیج دیا۔<sup>(۵۷)</sup> سلطان کے معتمد ترین خادم قلیج اور ہلال اس قافلے کے نگران تھے۔ بنت طغرل کو بحفاظت خوی پہنچا کر یہ دونوں لوٹ آئے۔<sup>(۵۸)</sup>

سلطان جلال الدین نے تبریز میں نظام الدین طغرانی کو اپنا نائب مقرر کر دیا جو بیگم بنت طغرل کا پروردہ اور خاص وفادار تھا۔<sup>(۵۹)</sup> تبریز اس زمانے میں آذربائیجان کا صدر مقام ہونے وجہ سے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اس کی فتح کے بعد اس پوری ریاست میں فتوحات کے دروازے کھل گئے۔ تبریز میں سلطان کے مختصر سے قیام کے دوران ان کی فوجیں اس ریاست کے مزید کئی مقامات پر قابض ہو گئیں اور تقریباً ساری ریاست پر خوارزمی پرچم لہرانے لگے۔<sup>(۶۰)</sup>

سید سکندری..... ہندوستان سے واپسی کے دوسرے سال سلطان جلال الدین فارس سے آذربائیجان تک ایک وسیع علاقے پر قابض ہو چکے تھے اور ان کی قوت بڑی حد تک مستحکم ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی دوراندیشی، فراست اور ذکاوت سے کام لیتے ہوئے سلطان کئی مسلم حکمرانوں کا اعتماد اور تعاون حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کر چکے تھے۔ یہ صورتحال اسلام کے بدترین دشمن چنگیز خان اور اس کے چیلوں کے لیے تعجب انگیز بھی تھی اور پریشان کن بھی۔ تاتاریوں کا خونی سیلاب جس کے ازسرنو اُمٹنے کے آثار کچھ عرصہ قبل سے پھر ظاہر ہو رہے تھے، اپنے راستے میں ایک سید سکندری دیکھ کر حتم گیا تھا۔ اتنا بک سعد زنگی اور مظفر الدین کو کوبری جیسے چھوٹے حکمرانوں کے ساتھ ساتھ الملک المعظم عیسیٰ اور سلطان علاؤ الدین کی قیادت جیسے با عظمت اور قوی فرمانروا بھی سلطان جلال الدین کے شانہ بشانہ نظر آ رہے تھے۔ خلیفہ المسلمین کی بے اعتنائی اور تغافل کے باوجود ان چند مسلم حکمرانوں کا اتحاد اور جذبہ تعاون و تناصر تاتاری درندوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے کافی تھا۔ چنگیز خان اگرچہ اپنے وطن صحرائے گوبی واپس جا چکا تھا، مگر یہاں کے حالات سے ہر کروٹ باخبر رہتا تھا۔ موجودہ صورتحال کو اپنے لیے حوصلہ شکن محسوس کرتے ہوئے اس نے عالم اسلام پر تازہ یلغار کے منصوبے کو کسی مناسب وقت تک کے لیے مؤخر کر دیا۔ اس کے تباہ کن سواروں کی یلغار اب چین کے باقی ماندہ علاقوں کے ساتھ ساتھ روس اور یورپ کی طرف ہو رہی تھی۔

عالمی نقشہ..... اس وقت جغرافیائی لحاظ سے عالم اسلام اور تاتاری عملداری کا نقشہ کچھ یوں تھا کہ ”ماوراء النہر“ میں مستقل طور پر تاتاری حکومت قائم تھی۔ سرقند اور بخارا کے کھنڈرات میں نئی آبادیاں وجود میں آنے لگی تھیں، مگر پہلے کی بہ نسبت ان کی مردم شماری عیش و عشرت کو بھی نہیں پہنچتی تھی۔ اس نئے معاشرے میں تاتاری آقا تھے اور مسلمان ان کے غلام تھے، مالک و مملوک میں رابطے کے لیے بعض ایسے مسلمان کارندے متعین تھے جو کبھی تاتاری مفادات کے خلاف سوچنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ خوارزم کا پایہ تخت ”اورگنچ“ تاتاری حملے میں بے نام و نشان ہو چکا تھا۔ اب

تاتاریوں کے زیر نگرانی اس کے بالقابل اسی نام سے ایک نئے شہر کی تعمیر کی جا رہی تھی۔  
یہ تو ماوراء النہر کا حال تھا، مگر موجودہ افغانستان اور خراسان کے علاقے تاتاری حملے اور قتل عام کے بعد سے  
مسلل ویران چلے آ رہے تھے، کسی کو ہمت نہ تھی کہ جا کر ان کھنڈرات کو آباد کرے۔ سینکڑوں میل تک کسی انسان کا نام  
ونشان دکھائی نہیں دیتا تھا۔ یہ لقمہ و دق علاقے سلطان جلال الدین اور تاتاریوں کے درمیان ایک خالی میدان کی  
صورت میں حد فاصل کا کام دے رہے تھے۔<sup>(۱۱)</sup>

————— ❦ —————



## حواشی و حوالہ جات

- ① جہاں کشا، ج ۲ ص ۲۱۱
- ② سیرۃ جلال الدین ص ۱۷۵..... نہایت الارب ج ۷ ص ۳۶۸..... جہاں کشا، ج ۲ ص ۲۱۱..... ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۲۰
- ③ جہاں کشا جوینی، ج ۲ ص ۱۵۰، ۲۱۳، ۲۱۴..... روضۃ الصفا ج ۳ ص ۸۲۹
- ④ جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۵۰، ۲۱۳، ۲۱۴..... روضۃ الصفا ج ۳ ص ۸۲۹
- ⑤ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۲۰..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۰۷، ۶۰۸
- ⑥ ابن اثیر، ج ۷ ص ۶۱۱
- ⑦ جہاں کشا جوینی ج ۲ ص ۱۵۱..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۵۲
- ⑧ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۲۰
- ⑨ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۲۰
- ⑩ روضۃ الصفا، ج ۳ ص ۸۲۹۔ نیز بعد میں سلطان نے خراسان کی امارت بھی اسی کے حوالے کر دی تھی، دیکھئے! روضۃ الصفا، ج ۳ ص ۸۲۹ اور تاریخ گزیدہ ج ۱ ص ۵۰۲
- ⑪ سیرۃ جلال الدین ص ۱۷۷..... نہایت الارب ج ۷ ص ۳۶۸
- ⑫ سیرۃ جلال الدین ص ۱۷۸..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۵۳..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۰
- ⑬ سیرۃ جلال الدین ص ۱۸۲..... نہایت الارب ج ۷ ص ۳۶۹..... ابن خلدون، ص ۱۲۰
- ⑭ سیرۃ جلال الدین ص ۱۷۸..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۵۳..... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۲ حوادث ۶۱۹ھ
- ⑮ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۲۰
- ⑯ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۲۰
- ⑰ جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۵۲..... روضۃ الصفا، ج ۳ ص ۸۲۹
- ⑱ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۵۲..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۱
- ⑲ روضۃ الصفا، ج ۵ ص ۴۰
- ⑳ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۵۲
- ㉑ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۱
- ㉒ جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۵۲..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۵۵
- ㉓ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۵۵.....
- ㉔ شذرات الذہب ج ۵ ص ۹۷
- ㉕ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۲..... نہایت الارب ج ۷ ص ۳۶۹۔ یاد رہے کہ یعقوب باوردقو قاپریہ قبضہ عارضی تھا، بعد میں

سلطان نے یہ شہر خالی کر دیے تھے۔

۳۶) جہاں کشاج ۲ ص ۱۵۵

۳۷) مظفر الدین کو کبری تیسری صلیبی جنگ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا مایہ ناز سالار رہا تھا۔ بہادری، دانش اور شرافت کا پیکر تھا۔ اس کا داد و دہش بھی مشہور ہے، مگر طبیعت کچھ بدعات کی طرف مائل تھی، جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سرکاری سرپرستی میں سب سے پہلے اسی نے فروغ دیا تھا۔

۳۸) سیرۃ جلال الدین ص ۱۱۹۴..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۵ ۳۹) تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۵۷

۴۰) سیرۃ جلال الدین ص ۱۹۴..... نہایت الارب ج ۷ ص ۳۶۹..... سلجوق نامہ ابن بی بی ص ۱۵۳ تا ۱۵۸

۴۱) یعنی قاضی القضاۃ مجیر الدین ۴۲) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۶۲..... خوارزم شاہی ص ۱۸۱۔

دونوں حکمرانوں کے یہ یادگار خطوط سلجوق نامہ ابن بی بی ص ۱۵۳ تا ۱۵۸ میں نقل کیے گئے ہیں۔ ابن بی بی سلطان کی قباد کے درباری تھے، لہذا سرکاری ریکارڈ سے خطوط کو لفظ بلفظ نقل کرنا ان کے لیے ممکن تھا۔

۴۳) العمر ج ۳ ص ۱۹۴..... البدایۃ النہیۃ ج ۷ ص ۱۴۲

۴۴) تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۲ حوادث ۶۱۹ ھ

۴۵) العمر ج ۳ ص ۱۸۹

۴۶) العمر ج ۳ ص ۱۸۲

۴۷) سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۲۲

۴۸) تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۲ حوادث ۶۱۹ ھ ۴۹) الخوام الزاھرۃ ج ۶ ص ۲۶۴

۵۰) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۵ ۵۱) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۰۷..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۳

۵۲) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۵ ۵۳) تاریخ اسلام شاہ معین الدین ندوی ج ۳ ص ۴۷۵، بحوالہ الفخری، ص ۲۸۷

۵۴) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶ ۵۵) جہاں کشاج ۲ ص ۱۵۶

۵۶) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶ ۵۷) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۹

۵۸) جہاں کشاج ۲ ص ۱۵۶ ۵۹) روضۃ الصفاق ج ۳ ص ۸۳۰

۶۰) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۰۷..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۵۷..... روضۃ الصفاق ج ۳ ص ۸۳۰

۶۱) جہاں کشاج ۲ ص ۱۵۶ ۶۲) جہاں کشاج ۲ ص ۱۵۶

۶۳) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶ ۶۴) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶

۶۵) جہاں کشاج ۲ ص ۱۵۷ ۶۶) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶

۶۷) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶ ۶۸) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۳

۶۹) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۳ ۷۰) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶

۷۱) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۷..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۵

## فتوحاتِ گرجستان

فَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِيْهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ. ان سے لڑو! اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں سے لڑے گا اور ان کو ذلیل کرے گا اور تم کو ان پر غالب کرے گا اور بہت سے مسلمانوں کے دلوں کو شفا دے گا۔ (سورۃ التوبہ آیت ۱۴)

اُنھ کے اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے ایک نیا چیلنج..... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان جلال الدین کا وجود جہاد فی سبیل اللہ کی آگ اور اللہ کے لیے جینے مرنے کے خمیر سے تیار کیا گیا تھا۔ جہاد کا دلولہ ان کے رگ و پے میں اس طرح سرایت کر گیا تھا کہ ان کے ہر سانس اور ہر نقل و حرکت سے اسی جذبے کا اظہار ہوتا تھا۔ تا تاری طوفان کے سامنے ایک مستحکم دیوار تعمیر کرنے کے بعد بھی وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہ بیٹھے۔ اب بھی ان کی تلوار نیام میں مچل رہی تھی اور دشمنانِ اسلام کے خون کی پیاسی تھی۔ اگرچہ ابھی سلطان کو اتنی قوت حاصل نہیں ہوئی تھی کہ وہ تمام مقبوضاتِ اسلامیہ کو تاتاریوں کے پنجے سے چھڑا کر صحرائے گوبی تک ان درندوں کا تعاقب کرتے، تاہم حریف کے حملے سے مدافعت کی صلاحیت حاصل کر لینا اور تاتاریوں کا اس سے مرعوب ہو کر پیش قدمی کا ارادہ ترک کر دینا بھی سلطان کی بڑی کامیابی تھی۔

اس محاذ سے وقتی طور پر کسی قدر فارغ ہوتے ہی سلطان کو شمال مغرب میں اپنی روح کی تسکین کا سامان نظر آ رہا تھا۔ گرجستان کے شیطان صفت نصرانیوں کی فتنہ پرور قوت جو گزشتہ ایک صدی سے زائد عرصے سے ان علاقوں کے سرحدی مسلمانوں پر جبر و ستم کے پہاڑ توڑ رہی تھی، سلطان جلال الدین کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی۔ تاتاریوں کی طاقت کا قلع قمع کرنے سے قبل ہی اس دوسرے سخت جان دشمن سے الجھنا اگرچہ بظاہر ایک خلافِ مصلحت اقدام معلوم ہوتا تھا، مگر سلطان جو کہ ان کے مظالم کی خبریں سن کر ایک عرصے سے کسی موقع کے منتظر تھے، اب ان کے پنجے سے مسلمانوں کو رہائی دلانے میں مزید تاخیر برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

درحقیقت گرجیوں کے عزائم اتنے خطرناک تھے کہ ان کی روک تھام کئے بغیر چارہ کار نہیں رہا تھا۔ تاتاریوں کے ہاتھوں امتِ مسلمہ کے بہیمانہ قتل عام کے بعد مسلمان اس قدر خستہ، شکستہ اور منتشر ہو چکے تھے کہ گرجیوں کو بقیہ عالم اسلام لقمہ تر نظر آ رہا تھا اور وہ اپنے قریبی ممالک پر قبضہ کرنے کے بعد سب سے پہلے مدینۃ الاسلام بغداد کو فتح کرنے کا عزم کر چکے تھے، ① تاہم سلطان جلال الدین کی شکل میں راستے کا ایک وزنی پتھر موجود تھا جسے ہٹائے بغیر وہ اپنے خوابوں کی تعبیر نہیں پاسکتے تھے۔

گرجی کون تھے؟..... گرجستان (جارجیا) آذربائیجان کی شمال سرحدوں سے متصل ایک وسیع ریاست ہے۔ قفقاز

کے بلند و بالا کہساروں میں واقع اس سرزمین پر آرمینیا کے عیسائیوں کی ایک شاخ کی حکمرانی تھی۔ یہ لوگ گرجی کہلاتے تھے۔ تفلیس اس علاقے کا صدر مقام تھا، یہ خطہ اپنی سرسبزی و شادابی اور صاف و شفاف پانی کے بہتے ہوئے چشموں کی بناء پر ہر دور میں مشہور رہا ہے۔<sup>①</sup>

گرجی شدید متعصب نصرانی ہونے کے علاوہ بلا کے جنگجو اور خواں خوار تھے۔ کوئی بیرونی حملہ آور ان کو دبانے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکا، مسلم فاتحین بار بار فوج کشی کے باوجود اس قوم کو رام نہ کر سکے۔ ۵۱۵ھ میں گرجیوں نے یلغار کر کے سلطان طغرل سلجوقی سے تفلیس چھین کر اپنی قوت نہایت مستحکم کر لی اور کھلم کھلا اسلامی ممالک پر تاخت و تاراج کرنے لگے۔ آذربائیجان، دربند شروان، خلاط اور ارزن الروم کے مسلم حکمران ان کے باج گز ارشاد ہونے لگے۔ ان علاقوں میں قتل و غارت گری گرجیوں کا عام معمول تھا۔ یہاں کے عوام اور حکام ان ظالموں کے خوف سے سہمے رہتے تھے۔ بعض مسلم حکمرانوں کی یہ حالت تھی کہ وہ گرجی حکمران کی عنایت کردہ خلعت پہن کر دست بستہ غلامی کا مظاہرہ کرتے۔ نیز مسلمان ہونے کے باوجود گرجی حکمران کے فرمان کی تعمیل میں وہ اپنے پرچم پر صلیب نصب کر کے ذلت و خواری کی آخری حد پھلانگنے کا ثبوت دیتے۔

صرف یہی نہیں، بلکہ مسلم فرمانرواؤں پر گرجیوں کے دباؤ کا یہ عالم تھا کہ مغیث الدین طغرل شاہ بن قلیج ارسلان سلجوقی (حاکم ارزن الروم) نے گرجیوں کی فرمائش پر اپنے بڑے بیٹے کو نصرانی مذہب میں داخل کر دیا تھا تا کہ گرجیوں کی ملکہ اسے اپنے شوہر کے طور پر پسند کرے<sup>②</sup> (نعوذ باللہ من ذالک)۔ چنانچہ مہر و ماہ نے مسلمانوں کی رسوائی کا یہ تماشا بھی دیکھا کہ ایک اسلامی سلطنت کا شہزادہ صلیب پرستوں کی خوشنودی کے لیے ان کا مذہب اختیار کر کے ان کی ملکہ کا شوہر بننے کا سیاہ کارنامہ انجام دے رہا ہے۔ یہ نکاح اگرچہ پنپ نہ سکا اور ملکہ کی بدکرداری سے دل برداشتہ ہو کر شہزادے کو جلد ہی اس کا ساتھ چھوڑنا پڑا، تاہم یہ قصہ اس دور کی اسلامی حکومتوں کی ذلت، بے بسی اور بے جہتتی کا کھلا مظہر بن گیا۔<sup>③</sup>

گرجیوں کی اس ملکہ کا نام ”قیز ملک“ تھا۔ اس دور میں وہ اپنے ملک کی بلا شرکت غیرے حکمران تھی، گرجی سورما اس کے حکم پر اسلامی سرحدوں کو پامال کرنے کے لیے ہر دم تیار رہتے تھے۔ اپنی صفات کے لحاظ سے وہ مسلمانوں کے لیے ایک عذاب سے کم نہ تھی۔ اس کے دور میں مسلم ممالک پر گرجیوں کی تاخت و تاراج کی کثرت نے گزشتہ تمام ادوار کے مظالم کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اس کی بد مزاجی، بد چلنی اور آوارگی کے باعث اس کی قوم کا کوئی معزز شخص اس سے نکاح کے لیے تیار نہیں ہوتا تھا۔<sup>④</sup>

شلوہ کی گستاخی ..... گرجی اسلام کی مقدس شخصیات کی شان میں گستاخیاں بھی کیا کرتے تھے۔ حدیثی تھی کہ آذربائی جان کے سابق حاکم ازبک پہلوان نے ایک بار شمس الدین قتی نامی ایک سفیر کو گرجستان بھیجا۔ گرجیوں کا سپہ سالار شلوہ بڑا گھمنڈی اور بد زبان تھا، اس نے باتوں باتوں میں قتی کو ذلیل کرنے کی خاطر کہا:

میری آرزو ہے کہ کاش تمہارے حضرت علی اس زمانے میں ہوتے، میں انہیں اپنی ہیبت کے وہ مناظر دکھاتا کہ وہ بدروجنین کے معرکہ بھول جاتے۔ (نعوذ باللہ)

شمس الدین قتی ایک کمزور سلطنت کا بزدل سفیر تھا اس لیے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی کھلی گستاخی سن کر بھی

چپ رہا، مگر سلطان جلال الدین کو کسی طرح یہ بات پتا چل گئی اور گرجیوں کے خلاف ان کا عزم چہاد مزید مصمم ہو گیا۔<sup>①</sup> یلغار کی تیاریاں ..... آذر بائیجان پر تسلط کے دوران ہی سلطان جلال الدین نے گرجیوں کے خونچکان مظالم کی داستانیں سن کر ان کو سبق سکھانے کی تیاری شروع کر دی۔ یہ خیال ان کے دل و دماغ پر اس طرح چھا چکا تھا کہ وہ بار بار اس عزم کا اعادہ کرتے تھے اور کہتے تھے:

”میں گرجیوں کے علاقوں پر حملے کا ارادہ رکھتا ہوں، ان سے قتال کروں گا اور ان کے ملک پر قبضہ کروں گا۔“ اس عزم کے کھلم کھلا اظہار میں غالباً یہ مصلحت پوشیدہ تھی کہ قرب و جوار کے مسلمان حاکم اس فوج کشی کو اپنے خلاف گمان کر کے پریشان نہ ہوں۔ سلطان کے اس عزم کے جواب میں گرجی قبائل جو اس سے قبل بڑے بڑے نامور مسلم فاتحین کا رخ پھیر چکے تھے اور کچھ عرصہ قبل ہی تاتاریوں کے تند و تیز سیلاب کا سامنا کر کے بھی اپنی جگہ پر برقرار تھے، مقابلے کے لیے بھرپور تیاریاں کرنے لگے۔

اعلان جنگ ..... سلطان جلال الدین نے اپنی قوت مجتمع کر کے گرجیوں کے ارباب اقتدار کی طرف باقاعدہ پیغام بھیج کر انہیں طاقت آزمائی کے لیے لاکارا۔ گرجیوں نے بڑے سخت لہجے میں اس کا جواب دیتے ہوئے کہا:

”تم جانتے ہو کہ تمہارا باپ تم سے بڑا بادشاہ تھا، اس کی فوج تمہاری فوج سے زیادہ تھی، وہ تم سے زیادہ قوی تھا، اس کے باوجود جن تاتاریوں نے تمہارے باپ کو شکست دے کر تمہارے ملک پر قبضہ کیا جب انہوں نے ہماری طرف فوج کشی کی تو ہمیں ان کی بھی ذرہ بھر پروا نہ ہوئی، ہم ان سے ہر اسان نہ ہوئے، بلکہ تاتاریوں کی آخری کوشش یہ تھی کہ کسی طرح وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں۔“<sup>②</sup>

(مطلب یہ تھا کہ جب ہم نے تمہارے باپ کو شکست دینے والی قوت سے خوف نہ کیا تو تم سے کیوں ڈرنے لگے۔) سلطان کی حکمت عملی ..... گرجستان پر سلطان جلال الدین کی یلغار کے حالات کے تفصیلی مطالعے سے قبل ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ عام طور پر سلطان جلال الدین کی عادت اور حکمت عملی دشمن پر اچانک حملہ کرنے کی رہی تھی جو کہ چالاک اور زیرک حملہ آوروں کا خاصہ ہے، مگر اس بار سلطان نے کھلم کھلا اعلان جنگ کر کے اور آس پاس اس خبر کو مشہور کرنے کے بعد اس مہم کا آغاز کیا۔ بظاہر یہ انداز مصلحت کے خلاف تھا کہ اس طرح دشمن کو تیاری کا موقع مل سکتا تھا۔ سلطان کے اس اقدام کی ایک وجہ تو وہ ہو سکتی ہے جو گزشتہ سطور میں گزر چکی<sup>③</sup> مگر اس کے علاوہ اس میں یہ مصلحت بھی ملحوظ تھی کہ گرجی اپنی قوت پر نہایت نازاں اور مغرور تھے، ان کا غرور توڑنے کے لیے سلطان نے اعلانیہ چیلنج دے کر حملہ کرنے کو ترجیح دی تاکہ وہ بے خبری میں شکست کھانے کا شوشہ سامنے لا کر اپنی خفت مٹانے کے قابل نہ رہیں۔ نیز اگر سلطان اعلان جنگ کیے بغیر حملہ کرتے تو بھی گرجیوں کی تیاری میں کوئی خاص کمی نہ آتی، اس لیے کہ وہ پہلے سے از خود حملے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

ہمیں یہ نکتہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ سلطان جلال الدین اب بدلتے ہوئے حالات کے تحت اکثر معرکوں میں ہلکی پھلکی تیز رفتار رسالہ (سوار) فوج کو کام میں لا رہے تھے، اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ تاتاریوں کے ہاتھوں عالم اسلام کو پہنچنے والے صدمات نے مسلمانوں کی افرادی قوت کو بہت کم کر دیا تھا۔ ان حالات میں بڑا لشکر ترتیب دینا عملی طور پر سلطان کے لیے ممکن نہ تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ تاتاریوں سے معرکہ آزمائی میں سلطان کو یہ سبق حاصل ہوا تھا

کہ بھاری بھر کم لشکر کی بہ نسبت، بلکی پھلکی برق رفتار فوج عموماً زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے، اس لیے سلطان نے آئندہ مہمات میں مختصر فوجوں کے ساتھ تیز تر نقل و حرکت کے نظام پر عمل کیا اور اس سے حسب توقع مفید نتائج کیے۔ گرجیوں سے پہلا معرکہ ..... آذربائیجان کی فتح کے اگلے مہینے (شعبان ۶۲۲ھ / اگست ۱۲۲۵ء) ① میں سلطان جلال الدین تیس ہزار جانبازوں کو لے کر ② گرجستان کی سرحد کی طرف روانہ ہوئے۔ اس موقع پر سلطان کے اکثر سپاہی عراق میں بکھرے ہوئے تھے، مگر سلطان نے فوری حملے کے لیے ان کا انتظار نہ کیا اور جو سپاہی میسر تھے انہی کے ساتھ گرجستان کا رخ کیا۔ ③

دوسری طرف گرجی بھی مقابلے کے لیے پوری طرح تیار تھے، وہ ستر ہزار سے زائد جنگجوؤں پر مشتمل لشکر کے ساتھ سرحد کی طرف پیش قدمی شروع کر چکے تھے۔ ④

سب سے پہلے سلطان جلال الدین غیر متوقع سرعت کے ساتھ ”دوین“ شہر پر حملہ آور ہوئے جسے کچھ مدت پہلے گرجیوں نے مسلمانوں سے چھینا تھا۔ وہاں قبضہ کرنے کے بعد سلطان نے گرجیوں کے ٹڈی دل لشکر سے مقابلے کے لیے کوچ کیا۔ گرجی ”دوہ کرہ“ جیسے دشوار گزار مقام پر پڑاؤ ڈال کر سلطانی لشکر کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ ⑤ یہ مقام دریائے ارس کے کنارے تھا۔

شعبان ۶۲۲ھ (اگست ۱۲۲۵ء) میں جب سلطان دریا کے کنارے پہنچے تو وہاں سالار اپلچی جہان پہلوان ان کا منتظر تھا جس نے سلطان کو خبردار کیا کہ دشمن کی تعداد ہماری نسبت بہت زیادہ ہے، اس لیے ہمیں محتاط رہنا ہوگا۔ سلطان نے اس مشورے کے جواب میں بے دھرمک اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا، یہ دیکھ کر پوری فوج دریا میں اتر گئی اور اسے بے خوف و خطر پار کر کے دوسرے کنارے پہنچ گئی۔ یہاں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔

گرجی دوہ کرہ کے دائیں بائیں واقع ان بلند پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر کھڑے تھے جو زمانہ دراز سے ان کے لیے ناقابل تسخیر حصار ثابت ہو رہے تھے۔ سلطان کی فوج نشیب میں کھڑی دشمن کے نیچے اترنے کا انتظار کر رہی تھی، مگر گرجی اپنے قدرتی مورچوں سے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھے، ان کا خیال تھا کہ مسلمان ان خطرناک چڑھاٹیوں کو عبور کرنے کا خطرہ مول نہیں لیں گے اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو زندہ بچ کر نہ جانے پائیں گے۔

پورا دن گزر گیا، سورج مغرب میں جا چھپا اور تاریکی چھا گئی، سلطان نے قلب لشکر کے عقب میں ہلکی چھو لہاریاں لگاتے گزاری۔ دونوں طرف کے سپاہی رات بھر پہرے کی حالت میں رہے۔ اگلے دن گرجیوں کو اپنی جگہ جما ہوا دیکھ کر سلطان جلال الدین نے اپنے سالاروں سے کہا: ”دشمن کا مقصد محض ہمارا وقت ضائع کرنا ہے۔ اب ہماری حکمت عملی یہ ہوگی کہ ہم کئی سمتوں سے پہاڑ پر چڑھیں گے۔ اگر دشمن تم پر حملہ کر دے تو فوراً ہٹ کر نیچے آ جانا اور پھر اسے تیروں کی زد پر لے لینا۔“

سالاروں کو منصوبے کی جزئیات سمجھانے کے بعد انہیں اپنے اپنے دستوں کے ساتھ پہاڑ پر چڑھنے کا اشارہ کیا، میسرہ کے سپاہیوں نے تعمیل میں پہل کی۔ ان کے مختلف دستے امیر اورخان، شہزادہ غیاث الدین اور امیر ایغان طائسی کی قیادت میں آگے بڑھے۔ البتہ میمنہ کے سپاہی سلطان کا اشارہ پانے کے باوجود پس و پیش کرتے ہوئے وادی میں رے کر رہے۔

اوپر جانے والے مسلم جانناز اسے کسی مصلحت پر محمول کر کے مطمئن رہے اور لعنہ تکبیر بلند کرتے، رجز پڑھتے ہوئے دشوار گزار ڈھلوانوں، سخت چٹانوں اور پیچ در پیچ پگڈنڈیوں کو پھلانگتے ہوئے بلندی کی طرف چڑھتے چلے گئے۔ گرجیوں کے سردار شلوہ کو اسی وقت کا انتظار تھا، ان خطرناک چڑھائیوں پر وہ سلطان کی ساری فوج کو آٹا فانا نیچے دھکیل سکتا تھا، اس نے اندھا دھند حملے کی ٹھان لی، ان کے دوسرے سردار ایوانی نے اسے منع کرتے ہوئے کہا: ”ہمیں بھی سپاہیوں کو قلب، میمنہ اور میسرہ میں تقسیم کر کے حملہ کرنا چاہیے۔“

شلوہ نے متکبرانہ لہجے میں جواب دیا: ”اس حقیر دشمن سے لڑنے کے لیے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسے نشانے کے لیے تو میں اکیلا کافی ہوں۔“

یہ کہہ کر شلوہ اپنے زیر کمان سات ہزار سپاہیوں کے ساتھ سلطان کے میسرہ پر ٹوٹ پڑا جو پہاڑ کی چوٹی کے قریب پہنچ گیا تھا، مگر مجاہدین نے حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا اور اپنے قدم اکھڑنے نہ دیے، یوں پہاڑ کی چوٹی پر ایک مہیب جنگ چھڑ گئی۔

اس دوران قلب لشکر کے سپاہی بھی سلطان کی کمان میں اوپر چڑھنے لگے تھے، یہ دیکھ کر باقی گرجی سپاہی سیلاب کے دھارے کی طرح یکدم اپنے مورچوں سے نکل کر لشکر اسلام کے سامنے آ گئے تاکہ انہیں راستے ہی میں روک کر نیچے لڑھکا دیں۔ وہ سلطان کو ایک نا تجربہ کار اور کم عقل انسان سمجھ کر اپنی چالاکی اور قوت پر ناز کرتے ہوئے تلواریں سونت کر تیزی سے نیچے اتر رہے تھے۔<sup>(۱۴)</sup>

سلطان کی چال..... دشمن کو قریب آتا دیکھ کر سلطان نے فوج کو روکنے کا اشارہ کیا۔ گرجی دیکھ رہے تھے کہ اسلامی لشکر نہایت خطرناک مقام پر کھڑا ہے، اس لیے وہ پورے جوش و خروش سے ان کی طرف لپک رہے تھے تاکہ جلد از جلد اس کھیل کو منسود دیں، لیکن اس سے قبل کہ فریقین کی تلواریں آپس میں ٹکراتیں، سلطان کے حکم کے مطابق فوج کے افسران اپنے اپنے دستوں سمیت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

گرجیوں نے سلطانی فوج کو اس طرح سراسیمہ ہو کر بھاگتے دیکھا تو ان کے غرور و تکبر میں اور اضافہ ہو گیا۔ دانت پیستے، بے ہنگم نعرے لگاتے ہوئے وہ بھی پوری سرعت سے ان کے پیچھے دوڑے۔ سلطانی لشکر نے پسپائی اس وقت جاری رکھی جب تک کہ گرجیوں کا پورا لشکر کھلے میدان میں نہ نکل آیا۔<sup>(۱۵)</sup>

جب سلطان جلال الدین نے اطمینان کر لیا کہ تمام گرجی لشکر اپنے دفاعی حصار سے باہر آچکا ہے تو انہوں نے اپنے دستوں کو مرتب کر کے مڑ کر حملہ کر دیا۔ گرجی جو ہوا کے گھوڑوں پر سوار چلے آ رہے تھے اس غیر متوقع صورتحال سے بوکھلا گئے۔ تاہم اب مقابلہ کیے بغیر چارہ نہ تھا، گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی، صلیب کے علمبردار گرجی سورا اور ایک اللہ کے پرستار مسلم تیغ آزمایا بڑھ چڑھ کر ایک دوسرے پر وار کرنے لگے۔ زخمیوں کی چیخ و پکار سے قیامت صغریٰ کا سماں برپا ہو گیا۔ نیزے اور تلواریں ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے، گرم خون کے دھارے زمین کو سرخ کر رہے تھے۔

سلطان اس دوران ایک ٹیلے پر کھڑے پہاڑ اور وادی میں بکھری اپنی فوج کی قیادت کر رہے تھے۔ تثلیث کے حاشیہ برداروں کے مقابلے میں توحید کے علمبردار نہایت ثابت قدمی سے لڑتے رہے، حتیٰ کہ نصرت الہیہ نے دامن پھیلا کر لشکر اسلام کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

گرجیوں کا دوسرا سردار ایوانی چوٹی پر کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے سپاہیوں کو پکار کر کہا: ”شلوہ شکست کھا گیا، اب ہمارے پیچھے آؤ۔“

یہ کہہ کر وہ ایک تنگ گھاٹی کی طرف دوڑا تا کہ اس دارو گیر سے بچ کر نکل جائے، سپاہیوں کی بڑی تعداد نے اس کا ساتھ دیا۔ اُن گنت لاشیں میدان میں چھوڑ کر وہ سب پہاڑی دڑوں کی طرف بھاگ نکلے، اس بھکڑے میں ان میں سے بہت سے ایک گہری کھاٹی میں گر کر ہلاک ہو گئے۔ مسلمان سپاہی بھی فرار ہونے والے دشمنوں کے تعاقب میں کوہستان میں داخل ہو گئے۔ بچے کھچے گرجی دڑہ کر بی کے تنگ اور بڑے رستے میں واقع غاروں اور عمیق وادیوں میں چھپے پھر رہے تھے۔<sup>(۱۱)</sup> سلطان کی فوج نے جن جن کران کو قتل کیا۔ ابوشامہ کی روایت کے مطابق ان کے مقتولین کی تعداد ستر ہزار تھی،<sup>(۱۲)</sup> گویا دشمن کے اکثر افراد موت کے گھاٹ اتر گئے تھے۔ سلطان نے قیدی اور بہت سے مقتولین کے کٹے ہوئے سر، تاج الدین قلیج کی نگرانی میں اپنے مرکز تبریز روانہ کر دیے۔ فتح کے بعد سلطان کی خیمہ گاہ میدان جنگ کے ساتھ ہی لگادی گئی، چونکہ وادی دشمن کی لاشوں سے پر تھی اس لیے سلطان سے ملنے جو بھی آتا اسے لاشوں کو روندتے ہوئے آنا پڑتا۔

اس جنگ کے اختتام پر گرجیوں کا دیو پیکر، قوی بیکل سالار ”شلوہ“ جان بچانے کے لیے وادی میں اتر گیا تھا اور خود کو مردہ ظاہر کرنے کے لیے خون میں لت پت ہو کر لاشوں کے ڈھیر میں چھپ گیا تھا، مگر ایک بچے ابن دایہ نے بھانپ لیا کہ یہ زندہ ہے۔ اس طرح یہ بد بخت کا فرزند گرفتار ہو گیا۔ ان کا دوسرا بڑا سپہ سالار ”ایوانی“ معر کے سے جان بچا کر بھاگ گیا تھا اور ایک قلعے میں جا چھپا تھا۔ سلطان کے سپاہیوں نے اس کا بھی تعاقب کیا اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔<sup>(۱۳)</sup> انجام کار ”ایوانی“ بھی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا۔

ان دنوں گرجی اتنی بڑی تعداد میں قید ہو رہے تھے کہ اسلامی شہروں میں گرجی غلام صرف دو دو تین تین دینار میں فروخت ہونے لگے تھے۔<sup>(۱۴)</sup>

شلوہ اور ایوانی..... گرجی لشکر کے گرفتار شدہ امراء میں سے ”شلوہ“ اور ”ایوانی“ اپنی سلطنت کے اہم ترین جرنیل اور نہایت ظالم، خونخوار، اور مکار انسان تھے۔ کچھ عرصہ قبل اسلامی ملکوں پر تاخت و تاراج میں ان کا حصہ سب سے زیادہ تھا۔ انہیں یقین تھا کہ اب انہیں جان سے مار دیا جائے گا، اس لیے ان دونوں نے نفاق کی پالیسی پر عمل کرنے کی ٹھان لی۔ شلوہ کو سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کی مافوق الفطرت جسامت اور ڈیل ڈول کو دیکھ کر ہر کوئی تعجب کر رہا تھا، مگر سلطان کے جاہ و جلال کے سامنے شلوہ نے بھیگی بلی بن کر اپنی جاں بخشی کو نشینی بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ سلطان کو معلوم تھا کہ اس کم بخت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں گستاخی کی تھی اس لیے انہوں نے غضبناک ہو کر اس سے پوچھا:

”تیری وہ اکڑ کہاں گئی!..... تیرا وہ غرور کیا ہوا جس کی بنیاد پر تو کہا کرتا تھا..... ذوالفقار کا دھنی کہاں ہے جو میری شمشیر آبدار کا زخم دیکھے..... بتا! وہ نعرہ کیا ہوا!“

شلوہ نے کانپتے ہوئے عرض کیا: ”عالی جاہ!..... حضور کی دولت بلند اقبال نے ہماری توقع کے برعکس سب کچھ کر دکھایا۔“



سلطان نے قدرے نرم پڑتے ہوئے اس کو اسلام کی دعوت دی۔ شلوہ نے منافقت کے طور پر ظاہراً اسلام قبول کر کے اپنی جان بچالی۔

سلطان کے حکم کے مطابق شلوہ، ایوانی اور گرجیوں کے دوسرے گرفتار شدہ اہم امراء کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا رہا تا کہ وہ دل سے مسلمانوں کے خیر خواہ بن کر گرجستان کی بقیہ مہمات میں ان کے معاون ثابت ہوں۔<sup>(۴۰)</sup> وزیر سلطنت کا پیام..... اس شاندار فتح کے بعد گرجستان کے صدر مقام تفلیس تک سلطان کا راستہ صاف تھا، مگر وزیر اعظم شرف الملک کا پیغام ان کے پاؤں کی زنجیر بن گیا۔ یہ پیغام لڑائی سے پہلے ہی سلطان کو موصول ہو چکا تھا۔ انہوں نے اپنے بھائی غیاث الدین کو مفتوحہ علاقوں کی ولایت سپرد کی<sup>(۴۱)</sup> اور امرائے لشکر کو طلب کر کے ان سے کہا: ”مجھے تبریز میں بغاوت کی اطلاع ملی ہے..... میں نے لڑائی سے پہلے تمہیں یہ بات اس لیے نہ بتائی کہ کہیں تم پر اضطراب اور خوف نہ طاری ہو جائے۔ بہر حال اب میرے بعد تم اس سرزمین میں قدم جمائے رہو اور دشمن کے ٹھکانوں کو اجاڑنے میں کوئی کسر نہ چھوڑو۔“<sup>(۴۲)</sup>

اس معرکے میں میمنہ کی سپاہ نے انتہائی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا، صرف میسرہ اور قلب کے جانبازوں نے دادِ شجاعت دی تھی، سلطان نے تحقیق کرائی تو معلوم ہوا کہ میمنہ کے امراء اس جنگ سے پہلے ہی ہمت ہار گئے تھے، انہوں نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ وہ جنگ کے دوران فرار ہو جائیں گے۔ سلطان نے میدان جنگ میں کھلی آنکھوں سے ان کی سرکشی کا نظارہ کیا تھا مگر ازاہر مصلحت اپنے جذبات کو دبائے رکھا اور اس انداز میں لشکر کی قیادت کی کہ مزید انتشار نہ پھیلا اور فتح و نصرت نے قدم چومے۔ تاہم جب جہادی مہم انجام کو پہنچی تو سلطان نے خائن افران کو یہ جتنا ضروری سمجھا کہ وہ ان کے حال سے بے خبر نہیں تھے۔ انہوں نے تبریز واپس جانے سے قبل میمنہ کے امراء کو اپنے خیمے کی قات کے باہر بلوایا، وہ جمع ہو گئے تو اپنے حاجب کے ذریعے انہیں کہلوا یا:

”ہم بخوبی جانتے ہیں کہ تم نے دورانِ جنگ کوتاہی کا مظاہرہ کیا اور تم یہ طے کر چکے تھے کہ اگر گرجیوں نے تم پر حملہ کیا تو تم پشت پھیر کر بھاگ نکلو گے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح و ظفر سے نوازا ہے، ہم تمہاری تقصیر معاف کرتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ تم ہمارے جانے کے بعد یہاں ٹھہر کر پوری تدبیر کے ساتھ گرجیوں کے ٹھکانے مسلسل اجاڑتے رہو گے۔“

امراء نے اس کا وعدہ کیا اور سلطان نے مطمئن ہو کر واپسی کا سفر اختیار کیا۔<sup>(۴۳)</sup>

سلطان کی تبریز واپسی..... سلطان چند دستوں کے ساتھ بجلی کی طرح لپکتے ہوئے تبریز پہنچے اور وزیر اعظم کی نشاندہی کے مطابق بغاوت کے ملزموں کو گرفتار کر لیا۔ ان میں حاکم تبریز نظام الدین طغرائی اور اس کا چچا شمس الدین طغرائی بھی شامل تھے۔ سلطان نے حاکم تبریز کو قتل کر دیا اور باقی ملزموں کو جیل خانے بھیج دیا۔<sup>(۴۴)</sup> السنوی کے بقول اس معاملے میں وزیر اعظم نے جھوٹی شہادتوں کے ذریعے بے قصور افراد کو سزا دلوائی تھی۔ اس حقیقت کا انکشاف خاصی مدت بعد جا کر ہوا۔<sup>(۴۵)</sup> ماہ رمضان کی مصروفیات..... سلطان نے ماہ رمضان تبریز میں گزارا۔ پورے مہینے علماء و فقہاء اور واعظین کے بیانات کی محفلیں جتی رہیں، سلطان اپنے اعیان کے ساتھ ان میں شرکت کا اہتمام کرتے۔ جو علماء ان محفلوں میں کھل کر کلمہ حق بلند کرتے اور منکرات پر تنقید کرتے، سلطان ان کی حوصلہ افزائی کرتے۔ بعض خطباء نے سلطان کو خوش

کرنے کے لیے اپنے خطبات میں ان کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے کی کوشش کی مگر سلطان نے ان کے طرز کو ناپسند کیا۔<sup>(۳۸)</sup>

بیگم بنت طغرل سے نکاح..... سلطان جلال الدین بیگم بنت طغرل سے نکاح کا وعدہ کر چکے تھے، مگر مسلسل جہادی مصروفیات کے باعث اس وعدے کے ایفاء میں تاخیر ہوتی چلی گئی۔ تبریز میں سلطان کو فرصت کی چند گھڑیاں میسر آئیں تو انہوں نے اس ذمہ داری سے عہدہ براہ کرنے کا ارادہ کیا۔ بیگم بنت طغرل اپنی جاگیر شہر ”خونی“ میں قیام پذیر تھی۔ وہیں عقد نکاح ہوا۔<sup>(۳۹)</sup>

گنجہ کی فتح..... سلطان نے تبریز میں قیام کے دوران اپنے قابل اعتماد امیر اور خان علی نیشاپوری کو ایک فوج کے ساتھ شہر ”گنجہ“ کی طرف روانہ کیا جو آذربائیجان کا اہم شہر تھا۔ آذربائیجان کا مفرو رسابق حاکم ازبک مظفر بہلوان بھی یہاں پناہ لیے ہوئے تھا، اور خان نے جب گنجہ پر حملہ کیا تو وہ شہر چھوڑ کر بھاگ نکلا اور ایک قلعے میں جا چھپا۔ یہیں اسے خبر ملی کہ اس کی مطلقہ بیوی نے سلطان سے نکاح کر لیا ہے۔ اس نے مظفر بانہ انداز میں پوچھا:

”آیا بنت طغرل نے خوشی سے نکاح کیا ہے یا اس پر جبر کیا گیا ہے؟“

اطلاع دینے والے نے کہا: ”اس نے بخوشی ایسا کیا ہے۔ گو اہوں کے ذریعے طلاق کا ثبوت دیا ہے۔“  
ازبک یہ سن کر اس قدر غمزدہ ہوا کہ اسی وقت بستر پر پڑ گیا اور بخار میں پھنکنے لگا، چند دن بعد اسی حالت میں فوت ہو گیا۔<sup>(۴۰)</sup>

ادھر اور خان نیشاپوری نے گنجہ کے علاوہ اس کے نواح میں بیلقان، برزہ، سکور اور شیر کے علاقے بھی فتح کر کے ایک وسیع سرزمین کو سلطانی مقبوضات میں شامل کر لیا۔<sup>(۴۱)</sup>

خلیفہ ناصر کا انتقال..... سلطان جلال الدین کو گرجستان سے تبریز آئے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ بغداد میں خلیفہ ناصر کا انتقال ہو گیا۔ یہ آخری شب رمضان ۶۲۲ھ (۵-اکتوبر ۱۲۲۵ء) کا واقعہ ہے۔ خلیفہ ناصر نے ستر سال کے لگ بھگ عمر پائی اور تقریباً ۴۷ سال حکومت کی۔ خلفائے ہوامیہ اور خلفائے بنو عباس میں سے کسی کو اتنی طویل مدت حکومت نصیب نہیں ہوئی، مگر افسوس کہ خلیفہ ناصر نے طویل زمانہ اقتدار کی نعمت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اسے اسلام کی جڑیں کاٹنے میں صرف کیا اور یوں اپنی دنیا و آخرت برباد کر لی۔

آخری عمر میں وہ مکمل طور پر اسلام دشمن طاقتوں کا معاون بن چکا تھا، مرنے سے قبل اپنی بد اعمالیوں کا کچھ بدلہ اسے دینا ہی میں مل گیا تھا، عالم اسلام پر تاتاریوں جیسی بلا مسلط کرنے کا نتیجہ بھی اس نے بغداد کے مستقل طور پر غیر محفوظ ہونے کی صورت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ زندگی کے آخری سالوں میں اس پر فالج کا حملہ ہوا اور تمام جسم بالکل ناکارہ ہو گیا۔ حرکت کرنے کی بھی سکت نہ رہی۔ ساتھ ہی قوت بصارت بھی سلب ہو گئی۔ تین سال اس طرح گزارے کہ چل سکتا تھا، نہ دیکھ سکتا تھا، بستر پر پڑے پڑے صرف زبانی احکام جاری کرتا تھا۔ ایک خاص باندی جسے اس نے خود اپنا طرزِ تحریر اور اپنے دستخط سکھا دیے تھے حکم نامہ تحریر کر کے مہر لگا دیتی تھی۔ ابتلاء اور عذاب کے ان مظاہر کے باوجود خلیفہ کے ظالمانہ احکام، جابرانہ قوانین، کفار سے تعلقات اور عوام پر لگائے گئے ناروائیکس برقرار رہے۔ خلیفہ پانی پیئے میں اتنی احتیاط برتتا تھا کہ اس کے لیے بغداد سے سات فرسخ (۲۱ میل) دور سے ایک خاص مقام کا عمدہ

اور میٹھا پانی لایا جاتا، جسے جراثیم سے پاک کرنے کے لئے ایک ایک دن کے وقفے سے حیات بار اُبالا جاتا، پھر ٹھنڈا کر کے اس کی خدمت میں پیش کیا جاتا، مگر اس قدر احتیاط کے باوجود آخری دنوں میں اسے پتھری کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ بیس دن بڑی تکلیف میں گزارے، پیشاب بند ہو گیا تھا، انجام کار شاہی طبیب نے شانہ چیر کر پتھری نکالی۔ چند دن بعد اس زخم کی تاب نہ لاتے ہوئے خلیفہ دنیا سے چل بسا،<sup>(۴۵)</sup> اس کی موت سے کفار اپنے ایک خاص مددگار سے محروم ہو گئے، جبکہ اس کے ظلم و ستم کے ہاتھوں تنگ آئے ہوئے عوام نے سکون کا سانس لیا۔

مقام عبرت ہے کہ اپنے حریف علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے دنیا سے رخصت ہونے کے صرف پانچ سال بعد خلیفہ ناصر بھی اپنے اعمال کے ساتھ رب العالمین کی محاسبہ گاہ میں جا پہنچا۔ وہ سلطنت، وہ حکومت اور طاقت جس کے نشے میں یہ دونوں حکمران ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے درپے تھے، دونوں میں سے کسی کے پاس نہ رہی۔ دودو گز زمین ان دونوں کو ملی اور جو سلطنت وہ دونوں چھوڑ گئے جلد یا بدیر کفار کے قبضے میں آ گئی۔

خواب گہ شاہوں کی ہے یہ منزلی حسرت فزا دیدہ عبرت! خراج اشکِ گلگوں کر ادا  
نیا خلیفہ..... خلیفہ ناصر کا ولی عہد ابونصر محمد اپنے نظریات، کردار اور عادات و اطوار میں اپنے باپ کی ضد تھا۔ وہ ”ظاہر بامر اللہ“ کا لقب اختیار کر کے مسند خلافت پر آیا۔ اس نے عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی اور عوام کو بڑا سکھ پہنچایا۔ داخلی امور کے ساتھ اس نے خارجہ پالیسی پر بھی خاص توجہ کی اور اس میں انقلابی تبدیلیاں لا کر دکھائیں۔ خصوصاً عالم اسلام کی سرحدوں پر شمشیر بکف سلطان جلال الدین کو اس نے نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا اور از خود سلطان کے ساتھ بہتر اور پائیدار تعلقات کے آغاز کی کوشش کی۔

خلیفہ ظاہر کا پیام دوستی..... سلطان جلال الدین تبریز میں مقیم تھے کہ نئے خلیفہ کی جانب سے مشہور صوفی نجم الدین رازی (مؤلف مرصاد العباد) اور رکن الدین بن عطف سفیر بن کر ان کے پاس حاضر ہوئے اور کہا:

”خلیفہ ناصر بقضائے الہی وفات پا گئے اور الظاہر بامر اللہ نے مسند خلافت سنبھال لی ہے۔ ہم ان کی جانب سے سلطان کی خدمت میں خیر خواہی اور نیک اندیشی کے جذبات لے کر حاضر ہوئے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ خلیفہ المسلمین کی دلی خواہش ہے کہ دونوں حکومتوں کے تعلقات دوستانہ اور برادرانہ رہیں۔“

سلطان جلال الدین کو اپنی جہادی مہمات کے لیے دیگر مسلمان حکمرانوں کے تعاون کی شدید ضرورت تھی۔ چند حکومتوں کے ساتھ دوستانہ معاہدوں کے انعقاد کے باوجود وہ خلیفہ المسلمین کی سرپرستی کی کمی نہایت شدت سے محسوس کرتے تھے اور درحقیقت دربار خلافت کا خوارزمی ایوان پر عتاب بہت سے مسلمان حکمرانوں کو سلطان کے ساتھ تعاون سے روکے ہوئے تھا، مگر اب صورتحال بدل چکی تھی، خود خلیفہ المسلمین کی جانب سے دوستی کا مخلصانہ ہاتھ بڑھایا جا رہا تھا اور سلطان کا دل تشکر اور مسرت کے جذبات سے لبریز ہو رہا تھا ہفت اقلیم کی بادشاہت پا کر بھی وہ اتنے مسرور نہ ہوتے جتنا کہ نئے خلیفہ کی جانب سے دوستی کا پیام پا کر ہوئے۔

سلطان نے قاضی مجیر الدین کو ایک خلعتِ فاخرہ دے کر دربار خلافت کے ساتھ اچھے تعلقات کی تجدید کے لیے روانہ کر دیا۔<sup>(۴۶)</sup>

گر جستان کی طرف دوبارہ کوچ..... سلطان کی گر جستان کی مہم ابھی ادھوری تھی۔ وہ چند داخلی مسائل حل کرنے کے لیے

عارضی طور پر تبریز میں ٹہرے ہوئے تھے۔ یہاں سے فارغ ہوتے ہی نئی تیاریوں اور تازہ دلولے کے ساتھ ذی الحجہ ۶۲۲ھ (دسمبر ۱۲۲۵ء) میں انہوں نے پھر گرجستان کے فلک بوس پہاڑوں کی طرف کوچ کیا، (۳۶) ان کی غیر حاضری کے طویل وقفے سے فائدہ اٹھا کر گرجیوں نے قباچاق اور لکسز کے قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر بڑے پیمانے پر جنگ کے لیے بھرپور انتظامات کر لیے تھے، اب یہ اتحادی فوجیں کندھے سے کندھا ملا کر سلطان سے زور آزمائی کے لیے تیار تھیں۔ (۳۷)

ملکہ گرجستان سے مذاکرات ..... محرم ۶۲۳ھ (جنوری ۱۲۲۶ء) میں سلطان گرجستان کی حدود میں داخل ہوئے (۳۸) اور سرحدی شہر دیون سے ہوتے ہوئے آگے روانہ ہوئے (۳۹) یہ سخت سردی کے دن تھے، برف باری عروج پر تھی۔ پہاڑ، وادیاں اور میدان سفید سفید برف سے ڈھکے ہوئے تھے، موسم کی شدت نے اپنا اثر دکھایا اور دریائے ارس کے کنارے پہنچتے ہی سلطان اس قدر سخت بیمار پڑ گئے کہ چلنا پھرنا مشکل ہو گیا چنانچہ انہوں نے موسم سرما میں گزارنے کا فیصلہ کیا، (۴۰) اس دوران انہوں نے ایک ہشیار مصاحب سلطان ملک طشندار کو قاصد بنا کر گرجیوں کی ملکہ سے مذاکرات کے لیے روانہ کر دیا تا کہ اسے جنگ کے مہلک انجام سے ڈرا کر کشت و خون سے باز رہنے اور ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کیا جاسکے۔ (۴۱)

سازش کا جال ..... شلوہ، ایوانی اور دیگر گرجی امراء جو گزشتہ معرکے میں سلطان کے حلقہ بگوش بن گئے تھے اس دوران سلطان کی نظروں میں ایک قابل قدر مقام پیدا کرنے کی کوششیں کرتے رہے تھے۔ وہ صبح و شام سلطان کی عظمت و شوکت کے گن گاتے، رات دن ان کی غلامی کا دم بھرتے اور اپنی سرکش قوم کے متعلق سخت ترین الفاظ استعمال کر کے اس سے بیزاری کا اظہار کرتے۔ سلطان نے بھی ان پر اعتماد کر لیا تھا اور جو دو کرم کا معاملہ کرتے ہوئے مرند، ارمیہ، سلماس اور اشنورا کی جاگیریں بھی ان کے نام کر دیں تھیں۔ سلطان کو امید تھی کہ اس طرح گرجستان کی فتوحات میں ان کا دلی تعاون حاصل رہے گا۔

یہ گرجی سردار ویسے تو آئندہ کی جنگی حکمت عملی کے حوالے سے گرجستان کے حالات سے سلطان کو آگاہ کرتے رہتے تھے مگر یہ ان کا ظاہری کردار تھا۔ اندرون خانہ وہ اب بھی سلطان کے یکے دشمن اور اپنی قوم کے وفادار سپاہی تھے اور سلطان کی طاقت کو مکمل طور پر نفی کر دینے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے۔ (۴۲)

بالآخر انہوں نے ایک گھناؤنا منصوبہ ترتیب دیا اور ایک روز موقع پا کر اپنی ملکہ کو خفیہ پیغام رسانی کے ذریعے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا اور اسے کہلویا کہ ہم مسلمانوں کی فوج کی راہنمائی کرتے ہوئے اسے درّہ مارکاب کے راستے سے روانہ کریں گے، لہذا اس مقام پر جنگجوؤں کے دستے کمین گاہوں میں متعین کر دیے جائیں تا کہ بے خبری میں اسلامی لشکر کا صفایا کر دیا جائے اور انتقام کی پیاس بجھائی جاسکے۔

سلطان جلال الدین اس سازش سے بالکل لاعلم تھے۔ چونکہ شلوہ نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا، اس لیے سلطان اس پر اور اس کی وساطت سے دیگر گرجی امراء پر اعتماد کرنے لگے تھے۔ قریب تھا کہ یہ منافق گروہ اپنی مکروہ سازش سے لشکر اسلام کو سخت زک پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا، مگر ”جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے“ کے بمصداق ایک تعجب انگیز واقعے نے سلطان جلال الدین کو دشمن کے عزائم سے باخبر کر دیا۔

سازش کا افشاء ..... سلطان جلال الدین کا ایلچی سلطان ملک طشندار ان دنوں تفلیس میں گرجیوں کی ملکہ سے مذاکرات کر رہا تھا۔ یہ بڑا زیرک اور سمجھدار شخص تھا، اس نے گرجیوں کے ایک درباری ”کشیش“ سے بے تکلفی پیدا

کر لی تھی تاکہ کوئی راز اس کے منہ سے اچکنے کا موقع مل جائے۔ گرجستان کا دریا نے کجرا اپنے قدری مناظر کے باعث بڑی پُر لطف سیرگاہ تھی۔ ۴۹ ملک طشدار ایک دن اس دریا کے کنارے چہل قدمی کر رہا تھا کہ چاک کشیش وہاں سے گزرا جو شراب سے بدست تھا اور خود پسندی نے اس کی بددماغی کو مزید دو آتشہ کر دیا تھا۔ باتوں باتوں میں ان دونوں کے درمیان اپنے اپنے لشکروں کی قوت و شوکت کا تذکرہ چھڑ گیا۔ کشیش جو نشے کے باعث پہلے ہی اپنے حواس میں نہ تھا، چلا کر کہنے لگا:

”تم ہمیں سمجھتے کیا ہو؟؟ ہم نے سب بندوبست کر رکھا ہے..... درۂ مارکاب میں ہمارے بے شمار جنگجو گھات میں بیٹھے ہیں۔ شلوه اور ایوانی سلطان جلال الدین کو ادھر ہی سے لائیں گے، پھر دیکھنا..... ہم کیسا بدلہ لیں گے۔“

یہ الفاظ سن کر ملک طشدار کے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی، دشمن کا گھناؤنا منصوبہ چشم زدن میں طشت از بام ہو کر اس کے سامنے آچکا تھا۔ اس نے سوچا ”کشیش“ چونکہ نشے میں ڈھٹ ہے، اس لیے فی الحال اسے احساس نہیں ہے کہ وہ یہ باتیں کس کے سامنے کہہ رہا ہے، مگر جوں ہی اسے راز فاش ہو جانے کا احساس ہوگا تو وہ مجھے قتل کیے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ بجلی کے کوندے کی طرح یہ خیال اس کے ذہن میں لپکا، اگلے ہی لمحے اس کی تلوار نیام سے نکل کر گرجی درباری کو واصل جہنم کر چکی تھی۔ دریائے کز کے کنارے اس کا رروائی کو دیکھنے والا اور کوئی نہ تھا، مگر یہ حرکت چھپ نہیں سکتی تھی، اب اس سرزمین میں ٹھہرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا، نیز یہ خطرہ بھی تھا کہ کہیں سلطان ان منافقین کے کہنے میں آ کر پیش قدمی شروع نہ کر دیں۔ چنانچہ ملک طشدار نے بلاتا خیر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور برقی مانند پہاڑوں اور جنگلات کو طے کرتا ہوا صبح صادق کے وقت..... جبکہ اسلامی لشکر گاہ میں فجر کی اذانیں گونج رہی تھیں..... بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔

منافقین کا انجام..... سلطان نے یہ سنتے ہی شلوه، ایوانی اور دیگر زیر حراست چالیس گرجی امراء کو طلب کیا تاکہ ملک طشدار کی اطلاع کی تصدیق ہو سکے، جب یہ منافقین حاضر ہوئے تو سلطان نے انہیں بڑی نرمی اور متانت سے مخاطب کر کے دشمن پر یلغار کے متعلق ان سے مشورہ مانگا اور پوچھا کہ حملے کے لیے غرس یا درۂ مارکاب میں سے کونسا راستہ زیادہ موزوں رہے گا؟

منافقین کو بالکل خبر نہ تھی کہ سلطان پر سارا راز کھل چکا ہے، سلطان کے طرزِ مخاطب میں بھی ذرہ برابر کوئی ایسا تغیر نہ تھا کہ وہ چوکتا ہو جاتے، اس لیے شلوه نے تیار شدہ منصوبے کے مطابق کہا:

”عالی جاہ! غرس کے راستے میں گرجی سپاہیوں سے بھرپور ایک مستحکم قلعہ واقع ہے جو ہماری پیش قدمی میں رکاوٹ ثابت ہوگا، اس کے بالمقابل درۂ مارکاب کا راستہ نہایت بے خطر اور تفلیس سے نزدیک تر ہے، میری رائے ہے کہ اسی راستے سے لشکر کشی کی جائے۔“

دوسرے گرجی امراء نے بھی زور و شور سے اس رائے کی حمایت کی اور یوں اپنی منافقت کا ثبوت پیش کر دیا۔ سلطان جلال الدین غصے سے بھڑک کر اپنی جگہ سے اٹھے، تلوار نیام سے کھینچ کر ایک ایسی ضرب لگائی کہ شلوه کے ہاتھی جیسے جسم کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ دوسرے گرجی امراء کو بھی سلطان کے حکم سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

اب سلطان نے اپنے مخلص افسران سے مشورہ لیا۔ سب نے اپنی اپنی رائے پیش کی۔ سلطان نے کہا:

”میری تجویز یہ ہے کہ دشمن پر اسی وقت حملہ کر دیا جائے، وہ لوگ شلوہ اور اس کے ساتھیوں کے انجام سے بے خبر، غفلت کی حالت میں ہوں گے کہ ہم ان کے سروں پر جا پہنچیں گے۔“ (۳۵)

امرائے لشکر نے اس تجویز کو سراہا، سلطان فوراً دس ہزار برق رفتار شہسواروں کا لشکر اپنی کمان میں لے کر دشمن کے مورچوں کی طرف روانہ ہوئے۔ دن رات سفر کر کے وہ ان بلند کوہساروں کے دڑوں میں جا پہنچے جن کی چوٹیوں تک رسائی کے لیے عقاب جیسی بلند پرواز چاہئے۔ شب کی خاموشی اور گھٹا ٹوپ بھیاں تاریکی میں ان سنگلاخ راستوں پر مجاہدین کے گھوڑوں کے سم چنگاریاں اُڑا رہے تھے اور ٹاپوں کی زوردار آواز سے وادیاں گونج رہی تھیں۔

مزید کچھ فاصلہ طے کر کے سلطان نے اپنی محتاط طبیعت اور خداداد ذکاوت سے کام لیتے ہوئے تمام فوج کو پیادہ ہو جانے کا حکم دیا تاکہ دشمن ٹاپوں کی آواز سن کر فوج کی نقل و حرکت سے آگاہ نہ ہو جائے۔ سارا لشکر گھوڑوں سے اتر پڑا اور دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا۔ سلطان خود بھی پیدل چل رہے تھے۔ صبح صادق کے وقت سلطانی لشکر گرجیوں کے مورچوں کے نزدیک پہنچ کر دم سادھے ہوئے حملے کے لیے اپنے قائد کے اشارے کا منتظر تھا۔

معرکہ کارزار..... صبح کی روشنی پھیلتے ہی مسلم جانباز نعرہ بکیر بلند کرتے ہوئے یکا یک دشمن پر ٹوٹ پڑے، گرجی اس غیر متوقع حملے سے بدحواس ہو گئے۔ پھر بھی چاروں جانب تلواریں سونت کر مقابلے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سورج کے بلند ہوتے ہوئے لڑائی کی شدت عروج پر پہنچ گئی۔ جنگ کے شعلے ہر طرف لپک رہے تھے اور اپنی زد میں آنے والی ہر شے کو فنا کیے دے رہے تھے۔ ہر سمت کشتوں کے پستے لگ رہے تھے۔ انجام کار جب گرجیوں نے مسلمانوں کی قلت تعداد کے باوجود ان کی ثابت قدمی اور دلیری میں کوئی تفاوت نہ دیکھا تو حوصلے ہار بیٹھے اور میدان جنگ سے فرار ہونے لگے۔ لشکر اسلام نے گھیر گھا کر ان کو تلواروں اور نیزوں پر رکھ لیا۔ جب لڑائی کا گردوغبار فرو ہوا تو گرجی سپاہیوں کی اکثر تعداد موت کے گھاٹ اتر چکی تھی۔ (۳۶)

لڑائی کے اختتام پر سلطان نے اپنے لشکر کو دشمن کے تعاقب میں روانہ کرنے کے بجائے اسی جگہ روک کر آرام کا حکم دیا۔ قفقاز کے بیچ دریا چچ فلک بوس کوہستان میں اس وقت دشمن کا تعاقب خطرے سے خالی نہ تھا۔

شب بھر آرام کے بعد پو پھونٹے ہی سلطان نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ لشکر کوہستان کو عبور کر کے گردوغبار کے بادل اُڑاتا ہوا صحرائے لور میں داخل ہوا۔ یہاں میدان جنگ سے فرار ہونے والے گرجی بڑی تعداد میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ سلطان کے اشارے پر ان سب کو واصل جہنم کر دیا گیا۔ یہاں سے سلطانی افواج نے پہلے شہر لوری اور پھر علیا باد کی طرف پیش قدمی کی، یہ دونوں مقامات بلا کسی مزاحمت کے فتح ہو گئے۔ (۳۷) ان فتوحات کے بعد گرجستان میں سلطان جلال الدین کے قدم اچھی طرح جم گئے تھے اور اب وہ ان کے دارالحکومت تفلیس کو فتح کیے بغیر واپسی کے لیے تیار نہ تھے۔ تاہم فی الفور چڑھائی کرنے کے بجائے انہوں نے ماہ محرم کے بقیہ ایام اور صفر کا پورا مہینہ اسی جگہ رک کر اپنی طاقت کو نئے سرے سے مستحکم کیا۔

سلطان گرجیوں کے زرعے میں..... غزہ (۳۸) ربیع الاول کا قصہ ہے کہ گرجستان کی شجر پوش وادیوں اور شفاف چشموں سے متاثر ہو کر سلطان جلال الدین نے سیر و تفریح اور شکار کا منصوبہ بنایا۔ بعض خصوصی مصاحبین اور چند سپاہیوں کو لے کر وہ گھنے جنگلات کی طرف نکل گئے۔ ان جنگلات سے آگے گرجیوں کی مقبوضہ حدود شروع ہو جاتی

تھیں۔ ان اطراف میں مسلمانوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنے کے لیے گرجیوں نے جگہ جگہ اپنے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ سلطان جلال الدین کا جنگلات میں داخل ہونا ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہا۔ انہوں نے فوراً اپنی چھاؤنی کو خبردار کر دیا۔ گرجیوں نے موقع غنیمت جان کر سلطان کا کام تمام کرنے کے لیے پانچ سو آرمودہ کڑیل جنگجوؤں کا ایک دستہ ادھر روانہ کر دیا۔

سلطان جلال الدین کو وہ دامن کے پُر کیف و دلکش نظاروں میں محو تھے کہ یکا یک انہوں نے دور سے گرجیوں کے گھڑسوار دستے کو سرپٹ اس طرف آتے ہوئے دیکھا۔ ایک عام سپاہی کے نقطہ نظر سے اس وقت راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، مگر سلطان جلال الدین کی جرأت، ہمت اور بہادری کے سامنے ہر مشکل آسان اور ہر محال ممکن تھا۔ انہوں نے اپنی شمشیر آبدار میان سے کھینچی اور اپنے ساتھیوں کو حوصلہ دلاتے ہوئے دشمن پر جارحانہ انداز میں حملہ کر دیا۔ ان چند ساتھیوں کے ہمراہ سلطان نے ایسی بے جگری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ پانچ سو حملہ آور سلطان کو گھیرے ہوئے تھے لیکن سلطان شیربہر کی طرح دائیں سے بائیں اور آگے پیچھے متواتر حملے کر کے انہیں کسی بھی سمت سے آگے بڑھنے کا موقع نہیں دے رہے تھے۔ سلطان کے مصاحمین اور محافظ بھی آہنی دیوار کی طرح کندھے سے کندھا ملا کر جان توڑ مدافعت کر رہے تھے۔

سلطان کی بے مثال ثابت قدمی نے گرجیوں کو حد درجے حیرت زدہ اور سراسیمہ کر دیا۔ دال گلتی نہ دیکھ کر انہوں نے مزید کمک طلب کی اور دم بدم گرجی دستے دور دراز کی کمین گاہوں اور چھاؤنیوں سے نکل نکل کر اس محاذ پر جمع ہونے لگے، یہاں تک کہ ان کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ سلطان پھر بھی مقابلے میں ڈٹے رہے اور ہتھیار ڈالنے پر تیار نہ ہوئے۔ قفقاز کی اس شہر پوش وادی میں سلطان نے شجاعت و جواں مردی کے وہ جوہر دکھائے کہ دشت و جبل ہی نہیں، بلکہ خورشید و فلک بھی دم بخود رہ گئے۔ ان کی شمشیر خارا شگاف چشم زدن میں ادھر کی کئی دشمنوں کے وار روکتی، ادھر کی کئی بے ایمانوں کو موت کی نیند سلا دیتی۔ دریائے سندھ کی لڑائی کے بعد اب تک درپیش معرکوں میں غالباً یہ مقابلہ سلطان کے لیے سخت ترین تھا جس میں سلطان کے بچ نکلنے کے امکانات بہت کم تھے، مگر ”ہمت مرداں و مدد خدا“ کے بمصداق سلطان نے سرتوڑ کوشش کر کے اپنا کامیاب دفاع کیا۔

خوش قسمتی سے اس وقت تک سلطان کی فوج تک اس حادثے کی خبر پہنچ چکی تھی، اس لیے وہ بھی پوری سرعت سے سلطان کی مدد کے لیے آ رہے تھے، جوں ہی مددگاروں کی ایک کھیپ سلطان کی معیت میں پہنچی، سلطان ان کی صف بندی کر کے اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں گرجستان کے صلیب پرستوں پر جارحانہ انداز میں ٹوٹ پڑے اور دشمن کے دونوں پہلوؤں پر چند زوردار حملے کر کے ان کا رخ پھیر دیا۔

گرجیوں کے قدم اُکھڑتے ہی سلطان نے اپنی فوج کو تعاقب کا حکم دیا، جاں نثار سپاہیوں نے بھاگتے ہوئے دشمن کو تیروں، نیزوں اور تلواروں سے پامال کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور دریائے کرت تک تعاقب جاری رکھا۔ بچے کچھے گرجی سپاہی مسلمانوں کی تلواروں سے ڈر کر اپنے بھاری اسلحے اور گھوڑوں سمیت دریا میں کود گئے، مگر ان میں سے چند ایک کے سوا سب دریا کی سرکش لہروں کا شکار ہو کر مر گئے۔ (۳۳)

سلطان کی حکمت عملی..... کئی معرکوں میں شکست کھانے کے بعد اب گرجی سلطان سے حد درجہ دہشت زدہ ہو چکے



تھے، اس لیے اس موقع پر ایک مشیر نے سلطان کو رائے دیتے ہوئے کہا: ”عالم پناہ! یہ موقع غنیمت ہے، ہمیں فوراً دشمن کے دارالحکومت تفلیس کا محاصرہ کر لینا چاہیے۔“

سلطان نے اس مشورے کو رد کرتے ہوئے کہا: ”ہمیں تفلیس کی مضبوط فصیلوں کے سامنے آدمی گنوا کرنے کی ضرورت نہیں، باہر موجود گرجیوں کو نشانے کے بعد میں ہم تفلیس کو کسی وقت کے بغیر حاصل کر سکتے ہیں۔“ (۳۵)

دو تین روز تک سلطانی لشکر چن چن کر دشمنوں کا صفایا کرتا رہا۔ جب سلطان کو یقین ہو گیا کہ اب گرجیوں اور ان کے اتحادیوں کی وہی قوت باقی رہ گئی ہے جو تفلیس کی فصیلوں کی پناہ میں ہے تو انہوں نے ساز و سامان ایک محفوظ مقام پر چھوڑ کر ہلکے پھلکے لشکر کے ساتھ آگے پیش قدمی شروع کی۔

فتح تفلیس..... تفلیس سے کچھ فاصلے پر سلطان نے فوج کو رکنے کا حکم دیا، اور صرف تین ہزار کے لگ بھگ سپاہی اپنے ساتھ رہنے دیے اور بقیہ تمام لشکر کوئی حصوں میں تقسیم کر کے جگہ جگہ گھات میں بٹھا دیا۔ اس انتظام کے بعد سلطان خود آگے بڑھے اور تفلیس کی فصیل کے سامنے جا کر رک گئے۔

شہر کی فصیل کا زیادہ ایک بلند پہاڑی سلسلے پر تعمیر کیا گیا تھا، اس پر گرجی، قپاچی، ارمنی اور لکزی فوجیں پرے جمائے کھڑی تھیں۔ یہ بلند و بالا مستحکم فصیلیں ایک طویل مدت کے لیے حملہ آوروں کو روکنے کے لیے کافی تھیں۔ اگر سلطان جلال الدین محاصرہ کر لیتے تب بھی اہل شہر مہینوں تک باسانی مدافعت کر سکتے تھے، لیکن سلطان کو ایک مختصر سی فوج کے ساتھ فصیل کے سامنے پا کر محصورین دھوکے میں آ گئے، اپنی تعداد کی کثرت پر ناز کرتے ہوئے انہوں نے بلاتاخیر باہر نکل کر حملے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ کسی پس و پیش کے بغیر ان گت گرجی اور ان کے اتحادی، فوج در فوج شہر سے باہر نکلنے لگے۔ سلطان جلال الدین نے حملہ آوروں کا سیلاب اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر قدرے توقف کے بعد پسپائی شروع کر دی۔ گرجیوں نے خیال کیا کہ سلطان مقابلے سے کتر اکرا رہا فرار اختیار کر رہے ہیں۔ انتقام کی آگ میں جھلے ہوئے گرجی اندھا دھند سلطان کے تعاقب میں بڑھتے رہے۔ سلطان اپنے طے شدہ منصوبے کے مطابق انہیں اس مقام تک لانے میں کامیاب ہو گئے جہاں ان کی فوج کا اکثر حصہ گھات لگائے بیٹھا تھا۔

جب لشکر کفار مکمل طور پر ان کی زد میں آ گیا تو انہوں نے کمین گا ہوں سے نکل کر حملہ کر دیا۔ اس اچانک افتاد سے گرجی اس قدر گھبرا گئے کہ کسی کو سر پیر کا ہوش نہ رہا۔ سلطان جلال الدین بھی پلٹ کر سامنے سے راستہ روک چکے تھے۔ مکمل تباہی سے بچنے کے لیے گرجی سوراؤں نے افراتفری کے عالم میں فصیل شہر کا رخ کیا، مسلمان جانبا ز بھی ان کے تعاقب میں چلے، ہزارہ غیاث الدین ان کی کمان کر رہا تھا۔ جب گرجی فصیل شہر کے دروازے کھلو کر شہر میں داخل ہونے لگے تو مسلمان سپاہی بھی اس بھگدڑ میں ان کے ساتھ ساتھ شہر میں گھس گئے۔ تفلیس کے محکوم مسلمانوں نے ”اللہ اکبر، اللہ اکبر“ اور ”سلطان جلال الدین زندہ باش..... سلطان جلال الدین زندہ باش.....“ کے نعرے لگا کر فاتح لشکر کا استقبال اور ساتھ ساتھ اپنے اسلام کا اظہار بھی کیا۔

چونکہ یہ شہر غوثہ (بزرگ مشیر) فتح ہوا تھا، اس لیے حکم سلطانی سے لشکر اسلام نے گرجیوں کی لاشوں سے تفلیس کے گلی کوچوں کو پُر کر دیا۔ گرجیوں کی شورش پسندی اور سرکشی کا تجربہ کرنے کے بعد سلطان جلال الدین ان میں سے لڑائی کے قابل کسی فرد کو زندہ چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ (۳۶)



آخری لمحات میں اپنی شکست کا یقین کر کے تغلیس کے قلعے کے محافظین نے شاہی خزانہ دریا میں غرق کر دیا تھا، تاہم اس کے سوا حاصل ہونے والے مال غنیمت کا بھی کوئی حد و حساب نہ تھا۔<sup>(۷۴)</sup>  
اس عظیم الشان فتح سے گرجیوں کی کمرٹوٹ گئی، تغلیس میں قتل کیے گئے گرجیوں کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔<sup>(۷۵)</sup>  
یہاں کی آبادی سے میں سے صرف وہی بچ سکے جو پہلے سے مسلمان تھے یا اس فتح کے بعد اسلام لے آئے۔<sup>(۷۶)</sup> یہ یادگار واقعہ آٹھ ربیع الاول ۶۲۳ھ (۸ مارچ ۱۲۲۶ء) کا ہے۔

اس دوران ہزاروں گرجی سپاہی شہر کو سلطانی افواج کے رحم و کرم پر چھوڑ کر قلعے میں مورچہ زن ہو گئے تھے۔ یہ قلعہ ایک دریا کے پار تھا۔ دریا پر لکڑی کے دوپل تھے مگر گرجیوں نے قلعے میں داخل ہونے سے قبل دونوں پل جلا کر ناکارہ دیے تھے۔ دریا کا پاٹ اتنا چوڑا اور بہاؤ اتنا تیز تھا کہ پل کے بغیر اسے عبور کرنا بہت مشکل تھا مگر سلطان نے آرام کیے بغیر اسی شب اپنے سپاہیوں کے ساتھ دریا پار کر کے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ شکن آلات تک نصب کروا دیے۔ یہ دیکھ کر گرجیوں نے قاصد بھیج کر جان کی امان طلب کی، چونکہ شہر فتح ہونے کے بعد بھی قلعے کا زیادہ دنوں تک دشمن کے پاس باقی رہ جانا تشویش ناک تھا اس لیے سلطان نے ازراہ مصلحت انہیں پروا نہ امن دے دیا اور قلعے پر اس کے تمام ساز و سامان سمیت قبضہ کر لیا۔<sup>(۷۷)</sup>

تغلیس کے نواح میں گرجیوں کے بہت سے دیہات اور قلعے موجود تھے۔ سلطانی لشکر کی آمد کے خوف سے وہاں آباد گرجیوں کی بہت بڑی تعداد دوسرے علاقوں کی طرف نقل مکانی کر گئی۔ سلطان کے سپاہیوں نے یکے بعد دیگرے ان تمام مقامات پر قبضہ کر لیا اور جہاں کہیں مسلح شہر پندوں کا سراغ پایا انہیں بلا توقف جہنم رسید کر دیا۔<sup>(۷۸)</sup>  
تغلیس کی فتح کے ساتھ ہی سلطان جلال الدین کا وہ عظیم دفاعی خطہ مکمل ہو گیا جس کے لیے وہ ایک عرصے سے کوشاں تھے۔ ساحلِ سندھ سے لے کر قفقاز تک ہلال کی شکل میں پھیلا ہوا یہ ہزاروں میل طویل حصار جغرافیائی لحاظ سے تاتاری یلغار کے تمام مکمل راستوں کو گھیرے ہوئے تھا۔ تاتاریوں کو اب کسی بھی اسلامی ملک پر حملہ کرنے سے پہلے اس دفاعی حصار سے گزرنا پڑتا۔ ان کی پیش قدمی کے ہر امکانی راستے پر قابض ہو کر سلطان نے اس ہزاروں میل لمبی پٹی کے ایک ایک انچ کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی تھی اور مجاہدین کے تیز رفتار گشتی دستے اس مقصد کے لیے ایک وسیع خطے میں متحرک ہو چکے تھے۔

اگر مجھے فدیہ لینے کا شوق ہوتا..... تغلیس سے تبریز کے راستے میں ”سرماری“ نامی مقام پر سلطان کا ایک کیمپ تھا۔ سلطان نے تاج الدین ہلال کی نگرانی میں جن خاص قیدیوں کو تبریز روانہ کیا تھا، وہ راستے میں یہاں ٹہرائے گئے تھے۔ وزیرِ سلطنت شرف الملک نے یہ طے کر لیا تھا کہ فدیہ لے کر ان قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ گرجی اپنے تین بڑے سرداروں کی رہائی کے بدلے میں ہزار اشرافیوں کی مالیت کی نقدی، زیور اور مویشی لے کر یہاں پہنچ چکے تھے اور تینوں سرداروں کی رہائی عمل میں آنے والی تھی۔

مگر اس سے پہلے سلطان جلال الدین دریائے ارس کا پل پار کر کے یہاں پہنچ گئے۔ اسی کیمپ میں منشی شہاب الدین النسوی کا قیام بھی تھا۔ جب سلطان کو گرجیوں کی رہائی کے معاملے کی سن گن ملی تو النسوی کو بلا کر کہا: ”اگر مجھے دشمن فروخت کرنے کا شوق ہوتا تو میں اب تک اس قدر مال و دولت جمع کر چکا ہوتا کہ رات دن کی

گردش بھی اسے ختم نہ کر سکتی۔“

یہ کہہ کر سلطان نے حکم دیا کہ گرجی سرداروں کو ہرگز آزاد نہ کیا جائے چنانچہ ان کو چھوڑ کر فدیہ لینے کا منصوبہ ترک کر دیا گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی وجہ سے وزیر دل ہی دل میں بہت کبیدہ خاطر ہوا اور رد عمل کے طور پر سرکاری خزانے کو فضول مصارف میں بے تحاشا خرچ کرنے لگا۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کا خراج تحسین..... اکثر مؤرخین نے گرجستان میں سلطان کی جہادی مہمات کو یا تو بالکل نظر انداز کیا ہے یا انہیں سرسری طور پر اس طرح بیان کیا ہے جیسے یہ روزمرہ کی معمولی جھڑپیں ہوں حالانکہ گرجستان کا محاذ جنگ اتنا اہم، نازک، خطرناک اور کٹھن تھا کہ اگر سلطان کی سوانح میں اس ایک مہم کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تب بھی ان کی شجاعت، ہمت اور معرکہ دانی کے ثبوت کے لیے کسی اور کارنامے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان کے اس ایک احسان سے امت مسلمہ تا قیامت سبکدوش نہیں ہو سکتی اور یہ ایک محاذ ہی تاریخ میں ان کا نام روشن کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس سے قبل گرجستان میں عیسائیوں کا تسلط کسی طرح ختم ہونے میں نہ آتا تھا اور وہاں مسلم آبادی مٹتی جا رہی تھی۔ سلطان نے گرجی عیسائیوں کو اس طرح کچلا کہ وہاں مسلمان نئی آن بان کے ساتھ ظاہر ہوئے اور آج تک ان علاقوں میں ان کی بڑی تعداد آباد چلی آ رہی ہے۔

اگر اس مقام پر سلطان کے قابل قدر کارہائے نمایاں کو سمجھا ہے تو علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے..... جو سلطان جلال الدین کے ہم عصر تھے، وہ فرماتے ہیں:

”گزشتہ سالوں کے حالات میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ گرجستان اپنی سرحد سے متصل اسلامی ممالک خلاط، آذربائیجان، اژان، ارزن الروم، دربند شروان وغیرہ میں مسلمانوں کا بے تحاشا خون بہاتے رہتے تھے اور ان کے علاقوں پر قبضہ کرتے جا رہے تھے، ان کے ہاتھوں ان علاقوں کے مسلمان ذلت و رسوائی کا شکار تھے، آئے دن وہ ان پر حملہ آور ہوتے اور قتل عام کرتے۔ ہم اور تمام مسلمان جب بھی یہ حالات سنا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو ایسا رہنما نصیب فرمائے جو ان کی حفاظت کرے، ان کی مدد کرے اور ان کا انتقام لے.....

پس اللہ تعالیٰ نے ان پس ماندہ علاقوں پر رحمت کی نگاہ ڈالی، ان پر رحم فرمایا اور ان کو جلال الدین عطا فرمایا جس نے گرجیوں کا وہ حشر کیا جو تم دیکھ چکے ہو اور وہ ان کافروں سے اسلام اور مسلمانوں کا انتقام لے کر رہا۔“ (۴)

دربار خلافت کے سفیر کا جذبہ جہاد..... سلطان کے ان کارناموں نے اسلامی ملکوں میں جہاد کا ایک جوش و جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ ایک مدت بعد بڑے بڑے امراء و رؤساء جہاد میں حصہ لینے کو سعادت اور فخر کی بات سمجھنے لگے تھے۔ اس ولولے کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ ان دنوں دربار خلافت کا ایک بڑا قاتل اور عالم فاضل سفیر سلطان جلال الدین کے ہاں آیا ہوا تھا۔ سلطان گنجہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ جب سفیر واپس ہونے لگا تو سلطان نے اپنے ہاں کے معروف عالم حافظ تقی الدین کو اس کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ اعزاز کے طور پر اسے بغداد تک چھوڑنے جائیں۔

سفیر نے چند منازل سفر کیا تھا کہ تاتاریوں کے سلطان کے خلاف حملے کی افواہ پھیل گئی۔ ادھر سلطان اصفہان

کی طرف کوچ کر چکے تھے جس سے اس افواہ کو مزید تقویت ملی اور مشہور ہو گیا کہ سلطان جہاد کے لیے سرحدوں کی طرف جارہے ہیں۔ یہ سن کر سفیر نے بغداد جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور سلطان کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ سلطان راستے میں میانج کے مقام پر رکے ہوئے تھے کہ بغدادی سفیر پھر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

”مجھے معلوم ہوا ہے تاتاری پھر سے آپ کے خلاف لشکر کشی کر رہے ہیں اور آپ ان سے جہاد کرنے جارہے ہیں۔ ان حالات میں ہر مسلمان پر سلطان کے پرچم تلے جہاد کرنا فرض ہے۔ میں بھی مسلمان ہوں پس اس فریضے سے پہلو تہی نہیں کر سکتا۔“

سلطان جلال الدین کو سفیر کا یہ جذبہ دیکھ کر بے حد خوش ہوئی، انہوں نے تعریف کرتے ہوئے کہا: ”واقعی دربار خلافت کے سفیر کی شان یہی ہونی چاہیے جس سے آپ بہرہ ور ہیں۔“

سلطان نے اپنے کاتب النسوی کو حکم دیا کہ سفیر کو لشکر کا معائنہ کرایا جائے۔ ایک ایک دستہ پر بڑھتے ہوئے سفیر کے سامنے سے گزرا۔ معاینے کے بعد سلطان نے دریافت کیا:

”امیر المؤمنین کی فوج زیادہ ہے یا ہماری؟“

سفیر نے کہا: ”امیر المؤمنین کی فوج اس سے کئی گنا زیادہ ہے، البتہ آپ کی فوج جنگوں کی زیادہ ماہر ہے۔“

سفیر کچھ دنوں بعد بغداد واپس چلا گیا کیونکہ تاتاریوں کی آمد کی خبر محض افواہ ہی تھی۔ اصل میں سلطان کی کچھ فوج جو بکا خان نامی ایک امیر کی قیادت میں تھی، مرکز کی طلب پر ہندوستان کے مقبوضات سے واپس آرہی تھی۔ لوگوں نے اسے تاتاریوں کی فوج سمجھ لیا تھا۔ ﴿۴۷﴾

— — — — —

## حواشی و حوالہ جات

- ① جہاں کشاج ۲ ص ۱۵۸
- ② تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۵۷
- ③ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۰۵، ۶۱۷، ۶۲۹..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۵
- ④ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۰۵
- ⑤ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۰۵
- ⑥ سیرۃ جلال الدین ص ۱۹۹، ۲۰۰..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۰
- ⑦ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۷۔ ویسے گرجیوں کا یہ جواب لاف زنی اور لن ترانی سے خالی نہیں، اس لیے کہ تاتاریوں سے جنگ میں گرجیوں کا بہت نقصان ہوا تھا اور تاتاریوں کا پلہ بھاری رہا تھا۔
- ⑧ یعنی یہ کہ قرب و جوار کے مسلم حکمران اس فوج کشی کو اپنے خلاف گمان نہ کریں۔
- ⑨ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۷
- ⑩ روضۃ الصفاح ۴ ص ۸۳۰
- ⑪ سیرۃ جلال الدین ص ۱۹۷..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۰
- ⑫ ابن اثیر، ج ۷ ص ۶۱۷
- ⑬ روضۃ الصفاح ۴ ص ۸۳۰..... جہاں کشاج ۲ ص ۱۵۹
- ⑭ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۹۸، ۱۹۹..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۰..... تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۳ وفيات ۶۲۸ ھ حرف جیم..... خوارزم شاہی ص ۱۵۸
- ⑮ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۹۹..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۵۸..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۵
- ⑯ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۹۹..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۰..... جہاں کشاج ۲ ص ۱۵۹..... تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۳ وفيات ۶۲۸ ھ حرف جیم
- ⑰ البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۱۲۲ بحوالہ ابو شامہ..... ابن اثیر نے یہ تعداد بیس ہزار بیان کی ہے۔
- ⑱ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۰۰..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۸..... تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۳ وفيات ۶۲۸ ھ حرف جیم
- ⑲ سیرۃ جلال الدین ص ۲۰۲..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۰
- ⑳ جہاں کشاج ۲ ص ۱۶۰
- ㉑ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۵
- ㉒ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۸
- ㉓ سیرۃ جلال الدین ص ۲۰۲..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۰
- ㉔ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۸..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۱
- ㉕ اس قضیے کی تفصیل سلطان کی سیرت و کردار کے تحت چند روایات میں ملاحظہ کریں۔ نیز ملاحظہ ہو سیرت سلطان جلال الدین ص ۱۱۷، ۱۱۸..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۱

۳۶) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۰۶..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۱

۳۷) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۹..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۴

۳۸) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۰۷..... جہاں کشاج ۲ ص ۱۵۷..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۹..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۱

۳۹) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۴، ۱۲۵..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۱

۴۰) شذرات الذہب ج ۵ ص ۹۸، ۹۹..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۹..... الاعلام بوفیات الاعلام ج ۲ ص ۲۵۶

۴۱) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۸۰..... خوارزم شاہی ص ۱۸۵

۴۲) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۲۸ (۳۷) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۲۸

۴۳) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۹..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۴

۴۴) جہاں کشاج ۲ ص ۱۶۰ (۳۵) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۴..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۱

۴۵) جہاں کشاج ۲ ص ۱۶۰ (۳۸) جہاں کشاج ۲ ص ۱۶۰

۴۶) دریائے کزیک بڑا دریا ہے۔ یہ قفقاز کے جبل باب الابواب سے بہتا ہوا تفلیس شہر کے درمیان سے گزر کر اسے دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ بعد ازاں آذربائیجان اور ازان کے مابین حد فاصل بناتا ہوا بحیرہ خزر (کیسپین) میں جا گرتا ہے۔

۴۷) جہاں کشاج ۲ ص ۱۶۲ (۳۹) جہاں کشاج ۲ ص ۱۶۲

۴۸) جہاں کشاج ۲ ص ۱۶۲ (۴۲) قمری مہینے کی پہلی دوسری اور تیسری تاریخ غزہ کہلاتی ہے۔

۴۹) جہاں کشاج ۲ ص ۱۶۲ (۴۵) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۲۸

۵۰) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۲۸..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۵، ۱۲۶

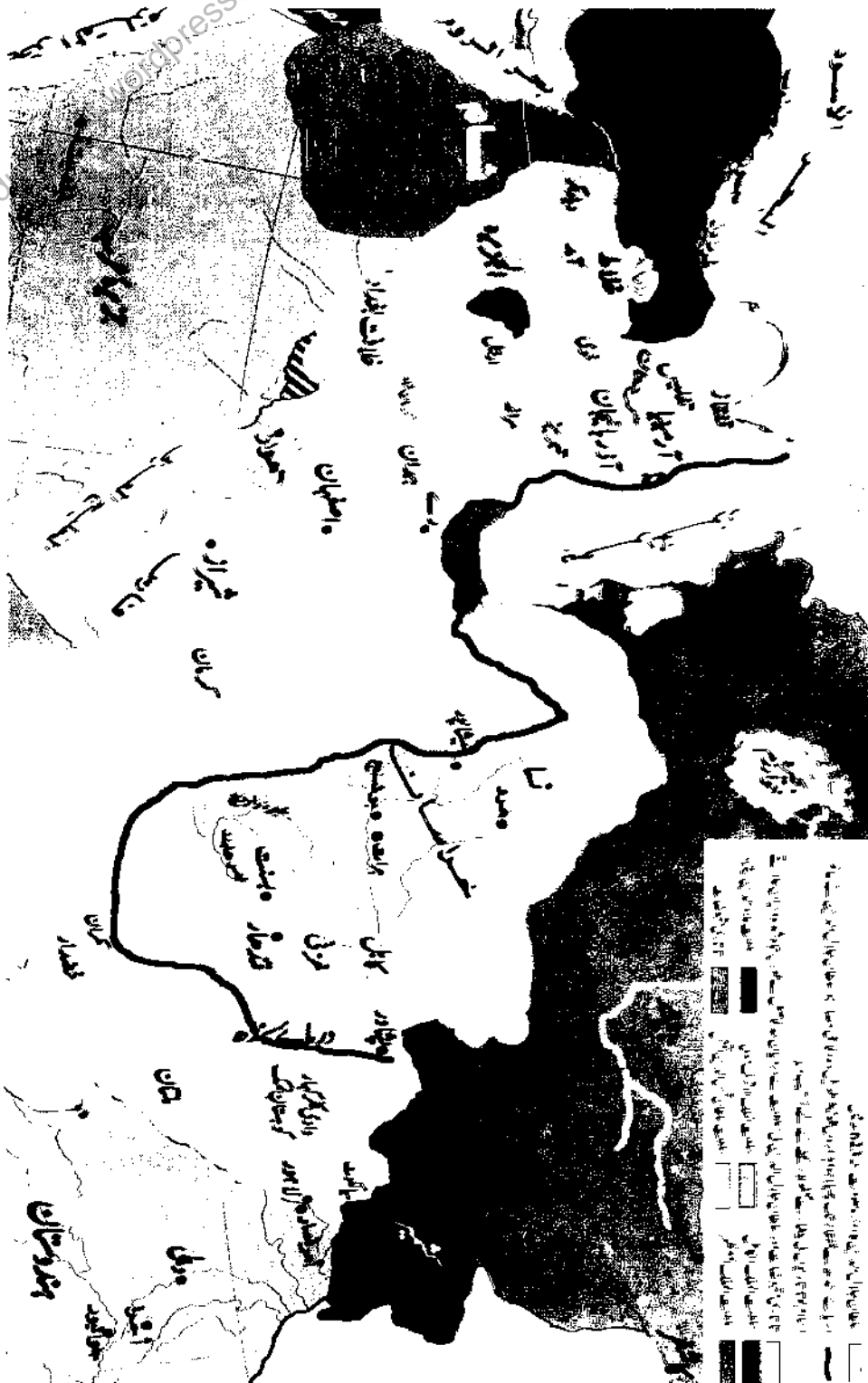
۵۱) جہاں کشاج ۲ ص ۱۶۲ (۴۸) البدلیۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۱۲۴

۵۲) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۵..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۲۸

۵۳) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۴..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۱

۵۴) جہاں کشاج ۲ ص ۱۶۲ (۵۶) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۷

۵۵) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۷، ۱۲۸..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۶۵



## متحدہ دفاعی حصار کا انہدام

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ..... اور آپس میں جھگڑا مت کیا کرو کہ اس سے تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔ (انفال، آیت: ۴۶)

۶۲۳ھ میں ایک طرف تو سلطان جلال الدین خوارزم شاہ گرجستان میں فتوحات کے پھریرے لہرا رہے تھے، مگر دوسری طرف وہ بین الاقوامی سیاست کے میدان میں چند پریشان کن تبدیلیوں کا سامنا کر رہے تھے، جن کا تذکرہ پہلے اختصاراً اور پھر قدرے تفصیل سے درج ذیل ہے:

1..... خلیفۃ المسلمین ظاہر باللہ جنہوں نے چند ماہ پیشتر سلطان کی جانب تعاون اور خیر سگالی کا ہاتھ بڑھایا تھا، یکا یک سلطان کی حمایت سے دست بردار ہو گئے۔

2..... حاکم خلاط الملک الاشرف سے سلطان کے تعلقات از حد کشیدہ ہو گئے۔

3..... سلطان کے سب سے مضبوط حلیف الملک المعظم نے بھی سلطان کو تنہا چھوڑ دیا۔

اب ان حالات کی تفصیل ملاحظہ کیجئے:

1 خلیفہ کی خفگی..... خلیفہ ظاہر باللہ کی سلطان سے اچانک خفگی کی وجوہات سے کسی مؤرخ نے پردہ نہیں اٹھایا، مگر اس زمانے کے حالات کا بغور جائزہ لینے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آذربائیجان اور گرجستان میں سلطان کی طوفانی فتوحات کے باعث آس پاس کے مسلم و غیر مسلم حکمران سلطان سے حسد کرنے لگے تھے۔ نیز انہیں یہ بھی خطرہ تھا کہ اگر سلطان ان کو ترک جہاد اور تاریوں کی حمایت کی سزا دینے کے لیے ان پر حملہ آور ہو گئے تو وہ اللہ کے مقابلے کی تاب نہیں لائیں گے۔ ان حالات کے پیش نظر یہ بعید نہیں کہ سلطان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو توڑنے کے لیے یہ صاحب اقتدار طبقہ خلیفۃ المسلمین کو سلطان کے خلاف بھڑکانے کی کوششیں کرنے لگا ہو۔ غالباً یہ اسی قسم کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ آخر کار خلیفۃ المسلمین سلطان کی حمایت سے نہ صرف یہ کہ خود دست کش ہو گئے بلکہ انہوں نے سلطان کے حلیف الملک المعظم کو بھی ان سے علاحدہ ہو جانے کا حکم دے دیا۔

2 الملک الاشرف سے کشیدگی..... سلطان جلال الدین اور الملک الاشرف کے مابین کوئی ذاتی تنازعہ نہ تھا، مگر چونکہ ایک مدت سے الملک المعظم اور الاشرف کے تعلقات نہایت کشیدہ تھے، اس لیے الملک المعظم کے ساتھ سلطان کو اتحاد کرنا دیکھ کر اشرف نے سلطان کو بھی اپنا مد مقابل سمجھ لیا تھا۔ آنے والے دنوں میں حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ الملک الاشرف اور سلطان کے تعلقات مزید خراب ہوتے چلے گئے۔

3 الملک المعظم کی سلطان سے علاحدگی..... الملک المعظم جس کے ساتھ دوستی کی خاطر سلطان جلال الدین نے

الملک الاشرف سے محاصرت مولیٰ تھی، اب ان دونوں کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑکنے کے بعد سلطان کی حمایت سے دست بردار ہو کر الملک الاشرف سے جاملتا تھا۔ اس سے قبل خلیفہ نے بھی الملک المعظم پر اس سلسلے میں دباؤ ڈالا تھا اور سلطان کو باغی قرار دیتے ہوئے معظم کو اس کی دوستی سے باز رہنے کا حکم دیا تھا۔ ماہ شوال میں الملک الاشرف نے بذات خود معظم کے پاس جا کر اسے سلطان کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ کر لیا۔ دونوں میں باہمی اتحاد کا معاہدہ طے پا گیا۔ بعد ازاں اس معاہدے میں ان کا تیسرا بھائی الملک الکامل شاہ مصر بھی شامل ہو گیا۔ سلطان جلال الدین کے اقتدار کو اپنی خاندانی وجاہت اور موروثی حکومت کے لیے خطرہ گردانتے ہوئے یہ سب بھائی سلطان کے خلاف متحد ہو گئے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ سلطان جلال الدین اس بے فائدہ کشمکش سے ابتداء ہی وامن بچا کر رکھتے، مگر اب الملک المعظم کے علاحدہ ہو کر حریف سے مل جانے کے بعد وہ اپنے خلاف بنائے گئے اس متحدہ محاذ سے بے توجہی نہیں برت سکتے تھے۔ انہیں اس صورتحال سے نفسیاتی طور پر بھی سخت دھچکا لگا تھا کہ جن سے انہیں اپنا دست و بازو بننے کی امید تھی وہی انکے جانی دشمن ثابت ہو رہے تھے، جن کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے انہوں نے اپنی راتوں کی نیند تک حرام کر لی تھی وہی انہیں بے دست و پا کرنے پر تل گئے تھے۔ سلطان نے سمجھ لیا تھا کہ اب ایوبی خانوادے کے حکمرانوں کی سازشوں سے لا پرواہی برتنا، ان کے کسی وعدے پر اعتماد کرنا یا اپنے مشن کی تکمیل کو ان کی امداد پر منحصر کرنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔ اسکے ساتھ ساتھ وہ انہیں ان کی بے وفائی اور بے مروتی کی سزا بھی دینا چاہتے تھے، اس لیے وہ معاملات کو صلح صفائی سے حل کرنے کی امکانی کوششوں پر غور کرنے کی بجائے ایوبی حکمرانوں کو ترکیب کی جواب دینے پر تل گئے اور تنہا ہوتے ہوئے بھی ان کے متحدہ محاذ کے مقابلے پر جم گئے۔

سلطان جلال الدین اور ایوبی خاندان کے باہمی ٹکراؤ میں ہر جانب کے حکومتی افسران کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں، حاشیہ برداروں کی لگائیوں، بجھائیوں، وزراء کی سازشوں اور سلاطین کی باہمی بد اعتمادی کا بڑا دخل تھا۔ ان امور کے باعث فریقین نے اپنے مصالح کو نظر انداز کر کے ایک ایسی دلدل میں قدم رکھ دیا جس سے نکلنا دونوں کے لیے دو بھر ہو گیا اور محاذ آرائی کے اس طویل سلسلے میں فریقین کی قیمتی صلاحیتوں کا سرمایہ برباد ہوتا رہا۔

اگر ہم اہل صورت حال کو سلطان کے مداح کی حیثیت سے دیکھیں تو ہمیں وہ ایوبی خاندان کے خلاف تلوار اٹھانے پر مجبور نظر آتے ہیں، لیکن غیر جانب دارانہ نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس موقع پر ایوبی حکمرانوں کا طرز عمل قابل تقلید تھا، نہ سلطان کی پالیسی قابل تعریف۔ اگر سلطان جلال الدین اور ایوبی خانوادے کے تاجدار خلوص نیت سے مل بیٹھ کر اپنے اختلافات رفع و دفع کر لیتے تو امت مسلمہ آنے والے بہت سے مصائب سے بچ سکتی تھی۔

چند متفرق واقعات اور مہمات ..... ان ایام میں چند اہم واقعات رونما ہوئے نیز سلطان جلال الدین کو بعض نئی مہمات پر جانا پڑا جن کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

[1] ناگہانی مہم ..... تغلیس کی فتح کے دنوں میں کرمان کے حاکم براق حاجب نے موقع پا کر سلطان کے خلاف بغاوت کر دی اور چنگیز خان کو کہلا بھیجا:

”جلال الدین ایک وسیع سرزمین پر قابض ہو کر قوت پکڑ چکا ہے، مزید فتوحات کے بعد اس کا رخ آپ کی



جانب ہوگا، اس کا تدارک ابھی نہ کیا گیا تو وہ آپ کے ملک پر بھی قبضہ کر لے گا۔“

عراق کے گورنر شرف الدین نے سلطان کو براق کی ان حرکات کی خبر بھیج دی۔ اطلاع ملتے ہی سلطان نے جمادی الثانیہ ۶۲۳ھ میں چیدہ چیدہ سواروں کا ایک لشکر لے کر بگو لے کی طرح کرمان کا رخ کیا اور وسیع جنگلات، بلند پہاڑوں اور بے آب و گیاہ ریگزاروں کو پھلانگتے ہوئے صرف سترہ دن میں تفلیس سے کرمان جا پہنچے۔ ان کے زیادہ تر سپاہی ان کی تیز رفتاری کا ساتھ نہ دے سکے تھے، اس لیے کرمان پہنچنے تک ان کے ساتھ صرف تین ہزار سوار باقی رہ گئے تھے۔ سلطان کی اس اچانک آمد سے براق گھبرا گیا اور گڑگڑا کر معافی مانگی، جسے سلطان نے بعض مصلحتوں کی بنا پر قبول کر لیا۔

[2] خلیفہ ظاہر کی وفات ..... گزشتہ کچھ دنوں سے خلیفہ المسلمین ظاہر باللہ کے بدلے ہوئے انداز سلطان جلال الدین کے لیے مسلسل ذہنی اذیت کا باعث تھے۔ اس کا فوری تدارک ضروری تھا، چونکہ ظاہر باللہ ایک انصاف پسند، نیک سیرت اور نرم خو انسان تھے، اس لیے یہ عین ممکن تھا کہ سلطان سفارتی کوششوں کے ذریعے خلیفہ کا دل صاف کرنے میں کامیاب ہو جاتے، مگر گرجستان کے جہاد کی زبردست مشغولیت اور پھر براق کی بغاوت نے سلطان کو کچھ کرنے کا موقع نہ دیا اور جب سلطان بغاوت کے شعلے سرد کر کے فارغ ہوئے تو ان کو یہ اطلاع ملی کہ خلیفہ ظاہر داعی اجل کو لبیک کہہ چکے ہیں۔ یہ سانحہ ۱۴ رجب ۶۲۳ھ (۱۱ جولائی ۱۲۲۶ء) بروز ہفتہ کو پیش آیا۔

[3] گرجستان پر سلطان کا تیسرا حملہ ..... ماہ رمضان میں سلطان نے پھر گرجستان کا رخ کیا۔ ابتداءً گرجیوں کے شہر ”آنی“ کا محاصرہ کر کے زبردست حملے کیے اور منجیقوں کے ذریعے سنگ باری کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ساتھ ہی انہوں نے فوج کا ایک حصہ شہر ”قرس“ کے محاصرے کے لیے روانہ کر دیا۔ یہ دونوں شہر اپنی فصیلوں اور قلعوں کے لحاظ سے بڑے مضبوط اور ناقابلِ تغیر شمار ہوتے تھے۔ تقریباً ایک ماہ تک مسلسل سنگباری کے باوجود ان کی فصیلیں روزِ اوّل کی طرح سر بلند رہیں۔ اسی محاصرے کی حالت میں خوارزمی لشکر نے عید الفطر منائی۔ ماہِ شوال کے چند دن گزرنے پر سلطان اپنی فوج کو محاصرے پر متعین چھوڑ کر خود تفلیس چلے گئے اور تازہ دم دستے لے کر وہاں سے کوہستانِ قفق کی طرف کوچ کیا۔ کوہستان میں واقع ابخاز کے علاقے میں شورش پسند گرجیوں کی ایک نئی قوت مجتمع ہو رہی تھی۔ سلطان نے ان پر اچانک حملہ کر دیا اور ان کی قوت کو کچل کر رکھ دیا۔

[4] ترکمانی ڈاکوؤں کی سرکوبی ..... ”ترکمان ایوانیہ“ آذربائیجان کے سرحدی کہساروں میں ڈاکوؤں کا ایک زبردست قبیلہ تھا۔ سلطان جلال الدین کی عدم موجودگی میں مقامی محافظ فوج کو کمزور پا کر وہ آذربائیجان میں گھس آئے تھے اور بے محابا لوٹ مار کر رہے تھے۔ تبریز آنے والا ایک بڑا قافلہ جس کے مال تجارت میں صرف بکریوں کی تعداد ہی بیس ہزار تھی، مکمل طور پر لوٹ لیا گیا تھا۔ ترکمانی ڈاکو اس خام خیالی میں مگن تھے کہ سلطان جلال الدین کو حالیہ مہمات کے باعث دائیں بائیں کا ہوش نہ ہوگا کہ اچانک سلطان اپنے برق رفتار دستوں سمیت ان کے سروں پر آن پہنچے۔ ڈاکوؤں کو اپنی پہاڑی پناہ گاہوں تک پہنچنے کا موقع نہ مل سکا۔ سلطانی فوج نے چاروں طرف سے گھیر گھار کر ان کی بڑی تعداد کو قتل اور باقی ماندہ کو قید کر لیا۔ عوام سے لوٹے ہوئے مال کے ذخائر اور مولیٰ بازیاب کرا لیے گئے۔

[5] بہادری کا ایک عجیب واقعہ ..... سلطان اس مہم سے فارغ ہو کر موقان سے ہوتے ہوئے ایک سو سپاہیوں کے حفاظتی

دستے کے ساتھ اپنی ملکہ بنت طغرل سے ملاقات کرنے خوی روانہ گئے تاکہ کچھ استراحت کریں۔ اس اثناء میں خبر ملی کہ ”سفر جا“ نامی ایک امیر دیگر اتا بکی امراء کے ساتھ راستے میں کئی گنا فوج کے ساتھ ان سے لڑنے پر آمادہ ہے۔

اس صورتحال میں بظاہر آگے جانا خود کو خطرے میں ڈالنے کے برابر تھا مگر سلطان کے لیے یہ معمول کی بات تھی۔ انہوں نے بے خوف و خطر سفر جاری رکھا اور جونہی حریف کی فوج نظر آئی وہ انہی سپاہیوں کے ساتھ اس پر ٹوٹ پڑے۔ اتا بکی لشکر پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا مگر سلطان نے تعاقب جاری رکھا۔ آخر کار ان سب نے ہتھیار ڈال دیے اور سلطان کے حلقہ گوش بن گئے۔

6] ملک خاموش کا تھہ ..... سلطان نے خوئی میں کچھ سستانے کے بعد تبریز کا دورہ کرتے ہوئے ”گنجه“ میں پڑاؤ ڈالا۔ یہاں تبریز کے سابق حاکم ازبک بہلوان کا بیٹا قزل ارسلان عرف ملک خاموش سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ پیداؤشی طور پر گونگا تھا، اس نے سلطان کو ایک نایاب تحفہ پیش کیا۔ یہ ایک کمر بند تھا جس میں کئی انمول ہیرے جڑے ہوئے تھے جن میں سے ایک کی پیاکش ہتھیلی کے برابر تھی۔ یہ نایاب شے ایرانی حکمرانوں میں نسل در نسل چلی آرہی تھی، اس پر شاہ کیکاؤس اور دیگر قدیم ایرانی بادشاہوں کے نام کندہ تھے۔ ازبک بہلوان کی موت کے بعد ملک خاموش اس کا وارث بن گیا تھا اور اب اس نے سلطان جلال الدین کے سپرد کردی۔ سلطان اس نادر تحفے سے بہت مسرور ہوئے۔ انہوں نے کیکاؤس کا نام مٹا کر اس پر اپنا نام کندہ کرایا اور عید کے دن اسے زیب تن کرنے کا معمول بنالیا۔

7] تغلیس کی تباہی ..... ترکمان ایوانیہ پر حملے سے قبل سلطان نے تغلیس اور اسکے نواح میں پڑاؤ ڈالے ہوئے اکثر خوارزمی سپاہیوں کو ناقابل برداشت سردی سے بچانے کے لیے معتدل اور سرسبز علاقوں کی طرف پھیل جانے کا حکم دے دیا تھا۔ بظاہر اس بات کا کوئی امکان نہ تھا کہ اس شدید موسم میں گرجیوں کی بچی کچھی تعداد کسی محاذ پر بھی پیش قدمی کر سکے گی، مگر خوارزمی فوج کے ہٹنے کے بعد حیرت انگیز طور پر قرقس، آئی اور چند دوسرے محفوظ ظلعوں کے گرجی سپاہی موسم کی شدت کو نظر انداز کرتے ہوئے ربیع الاول ۶۲۴ھ (فروری ۱۲۲۷ء) میں یکدم تغلیس پر حملہ آور ہو گئے۔ وہاں پر خوارزمی فوج کا ایک قلیل حصہ باقی رہ گیا تھا جو مدافعت سے عاجز آ کر شہر سے نکل گیا۔ گرجیوں کو یقین تھا کہ وہ شہر پر قبضہ برقرار نہیں رکھ سکتے، وہ جانتے تھے کہ سلطان جلال الدین یہ خبر سنتے ہی اپنے لشکر سمیت ان پر دھاوا بول دیں گے اور اس وقت وہ مقابلے کی تاب نہیں لاسکیں گے، اس بناء پر شہر فتح کرتے ہی گرجیوں نے ہر طرف آگ لگا دی اور قتل عام و غارت گری کر کے واپس لوٹ گئے۔

سلطان کو ”گنجه“ میں یہ خبر موصول ہوئی تو وہ فوراً تغلیس روانہ ہوئے، مگر ان کے پہنچنے سے قبل گرجی شہر کو سخت نقصان پہنچا کر جا چکے تھے۔

گرجیوں سے چند اور معرکے ..... انہی ایام میں ایک خوارزمی سالار رک خان کسی سے مشورہ کیے بغیر بکھرے ہوئے سپاہیوں کو جمع کر کے گرجیوں کے علاقے لوری پر تاخت و تاراج کرنے لگا۔ ایک شب اس نے لشکر کے ایک حصے کو جھیل بتاخ کے مشرق میں اور دوسرے کو مغربی کنارے پر ٹھہرایا۔ گرجیوں نے موقع دیکھ کر مغربی کنارے پر پڑاؤ ڈالنے والوں پر شب خون مارا اور بہت سے خوارزمیوں کو شہید یا مجروح اور بہت سوں کو گرفتار کر لیا۔

زخمی ہونے والے سپاہیوں میں ازبہ طاین نامی ایک ترک بھی تھا۔ اپنے ساتھیوں کی شکست و ہزیمت کے بعد اس

نے دیکھا کہ گرجی ایک ایک زخمی قتل کرتے جا رہے ہیں۔ وہ فوراً ایک چٹان کی طرف کھسک گیا اور اس سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اپنا ترکش سامنے الٹ دیا اور کمان میں تیر چڑھا کر تیار ہو گیا۔ گرجی اس کی طرف بڑھے تو تیر چلانے شروع کر دیے۔ اس طرح یکے بعد دیگرے تین گرجیوں کا مار ڈالا۔ گرجی اس قدر سراسیمہ ہوئے کہ پھر کوئی اس کے قریب نہ گیا۔ جب میدان خالی ہو گیا تو ازبہ طاین پایادہ آذربائی جان کی طرف روانہ ہو گیا مگر اسے راستے کا صحیح پتہ نہ تھا اس لیے وہ گرجیوں کے سالار ایوانی کے بیٹے کے قلعے کے پاس جا نکلا۔ یہاں اسے نے ایک گرجی کو بکریاں چراتے دیکھا تو اسے قتل کر دیا اور اس کا ریوڑ ہانکتے ہوئے ایک وادی میں لے گیا۔ ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت بھونا، کچھ کھا کر پیٹ کی آگ بجھائی اور باقی تو شہر دان میں ساتھ رکھ کر پھر سے سفر شروع کر دیا۔

ادھر سلطان آذربائی جان سے واپسی پر موقان میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے کہ انہیں اس شب خون کی اطلاع ملی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی خبر آئی کہ گرجی ملکہ اور سپہ سالار چالیس ہزار سے زائد سپاہ کے ساتھ پیش قدمی کر رہے ہیں۔ وہ فوراً کوچ کر کے بحیرہ ہتاخ کے کنارے پہنچے، یہاں دونوں لشکروں کے ہر ادلوں میں زوردار جنگ ہوئی، جس میں گرجی شکست کھا کر پسپا ہو گئے۔ ان کے بہت سے افراد قید ہوئے جنہیں سلطان نے اسی وقت قتل کر دیا۔ خوارزمی سپاہی گرجیوں کا تعاقب کرتے کرتے سپہ سالار کے خیمے تک پہنچ گئے اور اسے لوٹ لیا۔

گرجی لوری شہر میں قلعہ بند ہو گئے۔ سلطان نے شہر کا سختی سے محاصرہ کر کے مطالبہ کیا کہ شب خون میں گرفتار کیے جانے والے خوارزمی سپاہی رہا کیے جائیں۔ گرجیوں نے مرعوب ہو کر سب قیدی رہا کر دیے، سلطان نے دیکھا کہ ان قیدیوں میں ازبہ طاین شامل نہیں ہے۔ جب گرجی سفیر سے پوچھا گیا تو اس نے اس نام کے کسی قیدی اپنے ہاں موجودگی سے صاف انکار کر دیا۔ سلطان نے دوبارہ اس کی بازیابی کا مطالبہ کیا اور واضح کیا کہ اس شب خون کے بعد خوارزمی سپاہیوں نے جانے وقوع سے لاشیں اٹھالی تھیں، ان مقتولین میں ازبہ طاین کی لاش کہیں نہیں تھی۔ چونکہ علاقہ ایسا تھا کہ گرجیوں کی ناکہ بندی سے کسی کا سالم بچ نکلنا مشکل تھا اس لیے سلطان کو یقین تھا کہ ازبہ طاین اب تک انہی کی قید میں ہے۔ آخر کار گرجیوں نے حلف اٹھا کر کہا کہ اب ان کے پاس کوئی خوارزمی قیدی نہیں ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ایک خوارزمی سپاہی آخر تک تیر چلاتا رہا تھا اور اسے گرفتار نہیں کیا جاسکا تھا۔

کچھ دنوں بعد گرجیوں کی بات کی تصدیق ہو گئی، کیونکہ ازبہ طاین صحیح سلامت خوارزمی عملداری کے سرحدی شہر نسجوان پہنچ گیا تھا۔ سلطان کو اطلاع ملی تو وہ مطمئن ہو گئے۔ اس مہم کے بعد سلطان نے بہرام گرجی کے قلعے کی طرف پیش قدمی کی کیونکہ تاتاریوں سے جنگ کے ایام میں گنبد کے گرد و نواح کے علاقوں میں اس کے مظالم کی خبریں مسلسل پہنچتی رہی تھیں۔ سلطان نے چھاپے مار کر بہرام کے علاقے سے بہتیرا مال غنیمت لوٹا اور اس کی خوب گوثمائی کر دی۔

اس کے بعد نہایت سرعت سے شکان کے قلعے پر حملہ کیا گیا جو گرجیوں کی ملکہ کی جاگیر تھا۔ گرجی بے خبر تھے اس لیے قلعہ آنا فنا نچ کر لیا گیا۔ کاک اور کوارین نامی دو قلعوں کا محاصرہ تین ماہ تک جاری رہا۔ آخر کار گرجیوں نے ایک خطرناک قدم کے عوض محاصرہ اٹھانے کی درخواست کی۔ چونکہ سلطان نغلاط کی مہم پر جانے کا تہیہ کیا ہوا تھا اس لیے یہ پیش کش قبول کر کے محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ (سیرۃ جلال الدین، ص: ۲۹۵)

## حواشی و حوالہ جات

- ① البدایہ النہایہ ج ۷ ص ۱۳۲..... النجوم الزاہرۃ ج ۶ ص ۲۶۴
- ② ابن اثیر ج ۷ ص ۶۳۷
- ③ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۳۰
- ④ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۳۱..... جہاں کشاج ۲ ص ۱۶۵
- ⑤ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۳۱
- ⑥ ابن اثیر، ج ۷ ص ۶۳۱، ۶۳۴، ۶۳۵
- ⑦ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۳۵
- ⑧ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۳۶..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۷..... تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۳ وفیات حرف خا۔
- ⑨ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۷
- ⑩ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۳۹، ۶۴۰

————— ❦ —————

## باطنیہ (اسمعیلیہ) سے جہاد

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ. اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔ (سورہ تحریم، آیت: ۹)

سلطان جلال الدین نے باطنیوں کی خلاف بہت بڑے پیمانے پر کارروائیاں کیں اور ان سے (امت مسلمہ کا) انتقام لیا۔ واقعی باطنیوں کا شر اور ضرر بہت بڑھ چکا تھا۔ تاتاریوں کے ظہور کے بعد سے لے کر اب تک اسلامی ممالک میں ان کی حرص بہت بڑھ چکی تھی، مگر سلطان جلال الدین نے ان کے ظلم و تعدی کی راہ مسدود کر دی اور ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ (تاریخ الکامل لابن اثیر، ج ۷، ص: ۶۴۰)

باطنیہ کے نئے ولولے ..... آپ پڑھ چکے ہیں کہ باطنی فرقے کے بانی حسن بن صباح کے جانشین ایک صدی سے زیادہ عرصے سے پوری دنیاے اسلام میں تہلکہ مچا رہے تھے اور بڑے بڑے نامور سلاطین، وزراء، مشائخ اور علماء ان کے خجروں کی زد میں آ کر جاں بحق ہو چکے تھے۔ درمیان میں ان کے روحانی پیشوا ”جلال الدین حسن نو مسلم“ کے قبولی اسلام کے اعلان کے بعد چند سال تک ان کے خجروں کے وار عارضی طور پر کچھ ختم گئے تھے۔ ① مگر ۶۱۸ھ میں اس کی موت کے بعد فدائی نئے ولولے کے ساتھ سرگرم ہو گئے۔ اب ان کا امام علاؤ الدین خورشاہ تھا۔ تاتاریوں کے ہاتھوں عالم اسلام کی بربادی اس کے حوصلوں کے لیے ہمیز تھی۔ چنانچہ اس کا دبدبہ بحال اور اقتدار خوب مستحکم ہو گیا۔ تاتاری بھی عالم اسلام کے لیے الموت کی شرانگیزی سے بخوبی واقف تھے، اس لیے انہوں نے ارد گرد کا سارا علاقہ تاراج کرنے کے باوجود باطنی فرقے کے اقتدار کو نہیں چھیڑا۔ ان کے شہر اسی طرح آباد اور بستیاں اسی طرح سلامت تھیں۔ ②

ان دنوں سلطان جلال الدین کے زیر قبضہ علاقے کی سرحدیں باطنی مملکت سے جا ملی تھیں۔ سلطان ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور باطنیوں کے کفریہ عقائد اور ان کی فتنہ پروری سے خوب واقف تھے، مگر وہ اندرونی و بیرونی حریفوں کے پیدا کردہ ان گنت مسائل میں الجھے ہوئے تھے، اس حالت میں وہ باطنی خنجر برداروں سے ٹکر لے کر اپنی پریشانیوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مگر چونکہ قدرتِ خداوندی نے یہ سعادت بھی سلطان جلال الدین کے مقدر میں لکھی تھی کہ وہ اس دہشت گرد روہ سے امت مسلمہ کا انتقام لیں۔ چنانچہ کچھ دنوں بعد از خود ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ سلطان کو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ان کی گوشمالی کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

خوارزمی امیر کی جرأت ..... اور خان نیشاپوری سلطان جلال الدین کے قابل اعتماد امراء میں سے ایک تھا۔ سلطان نے اس کی شرافت، دیانت اور شجاعت کے باعث ”گنجہ“ اور اس کے گرد و نواح کے بعض علاقے اس کی تحویل میں دے دیے تھے۔ یہ علاقے باطنی حکومت کی سرحدوں سے جاملتے تھے۔ باطنیوں کی فتنہ انگیزیاں روز بروز بڑھتی جا رہی

تھیں۔ چند سال قبل تاتاری یلغار کی افرا تفری میں جب مملکت خوارزم کا شیرازہ بکھر گیا تو باطنیوں نے موقع غنیمت جان کر خوارزمی حکومت کے علاقے ”دامغان“ پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ مسئلہ دونوں حکومتوں میں کشیدگی پیدا کرنے کے لیے کافی تھا۔ اسی وجہ سے خوارزمی افسران باطنیوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور باطنیوں کے جذبات بھی مختلف نہ تھے۔ یہ سلگتی ہوئی آگ اس وقت بھڑک اٹھی جب اورخان کا ایک افسر باطنیوں کی بدقتاشیوں سے تنگ آ کر ان کے علاقے میں گھس گیا اور تاخت و تاراج کر کے لوٹ آیا۔

باطنی سفیر کو ترکی بہ ترکی جواب..... باطنیوں کے نئے پیشوا علاؤ الدین محمد ثالث نے اس واقعے پر احتجاج کرتے ہوئے اپنا سفیر سلطان جلال الدین کے پاس بھیجا۔ سلطان نے معاملے کی تحقیق وزیراعظم شرف الملک کے سپرد کردی۔ وزیراعظم نے اورخان اور باطنی سفیر دونوں کو بلا کر قصہ دریافت کیا۔ باطنی سفیر نے اورخان کی فوج کی جانب سے سرحد کی خلاف ورزی کا واقعہ دہرا کر دھمکی دیتے ہوئے کہا:

”اگر آپ ان ناخوشگوار واقعات کی روک تھام نہیں کریں گے تو ہم انتقامی کارروائی پر مجبور ہو جائیں گے۔“ ایک دشمن اسلام کے منہ سے یہ دھمکی سن کر اورخان سراپا غضب بن گیا اور کئی چمکدار خنجر اپنی آستین سے نکال کر باطنی سفیر کے سامنے پھینک مارے۔ پھر گرج کر کہا: ”ہمارے خنجر سے تمہارے خنجروں سے زیادہ تیز ہیں اور ہمارے پاس وہ تلواریں بھی ہیں جو تمہارے پاس نہیں۔“<sup>⑤</sup>

اورخان نیشاپوری کی شہادت..... باطنی سفیر سراسیمہ ہو کر واپس لوٹ گیا اور دربار ”الموت“ کو اورخان کی ”گستاخی“ سے آگاہ کیا۔ وہاں سے فی الفور تین فدائیوں کو اس کے قتل پر متعین کر دیا گیا۔ چنانچہ ایک دن موقع پاکر انہوں نے اورخان کو شہید کر دیا اور خون آلود خنجر لہراتے ہوئے چلانے لگے: ”ہم ہیں مولا علاؤ الدین کے فدائی۔“ یہ نعرے لگاتے ہوئے وہ قصر وزارت میں جا گھسے تاکہ لگے ہاتھوں وزیراعظم کو بھی نمٹاتے چلیں۔ خوش قسمتی سے وزیراعظم وہاں موجود نہ تھا۔ فدائیوں نے ایک فراش کو مار گرایا۔ ابھی وہ وزیراعظم کو تلاش کر رہے تھے کہ عوام کا ایک جم غفیر اس ہنگامے سے آگاہ ہو کر گھروں اور دکانوں سے نکل آیا اور تینوں قاتلوں کو موقع پر ہی دھر لیا۔ چونکہ فدائیوں کی بہیمانہ کارروائیوں سے ہر شخص متنفر تھا، لہذا مشتعل عوام نے اسی وقت پتھر مار مار کر تینوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

امیر اورخان نیشاپوری سلطان جلال الدین کا مایہ ناز جرنیل تھا۔ فدائی گروہ کے ہاتھوں اس کی اچانک شہادت سے سلطان کو سخت صدمہ پہنچا اور انہوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ اس بدطینت فرقے کو عبرتناک سزا دے بغیر دم نہیں لیں گے۔<sup>⑥</sup> ازسرنو مذاکرات..... اسی اثناء میں باطنیوں کا ایک اور سفیر بدر الدین، وزیراعظم شرف الملک کے پاس پہنچ کر ازسرنو مذاکرات کا آغاز کرنے لگا۔ سلطان نے وزیراعظم کو حکم دیا کہ وہ باطنی سفیر سے ”دامغان“ کی واپسی کا مطالبہ کرے۔ یہ علاقہ خوارزمی سلطنت میں شامل تھا جسے تاتاری یلغار کے بعد موقع پاکر باطنیوں نے دبایا تھا۔

چونکہ وزیراعظم باطنیوں کی حالیہ کارروائی میں ان کے خنجروں کے سفاکانہ وار دیکھ کر سخت مرعوب ہو چکا تھا اور اب اسے اپنی جان کا خطرہ لاحق تھا، اس لیے اس نے سلطان کے حکم پر توجہ نہ دی اور باطنیوں کو خوش کرنے کے لیے نہ صرف نئے سفیر کی غیر معمولی خاطر داری کی بلکہ مذاکرات کے دوران بھی معذرت خواہانہ انداز اپنائے رکھا۔ نتیجاً بات چیت میں باطنی سفیر کا پلہ بھاری رہا اور یہ طے پایا کہ دامغان پر باطنیوں کا قبضہ برقرار رہے گا، تاہم وہ اس کے بدلے

خوارزمی سلطنت کو تیس ہزار دینار سالانہ ادا کیا کریں گے۔

وزیر اعظم کی کم ہمتی ..... الموت کا سفیر شرائط صلح طے ہو جانے کے بعد بھی چند روز تک وزیر اعظم کا مہمان رہا۔ اس دوران وزیر اعظم کی ضیافتوں سے محظوظ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ خوارزمی ایوان پر اپنی دھاک بٹھانے میں مصروف رہا۔ ایک دن وزیر اعظم کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر وہ ازراہ تخت کہنے لگا:

”ہمارے خادموں سے بہت کم کوئی جگہ خالی رہتی ہے، خود آپ کے درباریوں اور محافظوں میں ہمارے کئی فدائی موجود ہیں۔ یہ لوگ ہمارے حکم کے منتظر رہتے ہیں اور پھر کسی خطرے کی پروا نہیں کرتے۔“

یہ انکشاف ہوتے ہی وزیر اعظم کانپ گیا اور بے ساختہ کہہ اٹھا:

”کیا آپ ان میں سے چند آدمی میرے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔“

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا رومال باطنی سفیر کی طرف پھینک دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ میں انہیں امان دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ وزیر اعظم کی طرف سے امان کا پروانہ ملتے ہی، باطنی سفیر کے اشارے پر وزیر اعظم کے نجی ملازمین میں سے پانچ آدمی سامنے آ کر بولے: ”ہم باطنی فدائی ہیں۔“

ان میں سے ایک فدائی جو کہ ہندوستانی تھا، ایک قدم آگے بڑھا کر بولا:

”میں تو آپ کو اُسی دن اور اُسی لمحے قتل کر سکتا تھا ⑤ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا، اس لیے کہ مجھے مرکز سے آپ کے قتل کا حکم موصول نہیں ہوا تھا۔“

وزیر اعظم یہ سن کر گھبراہٹ سے پسینے پسینے ہو گیا اور بڑی عاجزی سے کہنے لگا:

”میری جان نہ لینا۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کا آقا علاؤ الدین مجھ سے کیوں ناراض ہے۔ میں تو جس طرح

سلطان جلال الدین کا غلام ہوں اسی طرح آپ کے پیشوا کا بھی ادنیٰ خادم ہوں۔“ ⑥

فدائیوں کو عبرتناک سزا ..... باطنی سفیر وزیر اعظم کو خوب دہشت زدہ کر کے اڑتا ہوا واپس چلا گیا۔ ادھر سلطان کے جاسوسوں نے انہیں اس نجی محفل کی کارروائی سے آگاہ کر دیا۔ فدائیوں کی جسارت اور وزیر کی بزدلی پر سلطان جلال الدین نہایت غضب ناک ہوئے اور ایک خط کے ذریعے وزیر کو لعنت ملامت کرنے کے بعد حکم دیا کہ ان پانچوں فدائیوں کو بلاتا خیر گرفتار کر کے زندہ جلادیا جائے۔

سلطان کے حکم سے انحراف کرنا ممکن نہیں تھا۔ فوراً دیوان وزارت کے سامنے آگ کا لاؤ روشن کیا گیا اور پانچوں فدائیوں کو ان میں پھینک دیا گیا، وہ شعلوں میں گھر کر بھی نعرے لگاتے رہے: ”ہم ہیں مولو علاؤ الدین کے فدائی۔“ آخر کار اسی طرح جل کر خاکستر ہو گئے۔ فوج کے اس افسر کو بھی سزائے موت دے دی گئیں جس نے دیکھے بھالے بغیر ایسے دشمنوں کو بھرتی کر لیا تھا۔ ⑦

اعلانِ جہاد ..... پانچ فدائیوں کو عبرتناک سزا دینے کے ساتھ ہی سلطان جلال الدین نے سلطنتِ الموت کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا اور بھرپور انتظام و منصوبہ بندی کے ساتھ ایک مضبوط لشکر تیار کر کے صحرائی آندھی کی طرح باطنی سلطنت کی طرف پیش قدمی کی۔

باطنیہ کے اکثر قلعے نہایت بلند و بالا پہاڑوں، دشوار گزار درروں اور کھائیوں کی پناہ میں تھے، اس لیے گزشتہ ایک

صدی سے اولوالعزم مسلم فاتحین کی پے در پے یلغاریں بھی ان کا زور توڑنے میں ناکام رہی تھیں، لیکن نصرتِ خداوندی نے اس مشکل ترین مہم کو سلطان جلال الدین کے لیے بالکل سہل کر دیا اور سلطان نے خیرات انگیز طور پر مہینوں کے اہداف دنوں میں حاصل کر لیے۔ سلطان کی یلغار کی خبر سنتے ہی باطنی سلطنت میں زلزلہ آ گیا۔ ان کے دلوں پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ کہیں بھی زیادہ جم کر مقابلہ نہ کر سکے۔ سلطانی افواج خراسان کے کردوہ سے لے کر باطنیوں کے مرکز الموت تک ان کے تمام ناقابلِ تخیر مورچے پامال کرتی چلی گئیں۔ اس کافر و مرتد فرقے کے درندہ صفعت کارکنوں کا ہر جگہ بے محابا قتل عام کیا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا گیا اور تمام اموال لوٹ لیے گئے۔<sup>①</sup>

اگر سلطان کو چند دن اور مل جاتے تو وہ الموت کو بھی فتح کر کے اسی موقع پر باطنیہ کا نام و نشان مٹا ڈالتے، لیکن جنوب مشرق سے تاتاریوں کی نقل و حرکت کی خبر نے انہیں اچانک واپس جانے پر مجبور کر دیا، تاہم وہ باطنی سلطنت کو آخری سانسوں تک پہنچا چکے تھے۔ یہاں تک کہ ۶۵۶ھ میں ہلاکو خان کے ایک ہی حملے میں الموت کی باطنی سلطنت نے دم توڑ دیا۔ خنجر اور تلواریں..... سلطان کی ان فتوحات نے باطنی پیشوا کے چھکے چھڑا دیے تھے، چنانچہ سلطانی افواج کی واپسی کے بعد اس نے آئندہ سلطان کے حملے سے محفوظ رہنے کے لیے ان سے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کی۔ سلطان جلال الدین رے میں مقیم تھے کہ باطنی امام کی سفارت خدمت ہوئی جس کے ساتھ نو فدائی بھی تھے۔ سفیر نے سلطان کو اپنے آقا کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ یہ فدائی آپ کے ایک اشارے پر جان قربان کر سکتے ہیں۔ آپ جس دشمن کو چاہیں ان کے ذریعے مروادیں۔“

سلطان نے امراء کو بلا کر مشورہ کیا کہ آیا یہ پیش کش منظور کر لی جائے۔ سب نے اثبات میں جواب دیا مگر عراق کے گورنر شرف الدین نے کہا: ”باطنی امام کا اصل مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کا قرب حاصل کرنے کے بہانے آپ کے دلی راز جان لے۔ وہ ان فدائیوں کے ذریعے یہ جان لے گا کہ آپ کس کس کو اپنا جانی دشمن سمجھتے ہیں۔“ شرف الدین کی بات معقول تھی۔ سلطان نے فدائیوں کو اس پیغام کے ساتھ واپس بھیج دیا: ”آپ جانتے ہیں کہ ہمارے دشمن کون ہیں اور کن سے ہمارے معاہدے ہیں۔ کون ہمارے حریف ہیں اور کون حلیف۔ اگر آپ خود ہمارے کسی دشمن کو کم کرنا چاہتے ہیں تو ضرور کیجیے۔ ہماری طرف سے تعین کی کیا ضرورت ہے۔ ہم ان شاء اللہ آپ کو ایسی زحمت نہیں دیں گے۔ ویسے بھی تیز تلواروں کے ہوتے ہوئے ہمیں خنجر اور فدائیوں کی کوئی حاجت نہیں۔“ اس طرح باطنی شیر خوار زم کو دوتی کا فریب دینے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ (سیرۃ جلال الدین، ص: ۲۳۸)

مؤرخ ابن اثیر رحمہ اللہ کا خراج تحسین..... باطنیہ کا استیصال سلطان جلال الدین کے ناقابلِ فراموش کارناموں سے ایک ہے جسے مؤرخین اسلام نے یادگار الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کا خراج تحسین درج ذیل ہے:

”سلطان جلال الدین نے باطنیوں کے خلاف بہت بڑے پیمانے پر کارروائیاں کیں اور ان سے (امت مسلمہ کا) انتقام لیا۔ واقعی باطنیوں کا شر اور ضرر بہت بڑھ چکا تھا۔ تاتاریوں کے ظہور کے بعد سے لے کر اب تک اسلامی ممالک میں ان کی حرص بہت بڑھ چکی تھی، مگر سلطان جلال الدین نے ان کے ظلم و تعدی کی راہ مسدود کر دی اور ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی بدسلوکی کے مطابق سزا دی جو کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کرتے چلے آئے تھے۔“<sup>①</sup>



## حواشی و حوالہ جات

- ① واللہ اعلم یہ اظہارِ اسلام سچے دل سے تھا یا ڈھونگ تھا۔ مؤرخین میں سے حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے دوسرا احتمال اختیار کیا ہے۔
- ② تاریخ الاسلام ذہبی، طبقہ ۶۲، حوادث، سن ۶۱۷
- ③ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۲۸
- ④ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۲۹
- ⑤ یعنی ”اور خان“ کے قتل کے دن
- ⑥ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۰
- ⑦ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۱..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۷..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۶۶ تا ۱۶۸..... حسن بن صباح ص ۶۶ تا ۶۷
- یاد رہے کہ کسی کو آگ میں جلا کر مارنا شرعی قوانینِ تعزیرات کے مطابق جائز نہیں، اس لیے سلطان کا یہ فعل قابلِ تقلید نہیں۔
- ⑧ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۰..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۷
- ⑨ ابن اثیر، ج ۷، ص ۶۴۰

————— ❦ —————

## تاتاریوں سے جہاد کا دوسرا دور

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلَّهُ لِلَّهِ..... اور تم ان (کافروں) سے

اس وقت جنگ کرتے رہو کہ شر باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔ (انفال، آیت: ۳۹)

عالم اسلام پر تاتاریوں کی دوبارہ پورش..... اب تک کے مطالعے سے یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے کہ سلطان جلال الدین کی جدوجہد کا اصل منہج نظر عالم اسلام کو تاتاریوں کے ہمہ گیر سیلاب سے بچانا تھا۔ آپ یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ تاتاریوں سے سلطان کا آخری معرکہ شوال ۶۱۸ھ میں ہوا تھا۔ اس کے بعد اب (۶۲۳ھ) تک اگرچہ سلطان کا براہ راست تاتاریوں سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا، مگر ان چھ برسوں میں سلطان کی دوڑ دھوپ کے پیچھے اصلاً یہی مقصد کارفرما رہا کہ عالم اسلام کو فتنہ تاتار سے نجات دلائی جائے۔ ان چھ میں سے ابتدائی دو برسوں (۶۱۹ھ، ۶۲۰ھ) میں سلطان ہندوستان کی خاک سے مسلمانوں کے لیے حصار نو تعمیر کرنے کی کوشش کرتے رہے، جبکہ تاتاری خوارزم اور اس سے ملحقہ دنیاے اسلام کو جی بھر کر تاراج کرنے کے بعد اپنے قائد چنگیز خان کی رہنمائی میں چین، روس اور یورپ کی نئی شکار گاہوں کا رخ کر رہے تھے۔ سلطان جلال الدین کو ایک بے وطن اور شکست خوردہ حریف سمجھ کر انہوں نے کچھ عرصے تک ان کی طرف توجہ نہ دی۔ تاہم جب سلطان نے ہندوستان سے لوٹ آنے کے بعد مزید دو برس (۶۲۱ھ، ۶۲۲ھ) کی شانہ روز کاوشوں سے ایک نئی مستحکم حکومت بنالی تو تاتاریوں کی آنکھیں کھلیں، مگر اس وقت تک سلطان آس پاس کے مسلم حکمرانوں سے اتحاد کر کے ایک مضبوط دفاعی خط تیار کر چکے تھے، اس لیے اس اتحاد کے برقرار رہنے تک تاتاری عالم اسلام کی سرحدوں پر کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کر سکے۔

۶۲۳ھ کے دوران اس اتحاد میں رخنہ اندازی کے آثار نمودار ہوئے اور سال کے ختم ہوتے ہوتے یہ اتحاد تقریباً نابود ہو گیا۔ صحرائے گوبی میں زندگی کے آخری ایام گننے والا بوڑھا چنگیز خان اس وقت چونکا، وہ چاہتا تھا کہ اپنا چراغ زندگی گل ہونے سے قبل اس خطرناک ترین حریف کو مکمل طور پر ٹھکانے لگا دے۔ براق حاجب اور اس جیسے بدطینت امراء اب بھی عالم اسلام میں تاتاریوں کے وفاداروں کی حیثیت سے موجود تھے، براق حاجب کی طرف سے چنگیز خان کو سلطان کے خلاف بلاتا خیر فوج کشی کی دعوت مل چکی تھی اور مسلم سلطنتوں کا اتحاد ٹوٹ جانے سے سلطان کے خلاف کارروائی کے لیے یہ موقع نہایت موزوں تھا۔ چنگیز خان کے دل میں باقی ماندہ عالم اسلام کو بھی زیر نگین کرنے کی خواہش موجود تھی اور وہ خوب جانتا تھا کہ سلطان جلال الدین کو راستے سے ہٹائے بغیر یہ آرزو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتی۔ ان عوامل کی بناء پر ۶۲۴ھ (۱۲۳۷ء) میں تاتاریوں کی جانب سے سلطان کی قلمرو پر حملے کی تیاریاں بھرپور انداز میں جاری رہیں اور سال کی دوسری ششماہی میں جبکہ سلطان جلال الدین باطنی حکومت کے خلاف جہاد میں مصروف

تھے، تاتاریوں کا آتشیں سیلاب کئی خطوط پر پیش قدمی کرتے ہوئے سلطان کی سرحدوں کی طرف بڑھنے لگا۔

لشکرِ تاتاری کی پیش قدمی ..... سلطان جلال الدین کو تاتاری لشکر کی پیش قدمی کی اطلاع بروقت مل گئی۔ انہوں نے باطنیوں کی باقی ماندہ طاقت اور ان کے مرکز الموت کو اس کے حال پر چھوڑا اور واپسی اختیار کی۔ اسی اثناء میں ان کو معلوم ہوا کہ تاتاری کئی محاذوں سے حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور ان کی ایک بڑی بھاری فوج رے کے قریب پہنچ چکی ہے۔ سلطان سمجھ گئے کہ تاتاری اس بار انہیں کچلنے کے ساتھ ساتھ بقیہ عالم اسلام پر بھی ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہیں۔ سلطان کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ رے پر قبضہ کرنے کے بعد تاتاری اپنے مورچے مضبوط کر کے براہ راست عراق اور شام یا جزیرۃ العرب کا رخ نہ کر لیں۔ چنانچہ سلطان نے دیگر اطراف سے توجہ ہٹا کر تیزی سے رے کا رخ کیا۔

تبریز کی بغاوت ..... سلطان ابھی ہمدان تک ہی پہنچے تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ تبریز کے سابق حاکم ازبک مظفر بہلوان کے غلام، قتنہ پردازوں کی ایک بہت بڑی جمعیت کو اپنے ساتھ ملا کر بغاوت پر آمادہ ہیں اور وہ ازبک مظفر کے گونگے بیٹے ”ملک خاموش“ کو باپ کا جانشین بنانا چاہتے ہیں۔ عین اس وقت جبکہ سلطان کو بیرونی محاذ پر مکمل توجہ درکار تھی، یہ اندرونی شورش ان کے لیے سخت تنویش کا سبب بن گئی۔ سلطان نے حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے وزیر سلطنت کو کچھ فوج دے کر ان باغیوں سے نمٹنے کے لیے روانہ کیا اور فوج کا زیادہ حصہ اپنی کمان میں لے کر رے کی طرف سفر جاری رکھا۔ وزیر اعظم نے واپس جا کر بڑی سرعت سے بغاوت کے شعلوں کو سرد کیا اور باغیوں کے سرغنوں کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا۔

اس جھنجھٹ سے جان چھڑا کر سلطان جلال الدین تاتاریوں سے دودو ہاتھ کرنے کے لیے یکسو ہو گئے۔ ① اب وہ پوری تیزی سے رے کی طرف لپکے، ادھر تاتاری بھی اسی سمت آرہے تھے، دونوں لشکروں میں سے ہر ایک کی پوری کوشش تھی کہ وہ شہر تک پہلے پہنچے۔

رے کا پہلا معرکہ ..... تاتاری لشکر رے سے کچھ فاصلے پر دامغان تک آچکا تھا کہ سلطان کی فوج نہایت برق رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے رے کی مدافعت کے لیے بروقت پہنچ گئی۔ اب کھلے میدان میں تقریباً چھ سال کے وقفے کے بعد دونوں حریف ایک بار پھر آمنے سامنے ہوئے۔ نفرت و عداوت کی چنگاریاں اور غیظ و غضب کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ پھر یہ چنگاریاں اور شعلے جنگ کی آگ کے مہیب الاؤ میں تبدیل ہو گئے۔

گھسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ فریقین ایک دوسرے پر پل پڑے، دونوں جانب سے تیر اندازی ہوئی تو یوں لگا جیسے آسمان پر بادل چھا گئے ہوں، چمکدار تیر بھیجوں کو چیر کر نکل گئے۔ پھر گھڑ سوار ایزد لگا کر ایک دوسرے کی طرف لپکے اور خون آلود نیزے پشتوں سے پار ہونے لگے۔ دست بدست لڑائی شروع ہوئی اور صقل شدہ تلواریں جوڑوں کو کاٹ کاٹ کر پھینکنے لگیں۔ ہر طرف موت رقص کر رہی تھی۔ حق و باطل کا یہ معرکہ دن بھر جاری رہا۔ اسلامی لشکر کے افسران نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بہادری کے جوہر دکھائے، آخر کار تائید ایزدی لشکر اسلام کے شامل حال ہوئی۔ کفر کے علمبردار مرعوب و مقہور ہو کر میدان سے بھاگے، مگر سلطان انہیں اتنی آسانی سے چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھے۔ انہوں نے جوش و بے تابیاں میں کی جانے والی چند گھنٹوں کی دارو گیر کی بجائے پوری احتیاط اور منصوبہ بندی کے ساتھ ان کا تعاقب کیا، چند دن تک انہیں گھیرنے، مارنے اور پکڑنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس طرح مسلمانوں نے ہزیمت خوردہ لشکر کی بہت بڑی تعداد کو قتل کر کے ایک بھاری جمعیت کو قیدی بنالیا۔ اس شاندار فتح کے فوراً بعد سلطان کو خبر ملی کہ تاتاریوں کا ایک دوسرا بڑا

لشکر بھی رے کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ چنانچہ سلطان جلال الدین رے کے گرد و نواح میں پڑاؤ ڈال کر ان نئے حریفوں کی پیشوائی کی تیاری کرنے لگے، مگر سال کے آخر تک دوسرا لشکر سلطان سے مقابلے کے لیے نہ پہنچا۔<sup>(۲)</sup> اس وقت بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پہلے لشکر کی شکست فاش کے بعد دشمن نے مرعوب ہو کر فوری پیش قدمی ترک کر دی ہے، مگر بعد میں یہ حقیقت کھلی کہ انہی دنوں صحرائے گوبی میں نسل انسانیت کا قاتل اعظم چنگیز خان موت کے ہاتھوں زندگی کی بازی ہار گیا تھا۔ آباد زمین کے تقریباً نصف حصے پر محیط اپنی عظیم سلطنت سے ہاتھ دھو کر یہ جہاں سوز فاح اب دو گز زمین میں منوں مٹی کے بوجھ تلے دفن ہو چکا تھا۔ بڑے بڑے شہر، قلعے، محلات، لاکھوں افراد پر مشتمل دنیا کی سب سے بڑی تباہ کن فوج، بیٹے، پوتے، حشم و خدام اور دولت کے بے شمار انبار..... یہ سب کچھ جو اس نے دنیا میں حاصل کیا تھا پیچھے چھوڑ کر اب وہ اپنے خالق و مالک کے سامنے اپنے اعمال بد کا جواب دہ تھا، وہ دنیا میں تاقیامت لعنت و ملامت کا حق دار اور آخرت میں آتش جہنم کی ابدی سزا کا مستحق بن چکا تھا۔

عبرت کا مقام ہے کہ وہ دنیا کے سب سے زیادہ رقبے پر حکمرانی کرنے کے باوجود اپنے لیے ایک ایسی قبر تک نہ بنو اسکا جو اس کی یادگار رہتی۔ اس کی موت سفر کے دوران کسی غیر آباد مقام پر ہوئی تھی اور وہیں اسے دفن دیا گیا۔ چند برسوں میں ارضیاتی تبدیلیوں نے اس جگہ کو اس طرح چھپا دیا کہ خود اس کے وارثین ہزار کوششوں کے باوجود اس کی قبر کا سراغ نہ لگا سکے۔ چنگیز خان کی موت ۱۸ اگست ۱۲۲۷ء (۴ رمضان، ۶۲۴ھ) کو ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اوکتائی خان قراقرم میں تخت نشین ہوا۔<sup>(۳)</sup>

چنگیز خان کی موت سے اس کے ورثاء اور نائین پر حزن و ملال کے بادل چھا گئے اور کچھ عرصے تک وہ کسی بیرونی محاذ پر توجہ دینے کے قابل نہ رہے۔

### چند اہم واقعات

کیقباد کی امداد..... انہی دنوں حاکم ایشیائے کوچک علاء الدین قیقباد کا سفیر عماد الدین سلطان جلال الدین کے دارالحکومت تبریز وارد ہوا۔ چوں کہ سلطان تاتاریوں سے مدافعت کے لیے ایران گئے ہوئے تھے اس لیے سفیر نے خوئی میں سلطان کے وزیر شرف الملک سے ملاقات کر کے اپنے آقا کا درج ذیل پیغام دیا:

”بلاشبہ سلطان جلال الدین عالم اسلام کی مشرقی سرحدوں پر تاتاریوں کے خلاف سینہ سپر ہیں، ادھر ہم مغربی سرحدوں پر کفار کے مقابل ہیں اور اس سال ان کے کئی قلعے فتح کر چکے ہیں۔ آپ کے ارد گرد کئی دشمن ان نازک لمحات میں آپ کے خلاف طرح طرح کی جھوٹی توقعات لگائے ہوئے ہیں اور ناپاک آرزوئیں وابستہ کر رہے ہیں۔ مگر ہم آپ کے قریب ہیں، آپ پکاریں گے تو ہم حاضر ہو جائیں گے۔ آپ بلائیں گے تو قریب پائیں گے۔ ہماری اور آپ کی مملکت میں کوئی فرق نہیں۔ اگر کوئی آپ کے خلاف جنگ کرنے کھڑا ہوا یا کسی نے آپ کے مقابلے میں تلوار سوئی تو ہم آپ کی ایسی مدد کریں گے کہ اسے اپنی تلوار نیام میں ڈالنا پڑے گی بلکہ ناک رگڑنی پڑے گی۔ ہم اس کا کام تمام کر کے چھوڑیں گے۔“

وزیر اعظم نے سفیر کا غیر معمولی اعزاز و اکرام کیا اور جواب دینے سے قبل امراء کو جمع کر کے مشورہ مانگا۔ چونکہ تاتاریوں کے خطرے کی وجہ سے سلطان کو افواج تیار کرنے کے لیے کافی سرمایے کی شدید ضرورت تھی اس لیے امراء

کی رائے یہ ہوئی کہ اس پیش کش کے جواب میں صرف مالی امداد کا اشارہ دیا جائے کیونکہ لڑنے والے افراد تو ایران اور عراق سے بھی بھرتی کیے جاسکتے تھے۔ چنانچہ وزیر شرف الملک کی طرف سے کیقباد کو اپنی ضروریات کی اطلاع دے دی گئی اور درج ذیل مراسلہ روانہ کیا گیا:

”آپ بخوبی جانتے ہیں کہ پورٹ تاتار کے پے درپے حوادث اور اشک آورالمیوں نے خوارزم کے ان خزانوں کو لوٹ لیا ہے جو صدیوں محفوظ چلے آ رہے تھے۔ سلطان جلال الدین نے اپنے والد کی وفات کے بعد ایسے حالات میں پرچم جہاد بلند کیا ہوا ہے کہ ان کے پاس اپنی شمشیر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اگر آپ ان حالات میں ان سے بھائی چارے کا سلوک کریں گے تو سلطان بھی اس احسان کو کبھی نہیں بھلائیں گے اور اس کی نیک نامی کا چرچا بھی ہمیشہ باقی رہے گا۔“ اس مراسلے کے جواب میں کیقباد نے خطیر رقم اور تحائف بھیج کر تاتاریوں سے جہاد میں اپنا حصہ شامل کیا۔<sup>⑤</sup> تاتاریوں سے ان جنگوں کے دوران علاؤ الدین کیقباد کے سوا کسی اور حکمران نے سلطان سے زبانی ہمدردی اور یک جہتی تک کا اظہار نہ کیا بلکہ باطنی تو بھرپور طریقے سے سلطان کے خلاف سرگرم رہے اور حکام شام کی ریشہ دو انیاں بھی جاری رہیں۔

ایک بدشگونی..... سلطان جلال الدین کے والد نے خلیفہ ناصر کا کام تمام کرنے کے لیے ۶۱۳ھ میں ماہر عملیات علامہ سکا کی سے ایک پتلا بنوا کر قاضی مجیر الدین کے ہاتھ بغداد میں دفن کروایا تھا۔ ایوان خوارزم کے بعض اراکین کا خیال یہ تھا کہ علامہ سکا کی کے اس عمل کی رجعت سے ہی سلطان محمد خوارزم شاہ کے شمس اقتدار کو گہن لگا ہے۔ چنانچہ وہ سلطان جلال الدین پر زور دیتے رہے کہ اس طلسم کی رجعت کے اثرات سے بچنے کے لیے اس کا سراغ لگا کر اسے برآمد کر کے ضائع کر دیا جائے، مبادا اس کے منحوس اثرات سے خوارزمی اقتدار کا پرچم پھر سرنگوں نہ ہو جائے۔ سلطان کو ان توہمات پر یقین نہیں تھا، مگر ان امراء کے اصرار پر ان کا وہم دور کرنے کے لیے انہوں نے قاضی مجیر الدین کو پھر بغداد روانہ کر دیا۔ موصوف بغداد پہنچ کر اس مکان کی تلاش میں رہے جس میں وہ پتلا دفن تھا، مگر تلاش بسیار کے باوجود اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ ان کے ناکام واپس آنے سے وہی اذہان مزید تشویش میں مبتلا ہو گئے اور اسے سلطان جلال الدین کے زوال کا پیش خیمہ خیال کرنے لگے۔ (سیرۃ جلال الدین ص ۲۵۳، ۲۵۴)

الملک المعظم کی وفات..... انہی ایام میں سلطان کے سابق حلیف الملک المعظم عیسیٰ ابن ملک العادل نے وفات پائی۔ یہ ذی قعدہ ۶۲۳ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ملک الناصر داؤد تخت نشین ہوا۔<sup>⑥</sup> رے کا دوسرا معرکہ..... ۶۲۵ھ (۱۲۲۸ء) میں تاتاریوں کے نئے خاقان اعظم اوکتائی خان نے اپنے باپ کی مہم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے گزشتہ سے بڑھ کر تیار یوں کے ساتھ ایک لشکر جہاد سلطان جلال الدین سے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔

سلطان جلال الدین تبریز میں مقیم تھے کہ انہیں جاسوسوں نے اطلاع دی کہ تاتاری لشکر نے اچانک دریائے جیحون عبور کر لیا ہے اور اس کا رخ اب عراق کی طرف ہے۔<sup>⑦</sup>

تاتاریوں کا یہ لشکر جس کی قیادت باجی نویان، باقونویان اور اسرطغان جیسے مایہ ناز سرداروں کے ہاتھ میں تھی،<sup>⑧</sup> خراسان کی طرف بڑھا، لیکن جب اسے پہلے سے تباہ و برباد پایا تو رے کی طرف روانہ ہو گیا۔<sup>⑨</sup> اس کے ساتھ ہی

تاتاریوں کے ایک دوسرے ٹڈی دل لشکر نے اصفہان کی طرف پیش قدمی شروع کی۔<sup>(۹)</sup> ان دنوں سلطان کے اہل و عیال اصفہان ہی میں تھے۔<sup>(۱۰)</sup> مگر رے کی مدافعت کو زیادہ اہم سمجھ کر سلطان نے ادھر کا رخ کیا۔ رے کے قریب سلطان جلال الدین کا تاتاری درندوں سے ہولناک ٹکراؤ ہوا۔ تاتاریوں کی تعداد اس بار بہت زیادہ تھی، جبکہ سلطان کو بعض عوارض کے باعث پوری تیاری کا موقع نہیں مل سکا تھا، تاہم جس قدر قوت وہ وہ فراہم کر سکے تھے اس کے ساتھ انہوں نے سردھڑ کی بازی لگا کر مقابلہ شروع کیا، مگر سر توڑ کوشش کے بعد بھی وہ تاتاریوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو نہ روک سکے۔ بالآخر سلطان کو میدان جنگ سے پیچھے ہٹنا پڑا۔

سلطان کی یہ پسپائی اعتراف شکست کے طور پر نہ تھی، بلکہ یہاں سے ہٹ کر اپنی قوت کو مجتمع کرنے کے بعد سلطان نے دوسرے میدان میں حریف کا دوبارہ سامنا کر کے اس پر تند و تیز حملے کیے، مگر اس بار بھی وہ زیادہ دیر دشمن کا ریلانہ روک سکے۔ آخر کار انہوں نے فوج کو ایک بار پھر پسپائی کا حکم دیا اور راستے میں رکاوٹ بننے والے دشمنوں کو درہم برہم کرتے ہوئے اصفہان کی طرف نکل گئے۔<sup>(۱۱)</sup> جہاں دوسرا تاتاری لشکر شہر پر حملے کی تیاری کر رہا تھا۔

سلطان اصفہان میں..... اصفہان وہ خوش قسمت شہر تھا جہاں تاتاری اب تک ایک بار بھی قبضہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے، اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہ شہر تاتاریوں کی یلغار کے عام راستوں سے ذرا ہٹ کر تھا، دوسرے اس کی فضیلیں بہت بلند اور مضبوط تھیں۔ اس کے علاوہ یہاں کے باشندے اپنی شجاعت و تہور میں مشہور تھے۔ عیدوں اور دوسرے میلوں پر سپاہیانہ لباس پہن کر حربی داؤ پیچ کے مظاہرے کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

تاریخ کبیر ذہبی میں مؤرخ عبداللطیف بغدادی سے منقول ایک روایت ہمیں بتاتی ہے تاتاری اپنی پہلی یلغار میں ایک بار یہاں حملہ آور ہوئے تھے مگر انہیں یہ تجربہ بہت مہنگا پڑا تھا۔ شہر والوں نے ان کے لیے بلا تامل دروازے کھول دیے تھے اور جب تاتاری اندر داخل ہو چکے تو انہیں گھیر گھا کر اس طرح قتل کیا تھا کہ ایک فرد بھی بچ کر نہ جاسکا تھا۔ اس کے بعد تاتاری سلطان جلال الدین سے معرکوں اور دیگر مہمات کے باعث پھر اصفہان کا رخ نہ کر سکے تھے، بہر حال اب وہ اہل اصفہان کے خون سے اپنی تلواروں کی پیاس بجھانے کے لیے بے تاب تھے۔

اصفہان پہنچ کر سلطان کو معلوم ہوا کہ تاتاریوں کا دوسرا لشکر اصفہان سے صرف ایک یوم کی مسافت پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔<sup>(۱۲)</sup> اور کسی بھی وقت حملہ کر سکتا ہے جبکہ اہل شہر کی دفاعی تیاریاں برائے نام تھیں، صرف اصفہان کی مضبوط فصیل کی پناہ کے باعث وہ اب تک تاتاریوں سے بچے ہوئے تھے مگر تاکے..... حالات نہایت نازک صورتحال اختیار کر گئے تھے، عوام و خواص موت کو آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے، تاتاریوں کی دہشت کے باعث ارد گرد کے تمام حکام اور صوبہ دار اپنے شہروں اور قلعوں کو چھوڑ چھوڑ کر پناہ لینے کے لیے اصفہان کا رخ کر رہے تھے۔<sup>(۱۳)</sup> سالاروں پر بھی گھبراہٹ طاری تھی۔ دو میدانوں سے سلطان کی مسلسل پسپائی نے ان کے حوصلے پست کر دیے تھے۔ ان حالات میں سلطان کے سر پر بہت بڑا بوجھ آ رہا تھا، اگر وہ بھی انہی احساسات کا اظہار کرتے جو دوسروں کے تھے تو تاتاریوں سے مزاحمت کے رہے سبے امکانات بھی ختم ہو جاتے، اس لیے انہوں نے مایوسی اور پریشانی کے تمام محرکات کو نظر انداز کرتے ہوئے ان شکستہ دل لوگوں کی حوصلہ افزائی کی اور ان کو اللہ بزرگ و برتر کی نصرت کا یقین دلایا۔

شہاب الدین النسوی لکھتے ہیں:

”خطرات اور حوادث میں سلطان جلال الدین کی قوت قلبی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے، جب امراء اور سرداروں نے تاتاریوں کے اصفہان کے قریب پہنچنے کی خبر سنی تو ہر اسان ہو کر سلطان کے دروازے پر آئے۔ انہیں کچھ دیر بیٹھنے کے بعد باریابی کی اجازت ملی۔ جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو سلطان اس وقت رہائش گاہ کے صحن میں کھڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر کچھ ایسے موضوعات پر بات چیت شروع کر دی جن کا تاتاری یلغار سے کوئی تعلق نہ تھا، جیسے تاتاریوں کا مسئلہ کوئی مسئلہ ہی نہ ہو، اور جیسے ان کا حملہ کوئی نئی بات نہ ہو۔ خاصی دیر تک مختلف موضوعات پر گفتگو کرنے کے بعد سلطان نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اس کے بعد تاتاریوں کے حملے اور مقابلے میں جنگی حکمت عملی کے بارے میں مشورہ شروع کیا۔<sup>(۱۳)</sup>

مشورے کے بعد سلطان نے اعیان سلطنت اور امراء لشکر کو جمع کر کے ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس میں انہوں نے کہا: ”واقعی! ہمیں ایک بہت بڑی ہم اور ایک عظیم ابتلاء کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، لیکن اگر ہم نے اس موقع پر کاپلی اور بزدلی اختیار کی تو ہماری ہٹا کوئی راستہ باقی نہیں رہے گا۔ دشمن سے مزاحمت کرنا اور اس راستے کے شہداء پر صبر کرنا ہی ہمارے لیے بہتر ہے۔ اگر باری تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوا تو ہم سب دشمن کے بچے سے نجات پالیں گے اور اگر شکست ہوئی تب بھی درجہ شہادت سے محروم نہیں رہیں گے۔“

سلطان کے اس خطبے نے رگوں میں جھپٹے ہوئے خون کو تازہ حرارت عطا کی اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو نیا حوصلہ بخشا۔ تمام افسران اور سپاہی لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔<sup>(۱۴)</sup>

جہاد کی تیاری..... اپنے سپاہیوں کو مقابلے کے لیے آمادہ پا کر سلطان جلال الدین خوشی سے کھل گئے۔ ان کی پوری توجہ جنگ کی تیاری پر مرکوز ہو گئی۔ فوج کو سامان حرب کی سخت ضرورت تھی۔ سلطان نے حتی الوسع اس کمی کو پورا کیا اور جس قدر ساز و سامان حاصل ہو سکا اپنے لشکر کو فراہم کیا۔<sup>(۱۵)</sup> اس کے بعد انہوں نے چار ہزار سپاہی ہراول دستے کے طور پر دامغان اور رے کی طرف بھیج کر انہیں پیش قدمی کرنے والے دوسرے تاتاری لشکر کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے کا حکم دیا۔ یہ دستے تاتاریوں کی نقل و حرکت کی خبریں روزانہ سلطان کو روانہ کرتے رہے، حالت یہ تھی کہ تاتاری دامغان اور رے سے برابر اصفہان کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے اور سلطان کا ہراول مسلسل پیچھے ہٹتا آ رہا تھا۔ چند دنوں بعد یہ ہراول دستے واپس اصفہان پہنچ گئے اور سلطان کو دیگر تفصیلات کے علاوہ دشمن کے قریب تر آنے کی خبر دی۔<sup>(۱۶)</sup>

سلطان جلال الدین فوج کا حوصلہ بڑھانے اور انہیں دشمن سے بے خوف کرنے کی پوری کوشش کرتے رہے۔ مزید تاکید کے لیے انہوں نے سب افسران اور سپاہیوں سے قسمیں لیں کہ وہ میدان جنگ سے منہ نہیں پھیریں گے، سلطان نے خود بھی سب کے سامنے اس بات پر قسم کھائی۔<sup>(۱۷)</sup>

نفیر عام..... چونکہ افرادی قوت کی کمی بہر حال موجود تھی، اس لیے سلطان نے اصفہان کے قاضی کو نفیر عام کا حکم دیا۔<sup>(۱۸)</sup> اس اعلان کے بعد شہر اور گرد و نواح سے بکھرے ہوئے سپاہیوں اور رضا کاروں کی ٹولیاں آ آ کر لشکر میں شامل ہونے لگیں۔ شیراز کا شہزادہ ابوبکر بن سعد<sup>(۱۹)</sup> جو اپنے باپ سعد بن زنگی کے بعد تخت نشین ہوا تھا، اپنے بہادروں کی فوج لے

کر سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا۔<sup>(۴۱)</sup> مزید افرادی قوت کے لیے سلطان نے اصفہان کے قاضی اور رئیس کو پیادوں کے رضا کار دستے تیار کرنے اور انہیں مسلح پریڈ کرانے کا حکم دیا۔<sup>(۴۲)</sup>

ابھی سلطان لشکر کی تیاری اور انتظامات میں مصروف تھے کہ ایک دن تاتاری حملہ آور اصفہان کی مشرقی فصیل کے سامنے ظاہر ہوئے۔ تاجن نویان، بانکوئیان، باقو نویان، اسن طغان نویان، یاتماس نویان اور باشا ورنویان جیسے جنگجو مغل سردار اس لشکر کی کمان کر رہے تھے۔ ان کی خیمہ گاہ ”السنین“ نامی دیہات کے ساتھ تھی۔ ادھر سلطان اور ان کے سرفروش سپاہی مقابلے کے لیے پوری طرح آمادہ تھے، مگر بعض درباریوں، نجومیوں اور امرائے سلطنت نے اصرار کیا کہ تین دن تک کھلے میدان میں مقابلے سے احتراز کیا جائے۔ سلطان نے بادل بخو استہ ان کی بات مان لی۔<sup>(۴۳)</sup>

چھاپہ مار دستوں کی کارروائی..... تاتاریوں نے جب دیکھا کہ سلطان فصیل سے باہر نکلنے پر تیار نہیں تو وہ اسے سلطان کی کمزوری پر محمول کر کے محاصرے کی تیاری کرنے لگے۔<sup>(۴۴)</sup> محاصرے کے لیے خوراک کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کرنے کی ضرورت تھی، اس لیے دو ہزار تاتاریوں کا ایک دستہ بلاد لوللو کے پہاڑی سلسلے میں آباد نواحی دیہاتوں اور بستیوں کو لوٹنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ مخبروں نے جب سلطان کو یہ خبر پہنچائی تو انہوں نے فوراً تین ہزار شہسواروں کو ان لٹیروں پر چھاپہ مارنے کے لیے بھیج دیا۔ ان سواروں نے تاتاری دستے کو پہاڑی گھاٹیوں کے درمیان گھیر لیا اور ہر طرف سے ناکہ بندی کرنے کے بعد ان کی اکثریت کو ہلاک کر دیا اور چار سو کے قریب افراد کو گرفتار کر کے سلطان کے سامنے پیش کر دیا۔ سلطان نے ان قیدیوں میں سے کچھ کو اپنی رہائش گاہ کے صحن میں طلب کیا اور اپنے ہاتھ سے جہنم رسید کیا۔ باقی قیدیوں کو سرسکوں پر لوگوں کے سامنے قتل کیا گیا، ان کی لاشوں کو گھسیٹا گیا اور چوراہوں پر لٹکا دیا گیا تاکہ عوام و خواص کے دلوں سے تاتاریوں کا خوف نکل جائے۔<sup>(۴۵)</sup>

میدان جنگ میں..... تین دن گزر جانے پر سلطان جلال الدین اپنے لشکر کے ساتھ اصفہان کی فصیلوں سے نمودار ہوئے۔ شہر سے باہر ایک وسیع میدان میں سلطان نے فوج کی صف بندی کی۔ وہ خود قلب لشکر میں کھڑے ہوئے اور اپنے بھائی غیاث الدین کو دائیں بازو پر متعین کیا۔<sup>(۴۶)</sup> تاتاریوں کا نڈی دل لشکر میدان کی دوسری جانب صفیں باندھ چکا تھا۔ یہ تاریخی معرکہ ۲۲ رمضان ۶۲۵ھ (۲۳ اگست ۱۲۲۸ء) کو لڑا جا رہا تھا۔<sup>(۴۷)</sup>

غیاث الدین کی غداری..... نقارے پر چوٹ پڑی اور دونوں جانب کے سپاہی نیزے اور تلواریں سونت کر ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ سلطان دائیں اور بائیں بازو کے افسران کو یہ حکم دے چکے تھے کہ حریف کے قلب پر ان کے حملے کے ساتھ ہی وہ بھی ان کی موافقت کرتے ہوئے دشمن کے دائیں بازو اور بائیں بازو پر پورا دباؤ ڈال دیں۔<sup>(۴۸)</sup> مگر اس نازک موقع پر سلطان کے بھائی غیاث الدین نے بزدلی اور بے وفائی کا بدترین مظاہرہ کیا اور اپنے مصاحبین، چند افسران اور ان کے زیر قیادت دستوں کو لے کر دائیں بازو کی صفوں سے علاحدہ ہو گیا۔ اچلی جہان پہلوان نے بھی، جو سلطان کی فوج کا افسر تھا، اس کی تقلید کی۔<sup>(۴۹)</sup>

سلطان جلال الدین غیاث الدین کو میدان چھوڑتے ہوئے دیکھ کر حیران رہ گئے، مگر اپنے خداداد ضبط و تحمل سے کام لیتے ہوئے انہوں نے اس صورتحال پر ذرہ برابر تشویش کا اظہار نہ کیا۔<sup>(۵۰)</sup> سلطان کی اس حوصلہ مندی سے ان کے افسران اور لشکر کی ہمت بھی برقرار رہی اور ان سب نے یہی خیال کیا کہ شاید غیاث الدین سلطان کے حکم سے کسی



کر سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا۔<sup>(۲۱)</sup> مزید افرادی قوت کے لیے سلطان نے اصفہان کے قاضی اور رئیس کو پیادوں کے رضا کار دستے تیار کرنے اور انہیں مسلح پریڈ کرانے کا حکم دیا۔<sup>(۲۲)</sup>

ابھی سلطان لشکر کی تیاری اور انتظامات میں مصروف تھے کہ ایک دن تاتاری حملہ آور اصفہان کی مشرقی فصیل کے سامنے ظاہر ہوئے۔ تاجن نویان، بانکوئیان، باقو نویان، اس طغان نویان، یا تماس نویان اور باشا در نویان جیسے جنگجو مغل سردار اس لشکر کی کمان کر رہے تھے۔ ان کی خیمہ گاہ ”السنین“ نامی دیہات کے ساتھ تھی۔ ادھر سلطان اور ان کے سرفروش سپاہی مقابلے کے لیے پوری طرح آمادہ تھے، مگر بعض درباریوں، نجومیوں اور امرائے سلطنت نے اصرار کیا کہ تین دن تک کھلے میدان میں مقابلے سے احتراز کیا جائے۔ سلطان نے بادل نخواستہ ان کی بات مان لی۔<sup>(۲۳)</sup>

چھاپہ ماردستوں کی کارروائی..... تاتاریوں نے جب دیکھا کہ سلطان فصیل سے باہر نکلنے پر تیار نہیں تو وہ اسے سلطان کی کمزوری پر محمول کر کے محاصرے کی تیاری کرنے لگے۔<sup>(۲۴)</sup> محاصرے کے لیے خوراک کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کرنے کی ضرورت تھی، اس لیے دو ہزار تاتاریوں کا ایک دستہ بلاد لؤلؤ کے پہاڑی سلسلے میں آباد نواحی دیہاتوں اور بستیوں کو لوٹنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ مخبروں نے جب سلطان کو یہ خبر پہنچائی تو انہوں نے فوراً تین ہزار شہسواروں کو ان لٹیروں پر چھاپہ مارنے کے لیے بھیج دیا۔ ان سواروں نے تاتاری دستے کو پہاڑی گھاٹیوں کے درمیان گھیر لیا اور ہر طرف سے ناکہ بندی کرنے کے بعد ان کی اکثریت کو ہلاک کر دیا اور چار سو کے قریب افراد کو گرفتار کر کے سلطان کے سامنے پیش کر دیا۔ سلطان نے ان قیدیوں میں سے کچھ کو اپنی رہائش گاہ کے صحن میں طلب کیا اور اپنے ہاتھ سے جہنم رسید کیا۔ باقی قیدیوں کو سرسکوں پر لوگوں کے سامنے قتل کیا گیا، ان کی لاشوں کو گھسیٹا گیا اور چوراہوں پر لٹکا دیا گیا تاکہ عوام و خواص کے دلوں سے تاتاریوں کا خوف نکل جائے۔<sup>(۲۵)</sup>

میدان جنگ میں..... تین دن گزر جانے پر سلطان جلال الدین اپنے لشکر کے ساتھ اصفہان کی فصیلوں سے نمودار ہوئے۔ شہر سے باہر ایک وسیع میدان میں سلطان نے فوج کی صف بندی کی۔ وہ خود قلب لشکر میں کھڑے ہوئے اور اپنے بھائی غیاث الدین کو دائیں بازو پر متعین کیا۔<sup>(۲۶)</sup> تاتاریوں کا ٹڈی دل لشکر میدان کی دوسری جانب صفیں باندھ چکا تھا۔ یہ تاریخی معرکہ ۲۲ رمضان ۶۲۵ھ (۲۳ اگست ۱۲۲۸ء) کو لڑا جاتا تھا۔<sup>(۲۷)</sup>

غیاث الدین کی غدار کی..... تقارے پر چوٹ پڑی اور دونوں جانب کے سپاہی نیزے اور تلواریں سونت کر ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ سلطان دائیں اور بائیں بازو کے افسران کو یہ حکم دے چکے تھے کہ حریف کے قلب پر ان کے حملے کے ساتھ ہی وہ بھی ان کی موافقت کرتے ہوئے دشمن کے دائیں بازو اور بائیں بازو پر پورا دباؤ ڈال دیں۔<sup>(۲۸)</sup>

مگر اس نازک موقع پر سلطان کے بھائی غیاث الدین نے بزدلی اور بے وفائی کا بدترین مظاہرہ کیا اور اپنے مصاحمین، چند افسران اور ان کے زیر قیادت دستوں کو لے کر دائیں بازو کی صفوں سے علاحدہ ہو گیا۔ ایچی جہان پہلوان نے بھی، جو سلطان کی فوج کا افسر تھا، اس کی تقلید کی۔<sup>(۲۹)</sup>

سلطان جلال الدین غیاث الدین کو میدان چھوڑتے ہوئے دیکھ کر حیران رہ گئے، مگر اپنے خدا داد ضبط و تحمل سے کام لیتے ہوئے انہوں نے اس صورتحال پر ذرہ برابر تشویش کا اظہار نہ کیا۔<sup>(۳۰)</sup> سلطان کی اس حوصلہ مندی سے ان کے افسران اور لشکر کی ہمت بھی برقرار رہی اور ان سب نے یہی خیال کیا کہ شاید غیاث الدین سلطان کے حکم سے کسی

مصلحت کی بناء پر علاحدہ ہوا ہے۔<sup>(۳۱)</sup> دوسری طرف تاتاریوں پر بھی اس صورتحال کا الٹا اثر پڑا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ خوارزمی فوج کے دائیں بازو سے کئی دستے الگ ہو کر کسی اور سمت کا رخ کر رہے ہیں تو وہ یہ خیال کر کے سراسیمہ ہو گئے کہ سلطان جلال الدین نے جنگی چال کے طور پر ان کو عقب سے حملے کے لیے روانہ کیا ہے۔<sup>(۳۲)</sup> سلطان کے افسران اور تاتاری سرداروں دونوں کا اصل صورتحال سے لاعلم رہنا اللہ جل شانہ کی غیبی مدد کا کرشمہ تھا ورنہ جنگ کے آغاز ہی میں مسلمان شکستہ خاطر اور تاتاری شیر دل ہو جاتے اور چند گھڑیوں میں مسلمانوں کو شکست فاش ہو جانا کوئی بعید نہ تھا۔

نقشہ رزم گاہ..... اس اثناء میں دونوں فوجیں آپس میں گتھ چکی تھیں۔ لڑائی کی شدت کی وجہ سے لشکر اسلام کے دائیں اور بائیں بازو میں فاصلہ غیر معمولی طور پر بڑھ گیا تھا جس کی وجہ سے دونوں بازوؤں کا قلب سے رابطہ مشکل ہو رہا تھا۔ ادھر قلب کے پیادہ اصفہانی دستوں کو منظم انداز میں آگے بڑھتا دیکھ کر تاتاریوں نے انہیں منتشر کرنے کے لیے اپنے گھڑسوار سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تعینات کر دیے۔ جب سلطان جلال الدین پیش قدمی کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچے تو دشمن کی چال کو سمجھ کر انہوں نے اصفہانیوں کے پیادہ دستوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔<sup>(۳۳)</sup> اس کے ساتھ ہی انہوں نے دائیں اور بائیں بازو کو یک لخت دشمن پر ٹوٹ پڑنے کا اشارہ کیا۔<sup>(۳۴)</sup>

غیاث الدین کے دستوں کے فرار کے باوجود اسلامی لشکر کے دائیں بازو میں دم خرم موجود تھا، سلطان کا اشارہ پاتے ہی انہوں نے دشمن کے بائیں بازو پر ایک زوردار حملہ کیا اور اسے دھکیلتے ہوئے کوسوں دور کا شان کے نواح تک لے گئے۔ اس کے برعکس دوسری طرف تاتاریوں کے دائیں بازو نے مسلمانوں کے بائیں بازو پر دھاوا بول کر اسے میدان کے آخری کونے تک پہنچے پر مجبور کر دیا۔<sup>(۳۵)</sup>

اب کچھ عجیب سی صورتحال پیدا ہو گئی تھی، دونوں لشکروں کے دستے متفرق انداز میں ادھر ادھر باہم نبرد آزما تھے، دائیں بازو کے افسران کو بائیں بازو کی کوئی خبر نہ تھی اور بائیں بازو کے سالاروں کو دائیں بازو کا کچھ پتہ نہ تھا، سلطان جلال الدین قلب لشکر میں علاحدہ رہ گئے تھے۔<sup>(۳۶)</sup>

دُشمنوں کی ہزیمت..... بد نظمی کے عالم میں بھی دیر تک یہ لڑائی اسی طرح شدت سے جاری رہی۔ آخر کار سلطان کا ہزیمت خوردہ بایاں بازو اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہو گیا اور تاتاریوں کے دائیں بازو کو دھکیلتا ہوا اپنی جگہ پر واپس آ گیا۔ سہ پہر کے وقت سلطان نے لشکر کو منظم کر کے حریف پر چند جارحانہ حملے کیے، اسی دوران مسلمانوں کے بائیں بازو نے دشمن کے دائیں بازو پر دھاوا بول کر اسے روند کر رکھ دیا۔ انجام کار تاتاریوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔<sup>(۳۷)</sup>

سلطان اپنے جانبازوں کے ساتھ کئی میل تک دشمن کا تعاقب کرتے رہے اور دور تک ان کو مارتے کاٹتے چلے گئے۔ شام کے وقت وہ تھکن سے بے حال ہو کر گھوڑے سے اتر پڑے<sup>(۳۸)</sup> اور ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گئے۔ ڈھلتے سورج کی مدہم روشنی میں وہ اپنے بدترین دشمن کی پسائی اور تباہی کا منظر پوری دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے سرفروش چُن چُن کر دشمن کے سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اُتار رہے تھے۔<sup>(۳۹)</sup>

سلطان جلال الدین کچھ دیر اس نظارے سے لطف اندوز ہوتے رہے، لیکن اندھیرا چھاتا دیکھ کر انہوں نے

تعاقب کو خلاف احتیاط خیال کرتے ہوئے سپاہیوں کو رکسنے کا حکم دیا۔<sup>(۳۵)</sup>

کچھ ہی دیر بعد لشکر کا ایک اعلیٰ افسر ”ایمان توغو“ ان کے پاس آیا اور نہایت جذباتی انداز میں عرض کرنے لگا: ”حضور والا! ہم زمانہ دراز سے یہ تمنا کر رہے تھے کہ ہمیں کوئی فتح حاصل ہو اور ہم جی بھر کر اپنے ارمان نکالیں، خوشیاں منائیں، دل کھول کر دشمن کا شکار کریں، عالی جاہ! آج ہمیں اس کا سنہری موقع حاصل ہوا ہے، مگر آپ تعاقب ترک کر کے بیٹھ گئے ہیں۔ تاتاری تورات کے اندھیرے میں دودن کی مسافت طے کر جائیں گے۔ ہم ان کا تعاقب ابھی سے کیوں نہ کریں۔“<sup>(۳۶)</sup>

بعض دیگر امراء نے بھی اس کی زور و شور سے تائید کی۔<sup>(۳۷)</sup> سلطان بہادر افران کی نہایت قدر کرتے تھے اور ان کے مشوروں اور جذبات و احساسات کا حتی الامکان لحاظ کیا کرتے تھے، اس افسر کا جذباتی انداز اور امراء کا مسلسل اصرار دیکھ کر وہ نرم پڑ گئے اور تعاقب کی اجازت دے کر خود بھی تعاقب کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔ کچھ دیر بعد فوج کا اکثر حصہ تعاقب میں شریک ہو چکا تھا۔ البتہ لشکر سلطانی کے مینے کے کئی دستے جو تاتاریوں کے میسرہ کو دھکیل کر کاشان تک لے گئے تھے، ابھی تک واپس نہیں لوٹے تھے۔

پانسہ پلٹ گیا..... ہزیمت خورہ تاتاری لشکر کے ہزاروں مفرو رین آگے جا کر ایک جگہ جمع ہو گئے۔ چونکہ سلطانی لشکر نے کچھ دیر کے لیے ان کا تعاقب ترک کر دیا تھا، اس لیے انہیں منظم ہونے کا موقع مل گیا۔ اسی اثناء میں انہوں نے دیکھا کہ افق سے گرد و غبار کے بادلوں میں خوارزمی فوج پیش قدمی کر رہی ہے۔ اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا اور اندھیرے میں پیش قدمی کرنے والے لشکر کو تباہی سے دوچار کرنا زیادہ مشکل نہ تھا۔ تاتاریوں نے ایک ٹیلے کے پیچھے اپنے بہترین نشانہ باز دستے گھات میں بٹھا دیے اور ان کے باقی سپاہی بھی ایک بارگی حملے کے لیے تیار ہو گئے۔ جوں ہی خوارزمی لشکر زبرد پر آیا، تیروں کی بارش نے ان میں افراتفری مچا دی، اس کے ساتھ ہی تمام تاتاری ٹیلے کی اوٹ سے نکل کر سیلابی ریلے کی طرح یکدم لشکر اسلام پر ٹوٹ پڑے۔<sup>(۳۸)</sup>

تاتاریوں کے اس غیر متوقع اور شدید حملے کا پہلا شکار خوارزمی فوج کا بایاں بازو تھا۔<sup>(۳۹)</sup> اس کے افران نے اپنی صفوں کو سنبھالنے کی پوری کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے اور پسپا ہوتے چلے گئے، تاتاری لشکر کا مینہ ان کا تعاقب کرتا رہا۔ النسوی کے بقول اس دن مسلمانوں کو امیر اور خان کی قدر معلوم ہوئی جسے باطنیوں نے قتل کر دیا تھا۔ خوارزمی لشکر کے بائیں بازو کا امیر اکثر وہی ہوا کرتا تھا اور اس کی موجودگی میں فتح ہمیشہ قدم چومتی تھی۔

اس دن بائیں بازو کی پسپائی کی وجہ سے تمام فوج غیر منظم اور متفرق ہو گئی۔ دونوں فریق آپس میں خلط ملط ہو گئے<sup>(۴۰)</sup> اور جگہ جگہ انفرادی شجاعت کے جوہر کھلنے لگے، سخت اندھیرے میں دوست اور دشمن کی تمیز مشکل ہو رہی تھی، تاتاریوں کے چند دستے عقب سے حملہ کر کے لشکر اسلام کو پوری طرح گھیرنے کی کوشش کرنے لگے،<sup>(۴۱)</sup> اب قلب لشکر شدید دباؤ میں پیچھے ہٹ رہا تھا<sup>(۴۲)</sup> سلطان بذات خود بُری طرح زرنے میں آ گئے تھے اور کسی وقت کے بغیر تیروں، نیزوں اور تگواروں کے مسلسل وار اس طرح ان کا رخ کر رہے تھے کہ ان کی موت یقینی معلوم ہوتی تھی، اگر اجل کا وقت پہلے سے طے نہ ہوتا تو سلطان کا چند لمحے زندہ رہنا بھی مشکل تھا۔<sup>(۴۳)</sup>

گھیرا توڑ دیا..... مسلمانوں نے اس صورتحال میں مقابلہ بے سود سمجھا اور حملہ آوروں کا گھیرا توڑ کر ادھر ادھر نکلنے کی

کوشش کرنے لگے۔ سلطان جلال الدین کوئی چار سو جانثاروں کے ساتھ دشمن کے زرنے میں پھنس کر رہ گئے تھے، ان میں سلطان کے بہادر امراء اور لشکر کے کئی بڑے سردار شامل تھے۔<sup>(۳۹)</sup> سلطان نے لڑائی سے نہ بھاگنے کی قسم کھائی تھی، اس لیے وہ، ان کے محافظ اور خاص رفقاء آخر تک سرفروشانہ مقابلہ کرتے رہے۔ لڑائی کے دوران ایک موقع پر سلطان نے پلٹ کر اپنے ارد گرد کا جائزہ لیا تو دیکھا، ان کا علمبردار بھی پیٹھ پھیر کر بھاگا جا رہا ہے۔ سلطان سے برداشت نہ ہوا، انہوں نے تاک کر ایسا نیزہ مارا کہ وہ اسی جگہ ڈھیر ہو گیا۔

اس دوران تاتاری چاروں جانب سے صف در صف سلطان کو گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے اور اپنا حلقہ تنگ کرتے جا رہے تھے۔ سلطان کے قریبی ساتھی جاں توڑ مدافعت کرتے ہوئے ایک ایک کر کے کلتے جا رہے تھے۔ سلطان کا ماموں زاداخش ملک سلطان پر برسنے والے تیروں کو روکتے روکتے چھلنی ہو کر شہادت کی سعادت پا چکا تھا۔ امراء اور خواص کی اکثریت جام شہادت نوش کر چکی تھی، اب ان کے ساتھ صرف چودہ جانثار غلام باقی رہ گئے۔<sup>(۴۰)</sup>

تاتاری ایک بار پھر سلطان کو زندہ گرفتار کر کے اپنے خان اعظم کے سامنے پیش کرنے کی دیرینہ خواہش پوری کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ سلطان بھی ان کے بڑے ارادوں کو تاڑ چکے تھے اور سمجھ گئے تھے کہ اب مزید مزاحمت بے سود ہے۔ بظاہر نجات کا کوئی راستہ نہ تھا، مگر آخری کوشش کے طور پر انہوں نے اللہ کو یاد کر کے اپنی پوری طاقت جمع کرتے ہوئے ایک طرف حملہ کیا۔ اس سمت گھبراہٹ والے دشمنوں کے قدم ڈگمگائے۔ سلطان کی توار بجلی کی طرح کوند رہی تھی، وہ مزاحمت کرنے والے تاتاریوں کو گراتے ہوئے آگے بڑھے اور اپنے چند سرفروش ساتھیوں سمیت سنسناتے ہوئے تیر کی مانند دشمن کے گھیرے سے باہر نکل گئے۔ تاتاری گھڑسوار پوری تیزی سے ان کے پیچھے روانہ ہوئے مگر سلطان پلک جھپکے میں گھٹا ٹوپ تاریکی میں غائب ہو چکے تھے۔ تاتاریوں کے ایک سالار بایال نوین نے سلطان کو اس کمال کی دلیری کے ساتھ راستہ بنا کر نکلتے دیکھا تو بے ساختہ کہہ اٹھا:

”تو ہر جگہ سے صاف بچ نکلا، بے شک اس زمانے کا مرد تو یہی ہے۔ تو ہی مد مقابل سے صحیح مکر لینے والا جنگجو ہے۔“

اس کے بعد کئی دن تک سلطان کا کچھ پتہ نہ چلا۔ بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ وہ اس معرکے میں شہید ہو گئے ہیں اور بعض کا یہ گمان تھا کہ انہیں دشمن نے گرفتار کر لیا ہے۔<sup>(۴۱)</sup>

جنگ کا حیرتناک انجام..... اندھیری شب میں لڑے جانے والے اس خون ریز معرکے کے آخری لمحات کی صورتحال نہایت عجیب تھی۔ فریقین میں سے ہر شخص اپنے مقابل پر اندھا دھند وار کر کے اپنا راستہ صاف کرنا چاہ رہا تھا، جس طرح سلطان کے سپاہی اس کوشش میں تھے کہ وہ دشمن کا گھیرا توڑ کر ادھر ادھر نکل جائیں۔ اسی طرح تاتاری بھی تاریکی کے باعث میدان جنگ کی صورتحال کا صحیح اندازہ نہ کر کے سر اسیمہ ہو چکے تھے اور اس ہنگامے اور افراتفری سے جان چھڑا کر میدان سے ہٹنا چاہتے تھے۔ وہ جگہ جگہ منتشر ٹولیوں کی صورت میں مسلمانوں سے الجھے ہوئے تھے اور مسلمان جب ایک طرف زوردار حملے کر کے ان کے زرنے سے نکلتے تو تاتاریوں کی جمعیت مزید درہم برہم ہو کر رہ جاتی۔ رات کی سیاہ چادر میں آسمان کی بلندی پر ٹمٹاتے ستارے اس تاریخی معرکے کے اختتام پر یہ عجیب منظر دیکھ رہے تھے کہ مسلمان اور تاتاری دونوں فریق اندھیرے کو آڑ بنا کر میدان سے فرار ہو رہے ہیں۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ جنگ کے اس حیرتناک انجام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وَكَانَتْ مَلْحَمَةً لَمْ يُسْمَعْ بِمِثْلِهَا فِي الْمَلَا حِمٍ فِي انْهِزَامٍ كِلَا الْفَرِيقَيْنِ.“ (۵۴) (ربیع)

ایک ایسی گھمسان کی جنگ تھی جس کی مثال گھمسان جنگوں کی تاریخ میں نہیں سنی گئی، اس لیے کہ یہ واحد جنگ تھی جس میں دونوں فریق میدان سے شکست کھا کر بھاگے۔

لشکرِ اسلام کی حالت زار ..... شب تاریک کے اس خوں ریز معرکے کے اختتام پر لشکرِ اسلام کا یہ حال تھا کہ اس کے سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد شہید ہو چکی تھی، زخمیوں کا شمار اس کے علاوہ تھا۔ (۵۵) بائیں بازو اور قلب کے زندہ بچ نکلنے والے سپاہی فارس، کرمان اور تبریز جیسے دور دراز کے علاقوں کی طرف نکل گئے تھے۔ (۵۶) البتہ دائیں بازو کے سپاہی جو تاتاریوں کے میسرہ کو پسپا کرتے ہوئے کاشان پہنچ گئے تھے، اس موقع پر موجود نہ ہونے کے تناہی سے باعث محفوظ رہے، اپنے لشکر سے الگ ہونے کے بعد وہ دو دن بھٹکنے کے بعد واپس اپنے معسکر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، تاہم سلطان کی گمشدگی کے باعث بد دل ہو کر اب وہ لڑنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔ (۵۷)

سلطان کی گمشدگی کے علاوہ سب سے زیادہ یاس انگیز پہلو یہ تھا کہ تقریباً وہ تمام بہادر، تجربہ کار، باحیثیت اور مخلص افسران جن پر سلطان کو سب سے زیادہ اعتماد تھا اسی شب کی خوں ریزی کا شکار ہو کر شہید ہو چکے تھے۔ ان میں سے الپ خان، ارتق خان، کوچ خان، منکلی بیگ طائین اور بلوق خان کے نام تاریخ میں محفوظ ہیں۔ شہاب الدین النسوی بتاتے ہیں کہ سلطان کے ہمراہ لڑنے والے امراء اور خواص میں سے صرف تین افراد کوچ تلکین پہلوان، اودک امیر آخور اور حاجب خاص خان بردی زندہ بچ کر نکل سکے۔ (۵۸)

ابوبکر بن سعد کی واپسی ..... اسلامی لشکر کے بڑے قائدین میں سے صرف ابوبکر بن سعد حاکم شیراز بالکل صحیح و سالم لوٹنے میں کامیاب ہوا۔ وہ پہلی بار تاتاریوں کے قدم اُکھڑتے ہی ان کے تعاقب میں نکل گیا تھا اور بقیہ تمام دستوں سے اس کے دستے بہت آگے تھے۔ جب شام کے وقت سلطان جلال الدین نے تاتاریوں کا تعاقب روک دیا تو ابوبکر بن سعد بقیہ لشکر سے دور ہونے کے باعث بھٹک کر رہ گیا۔ سلطان اور باقی لشکر کا اتا پانا نہ پا کر اس نے آگے بڑھنا خطرناک سمجھتے ہوئے کسی دوسرے راستے سے واپسی اختیار کر لی۔ لوٹتے وقت بھی سلطان سے اس کا ملاپ نہ ہو سکا، اس لیے وہ دوبارہ تعاقب میں شامل نہ ہوا اور اس عظیم حادثے سے محفوظ رہا جو دوسروں کو پیش آیا۔ (۵۹)

اتابک علاؤ الدولہ کی قربانی ..... اتابک علاؤ الدولہ فارس کے قدیم شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے ساٹھ برس تک یزد پر حکومت کی تھی، کبر سنی کی وجہ سے اسے اباخان کہا جاتا تھا۔ سلطان جلال الدین کی ہندوستان سے واپسی کے بعد یہ اتابک ان کے وفاداروں میں شامل ہو گیا تھا۔ سلطان نے خراسان کے باقی ماندہ آباد علاقوں کی امارت اس کے سپرد کر دی تھی۔ اس کے بڑھاپے کے باعث سلطان اسے باپ کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ یہ بوڑھا امیر بھی اس جنگ کی نذر ہو گیا۔ لڑائی کے اختتام پر باطنی گروہ کے ایک آدمی نے اسے گرفتار کر لیا تھا۔ بوڑھے اتابک نے اپنے پاس موجود تمام زرو جو اہر حوالے کر کے بمشکل رہائی حاصل کی اور اپنے علاقے کی طرف چل دیا۔ رات کا وقت تھا ..... گھپ اندھیرے میں وہ لڑکھڑاتا ہوا ایک کنویں میں جا گرا اور وہیں جان دے دی۔ اس وقت اس کی عمر چوراسی (۸۴) سال کے لگ بھگ تھی۔ (۶۰)

اصفہان کا محاصرہ..... اگرچہ اصفہان کے اس معرکے میں انجام کار مسلمان اور تاتاری دونوں میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے، مگر تاتاریوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے نقصانات بہت زیادہ تھے، خاص کر سلطان کی کشتگی اور بڑے بڑے کمانداروں کی شہادت نے ان کو دوبارہ مجتمع ہونے کے قابل نہیں رہنے دیا تھا۔ اس کے برخلاف تاتاری میدان سے ہٹنے کے بعد منظم ہو کر ایک بار پھر آگے بڑھنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اب اصفہان تک پہنچنے میں ان کے سامنے کوئی رکاوٹ حائل نہ تھی۔

وہ مکمل فتح حاصل کرنے کے لیے شہر پر قبضہ اور قتل عام کی رسم کو پورا کرنا ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ چند دن بعد وہ ایک بلائے بے درماں کی طرح آگے بڑھے اور اصفہان کا محاصرہ کر لیا۔<sup>(۵۹)</sup>

باطنیوں کا اظہار مسرت..... غیاث الدین غداری کر کے پناہ لینے باطنی امام علاؤ الدین خورشاہ کے پاس چلا گیا تھا۔ ادھر پیچھے سے سلطان جلال الدین کی کشتگی یا شہادت کی خبر بھی پھیل گئی۔ اس صورتحال سے باطنیوں کے ہاں خوشی کے شادیاں بجنے لگے۔ شام میں باطنیوں کے نائب شیخ مظفر بن حسین نے باطنی امام کے نام فوراً مراسلہ لکھا: ”بے چارہ جلال الدین اصفہان کے نواح میں مارا گیا ہے۔ اس کی فوج پارہ پارہ ہو گئی ہے۔ اس کا بھائی حضور کے دامن سے وابستہ ہونے کو تیار ہے۔ ادھر تہریز میں قزل ارسلان عرف ملک خاموش کے حامی بھی حلقہ بگوش بننا چاہتے ہیں۔ غرض اب پورا ایران امام علاؤ الدین کے لیے سرگوش ہے۔“

یہ خط بعد میں خوارزمیوں کے ہاتھ لگا تو انہیں اپنی مصیبتوں پر باطنیوں کی مسرت کا اندازہ ہوا۔ (سیرۃ جلال الدین ص: ۲۷۸) سلطان کا حال..... سلطان جلال الدین تاتاریوں کے زرخے سے بچ نکلنے کے بعد یہ سوچ کر اصفہان کی طرف نہ گئے کہ کہیں تاتاری بھی ان کے تعاقب میں اصفہان کا رخ نہ کر لیں<sup>(۶۰)</sup> چنانچہ دشمن کی نگاہوں سے بچتے ہوئے وہ اورستان کے پہاڑوں میں پہنچ گئے اور ایک گھاٹی میں پناہ لی۔ ان کے ہزیمت خوردہ لشکر کے مفروز سپاہیوں میں سے بعض افراد ایک ایک دودو کر کے اسی طرف آتے رہے اور حسن تقدیر سے سلطان کی اچانک ملاقات سے لطف اندوز ہوتے رہے۔<sup>(۶۱)</sup>

سلطان کا اہل اصفہان کو پیام..... اہل اصفہان اپنی شجاعت و حمیت کے لیے مشہور و معروف تھے<sup>(۶۲)</sup> مگر اس وقت تاتاریوں کے محاصرے میں ان کی حالت زار ناقابل بیان تھی۔ فوج اور لڑنے والے رضا کاروں کی قوت ٹوٹ چکی تھی۔ سلطان جلال الدین جو اس بھیانک طوفان میں مسلمانوں کی ڈوبتی ہوئی کشتی کا آخری سہارا تھے، لاپتہ ہو چکے تھے۔ شہر کے ہر چھوٹے بڑے پرافردگی طاری تھی۔ شہر کے عمائد کو کوئی راہ نہیں سوچ رہی تھی۔ باغیانہ ذہن رکھنے والے بعض مقامی امراء، سلطان جلال الدین اور خوارزمی سپاہیوں کو اس تمام تر صورتحال کا ذمہ دار ٹھہرا رہے تھے۔ ان کے نزدیک اہل اصفہان کا سلطان جلال الدین کی حلقہ بگوشی اختیار کرنا اور خوارزمیوں کو اصفہان میں رہنے کا موقع دینا ان کی وہ حماقت تھی جس کی وجہ سے تاتاریوں نے اصفہان پر حملہ کیا تھا اور اب اس آفت سے چھٹکارے کا طریقہ یہی تھا کہ خوارزمی سپاہیوں کو اصفہان سے نکلنے پر مجبور کر دیا جائے۔

قاضی القضاۃ رکن الدین صاعد اور دیگر عمائد شہر نے بمشکل ان امراء کو سمجھا بجا کر ٹھنڈا کیا۔ خانہ جنگی کے خطرے سے بچنے کے لیے بالآخر یہ طے پایا گیا کہ اگر سات دن تک سلطان کی واپسی نہ ہوئی تو اہل اصفہان اپنے معاملات

میں خود مختار ہوں گے۔ عمائد اور قاضی صاحب کو اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ اگر عید الفطر کی نماز تک سلطان کا اتا پتہ نہ چلا تو سلطان کے بہنوئی امیر ایغان طابسی کو جو کہ بیماری کے سبب جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا، سلطان کی جگہ خوارزمیوں کا بادشاہ مان کر تخت پر بٹھادیا جائے گا، کیونکہ لے دے کے اب خوارزمیوں میں وہی ایک تجربہ کار سیاست دان تھا اور حسب نسب کے لحاظ سے نمایاں وجاہت رکھتا تھا۔<sup>(۱۴)</sup>

بہر کیف ابھی شہر میں یہ عہد و پیمان ہو رہے تھے کہ سلطان جلال الدین کا قاصد خفیہ طور پر شہر کے امراء و اکابر کی خدمت میں آ پہنچا، اس نے سلطان کا سلام پہنچا کر کہا:

”سلطان عالی وقار بفضل تعالیٰ بخیریت ہیں اور فرما رہے ہیں کہ میں کسی ایک جگہ قیام کرنے کے بجائے گھوم پھر کر اپنا بکھرا ہوا لشکر جمع کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، اس کے بعد میں اور آپ متفق ہو کر ایک ساتھ محاصرہ کرنے والے تاتاریوں پر ٹوٹ پڑیں گے اور انہیں پیچھے دھکیل دیں گے۔“<sup>(۱۵)</sup>

اصفہان کے رؤساء اور عمائد اس بشارت سے نہایت خوش ہوئے اور سلطان کا حکم بسر و چشم قبول کر کے ان کی بھرپور نصرت و امداد کا عہد کیا، چونکہ یہ پیغام رسانی خفیہ تھی، اس لیے بہر حال عوام کو سلطان کے زندہ یا شہید ہونے کا کوئی علم نہ ہوسکا۔ شہر میں طرح طرح کی افواہیں پھیل رہی تھیں اور عجب منجھے کا عالم طاری تھا۔

عید گاہ میں سلطان کی آمد ..... عید الفطر کے دن لوگ عید گاہ میں صفیں باندھ کر کھڑے تھے کہ دور سے گردوغبار بلند ہوتا دکھائی دیا۔ دل دھڑکنے لگے، امید و بیم کی کیفیت میں نگاہیں اسی طرف جم گئیں۔ ہر چہرہ سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔ آخر گردوغبار چھٹنے لگا اور مجاہدین و عوام کے محبوب قائد سلطان جلال الدین خوارزم شاہ گھڑ سواروں کے ایک دستے کے ساتھ شہر میں داخل ہوتے دکھائی دیے۔<sup>(۱۶)</sup> سلطان کو اچانک اپنے سامنے پاکر مجاہدین اور عوام مسرت سے بے قابو ہو گئے اور خوشی سے نعرے لگاتے ہوئے ان کے استقبال کے لیے دوڑے۔ سلطان کی آمد سے عید الفطر کی گم شدہ بہاریں لوٹ آئی تھیں۔ سلطان نے سب کے ساتھ مل کر نماز عید ادا کی۔<sup>(۱۷)</sup>

آخری معرکہ اور فتح بمین ..... مقابلے کی از سر نو منصوبہ بندی کرنے کے بعد ایک دن سلطان اپنی فوج اور اصفہان کے رضا کاروں کی مشترکہ قوت کے ساتھ تاتاری لشکر سے مقابلے کے لیے نکل آئے۔ ایک بار حق و باطل کا معرکہ برپا ہوا۔ خوارزمی، ترک اور فارسی سپاہیوں کے ساتھ ساتھ مقامی رضا کاروں نے بھی بڑی پامردی، استقلال اور سرفروشی کے ساتھ اس جنگ میں حصہ لیا۔ ایک نہایت خوں ریز معرکہ کے بعد تاتاریوں کو شکست فاش ہوئی اور وہ بُری طرح پٹ کر رہے کی طرف بھاگے۔ سلطان جلال الدین گزشتہ نقصانات کا پورا پورا بدلہ چکانا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے دشمنان اسلام کا پیچھا نہ چھوڑا اور کئی روز تک ان کو ہانکتے اور گھیر گھار کر موت کے گھاٹ اتارتے رہے۔ تقریباً تین سو کلو میٹر طویل پسپائی کے بعد بچے کچے تاتاری رے سے آگے پہنچ گئے۔<sup>(۱۸)</sup> مگر سلطان کے حکم سے فوج نے اس وقت تک ان کا تعاقب جاری رکھا جب تک وہ دریائے جیحون کے پار نہ چلے گئے۔<sup>(۱۹)</sup>

اس عظیم فتح سے سلطان کی گزشتہ معرکہ میں شکست کا بڑی حد تک ازالہ ہو گیا۔ تاتاری بھی سلطان سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ تین سال تک انہیں دریائے جیحون عبور کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

اس عظیم کامیابی کے بعد سلطان نے اصفہان واپس آ کر ان تمام افسران اور سپاہیوں کو انعام و اکرام سے نوازا



جنہوں نے حالیہ معرکوں میں جرأت و بہادری کی نئی داستانیں رقم کی تھیں۔ اس کے بالمقابل گزشتہ معرکے کی شکست میں جن افسران اور امراء کی بزدلی اور حماقت کا دخل تھا سلطان نے انہیں عام جمعوں کے اندر رسوا کیا اور انہیں نشانِ عبرت بنانے کے لیے برقعے پہنا کر شہر کے بازاروں اور گلیوں میں گشت کرایا۔<sup>(۶۹)</sup>

چنگیز خان کے جانشین کا اظہارِ برأت ..... اس جنگ میں شکست کے بعد تاتاریوں کی خفت کا یہ عالم تھا کہ چنگیز خان کے جانشین اوکتائی خان نے سلطان کو خط لکھ کر اصفہان پر حملہ آور فوجوں سے اپنی لائقیت کا اظہار کیا۔ ابن اثیر نے تو یہاں تک نقل کیا ہے کہ چنگیز خان کے جانشین نے سلطان کو کہلوایا تھا کہ ان حملہ آوروں کو ہم نے دھتکار دیا ہے۔<sup>(۷۰)</sup>

مگر یہ بات ناقابلِ یقین تھی کہ تاتاریوں کے اتنے بڑے بڑے لشکر خاقان کی اجازت کے بغیر کسی ملک پر حملہ کرنے کی جرأت کریں ..... اور پھر جب مقابل میں تاتاریوں کا قومی اور روایتی حریف سلطان جلال الدین ہو تو یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ حملہ آور افواج اپنی حکومت کی اجازت اور باقاعدہ منصوبہ بندی کے بغیر اس کی طرف بڑھی ہوں گی۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ حملہ آور لشکر خاقان کی طرف سے نہیں آئے تھے تو پھر ایسے سوالات جنم لیتے ہیں جن کے جوابات کسی طرح نہیں مل پاتے مثلاً یہ حملہ آور تھے کون، کہاں سے آئے تھے، واپس کہاں چلے گئے، ان کی چھاؤنی کہاں تھی، ملک کونسا تھا، بادشاہ کون تھا، اگر خاقان نے انہیں دھتکار دیا تھا تو ان کو فطری طور پر خاقان کے حریف جلال الدین سے اتحاد کر لینا چاہیے تھا ..... انہوں نے اس کے برعکس جنگ کیوں شروع کر دی۔ یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ جنگوں کا یہ موسم ایک سال سے کچھ زائد مدت تک چلا تھا، اس دوران خاقان نے حملہ آوروں سے اظہارِ برأت کیوں نہ کیا، اس کا خیال شکستِ فاش کے بعد ہی کیوں آیا۔ معلوم ہوا کہ خاقان کا یہ بہانہ اپنی خفت مٹانے کی ناکام کوشش کے سوا کچھ نہ تھا۔

تاتاریوں کی خلاف لڑے جانے والے ان معرکوں کے نتائج و ثمرات ..... ۶۲۳ھ اور ۶۲۵ھ میں تاتاریوں کے خلاف لڑے جانے ان معرکوں سے ہمیں سلطان جلال الدین کی قوتِ ایمانی، عزم و استقلال اور جو صلے کا بخوبی انداز ہو سکتا ہے۔ ان دو سالوں کے اکثر اوقات میں سلطان کسی نہ کسی محاذ پر تاتاریوں سے برسرِ پیکار رہے یا اس کی تیاری اور تگ و دو میں مصروف رہے۔ اس طویل جنگی سلسلے کا آغاز ایسے وقت ہوا جبکہ سلطان کا دیگر مسلم حکمرانوں سے اتحاد ٹوٹ چکا تھا اور ان کے اکثر حلیف حریف بن چکے تھے۔ سلطان نے یہ سب جنگیں تنہا لڑی تھیں۔ بیرونی حکمرانوں میں سے صرف سلطان علاؤ الدین کی قبائدان کی مالی اعانت کر کے اس جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ دار بننا تھا۔

عالمی سطح پر اس تنہائی کے باوجود سلطان جلال الدین چٹان کی طرح ڈٹ کر تاتاریوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ ان کو دو تین میدانوں میں شکست بھی ہوئی، اپنوں کی غداری اور اندرونی شورشوں سے بھی ساتھ ہی ساتھ پالا پڑا، پھر بھی ان کی حوصلہ مندی اور اولوالعزمی میں کمی نہ آئی اور وہ ایک میدان میں شکست کھا کر دوسری رزم گاہ میں اس شکست کا بدلہ لیتے رہے ..... حتیٰ کہ انجام کار دشمنانِ دین کو خائب و خاسر ہو کر لوٹا پڑا اور مسلمانوں کو فتحِ ممین نصیب ہوئی۔ اس فتح کے اثرات سے تمام عالمِ اسلام مستفید ہوا اور سلطان کی ہمت، قربانی اور سرفروشی کی بدولت تاتاری اپنی اس دوسری یورش میں جس کا آغاز چنگیز خان کے زمانے میں اور اختتام اس کے بیٹے اوکتائی خان کے دور میں ہوا، نہ صرف عالمِ اسلام کی ایک انچ سر زمین پر بھی قبضہ نہ کر سکے بلکہ آئندہ بھی چند سالوں کے لیے امتِ مسلمہ ان کے شر سے محفوظ ہو گئی۔



## حواشی و حوالہ جات

- ① سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۲.....خوارزم شاہی ص ۱۷۹
- ② ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۰
- ③ تاریخ مختصر الدول ص ۲۴۴، ۲۴۵.....سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۲۳۳.....الاعلام بوفیات الاعلام ج ۲ ص ۲۵۷
- ④ سیرۃ جلال الدین ص ۲۶۱، ۲۶۲.....خوارزم شاہی ص ۱۸۱
- ⑤ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۱.....الاعلام بوفیات الاعلام ج ۲ ص ۲۵۷
- ⑥ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۲.....خوارزم شاہی ص ۱۶۸
- ⑦ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ
- ⑧ ابن اثیر، ج ۷ ص ۶۴۴
- ⑨ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۲.....خوارزم شاہی ص ۱۶۸.....تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ
- ⑩ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ
- ⑪ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۴
- ⑫ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۳.....تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ
- ⑬ جہاں کشاج ص ۱۶۸
- ⑭ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۳.....خوارزم شاہی، ص ۱۶۸.....تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ.....
- ⑮ جہاں کشاج ص ۱۶۸
- ⑯ جہاں کشاج ص ۱۶۸
- ⑰ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ
- ⑱ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۲.....ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۸
- ⑲ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ
- ⑳ گلستان و بوستان میں شیخ سعدی رحمہ اللہ کا ممدوح
- ㉑ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۴
- ㉒ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ
- ㉓ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۳.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۲

۳۲) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۲.....خوارزم شاہی، ص ۱۶۹

۳۵) تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۲ھ

۳۶) جہاں کشاج ص ۱۶۸

۳۷) یہ ابن اثیر رحمہ اللہ کا قول ہے، دیگر مؤرخین کے نزدیک یہ ۶۲۲ھ کا واقعہ ہے، مگر قرآن سے ابن اثیر کا قول رائج معلوم ہوتا ہے۔

۳۸) جہاں کشاج ص ۱۶۹ (۲۹) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۴.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۲

۳۹) تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۲ھ

۴۱) خوارزم شاہی ص ۱۶۹ (۳۱) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۴

۴۲) تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۲ھ

۴۳) جہاں کشاج ص ۱۶۹.....خوارزم شاہی ص ۱۶۹

۴۵) جہاں کشاج ص ۱۶۹ (۳۱) جہاں کشاج ص ۱۶۹

۴۷) شذرات ج ۵ ص ۱۱۳.....العبر ج ۳ ص ۱۹۲.....تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۲ھ

۴۸) تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۲ھ

۴۹) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۵.....خوارزم شاہی ص ۱۶۹

۵۰) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۵.....خوارزم شاہی ص ۱۷۰

۵۱) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۵.....تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۲ھ

۵۲) خوارزم شاہی ص ۱۷۰

۵۳) تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۲ھ.....خوارزم شاہی ص ۱۷۰

۵۴) تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۲ھ

۵۵) جہاں کشاج ص ۱۶۹.....تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۲ھ

۵۶) جہاں کشاج ص ۱۶۹ (۳۱) جہاں کشاج ص ۱۶۹

۵۸) تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۲ھ

۵۹) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۶.....خوارزم شاہی ص ۱۷۰

۶۰) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۶.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۲.....تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۲ھ

۶۱) جہاں کشاج ص ۱۶۹.....روضۃ الصفاح ص ۸۳۰

۶۲) العبر ج ۳ ص ۱۹۲.....شذرات الذہب ج ۵ ص ۱۱۳

۶۳) شیخ سعدی رحمہ اللہ (متوفی ۶۹۱ھ) نے بوستان کے باب پنجم میں ”حکایت شاطر سپاہی“ کے عنوان سے تاتاریوں کے خلاف ایک معرکہ کارزار میں اپنے ایک اصفہانی دوست کی شرکت کا قصہ نقل کیا ہے اور اپنی بحر بیانی سے گویا اس گھمسان کی جنگ کا نقشہ نگاہوں کے سامنے کھینچ دیا ہے۔ قرآن سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ رحمہ اللہ نے

اصفہان کے اسی معرکے کا حال بیان کیا ہے۔

۵۴..... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ

۵۵..... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۸

۵۶..... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ..... سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۶..... نہایت الارب

ج ۷ ص ۳۷۲

۵۷..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۴

۵۸..... تاریخ گزیدہ ج ۲ ص ۵۰۲..... سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۶..... نہایت الارب ج ۷ ص ۳۷۲

۵۹..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۵ ۶۰..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۵

۶۱..... جہاں کشاج ج ۲ ص ۱۶۹..... ابن اثیر نے لورستان کے بجائے ”سمرم“ نامی مقام کا ذکر کیا ہے جو اصفہان اور شیراز

کے درمیان ایک قصبہ تھا۔

۶۲..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۵

۶۳..... تاریخ گزیدہ ج ۲ ص ۵۰۲..... سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۷

۶۴..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۵ ۶۵..... جہاں کشاج ج ۲ ص ۱۷۰

۶۶..... جہاں کشاج ج ۲ ص ۱۷۰ ۶۷..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۵

۶۸..... سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۸..... خوارزم شاہی ص ۱۷۱

۶۹..... جہاں کشاج ج ۲ ص ۱۷۰

۷۰..... سیرۃ جلال الدین ص ۲۳۸..... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۵

————— ❦ —————

## اتحادی لشکر سے جہاد

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا  
حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ..... یہ ایسے ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ ان لوگوں نے تمہارے لیے  
فوج جمع کی ہے، تم ان سے ڈرو تو اس بات نے ان کا ایمان بڑھا دیا اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے  
اور وہ اچھا کارساز ہے۔ (آل عمران، آیت: ۱۷۳)

گریجوں کا دیگر حکومتوں سے اتحاد..... سلطان جلال الدین تاتاریوں کو درس عبرت دے کر فارغ ہوئے تو انہیں  
ایک بار پھر گرجستان کے محاذ کی طرف توجہ دینا پڑی۔ اگرچہ گریجوں کی قوت ٹوٹ چکی تھی، مگر ایک طویل عرصے تک  
سلطان کی تاتاریوں سے نبرد آزمائی کے سبب انہیں آس پاس کے متعدد حکمرانوں کو اپنے ساتھ ملا کر سلطان کے خلاف  
متحدہ محاذ بنانے کے لیے کافی وقت مل گیا تھا۔

یہ وہ وقت تھا کہ سلطان کی فتوحات سے ارد گرد کے سارے ارباب اقتدار لرز رہے تھے۔ سلطان جلال الدین  
دریائے سندھ کے ساحلی علاقوں سے لے کر قفقاز کے پہاڑوں تک ایک ایسی وسیع و عریض مملکت قائم کر چکے تھے جو  
افراد کی قوت کی کمی اور اقتصادی حالت کی کمزوری کے باوجود رقبے کے لحاظ سے اس زمانے کی سب سے بڑی اسلامی  
سلطنت بن گئی تھی۔ تاتاریوں کے خلاف حالیہ کامیابیوں نے سلطان کے جاہ و جلال اور سطوت و شوکت میں مزید  
اضافہ کر دیا تھا۔

چاہئے تو یہ تھا کہ سلطان کے پڑوسی حکمران، تاتاری یلغار کے سامنے ان کے سید سکندری بن جانے پر ان کے  
مشکور و ممنون ہوتے، مگر مسند حکومت کے ان پجاریوں کو سلطان کی ہر نی کامیابی سے اپنی کرسی ڈگمگاتی نظر آتی اور عروج  
کی طرف سلطان کا ہر قدم انہیں اپنے سینے پر محسوس ہوتا۔ چنانچہ گریجوں نے ان حکمرانوں کو اپنے ساتھ ملا کر سلطان  
کے خلاف ایک اتحاد تشکیل دینے میں دیر نہ لگائی اور تاتاریوں کے جھنجھٹے سے فرصت پاتے ہی سلطان کو گرجستان کی  
سرحدوں پر ایک نیا سیلاب اُمنڈتا نظر آنے لگا جو کوئی درجن بھر حکومتوں کی جارحانہ قوتوں کا مجموعہ تھا۔ سلطان کے  
خلاف یلغار کرنے والے اس لشکر میں مندرجہ ذیل حکومتوں اور قبائل کا اشتراک تھا:

1 گرجی	2 قپچاق	3 ارمن	4 آلان
5 لکڑ	6 سریر	7 سونیان	8 ابخاز
9 جانیٹ	10 روم	11 شام	

سلطان کی عسکری شوریٰ کا اجلاس..... سلطان جلال الدین کو دشمن کی بے پایاں تیاریوں کی اطلاعات مسلسل مل

رہی تھیں۔ انہوں نے ”مندور“ کے مقام پر پڑاؤ ڈال کر عسکری شوریٰ کا اجلاس طلب کیا۔ سپہ سالاروں اور امرائے سلطنت کی آراء سننے کے بعد سلطان نے وزیراعظم کو اظہار خیال کا موقع دیا۔ وزیراعظم نے فصیح و بلیغ عبارت کے ساتھ مؤدبانہ انداز میں عرض کیا:

”عالم پناہ! دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے، ہماری افرادی قوت ان کا عشر عشر بھی نہیں ہے، لہذا فی الوقت لڑائی چھیڑنے کے بجائے ہمیں موسم گرما تک انتظار کرنا چاہئے، اس دوران ہمارے چھاپے مارستے دشمن کی کمک ورسد کو لوٹتے رہیں گے۔ موسم گرما تک خوراک کی عدم فراہمی کی بناء پر دشمن کے سپاہی اور گھوڑے کمزور ہو جائیں گے۔ نیز اس وقت تک ہماری وہ افواج جو دور دراز کی سرحدوں پر تعینات ہیں ہماری مدد کو پہنچ جائیں گی۔ تب ہم ایک بارگی حملہ کر کے دشمن کو روند دیں گے۔“

کم ہمت وزیراعظم کی اس ”حکیمانہ“ تقریر کے دوران سلطان غصے کی شدت سے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ اُس کے خاموش ہوتے ہی سلطان نے قلمدان سے دوات اٹھا کر وزیراعظم کے سر پر دے ماری اور گرج کر کہا: ”تم مجھے ان بھیڑ بکریوں سے ڈرا رہے ہو..... بھلا شیر کو بکریوں کے ریوڑ کی کثرت سے کیا خوف ہو سکتا ہے؟“ ⑤

جہاد کے لیے نفیر عام..... سلطان نے فیصلہ سناتے ہوئے نفیر عام کا اعلان کر دیا۔ ہر طرف سے عوام و خواص جہاد کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے پروانہ وار چلے آئے۔ گھوڑوں کے گلے اور اسلحہ ورسد کے ذخائر حتیٰ الوسع جمع کر لیے گئے۔ چند دن بعد سلطان نے فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ دوسری سمت سے متحدہ لشکر بھی پیش قدمی کر رہا تھا۔ سلطان نے ایک کشادہ میدان میں اپنی فوج کی صف بندی کی۔ جب دشمن کی افواج قریب آن پہنچیں تو سلطان ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر ان کا جائزہ لینے لگے۔ ایک اعصاب شکن منظر ان کے سامنے تھا۔ تاحد نگاہ پیادوں اور سواروں کی صفیں ایستادہ ہو رہی تھیں جن کا آخری سرانظروں سے اوجھل تھا۔ گرجستان کے عیسائیوں کے علاوہ شمال اور مغرب کے تقریباً تمام جنگجو قبائل اپنے اپنے پرچموں سمیت میدان میں پڑے جمائے کھڑے تھے۔ سلطنت روم اور شام کے مسلمان سپاہی بھی اتحادیوں کی صفوں میں دکھائی دے رہے تھے۔ اگرچہ سلطان کو ان تفصیلات کا پہلے سے علم تھا، مگر اب اس بحر متلاطم کو آنکھوں کے سامنے پا کر وہ اور ان کے تمام سپاہی یہ محسوس کر رہے تھے کہ سارا عالم ان کے مقابلے میں نکل آیا ہے۔ ⑥

سلطان نے سمجھ لیا کہ کھلے میدان میں صرف افرادی طاقت کے بل بوتے پر اس سیلاب کو روکنا بہت مشکل ہوگا، اس کے لیے کوئی ایسی چال چلنی پڑے گی جس سے دشمنوں میں انتشار پھیل جائے، ان کا اتحاد بے اعتمادی کی نذر ہو جائے اور لڑائی سے پہلے ہی وہ نفسیاتی طور پر جنگ ہار جائیں۔ سلطان اس مقصد کے لیے کچھ دیر منصوبہ بندی کرتے رہے، جلد ہی ان کے زرنجز ذہن نے ایک مرحلہ وار منصوبہ ترتیب دے ڈالا۔

سلطان جلال الدین کا حربہ..... اتحادیوں کے دائیں بازو کی افواج میں قبیچائی جنگجوؤں کے بیس ہزار مسلح افراد تھے کھڑے تھے۔ ان کے روایتی پرچم ان کی صفوں میں جگہ جگہ لہرا رہے تھے۔ قبیچائی قبائل سے خوارزمی سلاطین کی قدیم رشتہ داری تھی۔ سلطان کی دادی ترکان خاتون اسی قبیلے کی ایک شاخ سے تعلق رکھتی تھی۔ انہیں اپنے خلاف صف آراء پا کر سلطان نے سوچا کہ اگر کسی طرح انہیں اتحادی افواج سے علاحدہ کر دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ ان کے دشمنوں کی

تعداد کم ہو جائے گی، بلکہ باقی متحدہ لشکر کا باہمی اعتماد بھی متزلزل ہو جائے گا۔ کچھ توقف کے بعد سلطان نے ایک ترکیب سوچ لی۔ انہوں نے روٹی کے ایک ٹکڑے پر تھوڑا سا نمک رکھ کر ایک قاصد کے حوالے کرتے ہوئے کہا:

”خفیہ طور پر قچا قی لشکر کے سپہ سالار سے ملو اور یہ روٹی اور نمک اس کو پہنچا کر میری طرف سے کہہ دو..... تم بھول گئے کہ والد محترم سلطان علاؤ الدین محمد مرحوم کے زمانہ اقتدار میں کئی بار میں نے ہی تمہاری سفارش کر کے تمہیں ان کی گرفت سے بچایا تھا اور قید و بند کے مصائب سے تمہیں چھٹکارا دیا تھا۔ کیا تم اپنی نمک حلائی کا ثبوت پیش کرنے اور میرے احسانات کا بدلہ دینے کے لیے میرے بالمقابل شمشیر بکف ہو کر آئے ہو!!“

سلطان کا تیرنشانے پر لگا۔ جب قاصد نے قچا قی سالار کو روٹی اور نمک پیش کر کے یہ پیغام سنایا تو وہ شرم سے پانی پانی ہو گیا، اس پیغام کا ہر لفظ اس کی غیرت و حمیت پر ایک چوٹ لگا رہا تھا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ فوراً میدان سے نکل جائیں۔

سلطان کا دوسرا مقصد بھی اسی حربے سے پورا ہو گیا، دوسرے اتحادی سالار قچا قی لشکر کی علاحدگی کی اصل وجہ نہ جاننے کے باعث طرح طرح کے شکوک و شبہات کا شکار ہو گئے اور لڑائی کے آغاز سے قبل ہی ان میں بد اعتمادی اور بد دلی پھیلنے لگی۔<sup>⑤</sup>

ایک اور چال..... سلطان جلال الدین دشمن کی اس دلی کیفیت کو بھانپ رہے تھے اور موقع غنیمت جان کر عام حملے سے قبل ایک اور نفسیاتی ضرب لگانا چاہتے تھے۔

اتحادی لشکر میں اصل کردار گرجی ادا کر رہے تھے۔ متحدہ افواج کی عمومی قیادت بھی ایک گرجی سردار ”ایوانی“ کے ہاتھ میں تھی۔ سلطان نے قاصد کی معرفت اسے یہ پیغام بھیجا:

”آپ بہت دور سے سفر کر کے آئے ہیں..... تھکے ہوئے ہیں، گھوڑے بھی خستہ حال ہو رہے ہیں..... تو کیوں نہ ایسا کر لیا جائے کہ دونوں جانب سے چنے ہوئے لڑاکا جوان میدان میں آئیں اور ایک ایکی جنگ کے جوہر دکھائیں، ہم ان کی لڑائی کا نظارہ کر کے لطف اندوز ہوں گے۔“

ایوانی کو کبھی یہ پیش کش دلچسپ معلوم ہوئی اور اس نے ہاں کر دی۔<sup>⑥</sup>

ہَلْ مِنْ مُبَادِرٍ..... دونوں لشکر آمنے سامنے صف آراء تھے۔ اتحادیوں کی فوج میں گرجی اپنی قوت، قد و قامت اور دلیری کے لحاظ سے سب سے فائق شمار کیے جاتے تھے، اس لیے ان کی جانب سے ایک نامور پہلوان گھوڑا دوڑاتا ہوا صفوں سے برآمد ہوا جو اپنے بلند قد و کاٹھ، فولادی لباس اور مہیب اسلحے کے باعث لوہے کا پہاڑ معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے میدان میں آتے ہی ہاتھی کی طرح چنگھاڑتے ہوئے مبارزت طلبی شروع کی۔ مسلمانوں کی صفوں سے عام سی ہیئت اور معمولی قد و قامت کا ایک سوار نکل کر تیر کی طرح اس کی طرف گیا۔ دیکھنے والوں نے گمان کیا کہ ایک کم سن بچہ کسی دیو کے سامنے آکھڑا ہوا ہے۔<sup>⑦</sup>

گرجی پہلوان چشم زدن میں یہ کھیل نمٹا دینے کے لئے بلا توقف اپنی بھاری بھر کم تلوار سونت کر اس ہلکے پھلکے مجاہد پر ٹوٹ پڑا۔ مجاہد بجلی کی طرح تڑپ کر چمک دے کر گیا۔ گرجی کی تلوار سنسناتی ہوئی اس کے قریب سے گزر گئی۔ گرجی نے رکنے بغیر چند اور وار کیے، مگر اس کی تلوار ہوا میں نصف دائرے بنا کر رہ گئی۔ یکا یک مجاہد اپنا نیزہ سنبھال کر

تیزی سے پلٹنا، ”اللہ اکبر“ کی گونج دار صدا کے ساتھ ہی ایک بھیا تک چیخ سنائی دی۔ لوگوں نے دیکھا کہ گرجی پہلوان گھوڑے سے گر کر تڑپ رہا ہے۔ مجاہد کا نیزہ اس کی پشت سے پار ہو چکا تھا۔ متحدہ افواج کے سپاہی قلق اور بے چینی کے عالم میں اپنے ہونٹ کاٹ رہے تھے، جبکہ مسلمان خوشی سے نعرہ نکبیر بلند کر رہے تھے، تحسین و آفرین کی صداؤں سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ⑤

گرجی پہلوان کے مرنے کے بعد بھی اس شاہین صفت مجاہد نے میدان نہ چھوڑا اور کسی نئے مقابل کا انتظار کرنے لگا۔ دشمن کی صفوں سے ایک اور مسلح جوان برآمد ہوا۔ یہ مقتول گرجی پہلوان کا بیٹا تھا، قد و قامت میں اپنے باپ سے کم معلوم نہیں ہوتا تھا، اس کی نگاہیں خون آلود تھیں اور چہرہ شدت غضب سے انگارہ ہوا جا رہا تھا۔ وہ ایک زلزلے کی طرح میدان میں کودا اور اپنے حریف پر پھل پڑا۔ تلواروں کی ہولناک جھکنا چند لمحے تک گونجتی رہی۔ فریقین دم بخود ہو کر زندگی اور موت کا یہ کھیل دیکھ رہے تھے۔ پھر یکا یک ایک جگر دوز چیخ سنائی دی۔ گرجیوں نے نہایت مایوسی کے عالم میں یہ منظر دیکھا کہ ان کا دوسرا بہترین لڑاکا بھی خاک و خون میں لت پت تڑپ رہا ہے۔

ایک جانب سے مسرت کے قہقہوں اور دوسری جانب سے بے ہنگم انتقامی نعروں کی گونج میں گرجیوں کا تیسرا قسمت آزمایا میدان میں داخل ہوا۔ یہ بھی اسی مقتول گرجی پہلوان کا بیٹا تھا۔ مجاہد نے اس کا قصہ نمٹانے میں بھی زیادہ دیر نہ لگائی اور ایک مختصر مگر تند و تیز مقابلے کے بعد اسے بھی مار گرایا۔

گرجیوں اور ان کے اتحادیوں کی بنفیس ڈوب رہی تھیں۔ ان کے سالار سوچ رہے تھے، سلطان جلال الدین کی فوج کے ایک عام سپاہی کا یہ دم ختم ہے تو یقیناً ہم سب مل کر بھی اس سے ٹکر نہیں لے سکتے۔

مجاہد اسی طرح میدان میں ثابت قدم کھڑا تھا۔ تین طاقتور حریفوں سے یکے بعد دیگرے مقابلے کے بعد بھی اس کے جسم پر تکان کے کوئی آثار نہ تھے۔ اب بھی وہ ہلّ مِنْ مُبَارِز کا نعرہ لگاتے ہوئے برسر میدان زور آزمائی کے لیے کسی مقابل کو لٹکا رہا تھا۔ اتحادی لشکر سے ایک اور پہلوان غصے سے پھٹکارتا ہوا باہر آیا۔ اس کے چہرے کے خدو خال یہ یقین دلا رہے تھے کہ وہ بھی اس سے قبل مقابلے میں مارے جانے والے پہلوانوں کا بھائی ہے۔

مجاہد نے پورے استقلال اور اعتماد سے اس کے ساتھ شمشیر و سناں کا کھیل کھیلنے کے بعد اسے بھی موت کا کڑوا جام پینے پر مجبور کر دیا۔ کچھ دیر کے لیے اس رزم گاہ میں سناٹا چھا گیا۔ دشمن ہی نہیں دوست بھی دم بخود ہو کر اس شمشیر زن کو دیکھ رہے تھے جس کے فولادی بازو چار دیو پیکر انسانوں کو نمٹا چکے تھے اور اس کی عتابی نگاہیں بدستور کسی پانچویں شکار کی تلاش میں تھیں۔ دیر تک اتحادی افواج میں سکوت مرگ طاری رہا، کسی کو سامنے آنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

آخر ان کا ایک نامی گرامی سردار جی کڑا کر مقابلے کے لیے میدان میں اُتر آیا۔ اس سے قبل گرجی اپنے چار بہترین مایہ ناز بہادروں کو گونوا چکے تھے، مگر یہ ان کے ترکش کا سب سے کڑا تیر تھا۔ جب یہ خطرناک لڑاکا سردار مبارزت گاہ میں اُتر آ تو اس کے کوہ قامت جسم اور فیل پیکر گھوڑے کو دیکھ کر لوگ عیش عیش کرا اٹھے اور جب اس نے اپنی شمشیر آتش بار سونت کر اپنے سخت جان حریف پر حملہ کیا تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اصل جنگ اب شروع ہوئی ہے۔

تلواریں باہم ٹکرائیں چڑگاریاں جھاڑ رہی تھیں۔ گرجستان کا دیو مسلسل جارحانہ حملے کر رہا تھا اور مجاہد دفاعی انداز میں

پیچھے ہٹتے ہوئے اس کے پے در پے وار روک رہا تھا۔ اس کے بازوؤں میں ابھی قوت باقی تھی، مگر پریشان کن بات یہ تھی کہ اس نازک حالت میں اس کا گھوڑا تھکن سے چور ہو کر جواب دینے والا تھا۔ گرجی بھی اس کمزوری کو بھانپ چکا تھا، اس لیے وہ وار پر وار کیے جارہا تھا تا کہ جلد از جلد اس قصے کو منمادے۔ گرجی کا پلہ بھاری دیکھ کر مسلمانوں کے دل دھک دھک کر رہے تھے، خصوصاً ان افسران اور امراء کے چہروں کے رنگ فق ہو چکے تھے جنہیں یہ حقیقت معلوم تھی کہ یہ ایک عام مجاہد کے بھیس میں خود سلطان جلال الدین خوارزم شاہ مقابلے پر ہیں۔

لڑائی پوری شدت سے جاری تھی۔ سلطان اپنے گھوڑے کی کمزوری کے سبب چند زخم کھا چکے تھے اور سمجھ چکے تھے کہ لڑائی کو مزید طول دینا خودکشی کے مترادف ہوگا۔ پلک جھپکتے میں انہوں نے ایک فیصلہ کیا اور عین اس لمحے جب دشمن اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر ان پر نہایت کاری وار کر رہا تھا، انہوں نے اپنا نیزہ تھامتے ہوئے گھوڑے کی پشت سے چھلانگ لگا دی، گرجی کی ضرب خالی گئی، اس کے ساتھ ہی سلطان نے بجلی کی طرح پلٹ کر نیزے کا ایک ایسا زوردار وار کیا کہ دیونمسا سردار کا پیٹ پھٹ گیا اور اس کی انتڑیاں باہر نکل آئیں۔ ④

نصرت خداوندی کا نزول..... لشکر اسلام سے دوا و تحسین اور تکبیر و تہلیل کے نعرے بلند ہو کر سماء ارضی تک جا پہنچے۔ اس کے برعکس دشمن کی صفوں میں کہرام مچ گیا۔ مایوسی، بددلی اور دہشت ان کے دلوں پر چھا گئی۔ سلطان کو اسی لمحے کا انتظار تھا۔ انہوں نے اپنی فوج کو عام حملے کا حکم دے دیا۔ گرجیوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ تھوڑی دیر میں وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ انہیں پسپا ہوتے دیکھ کر بقیہ اتحادی فوجیں بھی جم کر نہ لڑ سکیں اور جلد ہی وہ بھی گرجیوں کی تقلید پر مجبور ہو گئیں۔ سلطانی لشکر کو بے اندازہ مالی غنیمت حاصل ہوا۔ عطا ملک جوینی لکھتا ہے:

”اس قدر مال غنیمت حاصل ہوا کہ بھیڑ بکریوں کی طرف کسی کو التفات ہی نہ رہا اور دولت اتنی عام ہوئی کہ مال مویشی شمار میں نہیں آتے تھے۔“ ⑤

اس طرح یہ لڑائی جس میں فتح ناممکن دکھائی دے رہی تھی تا سدا یزدی سے کسی بڑے نقصان کے بغیر مسلمانوں کی زبردست کامیابی اور اہل باطل کی کھلی شکست پر اختتام پذیر ہوئی۔

————— ❦ —————



## حواشی و حوالہ جات

- ① جہاں کشاج ۲ ص ۱۷۰ ..... ② جہاں کشاج ۲ ص ۱۷۱..... روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۳۱
- ③ جہاں کشاج ۲ ص ۱۷۱، ۱۷۲..... روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۸۳۱
- ④ جہاں کشاج ۲ ص ۱۷۲
- ⑤ جہاں کشاج ۲ ص ۱۷۲..... روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۸۳۱..... یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ اسی نام کے ایک گرجی سردار کو سلطان نے ۶۲۳ھ میں گرفتار کیا تھا، وہ الگ شخص تھا جسے بعد میں قتل کر دیا گیا تھا۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ نام نہیں کوئی فوجی خطاب یا عہدہ ہوگا جس کے حامل متعدد افراد ہو سکتے ہیں۔
- ⑥ جہاں کشاج ۲ ص ۱۷۳ ..... ⑦ جہاں کشاج ۲ ص ۱۷۳
- ⑧ جہاں کشاج ۲ ص ۱۷۳..... روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۱۸۳۱
- ⑨ جہاں کشاج ۲ ص ۱۷۴

————— ❦ —————

## اپنوں کی دشمنی

دوستان بے وفا جب راہ میں حائل نہ تھے دشمنوں سے معرکے میرے لئے مشکل نہ تھے  
دشمنوں کی ضرب نہ مجھ کو شکستہ کر سکی دوستوں کی دشمنی، ہاں! پارہ پارہ کر گئی  
قوت بازو، شجاعت، ہمت عالی بھی تھی پر مری شمشیر مجھ سے دوستوں نے چھین لی  
الملك الاشرف سے محاذ آرائی..... انہی دنوں الملك الاشرف اور سلطان جلال الدین میں کشیدگی مزید بڑھ گئی  
ان دونوں بادشاہوں کے تعلقات ایک عرصے سے ناخوشگوار چلے آ رہے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس  
باہمی کشیدگی میں اضافہ ہوتا رہا۔ کشیدگی کا یہ دور ۶۲۲ھ میں شروع ہوا تھا، پھر جب الملك الاشرف نے اپنے بھائیوں  
الملك المعظم اور الملك الكامل کو ساتھ ملا کر سلطان جلال الدین کے خلاف متحدہ محاذ بنالیا تو فریقین میں باقاعدہ جھڑپیں  
شروع ہو گئیں اور سرحدوں کی خلاف ورزی آئے دن کا معمول بن گئی۔

سلطان جلال الدین اور الملك الاشرف کے مابین محاذ آرائی تاریخ کا ایک مستقل باب ہے جس کی تفصیل  
ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ (اگر کوئی چاہے تو اس تصنیف کے اصل مآخذ کی طرف رجوع کر کے اس کے اسباب  
اور نتائج پر سیر حاصل بحث کر سکتا ہے۔)

کیقباد کی پیش کش..... اس محاذ آرائی کا پہلا محرک تو الملك المعظم بنا تھا جس نے سلطان کو اپنے بھائی الملك الاشرف  
کے خلاف ابھارنے کے لیے ان سے اتحاد کر لیا تھا۔ مگر اب سلجوقی حکمران علاؤ الدین کیقباد نے بھی اس آگ  
میں ایندھن ڈالنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ سلطان جلال الدین جب تاتاریوں کو اصفہان میں شکست دے کر شمالی  
ایران واپس لوٹے تو انہی دنوں کیقباد کا سفیر اپنے آقا کا ایک مکتوب لے کر حاضر ہوا جس میں اس سال سلجوقی سلطان کی  
کفار (عیسائیوں) کے متعدد قلعے فتح کرنے کی خبر دی گئی تھی۔ سلطان جلال الدین کو تاتاریوں کے خلاف فتح کی  
مبارکباد دی گئی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ سلطان کو الملك الاشرف کے خلاف جنگ پر ابھارنے کے لیے کہا گیا تھا:

”اب ہمارے لیے صرف یہ کام باقی ہے کہ اس باغی گروہ اور نافرمان جماعت کو نمٹا دیں۔“ سلطان جلال  
الدین کو الملك الاشرف کے خلاف کارروائی پر ابھارنے کے لیے اس مہم کو جہاد اکبر کہا گیا تھا اور اس حدیث کا حوالہ  
دیا گیا تھا جس میں ارشاد ہے: ”ہم بڑے جہاد سے چھوٹے جہاد کی طرف لوٹ رہے ہیں۔“ (سیرۃ جلال الدین ص ۲۸۰)  
خلاط پر سلطان جلال الدین کا فیصلہ کن حملہ..... سلطان جلال الدین نے الملك المعظم کے براہیختہ کرنے پر  
ذیقعدہ ۶۲۳ھ (نومبر ۱۲۲۶ء) میں الملك الاشرف کی سلطنت کے اہم شہر خلاط پر چڑھائی کی تھی مگر یہاں کے موسم کی  
شدت کے باعث انہیں محاصرہ اٹھا کر ناکام لوٹنا پڑا تھا۔

کیقباد کا خط ملنے کے کچھ عرصے بعد شوال ۶۲۶ھ (اگست ۱۲۲۹ء) میں سلطان نے ایک بار پھر خلاط کا محاصرہ کر لیا۔ اس مہم میں سلطان کے آٹھ مہینے صرف ہو گئے۔ اس طویل مدت میں جو اہم واقعات پیش آئے، ذکر کیے جا رہے ہیں۔

[۱] تاتاری سلطان سے صلح پر آمادہ ..... ان دنوں سلطان جلال الدین کی مسلسل فتوحات کا شہرہ دور دور تک پھیل چکا تھا اور خود تاتاری سلطان جلال الدین کی بڑھتی ہوئی قوت سے خوف زدہ ہونے لگے تھے۔ تاتاری شہزادے یہ محسوس کر رہے تھے کہ سلطان کو اندرونی مہمات سے ذرا فرصت مل گئی تو وہ ان سے انتقام لینے کے لیے دریائے آمو عبور کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ تاتاریوں نے سلطان سے مصالحت کی کوشش شروع کر دی۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے سلطان کی بہن کو واسطہ بنایا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ کئی سال پہلے سلطان کی سوتیلی بہن شہزادی خان سلطان چنگیز خان کی قید میں آ گئی تھی۔ جب قیدی خواتین کو تاتاری سرداروں میں تقسیم کیا گیا تو شہزادی خان سلطان کو جو جی (دوشی خان بن چنگیز خان) نے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ دوشی خان رفتہ رفتہ اسلام سے متاثر ہونے لگا تھا، اسی لیے اس نے شہزادی کو اس بات کی آزادی دے دی تھی کہ وہ بچوں کو قرآن مجید پڑھائے اور اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کرے، نیز اسے اپنے رشتہ داروں سے خط و کتابت کی اجازت بھی تھی۔ چنانچہ سلطان جلال الدین کے نام اس کے خطوط آتے رہتے تھے، جس میں عموماً وہ اپنے حالات کے علاوہ بوڑھی دادی ترکان خاتون کے احوال بھی تحریر کیا کرتی تھی۔

جو جی چند سالوں بعد مر گیا مگر تاتاریوں کے خاقان اوکتائی نے شہزادی کو اپنے وطن نہ جانے دیا۔ تاہم اس نے شہزادی کو کہہ کر سلطان جلال الدین کو ایک خط لکھوایا جو سلطان کو محاصرہ خلاط کے ایام میں موصول ہوا، جو ایلچی یہ خط لایا تھا اس کے پاس علامت کے طور پر علاؤ الدین خوارزم شاہ کی وہ انگشتی تھی جو خان سلطان نے اپنے باپ کی آخری نشانی کے طور پر محفوظ کر رکھی تھی۔ بہن نے اپنے دلیر بھائی کو لکھا تھا:

”پیارے بھائی! خاقان آپ کے مرتبے اور شان و شوکت سے واقف ہے اور چاہتا ہے کہ آپ سے صلح اور رشتہ داری کا تعلق استوار کرے۔ اس کی پیش کش یہ ہے کہ دریائے جیحوں کو مسلمانوں اور تاتاریوں کے مابین سرحد قرار دے دیا جائے۔ اس جانب کا علاقہ اُس کا ہو جائے اور پار کا تمام علاقہ آپ کے لیے تسلیم کر لیا جائے۔

ان کی اس پیش کش کے باوجود اگر آپ اتنی قوت حاصل کر چکے ہیں کہ ان سچباد کے انتقام لے سکیں تو پھر آپ جو مناسب سمجھیں کر گزریں۔ بصورت دیگر باہمی سلامتی اور صلح صفائی کے اس موقع کو غنیمت جانیں کیوں کہ اس وقت تاتاری خود آپ سے صلح کرنے کے خواہش مند ہیں۔“ [۱]

سلطان جلال الدین کا مقصد زندگی اگر محض حکومت، تاج و تخت اور اقتدار سے چمٹے رہنا ہوتا تو ان کے لیے یہ بہترین موقع تھا کہ وہ دشمن سے صلح کر کے باقی عمر چین کی بنی بجاتے اور شاہی محلات کی رنگ رلیوں سے لطف اندوز ہوتے، مگر وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کی منزل ستاروں سے آگے ہوتی ہے اور کج کلاہوں کے تاج ان کی ٹھوکروں میں رُلتے ہیں۔ انہیں یہ ہرگز گوارا نہیں ہو سکتا تھا کہ لاتعداد مسلمانوں کے قاتلوں سے صلح کر کے تلووار ہاتھ سے رکھ

دیں۔ اگرچہ فی الوقت وہ تاتاریوں سے پورا پورا بدلہ لینے سے قاصر تھے، مگر انہیں اس وقت کا بے چینی سے انتظار تھا جب وہ صحرائے گوبی میں اسلام کا پرچم گاڑ کر اپنی دادی، بہن اور ان جیسی ہزاروں بے کس ماؤں، بہنوں کو تاتاریوں سے بازیاب کراتے، اس لیے انہوں نے اس پیش کش کو مسترد کر دیا۔

تاتاریوں کی جانب سے سلطان سے صلح کی یہ پہلی اور آخری کوشش تھی۔ اس کے بعد وہ مصالحت سے مایوس ہو کر چپ چاپ اس انتظار میں رہے کہ کب سلطان کی قوت کمزور پڑے اور کب وہ ان کے خلاف کوئی نئی فیصلہ کن مہم شروع کریں۔

[2] اکلوتے بیٹے اور منہ بولے لڑکے کی وفات..... سلطان کی اولاد دریائے سندھ کے کنارے چنگیز خان کے انتقام کا نشانہ بن چکی تھی بعد میں سلطان نے جونکاح کیے ان میں سے صرف ایک بیوی سے بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ”قیمتار شاہ“ رکھا گیا۔ یہ بڑا نرس کھ اور ذہین بچہ تھا۔ سلطان کو اس سے بڑی محبت تھی اور گویا یہ بچہ ان کی ہزاروں امیدوں کا مرکز اور ان کے سپنوں کی تعبیر تھا، مگر تقدیر الہی کوئی نہیں ٹال سکتا۔ محاصرہ خلاط کے دوران اس ننھے منے شہزادے نے فقط تین برس کی عمر میں اچانک اس دنیا سے فانی سے کوچ کیا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اسے دائی نے زہر دیا ہے مگر یہ الزام ثابت نہیں کیا جاسکا۔<sup>(1)</sup>

اب لے دے کے سلطان کا ایک منہ بولا بیٹا رہ گیا تھا مگر چند دن بعد خلاط کے محاصرے کے دوران ہی وہ بھی بیمار پڑ کر فوت ہو گیا۔ اس لڑکے کا نام دوش خان تھا۔ یہ سلطان کے ماموں زاد اخیل ملک بیٹا تھا۔ اخیل ملک سلطان کی حفاظتی دستے کا سالار بھی تھا۔ اس نے معرکہ سندھ میں بھی سلطان کو دشمن کے زرخے میں آنے سے بچایا تھا اور پھر اصفہان کی جنگ میں سلطان کی حفاظت کرتے کرتے شہید ہو گیا تھا تب سلطان نے اس کے بیٹے کو متبئی قرار دے دیا تھا۔ اس بچے کو وہ اپنی اولاد پر بھی ترجیح دیتے تھے۔ ان دونوں بچوں کی موت کا سلطان پر بہت گہرا اثر ہوا۔ (سیرۃ جلال الدین ص ۳۰۶)

[3] دربار خلافت میں پذیرائی..... سلطان جلال الدین موجودہ خلیفہ مستنصر باللہ سے بہتر تعلقات کے لیے سفارتی ذرائع بروئے کار لارہے تھے۔ اس کے اچھے نتائج برآمد ہوئے۔ خلیفہ نے تاتاریوں کے عزائم کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اپنی افواج کی بھرتی میں غیر معمولی اضافہ کر لیا تھا۔ نیز تاتاریوں کے خلاف سلطان کی جرأت مندانہ کارروائیوں کو وہ بخیر نظر استحسان دیکھ رہا تھا۔

سلطان محاصرہ خلاط میں مشغول تھے کہ خلیفہ مستنصر کی جانب سے سعد الدین حاجب کی قیادت میں ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد کی آمد کے دو مقاصد تھے۔

۱..... سلطان علاؤ الدین محمد نے بغداد پر فوج کشی کے وقت اپنی عملداری میں عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ موقوف کر دیا تھا اور اب تک خوارزم شاہی مملکت میں اسی پر عمل چلا آ رہا تھا، سلطان جلال الدین نے عباسی خلافت سے سفارتی تعلقات قائم کرنے کے باوجود اپنے والد کے اس نامناسب حکم کو منسوخ نہیں کیا تھا۔ خلیفہ مستنصر کی طرف سے یہ وفد مطالبہ لے کر آیا تھا کہ سلطان جلال الدین دو طرفہ تعلقات کی چنگلی کو یقینی بنانے کے لیے اپنے ملک میں خلیفہ کے نام کا خطبہ پھر سے شروع کرائیں۔

۲..... بدر الدین حاکم موصل، مظفر الدین حاکم اربیل، شہاب الدین سلیمان شاہ سردار بویہ اور عماد الدین

پہلو ان کا حکم ہزار اسپ دربار خلافت کے تابعدار اور فرماں بردار تھے، دربار خلافت کی خواہش تھی کہ سلطان کی مہمات میں ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔

سلطان جلال الدین دربار خلافت سے تعلقات کی بہتری کی اہمیت کو سمجھ چکے تھے اس لیے انہوں نے دونوں مطالبات کو سرچشم قبول کیا اور مزید توثیق کے لیے اپنے حاجب بدر الدین طوق بن اینان خان کو دربار خلافت میں بھیج دیا۔

سلطان نے اسے تاکید کی تھی کہ بغداد کے وزیر اعظم مؤید الدین قتی سے ملاقات میں دست بوسی نہ کرنا اور اظہار انکسار سے گریز کرنا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ شیعہ جو خلیفہ ناصر کے دور سے اب تک وزیر اعظم چلا آ رہا تھا، سلطنت خوارزم کے خلاف خفیہ سازشوں اور بغاوتوں میں ملوث رہا تھا۔ بہر کیف بغداد میں سلطان کے سفیر کی بڑی آؤ بھگت ہوئی، واپس آ کر اس نے بتایا:

”میں نے بغداد میں کچھ دن گزارے تھے کہ ایک شام ایک کشتی میری رہائش گاہ کے سامنے دریائے دجلہ کے کنارے آگئی، خلیفہ کا حاجب سعد الدین رہائش گاہ میں داخل ہوا اور بولا: خلیفہ کے ہاں حاضری کے لیے تیار ہو جائیے۔ میں کشتی میں سوار ہوا تو سعد الدین حاجب بھی ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر ملاح نے غیر مانوس زبان میں اسے کچھ کہا، جسے سن کر سعد الدین اچھل کر اس کشتی سے اتر ا اور ساتھ لگی دوسری کشتی میں جا بیٹھا، مجھے تنہا چھوڑ دیا۔ میں نے وجہ دریافت کی تو بولا: مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ خصوصی کشتی ہے، خلافت مآب نے آپ کے اعزاز میں خاص آپ کے لیے بھیجی ہے۔“

الغرض سلطان کا سفیر اس اعزاز و اکرام کے ساتھ ایوان خلافت پہنچا، تنہائی میں خلیفہ مستنصر باللہ سے ملاقات ہوئی، خلیفہ نے سلطان کا ذکر بڑی عزت سے کیا اور پوچھا:

”کیف الجناب العالی الشاہنشاہی“ (جناب شہنشاہ عالی کیسے ہیں)

کچھ رسمی باتوں کے بعد خلیفہ نے سفیر کی گزارشات سنیں اور کہا:

”دربار خلافت کی نگاہ میں سلطان جلال الدین کا جو مرتبہ اور مقام ہے وہ عالم اسلام کے کسی اور حکمران کو حاصل نہیں۔ ہم سلطان جلال الدین کو تمام سلاطین پر فوقیت دینا چاہتے ہیں۔“

یہ کہہ کر خلیفہ نے سلطان کے لیے نوازش نامہ دیا جسے سفیر نے سر آنکھوں پر رکھا۔ اس میں سلطان کے نام خیر سگالی کا پیغام تھا۔ خلیفہ مستنصر نے ایلچی کی بڑی خاطر مدارات کی اور واپسی پر اپنے دو درباریوں سعد الدین حاجب اور فلک الدین کو سلطان اور ان کے امراء کے لیے بیش قیمت خلعتیں اور تحائف دے کر سفیر کے ساتھ روانہ کیا۔ دو خلعتیں سلطان کیلئے اور بقیہ ان کے درباریوں کے لیے تھیں۔

خلیفہ کی جانب سے خلعت ملنے پر سلطان جلال الدین نہایت مسرور ہوئے۔ انہیں مخالفت کی جن خطرناک آندھیوں کا سامنا تھا، ان سے بچاؤ کے لیے خلیفہ کا سایہ اپنے لیے ایک نعمت عظمیٰ تصور کرتے تھے۔ اظہارِ مسرت کے لیے سلطان نے ایک شاندار محفل منعقد کی جس میں حاضرین کے سامنے خلیفہ کی عطا کردہ دونوں خلعتیں زیب تن کیں۔ ان میں سے ایک خلعت عمامے، جبے اور ہندی مرصع تلوار پر مشتمل تھی جبکہ دوسری خلعت میں قلع (ایک قسم کا

بنیان)، آستین دار جبہ، طلائی دستے والی شمشیر، یا قوت کے استالیں نگینوں سے مرصع ہونے کی ڈھال، ایک قیمتی دھار اور ساز و سامان سے آراستہ دو گھوڑے شامل تھے۔

سلطان سے گفتگو کے دوران سفیر بغداد نے اہل خلاط کی سفارش کرتے ہوئے کہا کہ ان پر رحم کرتے ہوئے محاصرہ ختم کر دیا جائے تو بہتر ہوگا۔

سلطان نے جواباً کہا: ”امیر المؤمنین نے اپنے پیغام میں لکھا ہے کہ وہ میری فتح اور غلبے کے خواہش مند ہیں اور مجھے تمام حکمرانوں پر فائق دیکھنا چاہتے ہیں۔ اب جبکہ خلاط کی فتح کا وقت قریب آن پہنچا ہے تم ایسا مشورہ کیوں دے رہے ہو جو خلیفہ کے پیغام کے خلاف ہے۔“

سفیر نے معذرت کرتے ہوئے کہا: ”صرف مخلوق خدا پر ترس کی وجہ سے اور اس خیال سے یہ تجویز دی گئی ہے کہ کہیں محاصرہ مزید طویل نہ ہو جائے اور آپ کو شہر فتح کیے بغیر لوٹنا پڑے۔ اگر آپ کو مجبوراً شہر فتح کیے بغیر لوٹنا پڑے تو اب آپ یہ کہہ کر بہتر انداز میں واپسی کر سکتے ہیں کہ خلیفۃ المسلمین کی سفارش پر محاصرہ ختم کیا جا رہا ہے۔“

سلطان نے ان کی معذرت قبول کی مگر مشورے پر عمل نہ کیا اور شہر فتح کر کے چھوڑا۔<sup>④</sup>

4 رکن الدین ارزن الرومی کی آمد..... انہی دنوں سلطان جلال الدین کی زندگی میں ایک نیا شخص داخل ہوا۔ یہ رکن الدین ارزن الرومی تھا۔ یہ علاؤ الدین کی قباد کا چچر ا بھائی اور ارزن الروم نامی چھوٹی سی ریاست کا جو خلاط اور سلطنت روم کے مابین واقع تھی، حاکم تھا۔

چند سال قبل اس کی سلطنت خوارزم سے دشمنی تھی، وہ بعض مواقع پر خوارزمی سپاہ کی کمک ورسد منقطع کرنے اور ایک بار سلطان کے ایک سفیر کو قتل کرانے میں ملوث رہا تھا مگر اب وہ سفیر بھیج کر سلطان سے سابقہ تقصیرات کی معافی مانگ رہا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس کے سلطان کی قباد سے تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے۔ اس کے شر سے بچنے کے لیے اسے کسی دوسرے بڑے حکمران کی پشت پناہی درکار تھی۔ جب اس نے سلطان جلال الدین کا دائرہ حکومت خلاط تک وسیع ہوتے دیکھا تو پناہ طلب نکالنے کے لیے سلطان جلال الدین سے تعلقات بنانے کی کوشش کرنے لگا۔

سلطان نے اس کی طرف سے پیام معذرت قبول کر لیا تو رکن الدین خود حاضر خدمت ہوا اور سلطان کی بھرپور مدد کرتے ہوئے سامان رسد کے علاوہ ہتھیار اور قلعہ شکن آلات بھی فراہم کیے جن میں ”قراغرا“ نامی ایک بہت بڑی منجنیق بھی تھی۔

5 سلطان علاؤ الدین کی قباد سے کشیدگی..... انہی دنوں الملک الاشرف کے ساتھ ایک اور طاقتور دشمن سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے راستے میں کانٹے بکھیرنے کے لیے مستعد ہو گیا۔ یہ ایشیائے کوچک کی سلجوقی رومی سلطنت کا فرمانروا علاؤ الدین کی قباد تھا۔ ۶۲۴ھ تک سلطان جلال الدین اور اس کے مابین کوئی تنازعہ نہ تھا، بلکہ اس سے قبل دونوں حکومتوں میں سفارتی و فوجی تبادلہ بھی ہوتا رہا اور ۶۲۳ھ، ۶۲۴ھ میں تاتاریوں کے خلاف جہاد میں سلطان کی قباد نے سلطان جلال الدین کی مالی اعانت بھی کی تھی، اس کے بعد کی قباد نے سلطان جلال الدین کو الملک الاشرف کے خلاف جنگ پر خود ابھارا تھا مگر ۶۲۴ھ کے وسط میں یہ تعلقات یکدم کشیدہ ہو گئے اور کی قباد دیگر حکمرانوں کو ساتھ ملا کر سلطان جلال الدین پر چڑھ دوڑا۔

اس کی چند وجوہات تھیں جو درج ذیل ہیں:

**1**..... کیتباد کو اب تاتاریوں کے خلاف کسی جدوجہد کی کامیابی سے مایوسی ہو چکی تھی، دنیا کے دیگر حکمرانوں کی طرح وہ بھی ان سے دہشت زدہ تھا، اس لیے اس نے تاتاریوں کو بھاری مقدار میں مال و دولت دے کر ان سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، مگر سلطان جلال الدین کو وہ اپنے عزم کی تکمیل میں رکاوٹ سمجھتا تھا۔ وہ یہ سمجھنے لگا تھا کہ سلطان جلال الدین کا تاتاریوں کے خلاف جہاد دراصل عالم اسلام اور تاتاریوں کے درمیان صلح و صفائی کی راہ ہموار کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، لہذا سلطان کو جہاد سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ جب تک سلطان جہاد جاری رکھے ہوئے ہے اس وقت دوسرے اسلامی ممالک بھی مجاہدین کی درپردہ اعانت کے شہبے کی زد میں رہیں گے اور تاتاری ان سب کو اپنا دشمن تصور کریں گے۔

یہ بات کیتباد کے ذہن میں اس قدر راسخ ہو گئی تھی کہ اب وہ سلطان کے ہاتھ سے تلوار چھین کر انہیں جہاد سے روکنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتا تھا۔

**2**..... خلاط کے محاصرے کے دنوں میں سلطان کی فوجیں سلجوقی سلطنت سے قریب آ چکی تھیں۔ کیتباد کو خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ سلطان کی فوج اب اس کی مملکت پر حملہ کرنے سے بھی نہیں چو کے گی۔

**3**..... سلجوقی سلطنت روم اور خلاط کے مابین واقع چھوٹی سی ریاست ارزن الروم کا حاکم رکن الدین، علاؤ الدین کیتباد کا سخت حریف تھا، محاصرہ خلاط کے دوران رکن الدین نے سلطان جلال الدین سے اتحاد کر لیا تھا، کیتباد نے اس اتحاد کو اپنے خلاف فرض کر لیا اور دہشت زدہ ہو گیا۔

**4**..... محاصرہ خلاط کے دنوں میں کیتباد نے سلطان کے پاس ایک وفد بھیجا تھا جو بنیادی طور پر تین مطالبات لے کر آیا تھا۔ **1** سلطان خلاط کا محاصرہ ترک کر دے۔ **2** تاتاریوں سے صلح کر لے۔ **3** رکن الدین ارزن الرومی کو گرفتار کر کے ان کے حوالے کر دے۔ **4** اپنی بیٹی کیتباد کے لڑکے سے منسوب کر دے۔

علاؤ الدین کیتباد نے مطالبات کی منظوری کی صورت میں حتی الامکان مالی تعاون کا یقین دلایا تھا، مگر سلطان ان میں سے کسی مطالبے کو تسلیم نہ کر سکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تعلقات سخت کشیدہ ہو گئے۔ اس سفارت کا تفصیلی حال درج ذیل ہے: محاصرہ خلاط کے دوران علاؤ الدین کیتباد کے سفیر امیر شمس الدین التون اور کمال الدین کامیار سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلطان نے اپنے امراء اور سالاروں کو جمع کر کے دربار آراستہ کیا۔ امیر شمس الدین نے سلطان کی دست بوسی کر کے سلطان کیتباد کا خط پیش کیا۔<sup>⑤</sup>

جس کے چند اقتباس مندرجہ ذیل ہیں:

**1**..... ہمارا انتہائی مقصد یہ تھا کہ جب سلطان کی تیغ انتقام مخالفین ابخاز کی سرکوبی کے بعد نیام میں ہو اور خطہ تغلیس کی فتح سے فرصت ہو جائے تو چند روز تفریح و مگشت کے طور پر روم کے مرغزاروں میں بسر فرمائیں۔<sup>⑤</sup>

**2**..... معلوم ہوا ہے کہ آپ نے غرض مند لوگوں کے بہکانے سے جو انسان نما شیاطین ہیں، قبتہ الاسلام خلاط کے محاصرے پر کمر باندھ رکھی ہے۔ یہ بات رائے درست سے بعید معلوم ہوتی ہے.....

3..... میں واضح کرتا ہوں کہ بہتر یہ ہے کہ تاتاریوں کے لشکر سے صلح کر لیں اور اگر ممکن ہو تو جہاں تک گنجائش نظر آئے اپنی طرف سے صلح جوئی کی ابتدا کریں۔

4..... میرا خیال ایسا ہو رہا ہے کہ میں تاتاریوں کی خدمت میں قاصد بھیج کر تمام اہل اسلام کی مصلحت کے لحاظ سے سلطان شہید علاؤ الدین محمد کی عاجلانہ حرکت کی معذرت چاہوں، امید ہے کہ نرم گفتاری اور صرف زور کی بدولت اس عالمگیر فتنہ کی آگ بجھ جائے۔

5..... مجھ سے جہاں تک ممکن ہوگا سیم و زرو جواہرات اور آپ کی دوسری خدمات سے دریغ نہ کروں گا۔

6..... اگر اصحاب غرض کے کہنے سے ان نصائح پر توجہ نہ کریں گے تو حمیت اسلامی اور اصول جہانبانی کے لحاظ سے عملی طور پر نصیحت منوانا ضروری ہوگا۔

سلطان جلال الدین خط کے مضمون کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔ علاؤ الدین کی قیادت کے پیغام کا خلاصہ یہ نکلتا تھا کہ سلطان اپنے دونوں طاقتور حریفوں یعنی تاتاریوں اور الملک الاشرف سے صلح کر لیں، اس صورت میں انہیں بھرپور مالی امداد دی جائے گی اور اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیادت بھی ان کے خلاف یلغار کرنے والوں کی صف میں شامل ہو جائے گا۔ سلطان جلال الدین کے لیے اس خط کے مندرجات کو ہاتھ باندھے غلام کی طرح مان لینا ناممکن تھا۔ الملک الاشرف کے ساتھ ان کا تنازعہ پرانا چلا آرہا تھا جس کی کئی وجوہ موجود تھیں۔ نیز یہ فریقین کا باہمی اور اندرونی جھگڑا تھا، کسی تیسری طاقت کو یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ ایک ہی فریق پر دباؤ ڈال کر اسے صلح جوئی پر مجبور کرے اور دوسرے فریق کی غلطی سے چشم پوشی کر لے۔

رہا تاتاریوں سے صلح کا مشورہ تو وہ سلطان جلال الدین کے لیے ناقابل عمل ہی نہیں ناقابل التفات تھا۔ جس دشمن نے اپنے چند آدمیوں کے انتقام کے لیے عالم اسلام کا اکثر حصہ آجائو ڈالا تھا آج وہ اس حق دار تھا کہ اس کے اس ظالمانہ سلوک کے بدلے خود مظلوموں کے نمائندے اس سے معذرت کریں! کیا خون مسلم اتنا سستا سمجھ لیا جاتا۔ سلطان جلال الدین جانتے تھے کہ زرا اور نرم گفتار سے بھیڑیوں کی فطرت تبدیل نہیں کی جاسکتی۔ سلطان کے نزدیک جہاد بالسیف ہی ان کا ایک علاج تھا اور وہ اس وقت تک ان کے خلاف تلوار اٹھائے رکھنے کا عزم کیے ہوئے تھے جب تک اللہ کا دین غالب نہ ہو جائے۔

سلطان کے نزدیک قیادت کے خط میں مندرج کوئی مطالبہ ایسا نہ تھا جس کا وہ مثبت جواب دے سکتے۔ تاہم وہ اس سے اپنے تعلقات خراب کر کے اپنے حریفوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے قیادت کے قاصدوں سے کہا: ”اگر سلطان کے دامن دل پر کسی قسم کا غبار بیٹھ گیا ہے تو معذرت خواہی اور تہنید معافی سے دور ہو جائے گا۔ تم لوگ سلامت واپس جاؤ اور ہماری طرف سے خالصانہ تسلیم پہنچاؤ۔ ہمارے ایلچی بعد میں عہد نامے اور خطوط کے مفصل جوابات لے کر پہنچ جائیں گے۔“ (بلوق نامہ)

اس دوران وفد نے یہ مطالبہ بھی پیش کیا کہ رکن الدین ارزن الرومی کو جوان دنوں سلطان کے ہاں تھا، گرفتار کر کے سلطان قیادت کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ اس سے انتقام لے سکے اور اس کے علاقے پر رومی فوج کو قبضہ کرنے دیا جائے۔ سلطان جلال الدین اس مطالبے پر جھنجھلا گئے اور بولے:



”آپ کو مطلوب اس شخص نے اگرچہ ہمارے ساتھ بھی زیادتیاں کی ہیں مگر اس وقت وہ ہمارے ہاں اہل عرب کی طرح مہمان بن کر آیا ہے۔ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ گھر آئے ہوئے فرد سے ایسا سلوک کریں اور کسی ایسے کے سپرد کر دیں جو اس کے خون کا بیسا ہو۔“ (سیرۃ جلال الدین، ص: ۳۲۰)

بعد ازاں وفد نے دونوں حکومتوں کے تعلقات کو بہتر اور پائدار بنانے کے لیے علاؤ الدین کی قیادت کے بیٹے کے لیے سلطان کی اس بیٹی کا رشتہ طلب کیا جو سلطان کی ملکہ سلغوری خاتون بنت اتابک سعد کے بطن سے تھی ① اس مطالبے پر چند لحظوں کے لیے سلطان جلال الدین سوچ میں پڑ گئے، ان کی سوچ یقیناً عالم اسلام اور ملک و ملت کے مفادات سے ہٹ کر نہیں ہو سکتی تھی اور امید کی جا سکتی تھی کہ سلطان ایک مضبوط حلیف کے تعاون کو برقرار رکھنے کی خاطر اس سے تعلق کو رشتہ داری میں تبدیل کرنے کا موقع ضائع نہیں کریں گے، مگر شرف الملک کی غداری اور بدزبانی آڑے آ گئی۔ اس سے پہلے کہ سلطان کچھ بولتے، وزیراعظم وفد کی اس درخواست کو حد درجہ قابل نفرت اور خلاف ادب شمار کر کے ان معزز سفیروں کو ڈانٹنے لگا اور بہت کچھ اول فول بک گیا۔

وزیراعظم کی برہمی کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان سفیروں نے اسے معمولی تحائف پیش کیے تھے جو اس کی پسند کے مطابق نہ تھے۔ وزیراعظم نے الگ ملاقاتوں میں بھی ان سفیروں کو بدکانے اور بدگمان کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ شہاب الدین النسوی لکھتے ہیں:

”ایک دن یہ سفیر وزیراعظم کے خیمے میں آئے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا وزیراعظم انہیں سخت لہجے میں کہہ رہا تھا: اگر سلطان اجازت دیں تو میں صرف اپنی ذاتی فوج کے ساتھ تمہارے ملک میں گھس کر اس پر قبضہ کر سکتا ہوں۔“

اور اسی اس قسم کی دیگر باتیں کیں۔ سفیروں کے جانے کے بعد میں نے وزیر سے دریافت کیا: ایسی تلخ کلامی کا کیا مطلب، جب کہ ان کا بادشاہ دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا ہے اور اس نے اپنے قاصدوں کو تعلقات بہتر کرنے کے لیے بھیجا ہے؟“ وزیر نے کہا: ”ان سفیروں نے مجھے جو بدیہ دیا ہے وہ صرف دو ہزار دینار کا ہے۔“ (سیرۃ جلال الدین، ص: ۳۲۰)

اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ سلطنت کے اس مرکزی ستون نے ملکی مصالح کو مذاق سمجھ لیا تھا اور انہیں ذاتی مفادات کی بھینٹ چڑھاتا چلا جا رہا تھا۔ اس کے بعد بھلا سلطنت خوارزم کی تباہی میں کیا رکاوٹ رہ سکتی تھی۔

رومی سفیر چند روز شہر کر ایک بُرا تاثر لے کر واپس گئے۔ سلطان کی قیادت نے بھی اسے اپنی توہین خیال کیا اور اس کا جھکاؤ سلطان جلال الدین کے حریفوں کی جانب ہو گیا اور اس نے الملک الاشرف کی طرف سفیر بھیج کر تجدید تعلقات کی کوشش میں دیر نہ کی۔ وہ تو پہلے ہی موقع کی تاک میں تھا، اس نے فوراً صلح کا معاہدہ کر کے سلطان جلال الدین کے خلاف متحدہ محاذ بنالیا۔ ②

اس دوران شہر خلاط کے محاصرہ کو تقریباً آٹھ ماہ گزر چکے تھے، محصورین کا بھوک سے اور محاصرین کا سردی گرمی کی تکالیف سے بُرا حال ہو چکا تھا۔ حالت یہ تھی کہ ایک موقع پر بیس ہزار افراد یک دم فاصل کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئے، بھوک سے ان کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ سلطان کے وزیر شرف الملک نے فوراً کئی گائیں بیل ذبح کرا کے ان کے

کھانے کا انتظام کر دیا مگر اس باوجود بہت سے افراد کی حالت اتنی خستہ ہو چکی تھی کہ انہیں بچایا نہ جاسکا۔

ان حالات کو دیکھ کر خلاط کے ایک امیر اسماعیل ایوانی نے سلطان کو خفیہ پیغام بھیجا کہ اگر اسے آذربائیجان میں جاگیریں دی جائیں تو اس کے عوض وہ شہر فتح کر دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ سلطان نے وعدہ کر لیا۔ اسماعیل ایوانی نے ایسی ترکیب بتائی جس میں کم سے کم خوزریزی سے شہر فتح ہو جانے کی امید تھی۔ اس نے راتوں رات کچھ خوارزمی سپاہیوں کو شہر کی فصیل پر چڑھادیا جنہوں نے اپنے پرچم نصب کر دیے۔ اگلے دن زوردار معرکہ شروع ہوا۔ اس دوران فصیل شہر کے ایک جانب منجیقوں نے شکاف ڈال دیا تھا۔ شہر کی فوج شکاف کے پاس بھرپور مدافعت کر رہی تھی۔ قریب تھا کہ وہ خوارزمیوں کو پیچھے دھکیل دیتے کہ اس دوران ان کی نگاہ فصیل پر لہراتے خوارزمی پرچموں پر پڑی۔ وہ سمجھے کہ شہر فتح ہو گیا ہے۔ چنانچہ سب نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس طرح ۲۸ جمادی الاولیٰ ۶۲۷ھ (۱۱۴ اپریل ۱۲۳۰ء) کو خلاط فتح ہو گیا۔<sup>(۵)</sup>

فتح کے بعد سلطان کے پھرے ہوئے سپاہیوں نے شہر میں لوٹ مار کرنے کی اجازت طلب کی۔ اہل شہر کے مصائب کے پیش نظر سلطان نے اس سے منع کرنے کی کوشش کی مگر خود سرامراء اور سالاروں نے احتجاج شروع کر دیا اور کہا: ”محاصرے کی طوالت سے ہمارے سپاہی بھی توجاہ ہوئے ہیں، گھوڑے اور مویشی ختم ہو چکے ہیں۔ اگر مال غنیمت لوٹنے کی اجازت نہ ملی تو سپاہیوں کے دل کمزور پڑ جائیں گے جبکہ دوسری طرف دشمن ہمارے خلاف متحرک ہو چکا ہے۔ اس حالت میں سپاہی اس کا مقابلہ کرنے کی بجائے بغاوت پر آئیں گے، فوج منتشر ہو جائے گی اور سارا نظام ختم ہو جائے گا۔“

سلطان کے کانوں میں یہ باتیں پھونک کر انہوں نے لوٹ مار کی اجازت حاصل کر لی اور شہر میں گھس کر ایک طوفان برپا کر دیا۔ کتنے ہی مکانات خزانوں کی تلاش میں کھود دیے گئے اور کتنے بے گناہ لوگ ان کی زد و کوب کا شکار بنے۔ فتح کے بعد سپاہیوں کا مفتوحین سے یہ سلوک بھی سلطان جلال الدین کی ساکھ کے گرنے کا سبب بنا۔ (سیرۃ جلال الدین، ص: ۳۲۳)

بگڑتے ہوئے حالات..... خلاط کی فتح کے بعد ۶۲۷ھ کے وسط میں بظاہر حالات پر سلطان جلال الدین کی گرفت مضبوط تھی، تاتاریوں اور گرگیوں کو سبق مل چکا تھا، بالخصوص فرقہ الموت کی حدود میں سمٹ گیا تھا، سلطان کو خلیفہ کی حمایت بھی حاصل ہو چکی تھی..... مگر یہ صرف ظاہری نقشہ تھا جس کے پردے میں حالات تیزی سے بگڑتے جا رہے تھے۔ خلیفہ کا پیام دوستی ایک رسم کے سوا کچھ نہ تھا اور دربار خلافت کی خلعتیں محض ایک بہلاوے کا سامان تھیں، خلافت بغداد اب بھی حسب سابق عالم اسلام کے مسائل سے لاتعلقی تھی۔ سلطان کو اس سے عسکری مدد ملنے کا کوئی امکان اب بھی نہیں تھا۔ علاوہ ازیں بیرونی دشمنوں سے زیادہ اب سلطان کو ان غداروں اور ہمسایوں سے خطرہ تھا جو ان کے اقتدار کی بیخ کنی کے لئے مسلسل تگ و دو میں مصروف تھے۔ سلطان کے معتمد و یزویوں، سرداروں اور امراء میں سے کئی خفیہ طور پر دشمنوں سے مل چکے تھے۔ فوج میں پہلے جیسی وفا شعار اور جانثاری نہیں رہی تھی، بلکہ بعض سالاران فوج میں بغاوت کی سوچ پیدا ہو رہی تھی۔ بیرونی محاذوں پر تاتاریوں اور گرگیوں کے خلاف شاندار کامیابیاں حاصل کرنے کے باوجود سلطان جلال الدین اپنے پڑوسی مسلم حکمرانوں کے دلوں سے بدگمانی اور حسد کے داغ صاف کرنے میں ناکام

رہے تھے۔ سلطان کی فتوحات نے ان کے جذبہ رقابت کو ابھار دیا تھا اور وہ سلطان کے خلاف بڑے پیمانے پر کارروائی کے لیے موقع کی تلاش میں تھے۔

یہ لاوا اندر ہی اندر پک رہا تھا۔ سلطان کا سب سے بڑا حریف الملک الاشرف خلاط پر سلطان کے قبضے کے بعد ان سے بدلہ لینے کے لئے بے چین تھا۔ اب اسے سلطان علاؤ الدین کی قیاد کی حمایت بھی حاصل ہو گئی تھی۔ مصر اور شام کے حکمران بھی ان کے ساتھ متحد ہو گئے، جلد ہی ان سب کی مشترکہ لشکر کشی نے سلطان جلال الدین کی طاقت پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ سلطان جلال الدین سنبھلنے کے قابل نہ رہے۔ ذیل میں ہم بگڑتے ہوئے حالات کے اہم اسباب کا ذکر قدرے تفصیل سے کرتے ہیں:

1] اندرونی غداروں کی کثرت ..... سلطان جلال الدین کے درباریوں میں منافقین اور غداروں کی ایک پوری جماعت پرورش پاری تھی۔ ان میں سب سے بڑا غدار سلطان کا وزیر اعظم شرف الملک تھا۔ سلطان کچھ عرصے سے اس کی فضول خرچی اور بے انصافی کی مسلسل شکایات سننے کی وجہ سے اس سے کبیدہ خاطر تھے۔ شرف الملک سلطان کے رویے میں سرد مہری پا کر خود بھی سراپا بغض و نفرت بن گیا تھا۔ اگرچہ وہ سلطان کے سامنے اب بھی اپنی سعادت مندی کے اظہار کا کوئی موقع تھا تب سے نہ جانے دیتا، مگر پس پردہ سلطان کے اقتدار کی جڑیں کاٹنے میں مصروف تھا۔ غداروں کا ایک اور گروہ شہزادہ غیاث الدین کے ساتھ جلاوطنی کی حالت میں مختلف حکومتوں سے مل کر انہیں سلطان کے خلاف ابھار رہا تھا۔ اس میں شہزادے کے ساتھ امیر اپٹچی جہان پہلوان اور وزیر کریم الشرق شامل تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جو معمر کاصفہان میں سلطان کا ساتھ چھوڑ کر بھاگے تھے۔ کاتب النوی تحریر کرتے ہیں:

”غیاث الدین نے جب جنگ تاتار میں سلطان کا ساتھ چھوڑا تو خوزستان چلا گیا اور وہاں سے کریم الشرق کو یہ اطلاع دے کر دربار خلافت بھیجا کہ وہ سلطان سے الگ ہو گیا ہے۔ اس مراسلے میں اس نے بتایا کہ وہ اپنے دور حکومت میں دربار خلافت کی متوسل تمام مملکتوں کا بہتر ہمسایہ بن کر رہا مگر سلطان جلال الدین نے ہندوستان سے آنے کے بعد اردگرد کی حکومتوں کے خلاف مسلسل کارروائیاں کی ہیں۔ اس نے درخواست کی کہ خلافت مآب اسے سلطان سے اس کی غصب کردہ سلطنت واپس دلوانے میں مدد کریں، وہ خلیفہ کا مطیع بن کر رہے گا۔ خلیفہ نے اس کے سفیر کو خوش آئند وعدوں کے ساتھ واپس بھیجا اور غیاث الدین کے لیے تیس ہزار دینار کی رقم بھی دی۔“

بعد ازاں غیاث الدین مزید سازشوں کے لیے سلطان کے دوسرے حریف حاکم الموت علاؤ الدین کے پاس چلا گیا اور اسی قسم کی حرکتوں میں مصروف رہا۔

2] جاسوسی کے تانے بانے ..... ان دنوں مملکت خوارزم کی نشاۃ ثانیہ کے خلاف اپنے اپنے اور پرانے اکٹھے ہو چکے تھے۔ جاسوسی کا ایک پراسرار جال تھا جس کے تانے بانے مملکت تاتار سے لے کر بغداد اور شام تک پھیلے ہوئے تھے۔ اندازہ یہ ہے کہ شام کی صلیبی ریاستیں بھی اس میں کسی نہ کسی انداز میں شامل تھیں۔ سازشوں کے اس جال میں الموت کے باطنی مرکزی کردار ادا کر رہے تھے۔ ان چند سالوں میں وہ تاتاریوں کے ساتھ مسلسل خط و کتابت میں مصروف رہے اور انہیں سلطان کے خلاف جاسوسی میں مدد دیتے رہے۔ تاتاریوں کے سفیر خفیہ طور پر تاجروں کے

روپ میں باطنیوں کے علاقوں سے چلنے والے قافلوں میں شامل ہو کر سلطان جلال الدین کی مملکت کو عبور کرتے اور تاتاریوں کے پیغامات بغداد اور شام لے جاتے۔ جس طرح خلیفہ ناصر نے سلطان علاء الدین کے خلاف تاتاریوں سے گٹھ جوڑ کیا تھا، اسی طرح اس کے جانشین بھی چنگیز خان کے وارثوں سے تعلقات بہتر بنانے اور سلطان جلال الدین کی سلطنت کو کمزور کرنے کے لیے خفیہ طور پر سرگرم تھے۔

ان تمام سازشوں اور زیر زمین کارروائیوں کا ایک نمونہ پیش خدمت ہے۔

جن دنوں سلطان جلال الدین تاتاریوں کو شکست دے کر اصفہان میں مقیم تھے، تاتاریوں کا ایک قاصد تاجر کے بھیس میں باطنیوں کے تجارتی قافلے میں شامل ہو کر بغداد اور شام کے لیے روانہ ہوا۔ سلطان جلال الدین کو خبرنے اس کی اطلاع دے دی۔ سلطان نے فوری طور پر وزیر اعظم شرف الملک کو حکم بھیجا کہ عراق کی سرحدیں عبور کرنے والے ہر آنے جانے والے قافلے کی مکمل چھان بین کر کے تاتاریوں کے قاصد کو پکڑ لیا جائے اور اسے تاحکم ثانی زیر حراست رکھا جائے۔ سلطان کا مقصد یہ تھا کہ اس جاسوس کی گرفتاری سے انہیں اپنے ہمسایوں کی ریشہ دوانیوں کے بارے میں ایک پختہ ثبوت مل جائے گا جس کے بل بوتے پر وہ باطنی پیشوا، خلافت بغداد اور حکام شام سے احتجاج کر سکیں گے۔

شرف الملک نے حکم سلطانی کے مطابق تجارتی قافلوں کی کڑی نگرانی شروع کر دی، کچھ دنوں بعد شام سے ستراسی باطنیوں کا ایک تجارتی قافلہ سرحد پر آیا، شرف الملک مردم آزار اور فضول خرچ آدمی تھا۔ قافلے کے مال و دولت پر اس کی رال ٹپک پڑی اور اس نے اترار کے عاقبت نااندیش حاکم یتال خان کی تاریخ کو دہراتے ہوئے تمام اہل قافلہ کو قتل کر کے سارا مال و زر ضبط کر لیا اور پھر چند ہی دنوں میں اس دولت کو اپنے جیسے امراء اور مصاحبین پر خرچ کر دیا۔ سلطان جلال الدین کو اطلاع ہوئی تو شرف الملک کی اس بدانتظامی پر تملاکرہ گئے۔ باطنی حکمران کو بھی سفارتی چڑھائی کا موقع مل گیا تھا، اس کا سفیر آن پہنچا اور اپنے مقتولین کا خون بہا طلب کرنے لگا۔

سلطان نے ایک معتمد امیر طوق خان بن اینارخ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ شرف الملک سے لوٹے ہوئے مال کی پائی پائی وصول کر کے چند قسطوں میں باطنی حکمران کو ادا کرے، اسی طرح مقتولین کا خون بہا سرکاری خزانے سے آہستہ آہستہ ادا کر دیا جائے۔ زیر زمین سازشوں اور جاسوسیوں کے ساتھ اس قسم کے واقعات مملکت خوارزم کے وقار کو مزید متاثر کر رہے تھے۔

[3] فوج کی بے لگامی..... سلطان کے لشکر میں ان کے پرانے مخلص اور جانثار سپاہیوں کی تعداد مسلسل جنگوں میں شہادت کے باعث بہت کم رہ گئی تھی اور اب عمومی بھرتی کے باعث اس میں ہر قسم اور ہر مزاج کے افراد جمع ہوتے جا رہے تھے۔ اوہانوں اور غارت گروں کے علاوہ پس ماندہ اجڈ قبائل کے افراد بھی بڑی تعداد میں شامل ہو چکے تھے۔ روزمرہ کی لڑائیوں میں تجربہ کار، فرماں بردار اور بے لوث افسران کی شہادتوں کے بعد اب بڑے عہدوں پر بھی کئی ناموزوں افراد کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اس بناء پر سلطان کے لیے فوج کو اس کی من مانی کارروائیوں سے روکنا مشکل ہو گیا تھا۔ چنانچہ گزشتہ چند فوجات کے بعد فوج کے اوہان طبقے نے مفتوحہ علاقوں کے علاوہ ارد گرد کی سرحدوں میں گھس کر لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا جس کے باعث سلطان کی قدر و منزلت کو بین الاقوامی سطح پر بڑا دھچکا لگا۔

متحدہ فوجوں کی یلغار..... علاؤ الدین کی قیادت کے اپنے چچا زاد بھائی رکن الدین حاکم ”ارزن الروم“ سبیا ہی تعلقات کشیدہ چلے آ رہے تھے۔ علاؤ الدین کی قیادت نے جب خلاط کے محاصرے کے دنوں میں اسے سلطان جلال الدین کی مدد کرتے دیکھا تو یہ خطرہ محسوس کیا کہ کہیں رکن الدین سلطان کو اپنا ہمنوا بنا کر میرے خلاف فوج کشی نہ کر دے۔<sup>(۱)</sup> سلطان جلال الدین کے پاس بھیجی جانے والی اپنی سفارت کی ناکامی اور خلاط پر سلطان کے قبضے کے بعد علاؤ الدین کی قیادت کے شکوک خوف کے آخری درجے تک جا پہنچے اور اس نے الملک الاشرف سے اپنے سابقہ تمام گلے شکوے دور کر کے اس سے سلطان کے خلاف مدد طلب کی۔<sup>(۲)</sup> نیز شاہ مصر الملک اکال کی طرف بھی قاصد بھیج کر یہی درخواست کی۔ قیادت کی بے چینی کا یہ عالم تھا کہ اس نے ایک ہی دن میں یکے بعد دیگرے پانچ ایچی کامل اور اشرف کے پاس روانہ کیے۔ یہ دونوں حکمران پہلے ہی سلطان کے خلاف طیش کی آگ میں سلگ رہے تھے، لہذا بلاتا خیر انہوں نے الجزیرہ اور شام کے شہروں سے افواج طلب کر کے قیادت کی طرف روانہ کر دیں۔<sup>(۳)</sup>

شہاب الدین غازی، الملک العزیز عثمان اور الملک الجواد سمیت شام و مصر کے نامی گرامی امراء اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ اس مہم میں شرکت کر رہے تھے، اور سب سے بڑھ کر الملک الاشرف بذات خود اس عظیم لشکر کے ہمراہ جا رہا تھا۔<sup>(۴)</sup> سلطان جلال الدین مستقبل کے خطرات سے بے فکر نہیں تھے، انہوں نے پیش بندی کے طور پر آگے بڑھ کر ملازکرد کا محاصرہ بھی کر لیا تھا، مگر انہیں تین مسلم حکومتوں کے اپنے خلاف باقاعدہ عسکری اتحاد کا علم نہ تھا۔ انہوں نے ملازکرد کا محاصرہ شروع کیا تو اس دوران ان کے حلیف رکن الدین نے آکر انہیں آگاہ کیا کہ سلاجقہ روم اور حکام شام والجزیرہ زبردست عسکری تیاریوں کے ساتھ ان کے خلاف یلغار کر رہے ہیں۔

ان دنوں سلطان کے ہزاروں سپاہی جو کہ آذربائیجان، اڑان، عراق اور مازندران جیسے علاقوں کے رہائشی تھے، تعطیلات پر جا چکے تھے، اس لیے تین ملکوں کی مشترکہ فوجوں سے مقابلے کی تیاری کرنا مشکل تھا۔ سلطان نے اس مسئلے پر رکن الدین سے مشورہ کیا تو اس نے رائے دی کہ ہم اپنی فوجیں لے کر ”خرت برت“ کے علاقے میں ٹھہر جاتے ہیں، یہاں سے ہم نگرانی کر سکیں گے کہ تینوں اتحادیوں میں سے کون اپنی فوج لے کر پہلے آتا ہے، ان میں سے جو حریف بھی پہلے پہنچے گا ہم اس سے جنگ شروع کر دیں گے اور اسے دوسرے اتحادیوں سے ملنے کا موقع دیے بغیر پسپا کر دیں گے۔ سلطان نے اس رائے کو پسند کر کے رکن الدین کو سرحدوں کی دیکھ بھال کے لیے رخصت کر دیا مگر تقدیر کی بات کہ انہی دنوں ان کی طبیعت بے حد خراب ہو گئی۔ ادھر رکن الدین کے خطوط آنے لگے کہ شام اور الجزیرہ کے لشکر سرحد کی طرف روانہ ہو چکے ہیں، سلاجقہ روم کی فوج تیار ہو رہی ہے۔ پھر اس کے مزید پیغامات آئے کہ خوارزمی لشکر کو آج کل میں سرحد سے آگے پیش قدمی شروع کر دینی چاہیے تاکہ حریف افواج کے اجتماع سے قبل ان میں سے کسی ایک کا تیاپانچا کیا جاسکے۔ رکن الدین کو معلوم نہیں تھا کہ سلطان کی بیماری کس قدر بڑھ گئی ہے اور طبیب سلطان کی زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں۔ ایسے میں ان خطوط پر بھلا کیا توجہ دی جاتی اور فوج پیش قدمی کیسے کرتی۔<sup>(۵)</sup>

اس موقع سے فائدہ اٹھا کر شام اور الجزیرہ کی افواج سیواس کے مقام پر علاؤ الدین کی قیادت کی فوجوں سے جا ملیں اور اس متحدہ ہڈی دل لشکر نے ملازکرد اور خلاط کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ یہ لشکر سپاہیوں کی کثرت کے باعث سیواس سے چل کر ایک ہفتے میں ”آق شہر“ پہنچا۔<sup>(۶)</sup>

سلطان جلال الدین ”یاسی چمن“ میں

..... چند دنوں بعد سلطان جلال الدین کو بیماری سے قدرے افاقہ ہوا اور ساتھ ہی اتحادیوں کی پیش قدمی کی اطلاع موصول ہوئی۔<sup>(۱۵)</sup> اس دوران رکن الدین ارزن الرومی ان سے آملتا تھا، سلطان نے اس سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے جواباً کہا: ”مناسب ہوگا کہ آپ ان کے آنے سے قبل خود آگے بڑھ کر یاسی چمن کے مقام تک پہنچ جائیں، اگر یہ سربز و شاداب علاقہ قبضے میں آ گیا تو فتح و نصرت یقیناً قدم چومے گی۔“

سلطان جلال الدین فوراً پایہ رکاب ہو گئے اور رکن الدین ارزن الرومی کے ہمراہ بیس ہزار سپاہی لے کر رات بھر غیر معمولی تیزی سے سفر کرتے ہوئے علی الصبح ”یاسی چمن“ پہنچ گئے۔<sup>(۱۶)</sup>

چونکہ سلطان کی طبیعت پہلے سے ناساز چل رہی تھی لہذا اس رات کے تیز رفتار سفر کی وجہ سے مرض نے بڑھتے بڑھتے اتنی شدت اختیار کر لی کہ سلطان گھوڑے پر سوار ہونے کے قابل نہ رہے،<sup>(۱۷)</sup> اس حالت میں وہ فوج کی کمان بھی نہیں کر سکتے تھے، اور یہ ایک نہایت پریشان کن صورتحال تھی کیوں کہ اس دور کی لڑائیوں میں فتح کا زیادہ انحصار خود بادشاہ یا سپہ سالار کی ذاتی شجاعت اور کارکردگی پر ہوتا تھا۔ جب تک قائد لشکر اپنے علم سمیت ڈٹ کر کھڑا رہتا، فوج بے جگری سے لڑتی رہتی اور اگر قائد بذات خود جم کر نہ لڑ سکتا تو فوج بھی مایوس ہو کر میدان چھوڑ دیتی۔ اس بناء پر سلطان کو خدشہ ہوا کہ ان کی بیماری جنگ کے نتائج پر بہت بُری طرح اثر انداز ہوگی۔ علاوہ ازیں سلطان کی فوج کی ایک خاصی تعداد اس موقع پر ان کے ساتھ نہیں تھی اور جو سپاہی ہمراہ تھے ان کے ہتھیار اور سواری کے جانور خلاط کی طویل جاں سوزم میں خستہ حال ہو چکے تھے۔ ان سب عوامل کے پیش نظر سلطان کی واپسی ہی بہتر تھی مگر رکن الدین ارزن الرومی سلطان کی مدد سے کیتباد کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے ٹلا بیٹھا تھا، اس لیے واپسی کا فیصلہ نہ ہو سکا۔

ہراول دستوں کا تصادم..... دشمن کے قریب آنے کی اطلاع ملنے پر سلطان جلال الدین نے اتر خان کو دو ہزار سپاہیوں کا ہراول دستہ دے کر آگے بھیج دیا۔<sup>(۱۸)</sup>

ادھر سلجوقی ہراول فوج کے چھ ہزار سپاہی امیر مبارز الدین کی قیادت میں بیابان موش کے پہاڑوں سے ہوتے ہوئے آگے آرہے تھے۔ ان کا رخ خلاط کی طرف تھا کیوں کہ ان کے خیال میں سلطان جلال الدین کی فوج ابھی تک وہیں تھی۔ انہیں قطعاً خبر نہیں تھی کہ خوارزمی لشکر راتوں رات ان کے راستے میں حائل ہو چکا ہے۔

خوارزمی ہراول کے سپاہی ان کی بے خبری سے فائدہ اٹھا کر رات کی تاریکی میں ان کے گرد گھیر ڈالتے رہے اور صبح پو پھوٹے ہی اچانک ان پر حملہ آور ہو گئے۔ ایک شدید لڑائی کے بعد حریف کے دو سو سپاہی قتل اور بہت سے قید ہو گئے۔ قیدیوں میں سلجوقی فوج کے کئی امراء بھی شامل تھے۔ انہیں سلطان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ سلطان نے مصلحت پسندی کا لحاظ رکھتے ہوئے حکم دیا:

”فی الحال ان کو قید رکھا جائے۔ جنگ کے اختتام پر دیکھا جائے گا کہ ان کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ فتح کسے نصیب ہوگی؟“<sup>(۱۹)</sup>

رکن الدین کی رائے..... بعد ازاں سلطان نے رکن الدین ارزن الرومی کو بلوایا اور اس پہلی جھڑپ میں لڑائی کی شدت کا ذکر کر کے اس سے رائے معلوم کی۔ اس نے چالو سانہ انداز میں جواب دیا:

”سلجوقی لشکر کی پشت و پناہ سوار تھے، جب اللہ کے فضل سے انہیں شکست ہو گئی ہے تو اب یوں سمجھئے کہ سلجوقی سلطنت پر آپ ہی کا قبضہ ہے۔“ (۲۰)

ملک الاشراف کی کیتباد کو سلی..... ادھر علاؤ الدین کیتباد اپنے ہراول دستوں کی ہزیمت سے بڑا پریشان ہوا۔ اسے اپنی اور اپنے حلیفوں کی تجربہ کار، مسلح اور تازہ دم افواج پر بڑا ناز تھا۔ اس غیر متوقع خبر سے اس کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ میدان کارزار سے کنارہ کش ہو جانے کے متعلق سوچنے لگا، مگر جب اس نے اپنے حلیفوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے اسے سراسر حماقت اور تذلیل نفس قرار دیتے ہوئے اس سے اتفاق نہ کیا۔ الملک الاشراف نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا:

”جس لشکر کو پہلے شکست ہوتی ہے آخر وہی کامیاب ہوتا ہے، آپ مطمئن رہیں۔“ (۲۱)

مزید جھڑپیں..... تین روز تک علاؤ الدین کیتباد کے لشکر اور خوارزمی فوج کے ہراول دستوں میں خونریز جھڑپیں ہوتی رہیں جس میں فریقین کی بڑی تعداد مقتول ہوئی۔ شام کی افواج کا پڑاؤ اس معرکہ کارزار سے دور تھا، انہیں گردوغبار کے بادل اٹھتے نظر آتے تھے، لوگوں نے بتایا کہ خوارزمیوں نے سلجوقیوں کو بے تحاشا نقصان پہنچایا ہے اور ان کے سات ہزار سپاہی ہلاک کر دیے ہیں۔

موفق عبداللطیف بغدادی نے ارزنجان کے ایک شامی سپاہی کا چشم دید بیان نقل کیا ہے، اس نے بتایا:

”سلجوقی سلطنت کی تمام فوج جو کہ بارہ ہزار تھی یہاں جمع ہو گئی تھی، ان جھڑپوں میں ان میں سے صرف وہی بچے جو زخمی تھے یا پسپا ہو گئے تھے۔ علاؤ الدین کیتباد کے پاس صرف پانچ ہزار تھکے ماندے سپاہی رہ گئے تھے۔“

تاہم شام، الجزائرہ اور مصر کے لشکر سلطان کے مقابلے میں موجود تھے، اصل خطرہ بھی انہی سے تھا کیوں کہ مدتوں سے صلیبی جنگیں لڑنے والی یہ فوجیں نہایت تجربہ کار اور بہترین تربیت یافتہ تھیں۔ (۲۲)

جنگ ٹل نہ سکی..... ۲۷ رمضان کو متحدہ افواج پیش قدمی کر کے خوارزمی فوج کے پڑاؤ کے بہت قریب آ گئیں۔ ایک سخت معرکہ شروع ہوا جو رات کی تاریکی پھیلنے تک جاری رہا۔ اندھیرے میں دونوں فوجیں اپنے اپنے پڑاؤ میں لوٹ گئیں اور رات بھر فریقین اپنا اسلحہ اور دیگر سامان جنگ درست کرنے میں مصروف رہے، ہر ایک کو یقین تھا کہ کل فیصلہ کن لڑائی ہوگی۔“ (۲۳)

سلطان جلال الدین کامیابی کے کچھ آثار دیکھنے کے باوجود اس جنگ سے گریز کرنا چاہتے تھے، اس لیے اس آخری وقت میں وہ ایک بار پھر واپسی پر آمادہ ہو گئے تھے مگر اس دوران دشمن کے لشکر سے دو غلام فرار ہو کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے سلطان کو امید دلائی کہ دشمن بہت کمزور ہے۔ کل کسی خاص کشمکش کے بغیر فتح ان کے قدم چومے گی۔ سلطان جلال الدین نے ان کی باتوں سے متاثر ہو کر واپسی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ (۲۴)

آخری معرکہ..... جمعہ ۲۸ رمضان ۶۲۷ھ (۱۹ اگست ۱۲۳۰ء) کو دونوں لشکراپنی تمام تر قوت کے ساتھ آمنے سامنے ہو کر صف بندی کرنے لگے۔ متحدہ افواج کو ہر لحاظ سے خوارزمی لشکر پر برتری حاصل تھی۔ ان کے صرف گھڑ سوار سپاہیوں کی تعداد پچیس ہزار تھی، (۲۵) زیادہ دستوں کی گنتی اس کے علاوہ تھی۔ ان کا ہر سپاہی تنومند، تازہ دم اور ہر قسم کے بہترین اسلحے سے لیس تھا، وہ سرتاپا لوہے میں غرق تھے، ان کے چست و چالاک عربی گھوڑے اپنی تیز رفتاری اور

کارکردگی میں بے مثال تھے۔ اس کے برعکس خوارزمی لشکر مجموعی طور پر بیس ہزار، تھکے ماندے اور مسلسل جنگوں سے نڈھال سپاہیوں پر مشتمل تھا<sup>(۴۸)</sup> ان کے پاس گھٹیا اور بوسیدہ قسم کا سامان حرب تھا جسے اتحادی افواج کے نئے، پائندار اور بہترین اسلحے سے کوئی نسبت نہ تھی۔

سلطان جلال الدین کے آنسو..... لڑائی کا وقت قریب ہوا تو سلطان جلال الدین ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گئے۔ وہ بیماری کے شدید حملے کی لپیٹ میں تھے، کمزوری اور نقاہت اس قدر بڑھ چکی تھی کہ ان کے لیے گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر بیٹھنا تک دشوار تھا۔

ٹیلے کی بلندی پر کھڑے ہو کر سلطان اپنے حریف کی شاندار صف بندی کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ میدان میں دور دور تک بہترین ہتھیاروں سے آراستہ سپاہی تھے کھڑے تھے، ان کی قد آدم ڈھالیں اور مکمل زرخیز سورج کی روشنی میں شیشے کی طرح چمک رہی تھیں۔ شام اور مصر کی فوجیں آتشیں اسلحہ استعمال کرنے میں بڑی ماہر تھیں، ان کے نفط اندازوں کے دستے بھی نظر آرہے تھے، چرخ اندازوں کی ٹولیاں بھی دیوپیکر تیروں کے ساتھ مستعد تھیں، چند لمحوں میں یہ سب کچھ اس جانباز کے خلاف حرکت میں آنے والا تھا جو دس برس سے دن رات تاتاری سیلاب کے سامنے بند باندھنے میں مصروف تھا۔<sup>(۴۹)</sup>

یہ سب کچھ دیکھ کر سلطان جلال الدین سوچ رہے تھے..... ہماری کتنی بڑی بد نصیبی ہے کہ چاروں طرف سے کفار ہم پر یلغار کر رہے ہیں اور ہم ماہ رمضان کے مقدس لمحات میں ایک دوسرے کی جان لینے پر آمادہ ہیں..... اگر ہمیں ان خانہ جنگیوں سے سابقہ نہ پڑتا..... تو آج ہماری افواج تاتاری غارت گروں سے فیصلہ کن لڑائی لڑ چکی ہوتیں..... کاش!..... کہ یہ برادر کشی ہماری قسمت میں نہ ہوتی.....

ممکن تھا کہ سلطان کے ان احساسات کا کسی کو علم نہ ہوتا، مگر اب ضبط و تحمل کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ رہا تھا، دل میں بھڑکتی ہوئی غم کی آگ نے دھواں دیا اور بے ساختہ اُن کے منہ سے ایک کربناک ”آہ“ نکل گئی۔<sup>(۵۰)</sup> ان کے ساتھ کھڑے ہوئے امراء اور محافظ پریشان سے ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔

سلطان جلال الدین اتحادی لشکر پر ایک حسرتناک نگاہ ڈالتے ہوئے بھرائے لہجے میں گویا ہوئے: ”کاش! یہ لشکر میرے ساتھ ہوتا، اگر میں ایسے لشکر کو ساتھ لے کر تاتاریوں سے مقابلے کے لیے جاتا تو یقیناً انہیں تباہ و برباد کر دیتا اور ان خونخوار کتوں کے خون سے زمین کی نباتات کی نشوونما کرتا۔“

سلجوق نامے کا مؤلف ابن بی بی تحریر کرتا ہے کہ یہ کہتے ہوئے سلطان جلال الدین کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔<sup>(۵۱)</sup>

ان کے افسران اور محافظ جو موت کے منہ میں بھی انہیں مسکراتا دیکھنے کے عادی تھے اس وقت سکتے کے عالم میں ان کی یہ حالت دیکھ رہے تھے، خود ان کے دل بھی غم و اندوہ سے ڈوبے جا رہے تھے۔ ایک خوارزمی سپاہی کا بیان ہے: ”جب ہم نے سلطان کی یہ کیفیت دیکھی تو ہمارے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔“

نقارے پر چوٹ پڑنے والی تھی، سلطان آنسو پونچھتے ہوئے قلب لشکر میں آ کھڑے ہوئے۔<sup>(۵۲)</sup> جنگ کا آغاز..... طبل جنگ کی آواز سے دشت و جبل گونجنے اور دونوں فوجیں باہم برسرِ پیکار ہو گئیں۔ خوارزمی



فوج کے ایک حصے نے سلجوقی دستوں پر حملہ کیا اور میدان کے اس حصے میں زبردست لڑائی شروع ہو گئی۔ جنگ سے پہلے سلطان جلال الدین کی فوج میں سے دو آدمی غداری کر کے الملک الاشرف سے جا ملے تھے، الملک الاشرف نے ان سے سلطان کے لشکر کی تعداد معلوم کر لی تھی، اب اس نے پوچھا:

”یہ بتاؤ! جلال الدین خوارزمی کہاں ہے؟“

غداروں نے اشارہ کرتے ہوئے بتایا: ”وہ اُس ٹیلے پر ہے۔ اس کے بال اٹلس کی ٹوپی سے ڈھکے ہوئے ہیں اور اس کے کندھے پر ایک چھوٹا سا نیزہ ہے جو اس کے کرتے کے ساتھ سلا ہوا ہے۔“ (۳۱)

الملک الاشرف نے الملک الکامل کے بھیجے ہوئے مصری فوج کے دستوں کو ساتھ لیا، اس کے بعد حصص، حماة اور حلب کی افواج کے علاوہ عرب امراء کے دستوں میں سے بہترین سپاہی منتخب کر کے خوارزمی لشکر کے قلب پر جہاں خود سلطان جلال الدین موجود تھے جارحانہ حملہ کیا۔ سلطان جلال الدین اس وقت بیماری کے شدید حملے کی لپیٹ میں تھے، تکلیف کی شدت کے باعث وہ فوج کی صحیح طرح قیادت نہیں کر سکتے تھے اور میدان جنگ کے لمحہ بلمحہ بدلتے ہوئے حالات کا انہیں پوری طرح ادراک نہیں ہو سکتا تھا۔ دوسری طرف خوارزمی افسران میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو سلطان کی کمی کو پورا کر سکتا اور حریف کی متحدہ منتظم اور تجربہ کار فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتا۔

تاریخ خوارزم شاہی کے مصنف کے بقول ”گویا سلطان کی فوج بغیر کمانڈر کے لڑ رہی تھی۔“ چنانچہ سلطان کے سپاہی قلب لشکر پر الملک الاشرف کے خطرناک حملے کی مدافعت نہ کر سکے، نتیجہ یہ نکلا کہ متحدہ فوج کے دستے پیش قدمی کرتے کرتے اس ٹیلے کے قریب آ گئے جس پر سلطان جلال الدین موجود تھے۔

تقدیر کا فیصلہ ..... الملک الاشرف کے حملے کی شدت اور اپنی فوج کی کمزوری کو دیکھ کر سلطان جلال الدین شدید بیماری کے باوجود اٹھے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے..... مگر اب مشیت ایزدی کے نفاذ کے لیے ظاہری اسباب و عوامل آخری شکل پانے والے تھے..... تا تاریخوں کے خلاف جہاد سے کنارہ کش رہنے والی بے حمیت مسلم حکومتوں کو باہمی انتشار، خانہ جنگی اور ترک جہاد جیسے عظیم جرائم کی سزا ملنا طے ہو چکا تھا..... بارگاہ ربوبیت مسلم حکمرانوں کو سلطان جیسے محسن کے خلاف صف آراء دیکھ کر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہتی تھی، تا تاریخوں کی شکل میں وہ ان کے لیے عبرتناک سزا خود طے کرنے والی تھی، سلطان جلال الدین کو ان عاقبت نااندیش، بے حس اور خوابیدہ مسلمانوں کی نگہبانی سے فارغ کرنے کا فیصلہ کیا جانے لگا تھا.....

سلطان بمشکل گھوڑے پر سوار تو ہو گئے مگر ان کے ہاتھ اس قدر کپکپا رہے تھے کہ وہ لگام کو صحیح طرح نہ تھام سکے، گھوڑا قابو میں نہ آیا اور اُلٹے پاؤں چل کر چند گز پیچھے ہٹ گیا۔ سلطان کے مخلص امراء نے یہ منظر دیکھا تو عرض کرنے لگے:

”عالی جاہ! آپ کی طبیعت بہت ناساز ہے، کچھ دیر آرام کیجئے تاکہ کسی قدر افاقہ ہو۔“

یہ امراء اصرار کر کے سلطان کو عقب کے محفوظ حصے کی طرف لے گئے۔ (۳۲)

شکست فاش ..... ادھر الملک الاشرف کے نامور سالار عز الدین عمر نے خوارزمی لشکر پر سخت دباؤ ڈال دیا تھا (۳۳) جبکہ خوارزمی دائیں بازو اور بائیں بازو کے سپاہی جو قلب لشکر سے فاصلے کے باعث سلطان کی میدان سے کنارہ کشی کی وجہ نہ سمجھ سکے تھے اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ سلطان جلال الدین میدان جنگ سے فرار ہو رہے ہیں، یہ سوچ کر ان کی

ہمت جواب دے گئی اور شامی فوج کے شدید حملے کے سامنے معمولی مزاحمت کے بعد وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے۔  
 (۳۱) جو پیچھے رہ گئے وہ ہر طرف سے سلجوتی اور شامی فوجوں کے گھیرے میں آ کر پس گئے۔ الخ خان اور اطلس ملک سمیت سلطان کے کئی بڑے امراء اور ان کا حلیف رکن الدین ارزن الرومی زندہ گرفتار ہوئے۔ (۳۲)  
 اتحادی افواج نے خوارزمی فوج کے مفروز سپاہیوں کا چہار سو تاقب کیا اور بہت سوں کو قتل کر دیا۔ بچ نکلنے والے مفروزین کا یہ حال تھا کہ وہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بکھر کر ادھر ادھر بھٹکتے رہ گئے اور ان کے دشمن قبائلی افراد ان کو چن چن کر ختم کرتے رہے۔ تقریباً تین ہزار خوارزمی منتشر ٹکڑیوں کی صورت میں ”جانیت“ کی بستیوں کی طرف جانے لگے۔ یہ قبیلہ گرجیوں کا حلیف تھا۔ چنانچہ یہاں کے قبائلیوں نے ارد گرد کے عیسائیوں کے ساتھ مل کر ان سب کو گھیر لیا اور کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔

اتحادیوں کا عام خیال یہ تھا کہ سلطان جلال الدین بھی اسی ہنگامہ محشر میں جاں بحق ہو چکے ہیں، اس لیے کئی دن تک وہ ان کی لاش تلاش کرتے رہے۔ ان کے ایک سردار نے اس جنگ کا قصہ سناتے ہوئے کہا:  
 ”ہم نے سلطان جلال الدین خوارزمی پر حملہ کر کے ان کے لشکر کو ایک ایسے کنارے تک دھکیل دیا جس کے نیچے گہری کھائی تھی، وہ سب گھوڑوں سمیت پھسل پھسل کر اس میں گرے رہے اور ان کے پر نچے اڑ گئے۔ اگلے دن ہم نے اس کھائی میں جھانک کر دیکھا تو ایک زخمی کے سوا جس کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی، سب مر چکے تھے۔ ہم کئی دن تک مقتولین کی لاشوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے کہ کہیں جلال الدین ان میں تو نہیں.....“

خوارزمی لشکر افراتفری میں اپنا زائد اسلحہ، مویشی، سواریاں اور دیگر تمام ساز و سامان وہیں چھوڑ گیا تھا۔ سلجوتی اور شامی افواج نے یہ سب کچھ لوٹ لیا، چونکہ ان کے نزدیک ان اشیاء کا معیار بہت گھٹیا تھا، اس لیے ہر سپاہی نے اپنے حصے میں آنے والا سامان اونے پونے بیچ دیا۔ لوٹ مار کرنے والے زیادہ تر عرب بدو تھے، انہیں جو سب سے قیمتی چیز ملی تھی وہ بچیس رطل وزنی سونے کا ایک ٹکڑا تھا جو سلطان جلال الدین کے خیمے سے ملا تھا۔ (۳۳)

مؤرخین کے بقول خوارزمی فوج کو زیادہ نقصان شامی سپاہیوں نے پہنچایا تھا، ایک خوارزمی قیدی کا کہنا تھا: ”اگر شامی لشکر نہ ہوتا تو ہم سلجوتی فوج کو روند ڈالتے، ان کے بچاس گھڑ سوار تو میں نے خود قتل کیے تھے۔“ (۳۴)

اس خوں ریز لڑائی میں شکست فاش کے باعث خوارزمی فوج بالکل ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئی، سلطان جلال الدین کے ہاتھ سے تلوار چھین گئی اور تاتاری سیلاب کو روکنے والا حفاظتی بند شکستہ ہو گیا۔

سلطان کی کسمپرسی..... یاسی چین کے میدان جنگ سے نکل کر سلطان جلال الدین رُوح پر ناقابل برداشت بوجھ لیے ہوئے، سفر و مرض کی آفتیں سہتے خلاط کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ صرف سات آدمی تھے۔ راستے میں ان کا گزر ”ملازکرد“ سے ہوا جہاں ان کے وزیر اعظم نے شہر محاصرہ کیا ہوا تھا۔ سلطان اور ان کے ساتھی بھوکے پیاسے وہاں پہنچے تھے۔ وزیر اعظم نے ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا، شہر فتح ہونے کے قریب تھا، مگر سلطان نے فی الفور وزیر اعظم کو محاصرہ اٹھا کر اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ خلاط پہنچ کر سلطان نے وہاں ٹہرنے کی بجائے فوری کوچ کا حکم دیا، سواریوں کی کمی کی وجہ سے صرف ضروری ساز و سامان، خزانے اور اپنی مستورات کو ساتھ لیا اور آذربائیجان کی طرف کوچ کر دیا۔ (۳۵) خلاط میں متعین خوارزمی محافظ بھی وہاں سے نکل گئے۔

سلطان نے وزیراعظم کو باقی ماندہ عراقی سپاہیوں کے ساتھ ستمنا ناپاد کے علاقے میں چھوڑ کر سرحدوں کی نگرانی کی تاکیدی اور خود ”خوی“ چلے گئے۔ ادھر الملک الاشرف کی افواج نے پیش قدمی کر کے خلاط پر قبضہ کر لیا۔<sup>(۴۰)</sup> مصالحت..... الملک الاشرف جانتا تھا کہ تاتاریوں سے مدافعت کے لیے سلطان جلال الدین کا وجود امت کے لیے نہایت غنیمت ہے، اور اگر یہ حصار ٹوٹ گیا تو تاتاری کسی بھی وقت اس کی ریاست پر حملہ کر دیں گے۔ اسے یہ بھی اندازہ تھا کہ سلطان کی یہ شکست آئندہ کسی جوابی حملے میں فتح سے بھی بدل سکتی ہے، اس لیے فاتح ہونے کے باوجود اس نے پیام صلح میں پہل کی اور سلطان کے وزیراعظم کو جو ستمنا ناپاد میں ٹھہرا ہوا تھا، اپنے خط میں لکھا:

”آپ کے آقا مسلمانوں کے سلطان، انکے حکمران اور ان کا سہارا ہیں، وہ تاتاریوں اور عالم اسلام کے درمیان رکاوٹ اور دیوار ہیں۔ ہم سے یہ بات مخفی نہیں کہ ان کے والد کی موت سے ملت اسلامیہ کن مصائب کا شکار ہوئی تھی۔ ہم جانتے ہیں کہ سلطان جلال الدین کی شکست کا مطلب اسلام کی شکست ہے جس کا نقصان ساری امت کو ہوگا۔ آپ تجربہ کار انسان ہیں، سیاسی نفع و ضرر کو خوب سمجھتے ہیں۔ سردو گرم چشیدہ ہیں۔ کیا آپ سلطان کو کسی ایسے معاہدے کی ترغیب نہیں دے سکتے جو سب کے لیے درست اور بہتر ہو۔ آپ کیوں انہیں ایسی بات پر آمادہ نہیں کرتے جو دنیا و عقبیٰ میں زیادہ قابل تعریف اور اللہ کے زیادہ قریب کرنے والی ہو۔ علاؤ الدین کی قیادت اور اپنے بھائی الملک الکامل کی طرف سے میں ضمانت دینے کو تیار ہوں کہ وہ سلطان کی ہر موقع پر مدد کریں گے، قریب ہوں یا دور اپنی نیوٹوں کو صاف رکھیں گے۔ ایسے اقدامات کریں گے جن سے کشیدگی دور ہو اور انتشار ختم ہو۔“

الملک الاشرف کے اس خوبصورت پیغام اور اس ضمانت نے کہ اس کا بھائی الملک الکامل اور علاؤ الدین کی قیادت بھی اس صلح میں شامل ہو جائیں گے، وزیراعظم کو بہت متاثر کیا اور اس نے سلطان جلال الدین کو صلح کی ترغیب دیتے ہوئے الملک الاشرف کے پیغام سے آگاہ کیا۔ سلطان جلال الدین فوراً معاہدہ صلح پر تیار ہو گئے۔ وہ کہاں چاہتے تھے کہ مسلمان افواج اس طرح باہم ٹکرائی رہیں اور کفار انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کرتے رہیں۔ ویسے بھی اس شکست کے بعد ان میں اتحاد ختم نہیں تھا کہ جنگ جاری رکھتے، چنانچہ انہوں نے الملک الاشرف کی پیش کش کو غنیمت سمجھا اور کسی خاص جیل و جت کے بغیر اس کی من پسند شرائط پر صلح کر لی۔

صلح کی شرائط کے مطابق سلطان نے خلاط پر اشرف کا اقتدار تسلیم کرنے کے علاوہ ”سرمین رائی“ کا علاقہ بھی اس کے حوالہ کر دیا۔ اشرف کے دو بھائی مجیر الدین اور قتی الدین خلاط پر سلطان کے قبضے کے وقت سے ان کی قید میں تھے۔ اس صلح کے موقع پر سلطان نے ان دونوں کو باعزت طور پر رہا کر دیا۔<sup>(۴۱)</sup>

ہندوستانی مقبوضات پر اٹیش کا قبضہ..... یاسی چین کی رزمگاہ میں سلطان جلال الدین کی شکست سے ان تمام مخالفین اور حاسدین کو کھل کر سامنے آنے کا موقع مل گیا جواب تک سلطان کی مہبت کے باعث دبے ہوئے تھے۔

ہندوستان میں ساحلِ سندھ کے علاقوں پر سلطان کا نائب ”جہاں پہلوان ازبک“ نہایت عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کر رہا تھا، عوام میں اس کی مقبولیت کے باعث اس کے ہمسائے حکمران اس سے حسد کرتے تھے۔ سلطان جلال الدین کی تلوار کندھ ہوتے دیکھ کر ہندوستان میں ان کے مخالفین کی بن آئی، سب راجوں، مہاراجوں اور امرائے سلطنت نے شاہِ دہلی شمس الدین اٹیش کو یقین دلایا کہ اب سلطان جلال الدین کا قصہ تمام ہونے کو ہے، ایسے میں

ہندوستان کی سرحدوں کو محفوظ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ سلطان کی عملداری پر قبضہ کر لیا جائے۔

التمش کی طرف سے اجازت پانے کے بعد دہلی کی افواج نے سلطان کے نائب جہاں پہلوان کی عملداری پر حملہ کر کے اسے وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ جہاں پہلوان نے پہلے کشمیر جا کر قدم جمانے کی کوشش کی مگر ہندوستانی امراء نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا۔ آخر کار اسے ہندوستان چھوڑنا پڑا اور وہ دریائے سندھ عبور کر کے سلطان جلال الدین سے ملنے ایران روانہ ہو گیا۔<sup>(۳۱)</sup>

امراء اور وزراء میں آثار بغاوت..... سلطان کی طاقت روز بروز گھٹتے دیکھ کر ان کے امراء جو مسلسل جنگ و جدال سے نڈھال ہو رہے تھے، نہایت بددلی اور مایوسی کا شکار ہونے لگے۔ وزیر اعظم شرف الملک بھی اپنے طور پر سلطان کے ایام اقتدار گن چکا تھا، اس لیے پیش بندی کر کے اس نے خفیہ طور پر الملک الاشرف اور علاؤ الدین کی قیادت سے تعلقات قائم کر لیے اور انہیں اپنی وفاداری اور اطاعت کا یقین دلایا۔<sup>(۳۲)</sup>

تبریز اور گنجه میں زیر زمین سازشیں..... تبریز، گنجه اور بعض دوسرے شہروں میں سلطان کے وہ مخالفین جو ایک عرصے سے اپنی مفیدانہ کارروائیوں سے رکے ہوئے تھے، اب زیر زمین گھناؤنی سازشوں کے تانے بانے تیار کرنے لگے۔ ان سب کا مجمع نظر یہ تھا کہ سلطان کے خلاف بغاوت کر کے خود مختاری کا اعلان کر دیا جائے۔<sup>(۳۳)</sup>

————— ❦ —————

## حواشی و حوالہ جات

- ① سیرۃ جلال الدین ص ۳۰۰، ۳۰۱..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۵، ۱۳۶..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۳
- ② سیرۃ جلال الدین ص ۳۰۳..... خوارزم شاہی، ص ۱۸۹
- ③ سیرۃ جلال الدین ص ۷۸ تا ۱۸۰..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۳، ۳۷۴..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۶
- ④ سلجوق نامہ، ص ۱۶۲، (لابن بی بی - مترجم: محمد زکریا مائل)
- ⑤ ”روم“ سے مراد سلجوقی سلطنت کا علاقہ ایشیائے کوچک ہے، اس زمانے میں یورپی روم کے علاوہ ایشیا کا یہ علاقہ بھی روم کہلاتا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ صدیوں تک یہ یورپ کی سلطنت روم کا حصہ رہا تھا، آج کل یہی علاقہ ”ترکی“ کہلاتا ہے۔
- ⑥ سلجوق نامہ ص ۱۵۶
- ⑦ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۱۷ تا ۳۱۹..... خوارزم شاہی ص ۱۹۳
- ⑧ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۲۰، ۳۲۱..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۵۳
- ⑨ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۶۲
- ⑩ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۷ھ بروایۃ سبط ابن جوزی
- ⑪ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۵۳
- ⑫ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۷ھ..... سلجوق نامہ ۱۶۵
- ⑬ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۳۰..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۵، ۳۷۶
- ⑭ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۵۴..... سلجوق نامہ ص ۱۶۷
- ⑮ جہاں کشاج ص ۱۸۱
- ⑯ سلجوق نامہ ص ۱۶۷
- ⑰ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۳۰..... خوارزم شاہی ص ۱۹۷
- ⑱ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۳۰..... خوارزم شاہی ص ۱۹۷ تا ۱۹۸
- ⑲ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۷ھ..... سلجوق نامہ ص ۱۶۷ تا ۱۶۸
- ⑳ سلجوق نامہ ص ۱۶۷ تا ۱۶۸
- ㉑ سلجوق نامہ ص ۱۶۷ تا ۱۶۸
- ㉒ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۷ھ بروایۃ موفق بغدادی
- ㉓ سلجوق نامہ ص ۱۶۹ تا ۱۷۰..... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۷ھ

- ③ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۷ھ بروایہ موفق بغدادی  
 ⑤ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۵۴  
 ⑥ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۳۶  
 ⑦ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۷ھ..... جہاں کشاج ص ۱۸۱  
 ⑧ سلجوق نامہ ص ۱۷۳  
 ⑨ سلجوق نامہ ص ۱۷۳  
 ⑩ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۷ھ بروایہ موفق بغدادی  
 ⑪ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۷ھ  
 ⑫ جہاں کشاج ص ۱۸۱..... روضۃ الصفا، ج ۳ ص ۸۳۲  
 ⑬ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۵۵  
 ⑭ جہاں کشاج ص ۱۸۱  
 ⑮ سلجوق نامہ ص ۱۷۳..... سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۳۱، ۳۳۲..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۶  
 ⑯ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۷ھ  
 ⑰ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۷ھ  
 ⑱ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۷ھ  
 ⑲ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۳۳..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۶..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۵  
 ⑳ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۳۳، ۳۳۴..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۶..... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۷ھ..... بحوالہ مرآۃ الزمان، ج ۸، ص ۶۵۹، ۶۶۲  
 ㉑ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۷..... سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۲۰..... خوارزم شاہی، ص ۲۰۴  
 ㉒ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۸  
 ㉓ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۸

————— ❦ —————

## چراغ اُمید بجھ گیا

صحرا سے لے کے آئے جو تا منزل مراد کر کے ہمیں فلک کے حوالے کہاں گئے  
 وضع زمانہ دیکھ کر یاران باصفا رخ پر نقاب شرم کا ڈالے کہاں گئے  
 اب شاہراہ عام پہ جلتے نہیں چراغ تاریک راستوں کے اُجالے کہاں گئے

تاتاریوں کی پیش قدمی..... منگولیا کے بحر آتشیں کے سامنے بند باندھتے ہوئے سلطان جلال الدین کو تقریباً دس سال ہونے کو آئے تھے۔ ان کی کوششیں کبھی کامیاب ہوئیں اور کبھی ناکام۔ ان کی جدوجہد مختلف اقالیم میں مختلف انداز سے جاری رہی۔ کبھی انہوں نے اپنے ہمسایوں سے اتحاد کر کے اس تباہ کاریلاب کا راستہ روکنے کی سعی کی اور کبھی ان کو صرف اپنے قوت بازو پر بھروسہ کرنا پڑا، لیکن اب ۶۲۸ھ کے آغاز میں ان کی حیثیت سمندری طوفان میں چمکو لے کھاتی ہوئی کی کشتی کے بے سہارا ملحق کی سی تھی۔ انہیں کسی ہمسایے کی اعانت حاصل تھی، نہ ان کے اپنے بازوئے تیغ زن میں وہ پہلا سادہ ختم رہا تھا۔ ان کے وزراء خائن اور بددیانت تھے، امراء سرکش تھے، سالاران فوج، بددل اور مایوس تھے، خزانہ تقریباً خالی تھا، سپاہیوں کی تعداد بہت قلیل اور ان کے لیے اسلحہ، خوراک اور رسد کے انتظامات ناکافی تھے۔ بارہ سال سے ناقابل بیان محنت و مشقت، مسلسل اسفار، نہ ختم ہونے والی جنگی صعوبتوں، ذہنی دھچکوں اور سرد و گرم علاقوں میں آب و ہوا کی لگاتار تبدیلیوں نے خود سلطان کو سخت بیمار کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ بیماری کا اثر طبع مزاج پر بھی پڑتا ہے، اس لیے سلطان میں اب پہلے کی طرح ضبط و تحمل بھی نہیں رہا تھا۔ اگر ایسے میں انہیں کوئی حوصلہ دلانے والا مخلص دوست ہی مل جاتا تو غنیمت ہوتا مگر یہاں صورتحال یہ تھی کہ ان کا سب سے معتمد ساتھی وزیر اعظم بھی بے وفا ہو چکا تھا۔

سلطان کے اندرونی و بیرونی تمام دشمن ایک عرصے سے دم سادھے ہوئے اسی لمحے کا انتظار کر رہے تھے اور اب بڑی تیزی سے پر پُر زے نکالنے لگے تھے۔ ان حالات میں تاتاری جوان کے سب سے بڑے حریف تھے، بھلا کیسے پیچھے رہتے۔ تقریباً تین سال تک عالم اسلام کی طرف لچائی ہوئی نگاہیں ڈال کر وہ صرف اس لیے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا سکے تھے کہ سلطان کی شمشیر آبداران کو خوفزدہ کرنے کے لیے کافی تھی، مگر اب یہی شمشیر انہیں کند و کھائی دے رہی تھی۔ حاکم ”الموت“ کی سازش..... سلطان کے باج گزار حاکم الموت علاؤ الدین نے بھی سلطان کی حالت زار دیکھ کر تاتاریوں کو پے در پے پیغامات بھیجے کہ وہ اس وقت کو غنیمت جان کر فوراً سلطان کے خلاف یلغار کر دیں۔ اس نے اپنے خط میں لکھا: ”علاؤ الدین کی قیادت اور الملک الاشرف سے شکست کے بعد سلطان جلال الدین کی قوت بہت کم رہ گئی ہے۔ اب اسے مسلم حکمران اس کی مدد بھی نہیں کریں گے۔“ اس نے تاتاری خاقان کو جلال الدین کے خلاف مہم جوئی میں فتح کا پورا پورا یقین دلایا۔ ①

چنانچہ دریائے جیحون کے پار ایسے کسی موقع کے شدت سے منتظر تاتاری شہزادے زور شور سے اپنا سامان جنگ درست کرنے لگے۔ تاتاریوں کے موجودہ خاقان اوکتائی خان کی طرف سے اس مہم کو کامیاب بنانے کے تاکید کی احکامات جاری ہو چکے تھے۔ تاتاری لشکر بخارا میں مرتب ہوتا رہا۔ آخر زبردست تیاریوں کے بعد موسم خزاں میں اس نے دریائے جیحون کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔

سرحدوں پر تاتاریوں کی نقل و حرکت ..... موسم سرما شروع ہونے کو تھا، سلطان اپنے مرکز تبریز میں مقیم تھے کہ اچانک سرحدوں پر تاتاری لشکر کی نقل و حرکت کی اطلاعات موصول ہونے لگیں۔ سلطان کا اضطراب ناقابل بیان تھا۔ دشمن ایسے وقت میں ان پر چڑھائی کر رہا تھا، جبکہ ان کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ انہوں نے فوری طور پر تاتاری لشکر کے کوائف معلوم کرنے کے لیے یرغونامی ایک افسر کو چودہ سپاہیوں کے ساتھ اس سمت روانہ کیا۔ یہ سپاہی ”ابھر“ اور ”زنجبان“ کے درمیان ”مرج شروان“ کے علاقے سے گزر رہے تھے کہ تاتاریوں کے ایک دستے سے ان کی ٹڈ بھینٹ ہو گئی جس میں تمام خوارزمی سپاہی شہید ہو گئے اور یرغوبخشک جان بچا کر واپس تبریز آ سکا۔<sup>①</sup>

اس حملے کا واضح مطلب یہ تھا کہ سرحدیں غیر محفوظ ہو چکی ہیں اور تاتاری بلاروک ٹوک اندر داخل ہو رہے ہیں۔ سلطان نے ان کی فوری روک تھام کے لیے تبریز سے کوچ کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ اپنی افواج کو جو موخان کے نواح میں بکھری ہوئی تھیں جلد از جلد مرتب کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ غیر یقینی حالات کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنے اہل و عیال اور شاہی خزانے کو وزیراعظم شرف الملک کی نگرانی میں قلعہ کیران روانہ کر دیا، جو کہ تبریز اور بیلقان کے درمیان واقع ہے۔<sup>②</sup>

سلطان نے چند خواص اور تھوڑی سی فوج کے ساتھ تبریز سے کوچ کیا تو کسی کو معلوم نہ تھا کہ اپنے پایہ تخت سے یہ ان کا آخری سفر ہے، اس کے بعد انہیں کبھی یہاں لوٹنا نصیب نہ ہوگا۔ سلطان کو بھی احساس ہو چکا تھا کہ اب شاید وہ اپنے اعزہ و اقارب اور قریبی دوستوں سے ہمیشہ کے لیے جدا ہونے کو ہیں۔

شہاب الدین النسوی جو تبریز سے ان کے ساتھ ہی چلے تھے، لکھتے ہیں:

”اس وقت سلطان کے ساتھ ان کے قریبی مصاحبین میں سے میرے سوا کوئی نہ تھا۔ ہاں امرائے شام میں سے مجیر الدین بن ملک العادل، اس سفر میں ساتھ رہا اور گفتگو کرتا رہا۔ ایک دن جب مجیر الدین سلطان سے گفتگو کر کے الگ ہوا تو میں نے دیکھا سلطان کے آنسو بہہ کر ان کے رخساروں کو تر کر رہے ہیں۔ شاید انہیں اپنی سلطنت کے خاتمے، اہل و عیال کے دشمنوں کے زرخے میں آجانے، مصائب میں گھر جانے اور ان سے ہمیشہ کی جدائی کا احساس ہو گیا تھا۔“ (سیرۃ جلال الدین ص ۳۵۲)

سلطان افواج کو مرتب کرنے میں موخان پہنچے تو انہیں یہ دیکھ کر مزید پریشانی ہوئی کہ سپاہی موسم سرما گزارنے کے لیے شروان سے لے کر مکتور تک کے دور دراز کے علاقوں کا رخ کر چکے ہیں۔ اب ان کے دوبارہ جمع ہونے میں کئی ماہ لگ سکتے تھے۔ سلطان نے موخان میں ٹھہرے رہنا بے سود سمجھ کر ضلع الجبال کے قلعہ ”ارمیہ“ میں جا کر ڈیرا ڈال دیا۔ ابھی وہ افواج جمع کرنے کی ادھیڑ بھن میں مبتلا تھے کہ قلعہ بلک کے حاکم کی طرف سے اطلاع دی گئی کہ جن تاتاریوں نے ان کے افسر یرغو کے جاسوس دستے پر حملہ کیا تھا ان کی تعداد صرف سات تھی۔<sup>③</sup>



اس خبر سنتے ہی سلطان کی تشویش جاتی رہی۔ دراصل موسم سرما اور برف باری کے پیش نظر سلطان کا پہلے بھی یہ خیال تھا کہ تاتاری بھر پور حملے کے لیے حسب عادت موسم بہار کا انتظار کریں گے۔ اب جبکہ انہیں یہ اطلاع ملی کہ ان کے سپاہیوں پر حملہ کرنے والے دشمنوں کی تعداد صرف سات سو تھی تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ تاتاریوں کی کسی بڑی فوج کی فوری یلغار کی خبریں درست نہیں ہیں۔ یہ سات سو حملہ آور کوئی گنتی دستہ ہوں گے۔ النسوی نے عرض کیا: ”عالم پناہ! کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سات سو سپاہی تاتاریوں کا ہراول دستہ ہوں اور اصل فوج پیچھے آ رہی ہو۔“ سلطان نے جواباً کہا: ”تاتاری ہمارے مقابلے میں سات سو سپاہی نہیں بھیج سکتے۔ اگر یہ ان کا ہراول دستہ ہوتا تو ان کی تعداد کم از کم سات ہزار ہوتی۔“ ⑤

سلطان جلال الدین نے یہ الفاظ صرف جی بہلانے کو کہے تھے ورنہ حقیقت ان سے مخفی نہیں تھی۔ النسوی کہتے ہیں: ”یوں لگتا تھا کہ سلطان حقیقت کی جانچ پڑتال کرنا نہیں چاہتے بلکہ ایسی خبر سننا چاہتے ہیں جو ان کا غم ہلکا کرے۔“ (سیرۃ سلطان جلال الدین، ص: ۳۵۱)

بہر حال حقیقت یہی تھی کہ یہ سات سو سپاہی ہراول کے تیز رفتار دستوں میں سے تھے جو صرف سلطان کا کھوج لگانے کے لیے سلطنت کے مختلف حصوں میں داخل ہوئے تھے، ان کے پیچھے باقاعدہ لشکر بھی آ رہا تھا۔ لا تعداد تاتاری سپاہی اپنے خانِ اعظم کے حکم کے مطابق جرماعون کی قیادت میں دریائے جیحون عبور کر کے عنقریب سلطان کی قلمرو میں داخل ہونے والے تھے۔ ① کچھ دنوں بعد باوثوق ذرائع نے سلطان کو سرحدوں پر تاتاری لشکر کی آمد کی یقینی اطلاع پہنچائی۔

تاتاریوں کی اس یلغار میں کاہف صرف سلطان جلال الدین کا کام تمام کرنا تھا۔ اس لیے تاتاریوں کی تمام تر کارروائی سلطان جلال الدین کے تعاقب تک محدود تھی۔ ان کی نقل و حرکت سلطان کی آمد و رفت کے ساتھ تبدیل ہو رہی تھی۔ اس بار تاتاری شہروں کا محاصرہ کرنے، انسانوں کو مارنے اور بستیوں کو آگ لگانے نہیں آئے تھے۔ یہ کام سلطان جلال الدین کو قتل کرنے کے بعد پورے اطمینان سے کیے جاسکتے تھے۔ اس وقت اہم مسئلہ اس رجلِ عظیم کو ختم کرنا تھا جس کی موجودگی میں تاتاری کبھی چین سے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔

مجاہد کی پکار..... سلطان جلال الدین کے پاس اب اس کے سوا اور کوئی راستہ باقی نہیں بچا تھا کہ وہ اپنے ہمسایہ مسلم حکمرانوں سے اسلام کے نام پر ایک بار پھر مدد طلب کریں۔

ہر درد مند دل کو رونا مارا رلا دے بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگادے

اگرچہ وہ جانتے تھے کہ ان کے اکثر پڑوسی ان کے بدخواہ ہیں، انہیں معلوم تھا کہ الملک الاشرف اور کیکاوڑ مصالحت کے باوجود ابھی تک ان کے باہمی تعلقات ایثار، محبت اور قومی یکجہتی کی حدود سے دور ہیں۔ انہیں پتا تھا کہ خلیفۃ المسلمین ان پر خلعتوں کی بارش برسانے کے باوجود اب بھی تاتاریوں کے خلاف اعلان جہاد کو خلافِ مصلحت گردانتے ہیں، مگر ان تمام حقائق سے آگاہی کے باوجود سلطان کو ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید یہ بے حس حکمران تاتاری شمشیر کو اپنی شرگ کے قریب دیکھ کر، وقتی طور پر ہی سہی، اپنے مشترکہ مفاد کے لئے ان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے خلیفہ مستنصر باللہ، سلطان علاؤ الدین کیکاوڑ، الملک الاشرف اور دیگر حکمرانوں کے نام یہ

تاریخی پیغام ارسال کیا۔ ④

”شاہ تاتار کا لشکر دریائے جیحوں عبور کر چکا ہے، اس نڈی دل فوج کے سامنے شہر اور قلعے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کے خوف اور دہشت سے عوام لرزہ بر اندام ہیں۔

یاد رکھیے! اگر میں درمیان سے ہٹ گیا تو آپ کے لیے انہیں روکنا اور ان سے مقابلہ کرنا ناممکن ہوگا۔ میں آپ سب کے دفاع کے لیے سید سکندری بن کر کھڑا ہوں اور آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ میں سے ہر ایک اپنے پرچم کے ساتھ ایک فوج میری مدد کے لیے بھیجے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے اس اتحاد سے دشمن کے دانت کند اور ہمارے سپاہیوں کے حوصلے بلند ہو جائیں گے۔

اس پیغام کے ساتھ ہی میں اپنے فریضے سے سبکدوش ہوتے ہوئے آپ پر اتمامِ حجت کر چکا ہوں، اگر آپ نے کوتاہی کی تو اس کا انجام بد خود دیکھ لیں گے۔ والسلام۔“ ⑤

شراب و شیشہ و ذکرِ بٹاں کا وقت نہیں اٹھو اٹھو کہ یہ خواب گراں کا وقت نہیں فوج کی خود سری.... مسلم حکمرانوں کو جھنجھوڑنے کے ساتھ ساتھ سلطان نے دور دراز کے قلعوں اور شہروں تک بکھری ہوئی اپنی فوجوں کو تائیدی احکامات جاری کیے کہ وہ فوری طور پر ان کے پاس ”موقان“ میں جمع ہو جائیں، مگر اب فوج میں بھی بغاوت کے اثرات نمایاں ہو رہے تھے۔ اکثر سالار اپنی جگہ سے ٹس سے مس تک نہ ہوئے۔ ⑥ سلطان کے ہزاروں سپاہی ان دنوں موسم سرما کی تعطیلات پر تھے، سلطان کے ہرکارے قریہ قریہ ان کو تلاش کر رہے تھے۔ سلطان نے ان ہرکاروں کو تیروں والی شاہی علامات بھی دی تھیں جن کو دیکھ کر ہر سپاہی کو بہر صورت اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے حاضر ہونا پڑتا تھا۔ مگر یہ تمام بھاگ دوڑ رائیگاں جا رہی تھی۔

فوج کے تیار نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ وزیرِ اعظم شرف الملک کی غدارانہ روش تھی۔ وزیرِ اعظم پر ملک کے مالیاتی اور انتظامی امور کا تمام تر دار و مدار تھا، اس کے باغیانہ رویے سے شہ پا کر اس کے زیر اثر ہزاروں سپاہی سلطان کے تائیدی احکام کو نظر انداز کر رہے تھے۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

خرج وزیرہ عن طاعنته فی طائفۃ کثیرۃ من العسکر

سلطان کا وزیر فوج کی کثیر تعداد کے ساتھ ان کے حلقہ اطاعت سے نکل گیا تھا۔“ (الکامل ج: ۷، ص: ۶۵۸)

دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ تاتاریوں کے کئی لشکر جگہ جگہ پھر رہے تھے اور انہیں جہاں سلطان کے سپاہیوں کی موجودگی کا علم ہوتا وہاں تباہی مچا دیتے، اس لیے سلطان کے منتشر سپاہی ان سے بچنے کی کوشش میں مزید بکھرتے جا رہے تھے۔ ان دنوں سلطان کے جاسوسوں نے تو حد ہی کر دی تھی۔ وہ اپنے فرائض کو یوں بھول بیٹھے تھے جیسے ان کا کوئی کام ہی نہ ہو۔ ایک دن موقان کے باہر سلطان نے ایک ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کاتبِ النسی سے کہا: ”آپ اس ٹیلے پر جاییں، ہم کچھ دیر میں آتے ہیں۔ ہمارے آنے تک آپ ایک تحریر تیار کر دیں جس میں اردبیل اور فیروز آباد کے قلعہ داروں کو تائیدی جائے کہ ہم تاتاریوں کی نقل و حرکت معلوم کرنے کیلئے امیر یغان سقر اور امیر ارمان کو بھیج رہے ہیں۔ ان کیلئے ہر چوکی پر گھوڑے تیار رکھے جائیں اور تمام ضروریات کا خیال رکھا جائے۔“

کاتب النسوی نے ٹیلے پر جا کر یہ تحریر لکھ دی۔ کچھ دیر بعد سلطان جلال الدین بھی وہاں آ گئے اور یہ تحریر دونوں افراد کو دے کر روانہ کر دیا۔ مگر یہ دونوں نالائق اپنے گھروں کو چلے گئے۔ انہیں بالکل احساس نہیں تھا کہ انہیں جس خطرے کی خبر لینے کے لیے بھیجا گیا ہے وہ عین سر پر منڈلا رہا ہے۔ (سیرۃ جلال الدین، ص: ۳۵۲)

دوسری طرف تاتاریوں کا جاسوسی نظام سلطان کی عملداری میں پوری طرح فعال ہو گیا تھا، یہی وجہ تھی کہ ان دنوں سلطان کو تاتاریوں کی نقل و حرکت کی نہایت اہم اور حساس اطلاعات بھی وقت گزرنے کے بعد یا خاصی تاخیر سے موصول ہو رہی تھیں، جبکہ تاتاریوں کو سلطان کے بارے میں بالکل درست خبریں اس طرح مل رہی تھیں گویا سلطان کے جاسوس ہی ان کے مددگار بن گئے ہوں۔ اپنے فوجی امراء، سرداروں اور منجروں کی اس خود سری اور بے وفائی سے سلطان جلال الدین کو لوح تقدیر پر لکھا ہوا تباہ کن مستقبل صاف نظر آنے لگا۔

سلطان کی قیام گاہ پر تاتاریوں کا حملہ..... اپنی اور عالم اسلام کی افواج کے اجتماع کے انتظار میں سلطان کا اضطراب اور اعصابی تناؤ دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کیفیت کو کم کرنے کے لیے وہ ایک دن ”موقان“ کے نواح میں شکار کے لیے نکل گئے جو ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ ان کے ساتھ صرف ایک ہزار سپاہی تھے۔ الملک الاشرف کا بھائی مجیر الدین یہاں بھی ان کے ساتھ تھا۔

موقان شہر سے باہر ایک بلند پہاڑی پر ایک مضبوط قلعہ تھا جسے ”شیرکوت“ کہا جاتا تھا۔ پہاڑی کے گرد گہری خندقوں نے اسے نہایت محفوظ بنا دیا تھا۔

سلطان نے اس قلعے کے نواح میں پڑاؤ ڈال دیا۔ ان کے ساتھ قافلے میں ایک تاتاری قیدی بھی تھا جسے خلاط کے محاصرے کے دوران سرحدوں سے مزید کئی ساتھیوں سمیت گرفتار کیا گیا تھا۔ اس کے باقی ساتھی قتل کر دیے گئے تھے۔ صرف اسی کو اب تک زندہ رکھا گیا تھا۔ شام ہوئی تو سلطان نے اس تاتاری قیدی کو النسوی کے حوالے کر دیا اور کہا: ”اسے قلعے میں لے جاؤ اور سخت حراست میں رکھو۔“

سلطان کو خطرہ تھا کہ اگر وہ موقع پا کر فرار ہو گیا تو تاتاریوں کو ان کی فوج کے انتشار اور نظام حکومت کی ابتری کی تازہ ترین چشم دید تفصیل معلوم ہو جائیں گی۔ سلطان کو قطعاً خبر نہیں تھی کہ تاتاریوں کا ایک دستہ ان کے قریب تر آچکا ہے اور نہ صرف ان کے شکار پر نکلنے سے واقف ہے بلکہ اسے ان کی خیمہ گاہ کا بھی علم ہے۔ یہ صورتحال اس احتمال کو پختہ کرتی ہے کہ سلطان کے محکمہ خبر رسانی و جاسوسی کا غالب عنصر تاتاریوں کے ہاتھوں بک چکا تھا اور مفوضہ خدمات کے برعکس کام کر رہا تھا۔ النسوی قیدی کو تین سپاہیوں کی حراست میں قلعے میں لے گئے تاکہ رات وہیں بسر کی جائے۔

الملک الاشرف کا بھائی مجیر الدین موقان کی شکار گاہ میں سلطان کے ساتھ ہی تھا۔ سلطان نے اس رات اسے خصوصی طور پر الملک الاشرف کے نام یہ پیغام دیا: ”تاتاریوں کا یہ حملہ میری ذات یا میری سلطنت کے خلاف نہیں۔ اگر اس فتنے کو پھیلنے کا موقع دیا گیا تو باقی تمام عالم اسلام بھی معرض ہلاکت میں پڑ جائے گا۔ اس شرکی چنگاریاں اڑنے لگی ہیں اور اس مصیبت کی آگ بھڑک چکی ہے۔ امت کا اتحاد و اتفاق ہی اس کو دور کر سکتا ہے۔“

سلطان نے مجیر الدین کو روانہ کرتے ہوئے وزیر اعظم شرف الملک کو یہ پیغام بھی بھیجا کہ مجیر الدین کے ساتھ کسی مناسب شخص کو سفیر بنا کر الملک الاشرف کے دربار میں بھیجا جائے۔ شرف الملک نے اس مقصد کے لیے اپنے نائب

معین الدین قتی کو مجیر الدین کے ساتھ روانہ کر دیا جو کہ سفارت کے لیے بالکل مناسب نہیں تھا۔ شہاب الدین النسوی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”یہ ایسی سفارت اپنے ہدف کے برعکس اور اپنے مقصد کے مخالف تھی۔ سفارت کے لیے ایسا شخص چن کر وزیر اعظم نے درحقیقت احسان فراموشی کا ثبوت دیا تھا اور سلطنت کے زوال کی کوشش کی تھی۔“ (سیرۃ جلال الدین، ص: ۳۵۵)

تاتاریوں کا چھاپہ ..... اسی رات تاتاریوں کا ایک چھاپہ مار دہ سلطان کی شیرکوت کے نواح میں موجودگی کی یقینی اطلاع پا کر وہاں پہنچ گیا اور تارکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یکا یک خیمہ گاہ پر حملہ آور ہو گیا۔ تمام دفاعی رکاوٹیں ان کے اچانک حملے کے سامنے سرنگوں ہو گئیں۔ سلطان بڑی مشکل سے وہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ ان کے قافلے کا تمام ساز و سامان تاتاریوں نے لوٹ لیا۔

النسوی نے اس ہنگامے سے بے خبر شیرکوت کے قلعے میں رات گزاری۔ صبح سویرے جب قلعے سے نکل کر سلطان سے ملنے آیا تو دیکھا شاہی خیمہ گاہ خالی پڑی ہے۔ سامان الٹ پلٹ ہو چکا ہے۔ شکار کے لیے سدھائے گئے چیتوں اور شکروں کے سوا وہاں کوئی فرد موجود نہیں ہے۔ النسوی کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ وہ فوراً گھوڑے کو ایڑا لگا کر سلطان کی تلاش میں نکلے۔ انہیں یقین تھا کہ تاتاریوں کا ایک لشکر ان کے آگے سلطان کے تعاقب میں جا رہا ہے تو ایک لشکر پیچھے بھی آ رہا ہوگا۔

راستے میں ”سلطان خونی“ کے مقام پر دریائے ارس سے نکلنے والی نہر کا پل آیا، وہاں تاتاریوں کے خوف سے نقل مکانی کرنے والے ترکمانوں کا ایسا ہجوم تھا کہ کسی کا گزرنا مشکل تھا۔ النسوی نے آؤ دیکھنا تاؤ، گھوڑا نہر میں ڈال دیا اور سلامت دوسرے کنارے پر جا پہنچے۔ بیلقان کے پاس سے وہ بغیر رکے گزرے گئے اور سیدھا گنچہ جا کر دم لیا، مگر سلطان جلال الدین کا پھر بھی کوئی اتا پتہ نہ چل سکا۔ اگلے دن النسوی نے تاتاریوں کے لشکر کو سلطان کی تلاش میں گنچہ کے پاس سے گزرتے دیکھا۔ ⑤

ماہان میں قیام ..... اُس رات حملہ آور تاتاریوں نے سلطان جلال الدین کا بہت دور تک تعاقب کیا تھا۔ آخر دریائے ارس کے کنارے پہنچ کر سلطان ان کو چکمہ دے کر ”گنچہ“ کے راستے پر ڈال دینے میں کامیاب ہو گئے اور خود ہزہ وگل کی سرزمین ”ماہان“ پہنچ گئے۔

موسم سرما اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا اور برف باری کی شدت کے باعث کسی جانب سے تاتاریوں کی پیش قدمی کا خطرہ نہیں رہا تھا، اس لیے سلطان کو کچھ عرصہ یہاں ٹہرنے کا موقع مل گیا۔ اس قیام کے دوران ایک بلند پہاڑی قلعے کا والی عز الدین بڑی جا شاری کے ساتھ سلطان کو خوراک و رسد، دیگر ضروریات اور دشمن کی نقل و حرکت کی معلومات فراہم کرتا رہا۔ اس کی فرض شناسی کے باعث سلطان نے یہاں نہایت محفوظ وقت گزارا۔

سردی کی شدت کم ہوئی اور موسم بہار قریب آیا تو عز الدین نے سلطان کو اطلاع دی کہ تاتاریوں کا ایک لشکر تہریز سے دس میل دور ”اوجان“ کے مقام سے آپ کی تلاش میں چل پڑا ہے اور اسے آپ کے ٹھکانے کا پورا علم ہے۔ عز الدین نے مشورہ دیا کہ آپ کو یہاں سے کوچ کر کے ”ازان“ چلے جانا چاہئے، وہاں بہت سے ترکمان جنگجو

اپنے مضبوط قلعوں میں آپ کو خوش آمدید کہیں گے۔ ⑩

شرف الملک کی بدکرداری اور انجام بد..... ادھر سلطان جلال الدین بیرونی دشمنوں سے نمٹنے کے لیے اسباب کی تلاش میں سرتوڑ کوشش کر رہے تھے، ادھر اندرونی باغی عناصر سلطان کو زک پہنچانے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ ان میں سے وزیراعظم شرف الملک کی شخصیت سرفہرست تھی۔ سلطان کا یہ بے وفاء وزیراعظم ان دنوں اڑان میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اڑان پہنچنے سے پہلے پہلے سلطان پر اپنے وزیراعظم کی قابل نفرت کارستانیوں کا ہر ہو چکی تھیں۔ وزیراعظم کے بڑے بڑے چند جرائم جو سلطان کی ناراضگی کا سبب تھے، درج ذیل ہیں:

1..... وہ رعایا کے مال و متاع پر بے محابا دست درازی کرتا تھا۔

2..... سلطان کی اجازت کے بغیر قوی خزانے سے ہزاروں لاکھوں روپے بلا ضرورت خرچ کر ڈالتا تھا، اس سے شدید ضرورت کے وقت فوج کو رسد و اسلحہ کی فراہمی سخت متاثر ہوتی تھی۔

3..... سلطان نے اس کی فضول خرچی سے تنگ آ کر حکم جاری کیا تھا کہ شاہی ہدایات کے بغیر خزانے سے کوئی رقم خرچ نہ کی جائے، مگر اس نے اس حکم کو سراسر نظر انداز کر دیا تھا اور سلطان کے احکام پر عمل کرنے والے کارندوں کو سزائیں دینے لگا تھا۔

4..... بگڑتے ہوئے حالات کے پیش نظر اس نے تصور کر لیا تھا کہ سلطان کو عن قریب سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہندوستان فرار ہونا پڑے گا اور خوارزمی حکومت ختم ہو جائے گی، چنانچہ وہ قرب و جوار کے حکمرانوں سے خفیہ روابط بڑھا کر مستقبل میں اپنی ملازمت کا انتظام کر رہا تھا۔ اس نے بعض خطوط میں کیتباد اور الملک الاشرف سے اطاعت اور وفاداریوں کا وعدہ کیا تھا اور بدلے میں اپنے لیے آذربائی جان کی جاگیر مانگی تھی۔

5..... وہ اپنی نجی محفلوں اور خفیہ خطوط میں سلطان کو برا بھلا کہنے سے بھی دریغ نہیں کرتا تھا۔ اس کے ایسے خطوط سلطان کے ہاتھ لگے تھے جن میں سلطان کو کھلے لفظوں میں ظالم اور مردود کہا گیا تھا۔

6..... اس نے حسام الدین قلیچ ارسلان کو جو قلعہ کیران میں سلطان کے حرم اور شاہی خزانے کا نگران تھا، تاکید کی تھی کہ شاہی حرم اور خزانے کے بارے میں اسی کے احکام پر عمل کیا جائے اور سلطان کی بات نہ مانی جائے۔ وزیراعظم کے سیاہ کارناموں کے باوجود سلطان اس سے چشم پوشی کرتے آرہے تھے کہ شاید وہ خود عواقب کا اندازہ کر کے اپنی روش بدل لے، مگر اب اتنے بڑے بڑے جرائم یا الزامات کے بعد سلطان کے صبر کی انتہاء ہو چکی تھی۔ انہوں نے وزیراعظم کا کائنات کا لے دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اس عزم کے ساتھ جب وہ اچانک اڑان پہنچے تو ان کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر وزیراعظم گھبرا گیا۔ وہ حیران کے قلعے میں مقیم تھا اور اسے مرمت وغیرہ کرا کے خوب مضبوط کر چکا تھا مگر اسے خوب اندازہ تھا کہ سلطان کے انتقام سے بچنا مشکل ہے۔ کفن اوڑھ کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور پیروں پر گر کر گڑ گڑاتے ہوئے جاں بخشی کی درخواست کی۔ ہر چند کہ سلطان اس پر اعتماد نہیں کر سکتے تھے مگر اس کی فریاد سے ان کا دل پلچ گیا اور جاں بخشی کر کے صرف ایک قلعے میں نظر بند کر دینے پر اکتفا کیا۔

قلعے کی چار دیواری میں بھی وزیراعظم کا سیاسی ذہن سازشوں کے تانے بانے بناتا رہا۔ جلد ہی اس نے ناظم قلعہ

کو اپنے ساتھ ملا کر سلطان کے خادموں اور غلاموں سے خفیہ رابطے قائم کر لیے۔ اس ساری سازش کا آخری ہدف یہ تھا کہ سلطان کے غلام و خدام گرجیوں کی مدد سے سلطان کا تختہ الٹ دیں۔

مگر خوش قسمتی سے وزیراعظم کی اس سازش کو غلاموں کے افسر اعلیٰ نے سلطان کے آگے طشت از بام کر دیا۔ سلطان پہلے ہی بیرونی محاذ پر مسلسل ناکامیوں کے سبب پریشان تھے، ایسی حالت میں اندرونی جھگڑوں کو زیادہ طول دینا ان کے بس سے باہر تھا، اس لیے بلاتاخیر انہوں نے وزیراعظم کو قتل کر دیا۔

سلطان کا خیال تھا کہ وزیراعظم کے انجام سے دیگر اندرونی مخالفین بھی درس عبرت حاصل کریں گے اور ان کی پریشانیوں میں کمی واقع ہو جائے گی، مگر افسوس کہ وزیراعظم سلطان کے اندازے سے بھی زیادہ امراء اور سپاہیوں میں اثر انداز ہو چکا تھا، اس لیے وزیراعظم کے قتل سے بدل ہو کر کئی امراء جو دل سے وزیراعظم کے حامی تھے، سلطان کا ساتھ چھوڑ گئے۔<sup>(۱۳)</sup>

تبریز پر غداروں کا قبضہ ..... انہی دنوں تبریز میں جو کہ سلطان کی سرگرمیوں کے لیے ایک عرصے تک مرکز کا کام دیتا رہا تھا، بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے اور بہاؤ الدین محمد نامی ایک امیر نے شہر پر قبضہ کر کے سلطان کی سپاہ کو بے دخل کر دیا۔<sup>(۱۴)</sup> ہر چند کہ تبریز سلطان کے پایہ تخت کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن تاتاریوں کی روک تھام کے جھنجھٹ اور نئے حوادث میں سلطان کو ادھر توجہ دینے کا موقع نہیں مل سکا۔ دراصل تبریز کو بازیاب کرانے کے لیے جس طاقت کی ضرورت تھی سلطان کو اسے حاصل کرنے کے لیے کچھ وقت درکار تھا اور اس سے قبل تاتاریوں سے مدافعت کا کوئی انتظام ہو جانا ضروری تھا۔

سلطان کی حالت یہ تھی کہ ان کے پاس اب کوئی ایک مضبوط تفصیل بند شہر بھی ایسا نہیں رہا تھا، جہاں ان کے وفادار سپاہیوں کی معتد بہ تعداد موجود ہوتی، اور جسے وہ اپنے لیے محفوظ تصور کر کے وہاں تاتاریوں سے خاصے دنوں تک قلعہ بند لڑائی کا انتظام کر سکتے۔ حالات کی گردش نے انہیں ایک بار پھر شاہ سے خانہ بدوش بنادیا تھا۔

آغاز بہار اور آمد تاتار ..... موسم بہار کے آغاز کے ساتھ ہی کثیف بادل چھٹ گئے..... آسمان کی نکھری نکھری نیل فام چادر نے اپنا چہرہ دکھایا..... سورج کی کرنوں سے مشرق و مغرب منور ہو گئے..... بے برگ و بار سوکھے سوکھے درخت پتوں، پھولوں اور پھلوں سے لدنے لگے۔

برف پگھل چکی تھی..... منجند آبشار نغمات حمد گنگناتے ہوئے بہنے لگے تھے..... مگر..... مسکراتی بہار کی یہ آمد عالم اسلام کے لیے غضب کی خزاں کا پیام لائی تھی۔ باؤنیم کے ان جھوکوں کے پیچھے جبر و قہر کی ریح صرصر چلنے والی تھی۔ سورج کی روپہلی کرنوں کی اوٹ میں تباہی کی سیاہ گھٹائیں سر اٹھا رہی تھیں۔ وہ راستے جو مسلسل برف باری کے باعث مسدود تھے، اب کھل چکے تھے، اس لیے تاتاریوں کو مغرب کی طرف پیش قدمی سے کوئی شے روکنے والی نہ تھی۔ تاتاری کماندار جرماعون بیلقان میں پڑاؤ ڈال کر سلطان کے پیچھے روانگی کے لیے آخری اشارے کا منتظر تھا۔ شاید ان کی اعلیٰ کمان بیلغار سے پہلے اس بات کا اطمینان کرنا چاہتی تھی کہ سلطان جلال الدین کو مقامی حکام اور بیرونی فرمانرواؤں کی جانب سے اب کوئی امداد نہیں ملے گی۔

ایک تاتاری قیدی سے پوچھ گچھ ..... جرماعون کا ایک سپاہی بیلقان میں سلطان کے نائب فخر الدین کے پاس پہنچا اور

اسے تحکمانہ لہجے میں یہ پیغام دیا کہ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو سلطان سے تعلقات ختم کر دو اور ہماری صفوں میں شامل ہو کر سلطان کو اس سرزمین سے باہر دھکیل دو۔ فخر الدین ایک غیر متمسد شخص تھا، اس نے اس سپاہی کو گرفتار کر کے سلطان کے پاس بھیج دیا۔ سلطان نے تخیل میں اس تاتاری سے جرمانوں کی فوج کی تعداد دریافت کی تو اس نے جواب دیا: ”جب بخارا میں لشکر ترتیب دیا جا رہا تھا تب تعداد میں ہزار ظاہر کی جا رہی ہے، مگر درحقیقت اصل تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔“ سلطان یہ سن کر چونک گئے اور پھر اپنے سپاہیوں کو افواہوں اور بددلی سے بچانے کے لیے کہا: ”اس سے پہلے کہ ہمارے سپاہیوں تک تاتاریوں کی تعداد کی یہ خبر پہنچے، قیدی کو قتل کر دو۔“

چنانچہ اس قیدی کو قتل کر دیا گیا۔<sup>(۱۳)</sup>

آخری کوشش..... سلطان جلال الدین کا پیغام مختلف حکومتوں اور درباروں تک پہنچ چکا تھا، مگر ابھی تک کسی جانب سے ان کو کوئی مثبت جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا، سلطان کی پریشانی اور بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ جنوب اور مشرق سے تاتاریوں کی پیش قدمی شروع ہو چکی تھی۔ وہ بستیوں اور دیہاتوں کو تاراج کرتے ہوئے بڑے شہروں کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ان حوصلہ شکن حالات میں ان کے سامنے یہ تجویز آئی کہ ان کا کوئی ہوشیار مصاحب مختلف چھاؤنیوں کا دورہ کرے اور وہاں جو فوجی ملیں ان کو لے کر ان کے رشتے داروں اور قبیلے والوں سے ملاقاتیں کی جائیں اور انہیں سلطان کا ساتھ آمادہ پر آمادہ کیا جائے مگر سلطان کو اس کام کے لیے اپنے بچے کچھ رفقاء میں کوئی موزوں آدمی نہ ملا۔ خوش قسمتی سے انہی دنوں احمد النسوی سلطان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ چند ماہ پہلے شیرکوت کے نواح میں سلطان کی خیمہ گاہ پر تاتاریوں کے حملے کی ہنگامہ آرائی میں سلطان سے جدا ہو گیا تھا اور تب سے ان کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ برف باری کتین ماہ اس نے گنجہ میں چھپ کر گزارے تھے کیوں کہ وہاں بھی بغاوت ہو چکی تھی اور کسی خوارزمی کا کھلے عام باہر پھرنا سخت خطرہ مول لینے کے برابر تھا۔ وہیں اسے سلطان کا اتنا پتا معلوم ہوا تھا۔ تب وہ جان تھیلی پر کرکھراہ رکاب ہوا۔ دن کو کہیں چھپ جاتا اور رات کی تاریکی میں راستہ طے کرتا۔ تاتاریوں کے گشتی دستوں سے بچتا بچتا وہ بڑی مشکل سے سلطان کے پاس پہنچا تھا۔ سلطان اس وقت قلعہ زارلیس کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے، اس کی آمد کی خبر سنتے ہی اسے بلا لیا اور اس سے ملنے کے حالات پوچھنے لگے تھے۔ النسوی نے بتایا: ”سارا ملک خصوصاً اڑان تاتاریوں کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ گزشتہ شب میں جس راستے سے گزر رہا تھا، اس کے بائیں ہاتھ پر مجھے تاتاری کیمپ کی روشنیاں جھلملاتی صاف نظر آ رہی تھیں۔“

اسی دن عصر کے وقت سلطان نے النسوی کو دوبارہ اپنی محفل میں بلوایا جہاں دوسرے امراء بھی جمع تھے۔

سلطان نے ان سے پوچھا: ”اب یہ بتائیں کہ کیا کرنا چاہیے؟“

النسوی نے کہا: ”جو سلطان کی رائے ہو!“

سلطان نے کہا: ”ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ ایک نمائندہ بھیج کر اڑان میں بکھرے ہوئے سپاہیوں اور ترکمان قبائلیوں کو جمع کریں۔ ان کو لے کر ہم گنجہ کے باغیوں سے ٹکر لیں۔ یا تو وہ بچیں گے یا ہم۔ ترکمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کیلئے کسی ایسے آدمی کو جانا چاہیے جو ان کو کسی مال و متاع اور غنیمت کی امید دلائے بغیر ان کے دل جیت

سکے۔ میرے پاس جو ترک افسران ہیں ان میں سے ایک بھی اس لائق نہیں۔“

سلطان کو النسوی کی تھکن اور اس مہم کے انتہائی کٹھن اور پُر خطر ہونے کا احساس تھا اس لیے وہ النسوی کو براہ راست حکم نہیں دے رہے تھے مگر النسوی نے اشارہ سمجھ لیا اور خود کو اس مہم کے لیے پیش کر دیا۔

سلطان نے النسوی کو روانہ کر دیا۔ قدم قدم پر تاتاریوں کی نقل و حرکت کے خطرے کے باوجود وہ ترکمان اور دیگر قبائل کا دورہ کر کے نئے رضا کاروں کی شیرازہ بندی کی کوشش کرنے لگے۔<sup>(۱۵)</sup>

الانسوی قبائل میں دعوتِ جہاد کی مہم سے فارغ ہو کر آئے تو قبائل کے بہت سے رضا کار سلطان کے پرچم کے نیچے جمع ہونے لگے تھے۔<sup>(۱۶)</sup> یہ ایک امید افزا بات تھی۔

گنجه کی بغاوت ..... جب ترکمانوں کی کچھ جمیعت تیار ہو گئی تو سلطان جلال الدین نے گنجه کا رخ کیا۔ وہاں پندار نامی ایک سردار بغاوت کا علم بلند کیے ہوئے تھا۔ سلطان نے پہلے النسوی کو بھیج کر اسے سمجھانے بھجانے کی کوششیں کیں مگر وہ نہ مانا۔

آخر ایک دن سلطان جلال الدین خود شہر کے باہر پہنچ گئے، ایک باغ میں خیمہ لگا کر پندار کے نمائندوں سے بات چیت کی اور سب کو امان دینے کا وعدہ کیا مگر پندار پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے شہر سے باہر نکل کر اچانک سلطان کے خیمے پر تیروں کی بارش کر دی۔ سلطان بے خوف و خطر تلوار سونت کر باہر نکل آئے اور اپنے مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ اس شدت کا حملہ کیا کہ باغی بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ سلطان کے سپاہیوں نے ان کا تعاقب کیا اور شہر کے دروازے بند ہونے سے پہلے اندر داخل ہو گئے۔ پندار اور دیگر سرکردہ باغیوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر ان کی لاشیں سڑکوں پر گھمائی گئیں۔ سلطان کے سپاہیوں نے باغیوں کے گھر لوٹنے کی کوشش کی مگر سلطان نے سختی سے منع کر دیا۔<sup>(۱۷)</sup>

حکمرانوں کو از سر نو دعوتِ جہاد ..... سلطان گنجه میں بغاوت فرو کرنے کے بعد سترہ دن وہیں مقیم رہے اور حتی الامکان مسلمانوں کی حفاظت کی ذمہ داری نبھانے کی کوشش کرنے کے لیے مشورے کرتے رہے۔ ترکمان قبائلی سلطان کی کمان میں لڑنے کے لیے تیار ہو چکے تھے مگر باقاعدہ افواج فراہم کیے بغیر فقط نا تجربہ کار نوجوانوں کے بل بوتے پر تاتاریوں کی طوفانی یلغار روکنا بعید از قیاس تھا۔ سلطان عالم اسلام کے حکمرانوں سے مایوس ہو چکے تھے۔ وہ خطوط بھیج کر ان پر اتمامِ حجت کر چکے تھے۔ اب ان کی رائے یہ تھی کہ اپنی قوت بازو کے سہارے پر ہی کچھ کرنے کی کوشش کی جائے اور اگر اس علاقے میں دفاع ممکن نہ ہو تو ایران کی طرف کوچ کیا جائے۔ مگر ترک امراء ایک بار پھر سلطان کی رائے پر غالب آ گئے۔ انہوں نے سلطان پر زور دیا کہ ایک بار پھر مسلم فرمانرواؤں کو جھجھوڑنے کی کوشش کی جائے اور مختلف درباروں میں قاصد روانہ کر دیے جائیں۔ اترخان اور کچھ کمزور دل امراء جو سلطان کے اقبال سے مایوس ہو چکے تھے اور سمجھتے تھے کہ اب تاتاریوں پر فتح پانا بعید از قیاس ہے، الملک الاشرف سے امداد مانگنے پر زیادہ زور دے رہے تھے۔ ان کے نزدیک کئی ملکوں کی فوجیں جمع ہو کر بھی یہ کٹھن مہم انجام دے سکتی تھیں۔

سلطان بھی اپنے طور پر ہر ممکن کوشش کر گزرنا چاہتے تھے اس لیے الملک الاشرف سے امداد طلب کرنے وہ بنفس نفیس کیلکون کے راستے سے خلاط کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہیں امید تھی کہ وہ اسلام کی حرمت کا واسطہ دے کر اسے منالیں گے۔ ابن اشیر کا کہنا ہے کہ سلطان نے اس کے بعد خود دیارِ بکر، الجزیرہ اور بغداد جا کر خلیفہ سمیت تمام مسلم



فرمانرواؤں سے تاتاریوں کے خلاف امداد طلب کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا مگر تاتاریوں کے طوفانی تعاقب نے انہیں خلاط کے علاوہ کہیں اور جانے کا موقع نہ دیا۔<sup>(۱۸)</sup>

اس راستے میں سلطان کے قافلے کو سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، یہ شدید گرمی کے دن تھے۔ آسمان سے آگ برستی تھی، بارش کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہ تھا، اہل قافلہ پیاس سے بے حال تھے۔ آخر نماز استسقاء ادا کی گئی، سلطان نے خود دعا کرائی۔ اس کے بعد اس قدر موسلا دھار بارش ہوئی کہ ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ سلطان کی خیمہ گاہ کا یہ حال ہوا کہ کچھڑ کی وجہ سے لوگوں کا سلطان کے خیمے تک جانا مشکل ہو گیا۔

اس حالت میں بھی سلطان کا نشاط باقی تھا اور وہ ساتھیوں کو مایوسی سے بچانے کے لیے امید افزا باتیں کرتے تھے۔ بارش کی شدت دیکھ کر ایک خادمہ دایہ خاتون نے کہا:

”حضور! آپ کو دعائے استسقاء میں اتنی مہارت کب سے ہو گئی۔ اس قدر پانی برس رہا ہے کہ ہم عاجز آ گئے ہیں۔ دوسروں کی دعا پر تو بقدر ضرورت بارش ہوتی ہے۔“

سلطان نے مسکرا کر کہا:

”بات یہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو۔ دعا سے جو ملتا ہے وہ بقدر ہمت ملتا ہے۔ یہ پانی میری ہمت کے بقدر نازل ہوا ہے۔ اسے تم رعایا کی ہمت پر قیاس مت کرو۔“

اس طرح کی دلچسپ باتوں نے اس دشوار سفر کو کچھ آسان کر دیا تھا۔ (سیرۃ جلال الدین ص: ۳۲۱، ۳۲۲)

الملك الاشرف کی بے مروتی ..... ادھر الملك الاشرف کو جب معلوم ہوا کہ سلطان جلال الدین خلاط آرہے ہیں تو وہ بڑا اٹپٹایا۔ صلح نامے پر دستخط ہو جانے کے باوجود سلطان سے اس کی دلی کدورت ہنوز باقی تھی، اس لیے وہ سلطان سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ آخر کار سلطان کو ٹالنے کی غرض سے وہ خلاط سے نکل گیا۔ جب سلطان جلال الدین خلاط کے نواح میں پہنچے تو انہیں الملك الاشرف کی عدم موجودگی کا علم ہوا۔ سلطان نے خلاط میں متعین الملك الاشرف کے نائب کو کہلوایا: ”ہم نہ آپ سے جنگ کرنے آئے ہیں نہ آپ کو جنگ کرنے، بلکہ اس عظیم دشمن نے ہمیں آپ کے وطن کا رُخ کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔“<sup>(۱۹)</sup>

براہ راست ملاقات کے امکانات نہ دیکھ کر سلطان نے اپنا سفارتی وفد الاشرف کی خدمت میں دمشق روانہ کر دیا۔ جب یہ وفد دمشق پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ الملك الاشرف ان سے ملاقات سے بچنے کی خاطر مصر چلا گیا ہے۔ الملك الاشرف کی اس بے مروتی کے باوجود سلطان نے خطوط کے ذریعے اس تک اپنا پیام پہنچا کر اس سے امداد کی بار بار درخواست کی، مگر اس کی طرف سے جیلوں بہانوں کے علاوہ کوئی جواب نہ ملا۔

السنوی نے نہایت افسوس کے ساتھ الملك الاشرف کی ٹال مٹول کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

”سلطان کے سفیر دمشق پہنچے تو الملك الاشرف خود مصر چلا گیا اور وہاں سے پیغامات بھیجتا رہا کہ

ہم سلطان جلال الدین کی مدد کے لیے مصر سے ایک لشکر تیار کر کے عنقریب آرہے ہیں:

مواعید کمال ح السراب المهمہ القفر فممن یوم الی یوم ومن شہر الی شہر

(تیرے وعدے جیسے صحرا میں چمکتا سراب۔ ایک دن سے دوسرے دن تک، ایک ماہ سے اگلے ماہ تک)

تب خوارزمی سفیروں نے سلطان کو مراسلے بھیج کر آگاہ کر دیا کہ الملک الاشرف سے امداد ملنے کی قطعاً توقع نہ رکھی جائے۔ سفیروں کے امیر مختص الدین نے اپنے خط میں لکھا:

”الملک الاشرف مصر سے اس وقت تک نہیں آئے گا جب تک تاتاریوں سے ہماری کشمکش ختم نہیں ہو جاتی، یعنی یا تو ہم غالب آجائیں یا تاتاری ہمیں ختم کر دیں۔ لہذا سلطان معظم کو کچھ اور حل سوچنا ہوگا، الملک الاشرف کی طرف سے جواب کا انتظار نہ کیا جائے۔“ (۱۵)

الملک الاشرف سے مایوس ہو کر سلطان جلال الدین نے ایک بار پھر امراء سے مشورہ کیا۔ طے یہ ہوا کہ الملک الاشرف کے بھائی الملک المظفر شہاب الدین غازی سے امداد کی درخواست کی جائے۔ الملک العادل کا یہ بیٹا اس وقت سلطان کے سب سے قریبی علاقے میافارقین اور الجزیرہ کا حاکم تھا، وہ اپنے بھائیوں کے برعکس سلطان سے کسی تنازعے کا فریق بھی نہیں تھا، سلطان نے احمد النسوی کو چند قابل اعتماد امراء کے ساتھ اس مہم پر جانے کی تیاری کا حکم دیا اور کہا:

”الملک المظفر کو کہنا کہ وہ جہاد کے لیے فوج لے کر بذات خود جلد از جلد میرے پاس آن پہنچے اور تاتاریوں کی یورش کے مقابلے میں دست و بازو بنے۔ اسے کہنا کہ حاکم ماردین اور حاکم آمد کو بھی اپنے اثر و رسوخ کے ذریعے اس فریضے کی ادائیگی پر آمادہ کرے۔ اگر اللہ نے ہمیں تاتاریوں پر فتح عنایت کی تو میں خلاط سمیت جتنے علاقے وہ چاہے گا اسے دے دوں گا۔“

النسوی نے حکم سلطانی پر سر جھکا دیا۔ سلطان نے پُر امید لہجے میں کہا: ”اگر یہ حکمران آگئے تو پھر الملک الاشرف کی مدد کی بالکل ضرورت نہیں رہے گی۔“

مجلس مشاورت برخواست ہوئی تو سلطان نے النسوی سے تحلیہ میں کہا:

”مجھے معلوم ہے کہ یہ حکام ہرگز ہماری اعانت پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ یہ نہیں چاہتے کہ ہم تاتاریوں پر غالب آئیں۔ ایسے بے رحم لوگوں سے شکوہ کرنا بے فائدہ ہے۔ مگر میرے ترک امراء ایسی امیدیں دلارہے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ دوسروں سے امداد مانگنے کے بہانے وہ خود جہاد سے جان بچانا اور جنگ کو ٹالنا چاہتے ہیں۔ ان بے بنیاد توقعات میں الجھا کر انہوں نے ہمیں صحیح حکمت عملی مرتب کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اس سفارت کے لیے میں تمہیں اس لیے بھیج رہا ہوں کہ تم ان حکام کے ہاں سے ایسا مایوسانہ جواب لے کر آؤ جس کے بعد ان سے امید کا کوئی امکان نہ رہے اور ہمیں ان کی طرف کوئی میلان نہ رہے۔ پھر ہم اس قابل ہوں گے کہ اتفاق رائے سے اصفہان کی طرف کوچ کر جائیں جواب تک محفوظ علاقہ ہے۔“

سلطان کا خیال بالکل ٹھیک تھا۔ الملک المظفر کسی طرح بھی سلطان کی مدد پر آمادہ نہ ہوا۔ اس نے صاف کہہ دیا: ”میں اپنے فیصلوں میں خود مختار نہیں ہوں، اپنے بھائیوں الملک الاشرف اور الملک الکامل کی نیابت میں حکومت کرتا ہوں اور ان کی رضامندی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ ویسے بھی سلطان کی فوج کی موجودگی میں میری فوج کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے لشکر کے سامنے ایک سوار۔ تو مجھ سے مدد مانگنے کا کیا مطلب۔ جہاں تک حاکم آمد اور حاکم ماردین کو جہاد پر ساتھ لانے کی بات ہے تو یہ دونوں حکام میرے تابع نہیں ہیں، وہ میری بات کیوں سننے لگے۔ ہم جانتے ہیں

کہ سلطان کی ان سے خط و کتابت ہوتی رہتی ہے، تو سلطان انہیں دعوتِ جہاد دے کر خود آزمائیں کہ وہ تاتاریوں کے خلاف ان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں یا نہیں۔ سلطان کو پتا چل جائے گا کہ ان کے وعدے جھوٹے ہیں جن کا کوئی مصداق اور مطلب نہیں۔“

انسوی نے پوری کوشش کر کے دیکھ لی مگر شہاب الدین غازی خود سلطان کی حمایت پر آمادہ نہ ہوا۔ البتہ اس نے انسوی کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا:

”الملك الاشرف پر آپ کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔ وہ مصر اسی لیے گئے ہیں کہ تاتاریوں کے خلاف سلطان کی مدد کے لیے لشکر تیار کر لیں۔“ (۳۱)

تاتاریوں کی مسلم حکمرانوں کو دھمکیاں..... تاتاری سیلاب کی تند و تیز لہریں ایک بار پھر دنیائے اسلام کو اپنی پلیٹ میں لے رہی تھیں..... گاؤں، بستیاں، قلعے اور شہر اس طوفان کے تموج سے تہہ و بالا ہو رہے تھے..... گزشتہ ایک عشرے میں آغوشِ عدم سے گلستانِ وجود میں آنے والے باغِ آدم کے نوخیز پودے خاکستر ہو رہے تھے..... مسلمانوں کی باقی ماندہ آبادیات میں سروں کی تفصیل کاٹی جا رہی تھیں..... سلطان جلال الدین خوارزم شاہ بے کسی اور بے بسی کے عالم میں خلاط کے نواح میں ڈیرے ڈال کر اپنے خطوط کے جواب میں کسی غیبی مدد کے منتظر تھے..... تاتاریوں کا ایک لشکر ان کے تعاقب میں ”دریائے برکرتی“ عبور کر چکا تھا (۳۲) جبکہ ایک دوسری فوج مراغہ پر قبضہ کر چکی تھی۔ اسلامی ممالک سے سلطان کی امداد کے تمام امکانات کو روکنے کے لیے تاتاریوں کے اہلِ بیگ تمام مسلم حکمرانوں کے پاس پہنچ چکے تھے اور انہیں خبردار کر رہے تھے کہ وہ ہرگز ہرگز سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی مدد و اعانت نہ کریں، ورنہ مملکتِ تاتار سے ان کے تعلقات خراب ہو جائیں گے اور پھر حالات کی سنگینی کی تمام ذمہ داری انہی پر ہوگی۔ سلطان کی طرف سے اپنی ہمسایہ ریاستوں آمد اور مار دین کے امراء کے نام بھی مراسلے بھیجے گئے مگر ان عیش پرست حکمرانوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ (۳۳)

مستقبل کا فیصلہ..... سلطان جلال الدین کی پکار اور تاتاریوں کی دھمکی عالمِ اسلام کے اعلیٰ ایوانوں میں پہنچ چکی تھی۔ سلطان کے خطوط اور تاتاریوں کے عتاب نامے ان کے سامنے تھے۔ سربراہانِ مملکت اپنے پُر تعیش، مرمیں محلات میں اپنے مصاحبین اور امراء کے ساتھ آرام و ہنستوں پر بیٹھ کر، آگ اور تلوار کی زد میں آئے ہوئے مسلمانوں کے مستقبل کا فیصلہ کرنے لگے تھے..... مورخ دم سادھے کھڑا تھا کہ شاید اس نازک گھڑی میں مسلم سربراہوں کو صحیح اور جرأت مندانہ فیصلہ کرنے کی توفیق ہو جائے اور اسلام کی تاریخ کا ایک روشن باب وجود میں آسکے.....

مگر..... اسے مایوسی ہوئی..... اسلامی سربراہوں کی غیرت و حمیت مر جکی تھی..... فانی عیش و عشرت کے نشے نے ان کی قوتِ فیصلہ سلب کر لی تھی..... وہ موت کے تصور سے لرزہ بر اندام تھے اور سر جھکا کر زندہ رہنا چاہتے تھے..... وہ ذلت کی زندگی کو عزت کی موت پر ترجیح دے چکے تھے..... تاتاریوں کی ناراضگی کا خوف انہیں حواس باختہ کر رہا تھا، جبکہ سلطان کا مبنی بر حقیقت پیام ان کی نگاہوں پر پڑے پردے ہٹانے سے قاصر تھا، (۳۴) ملک الاشرف کو گویا سانپ سونگھ گیا..... کینقباد کی رگِ حمیت نہ پھڑکی..... شہاب الدین غازی نے اپنے لقب کی لاج رکھنے کی کوشش نہ کی۔ (۳۵)

آمد اور مار دین کے حکام نے تو سلطان کا مکتوب سننا تک گوارا نہیں کیا۔

رہے خلیفہ المسلمین تو ”تمام امت کا سرپرست“ ہونے کی حیثیت سے وہ ہمیشہ اپنی مصلحتوں کا لحاظ رکھ کر قدم اٹھانا پسند کرتے تھے۔ بھلا سلطان جلال الدین کا ساتھ دے کر وہ تاتاریوں کو بغداد پر حملہ آور ہونے کا موقع کیوں فراہم کرتے؟

سفیروں کی واپسی..... شہاب الدین النسوی الملک المظفر کے قصر شاہی سے روانہ ہونے کو تھے کہ برکری کے علاقے سے منجرنے تاتاریوں کے دریاعور کرنے کی خبر بھیجی۔ الملک المظفر نے رقعہ پڑھ کر النسوی کو روک لیا اور کہا: ”تاتاریوں نے خلاط کے نواح میں دریاعور کر لیا ہے۔ لہذا چند ایک دنوں میں سلطان سے ان کی فیصلہ کن جھڑپ ہونا لازمی ہے۔ اب تمہارا جانا خطرے سے خالی نہیں۔ بہتر ہے یہیں ہمارے پاس ٹھہر کر انتظار کرو اور دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔“

النسوی نے اس پیش کش کو ٹھکراتے ہوئے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۹۵ تلاوت کی: ”لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ بِلَا عِزٍّ جِهَادٍ مِنْ رُكَّ كُفْرًا فِي مِثْلِهِمْ“ اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کو لے کر جہاد کرنے والے، کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔“

پھر کہا: ”نہ تو میں سلطان سے زیادہ معزز ہوں اور نہ ہی سلطان کے بعد زندہ رہنا چاہتا ہوں۔“ یہ کہہ کر انہوں نے سفر کے لیے کمر کس لی۔ جب وہ روانگی سے قبل الوداعی مصافحہ کرنے الملک المظفر کی طرف بڑھے تو کہا: ”دو میں سے ایک بات ہونے کو ہے۔ یا تو سلطان جلال الدین کو فتح ہوگی یا شکست۔ اور کچھ بھی ہو اس کا انجام حسرت و ندامت کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔“

”وہ کیسے؟“ الملک المظفر نے حیران ہو کر پوچھا: ”وہ اس طرح کہ اگر سلطان کو فتح ہوئی تو آپ جو کہ آج ان کی اعانت سے جی چر رہے ہیں، اس وقت انہیں دنیا جہان کے خزانے بھی پیش کر دیں، تب بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور اگر خدا نخواستہ سلطان کو شکست ہوئی تو جب آپ کو تاتاریوں سے پالا پڑے گا تب آپ سلطان کو یاد کر کے افسوس کیا کریں گے۔“

”بالکل سچ کہا مگر میں کیا کروں، مجبور ہوں۔“ الملک المظفر نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ (سیرۃ جلال الدین، ص: ۳۷۴)

بھیا نک خواب..... النسوی الملک المظفر کے دربار سے رخصت ہوئے اور پوری رفتار سے سلطان کی خدمت میں حاضری کے لیے حانی کی سمت روانہ ہو گئے۔ انہیں اطلاع ملی تھی کہ سلطان اب جبل الجور کے آس پاس کہیں ہیں۔ دن بھر پوری تیوی سے سفر کے بعد مغرب کے وقت انہوں نے کچھ دیر آرام کیا۔ اس کے بعد رات بھر سفر جاری رہا۔ اسی دوران انہیں نیند کا ایک جھوٹا آیا۔ تب انہوں نے ایک بھیا نک خواب دیکھا۔ ان کا سر پتھر تلے دبا ہوا تھا۔ ڈاڑھی اور سر کے بال اڑے ہوئے تھے جیسے انہیں جلادیا گیا ہو۔ النسوی کہتے ہیں:

”میں نے خواب ہی میں اس خواب کی تعبیر نکالی..... یہ سر سلطان جلال الدین کا ہے..... جس کا مطلب ان کی موت ہے..... ڈاڑھی کٹنے کا مطلب خاندان کی عورتوں اور باندیوں کی گرفتاری

ہے..... سر کے بال منڈے ہونے کا مطلب مال سے محرومی ہے۔“ (۴۸)

وہ ہڑبڑا کر نیند سے بیدار ہوئے۔ پھر فکر کی وجہ سے ان کی آنکھ نہ لگ سکی۔ دل پر ایسا ملال طاری ہوا کہ صبح تک کسی سے بات تک نہ کر سکے۔ دن کی روشنی میں یہ قافلہ حانی پہنچ گیا۔ یہاں سلطان کے اہل و عیال اور حرم کے خیمے ایک وادی میں لگے ہوئے تھے جبکہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ امید و بیم کی کیفیت میں خلاط سے کچھ فاصلے پر جبل الجور کے قریب ایک خفیہ جگہ پر ہوئے تھے۔ (۴۹) ان کے تمام سفیر یکے بعد دیگرے واپس پہنچ چکے تھے اور سب نے اپنی کوششوں کی ناکامی کی خبر دے دی تھی۔ (۵۰)

یہیں النسوی نے حاضر خدمت ہو کر اپنی سفارت کے انجام سے آگاہ کیا۔ سلطان کو یقین ہو گیا کہ اب انجام قریب ہے..... تقدیر کا اٹل فیصلہ نافذ ہو کر رہے گا۔

مجلس اقوام عالم کو بتاؤں کس طرح  
میں نہیں عیسیٰ تو مردوں کو جگاؤں کس طرح

اس حالت میں وہ شرعاً مخلوق خدا کی نگہبانی کے مسئول نہیں رہے تھے، تاہم اپنی اور اپنے باقی ماندہ ساتھیوں کی جان اور عزت و آبرو کو بچانے کے لیے ظاہری اسباب اختیار کرنے کے وہ اب بھی مکلف تھے۔

اتر خان کی کوتاہی..... سلطان جلال الدین اپنے ساتھیوں سے صلاح و مشورہ کر رہے تھے کہ ”کو کہ تکلم“ نامی ایک سردار کو ان کی خدمت میں پیش کیا گیا، وہ پہلے تاتاریوں کی ماتحتی قبول کیے ہوئے تھا مگر پھر اس سے کوئی جرم سرزد ہوا تو سزا کے خوف سے اپنے ایک ہزار سپاہیوں سمیت ان کے لشکر سے ہٹا گیا۔ اس نے سلطان کو بتایا کہ تاتاری اپنے کیمپ میں اپنے گھوڑوں کی نعل بندی کر رہے ہیں تاکہ دور تک سلطان کا تعاقب کیا جاسکے۔ اس نے مشورہ دیا کہ گھات لگا کر تاتاریوں پر اس وقت حملہ کیا جائے جب وہ راستے میں لوٹ مار میں مشغول ہوں۔ سلطان کو یہ مشورہ بہت پسند آیا۔

اسی دوران انہیں تاتاری لشکر کے قریب تر آنے کی خبر ملی۔ مٹی بھر شکستہ دل سپاہیوں کے ساتھ اس لشکر سے مقابلہ آسان نہیں تھا۔ بہر حال سلطان نے جنگی چالوں کو کام میں لانے کا فیصلہ کرتے ہوئے ایک کارگر منصوبہ ترتیب دیا اور اپنے سالاروں کو تفصیلات سمجھا کر امیر اتر خان کو حکم دیا کہ وہ چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ آگے بڑھ کر دشمن پر حملہ کرے اور پھر پسپا ہو کر اس مقام تک آجائے جہاں باقی ماندہ مجاہدین پہلے سے گھات میں ہوں گے۔

اس وقت سلطان کی کمان میں چار پانچ ہزار سپاہی موجود تھے جو کہ اس بے سرو سامانی کے عالم میں بھی سلطان کا ساتھ بھار رہے تھے، اگر ان کے افسران سلطان کی منشاء اور حکمت عملی کے مطابق کام کرتے رہتے تو وقت کا یہ صاحب

عزیمت انسان شاید راہ کے ڈھیر ہی سے کوئی نیا قلعہ تعمیر کر لیتا اور ناموفق حالات کو ایک بار پھر حسن تدبیر سے اپنے حق میں کر لیتا..... مگر صد افسوس کہ سلطان کے معتمد افسران بھی اب اپنے فرائض کی انجام دہی سے بے گانہ ہو چکے تھے، انہی میں سلطان کا خالہ زاد اتر خان بھی شامل تھا۔ بزدلی اور بے وفائی کے جراثیم اسے بھی قلبی مریض بنا چکے تھے۔ وہ بھی تاتاریوں سے لڑائی بھڑائی کو خودکشی کے مترادف سمجھنے لگا تھا، اس لیے سلطان کا حکم سن کر وہ بادل خواستہ کچھ دور تک گیا اور پڑاؤ سے چند میل دور تک کا جائزہ لینے کے بعد تاتاری فوج کے آثار نہ پا کر لوٹ آیا۔ اس نے سلطان کو مطمئن کرنے کیلئے کہہ دیا کہ تاتاری ملاز کرد کی طرف مڑ گئے ہیں۔

جب سلطان نے یہ بات النسوی کو بتائی تو انہوں نے سلطان سے کہا: ”یہ کیسے ممکن ہے کہ تاری آپ پر حملہ کرنے کے لیے گھوڑوں پر سوار چلے آ رہے ہوں اور پھر راستے ہی سے مڑ گئے ہوں۔“

سلطان نے جواب دیا: ”یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ جب ہم نے خلاط کا محاصرہ کیا تھا، اس وقت بھی کچھ حریف حملہ کرنے روانہ ہوئے تھے، جب انہیں پتا چلا کہ ہم شام کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں تو وہ گھبرا کر خود ہی واپس چلے گئے تھے۔“ (سیرۃ جلال الدین، ص: ۳۷۸)

مگر النسوی کی تشویش دور نہ ہوئی۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ تاری بغیر لڑے کیسے واپس جاسکتے ہیں۔ بات بھی یہی تھی۔ تاری لشکر اسی طرف بڑھ رہا تھا اور صرف ایک آدھ دن کے فاصلے پر تھا، اتر خان نے جھوٹ بولا تھا۔<sup>(۲۹)</sup> کاش! وہ اس تباہ کن غفلت اور خطرناک غلط بیانی کا مظاہرہ نہ کرتا۔ کاش سلطان النسوی کی بات پر توجہ دے لیتے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو امید کی جاسکتی تھی کہ سلطان اس موقع پر کم از کم اپنی مدافعت کر لیتے اور شاید آئندہ انہیں اپنی طاقت میں اضافہ کر کے اللہ کی مدد و نصرت سے تاتاریوں کو شکست دینے کا موقع بھی مل جاتا۔

حاکم آمد کا فریب..... اتر خان کی دروغ گوئی پر یقین کر کے سلطان جلال الدین اور ان کے امراء تاتاریوں کے کسی فوری حملے سے بے فکر ہو چکے تھے۔ اب وہ آپس میں یہ طے کر رہے تھے کہ بھاری ساز و سامان کو دیار بکر کے کسی قلعے میں محفوظ کر کے صرف اپنے بال بچوں سمیت اصفہان چلے جائیں جو اپنی مضبوط فسیل کے باعث ابھی تک تاتاریوں کی زد سے محفوظ تھا۔ یہ رائے بہت صائب تھی، اس طرح سلطان اور ان کے ساتھیوں کو کم از کم پانچ چھ ماہ کی مہلت مل جاتی اور اتنی مدت میں وہ اسر نو فوج تیار کر سکتے تھے۔

مگر اسی اثناء میں آمد کے دعا باز و شاطر حاکم الملک المصعود کا قاصد علم الدین بنجر حاضر ہوا، اس نے سلطان کو اپنے آقا کا مکرو فریب پر مبنی دعوت نامہ پیش کیا۔ حاکم آمد نے کہا تھا: آپ کسی اور جانب رخت سفر باندھنے کے بجائے مجھ سے آلیں اور سلاطین روم و شام کے سرحدی قلعوں پر قبضہ کر لیں کیوں کہ اس وقت ان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ میں اس مہم میں بذات خود آپ کے پاس حاضر رہوں گا اور اپنی چار ہزار سپاہ کے ساتھ تاتاریوں کے خلاف آپ کے شانہ بشانہ لڑوں گا۔ نیز یہاں آ کر آپ قیجاقی قبائل کے بھی قریب ہو جائیں گے اور بوقت ضرورت ان سے مدد لے سکیں گے۔

حاکم آمد کا یہ پیام خلوص سے یکسر خالی اور سراسر بد نیتی پر مشتمل تھا۔ وہ سلطان کو محض آلہ کار بنا کر سلاطین روم و شام سے اپنا علاقہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کی جانب سے تاتاریوں کے خلاف جہاد میں سلطان کا ساتھ دینے کا وعدہ محض بہلاؤ تھا، مگر حاکم آمد کے قاصد علم الدین بنجر نے چرب زبانی کے ساتھ ایسے سبز باغ دکھائے کہ سلطان اور ان کے بے سہارا ساتھیوں کو یہی بہتر معلوم ہوا کہ تعاون کی اس غیر متوقع پیشکش کو نہ ٹھکرائیں۔

”ڈوبتے کو تھکے کا سہارا“ کے بمصداق انہوں نے اس پیش کش کو قبول کر لیا اور اصفہان کے سفر کا خیال ترک کر کے آمد کی طرف کوچ کر دیا۔<sup>(۳۰)</sup>

الانسوی لکھتے ہیں:

”سلطان کی مثال اس وقت ایسے پیراک کی سی تھی جو تھک ہار کر ڈوب رہا ہو اور اپنی طرف آنے

والے ہر ہاتھ کو تھا منا چاہتا ہو۔“

تاتاریوں کے محاصرے میں ..... آمد کی سمت سفر کے دوران رات کے وقت سلطان جلال الدین ایک پل کے قریب پڑاؤ ڈالا ..... کسی کو خبر نہیں تھی کہ یہ خاموش اور تاریک رات اپنے دامن میں کیا کیا الیے لیے آئی ہے۔ سلطان کے کاتب شہاب الدین السنوی کو ایک انجانی سی بے چینی لاحق تھی، نیند نہیں آرہی تھی، انہوں نے جاگ کر کچھ لکھتے رہنے کا سوچا۔ دیر تک اپنے خیے میں شمع جلا کر قلم سنبھالے لکھنے لکھانے میں مشغول رہے، نامعلوم وہ کیا لکھ رہے تھے، شاید مسلم فرماؤں کے نام خطوط یا سلطان کے حالات، انہیں کیا خبر تھی کہ اپنے آقا کے ساتھ یہ ان کی زندگی کی آخری رات ہے ..... ادھر سلطان جلال الدین اس رات بہت گہری نیند نے آدبایا تھا، دراصل وہی تناؤ کے علاوہ انہیں شدید تکان لاحق تھی، سردرد کی بھی شکایت تھی، انہوں نے سونے سے پہلے جی بھر کے نیند پی تھی جس کا خمار ان پر چھا گیا تھا، چنانچہ اب وہ بے خبر سو رہے تھے۔

یہی وقت تھا جب ایک تاتاری فوج اس علاقے میں آن پہنچی، یہ فوج اسی تاتاری لشکر کا حصہ تھی جس کے بارے میں اتر خان نے ملازکرد کی جانب مڑ جانے کی جھوٹی خبر دی تھی۔ اس کی قیادت منگول سردار ”بایماس نویان“ کر رہا تھا۔ اسے تاتاری خاقان اوکتائی نے سپہ سالار جرماعون کی ماتحتی میں سلطان کے خلاف کارروائی کے لیے بھیجا تھا اور روانگی کے وقت اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا تھا:

”تمام سرداروں میں سے تو وہ ہے جو سلطان جلال الدین کا کام تمام کرے گا۔“

سلطان جلال الدین کو گرفتار کرنا چنگیز خان کی زندگی کا نہ پورا ہونے والا ارمان تھا جو اب تاتاریوں کے لیے ایک قومی چیلنج بن چکا تھا۔ نئے خاقان اوکتائی کے نزدیک بھی سلطان کی گرفتاری ہر کام سے زیادہ اہم تھی۔ بایماس کئی ماہ سے سلطان کے تعاقب میں تھا اور اب جاسوسوں سے لی گئی معلومات کے مطابق صحیح جگہ پہنچ گیا تھا، اسے حتی طور پر علم تھا کہ سلطان اسی پڑاؤ میں بذات خود موجود ہیں۔ وہ رات کی تاریکی میں بڑی آسانی سے سلطان کی خوابیدہ فوج کو روند سکتا تھا مگر اس طرح اسے سونپا گیا اصل ہدف ضائع ہو جانے کا خدشہ تھا، اصل میں تاتاریوں کو تجربہ ہو چکا تھا کہ سلطان کے لیے رات کی تاریکی میں سخت سے سخت نرغہ ابھی مکڑی کا جالا ثابت ہوتا ہے، اس لیے بایماس دن کے اجالے میں سلطان کو پکڑنا چاہتا تھا۔

تاتاری لشکر سلطان کے پڑاؤ سے ایک منزل دور تیار حالت میں کھڑا رہا، اس دوران نصف شب کے قریب کوئی ترکمان مسلمان وہاں سے گزرا۔ اس نے اجنبی گھڑسواروں کی آہٹ محسوس کی اور چوکنا ہو گیا۔ اس نے غور سے دیکھا تو بہت سے ایسے سوار دکھائی دیے جو سیاہ گھوڑوں پر سوار تھے اور رات کے اندھیرے کے باوجود وہ قد و قامت میں غیر ملکی معلوم ہوتے تھے۔ <sup>(1)</sup> اس نے تیزی سے سلطان کی خیمہ گاہ کی طرف دوڑ لگا دی، وہاں پہنچ کر اس نے سلطان کے افسران کو کہہ کر سلطان کو جگایا۔ اس کی کوشش کی۔ گہری نیند، سردرد اور تکان کی وجہ وہ بمشکل بیدار ہوئے ترکمانی کو ان کے پاس لایا گیا۔ اس نے سلطان کو خطرے سے خبردار کرتے ہوئے کہا:

”سلطان عالی! جہاں کل آپ کی فوج کا پڑاؤ تھا وہاں آج ایک اجنبی فوج نظر آرہی ہے، ان کی وردیاں آپ کی

سلطان نے اس بات کو ذرا بھی سنجیدگی سے نہیں لیا، دراصل ان دنوں سلطان کی فوج جس علاقے سے بھی گزرتی تھی، وہاں کے مقامی لوگ خوفزدہ ہو جاتے تھے کہ سلطان کی وجہ سے کہیں تاتاری ہمیں نہ روند ڈالیں، اسی لیے ہر شہر کے باشندے خوارزمیوں کے قافلے کو اپنے علاقوں سے جلد از جلد نکلنے پر تلے نظر آتے تھے اور اس کے لیے تاتاریوں کی آمد کی افواہیں اڑاتے رہتے تھے۔ ان تلخ تجربات کے تحت سلطان نے اس ترکمانی شخص کی سچی اطلاع کو بھی بدینتی پر محمول کرتے ہوئے کہا: ”یہ شخص ایک حیلہ ہے، ہمیں یہاں سے بھگانے کے لیے ان لوگوں کا ایک بہانہ ہے جو اپنے علاقوں سے ہمارا گزر پسند نہیں کرتے۔“

یہ کہہ کر سلطان پھر سو گئے۔ عام حالات میں سلطان سے ایسی بے فکری کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی مگر نہ معلوم کیوں اس رات وہ خلافِ عادت بالکل بے پروا اور مطمئن تھے۔ لگتا تھا وہ تمام خطرات اور پریشانیوں کو جھٹک کر دیر تک آرام کرنا چاہتے ہیں۔

اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر صبح صادق سے پہلے تاتاری لشکر نے سلطان کی خیمہ گاہ کو گھیر لیا۔ تاتاری جانتے تھے کہ ایک لاکھ مسلمان سپاہیوں کو قتل کر دینا مسلمانوں کو اتنا کمزور نہیں کر سکتا جتنا کہ ایک اکیلے سلطان کی گرفتاری۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اندھیرے میں سلطان کی پوری فوج کو کچلنے کا موقع ہاتھ سے جانے دیا۔ وہ خوارزمی پڑاؤ کے چاروں طرف پھیل گئے اور چپ چاپ صبح کی روشنی کا انتظار کرنے لگے تاکہ اگر اُس وقت سلطان جلال الدین گھیرے سے نکل بھی جائیں تو ان کا تعاقب دشوار نہ ہو۔

خوش قسمتی سے سلطان کے لشکر کا ایک جری سردار اور خان اپنی کچھ فوج کے ساتھ پیچھے رہ گیا تھا، اسے علی الصبح تاتاریوں کی نقل و حرکت کا علم ہو گیا۔ اس نے فوراً سپاہیوں کو تیار کر کے دشمنوں پر بھرپور حملہ کر دیا، تاتاری جو مسلمانوں کو خواب خرگوش میں مدبوش سمجھ کر بے پروا تھے عقب سے ہونے والے اس یکدم حملے سے ہکا بکا رہ گئے، اور خان نے ان کا گھیرا توڑ ڈالا اور انہیں جلد ہی بھاگنے پر مجبور کر دیا۔<sup>(۳۱)</sup>

آخری تعاقب ..... اس دوران سلطان کی خیمہ گاہ میں ہل چل مچ گئی، جس کا منہ جدھر اٹھتا تھا وہ ادھر بھاگ رہا تھا، شہاب الدین النسوی جورات کے آخری پہرہ سو گئے تھے، اب تک اپنے خیمے میں بے سدھ پڑے تھے۔ ایک غلام نے ادھر سے گزرتے ہوئے چلا کر کہا: ”اٹھیے اٹھیے، دیکھیے کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔“ النسوی کا کہنا ہے: ”میں ہڑبڑا کر اٹھا، جلدی جلدی کپڑے بدلے اور اپنا سب کچھ وہیں چھوڑ چھاڑ کر روانگی کے لیے تیار ہو گیا۔“

سلطان جلال الدین خلافِ عادت اس ہنگامے میں بھی بے خبر سوتے رہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ تمام تفکرات، پریشانیوں اور ذمہ داریوں سے یکسو ہو کر سالہا سال کی تکان اُتار رہے ہیں۔ اور خان نے شاہی خیمے میں جا کر سلطان کو گایا اور سارا قصہ سنایا۔ تاتاری پسپا ہو کر زیادہ دور نہیں گئے تھے، خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا، دشمن کسی بھی وقت دوبارہ حملہ آور ہو سکتا تھا، سلطان نے حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے وہاں سے کوچ کر جانا ضروری سمجھا۔<sup>(۳۲)</sup>

اس وقت تک النسوی اپنے گھوڑے پر سوار ہو چکے تھے اور بڑی بے چینی سے سلطان کے خیمے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا سلطان کا خادم خاص ان کا ہاتھ تھام کر انہیں سنبھالے ہوئے خیمے سے باہر لا رہا ہے۔ تھکن



اور بے آرامی سے سلطان کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ انہوں نے شاہی لباس کی جگہ سفید رنگ کی درویشانہ ٹوپی پہنی ہوئی تھی جسے ”طاقیہ“ کہا جاتا تھا۔ یہ النسوی کی سلطان پر آخری نگاہ تھی۔ اس کے بعد انہیں اپنے محبوب سلطان کو دوبارہ دیکھنا کبھی نصیب نہ ہوا۔

خادم نے سلطان کو ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار کرایا۔ اسے ایڑ لگانے سے پہلے سلطان نے اپنی ملکہ خاتون بنت اتابک سعد کو بلوایا جو موت وزیت کے اس سفر میں اب تک ان کے ساتھ ساتھ تھی۔ اسے دو ممتاز امیروں کی حفاظت میں دے کر حکم دیا کہ اس جگہ سے جتنا دور جاسکتے ہیں چلے جائیں اور کسی محفوظ مقام تک پہنچیں۔<sup>(۳۵)</sup> چونکہ تاتاری لشکر تھوڑے ہی فاصلے تک پہنچا ہوا تھا اور کسی بھی لمحے دوبارہ نمودار ہو سکتا تھا۔ اس لیے سلطان جلال الدین خطرے کی زد سے دور نکلنے کے لیے فوراً ایک طرف روانہ ہو گئے۔ اس افراتفری میں النسوی، بہت سے امراء اور سپاہی ادھر ادھر نکل گئے، ان میں سے کسی کو پتا نہ چلا کہ سلطان کہاں ہیں اور باقی خوارزمی لشکر کدھر گیا ہے۔

ادھر سلطان کے روانہ ہوتے ہی تاتاری سائے کی طرح ان کے پیچھے لگ گئے۔ آخر کار سلطان نے ان کو چمکے دینے کے لیے فوج کی کمان اور خان کے حوالے کر دی اور اسے تاکید کی کہ کچھ دیر جم کر تاتاریوں کا مقابلہ کرے اور پرچم کو اپنی جگہ سے نہ ہٹے دے۔ اور خان کچھ دیر تک تاتاریوں کا جاں توڑ مقابلہ کرتا رہا مگر جب تاتاریوں کا دباؤ بہت بڑھ گیا تو اس نے سپاہیوں کو پسپائی کا حکم دے دیا، تاتاری سائے کی طرح اس کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ اس ہنگامے سے فائدہ اٹھا تے ہوئے سلطان خود چند سپاہیوں کے ساتھ دوسری طرف مڑ گئے۔ سلطان کو یقین تھا کہ ان کے چپکے سے ایک طرف نکل جانے کا کسی کو علم نہیں ہو سکے گا اور تاتاری بدستور فوج کا پیچھا کرتے کرتے دور نکل جائیں گے۔ مگر تقدیر کے سامنے تدبیر کام نہیں دیتی، سلطان کا یہ چمکے جو ہمیشہ کامیاب چلا آتا رہا تھا، اس موقع پر کارگر نہ ہوا۔

تغائب کرنے والے تاتاریوں کو بھی جلد ہی خبر ہو گئی کہ سلطان فوج کے ساتھ جانے کے بجائے دوسری طرف مڑ گئے ہیں۔ چنانچہ تاتاریوں نے فوج کا پیچھا چھوڑ کر سلطان کی تلاش شروع کر دی۔ ان میں سے بعض نے پلٹ کر سلطان کی خیمہ گاہ کو لوٹا جہاں سے سلطان کے خیمے سے انہیں نادر جواہر کا وہ کمر بند بھی ملا جو صدیوں سے ایرانی بادشاہوں میں منتقل ہوتا آ رہا تھا اور جسے سلطان جلال الدین عید کے دن پہنا کرتے تھے۔ تاتاریوں نے یہ کمر بند خاقان اوکٹائی کو بھیج دیا۔<sup>(۳۶)</sup>

تاتاریوں سے بچ کر اور خان تو کسی خاص وقت کے بغیر فوج کے چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ ارنیل جیسے محفوظ شہر پہنچ گیا اور پھر موقع ملنے پر اسی فوج کو لے کر تاتاریوں سے بچتے بچاتے ہوئے اصفہان پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔<sup>(۳۷)</sup> مگر سلطان کے لیے مشکلات اور بڑھ گئیں، الگ راستہ اختیار کر کے انہیں کچھ دیر کے لیے تو تاتاریوں سے دور نکلنے کا موقع مل گیا مگر وہ فوج سے بالکل محروم ہو گئے۔ کسی آن بان، لشکر اور حفاظتی دستے کے بغیر اب وہ صرف چند وفاداروں کے ساتھ انجانی راہوں پر چلے جا رہے تھے۔

وہ شب تاریک میں سنسان اور پُر خطر راستوں پر اپنا گھوڑا دوڑاتے ہوئے کسی نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں تھے جبکہ تاتاری اس سرزمین کے چپے چپے پر پھیل کر بھوکے درندوں کی طرح ان کی تلاش میں دیوانہ وار گشت کر رہے تھے۔

شام غم ایسی بلائیں نہ دیکھی تھی کبھی آسمان پر نہ رہا کوئی بھی تارا باقی  
اب کہیں جمتی نہیں محفلِ اربابِ چمن میں ہی بس رہ گیا اس بزم میں تنہا باقی  
میرے لب پر تھے گیت بہاروں کے مگر مڑ کے دیکھا تو وہ موسم ہی نہیں تھا باقی  
منزل ہے کہاں تیری..... آگے چل کر سلطان جلال الدین نے پھر آمد کا رخ کیا جہاں کے حاکم نے چند روز قبل  
انہیں دعوت نامہ بھیجا تھا، لیکن سلطان کی حالت زار دیکھ کر اُس نے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں اور شہر کے  
دروازے تک نہ کھولے، شہر کی فیصلوں سے سلطان کے لئے پٹے قافلے پر سنگ باری کی گئی اور ان مصیبت زدگان کو  
واپس چلے جانے پر مجبور کر دیا گیا۔

سلطان نے یہاں سے بائیں جانب کی شاہراہ پر روانہ ہو گئے جو الجزائرہ کے شہروں کی طرف جاتی تھی، خوش قسمتی  
سے یہاں انہیں اپنی فوج کے گھوڑ سوار مل گئے، جو ادھر ادھر بھٹک رہے تھے۔ سلطان انہیں ساتھ لے کر آگے روانہ  
ہوئے مگر یہاں راستے میں ”در بندات“ کے بلند و بالا پہاڑ اور خطرناک درے آ گئے، جن میں ڈاکوؤں اور ہزنوں کی  
اجارہ داری تھی، اس لیے وہ آگے نہ جاسکے۔<sup>(۷۸)</sup> سلطان کے کئی ساتھی اس خطرناک علاقے میں مقامی شہر پسندوں  
کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔<sup>(۷۹)</sup>

اترخان کی بے وفائی اور اس کا انجام..... سلطان کا افسر اترخان اس وقت تک سلطان کے ہمراہ تھا۔ اس نے  
سلطان کو واپسی کا مشورہ دیتے ہوئے کہا: ”اس وقت سب سے محفوظ راستہ وہی ہے جس سے تاتاری آئے تھے۔“  
اس راستے پر سفر کر کے وہ میافارقین پہنچ سکتے تھے جو شہاب الدین الملک المظفر بن الملک العادل کا علاقہ تھا۔<sup>(۸۰)</sup>  
اترخان کا یہ مشورہ سلطان کی خیر خواہی سے زیادہ اس کے اپنے مفادات کے لیے تھا۔ اصل میں وہ چارونا چار  
سلطان کے ساتھ تھا اور علاحدگی اختیار کرنے کے لیے مناسب موقع تلاش کر رہا تھا۔ ان خطرناک پہاڑوں میں وہ  
تنہا سفر نہیں کر سکتا تھا، اس لیے وہ سلطان کے قافلے کی معیت میں وہ شہاب الدین الملک المظفر کے علاقے سے  
قریب تر ہونا چاہتا تھا، الملک المظفر کو وہ خفیہ خط و کتابت سے اپنی وفاداریوں کی پیش کش کر چکا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا،  
چاہے سلطان جلال الدین کو ایوبی خاندان سے مخالفت کے سبب وہاں پناہ نہ ملے تو نہ سہی مگر مجھے اپنے خفیہ تعلقات  
کے باعث وہاں ضرور ٹھکانہ میسر آ جائے گا۔

میافارقین کے نواح میں شبِ ب سری..... سلطان جلال الدین اپنے سوساھیوں کے ہمراہ لاتعداد دشمنوں اور ان  
کے مجبوروں کی نگاہوں سے بچتے ہوئے وہ میافارقین کے قریب جا پہنچے<sup>(۸۱)</sup>، رات کی تاریکی چھا گئی تھی اور شہر کے  
دروازے بند ہو چکے تھے۔ مجبوراً سلطان نے مضافاتِ شہر کے ایک گاؤں کا رخ کیا مگر گاؤں کے کسی گھر میں انہیں پناہ  
نہ مل سکی۔ آخر کار وہ اپنے وفاداروں کے ساتھ گاؤں کے کھلیان میں ٹھہر گئے۔ گھوڑے نہایت خستہ حال ہو رہے تھے  
اس لیے ان کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا۔<sup>(۸۲)</sup>

اترخان کی غداری اور انجام..... اترخان کے لیے یہ سنہرا موقع تھا، وہ الملک المظفر کے علاقے سے قریب تر ہو چکا  
تھا، سو اس نے سلطان کو ان کے حال پر چھوڑا اور خود رات کی تاریکی میں الملک المظفر کی قدم بوسی کے لیے میافارقین  
روانہ ہو گیا۔ اترخان کا یہ خیال تھا کہ خوارزمی ایوان کا سابق معتمد امیر ہونے کے لحاظ سے الملک المظفر کے ہاں اس کی

خوب آؤ بھگت ہوگی، مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔ اولادِ عادل خوارزمی امراء کو اپنا بدترین دشمن گمان کرتی تھی۔ چنانچہ الملک المظفر نے اترخان سے کسی قسم کا بہتر سلوک کرنے کے بجائے اسے قید خانے میں ڈال دیا۔ کچھ عرصے بعد الملک اکمل شاہ مصر نے اسے پایہ زنجیر اپنے پاس طلب کیا۔ الملک اکمل ہی کی قید میں امیر اترخان ایک دن چھت سے گر کر مر گیا۔ ۳۳

جاتا ہے اک مسافر تنہا..... سلطان جلال الدین اور ان کے ساتھی رات بھر کھیتوں میں پڑاؤ ڈالے رہے، رات تو سکون سے گزر گئی مگر دشمن کے جاسوس یہاں بھی موجود تھے جس کی وجہ سے صبح تک تاتاریوں کو اس جگہ سلطان کی موجودگی کی اطلاع مل گئی۔

صبح کا اجالا پھیلتے ہی تاتاریوں کے ایک دستے نے علاقے کا محاصرہ کر کے سلطان کی خیمہ گاہ پر حملہ کر دیا۔ سلطان جلال الدین اپنے دو جانثار غلاموں کے ہمراہ گھوڑے کو ایڑ لگا کر ایک طرف نکل گئے، جبکہ اچانک حملے میں سلطان کے اکثر ساتھی شہید ہو گئے اور کچھ کو گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتار شدگان میں سے کسی بزدل نے جان بچانے کے لیے تاتاریوں کو بتا دیا کہ ابھی اس سمت جو سوار گیا ہے، وہی سلطان جلال الدین ہے۔ یہ سنتے ہی تاتاریوں کے افسر نے پندرہ بہترین شہسوار سلطان کے تعاقب میں روانہ کر دیے تاکہ اس سخت جان حریف سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کر لی جائے۔ ۳۴

اس دوران سلطان جلال الدین وقتی طور پر اپنے دونوں غلاموں کے ہمراہ دشمن کی زد سے دور نکل گئے تھے..... مگر قدم قدم پر خطرات کا سامنا تھا، سلطان کے یہ آخری دو وفادار بھی زیادہ دیر تک ان کا ساتھ نہ دے سکے اور آگے چل کر کردستان کے سفاک ڈاکوؤں سے کسی جھڑپ میں یہ دونوں جانثار غلام اپنے آقا پر قربان ہو گئے۔ ۳۵

دھرتی کے سینے پر سلطان جلال الدین خوارزم شاہ حادث و آلام کے زخموں میں بالکل تنہا رہ گئے۔ ۳۶

آبھری ہوئی ہیں دور پہاڑوں کی چوٹیاں جن کا سکوت پردہ کش روزگار ہے  
جاتا ہے اک مسافر تنہا کسی طرف منزل ہے جس طرف نہ کوئی رہ گزار ہے

ادھر پندرہ سواروں کا گروہ جو سلطان کے تعاقب میں تھا ان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا، ان کے نیزوں کی انیاں اور تلواروں کی دھاریں سلطان کے خون سے غسل کے لیے بے تاب تھیں۔ ان سپاہیوں کو اوپر سے یہ احکام مل چکے تھے کہ سلطان کو گرفتار کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا جائے اور اگر وہ گرفتاری دینے پر آمادہ نہ ہوں تو بلا تامل انہیں قتل کر کے اس جھنجھٹ کو ختم کر دیا جائے۔ ۳۷

سلطان نے پلٹ کر دیکھا، دشمن سر پر آچکا تھا۔ ان کا تھا کہ ہوا گھوڑا زیادہ دیر تک انہیں دشمن کی پہنچ سے باہر نہیں رکھ سکتا تھا۔ خود سلطان کی حالت بھی خستہ تھی، مگر آفرین ہے ان کی ہمت اور حوصلہ مندی پر۔ اس حال میں بھی ان کا دل خوف سے دھڑکا، نہ ان کے دست و بازو پکپکائے۔ سلطان نے اپنی چمکدار تلوار نیام سے کھینچ لی جس کی کاٹ ابھی باقی تھی۔ ان کے بازوؤں کا زور ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ ملک و ملت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ سے نکل چکی تھی مگر وہ دشمن سے اپنا دفاع کرنے کے گریں نہیں بھولے تھے،

سلطان جلال الدین نے تلوار کے دستے پر گرفت مضبوط کر لی اور ان درندوں کو قریب آنے دیا۔ جیسے ہی ایک

تاتاری سواران کے قریب پہنچا..... سلطان کی تلوار شعلہ جوالا بن کر چمکی اور دشمن کا سر گردن سے الگ ہو کر دور جا پڑا۔ اگلے ہی لمحے دوسرا تاتاری سلطان پر حملہ آور ہوا، مگر سلطان نے ایک ہی وار میں اس کا سر بھی اڑا دیا، تعاقب میں آنے والے بقیہ تیرہ سوار یہ منظر دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ ان پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ انہوں نے آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اُلٹے قدموں واپس لوٹ گئے۔ ⑤

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور گھٹا ٹوپ اندھیروں کی وسعتوں میں غائب ہو گئے۔ حسن کیا ہو خود نما جب کوئی مائل ہی نہ ہو شمع کو جلنے سے کیا مطلب جو محفل ہی نہ ہو سلطان کا انجام؟ متضاد آراء..... اس المیہ داستان کا اختتام ایک سوا لیہ نشان بن کر رہ جاتا ہے۔ سلطان کا انجام کیا ہوا؟ یہ ایک معمہ ہے جس کا جواب یقینی طور پر دینا مشکل ہے۔ ⑥ بہت دنوں تک سلطان کے بارے میں کسی کو کوئی اطلاع نہ تھی۔ ایک عرصہ گزرنے کے بعد ان کے بارے میں طرح طرح کی خبریں اور افواہیں گشت کرنے لگیں، جن میں سے اکثر یقیناً من گھڑت تھیں اور بعض کسی درجے میں قابل اعتبار بھی جاسکتی ہیں۔ بہر حال سلطان کے انجام کے بارے میں مختلف داستانیں زبان زد خواص و عوام ہو گئیں۔ ان میں سے مشہور قصہ جو شہاب الدین المنسوی نے نقل کیا ہے انہی کے الفاظ میں مندرجہ ذیل ہے، ناگزیر وضاحتی عبارتیں جو قوسین میں ہیں، راقم کی ہیں۔

”سلطان جلال الدین (تعاقب کرنے والے دشمنوں کو چمکے دے کر کردستان کے) ایک پہاڑ پر پہنچ گئے، کرد باشندے اپنے علاقے کی حفاظت کے لیے آنے جانے والوں کی نگرانی کیا کرتے تھے، اور جس پر بس چلتا اسے لوٹ لیتے تھے۔ (چونکہ اس وقت سلطان اپنی سواری سے محروم ہو کر پیدل چلے جا رہے تھے اور یقیناً بھوک پیاس اور تھکن سے ان کی حالت نہایت خستہ ہو چکی تھی اس لیے کسی دشواری کے بغیر) کردوں نے اپنی عادت کے مطابق سلطان کو بھی گرفتار کر لیا اور ان کا قیمتی لباس اور اسلحہ چھین کر ان کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے، تب سلطان نے کردوں کے سرداروں سے کہا:

”میں سلطان جلال الدین ہوں، مجھے قتل کرنے میں جلدی نہ کرو، یا تو مجھے الملک المظفر بن الملک العادل کے پاس لے چلو، وہ تمہیں مالا مال کر دے گا۔ یا مجھے میرے شہر تک پہنچا دو، میں تمہیں حاکم بنادوں گا۔“

کردوں کا سردار سلطان کی اس پیش کش پر انہیں ان کے شہر پہنچانے پر آمادہ ہو گیا، وہ سلطان کو اپنے گھر لے گیا اور انہیں اپنی بیوی کی نگرانی میں چھوڑ کر خود سلطان کے لیے سواری کا انتظام کرنے نکل گیا۔ (چونکہ اس وقت تک ایک خوارزمی مسافر کی گرفتاری کی خبر پوری بستی میں پھیل چکی تھی لہذا) بستی والوں میں سے ایک اوباش اور بد فطرت شخص (جو خوارزمیوں سے سخت نفرت رکھتا تھا) فوراً سردار کے گھر پہنچا۔ (سردار کو نہ پایا تو) اس کی بیوی سے پوچھا: ”یہ خوارزمی کون ہے۔ تم نے اس کو ابھی تک قتل کیوں نہیں کیا؟“

خاتون خانہ نے جواب دیا: ”میرا خاوند اسے پناہ دے چکا ہے، اس لیے کہ یہ خوارزمیوں کا سلطان ہے۔“ اس شخص نے (نفرت آمیز لہجے میں) کہا: ”تم نے یہ تصدیق کیسے کی کہ یہ سلطان ہے۔ اور اگر

ہے بھی تو کیا ہوا، خوارزمیوں کے ہاتھوں میرا ایک بھائی خلاط کے محاصرے میں مارا گیا تھا۔ خدا کی قسم! وہ تمہارے اس خود ساختہ سلطان سے کہیں زیادہ بہتر تھا، میں اس کا بدلہ لے کر رہوں گا۔

اتنا کہتے ہی کرکردی اپنا نیزہ سنبھال کر سلطان پر چھٹا (سلطان نہتے تھے، نیز تھکن اور خستہ حالی کی وجہ سے اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے تھے) کرکردی نے انہیں وہیں قتل کر دیا (شجاعت و بسالت کی شاندار تاریخ رقم کرنے والے مجاہد نے چند لمحوں میں جان جاں آفرین کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔) ۴۹

مذکورہ روایت کو اختصار و تفصیل کے اختلاف اور جزئیات کے فرق کے ساتھ بہت سے مؤرخین نے نقل کیا ہے۔

اس سے ذرا مختلف ایک اور روایت روضۃ الصفا میں منقول ہے، مؤلف روضۃ الصفا تحریر کرتے ہیں:

”بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ سلطان (کروردستان کے) کو ہستانی علاقے میں پہنچ کر ایک جگہ آرام کے لیے رکے (وہ تھکن سے چور تھے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر گہری نیند سو رہے تھے) اس دوران کچھ کردیوں نے ان سے لباس اور گھوڑا چھیننے کے لیے نیزہ ان کے سینے سے پار کر کے انہیں قتل کر دیا (سلطان حالت خواب ہی میں شہید ہو کر خالق حقیقی سے جا ملے)“ ۵۰

اس سے ملتی جلتی ایک روایت حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں نقل کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”سلطان تنہا رہ گئے، اتنے میں انہیں میافارقین کے کسی گاؤں میں ایک کسان مل گیا، اس نے انہیں تعجب سے دیکھا کیوں کہ ان کا لباس جو اہر اور سونے سے مرصع تھا، کسان نے پوچھا: آپ کون ہیں؟“

سلطان نے جواب دیا: ”میں خوارزمیوں کا بادشاہ ہوں۔“

چونکہ خوارزمیوں نے اس کسان کے بھائی کو قتل کیا تھا اس لیے کسان نے بظاہر تو سلطان کا اعزاز و اکرام کرتے ہوئے انہیں مہمان بنایا مگر جب وہ سو گئے تو کلہاڑی کا وار کر کے انہیں قتل کر دیا اور ان کے لباس پر قبضہ کر لیا۔ (حاکم میافارقین) شہاب الدین غازی کو اس کی خبر ہو گئی، اس نے کسان کو بلوا کر جو اہر سے مرصع لباس ضبط کر لیا اور سلطان کا گھوڑا بھی اس سے لے لیا۔“ ۵۱

سلطان کی شہادت کی یہ روایات اس وقت پھیلیں جب کہ ان کی کشدگی کے کچھ عرصے بعد آمد شہر میں کروردستان کے کچھ مشکوک لوگ پکڑے گئے۔ ان سے نہایت بیش قیمت لباس اور اسلحہ برآمد ہوا جو کسی بادشاہ ہی کے لائق تھا۔ سرکاری کارندوں نے تفتیش کی تو سلطان جلال الدین کے سابقہ غلاموں میں سے کسی نے ان چیزوں کو شناخت کر کے بتایا کہ یہ لباس اور اسلحہ سلطان جلال الدین کے سوا کسی اور کا نہیں۔ اس انکشاف کے بعد گرفتار شدگان سے سختی سے باز پرس کی گئی کہ تمہیں یہ لباس اور اسلحہ کیسے ملا تو انہوں نے مذکورہ واقعہ بیان کر دیا۔ آمد کے حکمران الملک المسموع نے اس تفتیش کے بعد گرفتار شدگان کو قتل کر دیا۔ آمد میں ایک قبر تیار کرائی اور مقتول شخص کی نعش کو لا کر وہاں دفن کر دیا گیا۔ ۵۲

ادھر الملک المنظر بن الملک العادل نے بھی مذکورہ واقعہ سے مطلع ہونے کے بعد مقتول کے ہتھیار، تلوار، لباس اور گھوڑے کی زین منگوا کر سلطان کے کئی افسران سے جن میں اترخان اور امیر آخور بھی شامل تھے تصدیق کروائی کہ یہ واقعی سلطان کا سامان ہے۔ بعد ازاں جائے وقوع پر کچھ آدمی بھیج کر مقتول کی ہڈیاں منگوائی اور خلاط میں تدفین کی۔ ۵۳

اس طرح سلطان کی دو قبریں بن گئیں جس کی وجہ سے حقیقت حال اور مشتبہ ہو گئی۔

شہاب الدین النسوی کو سلطان کی شہادت کی یہ روایت کچھ دیر سے موصول ہوئی تھی، ہوا یہ تھا کہ سلطان سے بچھڑنے کے بعد تین دن تک وہ جنگلوں میں چھپے رہے، پھر ہفتوں تک ادھر ادھر بھٹکتے رہے۔ اس دوران انہیں دو ماہ تک آمد میں نظر بند بھی رکھا گیا۔ خاصے دنوں بعد انہیں قید سے فرار کا موقع ملا، تب انہیں پتا چلا کہ سلطان کر دیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے ہیں۔<sup>(۵۶)</sup>

النسوی نے اس المناک خبر پر یوں نوحوہ کیا ہے:

”اس سانحے سے زمانے کا گریباں چاک ہو گیا ہے، مصائب کا نشہ کا فور ہو گیا ہے، پرچم دین سرنگوں نظر آتا ہے، اسلام کی عمارت ڈھ گئی ہے۔“<sup>(۵۷)</sup>

الملک الاشرف کو اس کے درباریوں نے نہایت مسرت کے ساتھ سلطان جلال الدین کی موت کی خبر دی۔ اس نے بگڑ کر کہا:

”جانتے بھی ہو تم کس بات کی مبارک باد دے رہے ہو اور کس بات پر خوش ہو رہے ہو۔ عن قریب تم جلال الدین کی غیر موجودگی کے عواقب دیکھ لو گے۔ یہ حادثہ تاتاریوں کے عالم اسلام میں گھس جانے کا سبب بنے گا۔ جلال الدین خوارزمی تاتاریوں اور ہمارے درمیان سدِ سکندری کی طرح حائل تھا۔“ (النجم الزاہرۃ، ج: ۲، ص: ۲۰۸، شاملہ)

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ سلطان جلال الدین کی شہادت کا شہرہ ۶۲۹ھ کے اوائل میں ہوا، جبکہ ان کی شہادت کا واقعہ وسطِ شوال ۶۲۸ھ (اگست ۱۲۳۱ء) میں پیش آیا تھا۔ یہی ابنِ خلدون کا قول ہے۔<sup>(۵۸)</sup>

دوسری رائے..... سلطان کے خواص میں سے بعض افراد کر دیوں کے ہاتھوں سلطان کی شہادت کے واقعے کی صداقت کا پورے شد و مد سے انکار کرتے رہے۔ یہ سلطان کے وہ ساتھی تھے جو آمد اور میاں فاروقین کے آس پاس سلطان کے کوچ و قیام میں آخر تک ان کے ساتھ تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ بعض لوگوں سے سلطان کا لباس اور اسلحہ برآمد ہو جانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے جس مقتول سے یہ لباس اور اسلحہ اتارا ہے وہ سلطان جلال الدین ہوں۔

ان کا بیان تھا کہ سلطان جلال الدین جب آخری بار اپنے ساتھیوں سے رخصت ہوئے تھے تو اس وقت انہوں نے اپنا شاہی لباس اور اسلحہ اپنے سلاحدار کے پاس جمع کر دیا تھا اور خود ایک درویش کا بھیس بدل کرنا معلوم ست چلے گئے تھے، (اس بات کی تصدیق النسوی کی تحریر سے بھی ہوتی ہے کہ خیمہ گاہ پر حملے کے وقت جب ان کی نگاہ آخری بار اپنے محبوب سلطان پر پڑی تھی تو اس وقت سلطان طاقتور یعنی درویشوں والی ٹوپی پہنے گھوڑے پر سوار ہو رہے تھے)

لہذا شاہی لباس اور اسلحہ کا حامل یہ مقتول سلطان جلال الدین نہیں تھا، بلکہ غالب گمان یہ ہے کہ وہ سلطان کا سلاحدار تھا<sup>(۵۹)</sup> جسے شاہی لباس اور اسلحہ کی وجہ سلطان جلال الدین سمجھ لیا گیا، دوسری رائے کو بھی ایک بڑے طبقے نے قبول کر لیا اور ایک عرصے تک بہت سے لوگ یہ سمجھتے رہے کہ سلطان جلال الدین کسی صوفی یا درویش کے روپ میں نگر نگر کی سیاحت کر رہے ہیں۔<sup>(۶۰)</sup> واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

سلطان کی روپوشی کے بعد ایک طویل زمانے تک تاتاریوں پر سلطان کا خوف سوار رہا۔ اگر کہیں افواہ پھیل جاتی کہ سلطان فلاں مقام سے گزر رہے ہیں تو تاتاریوں کی جان پر بن آتی۔ فی الفور تاتاری لشکر ادھر کا رخ کرتا اور سلطان

کی تلاش میں دن رات ایک کر دیتا۔ سلطان کا کچھ اتا پتا نہ ملتا، مگر عوام کی شامت آ جاتی۔ تشدد، حراست، پوچھ گچھ اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔<sup>(۵۹)</sup>

کتنے ہی لوگوں کو سلطان جلال الدین کا اتا پتا معلوم کرنے کے لیے پُر تشدد کارروائیوں سے ہلاک کر دیا گیا اور کتنے ہی افراد کو سلطان جلال الدین گمان کر کے قتل کر دیا گیا۔ بعض ایسے مستانے بھی تھے جو سستی شہرت حاصل کرنے یا تاتاریوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے جلال الدین خوارزم شاہ ہونے کا اعلان کر کے ماحول میں زلزلہ پیدا کرتے رہے، تاہم جلد ہی ان کی حقیقت کھل جایا کرتی تھی۔ ۶۳۳ھ میں ایک شخص نے اسپیدار کے علاقے میں یہ دعویٰ کیا کہ میں سلطان جلال الدین ہوں۔ تاتاری حاکم جنتور نے اس کے مقابلے کے لیے اپنے ان سرداروں کو بھیجا جو سلطان جلال الدین کو برسر میدان اچھی طرح دیکھ چکے تھے، ان سرداروں نے اس شخص کو گرفتار کر لیا اور اس کا جھوٹ ثابت کرنے کے بعد اسے قتل کر دیا۔

۶۵۲ھ میں ایک تجارتی قافلہ دریائے جیحوں کے کنارے پہنچا۔ دریا عبور کرنے سے قبل حفاظتی چوکی کے تاتاری سپاہیوں نے ان کی جانچ پڑتال شروع کی۔ اس قافلے میں انہیں درویشانہ صورت کا ایک شخص دکھائی دیا۔ تاتاری سپاہیوں نے اس فقیر کو شک کی نگاہوں سے دیکھا اور اسے حراست میں لے کر اس سے پوچھ گچھ شروع کی۔ تفتیش کے دوران اس فقیر نے اس بات کا اعتراف کر لیا کہ وہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ ہے۔ تاتاری اس پر تشدد کے بدترین حربے آزما رہے، مگر وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنے اقرار سے نہ پھرا، حتیٰ کہ اسی زد و کوب کے دوران اس کی روح پرواز کر گئی۔<sup>(۶۰)</sup>

افواہیوں اور دعوؤں کا یہ سلسلہ ایک طویل عرصہ تک جاری رہا۔ بہر حال وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ سب کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔

تاتاریوں پر سلطان کا جو خوف طاری تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ سلطان کی شہادت یا روپوشی کے بعد عرصہ دراز تک عبادت کے دوران اپنے فرضی معبود ”روح محافظ“ کا اس احسان پر شکر ادا کرتے کہ سلطان جلال الدین جیسے بہادر اور خطرناک دشمن کو اس کی امداد اور اعانت سے شکست ہوئی۔<sup>(۶۱)</sup> ان کی اس مناجات کے مفہوم سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ تاتاری قومی حیثیت سے سلطان جلال الدین کو اپنا سب سے بڑا دشمن تصور کیا کرتے تھے۔

— — — — —

## حواشی و حوالہ جات

- ① ابن اثیر ج ۷ ص ۶۵۷..... نہایہ الارب ج ۷ ص ۳۹۳
- ② سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۵۰..... نہایہ الارب ج ۷ ص ۳۷۶..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۸
- ③ جہاں کشاج ص ۱۸۲..... نہایہ الارب ج ۷ ص ۳۷۶
- اہل و عیال کی نگرانی کے بارے میں ذکر کردہ روایت جہاں کشا کی ہے جسے قرآن کی تائید حاصل ہے۔ النبی کا بیان اس سے مختلف ہے، وہ بتاتا ہے کہ تاتاریوں کے خطرے نے سلطان کو اس کی مہلت نہ دی کہ وہ اہل و عیال اور رخصتانے کو کسی قلعے میں محفوظ کر سکتے اور انہیں اہل و عیال کو تبریز ہی میں چھوڑ کر ہنگامی طور پر کوچ کرنا پڑا۔ دیکھئے سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۵۰۔ مگر آگے چل کر دونوں مؤرخ اس بات پر متفق ہیں کہ سلطان نے اہل و عیال کو اپنے پاس بلا لیا تھا تاکہ اصفہان کی طرف کوچ کیا جائے۔ تاتاریوں کے آخری حملے کے وقت حرم سلطان کے ساتھ ہی تھا۔ دیکھئے: سیرۃ سلطان جلال الدین، ص ۳۷۹، ۳۸۰..... جہاں کشاج ص ۱۸۸
- ④ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۵۱..... خوارزم شاہی ص ۲۰۵..... ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۴۱
- ⑤ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۵۱..... خوارزم شاہی ص ۲۰۵..... ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۴۱
- ⑥ جہاں کشاج ص ۱۸۸..... مختصر الدول ص ۲۴۶
- ⑦ جہاں کشاج ص ۱۸۳..... جہاں کشاج ص ۱۸۳
- ⑧ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۵۱
- ⑨ سیرۃ جلال الدین ص ۳۵۴، ۳۵۳..... نہایہ الارب ج ۷ ص ۳۷۶
- ⑩ سیرۃ جلال الدین ص ۳۵۶..... نہایہ الارب ج ۷ ص ۳۷۶
- ⑪ سیرۃ جلال الدین ص ۳۶۲ تا ۳۶۶..... جہاں کشاج ص ۱۸۵..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۵۹
- ⑫ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۹..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۸
- ⑬ سیرۃ جلال الدین ص ۳۶۳..... سیرۃ جلال الدین ص ۳۶۲
- ⑭ سیرۃ جلال الدین ص ۳۶۲..... سیرۃ جلال الدین ص ۳۶۹
- ⑮ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۵۹..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۹
- ⑯ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۵۹
- ⑰ سیرۃ جلال الدین ص ۳۷۲..... نہایہ الارب ج ۷ ص ۳۷۸



- (۲۱) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۳.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۸
- (۲۲) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۴
- (۲۳) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۶۳
- (۲۴) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۹.....روضۃ الصفاح ص ۸۳۲.....جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۸۳.....ابن اثیر ج ۷ ص ۶۵۹.....تاریخ لابن الورودی ج ۳ ص ۲۲۶
- (۲۵) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۴ (۲۶) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۵
- (۲۷) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۵.....ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۹
- (۲۸) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۸.....خوارزم شاہی، ص ۲۱۵.....ابن اثیر ج ۷ ص ۶۵۸
- (۲۹) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۵.....ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۹.....خوارزم شاہی ص ۲۱۵
- (۳۰) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۷.....خوارزم شاہی ص ۲۱۶.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۸
- (۳۱) سیرۃ سلطان جلال الدین، ص ۳۷۷، ۳۷۸.....جہاں کشا ج ۲ ص ۱۸۸.....مختصر الدول ص ۲۴۷.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۸
- (۳۲) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۸، ۳۷۹
- (۳۳) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۸، ۳۷۹.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹
- (۳۴) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۹.....ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹
- (۳۵) نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹.....جہاں کشا ج ۲ ص ۱۸۹.....تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۳ و فیات ۶۲۸ ھ حرف خا، ملک خاموش
- (۳۶) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹
- (۳۷) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹
- (۳۸) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۰.....خوارزم شاہی ص ۲۱۷
- (۳۹) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹
- (۴۰) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹
- (۴۱) نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹ (۴۲) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰
- (۴۳) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۱.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹.....ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰
- سلطان کے ساتھ دو غلاموں کے فرار ہونے کا ذکر ابن العری نے کیا ہے، دیکھیے تاریخ مختصر الدول ص ۳۴۷
- (۴۴) تاریخ مختصر الدول ص ۲۴۷
- (۴۵) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۱.....البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۱۵۴.....تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ و فیات ۶۲۸ ھ حرف جیم.....خوارزم شاہی ص ۲۱۷
- (۴۶) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۱.....خوارزم شاہی ص ۲۱۷.....سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۲۹

- ۴۷) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۱..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹
- ۴۸) مؤرخ ابن اثیر نے سب سے زیادہ محتاط موقف اختیار کیا ہے، اپنی تاریخ کے اختتام تک وہ یہی تحریر کرتے رہے کہ اب تک سلطان جلال الدین کے بارے میں کوئی (باوثوق) اطلاع نہیں ملی۔
- ۴۹) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۱، ۳۸۲ ۵۰) روضۃ الصفاح ج ۴ ص ۸۳۲
- ۵۱) البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۱۵۴..... نیز دیکھیے، سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۴۵..... ابن الورودی ج ۳ ص ۲۳۱.....
- جہاں کشاج ۲ ص ۱۹۱..... شذرات الذهب ج ۵ ص ۱۳۱..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۴..... خوارزم شاہی ص ۲۱۸، ۲۱۷
- ۵۲) جہاں کشاج ۲ ص ۱۹۱..... تاریخ مختصر الدول ص ۲۲۷
- ۵۳) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۲، ۳۸۳..... خوارزم شاہی، ص ۲۱۸
- ۵۴) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۶۔ خوارزم شاہی ص ۲۶۹
- ۵۵) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۲
- ۵۶) تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳، وفیات ۶۲۸ھ حرف جیم۔ تاریخ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰
- ۵۷) جہاں کشاج ۲ ص ۱۹۱..... تاریخ مختصر الدول ص ۲۲۷ (واضح رہے کہ سلاحدار فوج کے اس عہدے دار کو کہا جاتا تھا جو شاہی اسلحے کے ذخائر کا نگران اور ذمہ دار ہوتا تھا۔)
- ۵۸) جہاں کشاج ۲ ص ۱۹۱..... روضۃ الصفاح ج ۴ ص ۸۳۲..... تاریخ مختصر الدول ص ۲۲۷
- ۵۹) خوارزم شاہی ص ۲۱
- ۶۰) جہاں کشاج ۲ ص ۱۹۱، ۱۹۲..... تاریخ مختصر الدول ص ۲۲۷
- ۶۱) دنیا کے ظالم حکمران ص ۶۹

————— ❦ —————



## سلطان جلال الدین کے بعد عالم اسلام کی حالت زار

تاتاری (ارنیل، کرشنی اور دتو قاقا میں) قتل و غارت گری کر کے اس طرح صحیح و سلامت واپس لوٹے کہ انہیں کسی کا خوف نہ تھا..... ایک شہ سوار بھی ان کے راستے میں حائل نہ ہوا..... دیار بکر، الجزیرہ، اربل اور خلاط میں انہوں نے جو چاہا حشر کیا..... کسی نے ان کو نہ روکا..... کوئی ان کے سامنے کھڑا نہ ہو سکا..... سلاطین اسلام بلوں میں دبک گئے ہیں..... اس پر مستزاد یہ کہ جلال الدین کی خیر خبر ملنا بھی منقطع ہو گئی ہے۔ (تاریخ اکمل لابن اثیر)

سلطان جلال الدین کے بعد..... سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی شہادت یار و پوشی کے بعد تاتاریوں کے سیل آتشیں نے بلاروک ٹوک ممالک اسلامیہ میں قیامت برپا کر دی۔ خونِ مسلم کی قیمت پانی سے ارزاں ہو گئی۔ ہر طرف شعلوں اور بجلیوں کا راج تھا۔ مسلمانوں پر وہ ظلم و ستم ڈھائے جا رہے تھے کہ جن کی مثال سے تاریخ خالی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ خود عوام و خواص کے دلوں پر دشمن کا اس قدر رعب طاری ہو چکا تھا کہ وہ تاتاریوں کے ہاتھوں بے بسی کے ساتھ بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہونے پر آمادہ تھے۔

جب تک سلطان جلال الدین کی شکل میں ایک حوصلہ مند راہنما تاتاریوں کے سامنے چٹان بن کر سر بکف رہا، عامۃ المسلمین کے حوصلے بھی برقرار رہے، لیکن اس چٹان کے ریزہ ریزہ ہوتے ہی امیدوں کے تمام چراغ گل ہو گئے اور مایوسی اور کم ہمتی کے بادلوں نے ہر طرف تاریکی پھیلادی، اب مسلمان تاتاریوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے افسوس ناک پہلو یہ تھا کہ کیقباد، اشرف اور الملک اکمل جیسے قوی فرمانروا جو سلطان جلال الدین کو راستے سے ہٹانے کے لیے اپنے سارے اختلافات بھلا کر متحد ہو گئے تھے، ان کر بناک حالات میں چپ سادھے رہے، وہ اجتماعی یا انفرادی طور پر ایک پل کے لیے بھی اس دشمن کا سامنا کرنے کی ہمت نہ کر سکے اور انتہائی مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی پناہ گاہوں میں دبکے رہے۔

سلطان کی گمشدگی کے چند ہی ماہ بعد تاتاری دہشت گرد آذربائیجان، فارس اور عراق عجم سے گزر کر روم اور شام کی سرحدوں پر آگ اور خون کی ہولی کھیل رہے تھے۔ الجزیرہ کا کوئی شہر ان سے محفوظ نہ تھا۔ سیون اور جنحون کے میدانوں میں رُکا ہوا آتش گیر لاوا اب دجلہ اور فرات کی وادیوں میں داخل ہو چکا تھا۔ آمد، ارزن، میافارقین اور اسعد میں لاشوں کے انبار لگ چکے تھے۔ طنزہ، مار دین، خابور اور عربان جیسے چھوٹے شہر ہی نہیں، بلکہ تبریز، نصیبین، موصل اور اربل جیسے بڑے بڑے شہر بھی تباہی سے محفوظ نہیں رہ سکے تھے۔<sup>①</sup>

مسلم سلاطین بے بسی سے کفِ افسوس مل رہے تھے۔ اب انہیں احساس ہو رہا تھا کہ سلطان جلال الدین کا

ساتھ نہ دے کر انہوں نے اپنا سب سے بڑا محافظ کھو دیا ہے۔ سلطان سے آخر وقت تک بدترین سلوک روار کھنے والا الملک الاشرف حسرت و یاس کی تصویر بن کر کبھ رہا تھا:

”جلال الدین ہمارے اور تاتاریوں کے درمیان ایک مستحکم دیوار کی طرح حائل تھا جیسا کہ ہمارے اور یاجوج ماجوج کے مابین سدِ سکندری حائل ہے۔“<sup>①</sup>

کب زباں کھولی ہماری لذتِ گفتار نے پھونک ڈالا جب چین کو آتشِ پیکار نے اس دور کے ایک نامور مؤرخ موفق عبداللطیف بغدادی تاتاری دہشت گردیوں کی چند جھلکیاں نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”تاتاریوں کی قید سے جو شخص بھی بھاگ نکلتا وہ اسے مار ڈالنے کے لیے ہر ممکن چال چلتے۔ جب وہ اپنی عیش و عشرت کی محفلیں آراستہ کرتے تو انہیں پُر لطف بنانے کے لیے قیدیوں کو بلواتے، ان اعضاء ایک ایک کر کے کاٹتے جاتے، قیدیوں کو تڑپا دیکھ کر اور ان کی چیخ و پکار سن کر وہ خوشی سے تھپتھپ لگاتے، اس سے مزہ لیتے، تلوار کی نوک ان کے پیٹ میں آہستہ آہستہ کر کے چبھوتے چلے جاتے۔ ان سے جس قدر رحم کی درخواست کی جاتی اتنا ہی ان کے ظلم و ستم میں اضافہ ہوتا جاتا۔ خوبصورت خواتین ان کے ہاتھ لگ جاتیں تو کچھ دنوں تک ان کی عصمت دری کرنے کے بعد ہی انہیں قتل کرتے۔“ (تاریخ اسلام ذہبی طبقہ: ۶۲، حوادث: ۶۱۷ھ)

بتایا کہ اس سیلاب کے چشم دید گواہوں علامہ ابن اثیر اس قتل و غارت کے دل خراش مناظر بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

”ایک شخص نے بتایا کہ میں تاتاریوں سے بچنے کے لیے بھوسے کی کوٹھڑی میں چھپ گیا، میں اس کے ایک سوراخ سے جھانک کر ان کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جب بھی کسی آدمی کو قتل کرنے کے لیے جھپٹتے تو وہ شخص آگے سے چلا کر کہتا: ”لا باللہ..... نہیں نہیں!..... خدا کے لیے نہیں!!.....“ مگر تاتاری اسے قتل کر کے ہی چھوڑتے۔ جب وہ ہستی کے تمام افراد کے قتل سے فارغ ہو گئے، مال و متاع لوٹ چکے، خواتین کو قیدی بنا چکے، تو میں نے یہ عجیب منظر دیکھا کہ وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر ہنستے کھیلتے ہوئے چلے جا رہے ہیں اور اپنی بھونڈی سُرور اور تانوں کے ساتھ یہ گاتے جا رہے ہیں: ”لا باللہ، لا باللہ۔“ نیز علامہ تحریر فرماتے ہیں:

”اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں تاتاریوں کی ایسی ہیبت ڈال دی ہے کہ ان کے متعلق بیان کردہ واقعات کو سننے والا شاید ان کی صحت سے انکار کر دے۔ حد تو یہ ہے کہ ایک تاتاری کسی گاؤں یا مکان میں داخل ہوا جس میں لوگوں کا بہت بڑا مجمع موجود تھا، وہ اکیلا کیے بعد دیگرے سب کو قتل کرتا چلا گیا، کسی ایک کو بھی ہمت نہ ہوئی کہ اس سوار پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت کرتا۔

مجھے ایک شخص نے اپنا یہ قصہ بھی سنایا کہ میں سترہ آدمیوں کے ساتھ راستے میں چلا جا رہا تھا کہ ایک تاتاری سوار آدھکا اور ہمیں حکم دیا کہ ہم سب ایک دوسرے کے ہاتھ باندھ دیں۔ میرے ساتھی فوراً

حکم کی تعمیل کرنے لگے۔ میں نے حیران ہو کر ان سے کہا:

’ارے! یہ تو اکیلا ہے، کیوں نہ ہم اسے قتل کر دیں اور پھر بھاگ جائیں۔‘

میرے رفقاء نے جواب دیا: ’ہمیں ڈر لگ رہا ہے۔‘

میں نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا: ’یہ تم سب کو اسی لمحے قتل کر دینا چاہتا ہے، اس کے بجائے ہم اسے قتل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نجات دے۔‘

اللہ کی قسم! میرے ساتھیوں کو پھر بھی کچھ کرنے کی ہمت نہ ہوئی، آخر میں نے ایک چھری اٹھائی اور اسے قتل کر دیا اور ہم سب بھاگ نکلے اور جان بچالی۔ اس قسم کے واقعات بہت کثرت سے پیش آرہے ہیں۔“

نیز وہ تحریر کرتے ہیں:

”اب تو اللہ تعالیٰ خاص اپنی جانب سے اسلام اور مسلمانوں کی غیبی نصرت فرمائے، اس لیے کہ حکمرانوں میں اب ہمیں کوئی ایک بھی ایسا نظر نہیں آتا جسے جہاد اور دین کی نصرت سے کوئی دلچسپی ہو، بلکہ وہ سب لہو و لعب اور رعایا پر ظلم و زیادتی میں منہمک ہیں..... یہ ایسے مصائب اور حوادث ہیں کہ زمانہ قدیم سے لے کر دور حاضر تک لوگوں نے کسی درجے میں ان سے مشابہت رکھنے والے مصائب کی بھلک تک نہیں دیکھی۔ پس اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی مسلمانوں پر رحم و کرم فرمائے اور اس دشمن کو ان سے دور کرے۔ یہ سال (۶۲۸ھ) گزر گیا، لیکن ہمیں جلال الدین کی کوئی خبر نہیں ملی۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ قتل کر دیا گیا ہے یا تاتاریوں کے خوف سے از خود روپوش ہو گیا ہے یا ہجرت کر کے دوسرے ممالک کی طرف چلا گیا ہے.....“

تاتاریوں کی بلا روک ٹوک غارت گری کے وہ متعلق لکھتے ہیں:

”تاتاری (ارنیل، کرشنی اور دو قاقائیں) قتل و غارت گری کر کے اس طرح صحیح و سلامت واپس لوٹے کہ انہیں کسی کا خوف نہ تھا اور ایک شہ سوار بھی ان کے راستے میں حائل نہ ہوا..... دیار بکر، الجزیرہ، اربل اور خلاط میں انہوں نے جو چاہا حشر کیا، کسی نے ان کو نہ روکا، کوئی ان کے سامنے کھڑا نہ ہو سکا۔ سلاطین اسلام ہلوں میں دبک گئے ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ جلال الدین کی خیر خبر ماننا بھی منقطع ہو گئی ہے۔ اس کی کوئی اطلاع نہیں پہنچ رہی، لوگوں کو اس کا کچھ حال معلوم نہیں۔“

آخر میں علامہ موصوف فرماتے ہیں:

”مجھے ایک ایسے تاجر کا خط پڑھنے کا موقع ملا جو گزشتہ سال (یعنی ۶۲۸ھ میں) تاتاریوں کی آمد سے قبل رے میں آباد تھا۔ جب تاتاریوں نے رے پر چڑھائی کی تو اہل شہر نے اظہار اطاعت کر کے شہر ان کے حوالے کر دیا۔ بعد ازاں تاتاری آذربائیجان کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ تاجر بھی (ان کا حلقہ گوش بن کر) ان کے ساتھ تیریز پہنچا، پھر اس نے موصل میں موجود اپنے رشتہ داروں کو خط میں لکھا:

’اس کافر دشمن پر اللہ کی لعنت ہو، ہم اس کا حال بیان کرنے اور اس کے لشکروں کی کثرت کا تذکرہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے کہ کہیں مسلمانوں کے دل خوف سے پارہ پارہ نہ ہو جائیں، بلاشبہ معاملہ

بہت گھمبیر ہو چکا ہے، تم اس خام خیال میں مبتلا مت رہو کہ وہ لشکر جو نصیبین اور خابور تک جا پہنچا تھا اور وہ دوسرا لشکر جو انیل اور دوقا پر حملہ آور ہوا تھا، ان کا مقصد صرف لوٹ مار تھا..... نہیں..... بلکہ وہ یہ معلوم کرنے آئے تھے کہ اسلامی ممالک میں ان کو روکنے والا کوئی ہے یا نہیں۔ پس انہوں نے واپسی پر اپنے بادشاہ کو آگاہ کر دیا ہے کہ یہ ممالک مزاحمت و مدافعت کرنے والوں سے بالکل خالی ہیں۔ لہذا ان کی حرص مزید بڑھ گئی ہے، اب وہ موسم بہار میں پھر تم پر حملہ آور ہوں گے۔ تمہارے لیے عالم اسلام کی مغربی سرحدوں کے سوا اب کوئی جگہ محفوظ نہیں رہی، بلاشبہ تاتاری تمام ممالک پر حملہ کرنے کا عزم کیے ہوئے ہیں، پس تم اپنی خیر مناؤ۔

یہ تھا اس کے خط کا مضمون۔ پس اب ان حالات پر ”اناللہ وانا الیہ راجعون ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم“ ہی کہا جاسکتا ہے۔ باقی رہا جلال الدین..... تو ۶۲۸ھ کے اختتام تک اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ اسی طرح ۶۲۹ھ میں ماہ صفر کے گزرنے تک بھی ہم اس کے حال سے واقف نہ ہو سکے۔“ (۵)

سلطان کے ساتھیوں کا انجام..... سلطان جلال الدین کی پراسرار گمشدگی کے بعد ان کے امراء اور سپاہی ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ امیر اور خان جو چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ اصفہان پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا ۶۳۹ھ تک وہیں رہا یہاں تک کہ تاتاریوں نے اصفہان پر قبضہ کر لیا۔

سلطان کے بہت سے سپاہی علاؤ الدین کی قیادت کی فوج میں شامل ہو گئے۔ ۶۳۳ھ میں قیباد کی وفات کے بعد اس کا بیٹا غیاث الدین کنہر و تخت نشین ہوا تو اس نے شکوک و شبہات کی بناء پر ان کے افسر اعلیٰ کو قید کر دیا۔ باقی خوارزمی سپاہی فرار ہو گئے اور ایک عرصے تک آوارہ گردی اور لوٹ مار میں مصروف رہے۔ آخر کار ملک الصالح نجم الدین ایوب نے جو اپنے باپ الملک اکال کی جانب سے حران، آمد اور کیفا کا حاکم تھا، اپنے باپ کی اجازت سے ان کو اپنی فوج میں شامل کر لیا۔ (۶)

سانحہ بغداد..... تاتاریوں کا سیل بے کراں، عالم اسلام کے بڑے حصے پر قابض ہونے کے بعد مدینۃ الاسلام بغداد کے سامنے کئی سال تک موجیں مارتا رہا۔ قدرت خداوندی نے غفلت میں ڈوبے ہوئے قصر خلافت کے تاجداروں کو اپنی کوتاہیوں کو تلافی کے لیے ایک طویل وقفہ دیا، لیکن جب انہوں نے اس موقع سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا تو قانونِ فطرت نے ان کو دنیا کے لیے عبرت بنا کر رکھ دیا۔

بغداد میں مستنصر باللہ کا بیٹا مستنصر باللہ تخت نشین تھا، اس کے باپ نے تاتاریوں سے حفاظت کے لیے جو کم و بیش ایک لاکھ آزمودہ کارشہ سوار تیار کر رکھے تھے، اس نے اپنے سیاہ باطن رافضی وزیر ابن علقمی کے مشورے سے ان میں مسلسل کمی جاری رکھی حتیٰ کہ صرف دس ہزار گھڑ سوار باقی رہ گئے۔ تب ابن علقمی کے اشارے پر چنگیز خان کا پوتا بلاکو خان قہر کی بجلیاں گراتا ہوں دولاکھ وحشیوں کے ساتھ بغداد پر حملہ آور ہو گیا۔

۱۲ محرم ۶۵۶ھ (۱۹ جنوری ۱۲۵۸ء) کو تاتاری بغداد کا تختی سے محاصرہ کر چکے تھے۔ خوف و دہشت اور محاصرہ کی شدت سے اہل شہر کے ہوش اڑ گئے۔ فوج میں لڑنے کی سکت نہ تھی، خلفیہ غم و اضطراب دور کرنے کے لیے خوبرو حسیناؤں کے نعمات اور رقص سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور تاتاری چاروں طرف سے شہر پر تیر برسارہے تھے۔ ایک تیر

شاہی ایوان کی کھڑکی سے سنسنا تا ہوا آیا اور خلیفہ کی محبوب ترین باندی عرفہ کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ رقص کرنے والا بدن تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ خلیفہ نے بھیٹی بھیٹی نگاہوں سے تیر کی طرف دیکھا، اس پر تحریر تھا:

”إِذَا أَرَادَ اللَّهُ انْفِصَادَ قَضَائِهِ وَقَدَّرَهُ أَذْهَبَ مِنْ دَوَى الْعُقُولِ عُقُولُهُمْ۔“ (جب اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ قضا و قدر نافذ کرنا چاہتا ہے تو اہل دانش کی عقلیں چھین لیتا ہے۔)

خلیفہ مستعصم باللہ اپنے وزیر ابن علقمی کے اصرار پر سرات سوجلیل القدر علماء، فقہاء، صوفیاء اور امرائے سلطنت کے جلو میں شہر سے نکل کر ہلاکو خان کے پڑاؤ میں پہنچا۔ اس درندہ صفت انسان نے خلیفہ اور اس کے چند ساتھیوں کو علاحدہ کر کے باقی سب کی گردنیں اڑا دیں اور خلیفہ سے باز پرس شروع کی۔ اس ہولناک ماحول کے اثر اور اپنی توہین کے احساس سے خلیفہ کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ ہلاکو خان نے ناقابل برداشت تاوان کا مطالبہ کیا۔ اگلے دن خلیفہ نے حاضر ہو کر سونے، چاندی اور جواہرات کے تمام خزانے ہلاکو کے قدموں پر بکھیر دیے۔ خلیفہ کا خیال تھا کہ اب اس کی جاں بخشی ہو جائے گی، مگر یہ اس کی زندگی کا آخری دن تھا۔ اسے منہ میں پلیٹ کر کچل دیا گیا۔

پھر تاتاری درندے شہر میں داخل ہوئے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، عوام و خواص، امیر و غریب سب قتل کر دیے گئے۔ بہت سے لوگوں نے جان بچانے کے لیے کنوؤں، نالیوں، کچرے کے ڈھیروں، بند کمروں اور چھتوں پر پناہ لینے کی کوشش کی مگر تاتاری شکاری کتوں کی طرح ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں فنا کرتے گئے۔ بند کمروں اور مکانات کو جلا کر مکینوں کو اندر ہی کوئلہ بنا دیا گیا۔ چھتوں کی تلاشی لے کر وہاں موجود افراد کو بھی ذبح کر دیا گیا۔ بغداد کے گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ چالیس دن تک قتل و غارتگری کا بازار گرم رہا۔ یہاں بسنے والے یہودیوں عیسائیوں، رافضیوں اور ابن علقمی جیسے غداروں کے متعلقین کے سوا کسی کو پناہ نہ ملی۔ مقتولین کی تعداد اٹھارہ سے تیس لاکھ تک بتائی جاتی ہے۔ دریائے جلد کا پانی کئی دن تک ان کے خون سے سرخ رہا۔ پھر بغداد کے ہزاروں کتب خانوں کی لاتعداد بیش قیمت کتابیں دریا میں ڈال دی گئیں اور دریا کی سطح کئی دن تک ان کی روشنائی سے سیاہ رہی۔ بقول حافظ ابن کثیر.....

”یہ گلزار شہر جو پوری دنیا کا سب سے پُر رونق شہر تھا بالکل ویران و تاراج ہو گیا۔ بازاروں اور راستوں پر لاشوں کے ڈھیرے ٹیلوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ بارش ہوئی تو لاشیں مسخ ہو گئیں۔ شہر میں تعفن پھیلنے سے آب و ہوا خراب ہو گئی۔ دبائیں پھوٹ پڑیں جن کا اثر ملک شام تک پہنچا۔ اس ہوا اور وبا سے لوگ بکثرت ہلاک ہوئے۔ گرانی، فنا اور وبا تینوں کا راج تھا۔“ ⑤

بغداد شہر نہیں راکھ کا ڈھیر بن چکا تھا، مگر ظلم و ہیبت کی یہ آگ چالیس سال قبل دربار خلافت ہی سے سلگائی گئی تھی۔ تہر و غضب کے اس طوفان کو خود اس وقت کے مسند نشین خلیفہ نے عالم اسلام کی طرف بڑھنے کی دعوت دی تھی۔ جو بیٹھریے آج بغداد کے مسلمانوں کا گوشت نوح رہے تھے ان کو مسلمانوں کے خون اور گوشت کی چاٹ لگانے والے بغدادی سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ بھول گئے تھے کہ آگ آخر آگ ہوتی ہے، جب بھڑکتی ہے تو خوارزمی یا بغدادی کا فرق ملحوظ نہیں رکھ سکتی۔



## حواشی و حوالہ جات

① ابن اثیر ج ۷ ص ۶۶۰ تا ۶۶۳

② البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۵۴

③ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۶۰ تا ۶۶۳ ..... ۶۲۹ھ کے حالات پر ہی علّامہ ابن اثیر کی ”الکامل فی التاریخ“ ختم ہوئی اور اس کے اگلے برس ۶۳۰ھ میں وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ نے اس عظیم حادثے کی تفصیلات قلمبند کرنے کے لیے ہی انہیں زندہ رکھا تھا اور اس کام کے مکمل ہوتے ہی انہیں واپس بلا لیا۔

④ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۲

⑤ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷

————— || —————

## سیرت و کردار کا گلدستہ

نگہ بلند ، سخن دلنواز ، جاں پُر سوز یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے سیرت و کردار کے لحاظ سے سلطان جلال الدین منکبرتی بے شمار خوبیوں اور متنوع صلاحیتوں سے مالا مال ایک غیر معمولی اور حیرت انگیز شخصیت کے مالک تھے۔ وہ ایک جہاں گیر فاتح بھی تھے اور سیاست دان بھی، وہ مملکت کے منتظم بھی تھے اور رزمگاہ کے سپاہی بھی، وہ دشمنانِ اسلام کے لیے سخت جاں حریف تھے، مگر مسلمانوں کے لیے شفقت و محبت اور ایثار و ہمدردی کا پیکر۔ چٹانوں جیسی سخت جانی اور فولاد جیسے اٹل عزائم کے ساتھ وہ اپنے سینے میں ایک درد مند دل رکھتے تھے جس کی ہر دھڑکن عالمِ اسلام کی خیر خواہی کے لئے وقف تھی۔ شجاعت و حمیت، شرافت و مروت، سخاوت و وسعتِ ظرفی، فیاضی اور رحمہ لی، عفو و درگزر، کم گوئی، رہن سہن میں سادگی و بے تکلفی، فضولِ مشاغل سے اجتناب اور ہر لمحہ کام کی دھن ان کی زندگی کے نمایاں اوصاف تھے۔ آئیے! ذرا سلطان کے ان اوصاف اور ان کی سیرت و کردار کے مختلف پہلوؤں کا قدرے وضاحت سے جائزہ لیں۔

شجاعت..... شجاعت سلطان جلال الدین کی سیرت کا سب سے نمایاں وصف ہے۔ وہ اپنی شجاعت، جرأت اور دلیری کے باعث تاریخِ عالم کی چند یادگار شخصیتوں میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ سپاہیانہ داؤ پیچ اور حرب و ضرب کے کربت ان کی گھٹی میں پڑے ہوئے تھے۔ مجاہدانہ کارناموں اور جنگی سرگرمیوں کے ان گنت تحفے ان کے سینے پر چمکتے تھے۔ اس دور میں جبکہ مشرق سے لے کر مغرب تک تاتاریوں کی دہشت طاری تھی اور عالمِ اسلام کے علاوہ یورپ کے حکمران بھی چنگیز خان کا نام سن کر کانپ رہے تھے، یہ سلطان جلال الدین ہی کی ہمت تھی کہ انہوں نے چنگیزی یورش کے سامنے بند باندھ دیے اور بارہ سال تک عروج و زوال کی پے درپے گردشوں کے باوجود وہ تاتاری سیلاب کے آگے ڈٹے رہے۔

سلطان کا سوانح نگار النسوی لکھتا ہے:

”جہاں تک سلطان کی شجاعت کا تعلق ہے اس کے ثبوت کے لیے وہ واقعات اور معرکے کافی ہیں جن کا میں تذکرہ کر چکا ہوں۔ بلاشبہ وہ شیر تھے، دلیر تھے، آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے شہسواروں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔“<sup>①</sup>

مصنفِ تاریخِ خوارزم شاہی کا بیان ہے:

”سلطان یقیناً اپنی فقید الشال بہادری کی وجہ سے دنیا کے ان چیدہ ناموروں میں شمار ہونے کے قابل ہے جو ناموری اور شہرت کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے، جنہوں نے کبھی کسی خطرے کی

پروانہ کی جو دولت یقین سے مالا مال اور دنیاے خود اعتمادی کے شہنشاہ تھے۔ سلطان، چنگیز جیسے دشمن کے خلاف ایسا ڈٹ کر لڑا کہ دوست تو کیا دشمن بھی عیش عیش کر اٹھے اور بڑے بڑے جلیل القدر بہادر سلطان کی عظمت کے سامنے ماند پڑ گئے۔<sup>(۲)</sup>

امتحانات اور قربانیاں ..... سلطان کی زندگی کا دوسرا سب سے نمایاں وصف قربانی ہے، ایثار و قربانی کی وہ کون سی نوع ہے جس سے سلطان کی زندگی خالی ہو۔ ان کی حیات آزمائشوں اور امتحانات کا ایک عجیب و غریب مرقع ہے جس کے ہر مرحلے پر سلطان حیرت انگیز قربانیاں دیتے نظر آتے ہیں۔ مطلق العنان حاکم ہوتے ہوئے اپنی قوم کے لیے انہوں نے جتنی قربانیاں دیں شاید ہی دنیا کی تاریخ میں کوئی بادشاہ اس کی مثال پیش کر سکے۔ حالات نے ان سے ہر قسم کی قربانیوں کا خراج وصول کیا اور وہ اسے اپنا فرض جان کر ادا کرتے گئے۔ آج ان کی دی ہوئی قربانیوں کا عشر عشر بھی کسی حکمران یا قائد کو نصیب ہو جائے تو وہ تاریخ میں اپنا نام ہمیشہ کے لیے زندہ و جاوید کر لے، مگر سلطان ان تمام قربانیوں کے جامع ہوتے ہوئے بھی آج تک اپنوں کی بے اعتنائی کا شکار ہیں۔

ایثار و قربانی کا وصف ان کی گھٹی میں پڑا تھا..... وہ شروع ہی سے اس درویشانہ مزاج سے آراستہ دکھائی دیتے ہیں۔ شہزادگی کے دور میں جب ان کے والد نے ولی عہدی کا حق ان کی بجائے شہزادہ قطب الدین کو دیا تب بھی وہ بسر و چشم اس پر راضی رہے، یہ ان کی زندگی میں اقتدار کی قربانی کی وہ پہلی مثال ہے جو تاریخ میں محفوظ ہے۔

تاتاری یلغار کے بعد تو ان کی حیات کا ہر لمحہ اک کڑا امتحان تھا، ہر گھڑی کوئی نہ کوئی قربانی ان کی منتظر تھی۔ جس دن وہ تاتاریوں سے جہاد کے لیے اور گنج کے شاہی محل سے نکلے وہ ان کی راحت کا آخری دن تھا، اسی لمحے وہ زندگی کی ہر آسائش سے دست بردار ہو چکے تھے۔ اب ان کی دنیا صرف شمشیر و سناں کی دنیا تھی جس میں عیش و عشرت اور راحت و آرام کا کوئی گزرنہ تھا۔ عزت و مرتبہ، شہرت اور نام و نمود تو وہ ویسے ہی تج چکے تھے مگر اس کھٹن زندگی میں انہیں کبھی مال و دولت کی ایسی فراوانی بھی نصیب نہ ہوئی جو اس دور کے ان سے بہت کم حیثیت بادشاہوں کو حاصل تھی..... باپ کی موت کے بعد خوارزم کا قانونی حکمران ہونے کے باوجود انہیں حاصل شدہ اقتدار کو بھی مقصد کے لیے قربان کرنا پڑا، تاج شاہی اور تخت شاہی کو ٹھوکر مار کر وہ اور گنج سے نکل گئے۔

اس راہ میں انہوں نے وہ تمام مصائب جھیلے جو ان کے ہم وطنوں کا مقدر تھے۔ اپنے قریبی اعزہ و اقارب کی ہلاکتیں اور اسارتیں ان کا دل صدمے سے پارہ پارہ کرتی رہیں، حیرت ناک جاہ و جلال کی مالک ان کی دادی ایک بے بس پرندے کی طرح عمر بھر دشمن کی قید میں رہی اور وہ اس دن کا انتظار کرتے رہے جب مسلمان متحد ہو کر خواتین اسلام کو آزاد کرانے میں ان کا ساتھ دیں گے، دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا حاکم ان کا باپ ان کی آنکھوں کے سامنے ایک ویران جزیرے میں بے گور و کفن پیوید خاک ہوا، بہن تاتاریوں زندگی بھر تاتاریوں کی ہوس کا نشانہ بنتی رہی، سلطان نے اپنے سارے بھائیوں کو تاتاریوں یا ملت فروشوں کے ہاتھوں قتل ہوتے دیکھا۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھربار اور وطن چھوڑا، بار بار ہجرت کے امتحان سے گزرے، کبھی خوارزم سے خراسان، کبھی خراسان سے ہند، اور کبھی ہندوستان سے ایران۔ یہ خانہ بدوشی ملک و ملت ہی کے لیے قبول کی، جہادی مہمات اور مسلسل سفران کی زندگی کا لازمہ بن گئے تھے، اس مسلسل محنت نے انہیں مریض بنا دیا، یوں انہوں نے اپنا سب قربان کرنے کے علاوہ صحت

بھی اپنے مشن پر واردی۔

دریائے سندھ کے معرکے میں سلطان کو اس وقت اپنی زندگی کے سخت ترین امتحان سے گزرنا پڑا جب انہیں اپنی والدہ اور بیویوں کو تاتاری درندوں سے بچانے کے لیے اپنے ہاتھوں سے دریا برد کرنا پڑا، اسی معرکے میں ان کا ایک سات سالہ بیٹا چنگیز خان کے ہاتھوں اس طرح شہید ہوا کہ اس کے ٹکڑے اڑا دیے گئے، پھر اسی دن دریا عبور کر کے انہیں اپنی آنکھوں سے یہ منظر بھی دیکھنا پڑا کہ تاتاری ان کے کنبے اور خاندان کے باقی ماندہ بچوں، بیٹیوں اور عورتوں کو ذبح کرتے جارہے ہیں۔ رشتہ داروں کی قربانی دینے کے علاوہ انہیں بعض مواقع پر خونی رشتوں ناتوں کو ملت کے مفادات پر قربان کرنا پڑا جیسا کہ انہیں اپنے بھائی غیاث الدین اور اپنے بہنوئی سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ ان کا واحد سرمایہ وہ مجاہد ساتھی تھے جو سب کچھ بھلا کر ان کے ہمراہ تاریخ کا ایک نیا باب تحریر کر رہے تھے، مگر سلطان کا یہ سرمایہ بھی بار بار اس طرح لٹا کہ وہ بالکل تہی دامن رہ گئے، عالم اسلام کے حکمرانوں کی بے اعتنائی کا صدمہ تو وہ عمر بھر برداشت کرتے ہی رہے، مگر آخر میں بعض قریبی ساتھیوں کی بے وفائی نے انہیں بالکل تنہا کر دیا۔

یہ ان قربانیوں اور ان آزمائشوں کی ایک جھلک ہے جس سے ملت اسلامیہ کے اس عظیم سپہ سالار کو واسطہ پڑا۔ آفرین ہے کہ اس نے اسلام کی لاج رکھتے ہوئے آزمائش کی ان تمام گھاٹیوں کو سرخ روئی کے ساتھ عبور کیا۔ ہمت و حوصلہ مندی..... دنیا کے کسی حکمران نے اپنی رعایا کا اس قدر خون بہتا نہیں دیکھا ہوگا جیسا کہ سلطان نے اپنی عوام کا دیکھا..... ان خونی مناظر کو اس ہمت و حوصلہ مندی سے برداشت کر جانا اور خوف و دہشت یا ناامیدی و مایوسی کا تاثر قبول کیے بغیر دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جانا سلطان ہی کے دل گردے کا کام تھا۔

سپاہیانہ خصوصیات..... سلطان جلال الدین اپنے دور کے سب سے بڑے مسلمان جرنیل تھے۔ معرکہ دانی اور کارآزمائی میں اس زمانے کا کوئی کمانڈران کے ہم پلہ نظر نہیں آتا۔ سلطان کی قائدانہ و سپاہیانہ زندگی کا بغور جائزہ لینے سے ان کی بہت سی ممتاز خصوصیات سامنے آتی ہیں جن کا مطالعہ عسکری امور کے ماہرین اور مجاہدین کیلئے بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ اس موضوع پر محنت کی جائے تو ایک مستقل تالیف ہو سکتی ہے، تاہم یہاں اشارۃً چند خصوصیات ذکر کی جارہی ہیں:

1] متنوع حالات میں لشکر کی کمان کی کامل استعداد..... سلطان کی سپاہیانہ مہمات میں کبھی تو ان کے پرچم تلے پچاس ہزار سے ایک لاکھ تک سپاہی نظر آتے ہیں اور کبھی ان کے ساتھ لڑنے والوں کی تعداد پانچ سو اور کبھی سو سے بھی کم دکھائی دیتی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے سلطان چھاپہ مار ٹولیوں سے لے کر بڑے بڑے صف بستہ لشکروں کی قیادت کا بھرپور تجربہ رکھتے تھے۔ انہیں چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی فوج سے حسب موقع کام لینے کا ڈھنگ خوب آتا تھا۔

2] کئی گنا بڑی افواج سے نبرد آزما کی صلاحیت..... سلطان کی قیادت میں لڑے جانے والے معرکوں کا جائزہ لینے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عموماً ان کے بالمقابل حریف کی عددی طاقت ان کی فوج سے کئی گنا زیادہ ہوتی تھی، مگر سلطان اپنی مہارت اور تجربے کی بنا پر عددی کمی کے باوجود دشمن سے بھرپور مقابلہ کرتے اور اکثر کامیاب و کامران رہتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان جلال الدین کئی گنا بڑی افواج سے نبرد آزما کی کا وسیع تجربہ اور صلاحیت رکھتے تھے۔

3] خاموش اور تیز رفتار یلغار..... خاموش اور تیز رفتار نقل و حرکت کو سلطان کی جنگی حکمت کا طرہ امتیاز کہا جاسکتا ہے۔ بسا اوقات وہ ہفتوں کا فاصلہ دنوں میں طے کر کے یکدم حریف کے سر پر جا پہنچتے اور اس کے سنبھلنے سے قبل ہی

اس پر ٹوٹ پڑتے۔ بسا اوقات انہیں بیک وقت دو دو یا تین تین محاذوں پر فوج کی ضرورت پڑتی۔ ایسے مواقع پر وہ اپنی فوج کی عددی کمی کو یلغار کی سرعت سے پورا کر لیا کرتے تھے۔ اس بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سرعت رفتار سلطان کی حکمت عملی بھی تھی اور مجبوری بھی۔

[4] مستحکم حکمت عملی و منصوبہ بندی..... سلطان جلال الدین ہمیشہ میدان جنگ کے طبعی ماحول کو پوری طرح ملحوظ رکھ کر جنگی حکمت عملی طے کرتے۔ اس طرح میدان جنگ میں وہ اپنی مختصر فوج کے ساتھ بڑے بڑے ٹڈی دل لشکروں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مستحکم رہتے۔ ساحل سندھ کی جنگ میں ہم دیکھتے ہیں کہ سلطان اپنی تیس ہزار فوج کو چنگیز خان کے لاکھوں سپاہیوں کے بالمقابل اس طرح لائے کہ دشمن آگے بڑھنے سے عاجز ہو گیا۔ انہوں نے بلند سلسلہ کوہ کو اپنی پشت پر رکھ کر عقبی حملے سے بچاؤ کیا اور اپنے بائیں بازو کو پہاڑ کی اوٹ کے باعث محفوظ رکھا نیز احتیاطاً وہاں کچھ فوج بھی پہرے پر لگا دی جبکہ دائیں بازو کو صفوں کو اس طرح مرتب کیا کہ اسے دریائے سندھ کے ایک موڑ کی پناہ حاصل رہی۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ ترتیب غزوہ احد میں حضور نبی الملاحم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی حکمت عملی سے حد درجہ مشابہ، بلکہ اسی سے مستفاد معلوم ہوتی ہے۔ اس سے ہم سلطان کی ’سیر و معازی‘ سے گہری واقفیت کا اندازہ بھی کر سکتے ہیں۔

[5] کمزور پہلو پر حملہ اور حریف کے قائدین پر وار..... سلطان جلال الدین حریف کے کمزور پہلوؤں پر پوری نظر رکھتے تھے اور معرکہ کارزار میں اسی انداز سے ان کو زک پہنچا کر جلد فتح حاصل کرنے میں کامیاب رہتے تھے۔ حریف کے بادشاہوں اور سالاروں کو تہہ تیغ یا زیر دام کر کے ان کی قوت کو توڑ دینا سلطان کا خاص حربہ تھا۔ اس داؤ کے ذریعے سلطان نے مٹھی بھر افراد کے ساتھ بڑی بڑی فوجوں کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔

ہندوستان کے ایک معرکہ میں جب سلطان کے ساتھ گنتی کے چند آدمی تھے، ایک ہندو راجہ اپنی فوج لے کر ان پر حملہ آور ہو گیا۔ سلطان اپنی جگہ پر جم کر کھڑے ہو گئے اور راجہ کو قریب آنے دیا، جب فاصلہ کم رہ گیا تو سلطان نے تاک کر ایک ایسا تیر مارا جو سیدھا راجہ کے دل میں پیوست ہو گیا۔ راجہ کی لاش گرتے ہی اس کا لشکر تتر بتر ہو گیا۔

خلیفہ ناصر نے سلطان سے مقابلے کے لیے قشمتور اور مظفر الدین کو کبریٰ کی قیادت میں دو بڑی فوجیں روانہ کی تھیں۔ سلطان کی جمعیت ان افواج کا دواں حصہ بھی نہ تھی، مگر اسی گرسے کام لے کر سلطان نے دونوں افواج کو شکست فاش دے دی۔ قشمتور جان سے مارا گیا اور مظفر الدین کو کبریٰ گرفتار ہو کر سلطان کے سامنے اظہارِ ندامت پر مجبور ہوا۔

دریائے سندھ کی تاریخی جنگ میں بھی سلطان کا آخری حربہ یہی تھا اور وہ اس کے لیے چنگیز خان کے قلب لشکر کی تمام حفاظتی دیواریں توڑتے ہوئے اس ظالم و جابر انسان کے سر پر پہنچ بھی گئے تھے۔ وہ تو چنگیز خان کی ظلمتِ حیات اور مسلمانوں کے ایامِ مصائب باقی تھے، ورنہ سلطان نے اس کا کام نہ منانے کے لیے اپنی طرف سے کوشش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

[6] جنگی چالیں..... سلطان جلال الدین جنگوں میں متنوع اور مختلف چالوں سے کام لیتے تھے۔ اکثر لڑائیوں میں ان کی فتح کسی نہ کسی عجیب و غریب چال کی مہون منت نظر آتی ہے۔ وہ طاقت سے زیادہ داؤ اور جھانسنے کے ذریعے دشمن کو زیر کرنے کے قائل تھے۔ سلطان کی یہ خصوصیت ہندوستان سے واپسی کے بعد کی فتوحات میں زیادہ نمایاں دکھائی

دیتی ہے۔ کبھی ان چالوں کی حیثیت محض نفسیاتی ہوتی، جن سے مرعوب ہو کر دشمن لڑائی سے پہلے ہی دل چھوڑ بیٹھتا۔  
گر جیوں کے متحدہ محاذ سے مقابلے میں سلطان کے نفسیاتی حربے بڑے کارآمد ثابت ہوئے، جب انہوں نے روٹی اور نمک کے ذریعے حریف کے ایک سالار کو غیرت دلا کر میدانِ جنگ سے ہٹا دیا اور پھر مبارزت میں دشمن پر دھاک بٹھا کر اسے جنگ سے قبل ہی اتنا خوفزدہ کر دیا کہ وہ لڑائی شروع ہوتے ہی بھاگ نکلا۔

[7] حریف کے امراء سے ساز باز..... لڑائی کا نتیجہ نکلتا نہ دکھائی دیتا، دشمن کی قوت بہت مستحکم ہوتی یا سلطان خود کم سے کم خوں ریزی کر کے فتح یاب ہونا چاہتے تو ایسے مواقع پر وہ دشمن کے سالاروں اور امراء میں سے بعض سے خفیہ پیام رسانی کرتے اور بہلا پھسلا کر انہیں اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے اور اس میں عموماً کامیاب بھی رہے۔ ہندوستان سے واپسی پر غیاث الدین پیر شاہ کے افسران سے خفیہ روابط اور گرجیوں کے متحدہ محاذ کے مقابلے میں قہجائی سردار سے پیام رسانی اس کی مثالیں ہیں۔

[8] ذاتی قوت و کمالِ شہ زوری..... فوجی قیادت کے تمام جواہر سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ سلطان بذات خود طاقت، چستی اور شہ زوری میں بھی قابلِ رشک مقام رکھتے تھے۔ شمشیر و سنان کے کھیل میں ان کا ثانی بہت کم یا ب تھا۔ پانچ گرجی پہلوانوں سے مسلسل مبارزت کر کے سب کو یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتارنا سلطان کی قوت، توانائی اور مہارتِ حرب کا روشن ثبوت ہے۔

[9] گھیرا توڑنے اور تعاقب سے بچنے کا تجربہ..... دشمن کے زرنے کو توڑنا اور ان کے تعاقب سے بچ نکلنا سلطان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اپنی جہادی مہمات کے دوران وہ آئے دن دشمن کے زرنے میں گھرتے رہتے تھے، مگر کامیابی کے ساتھ ہر بار گھیرا توڑ کر نکل جاتے تھے۔ بارہا دشمن ان کے تعاقب میں ہوتا، مگر وہ کوئی نہ کوئی چکھ دے ادھر ادھر نکلنے میں کامیاب رہتے۔ سلطان کو اس قسم کی صورت حال سے نمٹنے کا زبردست تجربہ حاصل تھا اور بلاشبہ وہ اس فن کے امام تھے۔

نوٹ..... ان کے علاوہ سلطان کی اور بھی کئی عسکری خصوصیات اس کتاب کے گزشتہ ابواب پر غور کرنے سے خود بخود سامنے آ جاتی ہیں، اس لیے ہم نے یہاں ان مثالوں کا تفصیلی تذکرہ تطویل محض سمجھ کر ترک کر دیا ہے۔

اندازِ جہاں داری..... سلطان جلال الدین کا دس سالہ دورِ حکومت حوادث و مصائب اور جہدِ مسلسل کی ایک طویل داستان ہے۔ اس عرصے میں سلطان کو کسی وقت بھی چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ وہ کئی کئی ماہ مسلسل جنگی مہمات میں مشغول رہتے۔ ان کے سفر اتارنے طویل ہوتے کہ انہیں میلوں کے بجائے طولی بلد اور عرض بلد سے نا پنا مناسب ہے۔

پھر ایک مہم سے فارغ ہوتے ہی کوئی دوسرا محاذ ان کا منتظر ہوتا اور کبھی ان کو یک وقت اندرونی اور بیرونی مخالفین سے دو دو ہاتھ کرنے پڑتے۔ ان کے مقبوضہ علاقے تاتاریوں کے ہاتھوں زیر و زبر ہو چکے تھے۔ ان کی تعمیر نو کے لیے جن وسائل کی ضرورت تھی وہ ان کو میسر کبھی میسر نہ آ سکے۔ ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بہت مشکل تھا کہ سلطان عوام کی فلاح و بہبود اور ترقیاتی کاموں پر خاطر خواہ توجہ دے سکتے، تاہم ان مشکلات کے باوجود سلطان کسی موقع پر بھی فریضہ جہانداری سے غافل نہیں رہے اور حتی الوسع عوامی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ سلطان کے اندازِ جہاں داری کے چند پہلو درج ذیل ہیں۔

شہروں کی تعمیر نو..... تاتاریوں کی پہلی یورش میں تہہ و بالا ہو جانے والے شہروں کو انہوں نے از سر نو تعمیر کرایا۔ سلطان نے ان کے گرد پختہ اینٹوں کی فصیلیں بنوا کر انہیں محفوظ کر دیا۔ مراغہ، بیلقان اور اردبیل کو جو تاتاریوں کی دست برد سے کھنڈر بن چکے تھے، سلطان کے ذوق تعمیر نے اس نچ تک پہنچا دیا کہ ان کی رونق اور چل پہل نے قدیم آباد شدہ بعض شہروں کی گہما گہی کو ماند کر دیا۔<sup>①</sup>

تعلیمی و اصلاحی سرگرمیاں، مدارس اور خانقاہیں..... اس دور میں یہ عام رواج تھا کہ بادشاہ، امراء اور اہل خیر ذاتی خرچ پر مدارس اور خانقاہیں کھول کر ان کے اخراجات کے لیے مستقل جاگیریں وقف کر دیتے تھے۔ ایسے بعض بڑے منصوبے سرکاری خرچ پر بھی شروع کیے جاتے تھے۔

سلطان جلال الدین کو پے در پے مہمات کی وجہ سے شروع کے چند سالوں میں تعلیمی اور اصلاحی سرگرمیوں پر توجہ دینے کا بالکل موقع نہیں مل سکتا تاہم آخری چار سالوں میں نئے مدارس اور خانقاہیں آباد ہوتے دکھائی دیتی ہیں۔ سلطان نے اپنے والد کے ایصال ثواب کے لیے اصفہان میں ایک بڑا مدرسہ تعمیر کرانے کا حکم دیا تھا جس کی قد آدم دیواریں بھی اٹھادی گئی تھیں۔ مگر تاتاریوں کے آخری حملے کی وجہ سے یہ منصوبہ پورا نہ ہو سکا۔ (سیرۃ جلال الدین، ص: ۳۱۳)

تبریز کے ایک امیر شمس الدین طغرائی نے تبریز میں ایک مدرسہ کھولا تھا جس کی نظامت قاضی عز الدین قزوینی کے سپرد تھی۔ قاضی صاحب کے ذمے کچھ اور مدارس کی دیکھ بھال اور تدریس بھی تھی۔ (سیرۃ جلال الدین، ص: ۲۰۸)

بعض امراء خانقاہیں کھولنے میں بھی دلچسپی لینے لگے تھے۔ کاتب النسوی نے خود خراسان میں اپنے قلعے میں ایک خانقاہ تعمیر کرائی تھی۔ جس کے لیے خورد و نوش سمیت جملہ اخراجات کا انتظام بھی وہی کرتے تھے۔ (سیرۃ جلال الدین، ص: ۳۳۳)

عدل و انصاف..... ایک کامیاب حکمران کے بنیادی اوصاف اور شرائط میں عدل و انصاف کی حیثیت سب سے بڑھ کر ہے۔ جو حکمران اس وصف سے بہرہ مند رہے ان کا دور حکومت فلاح و بہبود، امن و چین اور تعمیر و ترقی کا روشن باب ثابت ہوا اور جن بد بختوں نے عدل و انصاف سے مُنہ موڑا ان کا زمانہ تاریخ کے صفحات پر سیاہ داغ بن کر رہ گیا۔ ہم سلطان جلال الدین کو ان خوش قسمت اور نیک فطرت بادشاہوں میں شمار کر سکتے ہیں جن کے عدل و انصاف کی جھلکیاں تاریخ کے درپچوں سے جا بجا دکھائی دیتی ہیں، اس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

**1.....** تبریز پر سلطان کے قبضے سے پہلے کا قصہ ہے کہ سلطان نے وہاں کے امراء و رؤساء سے اپنے لشکر کے لیے سامان خورد و نوش و دیگر ضروریات کی خریداری کی اجازت طلب کی۔ اجازت مل جانے پر خوارزمی سپاہی تبریز آنے جانے لگے اور بسہولت لشکر کی ضروریات خرید کر لانے لگے۔ کچھ دن گزرنے پر بعض سپاہیوں نے شہر کے تاجروں سے بدسلوکی شروع کر دی اور خریداری کے نام پر لوٹ مار کرنے لگے۔ سلطان کو یہ شکایت پہنچی تو انہوں نے اس زیادتی کی روک تھام کے لیے تبریز میں ایک افسر مقرر کر دیا اور اعلان کر دیا کہ جو سپاہی عوام اور تاجروں کے مال پر دست درازی کرے اسے عبرت انگیز سزا دی جائے گی۔ اس حکم کی شہرت ہو تو ہی بدکردار سپاہیوں کے ہوش اُٹ گئے اور انہیں پھر کسی قسم کی غلط حرکات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔<sup>②</sup>

**2.....** تبریز کے بعد تبریز کا مفروہ حاکم اوزبک بن بھلوان ایک قلعے میں پناہ لیے ہوئے تھا۔ سلطان نے سپاہی قلعے کے محاصرے کے ساتھ ساتھ اس قلعے کے آس پاس کے علاقے میں لوٹ مار کرنے لگے تھے۔ اوزبک نے

یہ صورتحال دیکھ کر سلطان کو پیغام بھیجا کہ اپنے سپاہیوں کو اس بے جادست درازی سے روکیں۔ سلطان نے حریف کی اس جائز درخواست کو بلا تامل منظور کیا اور فوری حکم نامہ جاری کر کے اس زیادتی کی روک تھام کی۔<sup>⑤</sup>

3..... سلطان کا وزیر اعظم شرف الملک اپنی حریص طبیعت کی بنا پر سلطان کی لاعلمی میں عوام پر ناجائز ٹیکسوں کا بوجھ ڈال کر انہیں دق کیے رہتا تھا۔ ۶۲۳ھ، ۶۲۵ھ میں سلطان نے تاتاریوں سے جہاد کی شدید مصروفیات کے باعث مملکت کا تمام اندرونی انتظام وزیر اعظم کے سپرد کر دیا تھا۔ وزیر اعظم نے اس طویل دورانیے میں عوام کو خوب لوٹا کھوٹا، جب ایک عرصے کے بعد سلطان تبریز واپس پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سارا شہر سونا پڑا ہے۔ سلطان نے شہر کے معززین سے اس کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ وزیر اعظم کی جانب سے عائد کردہ ناقابل برداشت ٹیکسوں کی وجہ سے شہر کے اکثر باشندے ترک وطن پر مجبور ہو گئے ہیں۔ جب شہر کے معززین سلطان سے عوام کی ان تکالیف کا تذکرہ کر رہے تھے تو شدت غم سے سلطان پر رقت طاری ہو رہی تھی۔ عوام کے دکھوں کے احساس کے ساتھ ان کو یہ پشیمانی بھی لاحق تھی کہ میں اس حالت زار سے اتنے دنوں تک لاعلم کیوں رہا۔ آخر کار انہوں نے حکم دیا کہ تبریز سے ترک وطن کرنے والوں کو اپنے گھروں میں واپس لایا اور بسایا جائے اور اہل شہر کو تین سال تک سرکاری واجبات سے آزاد کر دیا جائے۔<sup>①</sup>

خرچ کا انداز..... سلطان جلال الدین ایک تباہ حال مملکت کے وارث تھے، اس لیے ان کے خزانے میں سیم و زر کے بے اندازہ انبار جمع نہ تھے، نہ ہی انہیں فضول داد و دہش اور اسراف کی عادت تھی، تاہم موقع محل پر خرچ کرنے میں وہ بخل سے کام نہ لیتے تھے۔ خاص طور پر جنگی مہمات میں وہ ہمیشہ نہایت فراخ دلی سے خرچ کرتے تھے، بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ان کی سخاوت احتیاط کی حدود سے تجاوز کر جاتی۔

خلاط کے محاصرے کے زمانے میں ایک شب ایک بڑھیا سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: ”مجھے الملک الاشرف کے کاتب زکی عجی نے بھیجا ہے، اگر آپ زکی عجی کو پانچ ہزار دینار ادا کر دیں تو وہ شہر کے محافظ سپاہیوں کو رضامند کر کے فسیل کے دروازے کھلوادے گا۔“

سلطان کے فشی احمد النسوی نے یہ سن کر سلطان سے کہا: ”بڑھیا کی بات قطعاً غلط ہے، ایک پورے شہر کی سپردگی کا عوض صرف پانچ ہزار دینار سمجھ سے بالاتر بات ہے۔ یقیناً بڑھیا جھوٹ بول رہی ہے، اسے کچھ نہ دیا جائے تو بہتر ہوگا۔“ احمد النسوی کی بات معقول تھی، مگر سلطان نے کہا: ”نی الحال اسے پیشگی ایک ہزار دینار ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں، اگر اس کا بیان سچ ثابت ہو تو باقی رقم بعد میں ادا کر دی جائے گی۔“

بڑھیا ایک ہزار دینار وصول کر کے چلی گئی۔ بعد میں احمد کا خدشہ درست ثابت ہوا، نہ ہی شہر کے دروازے کھولے گئے نہ بڑھیا کا کچھ اتا پتا چلا۔ سلطان پہلے ہی اس نقصان کو برداشت کرنے کے لیے تیار تھے، انہوں نے ہزار دینار کے ضیاع کا خطرہ مول لیتے ہوئے ہی بڑھیا کی جھوٹی بھری تھی۔ کچھ دنوں بعد جب شہر فتح ہوا تو ایک کونے میں وہ بڑھیا بھی مل گئی، اس وقت تک وہ تین سو دینار خرچ کر چکی تھی۔<sup>②</sup>

عفو و درگزر..... عفو و درگزر کی صفت سلطان کے خصائل میں نمایاں نظر آتی ہے۔ ان کی زندگی ایسے واقعات سے بھرپور ہے جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف کر دینے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ ایمانی اور



اخلاقی انحطاط کے اس دور میں سلطان کی عالی ظرفی بہت سے معاصر حکمرانوں پر ان کی واضح برتری کا سبب بن گئی تھی۔ سلطان کے عفو و درگزر کے چند نمونے ملاحظہ کیجئے:

**1**..... براق حاجب خوارزمی دربار کا وہ بد فطرت رکن تھا جس نے اس خانوادے کی جڑیں کاٹنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا، مگر جب بھی سلطان اس کے خلاف کارروائی کرتے تو وہ ندامت کا اظہار کر کے معذرت کر لیتا اور سلطان ہر بار پوری فراخ دلی کے ساتھ اسے معاف کر دیتے۔

ایک مرتبہ براق کی بغاوت فرو کرنے کے لیے سلطان کو گرجستان سے کرمان تک سترہ یوم کا مسلسل سفر کرنا پڑا۔ اتنی طویل مسافت طے کرنے اور شدید مشقت برداشت کرنے بعد جب براق پر ہاتھ ڈالنے کا موقع آیا تو اس نے معافی مانگ لی اور سلطان اپنی زحمت کا خیال نہ کرتے ہوئے اس سے درگزر کر گئے۔

**2**..... خلیفہ بغداد کی افواج سے جھڑپ کے بعد جب خلافتی افواج کی کمک پر آنے والا حاکم اربیل مظفر الدین کو کبریٰ سلطان کے سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تو اس وقت اپنے اس اقدام کے رد عمل میں وہ سلطان سے کسی نرمی کی توقع نہیں رکھ سکتا تھا، مگر جب اسے سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو سلطان نے نہ صرف اس کی غلطی معاف کی، بلکہ اس کے ساتھ بہت اعزاز و اکرام کا برتاؤ کیا جس کے باعث وہ سلطان کا گرویدہ ہو گیا۔

**3**..... سلطان جلال الدین کا وزیر اعظم شرف الملک ایک عرصے تک سلطان کے مزاج اور منشا کے خلاف من مانی کارستانیوں میں مشغول رہا۔ اس کے جرائم اتنے سنگین تھے کہ شاید کوئی عام حکمران ایسے شخص کو ایک لمحہ کے لیے بھی مہلت نہ دیتا۔ وزیر اعظم کی جرأت اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ سلطان کو اپنی محفل میں کھلے لفظوں میں بُرا بھلا کہتا۔ سلطان ایک عرصے تک اس صورتحال کو برداشت کرتے رہے، آخر کار جب معاملہ حد سے گزر گیا تو سلطان نے اس کی خبر لی۔ اس موقع پر وزیر اعظم کفن ہاتھ میں لے کر سلطان کے قدموں پر گر گیا، سلطان کو ترس آ گیا اور انہوں نے اس بد طینت انسان کی جاں بخشی کر کے صرف نظر بندی پر اکتفا کیا۔ (مگر افسوس کہ وزیر اعظم نے اس کے بعد بھی سلطان کے خلاف سازشیں جاری رکھیں اور آخر کار اپنے انجام کو پہنچا۔)

**4**..... ایسا ہی قصہ سدوستان (سیہون، سندھ) پر حملے کے وقت پیش آیا، جب حاکم سدوستان شکست کھانے کے بعد سلطان کے پاس دست بستہ کفن و شمشیر لیے حاضر ہوا تو نہ صرف یہ کہ سلطان نے اسے معاف کر دیا، بلکہ حکومت پر بھی بحال رکھا۔

**5**..... سلطان جلال الدین کا سوتیلا بھائی غیاث الدین ان کے اقتدار سے سخت نالاں تھا۔ سلطان کو شکست دینے کا خواب دیکھتے ہوئے ایک بار وہ سلطان کے خلاف صف آراء ہوا، مگر منہ کی کھائی اور گرفتار ہوا۔ دوسری بار اس نے تاتاریوں کے خلاف لڑے جانے والے ایک معرکے میں سلطان کو سخت زک پہنچائی اور عین لڑائی کے وقت میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا اور حاکم الموت کے پاس جا کر پناہ لی۔ بعد میں حاکم الموت نے سلطان سے خط و کتابت کر کے غیاث الدین کی لغزش معاف کرنے کی سفارش کی۔ اگرچہ سلطان جلال الدین غیاث الدین سے سخت ناراض تھے، مگر اس بار بھی تسامح سے کام لیتے ہوئے انہوں نے اسے معاف کر دیا۔

**6**..... جب سلطان جلال الدین خلاط کے محاصرے میں مشغول تھے تو خلاط میں محصور سلطان کا سخت ترین

حریف مجیر الدین بن الملک العادل (بردار الملک الاشراف) فسیل پر چڑھ کر سلطان کو خوش گالیاں دیا کرتا تھا۔ سلطان کے سپاہیوں کا خون کھول اٹھتا، مگر سلطان ان گالیوں کا کوئی جواب نہ دیتے۔ جب شہر فتح ہو گیا تو قیدیوں میں شامل مجیر الدین کو بھی سلطان کے حضور پیش کیا گیا۔ لوگ یہی خیال کر رہے تھے کہ اب مجیر الدین کی گردن اڑا دیئے گا حکم ہوگا۔ خود مجیر الدین کا خوف سے بُرا حال تھا، مگر سلطان جلال الدین نے اس کے ساتھ نہایت فیاضانہ برتاؤ کیا اور اس کی حرکات کو کھلے دل سے معاف کر دیا۔

مجیر الدین سلطان کے اخلاق سے بڑا متاثر ہوا اور ایک عرصے تک سلطان کی خدمت میں رہا۔ اس نے پوری کوشش کی کہ اپنے بھائی الملک الاشراف کو سلطان کا ساتھ دینے پر آمادہ کر سکے <sup>(۸)</sup> اس طرح وہ سلطان کے حسن سلوک کا بدلہ دینا چاہتا تھا۔ افسوس کہ وہ الملک الاشراف کو قاتل نہ کر سکا، تاہم اس نے اپنی احسان مندی کا ثبوت ضرور پیش کر دیا۔

**7**..... تاتاریوں سے جنگوں کے دوران ایک موقع پر چنگیز خان کی آل اولاد میں سے ایک شہزادہ سلطان کی قید میں آ گیا تھا، سلطان نے تاتاریوں سے بدترین رقابت کے باوجود اس کے ساتھ اسلامی اخلاق کے مطابق بہت اچھا سلوک کیا اور اسے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کر دیا۔ علامہ ابن اثیر نے اس واقعے کو نقل کر کے سلطان کی وسعت ظفری کا کافی ثبوت پیش کیا ہے۔

بے تکلفی و سادگی..... سلطان جلال الدین کی طبیعت تکلفات سے پاک تھی۔ بہت سے ایسے امور جنہیں بادشاہوں کی شان کے خلاف تصور کیا جاتا تھا، سلطان کے نزدیک قابلِ عار نہ تھے۔ ان کی زندگی بے تکلفی، سادگی اور جفاکشی کی عمدہ تصویر تھی۔ اس بارے میں دو مثالیں نذر قارئین ہیں:

**1**..... تبریز کی فتح کے بعد امراء شہر سلطان کو سابق حکمران ازبک مظفر کے عالی شان محل میں لے گئے۔ یہ محل طلسماتی زینت و زیبائش اور کمال فنِ تعمیر کا لا جواب نمونہ تھا۔ سلطان کچھ دیر اس میں گھومتے پھرتے رہے، حاضرین کا خیال تھا کہ سلطان یہیں قیام کریں گے، مگر سلطان یہ کہہ کر باہر نکل آئے: ”یہ تو سست طبع انسانوں کا مسکن ہے۔ ہمارے قیام کے لیے مناسب نہیں۔“ <sup>(۹)</sup>

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

**2**..... آٹھ ماہ تک جاری رہنے والے خلاط کے طویل محاصرے کے دنوں میں ایک دن مجیر الدین بن الملک العادل نے تنگ آ کر فسیل کی بلندی سے سلطان کو مخاطب کر کے کہا:

”مصیبت کی انتہاء ہو چکی۔ نقصان کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ دونوں فریق لڑاؤ کے ہلاک ہونے کو ہیں۔ کیا آپ میں یہ ہمت ہے مجھ سے آمنے سامنے انفرادی مقابلہ کر کے اسی پر ہار جیت کا فیصلہ کر لیں۔“

کسی عام شخص سے اس قسم کی پیش کش قبول کرنا عرف عام میں شاہی جاہ و جلال کے خلاف تصور کیا جاتا تھا، مگر سلطان نے مقابلہ کی حامی بھر لی اور فوراً پوچھا: ”مقابلہ کب کرنا ہے؟“

مجیر الملک نے کہا: ”کل صبح!“

اگلے دن صبح سلطان جلال الدین ہتھیار لے کر مقابلہ کے لیے نکلنے لگا تو امراء سلطنت جو اس مقابلہ کو سراسر خوارزمی ایوان کی ذلت گمان کرتے تھے، راستے میں کھڑے ہو گئے۔ وزیر اعظم شرف الملک نے احتجاج کرتے ہوئے کہا:

”آپ ایسے آدمی سے مقابلہ کرنا کیسے گوارا کر رہے ہیں جو کسی لحاظ سے آپ کا ہم سر نہیں بلکہ آپ کے خدام کے برابر ہے؟“ پھر اگر ہمیں یقین ہوتا کہ آپ کے اس پر غالب آنے سے شہر فتح ہو جائے گا تو ہم چپ رہتے مگر یقیناً ایسا نہیں ہوگا۔ وہ شہر حوالے نہیں کریں گے۔“

مگر سلطان نے ان کی باتوں کا کوئی اثر نہ لیا اور کہا:

”میں یہ سب جانتا ہوں مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی لڑنے آئے اور میں نہ لڑوں۔ جب حریف آواز لگائے: ہے کوئی لڑنے والا!! تو میرے پاس چپ چاپ بیٹھنے کا کیا عذر ہے۔“

یہ کہہ کر سلطان جلال الدین اکیلے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کے باب بدلیس کے سامنے پہنچ گئے۔ لڑائی کے لیے یہی جگہ مقرر کی گئی تھی۔

مجیر الدین نے جب دیکھا کہ سلطان واقعی شمشیر بکف ہو کر فسیل کے سامنے موجود ہیں تو اس کے چھکے چھوٹ گئے۔ اس نے سلطان کو محض غصہ دلانے کے لیے یہ چیلنج دیا تھا اور خود اسے امید نہ تھی کہ سلطان واقعی لڑنے پر تلل جائیں گے۔ مجیر الدین خود سامنے نہ آیا اور چند سپاہیوں کو فسیل پر بھیج دیا جنہوں نے سلطان پر تیر چلائے اور گالیاں دے کر انہیں غصہ دلانے کی کوشش کی۔ سلطان تھوڑی دیر مجیر الدین کا انتظار کرنے کے بعد واپس لوٹ آ گئے۔ ۱۵

اس واقعے سے جہاں سلطان کی بے تکلفی اور سادگی چھلکتی ہے وہاں ہمیں ان کی دلیری اور صبر و تحمل کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ فضولیات سے گریز اور مفید مشاغل میں شرکت..... سلطان جلال الدین کی زندگی کا ہر لمحہ سعی مسلسل سے عبارت تھا۔ وہ فضول کھیل تماشاؤں، عیش و نشاط اور لغویات سے دور تھے۔ ان کی مصروف و با مقصد زندگی میں لغویات کی کوئی گنجائش نہ تھی، تاہم وہ تفریح طبع کے لیے کبھی کبھار شکار یا چوگان (پولو) جیسے مفید صحت کھیلوں میں حصہ لیا کرتے تھے۔ غلطی کی تلافی کی سعی..... انسان خطا کا پتلا واقع ہوا ہے۔ غلطی اور کوتاہی اس کی سرشت میں داخل ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ کے نیک بندے اپنی غلطی پر مطلع ہوتے ہی اس سے دست کش ہو جاتے ہیں، اس کا اعتراف کر کے اس پر نادم ہوتے ہیں، اس کی معافی اور تلافی کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ نافرمان اور فاسق لوگ گناہوں پر اصرار کرتے ہیں اور پشیمان ہونا تو کچھ اس بدکرداری پر فخر کیا کرتے ہیں۔ سلطان کا تعلق اول الذکر طبقے سے تھا۔ وہ اپنی غلطی محسوس کرتے ہی اس سے رجوع کرنے میں باک محسوس نہیں کرتے تھے۔ حالات کی گردش سے مغلوب ہو کر بارہا ان سے اعتدال، اور عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنے میں بھول چوک ہوئی، مگر انہوں نے اپنی غلطی پر متنبہ ہوتے ہی اس کا حتی الامکان تدارک بھی کیا۔

تبریز کی فتح کے بعد جب سلطان گرجستان کے محاذ پر مشغول تھے کہ وزیر اعظم شرف الملک نے اطلاع بھیجی کہ تبریز کا حاکم نظام الدین طغرائی اور اس کا چچا شمس الدین طغرائی بغاوت کی سازش کر رہے ہیں۔ کاتب النہوی کا بیان ہے کہ یہ سراسر تہمت اور جھوٹی شکایت تھی، شمس الدین طغرائی نہایت اصول پسند، پرہیزگار اور امانت دار انسان تھا، نہ کسی کا ناروا دباؤ قبول کرتا تھا نہ کسی کی سفارش سے متاثر ہوتا تھا۔ اس طرح وزیر اعظم کے نائبین جو عوام پر دست درازی کے عادی تھے لقمہ حرام سے محروم ہو گئے، انہوں نے مشغول ہو کر نظام الدین اور شمس الدین کے خلاف سازش کی، جھوٹے گواہ تیار کیے اور وزیر اعظم کی وساطت سے سلطان کے کان بھرے۔ سلطان کو پریشان ہو کر گرجستان سے تبریز آنا پڑا۔ سازشیوں نے سلطان کے سامنے جھوٹی شہادتوں کے ذریعے نظام الدین اور شمس الدین کے خلاف

الزامات ثابت کر دیے۔ سلطان نے بغاوت کی سزا میں حاکم تبریز نظام الدین کو قتل کرا کے اس کی لاش شارع عام پر پھینکوادی اور اس کے چچائش الدین پر ایک لاکھ دینار کا تاوان ڈال کر جیل بھیج دیا۔

کچھ عرصے بعد شمس الدین طغرایی کو مراغہ کے جیل خانے منتقل کر دیا گیا، ادھر وزیر اعظم کو یہ خطرہ بدستور لاحق رہا کہ کہیں کسی وقت شمس الدین کو سلطان کے سامنے اصل حقیقت لانے کا موقع نہ مل جائے، چنانچہ وہ سلطان کو اس کے قتل پر برا بھانتے کرتا رہا۔ آخر کار اسے سلطان کی انگشتی کی شکل میں قتل کا پروانہ مل گیا، اس نے انگشتی اور قتل کا حکم نامہ مراغہ کے حاکم کو بھیجوا دیا۔

مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے..... حاکم مراغہ شمس الدین طغرایی کی بے گناہی سے واقف تھا، اس نے ایک بے قصور شخص کے خون سے ہاتھ رنگنے پر جلا وطنی کو ترجیح دی اور شمس الدین کو قید خانے سے نکال دیا، یہ دونوں ایک ساتھ تیز رفتار گھوڑوں پر راتوں رات سلطان کی عملداری سے نکل کر پہلے اربیل اور پھر وہاں سے بغداد پہنچ گئے۔ دو سال بعد شمس الدین طغرایی حج کی نیت سے مکہ معظمہ روانہ ہو گیا۔

حج کے دنوں میں دنیا بھر سے حاجیوں کے قافلے کھنچ کھنچ مکہ معظمہ پہنچے جن میں تبریز کے حاجیوں کا گروہ بھی تھا۔ جب حج کے دن لوگ مسجد الحرام میں نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو شمس الدین اس عظیم مجمعے کے سامنے میزابِ رحمت تلے کھڑا ہو گیا، قرآن مجید کا نسخہ سر پر رکھتے ہوئے وہ بلند آواز سے یوں گویا ہوا:

”اے مسلمانانِ عالم! میرا نام شمس الدین طغرایی ہے، میں تبریز کا باشندہ ہوں، میں اس مقدس شہر کی اس مقدس عبادت گاہ میں کھڑا ہوں جس سے زیادہ قابلِ احترام عبادت خانہ کوئی اور نہیں، اور آج کا دن وہ دن ہے جس سے بڑھ کر تبرک دن اور کوئی نہیں اور میرے ہاتھ میں وہ کتاب ہے جس سے زیادہ مقدس کتاب کوئی نہیں، میں آپ کے سامنے اس مقدس ترین عبادت گاہ میں، اس مقدس ترین دن میں، اس مقدس ترین کتاب کو لے کر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وزیر اعظم شرف الملک نے مجھ پر جو الزام لگایا تھا وہ بالکل غلط ہے، میں اس الزام سے بری ہوں۔ اگر میرا یہ بیان دروغ گوئی پر مبنی ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے ہلاک کر دے۔“

تبریز کے حاجیوں نے اس کا یہ حلیفہ بیان سنا اور واپسی پر قافلہ سالار نے سلطان جلال الدین کو اس قصے سے آگاہ کیا۔ سلطان یہ سن کر کانپ گئے۔ فوراً شمس الدین کو واپس بلوایا اور اپنی گزشتہ زیادتی کی تلافی کے طور پر تبریز کی حکومت اس سے بطور تاوان چھین گئی املاک سمیت دوبارہ اس کے سپرد کر دی۔<sup>(۱۱)</sup>

بڑوں کی اطاعت و فرمانبرداری..... اطاعت و فرماں برداری سلطان جلال الدین کی ایک ممتاز صفت تھی۔ انہوں نے بچپن سے والدین کی مکمل اطاعت کی جو روش اپنائی تھی اسے بڑوں کے سامنے ہمیشہ برقرار رکھا۔ اپنے باپ کے دورِ عروج ہی میں نہیں دورِ زوال میں بھی اس کی کامل اطاعت کی۔ جب ترکانِ خاتون کے دباؤ پر خوارزم شاہ نے ان کے چھوٹے بھائی قطب الدین از لاق کو خلاف دستور اپنا ولی عہد مقرر کیا تو سلطان کے لبوں سے احتجاج کی کوئی صدا بلند نہ ہوئی اور وہ حسب سابق ہر مرحلے پر باپ کی خدمت و تابعداری میں پیش پیش رہے۔

سلطان علاؤ الدین کے دورِ زوال میں بھی ان کی وفا شعاری میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ چاہتے تو حالات پر اپنے والد کی گرفت کمزور دیکھ کر بغاوت کر کے اپنا حق تخت نشینی وصول کر سکتے تھے، مگر انہوں نے ایک لمحے کے لیے بھی اس

نامبارک ارادے کو دل میں جگہ نہ دی۔ تاتاریوں کے حملے کے بعد علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ اپنی جان بچانے کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف کوچ کر رہا تھا تو سلطان جلال الدین اس وقت بھی کے ہم رکاب تھے۔ اگرچہ وہ اس صورتحال سے سخت نالاں تھے اور دائرۂ ادب میں رہتے ہوئے باپ کو بارہا سمجھا چکے تھے کہ اس فرار اور روپوشی کا کوئی جواز نہیں، مگر جب وہ باپ کو قائل نہ کر سکے تو خاموشی سے مشرق تا مغرب کے اس بے فائدہ سفر میں اپنے باپ کا بازو تھامے رہے۔ بحیرہ خزر کے جزیرے میں بھی وہ اپنے باپ کی وفات تک اس کے رفیق رہے۔ ان کی اس تابعداری ہی سے متاثر ہو کر علاؤ الدین محمد نے وفات سے کچھ دیر قبل سابقہ فیصلہ منسوخ کر کے ان کو تاج و تخت کا وارث قرار دے دیا۔

سلطان علاؤ الدین نے اپنے دور ابتلاء میں اپنے خدمت گاروں اور تیمارداروں سے انعامات کے بڑے بڑے وعدے کیے تھے جنہیں وہ ایفاء کیے بغیر دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ سلطان جلال الدین نے اپنا فرض سمجھتے ہوئے ان تمام لوگوں سے کیے گئے وعدوں کو پورا کیا اور انہیں حسبِ خدمت انعامات اور جاگیروں سے نوازا۔<sup>(۱۲)</sup>

خلاط کے آخری محاصرے کے دوران سلطان جلال الدین نے اپنے سردار مقرب الدین کو (جو سلطان علاؤ الدین محمد کی چہینرو تکفین میں شریک تھا) حکم دیا کہ وہ اصفہان میں ایک بڑے دینی مدرسے کی بنیاد ڈال کر اس کے احاطے میں خوارزم شاہ کا شاندار مزار تعمیر کرانا شروع کر دے۔ سلطان نے حاکم عراق کو بھی تاکید کر دی کہ وہ خوارزم شاہ کی شایانِ شان تدفیناس کے لیے اخراجات کا انتظامات کر دے۔ چنانچہ مقبرے کی تعمیر شروع ہو گئی اور چار ماہ میں قدر آدم دیواریں تیار ہو گئیں۔

اُدھر سلطان نے اپنی پھوپھی شاہ خاتون کو جو مازندران کی ایک بستی ’ساریہ‘ کی ملکہ تھی، درخواست بھیجی کہ وہ مازندران کے امراء و خواص کے ساتھ بحیرہ خزر کے جزیرے آب سکون جاکر خوارزم شاہ کی میت نکال لے اور جب تک اصفہان کا مقبرہ تعمیر نہیں ہو جاتا لاش کو اردھان کے قلعے میں محفوظ رکھے۔

چنانچہ شاہ خاتون بحیرہ خزر کے جزیرے پہنچ کر میت کو پورے اعزاز و احترام سے اردھان میں لے آئی، یہاں اسے امانتاً دفن کر دیا گیا۔

کاتب النسوی لکھتے ہیں:

”مجھے اسی وقت سے خدشات لاحق ہو گئے تھے، میں جانتا تھا کہ سلطان علاؤ الدین محمد کی لاش

تاتاریوں کے ہاتھوں جلنے سے صرف اس لیے بچی ہوئی ہے کہ اس جزیرے تک تاتاریوں کا پہنچنا بہت

مشکل تھا۔ ورنہ تاتاریوں نے ہر بادشاہ کی قبر کھود کر اس کی لاش جلادی تھی، حتیٰ کہ غزنی میں سلطان

محمود غزنوی کا مزار کھود کر ان کی ہڈیوں کو بھی سوختہ کیا تھا۔“

النسوی کا دھڑکا درست ثابت ہوا۔ اصفہان کا مقبرہ اور مدرسہ ابھی زیرِ تعمیر تھا کہ سلطان جلال الدین کا سارا نظام حکومت اتر ہو گیا اور خوارزم شاہ کی لاش اردھان ہی میں مدفون رہ گئی۔ مگر اسے یہاں بھی زیادہ دن باقی رہنا نصیب نہ ہوا۔ سلطان جلال الدین کی شہادت کے کچھ ہی دنوں بعد تاتاریوں نے قلعہ اردھان کا محاصرہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور سلطان محمد خوارزم شاہ کا مدفون ڈھانچہ برآمد کر کے اوکٹائی خان (جانشین چنگیز خان) کے پاس

بھجوا دیا گیا۔ اس نے خوارزم شاہ کی ہڈیاں جلا کر رکھ کر اسے اڑا دی۔<sup>(۱۳)</sup>

خلیفہ کا احترام..... سلطان جلال الدین عالم اسلام کے اتحاد کے بڑے حامی تھے اور وحدت امت کے بنیادی نقطے مرکز خلافت کا حد درجے احترام کرتے تھے۔ سلطان علاؤ الدین محمد کے زمانے میں مرکز خلافت اور سلطنت خوارزم باہمی حریف بن کر ایک دوسرے کے بالمقابل آ گئے تھے۔ سلطان جلال الدین اس کشیدہ فضا کو ختم کرنے کی حتی الامکان کوششیں کرتے رہے۔ یہ علاحدہ بات ہے کہ خلیفہ ناصر کے دور میں ان کی کاوشوں کو کوئی پذیرائی حاصل نہ ہوئی جس کی بڑی وجہ خود خلیفہ کے دل کا میل اور خوارزمی حکمرانوں سے اس کی حد سے بڑھی ہوئی بدگمانیاں تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب سلطان نے ہندوستان سے واپس آ کر دربار خلافت میں حاضری کے لیے بغداد کا سفر کیا تو خلیفہ نے ان کے پیام صلح کے جواب میں ان کے مقابلے کے لیے ایک بڑا لشکر بھیج دیا۔ چاروں ارچا سلطان کو اپنے دفاع کے لیے تلوار اٹھانا پڑی۔ اس جھڑپ کے بعد تعلقات میں کشیدگی مزید بڑھ گئی اور سلطان بھی کچھ عرصے تک خلیفہ کے خلاف بیچ و تاب کھاتے رہے، تاہم جلد ہی انہوں نے اپنے جذبات پر قابو پالیا اور اصلاح تعلقات کی سعی از سر نو شروع کر دی جو خلیفہ ناصر کی وفات تک جاری رہی۔

خلیفہ ناصر کے نام اپنے خطوط کے آخر میں وہ اپنا نام یوں لکھا کرتے تھے:

”حذو اعلیٰ منوال ابیہ خادمہ المطواع منکبرتی بن سلطان سنجر“ (اپنے باپ

کے نقش قدم پر آپ کا فرمانبردار خادم، منکبرتی بن سلطان سنجر)۔<sup>(۱۵)</sup>

صرف یہی نہیں بلکہ منصب خلافت کے احترام میں ان کی بعض عادات مبالغے کی حد تک پہنچ گئی تھیں۔ خلیفہ ناصر کے دور اقتدار میں جب سلطان نے تبریز فتح کیا تو وہاں نماز جمعہ کے اجتماع میں سلطان نے احترام خلافت کا جو انداز اپنایا اسے علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے یوں نقل کیا ہے:

”جمعے کے روز تک سلطان تبریز میں قیام پذیر رہے اور نماز جمعہ کے لیے جامع مسجد میں حاضر ہوئے،

جب خطیب نے خطبہ دیتے ہوئے خلیفہ المسلمین کے لیے دُعا شروع کی تو سلطان جلال الدین اپنی جگہ پر

بادب کھڑے ہو گئے، جب خطیب خلیفہ کے لیے دُعا مکمل کر چکا تب سلطان بیٹھے۔“<sup>(۱۶)</sup>

خلیفہ ظاہر اور خلیفہ مستنصر کے دور میں سلطان کو دربار خلافت سے تعلقات بہتر بنانے کے لیے سازگار ماحول میسر آیا۔ مستنصر باللہ نے انہیں ”الجناب العالی الشاہستانی“ کے منفرد خطاب سے نوازا اور بیش قیمت خلعتوں کے تحائف ارسال کئے۔ دونوں جانب سے وفد کا تبادلہ بھی ہوتا رہا۔ مستنصر کے نام سلطان جلال الدین اپنے خطوط میں خلیفہ کو ”سیدنا و مولانا امیر المؤمنین و امام المسلمین و خلیفۃ رب العالمین قدوة المشارق و المغرب“

کے القابات کے ساتھ مخاطب کرتے اور آخر میں اپنے نام کی جگہ صرف ”عبدہ“ (خلیفہ کا غلام) تحریر کرتے۔<sup>(۱۷)</sup> سرعت عمل..... سلطان جلال الدین ضرورت پیش آنے پر عملی اقدام میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ مخالفین کے سر اٹھاتے ہی انہیں کچلنے کے لیے لپکتے تھے اور فتنے کے شعلے بھڑکتے ہی اسے سرد کرنے کے لیے جھپٹتے تھے۔

ایک دن وہ تبریز کے میدان میں چوگان کھیل رہے تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ ان کا بھائی غیاث الدین جو کچھ عرصہ قبل میدان جنگ میں غداری کر کے بھاگ گیا تھا، اصفہان پر حملے کے لیے بڑھ رہا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی سلطان نے چوگان کی لاشی پھینک دی اور اسی لمحے برق رفتار دستہ لے کر اصفہان کی حفاظت کے لیے لپکے۔ کافی آگے جا کر

انہیں معلوم ہوا کہ اطلاع غلط تھی۔ غیاث الدین اصفہان نہیں، بلکہ الموت کی طرف جا چکا تھا۔<sup>(۱۲)</sup> حزم و احتیاط اور دوراندیشی..... سرعت عمل کے عادی ہونے کے باوجود وہ حزم و احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔ جن دنوں وہ گرجستان کی پہلی مہم میں مشغول تھے انہیں تبریز میں بغاوت کی خبر ملی۔ ہرچند کہ خبر سخت تشویشناک تھی، مگر سلطان نے انجام و عواقب کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے اسے ضبط کیے رکھا اور اپنے قریبی ساتھیوں کو بھی اس کی ہوا نہ لگنے دی۔ سلطان کو خطرہ تھا کہ گرجیوں سے ان خوں ریز جنگوں کے دوران اگر افسران اور امراء کو پس پشت کسی تشویشناک صورتحال کا علم ہو گیا تو وہ مضطرب اور بے چین ہو جائیں گے اور پوری یکسوئی اور حوصلے سے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

جب گرجیوں کی مہم سے فراغت ہوئی تب سلطان نے اپنے نائبین اور امراء کو تبریز کے سانحے کی اطلاع دی اور کہا: ”میں نے لڑائی سے پہلے تمہیں یہ بات اس لیے نہ بتائی کہ کہیں تم پر اضطراب اور خوف طاری نہ ہو جائے۔ بہر حال اب تم میرے بعد اس سرزمین میں قدم جمائے رکھو اور دشمن کے ٹھکانوں کو جاڑنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑو۔“ یہ کہہ کر سلطان خود تبریز کے باغیوں سے ٹھننے روانہ ہو گئے۔<sup>(۱۳)</sup> اس واقعے سے سلطان کے حوصلے، تحمل، دوراندیشی اور حزم و احتیاط کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ سلطان کو ایک جلد باز انسان قرار دینے والے مؤرخین شاید سلطان کی زندگی کے ان روشن پہلوؤں سے ناواقف تھے۔

چند ذاتی اخلاق و اوصاف..... خوشامد سے نفرت..... سلطان کو خوشامد سے نفرت تھی، درباری ہوں یا علماء..... وہ سب سے حقیقت کے مطابق بات سننا پسند کرتے تھے، جو لوگ ان کی تعریف میں مبالغہ کرتے تھے سلطان کے دل میں ان قدر و منزلت کم ہو جاتی تھی۔ کاتب السنوی اس کی مثال میں سلطان کے ماہ رمضان ۶۲۲ھ کی مصروفیات کا ذکر یوں کرتے ہیں:

”سلطان نے ماہ رمضان تبریز میں گزارا، وہیں روزے رکھے اور دارالسلطنت میں ایک منبر نصب کروایا۔ اطراف و جوانب کے جو علماء و فضلاء اپنے مسائل اور عرضداشتیں لے کر آئے تھے ان میں سے تیس (۳۰) حضرات کو منتخب کیا۔ روزانہ ان میں سے ایک عالم اس منبر پر وعظ و نصیحت فرماتے، اس محفل میں سلطان خود منبر کی ایک جانب بیٹھے ہوتے۔ جن حضرات نے وعظ میں حق بیان کیا سلطان ان کے شکر گزار ہوئے، جنہوں نے مدح و ستائش میں مبالغہ کیا سلطان نے ان پر ناراضی کا اظہار کیا۔“<sup>(۱۴)</sup>

رقت قلبی..... سلطان جلال الدین میدان جنگ میں صلابت کے پیکر اور استقامت کے کوہ گراں معلوم ہوتے تھے۔ وہ کفار کے مقابلے میں ایک فولادی دیوار تھے جس میں ذرہ بھر نرمی کا نام و نشان تک نہ تھا، مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے سینے میں سوز و گداز سے بھرپور ایک نرم دل رکھتے تھے۔ وہ اللہ عز و جل کے خوف سے رونے والی چشم نم کی دولت سے بہرہ ور تھے۔ ان کی زندگی کے کئی ایسے مواقع ہیں جن سے ان کی رقت قلبی کا انداز ہوتا ہے۔

مورخ اسلام علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وكان ربما قرأ في المحف ويبكي.“..... ”بسا اوقات وہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے

ہوئے زار و قطار روتے تھے۔“<sup>(۱۵)</sup>

پروان کے معرکے میں چنگیز خان کی شکست کے بعد جب سلطان کے حلیف سیف الدین اور امین الملک مال

غنیمت کی تقسیم پر باہم لڑ پڑے تو سیف الدین نے امت مسلمہ کے نفع و ضرر سے قطع نظر کرتے ہوئے سلطان سے علاحدگی کا فیصلہ کر لیا۔ اس موقع پر سلطان جلال الدین، سیف الدین کو منانے کے لیے اس کی منت سماجت کرتے ہوئے از خود رفته ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیے تھے۔

علامہ ابن اثیر نے اسے یوں ذکر کیا ہے: ”وسار بنفسه اليه، و ذكره الجهاد، و خوف من الله تعالى و بكي بين يديه، فلم يرجع.“..... (سلطان بذات خود سیف الدین کے پاس گئے، اسے جہاد کی اہمیت یاد دلائی، اسے اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرایا، اس کے سامنے روئے، مگر سیف الدین واپس نہ لوٹا۔) (۲۱)

مشہور محدث و مؤرخ علامہ ابوالفرج عبدالرحمن ابن جوزی رحمہ اللہ کے صاحبزادے شیخ محی الدین یوسف ابن جوزی رحمہ اللہ دہار خلافت سے بطور سفیر سلطان کی خدمت میں آئے۔ سلطان اس وقت اپنے خلوت خانے میں تھے۔ شیخ جب خلوت میں پہنچے تو دیکھا کہ سلطان قرآن مجید کا نسخہ سامنے رکھے ہوئے تلاوت میں مشغول ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری ہے۔ (۲۲)

سنی خفی مسلمان..... تنزل و انحطاط کے اس دور میں طرح طرح کے اعتقادی فتنوں کے اثرات عوام سے گزر کر ممالک اسلامیہ کے حکمران طبقے تک پہنچ چکے تھے۔ آپ کو اس دور کی تاریخ میں جا بجا نظر آئے گا کہ ایک صحیح العقیدہ سربراہ مملکت کی وفات کے بعد تخت نشین ہونے والا اس کا بیٹا معتزلی نکلا۔ مملکت مسلمانوں کی تھی، مگر حاکم اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ خانوادہ شاہی جدی پشتی اہل سنت والجماعت تھا، مگر نیا بادشاہ اس جادہ مستقیم کو چھوڑ کر شیعہ بن گیا۔ اس دور میں اعتزال ایک قسم کا فیشن بن چکا تھا اور تشیع گویا چپ اہل بیت کی سند تھا۔ عباسی خلیفہ ناصر اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے فرزند الملک الافضل کے متعلق بھی معتبر مؤرخین کا یہ بیان ہے کہ وہ شیعہ تھے۔ (۲۳) مگر نظریاتی حوادث کی ان آندھیوں میں بھی خوارزم شاہی حکمرانوں کے ایمان کی لودہ ہم نہیں ہوئی اور ان کا دامن اعتقادی فتنوں کے کانٹوں سے محفوظ رہا۔ اس خانوادے کے حکمران اہل سنت والجماعت کے عقیدے پر کاربند اور خفی مسلک کے پیروکار تھے۔ ان کی خوش عقیدگی اور دین پروری مؤرخین کے نزدیک مشہور ہے۔

علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ پر بعض لوگوں نے رفض کا الزام لگایا تھا، محض اس لیے کہ وہ خلیفہ کے مقابلے میں نکلا تھا، مگر اس الزام میں کوئی صداقت نہیں بلکہ اگر وہ خلیفہ کا دوست ہوتا تب اس کا شیعہ ہونا قرین قیاس ہوتا، اس لیے کہ خلیفہ خود شیعہ تھا۔ اسی طرح سلطان جلال الدین کو اہل بغداد ”خارجی“ کہا کرتے تھے، مگر اس کا معنی یہ نہیں کہ سلطان خارجی عقائد رکھتے تھے، بلکہ اہل بغداد خلیفہ کے ہر حریف کو اپنی اصطلاح میں ”خارجی“ ہی شمار کرتے تھے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ جیسے مؤرخ اور فن رجال کے امام سلطان جلال الدین کو ہر قسم کی بدعتی گدی کے الزام سے بری قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ”کان صحیح الاسلام“ (سلطان جلال الدین صحیح العقیدہ مسلمان تھے۔) (۲۴) صورت و سیرت و عادات کے متفرق جھلکیاں.....

•..... سلطان کا سوانح نگار احمد النسوی اپنے محبوب قائد کا حلیہ اور خصائل بیان کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہے:

”سلطان جلال الدین گندمی رنگت اور قدرے کوتاہ قد و قامت کے مالک تھے۔ چہرے کے نقوش ترک قومیت کی عکاسی کرتے تھے۔ ترکی ہی ان کی اصل زبان تھی، مگر فارسی میں بھی گفتگو کیا



کرتے تھے۔<sup>(۳۵)</sup> وہ بہت کم گو تھے، متحمل مزاج تھے، غصے اور گالی گلوچ سے احتراز کرتے تھے۔ ان کی شخصیت بڑی پُر وقارت تھی، ہلکھلا کر ہنسان کی عادت نہ تھی، صرف مسکرا دیتے تھے، فضول گوئی سے دور تھے، عدل و انصاف سے کام لیتے تھے، تاہم چونکہ انہیں فتنہ و فساد کے دور سے واسطہ پڑا تھا، اس لیے (کبھی) وہ (حالات یا جذبات سے) مغلوب ہو جاتے تھے۔<sup>(۳۶)</sup>

•..... سلطان جلال الدین عام طور پر ”طرطورا“ (ایک قسم کی لمبی نوکدار ٹوپی) پہنا کرتے تھے جس کی بناوٹ میں گھوڑے کے بال بھی استعمال کیے جاتے تھے اور وہ مختلف رنگوں کے ہوتے تھے۔<sup>(۳۷)</sup>

•..... سلطان کے درباری ان کو ”خداوند عالم“ کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔<sup>(۳۸)</sup>

(واضح رہے کہ فارسی میں ”خداوند“ آقا اور سردار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اسے خدا کے ہم معنی نہ سمجھا جائے۔)

•..... سلطان اپنے مکتوبات اور احکام ناموں پر جو مہر ثبت کیا کرتے تھے، اس کے الفاظ یہ ہوا کرتے تھے: ”النصرة من الله وحده“ (مدد اکیلے اللہ ہی کی طرف سے ملتی ہے۔) موصل اور اس جیسی چھوٹی موٹی ریاستوں کے حکمرانوں کے نام اپنے مراسلات میں وہ اپنے نام کے بجائے یہی مہر ثبت کر دیتے تھے۔

روم، مصر اور شام کے جلیل القدر سلاطین کے نام اپنے خطوط میں وہ ”سلطان“ کے لفظ کے ساتھ اپنا نام اور ولایت تحریر کر دیتے تھے یعنی ”سلطان مکرم تقي بن سنجر“ بڑائی یا تواضع ظاہر کرنے والے القاب سے گریز کرتے تھے۔<sup>(۳۹)</sup>

•..... سلطان جلال الدین کی طبیعت میں جذبات کی جولانی بڑی نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ صبر و تحمل، ضبط نفس اور ہمت و حوصلہ مندی کے بلند مقامات پر فائز ہونے کے باوجود کبھی کبھار جذبات کے سیل بے کراں میں بہہ جاتے تھے۔ اس قسم کے واقعات سلطان کی زندگی کے آخر سالوں میں زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی زندگی مسلسل حوادث و مصائب کا مجموعہ تھی۔ تاتاریوں کے ہاتھوں ان کے اہل خانہ، اعزہ و اقارب اور رعایا کے قتل عام سے ان کے دل پر جو خزم لگے تھے وہ کبھی مندل نہ ہو سکے۔ پھر اپنوں کی ایذا رسانی اور دشمنی کے چر کے اس پر مستزاد تھے۔ حوادث کی اس بوچھاڑ سے سلطان درحقیقت اندر سے چھلنی ہو کر رہ گئے تھے، اس لیے آخر میں باوجود ضبط کی کوشش کے وہ بارہا جذبات سے بے قابو ہو جایا کرتے تھے اور بعض اوقات اس حالت میں ان سے غیر معتدل فیصلے بھی صادر ہوئے۔

•..... اپنے بعض مصاحبین پر ان کا اعتماد کبھی حد احتیاط سے متجاوز ہو جاتا تھا، کبھی ان کی اطلاعات و شکایات پر وہ بلا تحقیق و تفتیش عملدرآمد کر بیٹھتے تھے، اس سے بعض اوقات ان کو نقصان بھی اٹھانا پڑتا تھا۔ خاص کر وزیر اعظم شرف الملک پر ایک عرصے تک اندھا اعتماد کر کے انہوں نے سخت نقصانات سے۔

حقیقت لفظ ”مَنْكَبُوتِي“..... سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے تذکرے میں مؤرخین نے جابجا ان کے ساتھ ”مَنْكَبُوتِي“ یا ”مَنْكَبُونِي“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس لفظ کی حقیقت اور معنی کیا ہے؟ قاضی احمد غفاری نے تاریخ جہاں آراء میں تحریر کیا ہے کہ یہ لفظ ”مَنْكَبُونِي“ ہے۔ ترکی زبان میں تیل کو ”میگ“ کہتے ہیں اور ناک کو ”بورون“، چونکہ سلطان کی ناک پر ایک تیل تھا، اس لیے سلطان کو ”مَنْكَبُونِي“ کہا جانے لگا، یعنی ناک پر تیل والا۔ سیرۃ جلال الدین، طبقات ناصری اور معجم البلدان میں اگرچہ یہ وجہ تسمیہ مذکور نہیں، مگر اس لفظ کو ”مَنْكَبُونِي“ ہی لکھا گیا ہے۔

دوسری طرف بہت سے مورخین نے اس لفظ کو ”منکبرتی“ (تا کے ساتھ) تحریر کیا ہے۔ اس صورت میں یہ لفظ مونکو (بمعنی ”خدا“) اور بڑتی (بمعنی ”دینا“) سے مرکب ہو گا گویا ”منکبرتی“ خدا داد یا خدا بخش کے ہم معنی ہو گا۔

مغربی سکھ شناس ”ایڈورڈ تھامس“ نے اپنے مقالے The coins of the kings of Ghasni (مسکوکات ملوک غزنی) میں سلطان جلال الدین کے جاری کردہ تین سکوں پر کندہ عبارت نقل کی ہے۔ اس کے بیان کے مطابق دو سکوں پر ”السلطان الاعظم جلال الدینا و الدین“ اور ایک سکے پر: ”الناصر لدین اللہ امیر المؤمنین جلال الدینا و الدین منکبرین بن السلطان“ کندہ ہے۔

رہی یہ بات کہ یہ لفظ (منکبرتی، منکبرنی یا منکبرین) سلطان کا نام ہے یا لقب؟..... تو بعض محققین نے اس پہلو کو ترجیح دی ہے کہ یہ لفظ سلطان کا نام ہے اور جلال الدین ان کا لقب ہے، جیسا کہ اس زمانے کے بادشاہوں کی عادت تھی کہ وہ قطب الدین، علاؤ الدین، سیف الدین جیسے القابات اختیار کرتے تھے۔ سلطان نے بھی اسی طور پر جلال الدین کا لقب اختیار کر لیا تھا، مگر بعض دوسرے حضرات اس لفظ کو لقب اور جلال الدین کو نام قرار دیتے ہیں۔

راقم کا خیال ہے کہ پہلا قول ہی درست ہے..... علاؤ الدین محمد نے مرتے وقت جانشین بناتے ہوئے انہیں منکبرتی کہہ کر ہی یاد کیا تھا جیسا کہ شہاب الدین محمد النسوی نے سیرۃ جلال الدین میں ذکر کیا ہے۔ نیز سلطان کے خطوط میں بھی منکبرتی ہی لکھا جاتا تھا نہ کہ جلال الدین۔

————— ❦ —————

## سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کو مورخین کا خراج تحسین

حافظ ذہبی رحمہ اللہ..... 1 ہابتنہ التتار، ولولاه لدا سوا الدنيا..... تاتاری سلطان جلال الدین سے خوف زدہ تھے، اگر سلطان نہ ہوتے تو تاتاری ساری دنیا کو روند کر رکھ دیتے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج: ۲۲، ص: ۳۲۸)

2 احد من يضربُ به المثل في الشجاعة والاقدام..... سلطان ان شخصیات میں سے ایک تھے جن کی شجاعت اور یلغار ضرب المثل ہے۔ (العمر، ۲۰۳/۲)

3 لا اعلم في السلاطين اكثر جولانا منه في البلدان ما بين الهند الى ما وراء النهر الى العراق الى فارس الى كرمان الى آذربائیجان و آرمینیا و غیر ذلک..... میں بادشاہوں میں سے کسی کی جولان گاہ سلطان جلال الدین سے زیادہ وسیع نہیں پاتا۔ ان کی گھڑ سواری کی حدود ہندوستان، ماوراء النہر، عراق، فارس، کرمان، آذربائیجان، آرمینیا اور دیگر علاقوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ (العمر فی خبر من غیر: ۲۰۳/۳)

علامہ ابن عماد حنبلی رحمہ اللہ..... وکان جلال الدین سداً بين المسلمين و الکفار فلما مات انفتح السد..... سلطان جلال الدین مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ایک ”حصار“ تھے، ان کے مرتے ہی ”حصار“ ٹوٹ گیا۔ (خزرات الذهب: ۱۳۱/۵)

علامہ ابن تغری بردی رحمہ اللہ..... کان الخوارزمی یقاتل التتار عشرة ايام بلياليها بعساكره، يترجلون عن خيولهم ويلتقون بالسيوف. ويبقى الرجل منهم يأكل ويبول وهو يقاتل..... بعض اوقات جلال الدین خوارزمی کو اپنے سپاہیوں کے ساتھ تاتاریوں سے دس دس دن رات مسلسل لڑنا پڑتا۔ جلال الدین کے سپاہی گھوڑوں سے اتر کر پایادہ دشمن سے بھڑ جاتے اور شمشیر زنی کرتے۔ یہاں تک کہ کھانا پینا اور طبعی تقاضوں کو بھی لڑائی کے دوران ہی پورا کرنا پڑتا۔ (النجوم الزاهرة، ج: ۲، ص: ۲۰۸، شاملہ)

علامہ اکبر شاہ نجیب آبادی..... وہ ایک بہادر شخص تھا اور متعدد مقامات پر اس نے اپنی بہادری کا ثبوت پیش کر کے اپنے آپ کو مستحق ستائش بنا لیا تھا۔ (تاریخ اسلام نجیب آبادی، ج: ۳، ص: ۱۳۱۲)

غلام ربانی عزیز (پاکستانی مؤرخ)..... یہ نامور سپاہی ان غیر فانی فرمانروایان عالم سے تھا جنہوں نے بڑے سے بڑے خطروں کو پرکھ کے برابر وقعت نہ دی۔ ناسازگار حالات اور ناموافق ماحول سے کبھی مرعوب نہ ہوا..... وہ زمانے کے سرکش گھوڑے کو لگام دینے میں کامیاب نہ ہو سکا تو زمانہ بھی اسے خلاف مرضی رام کر کے نکیل نہ ڈال سکا..... جلال الدین ظلمت کفر و نا خدا ترسی کے خلاف ایمان و انصاف اور اسلام کا عظیم جانا زہیر و تھا۔ (تاریخ خوارزم شاہی، ص: ۱۱)

ڈاکٹر براؤن (یورپی مؤرخ)..... سلطان جلال الدین منکبر قی غارت گرتاہ کا تاتاریوں کے خلاف اسلام کی

آخری پناہ گاہ تھا۔ (تاریخ ادبیات ایران، ۲/۳۰۷)

ہیرلڈ لیمب (امریکی مؤرخ)..... جلال الدین جو خوارزمیوں کا محبوب شہزادہ اور خوارزم شاہ کا ولی عہد تھا، سچا ترک، پستہ قد، چہرہ پر ابدن، سانولا..... جسے تلوار کے کرتبوں سے بڑی دلچسپی تھی۔ (چنگیز خان، باب: ۱۴، ص: ۱۰۸)

جلال الدین خوارزم شاہ اکیلا یہ صلاحیت رکھتا تھا کہ دنیا بھر کے منتشر مسلمانوں کو یکجا کر کے تاتاری حملہ آوروں کے مقابلے کے لیے میدان میں آئے۔ (چنگیز خان، باب: ۱۸، ص: ۱۳۹)

### مخالفین کے تاثرات

چنگیز خان..... ”از پدر پر مشل او باید“..... بیٹا ہو تو ایسا ہو۔ (جہاں کشا جوینی، ج: ۲، ص: ۱۳۲)

الملك الاشرف موسى..... ”هو سد ما بيننا وبين التتار كما ان السد بيننا وبين يا جوج و ما جوج“..... وہ ہمارے اور تاتاریوں کے درمیان ایک مستحکم دیوار کی طرح حائل تھا جیسا کہ ہمارے اور یا جوج ما جوج کے مابین سد سکندری حائل ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج: ۷، ص: ۱۵۴)

— — — — —

## حواشی و حوالہ جات

- ① سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۲..... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ و فیات ۶۲۸ ھ حرف جیم
  - ② تاریخ خوارزم شاہی، ص ۱۱
  - ③ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۲۲..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۵..... خوارزم شاہی ص ۱۶۸
  - ④ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶
  - ⑤ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۹
  - ⑥ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۸۱، ۲۸۲..... خوارزم شاہی ص ۱۵۸
  - ⑦ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۱۳، ۳۱۴..... خوارزم شاہی، ص ۱۹۱ تا ۱۹۲
  - ⑧ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۵۵..... خوارزم شاہی، ص ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۲۴
  - ⑨ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶
  - ⑩ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۱۳..... خوارزم شاہی ص ۱۹۱
  - ⑪ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۰۲ تا ۲۰۴..... خوارزم شاہی ص ۱۶۰..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۰، ۳۷۱
  - ⑫ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۰
  - ⑬ افغانستان در مسیر تاریخ ص ۱۴۱..... خوارزم شاہی ص ۱۹۰، ۱۹۱..... جہاں کشاج ص ۱۱۷
  - ⑭ نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰..... ابوالفداء ج ۳ ص ۱۵۱
- سلطان جلال الدین کا خود کو ”ابن سنجر“ کہنے کا پس منظر یہ ہے کہ ان کے باپ کا لقب ”سنجر“ اور ”سکندر ثانی“ تھا۔ جیسا کہ درباری شاعر ضیاء الدین نے اپنے قصیدے میں کہا تھا:
- سلطان علاء دنیا سنجر کہ ذوالجلال      چہ از خلق برگزیدش و جاہ و جلال داد  
شاہ عجم سکندر ثانی کہ رائے او      بر فتح ملک ترک حشم را مثال داد
- ⑮ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶
  - ⑯ نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰
  - ⑰ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۲۳
  - ⑱ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۸
  - ⑲ سیرت سلطان جلال الدین ص ۲۰۴..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۱

- ⑤ العمر ج ۳ ص ۲۰۳
- ⑥ ابن اثیر ج ۷ ص ۵۹۴
- ⑦ سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۳۲۸
- ⑧ دیکھئے! البدایہ والنہایہ، ج ۷ ص ۱۲۷
- ⑨ العمر ج ۳ ص ۲۰۳
- ⑩ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۸۴.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹.....ابوالفداء ج ۳ ص ۱۵۱.....ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰
- ⑪ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۴.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹.....ابوالفداء ج ۳ ص ۱۵۱.....ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰
- ⑫ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۲ و فیات ۶۲۸ ھ حرف جیم.....سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۳۲۸
- ⑬ ابوالفداء ج ۳ ص ۱۵۱
- ⑭ نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹.....ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰.....ابوالفداء ج ۳ ص ۱۵۱

————— ❦ —————

## سلطان جلال الدین کے اپنے اور پرانے

تری بندہ پروری سے مرے دن گزر رہے ہیں نہ گلہ ہے دوستوں سے نہ شکایت زمانہ سلطان جلال الدین کے اہل خانہ، اعزہ اور متعلقین میں سے بعض کا تذکرہ اس کتاب کے گزشتہ حصوں میں منتشر انداز میں آچکا ہے۔ سلطان کے خانگی کوائف کی وضاحت اور ان کے خاندانی تعلقات کو مرتب انداز میں پیش کرنے کے لیے مناسب معلوم ہوا کہ ایک باب میں سلطان کے ان متعلقین کا تذکرہ مستقل طور پر کیا جائے۔ اس کے علاوہ سلطان کے جانثاروں اور ان کے دربار سے وابستہ اہل علم و ادب کا تعارف بھی قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ سلطان سے غداری کرنے والوں کے انجام کو درسِ عبرت کے طور پر تفصیل سے نقل کیا گیا ہے۔ آئیے! سلطان کے ان متعلقین کے حالات پر ترتیب وار نظر ڈالتے ہیں۔

### رشتہ دار

عام رشتہ دار ..... سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے اکثر رشتہ دار ان کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے، صرف اکا دکا چند اہل خاندان ہی تھے جو ان کے بعد بھی حوادثِ زمانہ دیکھنے کے لیے زندہ رہے۔ چونکہ سلطان پر خوارزم شاہی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا تھا لہذا اس عظیم خانوادے کے باقی ماندہ افراد آفاق عالم کے تاریک گوشوں میں اپنے ایامِ حیات پورے کر کے گمنامی کی حالت میں دنیا سے چلے گئے، یہ سب غربت، جلاوطنی، عزالت یا قید و بند کا شکار رہے، ان میں سے چند ایک کے سوا کسی کے حالات تاریخ کے صفحات میں محفوظ نہیں رہ سکے۔

دادی ترکان خاتون ..... سلطان جلال الدین کی دادی ترکان خاتون جس آن بان سے حکومت کرتی رہی اور جس حسرت ناک انداز میں گرفتار ہوئی وہ آپ پڑھ چکے ہیں۔

یہ بدنصیب عورت سلطان کی گمشدگی یا شہادت کے وقت بھی صحرائے گوبی میں تاتا ریلوں کی قید میں زندہ تھی، اس کے دو سال بعد ۶۳۰ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ ①

سلطان جلال الدین کے بھائی ..... سلطان کے چار بھائی تھے: قطب الدین ازلاق، آق سلطان، رکن الدین غور شاہ اور غیاث الدین بیر شاہ۔ غالباً یہ سب کے سب باپ شریک بھائی تھے، ان میں سے کوئی بھی سلطان جلال الدین کا گاہ بھائی نہیں تھا۔ قطب الدین ازلاق کو علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے جلال الدین کی جگہ ولی عہد نامزد کیا تھا، مگر موت سے قبل جلال الدین کی جانشینی بحال کر دی، جس کے باعث بعد میں قطب الدین ازلاق کے حامی امراء نے سلطان کے خلاف بغاوت کر دی۔ قطب الدین ازلاق کے حالات حصہ اول کے چوتھے باب اور حصہ دوم کے باب اول میں گزر چکے ہیں۔

آق سلطان غالباً کم عمر تھا۔ اس کے حالات کی کوئی خاص تفصیل نہیں ملتی۔ انجام کار وہ بھی قطب الدین ازلاق کے ہمراہ تاتاریوں سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا تھا۔ قاضی منہاج السراج نے آق سلطان اور غیاث الدین کو ایک ہی شمار کیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

تاتاریوں سے جہاد میں رکن الدین غور شاہ نے بھرپور حصہ لیا اور مردانہ وار مقابلہ کر کے شہید ہوا۔ منہاج السراج کے بیان کے مطابق اس کا اصل نام رکن الدین غور شاستی تھا، جس کا مطلب ہے غوری شکن، دراصل یہ شہزادہ سن ۶۰۱ھ میں اس وقت پیدا ہوا تھا جب سلطان شہاب الدین غوری نے خوارزم پر فوج کشی میں ناکامی کے بعد واپسی اختیار کی تھی اس مناسبت سے اسے غوری شاستی کہا گیا جو مختصر ہو کر عام استعمال میں صرف غور شاہ رہ گیا، یہ سب بھائیوں سکیم عمر، حسین اور بلا کا ذہین و شجاع تھا۔ اس کے حالات حصہ اول کے چوتھے، دسویں اور گیارہویں باب گزر چکے ہیں۔<sup>(۲)</sup> البتہ غیاث الدین پیر شاہ کے حالات اور اس کے انجام کا تذکرہ قدرے وضاحت سے پیش خدمت ہے:

غیاث الدین ..... غیاث الدین پیر شاہ حسن و جمال کا مجسمہ، مگر ضدی اور مغرور تھا۔<sup>(۳)</sup> تاتاری حملے کے دوران وہ اپنے باپ علاؤ الدین محمد کے حکم پر شاہی خاندان کی بیگمات کے ہمراہ ماژندران کے قلعہ قارون دژ میں چھپ گیا تھا۔ بعد میں تاتاریوں نے اس قلعے پر قبضہ کر کے بیگمات اور دیگر خواتین کو گرفتار کر لیا، مگر غیاث الدین ان کے ہاتھ سے بچ کر بھاگ نکلا اور تیس مائتوں کے ساتھ ایران پہنچ گیا۔

دوران سفر ایک دن اس کے کچھ ساتھیوں نے اسے قتل کر کے اس کا سر تاتاریوں کو پیش کرنے کا منصوبہ بنایا، ان میں ایک صوفی بھی تھا جو دل سے غیاث الدین کا وفادار تھا۔ اس نے چپ چاپ سب سنا اور جب یہ سازشی لوگ سو گئے تو جا کر غیاث الدین کو جگایا اور سب کچھ سنا۔ غیاث الدین نے اسی وقت ان سازشیوں کو سوتے میں جا پکڑا اور وہیں تہ تیغ کر دیا۔ اس طرح پہنچے بچاتے وہ اصفہان پہنچ گیا، یہاں کے باشندوں نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی، خوارزمی لشکر کے کچھ منتشر سپاہی بھی اس کے گرد جمع ہو گئے۔<sup>(۴)</sup>

غیاث الدین ان کے ساتھ اصفہان کے نواحی قلعے ”ماروت“ میں قیام پذیر ہو گیا اور تاتاریوں کی یلغار تھمنے کا انتظار کرتا رہا۔ اس دوران آذربائیجان جانے والے ایک تاتاری لشکر نے قلعے کا محاصرہ کیا، مگر قلعہ اتنا مستحکم تھا کہ وہ سر توڑ کوشش کے باوجود اس پر قبضہ نہ کر سکے۔ ۶۲۰ھ تک (تقریباً تین سال تک) غیاث الدین اس قلعے میں چھپا رہا۔ تاتاریوں کا سیل بے کراں گزر جانے کے بعد اس نے تباہ شدہ مملکت کے مغربی حصے پر جو ایران و فارس کا علاقہ تھا دوبارہ قبضہ کر کے ازسرنو حکومت تشکیل دینے کی کوشش شروع کر دی۔<sup>(۵)</sup>

کچھ عرصہ گزرا تھا کہ سلطان جلال الدین ہندوستان سے لوٹ آئے اور غیاث الدین کے افسران کی حمایت سے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ غیاث الدین کو سلطان جلال الدین کی بالادستی پسند نہ تھی، اس لیے وہ سلطان کو نقصان پہنچانے یا کم از کم ان کی ماتحتی سے آزادی حاصل کرنے کا موقع تلاش کرتا رہا۔

کچھ عرصے بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے سلطان جلال الدین غیاث الدین سے سخت متنفر ہو گئے اور غیاث الدین بھی ان سے علاحدہ ہونے کے لیے پرتولنے لگا۔ ہوا یہ کہ سلطان کے خاص مصاحبین میں سے ایک شخص ملک نصرت الدین محمد نامی تھا۔ سلطان جلال الدین نے اسے اصفہان کا نگران اعلیٰ مقرر کر دیا تھا۔ ملک نصرت بڑا زندہ دل،



شجاع اور خوش طبع نوجوان تھا۔ سلطان کو اس پر بڑا اعتماد تھا۔ ⑤ (اس کی وفاداری کا ایک واقعہ ہندوستان کی مہمات کے ذیل میں گزر چکا ہے۔) انہی دنوں غیاث الدین کے بعض خدام نے اس کی ملازمت چھوڑ کر ملک نصرت کے ہاں نوکری کر لی۔ یہ بات غیاث الدین کو بہت بُری لگی اور وہ ملک نصرت سے کبیدہ خاطر ہو گیا۔ ایک دن سلطان کی موجودگی میں اس نے ملک نصرت سے باز پرس شروع کر دی کہ تم نے میرے ملازموں کو میری مرضی کے بغیر اپنے پاس کیوں رکھ لیا؟ ملک نصرت نے حسبِ عادت خوش طبعی کرتے ہوئے کہا:

”جنابِ من! ملازم اسی جگہ کام کرنا پسند کرتا ہے جہاں سے اسے سہولتیں میسر ہوں۔ وہ بھوکے پیٹ کام نہیں کر سکتے۔“

غیاث الدین نے اس فقرہ کو اپنی کھلی توہین خیال کیا اور جل بھن کر رہ گیا۔ سلطان جلال الدین کی موجودگی کے باعث وہ اپنے غصے کا اظہار نہیں کر سکتا تھا، مگر نگاہوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ سلطان نے معاملہ رفع دفع کرنا چاہا اور غیاث الدین کو ٹھنڈا کرنے کے لیے نصرت کو اشارہ کیا کہ وہ مجلس سے اٹھ کر چلا جائے۔ ملک نصرت باہر نکل گیا۔ غیاث الدین اسی وقت سے نصرت کو قتل کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔ چنانچہ اسی رات وہ چھت کے راستے ملک نصرت کے گھر میں کود گیا اور خنجر کے پے در پے وار کر کے اسے نیم جان کر دیا۔ زخموں کی شدت سے دودن بعد ملک نصرت جاں بحق ہو گیا۔

اس ظالمانہ حرکت پر سلطان جلال الدین اس قدر غضبناک ہوئے کہ غیاث الدین کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ سلطان نے اسے لکھ کر بھیجا:

”تم نے قسم کھائی تھی کہ میرے دشمن تمہارے دشمن اور میرے دوست تمہارے دوست ہوں گے۔ مقتول میرا سب سے سچا دوست اور سب سے پیارا ساتھی تھا جس کے پاس بیٹھ کر میں اپنا غم بھول جاتا تھا۔ تم نے اسے ظلماً قتل کیا ہے، تم غدار، وعدہ خلاف، بدعہد اور خائن ہو۔ بہر کیف تم سے قانونی معاملہ کرنے کی قسم میرے ذمے ہے۔ اس لیے میں اس حال میں بھی وہی فیصلہ کروں گا جو شرعی عدالت طے کرے گی۔ اب مقتول کے بھائی کا عدالت میں سامنا کرو۔ اس نے چاہا تو معاف کر دے، چاہے تو قصاص لے۔“

سلطان کے اس ردِ عمل کے بعد غیاث الدین کو اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ مقدمے کا فیصلہ ہوتا قضاۃ الہی سے اصفہان کی لڑائی پیش آ گئی۔ عام حالات میں غیاث الدین کے پاس فرار کا کوئی راستہ نہ تھا، مگر میدانِ جنگ سے بھاگتے ہوئے اسے یقین تھا کہ اس نازک حالت میں سلطان کے سپاہی دشمن کا مقابلہ چھوڑ کر اس کا تعاقب نہیں کریں گے، چنانچہ وہ میدانِ جنگ سے فرار ہو گیا۔

النسوی نے انکشاف کیا ہے کہ وہاں سے بھاگ کر پہلے اُس نے خلیفہ بغداد خوشنودی حاصل کرنے اور دربارِ خلافت کو سلطان کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی۔ اس نے دربارِ خلافت میں عریضہ پیش کیا کہ فدوی مدتِ دراز تک خلافت مآب کے شہروں کا ہمسایہ رہا اور ہمیشہ حق ہمسائیگی کی رعایت کرتا رہا، مگر جب سے میرا بھائی جلال الدین ہندوستان سے واپس آیا ہے وہ دربارِ خلافت کی سرحدوں پر حملے کیے جا رہا ہے، پس جلال الدین کے مقابلے میں میری مدد کر کے اس کے مقبوضات مجھے واپس دے جائیں۔“ خلیفہ نے اس کو اچھی امید دلا کر رخصت کیا تو وہ حسین

مستقبل کے سپنے دیکھتا ہوا، باطنیوں کے مرکز ”الموت“ چلا گیا۔<sup>⑧</sup>

کچھ عرصہ تک وہ حاکم الموت علاؤ الدین کے پاس رہا۔ بعد میں جب سلطان جلال الدین نے الموت کے نواح میں جنگی مہمات شروع کیں تو علاؤ الدین گھبرا گیا کہ سلطان کے دشمن کو پناہ دے کر خود نہ پھنس جاؤں، اس نے سلطان سے سفارش کی کہ غیاث الدین کو معاف کر دیا جائے، وہ اسے خدمتِ سلطانی میں واپس بھیج رہا ہے۔ سلطان نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ اس دعا باز بھائی کو معاف کر دیا اور اطمینان دلانے کے لیے حلف بھی اٹھایا کہ غیاث الدین کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اس یقین دہانی کے بعد غیاث الدین الموت سے نکلا مگر راستے میں مختلف شکوک کا شکار ہو کر سلطان کے پاس جانے کی بجائے کرمان کے حاکم براق حاجب کی پناہ میں چلا گیا۔ اس بھاگ دوڑ میں اس کی ماں بھی اس کے ساتھ ساتھ تھی۔<sup>⑨</sup> نیز اپنی جہان پہلوان اور کریم الشرق نامی دو خوارزمی مصاحب بھی برابر اس کا ساتھ دے رہے تھے۔

براق حاجب نے چند روز تک غیاث الدین کی خوب آؤ بھگت کی، لیکن جلد ہی اس کے بدلتے تیور دیکھ کر شہزادے کو احساس ہوا کہ وہ ایک بے رحم درندے کی قید میں آچکا ہے۔ براق حاجب درحقیقت خوارزم شاہی خاندان کا دشمن تھا اور ان کا نام و نشان مٹا کر اپنی علاحدہ سلطنت کی بنیاد ڈالنا چاہتا تھا، اس لیے اپنا مرتبہ بڑھانے کے لیے اس نے غیاث الدین کی ماں سے جو کہ سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی بیگمات میں سے بچ جانے والی واحد خاتون تھی، اور اب اپنے بیٹے کے ساتھ اسکی مہمان بنی ہوئی تھی، زبردستی نکاح کر لیا۔ غیاث الدین اس پر بڑا تمسلیا، مگر مجبوری کی بناء پر کچھ نہ کر سکا۔

چند دن کے بعد براق حاجب کے دو خاص مصاحبین شہزادے کے پاس آئے اور اسے اس بات پر آمادہ کرنے لگے کہ وہ براق کا تختہ اُلٹنے کی کوشش کرے۔ ہر چند کہ انہوں نے شہزادے کو اپنے تعاون اور اس مہم کی کامیابی کا یقین دلایا، مگر شہزادے نے آمادگی ظاہر نہ کی۔ اتفاق سے شہزادے کے ایک بے وفا خادم نے اس رازدارانہ گفتگو کے چند ادھورے جملے سن لیے اور براق سے یہ کہہ دیا کہ شہزادہ اور اس کے مصاحبین و خدام بغاوت کی سازش کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی براق کے جذبہٴ بہیمیت نے انگڑائی لی۔ اس نے بلا تحقیق و تفتیش شہزادے کو ایک قلعے میں قید کر دیا۔ اس پر الزام عائد کیا کہ وہ اسے زہر دینے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ اس کے مصاحبین اور نوکروں چاکروں کو بلوا کر ان سے بغاوت کے جرم کا زبردستی اقرار کرانا چاہا تھا۔ انکار کرنے پر ان سب کے ٹکڑے اُڑا دیے۔ ان میں کریم الشرق اور اپنی جہان پہلوان بھی شامل تھے۔

ان سب کو ٹھکانے لگانے کے بعد شہزادے کو بھی موت کے تختے پر لا کھڑا کیا گیا۔ شہزادہ بہت چنچا چلایا، منت سماجت کی، مگر اس سنگ دل پر کوئی اثر نہ ہوا اور بلاتامل اس نے شہزادے کو موت کی نیند سلا دیا۔ بیٹے کی چیخ و پکار ماں کے کانوں تک پہنچ چکی تھی۔ وہ بے چاری حواس باختہ ہو کر رونے پڑنے لگی، براق حاجب نے غصے کے عالم میں اسے بھی باریحیات سے سبکدوش کر دیا۔<sup>⑩</sup>

یہ سفاکانہ کارنامے انجام دینے کے بعد بد فطرت براق حاجب نے سلطان جلال الدین کو خط لکھا: ”میں نے سلطان عالی قدر کی ایک عظیم خدمت یہ انجام دی ہے کہ ان کے سب سے بڑے دشمن (غیاث الدین) کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔“<sup>⑪</sup>

سلطان کی بہنیں ..... کتب تاریخ کی ورق گردانی سے سلطان کی تین بہنوں کا پتہ چلتا ہے۔

بہلی بہن..... ان میں سے ایک وہ تھی جو بعد میں خوارزمی دربار کے امیر مغان طائمی کی شریک حیات بنی اور اسی کی سفارش پر ایک بار سلطان جلال الدین نے مغان طائمی کا جرم بغاوت معاف کر دیا تھا۔<sup>(۱۲)</sup> اس بہن کے دیگر کوائف معلوم نہیں ہو سکے۔

دوسری بہن..... شاہ مصر سیف الدین قطر کی ماں، دوسری بہن بھی گمنام تھی جس کا نکاح مودود نامی کسی شخص سے ہوا تھا، اس کا بیٹا محمود بن مودود ایک قابل سالار بنا اور سیف الدین قطر کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی نے مصر کا تخت و تاج سنبھال کر ۶۵۸ھ میں تاتاریوں کو عین جالوت کی لڑائی میں تاریخی شکست دی تھی۔<sup>(۱۳)</sup>

مذکورہ دونوں بہنوں کے نام کیا تھے، یہ سبکی تھیں یا سوتیلی؟ اور سلطان کے بعد ان پر کیا گزری..... اس بارے میں تاریخ خاموش ہے۔

تیسری بہن، شہزادی خان سلطان..... شہزادی خان سلطان جس کا ذکر اس کتاب کے بعض گوشوں میں گزر چکا ہے سلطان جلال الدین کی سوتیلی بہن تھی۔ یہ وہ خاتون تھی جس نے اپنی زندگی میں حوادث و مصائب کے طوفانوں کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ محرومیاں اور ناکامیاں اسے ڈستی رہیں، مگر وہ ہر اذیت کو برداشت کرنے اور ہر تکلیف پہننے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اس نے بے وطنی اور قید و بند میں فہم و فراست، حسن تدبیر اور خداداد توفیق سے تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دے کر قوم تاتار کی کا یا پلٹنے میں اہم کردار ادا کیا۔

شہزادی کی ابتدائی عمر تو بڑے عیش و آرام اور چین و اطمینان سے گزری، مگر شادی کے بعد اس کی محرومیوں کا دور شروع ہو گیا۔ اس کی شادی کا قصہ یہ تھا کہ اس کے والد علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے جب ترکان خطا کے خلاف جہاد شروع کیا تو اسی سلسلے میں اس نے سمرقند پر حملے کا ارادہ کیا جو اس وقت ترکان خطا کا گڑھ تھا۔ سمرقند کا کٹھ پتلی مسلمان حاکم عثمان خان جو خطائیوں کے ماتحت وہاں مسند نشین تھا خود بھی ان کافروں سے تنگ تھا، اس لیے اس نے از خود سلطان علاؤ الدین محمد کو سمرقند پر حملے کی راہ دکھائی اور شہر کے دروازے کھول دیے۔ خوارزم شاہ نے سمرقند پر قبضے کے بعد عثمان خان کی خدمات کے اعتراف میں شہزادی خان سلطان اس کے نکاح میں دے دی۔

یہ شادی خوارزم کے دار الحکومت اور گنج میں بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ عثمان خان نہایت خوبصورت جوان تھا، حسن کا یہ عالم تھا کہ جب اور گنج پہنچا تو لوگ اسے دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔

خوارزم شاہ نے عثمان خان کو دو برس تک شاہی محل میں مہمان رکھا۔ بعد ازاں سمرقند کی ولایت اسے دوبارہ تفویض کرتے ہوئے اپنی بیٹی کو اس کے ساتھ رخصت کر دیا، مگر شہزادی عثمان خان کے گھر میں خوش نہ رہ سکی۔ عثمان خان کا رویہ اس کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ جوں جوں دن گزرتے جا رہے تھے عثمان خان کی ترش روی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ شہزادی حیران تھی کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ دراصل شہر میں تعینات خوارزمی سپاہیوں کی سخت گیری نے عثمان خان کو خوارزمیوں سے متنفر کر دیا تھا اور وہ اپنے غصے کی بھڑاس اپنی بیوی پر نکال رہا تھا۔

کچھ عرصے بعد عثمان خان نے اپنے ترکان خطا سے باقاعدہ ساز باز کر لی۔ ترکان خطا کے سردار گور خان کی بیٹی کا رشتہ ملنے کی دلکش پیش کش کو سامنے رکھتے ہوئے ایک دن عثمان خان نے سمرقند میں موجود خوارزمی دستے کو قتل کرا دی، ان کی لاشوں کے ٹکڑے کر کے شہر کے بازاروں اور چوکوں میں لٹکا دیے گئے اور ترکان خطا کے تسلط کی راہ ہموار کر دی

گئی۔ شہزادی خان سلطان کو اس حادثے کا علم ہوا تو اس نے ایک اطلاعی خط ایک وفادار خادم کو دے کر اسے فی الفور اور گنج روانہ کر دیا۔

ادھر عثمان خان شہر میں موجود خوارزمیوں کو قتل کرنے کے بعد اپنے محل میں آدھکا، وہ شہزادی کو قتل کرنا چاہتا تھا شوہر کے چہرے پر بہیمانہ غصے کے آثار دیکھ کر شہزادی نے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا، کچھ باندیاں بھی مالکن کو بچانے کے لیے سامنے آ گئیں۔ شہزادی نے ان کے ذریعے شوہر کو کہلوا یا:

”میرے بارے میں خدا کا خوف کرو..... میں عورت ذات ہوں، مجھے قتل کرنا تمہارے لیے ذلت کی بات ہوگی۔ تمہارے پاس کوئی ایسا جواز بھی نہیں کہ جس کی وجہ سے مجھ پر ہاتھ اٹھایا جائے۔ سوچو تو مجھ سے درگزر کرنا ہی انجام کے لحاظ سے بہتر معلوم ہوگا۔“

عثمان خان کافی دیر تک بکتا جھکتا رہا، آخر غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا تو قتل کے ارادے سے باز آ گیا، تاہم اب ساتھ بھانا دونوں کے لیے ناممکن تھا۔

چند ہی روز میں دارالحکومت سے خوارزمی سپاہ کے تازہ دم دستوں نے سمرقند پہنچ کر بغاوت کو کچل دیا۔ بے شمار باغی قتل ہوئے۔ عثمان خان کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اپنی رخصتی کے ایک برس بعد خان سلطان بیوہ ہو کر اپنے باپ کے گھر لوٹ آئی۔<sup>(۱۳)</sup>

باپ کے گھر آنے کے بعد بھی اسے چین کے زیادہ دن گزارنے کا موقع نہ مل سکا اور کچھ عرصے بعد تاتاری یلغار کے سیلاب نے ایوان خوارزم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ خوارزم شاہ نے اپنے خاندان کی مستورات کو ماژندران کے قلعوں میں چھوڑ کر خود بحیرہ خزر میں پناہ لی۔ اس کے روپوش ہونے کے بعد جب تاتاری ان قلعوں پر قابض ہوئے تو وہاں موجود شاہی خاندان کی مستورات کو جن میں شہزادی خان سلطان بھی شامل تھی گرفتار کر کے تاتاری شہزادوں اور سرداروں میں تقسیم کر دیا گیا۔<sup>(۱۴)</sup>

اس شہزادی کو چنگیز خان کے بڑے بیٹے جو جی نے (جسے مؤرخین نے جوچی، زوچی، توشی اور دوشی کے الفاظ سے بھی یاد کیا ہے) اپنے لیے پسند کر لیا اور یوں یہ خانماں برباد شہزادی ایک ایسے آہنی قفس میں آ گئی جس سے آزادی حاصل کرنا اس کے لیے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ شہزادی کے لطن سے جو جی خان کی اولاد بھی ہوئی۔

چند سالوں بعد جو جی خان تو مر گیا مگر شہزادی اس قید سے نہ نکل سکی۔ ان حالات میں بھی اس نے بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینے کا سلسلہ جاری رکھا جس کی اسے تاتاریوں کی طرف سے جازت دے دی گئی تھی۔<sup>(۱۵)</sup>

کلام اللہ کے اثرات سے تاتاریوں کے شاہی خاندان کی نئی نسل تدریجاً متاثر ہوتی رہی۔ بعد میں جو جی خان کی اولاد کو جب اسلام کے خاموش اور گمنام مبلغین سے واسطہ پڑا تو وہ فوراً اسلام لے آئے۔ تاتاریوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا اعزاز جو جی خان ہی کے بیٹوں میں سے ایک شہزادے برک خان کو حاصل ہے۔<sup>(۱۶)</sup>

سلطان کی ازواج..... زندگی کے مختلف ادوار میں سلطان جلال الدین نے متعدد نکاح کیے تھے۔ دریائے سندھ کی لڑائی کے وقت انہوں نے اپنی جن بیگمات کو تاتاریوں کے چنگل سے بچانے کے لیے دریائے سندھ کو دیا تھا ان کے کوائف معلوم نہیں ہو سکے۔

ان کے علاوہ سلطان کے دیگر نکاحوں کے متعلق جو تفصیل معلوم ہوئی وہ یہ ہے:

**1.....** سلطان نے غزنی میں امین الملک کی بیٹی سے نکاح کیا تھا <sup>(۱۸)</sup> اور یہ وہ واحد ملکہ تھی جو دریائے سندھ کے معرکے میں دشمن کے محاصرے سے نکل کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اس کے حالات کی تفصیل ہندوستان کے معرکوں کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ <sup>(۱۹)</sup>

**2.....** ہندوستان میں فتوحات کے دوران سلطان نے راجہ کھوکھر سنگھ کی خواہش پر اس کی بیٹی سے نکاح کیا تھا۔ <sup>(۲۰)</sup>

**3.....** ہندوستان سے سلطان کی واپسی پر کرمان میں براق حاجب نے بغاوت سے تائب ہونے اور اظہار اطاعت کرنے کے موقع پر اپنی دختر سلطان کے نکاح میں دے دی تھی۔ <sup>(۲۱)</sup>

**4.....** سعد بن زنگی (والی شیراز) نے سلطان کی شیراز آمد کے موقع پر اپنی بیٹی سلغوری خاتون کو سلطان کے رشتہ از دواج سے منسلک کر دیا تھا۔ <sup>(۲۲)</sup> اس کے بطن سے سلطان کی ایک بیٹی ہوئی۔ یہ بیگم ۶۲۳ھ میں عین اسی دن فوت ہوئی جس دن سلطان کا امیر اور خان نیشاپوری باطنیوں کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔

اس کے بعد ۶۲۵ھ میں جب سلطان تاتاریوں سے جہاد کے لیے اصفہان میں رکے ہوئے تھے، سعد بن زنگی نے اپنی دوسری بیٹی سلطان کے نکاح میں دے دی۔ (سیرۃ جلال الدین ص: ۲۷۸)

آخر وقت تک یہ بیگم سلطان کے ساتھ ہی تھی۔ سلطان نے آخر میں تاتاریوں سے بچانے کے لیے اپنے چند خواص کے ساتھ نامعلوم مقام کی طرف روانہ کر دیا تھا، یہ بیگم سلاجقہ روم کے علاقے میں پہنچ کر وہیں مقیم رہی اور بعد میں اپنے رشتہ داروں کے پاس شیراز آ گئی۔ <sup>(۲۳)</sup>

**5.....** تبریز کے حاکم ازبک مظفر بن بہلوان کی بیوی بیگم بنت طغرل نے اپنے شوہر سے طلاق ثابت ہو جانے پر از خود سلطان سے نکاح کی درخواست کی تھی جسے سلطان نے قبول کر لیا تھا <sup>(۲۴)</sup> مگر حاسدین اور سازشی عناصر کی خفیہ چالوں کے باعث رخصتی کے چند سال بعد سلطان اور بیگم بنت طغرل میں ناچاقی پیدا ہو گئی۔

چونکہ سلطان کی نجی زندگی کے اس واقعے کی کڑیاں دولکوں کی سیاست سے جا ملتی ہیں، اس لیے ہم سلطان کی اس زمرہ کے حالات کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کرتے ہیں۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ سلطان جلال الدین نے نکاح کے بعد اپنی ملکہ بیگم بنت طغرل کو اس کی ذاتی جاگیر خوی میں سکونت پذیر کر کے اس علاقے کا اقتدار اسی کے پاس رہنے دیا تھا۔ بعد ازاں سلطان نے مزید عنایت کرتے ہوئے سلماس اور ارمیہ کے علاقے بھی اس کی جاگیر سے ملحق کر دیے تھے۔ ملکہ کی سہولت کے لیے سلطان نے اپنے وزیر سلطنت شرف الملک کو دیگر فرائض منصبی کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ ملکہ کے مشیر کا عہدہ بھی دے دیا تھا۔ کچھ عرصہ تک شرف الملک یہ خدمت ٹھیک ٹھاک انجام دیتا رہا اور سلطان کے تعلقات بھی ملکہ کے ساتھ خوش گوار رہے۔

۶۲۳ھ میں جب سلطان عراق، عجم اور فارس کے میدانوں میں تاتاریوں سے جنگ میں مشغول تھے، وزیر اعظم کو کھل کر اپنی من مانی کرنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ ایک طرف تو اس نے عوام کے مال پر وہ دست درازیاں کیں کہ عوام جلا اٹھے اور دوسری طرف ملکہ بنت طغرل کے داخلی امور میں بے جا روک ٹوک شروع کر دی۔ یہ سلوک سلجوقی فرمانروا

کی ناز پروردہ بیٹی کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ شرف الملک اور ملکہ میں کشیدگی دن بدن بڑھتی گئی۔ سیاست کے ماہر وزیراعظم نے یہ سوچ کر کہ کہیں ملکہ محاذ جنگ پر مصروف سلطان کو میری حرکات سے باخبر نہ کر دے، خود پہل کرتے ہوئے سلطان کے سامنے ملکہ کے خلاف شکایات کا طومار باندھ دیا۔ اس نے ملکہ پر نہ صرف سلطان سے بے وفائی کی تہمت لگائی، بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ ”تبریز میں رونما ہونے والی بغاوت میں ملکہ کا بڑا ہاتھ تھا، دراصل وہ نہیں چاہتی کہ تبریز پر اس کے سابقہ شوہر کے وفاداروں کے سوا کسی اور کو حکومت کا موقع ملے۔“<sup>(۱۵)</sup>

سلطان کو شرف الملک پر از حد اعتماد تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اپنی پرکاری و ہوشیاری کے باعث شرف الملک اپنی بدترین فریب کاریوں پر بھی وفاداری و فرض شناسی کے دبیز پردے ڈالے ہوئے تھا جس کی وجہ سے سلطان جلال الدین اپنے فہم و فراست کے باوجود اس کی خفیہ سازشوں کا ادراک نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ ملکہ کے متعلق شرف الملک کے بیان پر سلطان نے رد و کد نہ کی اور اس الزام پر یقین کر لیا۔ دوسری طرف شرف الملک نے ملکہ کو بھی سلطان سے بدل کرنے کی کوشش شروع کر دی تاکہ میاں بیوی کی باہم ملاقات اور تصفیے کی نوبت ہی نہ آنے پائے اور اس کی سیاہ حرکات پر پردہ پڑا رہے۔ اسکی کوششیں یہاں بھی کامیاب رہیں اور ملکہ بھی اپنے سادہ لوحی کی بناء پر وزیراعظم کے جال میں پھنس کر سلطان سے نہایت مایوس اور خستہ خاطر ہو گئی۔ وزیراعظم کی لگائی بجھائی سے وہ اس قدر متاثر ہوئی کہ سلطان سے متعلق اس کے خیالات یکسر تبدیل ہو گئے۔ اس کے حزن و ملال اور حسرت و غم کی آگ روز بروز تیز ہوتی گئی۔

دوسری طرف سلطان جلال الدین ایک طویل مسافت پر جنگی مہمات میں اس قدر منہمک تھے کہ انہیں ایک عرصے تک ملکہ سے رابطہ قائم کرنے کی فرصت ہی نہ مل سکی۔ سلطان کی یہ بے اتفاقی بھی ملکہ کی ذہنی اذیت میں مسلسل اضافے کا سبب بنتی رہی۔ اپنی آرزوں کا شیش محل کرچی کرچی ہوتا دیکھ کر ملکہ نے سلطان جلال الدین اور ان کے اہلکاروں سے لاتعلقی ہو جانے کا تہیہ کر لیا۔ سلطان سے اس کی محبت اب تدریجاً نفرت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ لہذا وہ خوی میں واقع اپنے مسکن کو خیر باد کہہ کر ”ارمیہ“ چلی گئی اور وہاں کی جھیل کے درمیان واقع ایک محفوظ بلند پہاڑی قلعے میں فروکش ہو گئی۔

شرف الملک نے اس موقع کو غنیمت جانا اور خوی میں موجود ملکہ کے ساز و سامان اور مال و دولت کے خزانے سمیٹنے میں دیر نہ لگائی۔ ملکہ نے اس وقت نہایت بے چین ہو کر اپنے قاصد کی معرفت وزیراعظم سے درخواست کی کہ وہ اس کے مال و اسباب سے تعرض نہ کرے، مگر وزیراعظم نے ملکہ کے اس جائز مطالبے کو قابل توجہ نہ سمجھا۔ آخر ملکہ نے یہ التماس کی کہ کم از کم اسے سلطان کی خدمت میں بھیج دیا جائے، مگر وزیراعظم نے اس پر بھی کان نہ دھرا اور حسب سابق ملکہ کو دھمکی آمیز پیغامات ارسال کر کے اس سے یہی مطالبہ کرتا رہا کہ وہ غیر مشروط طور پر قلعہ سے باہر آ کر اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے۔

ملکہ جس مقام پر قلعہ بند تھی، اس سے کچھ فاصلے پر شام کے سلطان الملک الاشرف موسیٰ کے عملداری شروع ہو جاتی تھی اور اس کا مضبوط ترین قلعہ خلاط وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ الملک الاشرف اور سلطان جلال الدین کے تعلقات ایک عرصے سے کشیدہ چلے آ رہے تھے، چونکہ ملکہ اب دیگر خوارزمی عمال کے علاوہ خود سلطان جلال الدین سے بھی بددل ہو چکی تھی، اس لیے ان حالات میں اسے یہی مناسب معلوم ہوا کہ اس سرزمین کو چھوڑ کر اپنے پڑوسی حکمران الملک الاشرف کی پناہ حاصل کر لے۔ اپنے اس عاجلانہ اور جذباتی فیصلے پر عملدرآمد کے لیے اس نے خفیہ طور پر الملک

الاشرف کے نائب، حاکم خلاط حاجب علی سے مراسلت کر کے اسے سرحد عبور کر کے اس طرف آنے کی دعوت دی۔  
شام کا ارباب اقتدار طبقہ سلطان جلال الدین کو اپنا سخت ترین حریف تصور کرتا تھا اور انہیں زک پہنچانے کے لیے موقع کی تلاش میں رہتا تھا۔ ملکہ کے پیغام سے اس طبقے کو خوارزمی ایوان کی تذلیل کا ایک سنہرا موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ حاجب علی تمام قوانین اور حدود کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سرحدیں عبور کر کے ملکہ کے پاس آن پہنچا اور سلطنت خوارزم سے اس کی علاحدگی کے فیصلے کو سراہتے ہوئے اسے اس کے ساز و سامان سمیت اس پہاڑی قلعے سے نکال کر خلاط لے گیا۔<sup>(۷۵)</sup>

کتب تاریخ سے ملکہ کے حالات کا اس کے بعد کچھ پتہ نہیں چلتا۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ آخر تک الملک الاشرف کی سلطنت میں پناہ لیے رہی اور سلطان جلال الدین سے اس کے تعلقات پھر استوار نہ ہو سکے۔  
ملکہ بیگم بنت طغرل کا اس طرح دیا ر غیر کو سدھار جانا خوارزمی ایوان کی سخت توہین تھی۔ غیور اور باحمیت سلطان جلال الدین کو اس حادثے سے جو دھچکا لگا ہوگا اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ اس سانحے کے اثرات تاریخ پر نمایاں ثبت نظر آتے ہیں۔ وزیر اعظم کی فریب کاری، ملکہ کی حماقت اور شام کے ارباب حل و عقد کی چیرہ دستی سے نمود پذیر ہونے والا یہ قضیہ آئندہ کے لیے دو اسلامی سلطنتوں میں دشمنی کے اضافے کا سبب بن گیا جس کی وجہ خوارزمی اور شامی فوجوں کے درمیان کئی خوں ریز جنگوں کی نوبت آئی۔ یہی واقعہ آگے چل کر خلاط پر سلطان کے بار بار حملوں اور آخر کار وہاں پر قبضے کا سبب بنا۔

**6.....** ان کے علاوہ سلطان کو شاہ ہندوستان شمس الدین التمش نے بھی داماد بنانا چاہا تھا اور خانسری کی جنگ کے بعد معاہدہ صلح کو موکد کرنے کے لیے اپنی لڑکی سلطان کے عقد میں دینے کی پیش کش کی تھی۔<sup>(۷۶)</sup>  
مگر سیر و تاریخ میں یہ کہیں واضح نہیں ہوا کہ آیا یہ نکاح ہوا بھی تھا یا نہیں۔ بظاہر یہی دکھائی دیتا ہے کہ رشتے کی بات طے تو ہو گئی تھی مگر اس کے بعد دونوں حکمرانوں کے تعلقات پھر اس قدر کشیدہ ہو گئے کہ رشتے داری کی جگہ کشاکشی کی نوبت آ گئی اور اسی وجہ سے سلطان جلال الدین کو دل شکستہ ہو کر ہندوستان سے واپس جانا پڑا۔

سلطان کی ازواج کا انجام ..... سلطان کے بعد ان کی بیگمات کا کیا حال ہوا؟ تاریخ جہاں کشاکش کے حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بیگم سلغوری خاتون جو آخر تک سلطان کے ہمراہ تھی، چند خواص کے ساتھ سلاطین روم کی سلطنت سے ہوتی ہوئی شام پہنچ گئی تھی۔ بعد میں اس کے بھائی حاکم شیراز ابو بکر بن سعد نے اسے اپنے ہاں بلوایا، اس طرح اس کی بقیہ زندگی عزت و آرام سے گزر گئی۔<sup>(۷۷)</sup> تاریخ جہاں کشاکش کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی سالار جرمانوں نے سلطان کی بعض بیگمات کو گرفتار کر لیا تھا۔ اس کے بعد ان پر کیا بیتی ہو گئی، یہ اللہ علیم و خیر ہی بہتر جانتا ہے۔<sup>(۷۸)</sup>

سلطان کی اولاد ..... دریاے سندھ کے معرکے سے قبل بھی سلطان صاحبِ اولاد تھے۔ اس معرکے میں ان کا ایک سات سالہ بیٹا گرفتار ہو گیا تھا۔ چنگیز خان کے حکم سے اس معصوم کو شہید کر دیا گیا۔<sup>(۷۹)</sup> بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سلطان کے اور بھی بچے تھے جن میں سے بعض شیر خوار تھے۔ یہ سب کے سب تاریخیوں کے ہاتھوں اس معرکے میں شہید ہو گئے تھے۔<sup>(۸۰)</sup> ان میں سے کسی بچے کوائف معلوم نہیں ہو سکے۔

حادثہ سندھ کے بعد کی زندگی میں سلطان کے ہاں ایک لڑکے قیہ قار شاہ اور ایک لڑکی ترکان خاتون کا ذکر ملتا

ہے۔ قیصر شاہ تین برس عمر پا کر خلاط کے محاصرے کے دوران فوت ہو گیا <sup>(۳۱)</sup> اور ترکان خاتون سلطان جلال الدین کی شہادت کے بعد تاتاریوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئی۔ <sup>(۳۲)</sup>

ترکان بنت سلطان جلال الدین ..... سلطان کی تمام زینہ اولاد ان کی زندگی ہی میں دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔ البتہ ان کی ایک کم سن بچی زندہ تھی جس کا نام اس کی دادی کے نام پر ”ترکان“ رکھا گیا تھا۔ سلطان کی گمشدگی کے بعد جب جرمانوں نے سلطان کی بیگمات کو گرفتار کیا تو یہ بچی بھی اس کے ہاتھ لگ گئی۔ اس کی عمر اس وقت دو برس تھی۔ جرمانوں نے اسے سلطنت تاتار کے خاقان اوکتائی بن چنگیز خان کی خدمت میں بھجوایا۔ اوکتائی خان کے حکم سے اس بچی کی پرورش کی گئی۔

جب وہ جوان ہوئی تو اسے ہلاکو خان کے حوالے کر دیا گیا۔ ہلاکو خان نے بغداد پر حملے سے کچھ عرصہ قبل ترکان خاتون کو موصل کے مسلمان حاکم کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اپنے بیٹے ملک صالح سے اس کا نکاح کر دے۔ چنانچہ ۶۵۵ھ میں ان کا نکاح بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ <sup>(۳۳)</sup>

### سلطان کے جانشین اور وفادار ساتھی

تیمور ملک ..... تیمور ملک خوارزم کے شمال مشرقی سرحدی شہر قندکاکا حاکم تھا۔ وہ پہلا مرد مجاہد تھا جس نے تاتاریوں کا سرحد پر مردانہ وار مقابلہ کیا اور مٹھی بھر جانباڑوں کے ساتھ کئی ماہ تک ان کے سیلاب کو روکے رکھا جس کی تفصیل کتاب کے پہلے حصے میں آچکی ہے۔

قندکاکا کی طویل معرکہ آزمائی کے بعد تیمور ملک فرار ہو کر دارالحکومت اورگنچ پہنچ گیا <sup>(۳۴)</sup> جب علاؤ الدین خوارزم شاہ کی وفات کے بعد سلطان جلال الدین نے نئے حکمران کی حیثیت سے پایہ تخت میں قدم رکھا تو تیمور ملک ان کے استقبال اور حمایت میں پیش پیش تھا <sup>(۳۵)</sup> اور گنچ سے نکل کر سلطان خراسان روانہ ہوئے تو تیمور ان کے ہراول کی قیادت کر رہا تھا۔ <sup>(۳۶)</sup> دریائے سندھ کی تاریخی جنگ میں وہ آخر تک سلطان کے شانہ بشانہ لڑتا رہا اور سلطان کے دریا میں چھلانگ لگانے کے بعد جو بہادر سپاہی دریایا عبور کر کے سب سے پہلے سلطان تک پہنچے ان میں تیمور بھی شامل تھا۔ <sup>(۳۷)</sup>

اس کے بعد سے سلطان کی گمشدگی تک تیمور کے حالات کا کوئی سراغ نہیں ملتا مگر ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ حسب سابق سلطان کے ہمراہ جہادی مہمات انجام دیتا رہا ہوگا۔

بہر حال ایک وقت ایسا آیا کہ حالات کی اصلاح سے ناامید ہو کر وہ درویشوں کے بھیس میں ملک شام کی روانہ ہو گیا اور ایک طویل عرصہ وہیں گزارا۔ تاریخی روایات اس ہجرت کے وقت کا تعین بھی نہیں کر پاتیں، تاہم قرین قیاس یہی ہے کہ ایسا سلطان جلال الدین کی گمشدگی کے بعد ہوا ہوگا۔ کیونکہ سلطان کے باقی ماندہ اکثر ساتھی اور امراء ان کی گمشدگی کے بعد اسی طرح ہمسایہ اسلامی ممالک کی طرف ہجرت کر گئے تھے اور ان کی زیادہ تعداد نے شام و مصر کا رخ کیا تھا۔

دراصل تاریخ نویس قوت قدسے ٹکٹے کے بعد تیمور کے حالات کو محفوظ نہیں کر سکے، تاریخ جہاں کشاجوینی اور روضۃ الصفا جیسی کتب میں بھی معرکہ قندکاکا کی تفصیل کے بعد اگلا منظر تیمور کے شام ہجرت کر جانے کا ہے۔

تاریخ ہمیں یہ منظر دکھاتی ہے کہ چنگیز خان کے بیٹے اوکتائی خان کے دور حکومت میں وطن کی محبت سے مجبور ہو کر تیمور ملک شام سے دوبارہ اپنے دیس میں آتا ہے اور سب کچھ بدلا ہوا پاتا ہے۔ سمرقند و بخارا جیسے عظیم الشان شہروں کی



جگہ اب معدودے چند افراد پر مشتمل بستیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ تیمور ملک اپنے اعزہ و اقارب کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا کہ شاید ان میں سے کوئی خوش قسمت زندہ بچ گیا ہو۔ اس نے کئی سال فرغانہ میں گزراے اور اس دوران بار بار قوتقد کا خفیہ دورہ کر کے اپنے اہل و عیال کی پوچھ گچھ کرتا رہا۔

آخر کار وہ اپنے ایک بیٹے کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گیا جو قوتقد پر تاتاریوں کے حملے کے وقت شیر خوار تھا۔ موقع پا کر تیمور ملک اپنے بیٹے سے ملا اور پوچھا:

”اگر تم اپنے باپ کو دیکھ لو تو پہچان لو گے؟“

بیٹے نے جواب دیا: ”جس وقت میں دودھ پیتا بچہ تھا میرا باپ مجھے چھوڑ گیا تھا، اب میں بھلا اسے کیسے پہچان سکتا ہوں؟ ہاں! ہمارا ایک بوڑھا غلام ہے جو اسے پہچانتا ہے۔“

غلام کو بلایا گیا۔ اس نے تیمور ملک کو نور سے دیکھا اور پہچان لیا کہ راہِ خدا میں جہاد کے لیے گھربار تاج دینے والا اس کا مہربان آقا برسوں بعد اس کے سامنے کھڑا ہے۔ بیٹے کے لیے بھی اپنے گمشدہ باپ سے یوں اچانک ملاقات اس کی زندگی کا سب سے خوش گوار اور عجیب ترین واقعہ تھی۔ ایسے نامور باپ پر اسے جتنا بھی فخر ہوتا کم تھا۔

تیمور کو بیٹے کے ساتھ سکون کے زیادہ دن نصیب نہ ہوئے، کچھ دنوں بعد اسے خاقان وقت اوکتائی خان کے دربار میں طلب کر لیا گیا، یہ مسافر بے نوا وہاں پہنچا۔ اوکتائی خان کو تیمور کے متعلق اطلاع پہنچ چکی تھی۔ اس نے تیمور سے پوچھ گچھ کی۔ شیردل تیمور ملک نے اپنی اصلیت کو نہ چھپایا اور کھل کر بیباکی اور جرأت کے ساتھ اپنے جہادی کارنامے سنائے۔ تیمور کے تیرے کا نا ہونے والا تاتاری بھی اسے پہچان چکا تھا۔ اوکتائی خان کو تیمور ملک کے ہاتھوں بچنے والے سابقہ زخم یاد آ کر جلا رہے تھے۔ تیمور کی حالیہ بے ادبی و بے باکی مزید برآں تھی، آخر غضبناک ہو کر اس نے اس مجاہد کو شہید کر دیا۔<sup>(۳۹)</sup> وسط ایشیا کے مسلمان خصوصاً اہل تاجکستان آج بھی تیمور ملک کو قومی ہیرو کا درجہ دیتے ہیں۔

جہاں پہلوان اوزبک ..... یہ سلطان جلال الدین کے معتمد ترین سالاروں میں سے تھا۔ ہندوستان کی فتوحات میں اس کا کردار بہت نمایاں رہا، اسی لیے سلطان نے اسے ہندوستانی مقبوضات کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ سلطان کے ہندوستان سے واپس چلے جانے کے بعد اس نے کوئی سات برس تک ہندوستان میں سلطان کی نیابت کے فرائض انجام دیے۔ اس طویل عرصے میں اپنے محبوب سلطان کے دیدار کا جذبہ اسے خدمتِ شاہی میں حاضری دینے پر بار بار اکساتا رہا، مگر جب بھی وہ سفر کا ارادہ کرتا، عوام جو کہ اس کے عدل و انصاف پر فریفتہ تھے راستے کی دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے اور اسے اپنا ارادہ بدلنا پڑتا۔

وہ نہایت عادل اور نیک سیرت حاکم تھا۔ رعایا، اس کی رعیت پروری اور رحمدلی سے بے حد مطمئن تھی۔ ہندوستانی حکمران اس کی مقبولیت کو اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھتے تھے۔ ۱۲۸ھ کے آغاز میں جب سلطان جلال الدین کے اقتدار کو گہن لگانا شروع ہوا تو آتش نے موقع غنیمت جان کر جہاں پہلوان کے خلاف چڑھائی کر کے اسے ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

جہاں پہلوان کو معلوم تھا کہ اس وقت مرکز میں سلطان جلال الدین بھی نازک حالات سے گزر رہے ہیں، اس لیے دریائے سندھ عبور کر کے وہ سیدھا سلطان کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے شمالی ایران روانہ ہوا تاکہ تشنہ

نگاہوں کو سلطان کی زیارت سے سیراب کرنے کے علاوہ اپنی بساط کے مطابق سلطنت کیہر ممکن خدمت انجام دے سکے۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنی تحویل میں موجود بیس ہزار دینار فوراً حاکم عراق شرف الدین کی طرف روانہ کیے تاکہ اس رقم کو جلد از جلد سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔

سلطان جلال الدین کو جہاں پہلوان کی آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے حاکم عراق کو حکم دیا کہ جہاں پہلوان اور اس کے ساتھیوں کو موسم سرما عراق ہی میں گزارنے کی تاکید کر دی جائے۔ جہاں پہلوان کا دل سلطان سے ملاقات کے لیے چل رہا تھا، مگر حکم کی تعمیل کے لیے وہیں رک گیا۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ کچھ ہی عرصے سے بعد کسی دشمن نے حملہ کر کے جہاں پہلوان کو شہید کر دیا<sup>(۴۵)</sup> اور وہ سلطان سے ملاقات کی آرزو ساتھ لیے ہوئے راہی آخرت ہوا۔

آورخان علی نیشاپوری..... سلطانی سپاہ کا زبردست جنگجو، شجاع اور غیور افسر تھا۔ بہت سے معرکوں میں اس نے اپنی بہادری کے جوہر دکھا کر اپنی قابلیت کا لوہا منوالیا۔ گنجہ اور اس کے بعد بیلقان، برزہ، سکور اور شیز وغیرہ کی فتوحات میں اس کا کردار سب سے نمایاں رہا ہے۔ باطنیوں (اسماعیلیوں) کی گردن پر اس کی فولادی گرفت بڑی سخت تھی۔ اسی سے براہ فرختہ ہو کر آخر کار فدائی حملہ آوروں نے اسے شہید کر ڈالا اور یہی سانحہ سلطان جلال الدین کو باطنیوں کے خلاف جہاد پر برا بھجنے کرنے کا باعث بنا۔<sup>(۴۶)</sup>

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

”یہ بہت اچھا امیر تھا، نیکی کے کام بکثرت کرتا تھا، نیک سیرت انسان تھا، سلطان کے سپاہیوں کی

لوٹ مار اور دیگر زیادتیوں پر روک ٹوک کرتا رہتا تھا۔“<sup>(۴۷)</sup>

نوٹ: سلطان جلال الدین کے ایک اور وفادار سالار کا نام بھی ”آورخان“ تھا جس کا ذکر آگے آئے گا۔

ملک نصرت الدین محمد..... ملک نصرت الدین، حسن بن خرمیل نامی ایک نامور سردار کا بیٹا تھا جو کہ غوری بادشاہوں کے زمانے میں ہرات کا حاکم تھا۔ سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے دور عروج میں خوارزمی سپاہ نے ہرات پر حملہ کر کے حسن بن خرمیل کو قتل کر دیا تھا اور ہرات خوارزمی مقبوضات میں شامل ہو گیا تھا، اس کے بعد سے حسن بن خرمیل کی اولاد خوارزمیوں کو اپنا دشمن تصور کرنے لگی۔

جب تاتاریوں کے ہاتھوں خوارزمی سلطنت کا شیرازہ بکھرا اور تباہی و بربادی کے اس طوفان کو روکنے کے لیے سلطان جلال الدین میدان عمل میں آئے تو نصرت الدین محمد سابقہ تلخیوں کو فراموش کر کے ملت کی خیر خواہی کے لیے سلطان کے ہم رکاب ہو گیا اور اس نے مختلف نازک مواقع پر بے مثال خلوص اور وفا شعار کامیابی کا ثبوت دیا۔ ساحل سندھ کے معرکہ میں بھی یہ سلطان کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد سرزمین ہند میں سلطان سے بچھڑ کر حاکم سندھ قباچ کی عملداری میں جا پہنچا اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر آخر کار سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ (اس کی تفصیل پانچویں باب میں گزر چکی ہے) ہندوستان سے واپسی پر سلطان نے اسے اصفہان کی پولیس کا افسر اعلیٰ مقرر کر دیا تھا اور فکرِ معاش سے بے فکر کرنے کے لیے ایک بڑی جاگیر اس کے نام کر دی تھی۔

عادات و اطوار کے لحاظ سے بڑا خوش اخلاق، ہنس مکھ اور مہذب تھا، اس لیے سلطان جلال الدین کا منظورِ نظر تھا۔ سلطان کے بھائی غیاث الدین نے ایک ذاتی تنازعے کی بناء پر اسے قتل کر کے سلطان کو ایک مخلص اور وفادار

نائب سے محروم کر دیا۔ (۳۳)

امین الملک..... مورخین نے امین الملک کو امین الدین ملک، امین ملک، یمن ملک، ملک خان اور خان ملک کے ناموں سے بھی یاد کیا ہے۔ یہ پچاس ہزار سپاہیوں کا امیر، ترکوں کے قتل کی قبائل کا رئیس، سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کا ماموں زاد بھائی اور ان کا سر تھا۔ سلطان علاؤ الدین محمد کے زمانے سے یہ ہرات کا حاکم تھا۔ سلطان جلال الدین کے ساتھ بھرپور انداز میں شریک جہاد ہوا۔ خراسان کے معرکوں میں سلطانی لشکر کا دایاں بازو اکثر اسی کے ترک جوانوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ معرکہ سندھ میں دشمن کا جاں توڑ مقابلہ کیا اور انہیں بار بار منتشر کیا، مگر بالآخر تاتاریوں نے دائیں بازو اور قلب لشکر کے درمیان حائل ہو کر اسے سلطان سے جدا کر دیا اور لشکر اسلام کی قوت کو کھیر دیا۔

اس موقع پر امین الملک درمیان میں حائل ہونے والے دشمنوں کو درہم برہم کر کے سلطان سے جانے کی بجائے پشاور کی طرف پسپا ہو گیا اور آگے چل کر پشاور کے قریب تاتاریوں کے نرغے میں آ کر شہید ہو گیا۔ (۳۴)

امین الملک کے جہادی کارناموں کے اختتام پر میدان جنگ میں اس کا سلطان کو دشمن کے نرغے میں چھوڑ کر خود راہ فرار اختیار کرنا، اس کی وفاداری کو قدرے مشکوک بناتا ہے، مگر ممکن ہے کہ جس وقت امین الملک نے سلطان کا ساتھ چھوڑا تھا، اس وقت میدان جنگ کی صورتحال اس قدر بگڑ چکی ہو کہ اس کا سلطان سے جاننا اور سلطان کو بچانے کی کوشش کرنا بے سود ہو اور اس کا بھی امکان ہے کہ سلطان جلال الدین یہ پیشگی حکم جاری کر چکے ہوں کہ ایسے موقع پر بے نتیجہ مزاحمت کی بجائے اپنی جان بچانے کی کوشش کی جائے اور کسی دوسرے میدان میں جمع ہو کر دشمن پر کاری ضرب لگانے کے لیے اپنی طاقت محفوظ رکھی جائے، شاید ایسی کسی ہدایت کے پیش نظر امین الملک نے میدان جنگ سے پسپائی اختیار کی ہو اور یہ فرار (إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَى فِتْنَةٍ) (یابہ کہ ہنر کرتا ہو لڑائی کا، یا جا ملتا ہو فوج میں) کی استثنائی صورت میں داخل ہو۔ ایسے موقع پر حسن ظن رکھنا ہی بہتر ہے جس کی یہاں گنجائش موجود ہے۔

اتابک ابوبکر بن سعد..... شیراز کے حاکم سعد بن زنگی کا بیٹا تھا۔ نہایت دلیر، غیور اور ہوشیار تھا۔ یہ شہزادہ پہلے خوارزمی حکمرانوں کا سخت مخالف تھا۔ اس نے اپنے باپ سے صرف اس لیے بغاوت کی تھی کہ اس نے علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اس کے باپ نے اس گستاخی پر اسے گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ ایک عرصے تک یہ قید و بند کی سزا جھیلتا رہا۔ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی ہندوستان سے واپسی ہوئی تو انہوں نے شیراز کے قیام کے دوران سعد بن زنگی سے سفارش کر کے ابوبکر بن سعد کو رہائی دلوائی۔ ابوبکر بن سعد سلطان کے حسن سلوک سے اتنا متاثر ہوا کہ خوارزمی خانوادے سے اس کی نفرت محبت سے بدل گئی اور وہ سلطان کے لشکر میں شامل ہو کر ایک عرصے تک جہاد میں مشغول رہا۔ خاص کر اصفہان کے معرکے میں اس کی کارکردگی بہت نمایاں رہی۔

سلطان اسے اپنے بھائیوں سے بڑھ کر مقام دیتے تھے۔ تقریباً چھ سال تک یہ سلطان کے ساتھ رہا، پھر اس کے والد نے اسے ولی عہد بنانے کے لیے شیراز واپس بلا لیا۔ ۶۲۷ھ میں اپنے باپ کی وفات کے بعد یہ شیراز کا حکمران بن گیا اور نہایت عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی۔ (۳۵) شیخ سعدی شیرازی رحمہ اللہ نے اسی کے دور میں اپنے شہرہ آفاق شہ پارے گلستان اور بوستان تصنیف کیے اور فرما گئے۔

سعدی کہ گوئے بلاغت ربود در ایام ابوبکر بن سعد بود

اور خان..... یہ سلطان کا وہ مایہ ناز جرنیل تھا جو آخر وقت تک سلطان کے ساتھ تھا۔ آمد کے قریب سلطان کے پڑاؤ پر شب خون مارنے والے تاتاری لشکر کو اسی نے منتشر کر کے سلطان کو گرفتاری سے بچایا تھا۔ بعد ازاں سلطان کے حکم پر وہ فوج کا اکثر حصہ اپنے ساتھ لے کر اصفہان کی طرف مڑ گیا تھا تا کہ تاتاری سلطان کو اسی بڑے دستے میں گمان کر کے اس کا تعاقب کرتے رہیں اور سلطان کو بچ نکلنے کا موقع مل جائے، مگر یہ چال کامیاب نہ ہو سکی، اور تاتاری بدستور سلطان کے تعاقب میں لگے رہے۔ اس کے برخلاف اور خان کو بچ کر اصفہان پہنچنے کا موقع مل گیا، بہر حال چونکہ اور خان نے سلطان کے حکم کی تعمیل کی تھی، لہذا اس کے خلوص پر کوئی حرف نہیں آ سکتا۔<sup>(۳۶)</sup>

اور خان ۶۳۹ھ تک اصفہان میں مقیم رہا، یہاں تک کہ تاتاریوں نے وہاں چڑھائی کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔<sup>(۳۷)</sup>

### سلطان کے دربار سے وابستہ اہل علم و ادب

شہاب الدین محمد ابن احمد النسوی..... شہاب الدین محمد بن احمد بن علی بن محمد النسوی سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے کاتب اور سوانح نگار تھے۔ نسا کے نواحی قصبہ خرنیز میں پیدا ہوئے۔ عنفوان شباب ہی میں ان کی علمی لیاقت کا چرچا دور دور تک ہو گیا تھا۔ النسوی کا باپ جاگیر دار تھا، باپ کی وفات کے بعد خود النسوی کو اس جاگیر کا انتظام سنبھالنا پڑا۔ انہی ایام میں تاتاریوں نے خوارزم پر حملہ کر دیا۔ النسوی اپنے مختصر سے عمل کے ساتھ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے حملہ آوروں کو دس ہزار کپڑے کے تھان بطور تاوان ادا کرنے کی پیش کش کی۔ اس بھاری تاوان کی مالیت ان اثیروں کی توقع سے زائد تھی، اس چھوٹی سی جاگیر سے انہیں از خود اتنا کچھ نہیں مل سکتا تھا۔ چنانچہ تاوان وصول کر کے وہ آگے چل دیے اور وقتی طور پر بلائ لگئی، مگر اس ہنگامی دور میں کوئی جگہ مامون نہیں تھی چنانچہ نسا پر بھی تاتاریوں کا حملہ ہوا جس میں شہر تباہ و برباد ہو گیا۔

اس کے باوجود النسوی نے اپنے وطن سے جدائی گوارا نہ کی۔ جب تاتاریوں کا طوفان گزر گیا تو نسا کے حاکم نصر ت الدین نے یہاں از سر نو آبادی کا انتظام کر کے دوبارہ اپنی حکومت قائم کر لی، النسوی کو اس حکومت میں وزیر کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ حکومت تقریباً دو سال تک سلطان جلال الدین کے بھائی غیاث الدین پیر شاہ کے ماتحت چلتی رہی۔

اس دوران ایک موقع پر النسوی کو بھی ملک و ملت کی حفاظت کے لیے شمشیر بکف ہونا پڑا چنانچہ نشوونما کے مقام پر انہوں نے ایک معرکہ میں تاتاریوں کے خلاف دست بدست جنگ میں حصہ لیا۔

اس دوران سلطان جلال الدین ہندوستان میں تھے۔ النسوی اس راجہ عظیم کو ملک و قوم کے مقدر کا ستارہ اقبال تصور کرتے تھے، اس لیے جب سلطان ہندوستان سے لوٹ کر آئے تو النسوی سلطان کے دامن گوہر بار سے وابستہ ہونے کے لیے بے چین ہو گئے۔ سلطان مراغہ کی مہم میں مصروف تھے کہ النسوی حاضر خدمت ہوئے۔ سلطان نے ان کی قابلیت اور استعداد کا صحیح ادراک کرتے ہوئے ان کو اپنا کاتب مقرر کر لیا۔

النسوی نے سلطان کا ساتھ خوب نبھایا اور ہر قسم کے موافق و مخالف حالات میں آخر تک سلطان کے وفادار رہے۔ سلطان بھی ان پر بہت بھروسہ کرتے تھے اور ابھی ہوئی گھتیوں کو سلجھانے میں ان کی رائے طلب کیا کرتے تھے۔ ایک موقع پر جب نسا کی حکومت کے لیے سلطان کو اور کوئی موزوں آدمی نظر نہ آیا تو انہوں نے النسوی ہی کو اس شہر کا پروانہ حکومت عطا کر دیا، مگر النسوی کو سلطان سے دور رہنا شاق تھا، اس لیے انہوں نے سلطان کی اجازت سے

نہیں اپنا ایک نائب مقرر کر دیا اور خود خدمتِ سلطانی ہی میں حاضر باش رہے۔ سلطان کے آخری ایام میں النسوی نے دربارِ خوارزم کا سفیر بن کر سلطین اسلام کو جہاد فی سبیل اللہ میں سلطنتِ خوارزم کا ساتھ دینے پر آمادہ کرنے کی بھرپور کوشش کی، مگر افسوس کہ ان کی کاوشوں کو کسی جگہ پذیرائی حاصل نہیں ہو سکی۔

آخر وقت میں جب سلطان کے کیمپ پر تاتاریوں نے شبِ خون مارا اور سلطان ان کی زد سے بچنے کے لیے شبِ تاریک میں انجانی منزل کی طرف نکل گئے تو اس رات حملے سے قبل النسوی سلطان کے ساتھ ہی تھے..... جب دشمن نے اچانک حملہ کیا تو یکدم افراتفری مچ گئی۔ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا، گھٹا ٹوپ اندھیرے میں النسوی کو بھی کچھ معلوم نہ ہوسکا کہ سلطان کہاں ہیں؟..... صبح کی روشنی پھیلنے پر بھی النسوی نے سلطان کا کچھ سراغ نہ پایا تو نہایت غمگین ہوئے، ان کو سلطان سے عشق کی حد تک محبت تھی۔ اپنے محبوب کی موجودگی میں وہ بدترین حالات میں بھی مطمئن رہ سکتے تھے، مگر فراقِ یار کے بعد ان کے لیے یہ فیصلہ مشکل تھا کہ وہ کدھر کو قدم اٹھائیں۔

بادہ نوشی میں کوئی لطف ہی باقی نہ رہا جب سے تو انجمنِ شوق میں ساقی نہ رہا کچھ عرصہ وہ ادھر ادھر مارے پھرتے رہے۔ ایک دن تاتاریوں کے ایک دستے سے ان کا سامنا ہو گیا، تاتاریوں نے انہیں گرفتار کر لیا اور راز اگلوانے کی امید پر انہیں قتل کرنے کی بجائے ایک قید خانے میں ڈال دیا۔ دو مہینے تشدد اور تکالیف برداشت کرنے کے بعد وہ کسی نہ کسی طرح قید خانے سے بھاگ نکلے اور گرتے پڑتے ”میا فارقین“ پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر مقامی باشندوں سے ان کو معلوم ہوا کہ کچھ دن قبل سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کسی کردی راہزن کے ہاتھوں شہید ہو گئے ہیں۔

احمد النسوی نے سلطان کی شہادت کے دس سال بعد ۶۳۸ھ میں اپنے محبوب ولی نعمت کی سوانح لکھنا شروع کی۔ کتاب کی ابتداء میں انہوں نے تاتاریوں کی مختصر تاریخ درج کی ہے۔ اس کے بعد سلطان علاؤ الدین محمد کے دورِ آخر میں بغداد پر اس کے حملے کے واقعے سے لے کر سلطان جلال الدین کی شہادت تک کے واقعات تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔ یہ کتاب سلیس اور رواں دواں عربی میں تحریر کی گئی ہے۔ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے حالات پر یہ کتاب سب سے معتبر ماخذ ہے، اس لیے کہ النسوی نے اس میں سلطان کے متعلق وہی واقعات تحریر کیے ہیں جو ان کے مشاہدے سے گزرے یا انہوں نے سلطان کے وزیروں اور امیروں سے سماعت کیے۔<sup>(۳۸)</sup> اس کتاب کی تصنیف کے کچھ عرصے بعد ۶۳۹ھ میں النسوی کا انتقال ہو گیا۔

النسوی کی سیرۃ سلطان جلال الدین آٹھویں نویں صدی ہجری تک تو عالم اسلام میں معروف رہی مگر پھر گردشِ روزگار نے اسے نایاب کر دیا حتیٰ کہ اس کا نام بھی اہل علم کے لیے اجنبی بن گیا۔ یورپ کی استعماری طاقتوں نے اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں اسلامی ملکوں پر قابض ہو کر مالی وسائل کے ساتھ جو علمی خزانے لوٹے تھے ان میں اس نایاب تصنیف کا بھی ایک نسخہ یورپ پہنچ گیا۔ مستشرقین نے اس پر کام کیا اور اسے ۱۸۹۳ء میں پیرس سے از سر نو شائع کرایا۔ اس طرح یہ گم شدہ موتی دوبارہ اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچا۔

علاءمہ السکا کی..... علاءمہ ابو یوسف یعقوب بن ابوبکر بن محمد السکا کی الخوارزمی، خوارزمی و بار کے ممتاز فضلاء میں سے تھے۔ جملہ علوم و فنون میں یکتائے روزگار تھے ۵۵۴ھ/۱۱۵۹ء میں خوارزم میں ان کی ولادت ہوئی، اس وقت

خوارزم پر سلطان جلال الدین کا پردادا اہل ارسلان حکومت کر رہا تھا۔

علامہ سکا کی کلا فانی کا رنامہ ان کی کتاب مفتاح العلوم ہے جو صرف، نحو، بلاغت، معانی، بدیع اور دیگر علوم عربیت کا خزینہ ہے۔ اس کا خلاصہ تلخیص المفتاح اور خلاصے کی شرح مختصر المعانی آج بھی درس نظامی کا جزء ہیں۔

علامہ موصوف عملیات اور جھار پھوک کے بھی ماہر تھے۔ سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ نے بغداد پر ناکام فوج کشی کے بعد انہیں خلیفہ ناصر کو ہلاک کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی۔ علامہ سکا کی نے ایک پتلا بنا کر دیا۔ خوارزم شاہ نے اسے اپنے سفیر قاضی مجیر الدین سعد بن عمر کے ذریعے بغداد کے کسی گوشے میں دفن کر دیا، مگر یہ طلسم خلیفہ ناصر کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اس کے بجائے چند ماہ کے اندر خود خوارزم شاہ کا ستارہ گردش میں آ گیا۔<sup>(۴۹)</sup>

سلطان کی شہادت کے بعد جب ہر طرف تاتاریوں کا قبضہ ہو گیا تو چغتائی خان بن چنگیز خان نے علامہ سکا کی کے علوم کی شہرت سن کر انہیں اپنے بلالیا۔ علامہ نے چغتائی خان کے سامنے اپنے خفیہ عملیات کے زور سے ایسے ایسے کمالات دکھائے کہ چغتائی دنگ رہ گیا اور علامہ کو اپنا مقرب بنا کر ان کے اعزاز و اکرام میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔

ایک دن چغتائی شکار کے لیے نکلا، پرندوں کی ایک قطار کو جو پرواز دیکھا تو تیر کمان پر چڑھا کر نشانہ باندھنے لگا، علامہ سکا کی ساتھ موجود تھے، انہوں نے کہا:

”اس کی ضرورت نہیں، حکم فرمائیے، کون سا پرندہ درکار ہے۔“

چغتائی نے کہا: ”پہلا، آخری اور درمیان۔“

علامہ نے زمین پر انگلی کی مدد سے ایک دائرہ کھینچ کر پھونک ماری، اسی وقت وہ تینوں مطلوبہ پرندے اس دائرے میں آ گئے۔ چغتائی یہ دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔

علامہ ایک عرصے تک تاتاری دربار سے عیش و آرام پاتے رہے مگر

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود

کے بمصداق ایک دن کسی حاسد کی شکایت سے متاثر ہو کر چغتائی خان نے علامہ کو محبوس کر دیا اور اسی حالت قید و بند میں ۶۵۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔<sup>(۵۰)</sup>

(نوٹ: وفيات الاعلام ج ۲ اور بعض کتب میں علامہ کا سن وفات ۶۲۶ھ بتایا گیا ہے جو اس لئے

درست نہیں کہ دیگر کتب تاریخ سے علامہ موصوف کا ۶۲۷ھ میں سلطان جلال الدین کے دربار سے

وابستہ ہونا اور ان کے حکم پر بغداد کا دورہ کرنا ثابت ہے، نیز سلطان جلال الدین کے بعد انہوں نے

چغتائی خان کے دربار میں بھی ایک عرصہ گزارا تھا۔ ان روایات کو دیکھتے ہوئے ۶۲۶ھ میں ان کی وفات

پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔)

شمس الملک شہاب الدین الہی ..... یہ شخص نہایت مدبر، معاملہ فہم اور امور منظم کا ماہر تھا۔ علوم متداولہ میں

مہارت رکھتا تھا۔ سلطان علاؤ الدین محمد نے اپنے دور اقتدار ہی میں جب شہزادوں کے درمیان سلطنت تقسیم کی تو

شمس الملک کی قابلیت کا لحاظ کرتے ہوئے اسے جلال الدین کا وزیر اعظم مقرر کر دیا تھا۔ سلطان علاؤ الدین محمد کی

وفات کے بعد یہ بدستور سلطان جلال الدین کا وفادار رہا۔ معرکہ سندھ کے حادثے میں بھی سلطان کے ہم رکاب تھا۔

اس ہنگامے میں جب سلطان کے اکثر ساتھی شہید اور باقی ماندہ منتشر ہو گئے تو شمس الملک بھی سلطان سے جدا ہو کر وادی سندھ کی طرف نکل گیا۔ حاکم سندھ قباچہ نے اسے اپنے ہاں نظر بند کر دیا اور بعد میں قتل کر دیا۔ قباچہ کی اس حرکت سے سلطان جلال الدین نہایت غضبناک ہوئے اور انہوں نے قباچہ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا جس کی تفصیل ہندوستان کے معرکوں کے ذیل گزر چکی ہے۔<sup>(۵۱)</sup>

کمال الدین اسماعیل..... فارسی کا قادر الکلام شاعر تھا اور چوٹی کے شعراء میں شمار ہوتا تھا۔ پہلے سلطان علاؤ الدین محمد اور پھر سلطان جلال الدین کے دامن سے وابستہ رہا۔

ایک بار سلطان جلال الدین اصفہان میں قیام پذیر تھے کہ کمال الدین اسماعیل نے سلطان کی شان میں یہ یادگار قصیدہ پڑھا: <sup>(۵۲)</sup>

بسِطِ روئے زمین گشت باز آباداں نیمِ سیرِ سپاہِ خدا یگانِ جہاں  
(شاہِ عالم کی فوج کی نقل و حرکت کی برکت سے سطحِ زمین پھر آباد ہو گئی ہے۔)  
کند تہنیت یکدگر ہی بحیات بقیّتی کہ ز انساں بماند و از حیواں  
(انسانوں اور حیوانات سے زندہ باقی بچ جانے والے ایک دوسرے کو حیاتِ نو کی مبارکباد دے رہے ہیں۔)  
زباغِ سلطنت ایں یک نہال سرِ بکشید کہ برگ او ہمہ عدل ست و بارِ اوحاس  
(سلطنت کے چمن میں ابھرنے والا یہ ایک ایسا نوخیز پودا ہے کہ جس کے پتے سراپا عدل ہیں اور جس کا پھل احسان ہے۔)

برائے بندگی و رگشِ دگر بارہ ز سرگرفت طبعیت توالدِ انساں  
(فطرت نے محض ان کے دربار کی غلامی کرانے کے لیے انسانوں کی پیدائش کا سلسلہ پھر شروع کر دیا ہے۔)  
جلالِ دنیا و دیں منکمرِ تِی آں شاہے کہ ایزدش بسرا کرد بر جہاں سلطان  
(”جلالِ دنیا و دیں منکمرِ تِی“ وہ بادشاہ ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے انہیں قابلیتِ تاتمہ کے ساتھ جہاں کا بادشاہ مقرر کر دیا ہے۔)

زہے معراجِ قدرِ ث ورائے طورِ کمال زہے معانیِ خوبتِ بروں زہرِ بیاں  
(بادشاہ سلامت! آپ کے مرتبے کا عروج جو کہ کمال کے کوہِ طور سے بھی بلند ہے کیا خوب ہے اور آپ کی عمدہ خصلتیں جو قوتِ بیان سے خارج ہیں کیا ہی اچھی ہیں۔)

جہاں ستانا! ایزد ترا فرستاد ست کہ چار حدِ جہاں ملکِ تست، رَو، پستیاں  
(اے دنیا کے فاتح! خدا نے آپ اس لیے بھیجا ہے کہ دنیا کی تمام حدود آپ کی بادشاہت ہیں، جائیں اور لے لیں۔)

گواہِ ملکِ تو عدلست ہر کجا خواہی بنیکِ محضریِ خود گواہِ می گزراں  
(آپ کی حکومت کا گواہ تو خود آپ کا انصاف ہے، اس لیے آپ جہاں چاہیں اپنی نیک طبعی پر گواہی دلا لیں۔)

تو عمر نوح بیابی از آنکہ در عالم عمارت از تو پدید آمد از پس طوفان  
(آپ کو عمر نوح نصیب ہو، اس لیے کہ آپ ہی کی وجہ سے دنیا میں طوفانِ تاتار کے بعد آبادی کا ظہور ہو  
اے۔)

تو دادِ اسلام بسدی ز صلیب تو برگرفتی ناقوس را ز جائے اذان  
(آپ نے ہی اہل صلیب سے اسلام کا بدلہ لیا ہے اور آپ نے ہی اذان خانوں سے ناقوس کو اکھاڑا ہے۔ یہ  
سلطان کی گرجی عیسائیوں کے خلاف جہاد کی طرف اشارہ ہے۔)

حجابِ ظلم تو برداشتی ز چہرہ عدل نقابِ کفر تو بکشادی از رخِ ایمان  
(آپ نے انصاف کے چہرے سے ظلم کا غلاف نوج لیا ہے اور آپ نے ایمان کے چہرے سے کفر کا نقاب  
اُٹھا دیا۔ یعنی منافقوں کا نفاق ظاہر کر دیا۔)

ز بازوئے تو قوی گشت بازوئے اسلام کہ از مصادم کفار گشت بد ویراں  
(آپ کے بازو کی بدولت اسلام کا وہ بازو قوی ہو گیا ہے جو کہ کفار کے مسلسل حملوں سے شل ہو چکا تھا۔)  
براقِ عزم تو گامے کہ برگرفت ز ہند نہاد گام دوم بر اقصیٰ اڑاں  
(آپ کے عزم کے ”براق“ کی رفتار کا یہ عالم ہے کہ آپ ہندوستان سے ایک قدم اٹھاتے ہیں تو دوسرا قدم  
اڑاں یعنی آذربائیجان کے آخری سرے پر پڑتا ہے۔) ۴۵

کہ بود جز تو شاہانِ روزگار کہ دادِ قسیمِ اسب ز تفلیس و آب از عتماں  
(آپ کے سوا اس زمانے کے بادشاہوں میں سے ایسا کون ہو سکتا ہے جو گھوڑے کو تفلیس میں دانا کھلا کر عتماں  
پہنچ کر اسے پانی پلاتا ہو۔) ۴۶

زلعِ تیغ تو در ضربِ خصم شہِ ماتست با سپ و پیل چہ حاجت یکے پیادہ براں  
(آپ کی تلوار کا کھیل ہی جنگ میں حریف کو شہ مات دینے کے لیے کافی ہے۔ آپ کو ہاتھی گھوڑوں کی کیا  
ضرورت ہے؟ جنگ کے لیے بس ایک پیادہ ساتھ لے جائیے۔)

ز شوقِ نام تو منبر ہمیشہ در محراب چو کو دکان ہمہ آدینہ خواہد از یزدان  
(آپ کے نام کی محبت میں مسجد کا منبر محراب میں بچوں کی طرح بے چین ہو کر اللہ سے ہمیشہ جمعہ ہی رہنے کی دعا  
کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جمعہ بار بار آئے تاکہ خطبے میں سلطان کا نام بار بار لیا جائے) ۴۷

سناوَتِ بسلام در جہاں ہی بخند زرے کہ نقش و جودش گشت سکے کاں  
(امن و سلامتی کے وقت آپ کی سناوَت دنیا کو ایسا سونا عطا کرتی ہے کہ کان کے خالص سونے سے ڈھلا ہوا سکے  
اس کے ظاہری نقش کا بھی مقابل نہیں ہو سکتا۔)

بعہدِ عدل تو گرگ از پے خوش آمد میش چو خرّصِ مصطہ بازی کند بچوبِ شباں  
(آپ کے دورِ عدل میں بھیڑ یا بھی بکریوں سے خوش گوار تعلقات کے باعث شرابی ریچھ یعنی سدھائے ہوئے  
جانور کی طرح چرواہے کی چھڑی سے کھیلتا ہے۔ مراد یہ کہ اس کے اشارے پر چلتا اور تابعدار رہتا ہے)



نور الدین منشی..... سلطان کے دربار سے وابستہ اہل سخن میں نور الدین منشی کو ایک نمایاں مقام حاصل تھا۔ منشی فارسی نظم و نثر میں منفرد اسلوب کا مالک تھا۔ سلطان کی مدح سرائی میں رطب اللسان رہتا تھا۔ اس کے ایک قصیدے کا مطلع یہ ہے۔ (۵۱)

”یہا جانا کہ شد عالم دگر بارہ خوش و خرم بفر خسرو اعظم الخ سلطان جلال الدین (آ میری جان! کہ یہ دنیا بادشاہ اعظم حضرت سلطان جلال الدین کی شان و شوکت کے باعث دوبارہ خوش و خرم ہو گئی ہے۔)

خلاط کی فتح پر نور الدین منشی نے جو ”فتح نامہ“ تحریر کیا تھا وہ اس کے اسلوب نگارش اور فارسی نثر کا عمدہ مرقع ہے۔ اس فتح نامہ کا ایک اقتباس (جسے تاریخ جہاں کشا سے نقل کیا جا رہا ہے) ہدیہ ناظرین ہے۔ (۵۲)

اس کے ساتھ راقم کا اردو ترجمہ گویا محفل میں ٹاٹ کا پیوند ہے، جو فارسی سے ناواقف قارئین کے لیے ناگزیر سمجھ کر کیا گیا ہے۔

### فتح نامہ خلاط از قلم نور الدین منشی

سپاس و حمد و ثنا آفریدگار روزگار راجل ذکرہ و علا، کہ ظفر و نصرت را بارای دولت زای و ریای مملکت افزای ما، ہم عنان گردانیدست، و تائید و قدرت را قرین نھضات میمون و عزما ت ہمایون کردہ، بخشی کشورے در تصرف و تدبیر بندگان دولت (ادامہ اللہ) می آید و بر کھشی لشکرے مأ سور قھر و مأ مور فرمان می شود،

وَهَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ، تا ریای ظفر نگار نصرت پیکر ما (حَقَّهَا اللَّهُ بِالْإِنصَر) بر حدود و ممالک ارسن خفقان یافتہ است و حوالی شہر اخلاط رامت بہشت ماہ مرکز ساختہ، آیات وعدہ و وعید بر جماعت مخالفان دولت بکرات خواندیم، و مقدمات انذار و تحذیر از برائے الزام حجت و اقامت ہیئت بدفعات تقسیم فرمود، تا باشد کہ راہ سلامت خویش بدیدہ بصیرت ببندد، و از رہ گذر عواصف قھر و صواعق سخط کہ کوہ طاقت آن ندارد برخیزند، و از تلاطم امواج شتم شتم جہانگیر با جودی طاعت و عبودیت گریزند، و باستغفار و استیمان پیش آیند و در بکشایند۔ سچ و جد دریں مدت مدید دعائے ”اللَّهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ“ را اجابتی پیدا گشت، جماعت مخالفان روز بروز غویت و ضلالت مصر تر بودند

لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا.

لشکری بسیار از دیار بکر و سواحل فرات و بلاد مصر و شام و بعضی از بلاد شرقی و طوائف تراکمہ و اتراک در آں شہر از دھام نمودہ و مِنْ کُلِّ أَوْبٍ وَوَجْهَةٍ فِرْقٍ مُخْتَلَفٍ فراہم آمدہ و قوت باز و و حصانت بارو کثرت استعداد از چرخ تیرو ناوک و منجیق و نفط و جزہائے ثقیل اعتماد نمودہ، و الحق بروج آن با فلک البروج در مبارات آمدہ و خندق آں بقعر و عمق از پشت گاؤ و ماہی اجتیا ز کردہ۔

تاثیرات و تاثرات ارضی و سماوی در تکمیل اسباب احکام آن دست درہم دادہ، و رسوم و قواعد آن

چون اوضاعِ فلک استوار افتادہ، سودائے غرور در سیدائے ضمایر متزددان از نوئے راہ یافتہ بود کہ جائے قبولی هیچ موعظت باز ندادہ، و خیالِ فاسد در دماغهای مخالفان چنان تنگن یافتہ کہ اندیشہ صواب در غلجید، تادار آخر جمادی الاولیٰ کہ حشمِ جہانگیر (نَصَرَہُمُ اللّٰہُ و قَوَّاهُم) رخصتِ جنگ یافتند، و فرمان شد کہ ہر ہر کس بجائی خویش نقب بردارند و ہر قومی بموضع خویش راہ جویند، شیرانِ خدم و دلیرانِ حشم کہ از امتدادِ مدت سہ شبانروز بر محاربہت مصابرت نمودند و بر مضاربہت مشابرت کرد و از جوانبِ بشہر راہ جستند، روز یک شنبہ بیست و ہشتم جمادی الاولیٰ کہ وقت طلوع، بر جہا و شُرُفِ ہا بطلایحِ اعلام و سناحقِ چوں آسمان بکواکبِ آراستہ گشتہ بود، و از جوانبِ شہر گیرا گیرا و نعرہ بر خاستہ، مکالماتِ دولت بقلعہ کہ در میانِ شہرست تخصّص نمودند و ششمِ منصور (لَا زَالَ مَنْصُورًا) بغارت و تاراج مشغول گشت۔

ہر چند اہالیِ اخلاط از اصراری کہ بر غوغایت نمودند جائے مرحمت نداشتند، رایِ عطوف داد گستر بر جانِ ایشان بخشود، فرمان فرمودیم تا دست از غارت و تاراج باز داشتند، فیض از صاحبِ کرمیت بے دریغ نصیبِ حالِ آں ستم دیدگان گشت، ہمکنان بجائے خویش آرام گرفتند و دعائے دولتِ قاہرہ (شَیَّدَ اللّٰہُ اَرْکَانُہَا) و در ساخت، جماعتِ مخالفان چوں راہ فرار بستہ و در مرحمتِ شامل گشودہ دیدند با عذار و استغفار رُبَّنَا ظَلَمْنَا لَوِیَانِ گشتند۔

رایِ زلت بخشایِ سعادت بخش بریشان ترحم فرمود و از ہنواتِ ایشان تجاوز اغماض رفت، و بدیں کمریت بے اندازہ در امید بر ہمہ مجرماں باز گشاد، برادرانِ ملک اشرف، مجیر الدین و قلی الدین و عز الدین ایک و صاحبِ ارزن و امیر اتم با سہم و جمعہم و اسد عبد اللہ و تمامت ارکانِ ملک بنی ایوب امروز روغنا و طوغنا در سلکِ عبودیت منتظم اند، و بجائی کہ بخشدہ ایم و امانی کہ یافتہ اند دست برداشتہ مزید قدرت و جہانداری و دوامِ دولت و کامگاری میخوانند۔

ترجمہ: ”ہم خداوندِ روزگار عزّ و جل کی تعریف اور حمد و ثنا کرتے ہیں کہ جس نے فتح و نصرت کو ہماری سلطنت کی پالیسی اور ہماری مملکت کی ترقی کے پرچموں کے ہمراہ کر دیا، جس نے اپنی تائید اور قدرت کو بابرکت نقل و حرکت اور مبارک ارادوں کا ہم دم بنادیا کہ معمولی سی کوشش سے ایک ملک ہماری مملکت (اللہ اسے ہمیشہ باقی رکھے) کے وفاداروں کے قبضہ و تصرف میں آ گیا اور ایک ٹھوکر سے ایک لشکر مجبور و فرمانبردار بن گیا۔“ یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری۔“ تا آنکہ ہمارے فتح مند نصرت یافتہ پرچم (اللہ ان کو نصرت سے ڈھانپ لے) آرمینیا کی حدود میں لہرا رہے ہیں۔ شہرِ خلاط کے مضافات کو آٹھ ماہ تک اپنا مستقر بنا کر ہم نے وعدوں اور تنبیہات کے ذریعے بار بار مخالفین کو سمجھایا اور اتمامِ حجت کے لیے دھمکیوں اور وعیدوں کے مقدمات بار بار ان تک پہنچائے کہ ممکن ہے یہ لوگ اپنی سلامتی کا راستہ نگاہِ بصیرت سے دیکھ لیں اور قہر کی ان آنندھیوں اور ناراضگی کے ان کڑکوں کی راہ گزر سے ہٹ جائیں کہ جن کی تاب لانا پہاڑ کے لیے بھی محال ہے اور تاکہ سلطانِ جہانگیر کے غلاموں کے غضب کی لہروں کے تلاطم سے اطاعت و غلامی کے ذریعے محفوظ رہیں

اور معافی و امان کی التماس کریں اور شہر کے دروازے کھول دیں، مگر اس طویل عرصے میں کسی طور پر بھی ”اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کہ یہ نادان ہیں“ والی دُعا کی قبولیت ظاہر نہ ہوئی۔ مخالفین دن بدن گمراہی اور سرکش پراصرار میں ترقی کرتے رہے ”تاکہ اللہ تعالیٰ ایک طے شدہ کام کا فیصلہ کر ڈالے“ اس شہر میں دیار بکر، ساحل فرات، ملک مصر، حکومتِ شام، بعض مشرقی علاقوں، ترکمانوں اور ترکوں کے بہت سے لشکروں کا اثر دھام تھا۔ ”ہر سمت اور رخ“ سے مختلف گروہ یہاں جمع تھے۔ یہ اپنی قوتِ بازو، فہم و فہم کے استحکام اور چرخ، تیر و منجیق، آتشیں لاوے اور جراثیم کے سامانِ حرب کی کثرت پر بھروسہ کیے ہوئے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس شہر کے بُرج آسمانِ بروج سے قوت آزمائی کے لیے آمادہ تھے اور اس کی خندق اپنی گہرائی و پنبائی میں نیل اور مچھلی کی پشت سے گزر چکی تھی۔ (مشہور ہے کہ زمین ایک نیل کے سینگوں پر ہے اور وہ نیل ایک مچھلی کی پشت پر ہے، اس کی طرف اشارہ ہے۔)

زمین و آسمان کی اثر انگیز اور اثر پذیر صلاحیتیں اس (شہر) کی مضبوطی کے اسباب کی تکمیل میں مددگار تھیں اور اس کی دیواریں اور بنیادیں آسمان کی تائیس کی مانند پختہ تھیں۔ غرور کا سودا باغیوں کے دلوں کی گہرائی میں اس طرح راہ چکا تھا کہ کسی نصیحت کی قبولیت کا امکان نہ چھوڑا اور غلط خیال مخالفین کے دماغوں میں اس طرح جم چکا تھا کہ صحیح بات سوچنے کی صلاحیت ہی ختم ہو گئی۔ آخر کار ماہِ جمادی الاولیٰ کے آخری ایام میں سلطانِ جہانگیر کے سپاہیوں نے (اللہ ان کی مدد کرے اور ان کو قوت عطا فرمائے) جنگ کی اجازت حاصل کر لی اور حکم ہوا کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر (فصیل میں) نقب لگائے اور ہر جماعت اپنے اپنے مقام پر راستہ نکالے، شیر دل خادموں اور دلیر سپاہیوں نے جو کہ پڑاؤ کی مدت کی طوالت کے باعث تھک چکے تھے اور مختلف ذرائع سے جنگ کی اجازت حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے، (اب) تین دن رات تک (مسلل) جنگ کی، اور پے در پے وار کیے اور مختلف اطراف سے شہر میں راستہ تلاش کیا۔ اٹھائیس جمادی الاولیٰ بروز اتوار طلوع آفتاب کے وقت شہر کے برج اور کنگرے پر چڑھیں اور جھنڈوں کی نمود سے یوں جگمگائے جیسے آسمان ستاروں سے آراستہ ہو۔ شہر کے اطراف میں شور و غل اور نعرہ بازی ہوئی۔ مخالفین حکومتِ شہر کے وسط میں واقع قلعہ میں محفوظ ہو گئے اور فتح مند سپاہی (وہ ہمیشہ فتح مند ہی رہیں) لوٹ مار میں مشغول ہو گئے۔

اگرچہ غلطی کے باشندے اپنی سرکشی پراصرار کے باعث مہربانی کے مستحق نہ رہے تھے، مگر مشفق و عادل رائے والے بادشاہ نے ان کی جاں بخشی کر دی۔ حکم ہوا کہ لوٹ مار بند کی جائے۔ اس ابر کرم سے بے اندازہ فیض ان مظلوموں کے حصے میں آیا۔ سب لوگوں نے اپنی جگہ آرام حاصل کیا اور غالب حکومت کے لیے (اللہ اس کے ستونوں کو مضبوط فرمائے) دُعاؤں کو روزِ بان بنایا۔ مخالفین کی نے جب راہِ فرار کو بند پایا اور رحمتِ عامہ کا دروازہ کھلا دیکھا تو ”اے ہمارے رب! ہم نے ظلم کیا اور“ کہتے ہوئے توبہ اور استغفار کرنے لگے۔

لغزشیں معاف کرنے والے عطا کرنے والے بادشاہ نے ان پر رحم فرمایا اور ان کی بے ہودگیوں سے

عنقود درگزر کیا اور بے اندازہ کرم کے ساتھ امید کا دروازہ سب مجرموں پر کھول دیا۔ الملک الاشرف کے بھائی مجیر الدین، تقی الدین، عز الدین ایک، حاکم ارزن اور امیر اقسام یہ سب کے سب اور اسد عبداللہ نیز مملکت بنی ایوب کے تمام مصاحبین آج کے دن جبراً یا خوشی حلقہ بگوش غلام بن چکے ہیں اور جاں بخشی اور حصولِ امان کی خوشی میں ہاتھ بلند کر کے ہماری طاقت اور نظمِ حکومت میں ترقی کے لیے، ہماری مملکت کے دوام کے لیے اور ہماری کامیابی کے لیے دعا گو ہیں۔“

فارسی دان احباب نور الدین منشی کے اس مسجع و مقفی کلام سے اس کی قادر الکلامی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔  
مجد الدین محمد ترجمان اور بی بی منجمہ ..... مجد الدین محمد ترجمان سلطان جلال الدین کے دربار کے ایک عالم فاضل رکن تھے اور منشی کے عہدے پر فائز تھے، ان کے نام کے ساتھ ترجمان کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ وہ دربار اور سفارتی مہمات میں ترجمانی کے فرائض بھی انجام دیا کرتے تھے۔ بی بی منجمہ ان کی اہلیہ تھیں، وہ بھی علم و فضل میں معروف تھیں، خصوصاً علم نجوم میں ان کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

۶۲۷ھ میں جب سلطان جلال الدین کو شام اور روم کی متحدہ افواج کے مقابلے میں شکست ہوئی تو یہ دونوں میاں بیوی پہلے دمشق اور پھر سلاجقہ روم کی سلطنت میں چلے گئے۔ سلطان علاء الدین کی قیادت کے ایک معتمد درباری کمال الدین کا میار کی وساطت سے مجد الدین کو بھی دربار کی رکنیت مل گئی۔ مجد الدین کا انتقال ۶۶۷ھ میں ہوا۔  
اس کے بیٹے علامہ یحییٰ بن محمد نے جو اپنی ماں کی طرف منسوب ہو کر ”ابن بی بی“ کے لقب سے مشہور ہوئے، سلطان علاء الدین کی قیادت کے احوال پر ایک کتاب ”الادامر العلاء فی امور العلاء“ کے نام سے لکھی جس میں ضمناً سلطان جلال الدین کے بھی بہت سے قیمتی حالات قلمبند کر دیے۔

علامہ یحییٰ بن محمد کا انتقال ۶۸۰ھ میں ہوا۔ ان کی زندگی ہی میں اس کتاب کا اختصار ”مختصر سلجوق نامہ“ کے عنوان سے تیار ہو گیا تھا جسے ایک مستشرق Houtsma نے ۱۹۰۲ء میں لیڈن (ہالینڈ) سے شائع کیا۔ پاکستان میں اس کا اردو ترجمہ محمد زکریا مائل نے کیا جو مرکزِ اردو بورڈ، گلبرگ لاہور نے شائع کیا۔

تاج الدین سلجوق ..... سلطان جلال الدین کے وفاداروں میں ان کا ایک غلام قلیج بھی تھا۔ جب سلطان جلال الدین ہندوستان سے واپس لوٹے اور شیراز پہنچے تو حاکم شیراز سعد بن زنگی نے ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور اس ہونہار غلام کو سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ قلیج نہایت سلیقہ شعار، خوش گفتار، خوب رو، ذہین و فطین اور احسان شناس لڑکا تھا۔ سلطان کے ساتھ وابستگی کے بعد اس کی خوبیاں مزید کھلیں اور نکھریں۔ اپنی جائداری، وفاداری، حسن ادب اور معاملہ فہمی کی وجہ سے وہ بہت جلد سلطان کا سب سے قابل اعتماد اور حاضر باش غلام شمار ہونے لگا۔ ۵۸

بہت سے اہم اور نازک معاملات خاص طور پر بچپنی زندگی سے متعلقہ کام سلطان جلال الدین اس کے سپرد کر دیتے تھے۔ چونکہ سلطان جلال الدین کی کوئی زینہ اولاد زندہ نہ رہی تھی، اس لیے رفتہ رفتہ سلطان کی شفقتِ پداری اس کی طرف متوجہ ہو گئی اور وہ سلطان کے خصوصی الطاف و انعامات کا مستحق بن گیا۔ قلیج کی یہ خاطر و مدارات بعض بدماغ مصاحبین کے لیے حسد کا باعث بن گئی اور انہوں نے سلطان اور اس کے تعلق کو غلط رنگ دے کر مشہور کیا۔

سلطان کے ایامِ زوال میں جب ان کے اپنے قریبی ساتھی بھی غداری پر نائل گئے اور حلیف و ہمساز ایک ایک

کر کے ساتھ چھوڑتے گئے اور ہر طرف اندرونی و بیرونی دشمنوں نے شورش برپا کر دی تو انہی دنوں یہ افسوسناک سانحہ پیش آیا کہ قلعہ بھی سلطان کو مصائبِ زمانہ کی منجھار میں غوطہ زن چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس سے سلطان جلال الدین کو بے اندازہ صدمہ ہوا۔

بدر الدین ہلال..... یہ بھی سلطان کے جاٹار غلاموں میں سے ایک تھا اور سلطان کی خانگی زندگی کے اہم کاموں کا ذمہ دار تھا۔ چنگیز خان کے پہلے حملے میں یہ ترکان خاتون کے ساتھ محصور اور گرفتار ہوا تھا۔ بعد میں موقع پا کر تاتاریوں کی قید سے بھاگ نکلا اور سلطان جلال الدین کے پاس پہنچ گیا۔<sup>(۵۹)</sup>

ناصر الدین قشمر..... یہ شاہی غلاموں کا نگران اور سلطان کا قابل اعتماد افسر تھا۔ سلطان کے خلاف بغاوت کی ایک خطرناک سازش کو اس نے ناکام بنایا تھا۔<sup>(۶۰)</sup>

چند نامعلوم غلام..... ان کے علاوہ بھی سلطان جلال الدین کے وفادار غلاموں کی ایک جماعت ہر مشکل گھڑی میں ان کے لیے سرفروشانہ قربانیاں دیتی رہی۔ ۶۲۵ھ میں اصفہان کی جنگ میں جب لشکر اسلام کو فتح کے بعد شکست ہوئی اور سلطان دشمن کے زرخے میں آگئے تو ان کے چودہ جاٹار غلام ان کے گرد دیوار بن کر کھڑے ہو گئے تھے اور ان کی دلیری اور سرفروشی سے سلطان دشمن کا گھیراؤ ڈکڑکنے میں کامیاب ہوئے تھے۔

اسی طرح بالکل آخری وقت میں جب سلطان جلال الدین تاتاریوں کے اچانک حملے سے بچ کر ان کی دسترس سے دور جانے کے لیے کسی نامعلوم سمت روانہ ہوئے تو ان کے دو محافظ غلام اس وقت بھی ان کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے اور راستے میں سلطان کی حفاظت کرتے کرتے شہید ہو گئے۔<sup>(۶۱)</sup> رحمہم اللہ رحمۃ و اسعۃ۔

### سلطان کے غدار

قتلغ خان..... قتلغ خان خوارزمی دارالحکومت اور گنج میں نوے ہزار سپاہیوں کا سالار تھا۔ سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی دنیا سے رحلت کے بعد اس ترک سردار نے دارالحکومت اور گنج میں سلطان جلال الدین کی تخت نشینی کو قبول نہ کیا اور سلطان کے خلاف بغاوت کی راہ ہموار کرنے میں سرگرم حصہ لیا۔ وہ سلطان جلال الدین کے بجائے ان کے چھوٹے بھائی قطب الدین ازلاق سلطان کو مسند حکومت پر دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی اور اسکے ہم خیال امراء کی سازشوں کے باعث انجام کار سلطان کو مرکز خوارزم چھوڑنا پڑا۔<sup>(۶۲)</sup>

سیف الدین اغراق خلجی اور اس کے ہممنو..... اغراق سیف الدین خلجی اور ترکمان قبائل کا طاقتور سردار تھا۔ نہایت جوشیلا، خود سر، دلیر، چالاک اور فنونِ حرب میں طاق تھا۔ سلطان جب تاتاریوں سے جہاد کے لیے خراسان کے پختون قبائل میں پہنچے تو سیف الدین اس وقت پشاور میں قبائل کو مجتمع کر کے اپنے اقتدار اور اثر و رسوخ کا دائرہ وسیع کرنے میں مشغول تھا۔

سلطان غزنوی پہنچے تو سیف الدین اغراق ایک بڑی فوج کے ساتھ سلطان سے آلا اور جہاد میں سلطان کے شانہ بشانہ شریک رہا، مگر بعد میں ایک ناگہانی قضیے نے اس کے اور سلطان کے دوسرے سالار امین الملک کے درمیان عداوت کے شعلے بھڑکادیے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ انجام کار سیف الدین اغراق اور اس کے ہم نوا کئی سردار اپنی اپنی فوجوں کو لے کر سلطان سے علاحدہ ہو گئے۔ ان کی اس عاقبت نااندیشی سے میدانِ جہاد کا پانسہ پلٹ گیا۔ سلطان

جلال الدین جیتی ہوئی جنگ ہار گئے اور امت مسلمہ کے ایام مصائب مزید طویل ہو گئے۔

سیف الدین اغراق کی معیت میں سلطان سے غداری کرنے والے خلجی، ترکمان اور غوری امراء سلطان کی چھاؤنی سے نکل کر ننگر ہار پہنچ گئے۔ یہ علاقہ اعظم ملک خلجی کا تھا جو کہ سلطان سے غداری کرنے والے سرداروں میں ممتاز حیثیت کا مالک تھا۔ اس نے ان تمام منحرف امراء کو اپنے ہاں ٹھہرا کر ان کی پُر تکلف دعوتیں کیں۔

ان منحرف امراء میں نوح جہاندار بھی تھا جو پانچ ہزار خلجی شہسواروں کا قائد تھا۔ اس کے اور سیف الدین اغراق کے درمیان کچھ رنجش تھی، اس لیے جب سیف الدین نے ننگر ہار سے پشاور کا رخ کیا تو اپنی دلی ناراضگی کے باعث نوح جہاندار اس کے ساتھ چلنے کے بجائے سوار یوں کو چارہ مہیا کرنے کا عذر پیش کر کے وہیں ٹھہر گیا۔ اس کی اس حرکت پر سیف الدین اغراق سخت جھنجھلایا، مگر اس وقت کچھ نہ کر سکا۔ ننگر ہار سے ایک منزل دور نکل کر اسے خیال آیا کہ کیوں نہ نوح جہاندار کا کام تمام کر دیا جائے اور اس مقصد کے لیے اعظم ملک کو آ لہ کار بنایا جائے۔ چنانچہ اس نے وہیں سے اعظم ملک کو فوری پیغام بھیجا کہ ”میں اور تو باپ بیٹے کی مانند ہیں، میں باپ ہوں اور تو بیٹا۔ اگر تو میری خوشی چاہتا ہے تو نوح جہاندار کو اپنے ہاں ٹھہرنے کی اجازت مت دے۔“

اعظم ملک اس پیام کا اصل مقصد تاڑ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ بلاشبہ اعظم ملک سلطان جلال الدین سے غداری کرنے والوں میں شامل تھا اور اس لحاظ سے یقیناً وہ امت کے اجتماعی مفاد کے احساس سے غافل تھا، مگر اپنے وطنی مفاد کے شعور اور قبائلی روایات کی پابندی کے لحاظ سے وہ ایک بیدار مغز آدمی تھا۔ اس نے سوچا کہ سیف الدین اغراق اور نوح جہاندار میں ٹھن جانا بڑی نامناسب صورت حال ہے، ان میں صلح کرانا ضروری ہے۔ اس کام کو وقت کی اہم ضرورت سمجھتے ہوئے وہ پچاس محافظ سوار ساتھ لے کر سیف الدین کے لشکر میں جا پہنچا اور بڑی منت و سماجت کے ساتھ اسے نوح جہاندار سے مصالحت پر راضی کرنے کی کوشش کی۔ سیف الدین اغراق کی جنوبی طبیعت پر اعظم ملک کی نصیحت کا الٹا اثر ہوا، بجائے بات ماننے کے وہ اسی وقت نوح جہاندار کو قتل کرنے پر نکل گیا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اپنے ساتھ سو سوار لیے اور سر پٹ گھوڑا دوڑا کر سیدھا نوح جہاندار کے پڑاؤ میں جا پہنچا۔

نوح جہاندار نے دور سے سیف الدین کو ایک مختصر سے دستے کے ساتھ آتا ہوا دیکھا تو خیال کیا کہ اعظم ملک کی کوشش کامیاب اور سفارش قبول ہو گئی ہے کہ سیف الدین بنفس نفیس خود مجھ سے مصالحتی ملاقات کے لیے آ رہا ہے۔ سیف الدین قریب آیا تو نوح جہاندار نے اپنے بیٹوں سمیت آگے بڑھ کر بڑے اعزاز کے ساتھ اس کا استقبال کیا، مگر..... سیف الدین تو شاید پاگل ہو چکا تھا۔ نوح جہاندار کو سامنے پاتے ہی اس نے تلوار سونت لی اور حملہ کر دیا۔

نوح جہاندار کی زندگی کے چند سانس باقی تھے، اس لیے اچانک حملے کے باوجود وہ بچ گیا۔ اس کے محافظوں نے سیف الدین کو مزید کچھ کرنے کا موقع نہ دیا اور وہیں اس کی نکال بوتی کر دی۔

سیف الدین اغراق کے لشکر میں جب اس کی موت کی خبر پہنچی تو وہاں کہرام مچ گیا۔ ان کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ ہمارا سردار کس مقصد سے وہاں گیا تھا اور اس کا ممکنہ نتیجہ کیا ہو سکتا تھا؟ انہیں یہی شک ہوا کہ یہ اعظم ملک کی سازش ہے جس نے سیف الدین کو درغلا کر موت کے منہ میں دھکیلا۔ چنانچہ اس شبہ کی بنیاد پر سیف الدین کے سپاہیوں نے اعظم ملک کو جو کہ ابھی تک سیف الدین کے کیمپ میں بطور مہمان ٹھہرا ہوا تھا، قتل کر دیا۔

سیف الدین کے سپاہیوں کی آتش انتقام اس پر بھی سرد نہ ہوئی، کیوں کہ ابھی قدرت خداوندی نوح جہاندار کو بھی سلطان جلال الدین سے غداری کی سزا دینا چاہتی تھی۔ چنانچہ اغراق کے سپاہی مجمع ہو کر نوح جہاندار کی لشکر گاہ پر ٹوٹ پڑے۔ ایک خوں ریز جنگ ہوئی، جس میں نوح جہاندار اپنے بیٹوں سمیت مارا گیا۔ نیز فریقین کے سپاہی بڑی تعداد میں ہلاک ہو گئے۔ غوری سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد بھی دونوں جانب سے ماری گئی۔

ان بکھری ہوئی غدار فوجوں کے بقیہ افراد کو بھی زیادہ دن گزارنے کا موقع نہ ملا۔ تاتاری لشکر نے جو سیلاب محشر خیز کی طرح اُمڈتا چلا آ رہا تھا ایک دن ان سب کو گھیر لیا اور بلا استثناء سب کو موت کا کڑوا جام پینے پر مجبور کر دیا۔ الغرض وہ تیس ہزار خلجی، غوری اور ترکمان سپاہی جو سلطان سے شرمناک بغاوت کے مرتکب ہوئے تھے اس جرمِ عظیم کے بعد دو تین ماہ بھی سطح زمین پر نہ رہ سکے اور ہر ایک اپنے انجام بد کو پہنچا۔<sup>۳۳</sup>

براق حاجب ..... براق حاجب ابتداء میں ترکانِ خطا (قراخانیہ) کی حکومت کا ملازم تھا۔ جب سلطان علاؤ الدین محمد نے ترکانِ خطا کو پے در پے شکستیں دے کر ان کی قوت کو پامال کر دیا تو براق ازراہ مصلحت خوارزمی ایوان کے خدمت گاروں میں شامل ہو گیا اور اپنی ہوشیاری کے باعث بہت جلد ترقی کر کے حاجب کے عہدے تک جا پہنچا۔

سلطان علاؤ الدین محمد کی وفات کے بعد اس نے کرمان اور اس کے نواح کا کچھ علاقہ فتح کر لیا تاکہ خوارزمی سلطنت کے کھنڈرات پر ایک خود مختار حکومت قائم کر کے اپنی اس آرزو کی تکمیل کرے جو مدت سے اس کے دل میں چمکیاں لے رہی تھی، مگر انہی دنوں سلطان جلال الدین ہندوستان سے ایران آ گئے اور مجبوراً براق حاجب کو دوبار پڑا، تاہم سلطان کے سامنے اظہارِ وفاداری کے باوجود وہ خفیہ طور پر سلطان کے خلاف سازشیں گانھتا رہا۔ ایک بار موقع پا کر کھلم کھلا بغاوت پر اُتر آیا، مگر سلطان کے بروقت اقدام اور یلغار سے گھبرا کر پھر منافقانہ معذرت کر لی۔

سلطان جلال الدین کے بعد براق نے تاتاریوں کے زیر سایہ کرمان اور اس کے آس پاس اپنی اجارہ داری قائم رکھی۔ ۶۴۲ھ میں وہ دنیا سے رخصت ہوا، اس کے بعد اس کے دو بیٹے رکن الدین اور قطب الدین تخت نشین ہوئے۔ ان کے بعد اس تمام علاقے کا انتظام تاتاریوں نے براہِ راست سنبھال لیا۔<sup>۳۴</sup>

شہزادہ غیاث الدین ..... یہ سلطان کا باپ شریک بھائی تھا جس نے مارا ستین بن کر سلطان کو بارہا ڈسا اور سلطان ہر بار اس کی حرکاتِ شنیعہ سے درگزر کرتے رہے۔ معرکہ اصفہان کے دوران عین ہنگامہ کارزار میں لشکرِ اسلام کا ایک پہلو خالی کر کے بھاگ نکلا، اگر توفیقِ ایزدی سلطان کے شامل نہ ہوتی تو غیاث الدین کی اس مجرمانہ کارروائی سے مسلمانوں کی عبرتناک شکست یقینی تھی۔ غیاث الدین نے سلطان کا ساتھ چھوڑ کر حاکم الموت کے ہاں پناہ لی اور کچھ عرصے بعد وہاں سے براق حاجب کے پاس کرمان میں مقیم ہو گیا۔ بعد ازاں براق حاجب نے اپنے خلاف سازش کے شےبے میں اسے قتل کر دیا۔<sup>۳۵</sup> تفصیلی حالات پیچھے گزر چکے ہیں۔

اُتر خان ..... سلطان کے ان افسران میں سے تھا جو آخر تک سلطان کے ساتھ رہے، مگر ان آخری ایام ہی میں اس نے آس پاس کے حکمرانوں سے رابطے قائم کر کے سلطان کا ساتھ چھوڑنے کا تہیہ کر لیا تھا، اسی لیے وہ اپنے فرائض منصبی میں نہایت غفلت کا مظاہرہ کرنے لگا تھا۔ اس کی غلط خبر رسانی کے باعث سلطان کو آخری وقت میں تاتاری لشکر کے سر پر آن پہنچنے کی اطلاع نہ ہو سکی تھی۔ سلطان کی اس دوڑ دھوپ کے دوران اتر خان نے انہیں الوداع کہہ کر حاکم

میا فاروقین کی خدمت میں چلا گیا، مگر افسوس کہ اسے پذیرائی نصیب نہ ہوئی۔ حاکم میا فاروقین نے اسے قید کر دیا۔ کچھ عرصے بعد اسے وہاں سے مصر کے جیل خانے منتقل کر دیا گیا اور اس قید و بند کی حالت میں مر گیا۔<sup>(۳۷)</sup>

وزیر سلطنت شرف الملک خواجہ جہاں ..... اس کا نام شرف الدین یلدرجی تھا۔ شرف الملک اور خواجہ جہاں کے القابات سے نوازا گیا۔ سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے زمانے میں معمولی خدمت گاری سے ترقی کر کے پرچہ نویسی کے منصب تک پہنچا۔ بعد ازاں خوارزم شاہ نے اسے فوجی وزارت کی خدمات سپرد کر دیں، چار سال یہ اس عہدے پر رہا۔

جب سلطان جلال الدین خوارزم شاہ تخت نشین ہو کر غزنی پہنچے تو شرف الملک نے خدمت میں حاضری دی اور حاجب کا منصب پایا۔ جب ہندوستان میں سلطان کا وزیر سلطنت شمس الملک شہاب الدین ہروی قباچہ کے ہاتھوں قتل ہو گیا تو سلطان نے وزارت کا قلمدان اس کے سپرد کر دیا۔<sup>(۳۸)</sup>

شرف الملک کو عربی اور فارسی کے علاوہ ترکی زبان پر بھی مکمل دسترس تھی۔ امور حکومت کا گہرا ادراک رکھتا تھا۔ ملکی انتظام، عسکری مہمات اور سیاست کا ماہر تھا۔ کھلی طبیعت کا مالک تھا۔ ہر کسی سے بے تکلفی سے ملتا تھا۔ غرور و تکبر سے کوسوں دُور اور بے حد فیاض تھا۔ گئے بغیر عطا کرتا چلا جاتا تھا۔

مگر ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ متلون مزاج، فضول خرچ، خود سراسر موزی آدمی تھا۔ بہت جلد ناراض ہو جاتا اور بہت جلد سُن جاتا۔ حساب کتاب رکھنے کا ذرا بھی خیال نہیں کرتا تھا۔ اسے دستور کے مطابق ملکی آمدن کا دسواں حصہ دیا جاتا تھا جو ایک خلیفہ رقم تھی مگر یہ اس سے بھی مطمئن نہ تھا اور مزید لوٹ کھسوٹ پر مصر ہوتا تھا۔ چونکہ سلطان کو رام کرنے اور اپنی وفاداری جتانے کے گروہ جانتا تھا، اس لیے اس کی تمام غلط حرکات کے باوجود ایک عرصہ تک سلطان جلال الدین اس سے مطمئن رہے، مگر جب رفتہ رفتہ اس کے کروتوت سامنے آئے تو اس سے بدول ہو گئے۔<sup>(۳۹)</sup> (شرف الملک کی ان کارستانیوں کی تفصیل گزشتہ ابواب میں آچکی ہے)

آخر جب پانی حد سے گزر گیا تو اس ناپاس انسان کی اصلاح سے مایوس ہو کر سلطان نے اسے قتل کرنے کا تہیہ کر لیا مگر پھر اس کے معافی مانگنے پر جان کی امان دے دی تاہم اسے کم از کم نظر بند کرنا ضروری تھا۔ اسے مطمئن کرنے کے لیے سلطان نے وقتی طور پر چشم پوشی کا معاملہ کیا اور وزیر اعظم کو اطمینان ہو گیا کہ سلطان کی ناراضی ختم ہو گئی ہے۔

اب سلطان موقع پا کر ایک دن وزیر کو اذان کے نواح میں ”جریرد“ کے قلعے میں لے گئے اور قلعہ دار کو خفیہ احکام دے کر وزیر کو وہیں نظر بند کر دیا۔

منشی شہاب الدین النسوی کا بیان ہے کہ سلطان تاتاریوں سے ٹمنے تک وزیر اعظم کو نظر بند رکھنا چاہتے تھے اور اس کے خلاف کسی مزید سخت کارروائی کے درپے نہیں تھے، بلکہ وہ اس کے لیے بھی تیار تھے کہ بعد میں اسے اس کے عہدے پر بحال کر دیں، البتہ اس کی مالی بدعنوانیوں کا انہوں نے یہ علاج سوچا تھا کہ عباسی خلافت کے وزراء کی طرز پر یہاں بھی وزیر اعظم کے لیے تنخواہ مقرر کر دی جائے اور محصول میں سے اس کی حصہ داری کا مروجہ نظام ختم کر دیا جائے۔ یہ سلطان کی انتہائی نرم دلی تھی کہ اتنی گستاخیاں سامنے آنے کے باوجود انہوں نے وزیر اعظم کے خلاف کوئی انتہائی فیصلہ نہیں کیا۔



سلطان نے وزیر اعظم کو نظر بند کرا کے اس کی نگرانی سلمان بیگ نامی ایک سخت گیر ترک افسر کے سپرد کر دی تھی۔ سلمان بیگ نے کچھ عرصہ تک اپنا فرض بخوبی نبھایا، مگر بعد میں وزیر اعظم نے اسے اپنا ہمنوا بنالیا اور اس سے دوستانہ تعلقات پیدا کر کے سلطان کے خلاف ساز باز شروع کر دی۔ اس زمانے میں ایوان حکومت میں عملی طور پر شاہی غلاموں کا بڑا اثر و رسوخ ہوا کرتا تھا۔ وزیر اعظم اپنے زمانہ وزارت میں گویا ان سب غلاموں کا ملجأ و مأویٰ تھا۔ اسے امید تھی کہ اب بھی ان غلاموں سے اپنا کام نکالا جاسکتا ہے۔ اس خیال سے اس نے سلمان بیگ کے ساتھ مل کر ایک سازشی منصوبہ بنایا۔ اس منصوبے کے تحت پہلے سلمان بیگ کی جانب سے غلاموں کے نام یہ خط تیار کیا گیا:

”سلطان نے آپ کے آقا شرف الملک کو بلا وجہ قید کر کے اسے مصائب و تکالیف کا نشانہ بنا رکھا ہے۔ اب سلطان نے اس بے چارے کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے، اگر آپ اپنے سابقہ آقائے ولی نعمت سے ہمدردی رکھتے ہیں تو جبر برد کے قلعے میں آ کر اس سے مل لیں تاکہ اس کی آزادی کے لیے کوئی لاٹھل ملے کیا جاسکے۔ علاوہ ازیں آپ کو چاہئے کہ گرجیوں سے مل کر سلطان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں۔“

سلمان بیگ کے نام سے تحریر کردہ یہ خط وزیر اعظم نے اپنی خاص انگٹھی سمیت کسی خفیہ ذریعے سے شاہی غلاموں کے افسر اعلیٰ کو ارسال کر دیا۔ شاہی غلاموں کا افسر اعلیٰ جس کا نام ناصر الدین قشمر تھا، وزیر اعظم کی انگٹھی اور خط وصول کرنے کے بعد شش و پنج میں پڑ گیا کہ کیا کرے؟ آخر اس کے ضمیر نے اسے سلطان کے خلاف کسی کارروائی میں شرکت کی اجازت نہ دی اور اس نے یہ دونوں چیزیں ایوان خوارزم کے امیر اترخان کے حوالے کر کے اسے سازش سے مطلع کر دیا۔ اترخان نے یہ تمام واقعات سلطان کو کہہ سنائے۔

اس سازش کے انکشاف سے سلطان سخت برا فروختہ ہوئے۔ ایک ہی وقت میں اندرونی اور بیرونی محاذوں پر لڑنا ان کی برداشت سے باہر ہو چکا تھا اور شرف الملک کو مہلت دینا سازشوں کی جڑیں باقی چھوڑ دینے کے مترادف تھا۔ سلطان نے اسے مزید موقع دینا حماقت تصور کرتے ہوئے اس کے قتل کا فیصلہ کر لیا۔ اس سازش میں اگرچہ سلمان بیگ بھی شریک تھا، مگر سلطان کو یقین تھا کہ اس میں حاصل کردار شرف الملک کا ہے۔ سلمان بیگ کو صرف آلہ کار کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، اس لیے انہوں نے سلمان بیگ کے بارے میں ذرا نرم پہلو اختیار کیا۔

سلطان نے فوری طور پر سلمان بیگ کے بیٹے کو جو سلطان کی خاصہ فوج میں شامل تھا، طلب کیا اور اس کے سامنے اس کے باپ کا خطر رکھ دیا۔ بیٹا اپنے باپ کو غداروں کی صف میں شامل دیکھ کر بڑا اٹپٹایا۔ وہ جانتا تھا کہ اس جرم میں اس کا باپ قتل بھی کیا جاسکتا ہے۔ سلطان نے سلمان بیگ کے بیٹے کی گھبراہٹ اور پشیمانی کو محسوس کر کے ازراہ لطف و کرم اسے اجازت دے دی کہ وہ اپنے باپ سے مل کر اسے اس غلطی پر عار دلانے۔ سلمان بیگ کا بیٹا اپنے باپ سے جا کر ملا اور اسے اس حماقت کے انجام سے ڈرایا۔ سلمان بیگ بہت شرمندہ ہوا اور بیٹے کو سلطان کے پاس بھیج کر ان سے معافی طلب کی۔ سلطان نے اس کے بیٹے سے کہا: ”مجھے تمہارے باپ کی سچائی پر تب یقین آئے گا، جب وہ شرف الملک کا سر کاٹ کر مجھے بھیج دے گا۔“

سلطان کے اس پیام پر سلمان بیگ نے فوراً پانچ جلا دستا تھ لیے اور شرف الملک کے کمرے میں جا پہنچا۔ شرف الملک سمجھ گیا کہ جلا قتل کے سوا کسی اور مقصد کے لیے نہیں آئے۔ اٹھ کر وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھ کر کچھ دیر تلاوت

اور توبہ و استغفار کی، پھر بڑبڑایا: ”جو کفار پر اعتماد کرے اس کی یہی سزا ہے۔“ اس کے بعد جلا دوں سے کہنے لگا: ”اب اپنی خواہش پوری کر لو۔“

جلا دوں نے سوال کیا: ”جناب! آپ کا سر تلوار سے اڑا دیا جائے یا گلا گھونٹ کر ختم کیا جائے۔“  
 بولا: ”میرا خیال ہے کہ تلوار بہتر ہے کہ یہ کم تکلیف دہ ہے۔“

جلا دیکچہ سوچ کر کہنے لگے: ”جناب والا! بڑی شخصیات کو تو گلا گھونٹ کر مارنے کا دستور ہے، تلوار سے سر کاٹنا تو چوروں اور ڈاکوؤں کے لیے مخصوص ہے۔“ یہ کہہ کر انہوں نے اس کے گلے میں پھندا ڈال دیا اور اتنا گھونٹا کہ شرف الملک کی آنکھیں باہر کو اُبل آئیں اور وہ فرش پر تڑپ تڑپ کر ساکت و جامد ہو گیا۔

جلا داسے وہیں چھوڑ کر کمرے سے نکل گئے کہ لاش ٹھنڈی ہو جانے پر سر کاٹ کر سلطان کو بھیج دیا جائے گا۔ کچھ دیر بعد جلا د لاش اُٹھانے کے لیے کمرے میں آئے تو یہ دیکھ کر مبہوت رہ گئے کہ شرف الملک زندہ سلامت ان کے سامنے بیٹھا ہے۔ اس کی جسمانی قوت اور مضبوطی پر سب ہی حیران ہوئے۔ آخر تلوار ہی سے قتل کرنا تجویز ہوا اور ایک ہی وار میں اس کا سر دھڑ سے علاحدہ کر کے سلطان کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔<sup>(۶)</sup>

وفا ملک ..... جب سلطان جلال الدین خوارزم شاہ دریائے سندھ کے کنارے چنگیزی لشکر سے شکست کھا کر ہندوستان پہنچے تو اسی نواح کے ادباش نوجوانوں میں سے ایک شخص ”حسن مزلف“ سلطان کے خدمت گاروں میں شامل ہو گیا اور اپنی عمدہ کارکردگی اور خدمات کی بدولت سلطان کی توجہ اور عنایات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

سلطان نے اسے ”وفا ملک“ کا لقب عطا کیا اور ہندوستان سے عراق واپسی پر اپنے ہندوستانی مقبوضات میں جہاں پہلوان کے ساتھ ساتھ اسے بھی نیابت کا عہدہ عنایت کیا، مگر ۶۲۷ھ میں جب یاسی چمن کے میدان میں سلطان جلال الدین کی شکست کے باعث مرکزی حکومت کمزور پڑ گئی تو ”وفا ملک“ سلطان جلال الدین سے غداری کر کے اپنے دیگر رفقاء سمیت سلطان شمس الدین التمش کا حلقہ گوش بن گیا اور سلطان التمش کے ساتھ مل کر سلطان جلال الدین کے وفادار گورنر جہاں پہلوان کو سندھ اور پنجاب کے مقبوضات سے بے دخل کر دیا۔ ”وفا ملک“ کے انجام کے بارے میں کوئی روایت نظر سے نہیں گزری۔

————— || —————

## حواشی و حوالہ جات

- ① جہاں کشاج ۲، ج ۳۰۰ ..... طبقاتِ ناصری طبقہ ۱۶ ص ۲۷۱
- ② طبقاتِ ناصری طبقہ ۱۶ ص ۳۷۰
- ③ تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۳ و فیات ۶۲۸ ھ حرف جیم
- ④ تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۳ و فیات ۶۲۸ ھ حرف جیم
- ⑤ افغانستان درمیر تاریخ ص ۱۴۱ ..... ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۷
- ⑥ جہاں کشاج ۲ ص ۳۰۳ ..... سیرۃ سلطان جلال الدین، ص ۱۴۰ ..... خوارزم شاہی، ص ۱۷۴
- ⑦ جہاں کشاج ۲ ص ۳۰۳
- ⑧ جہاں کشاج ۲ ص ۳۰۳
- ⑨ جہاں کشاج ۲ ص ۳۰۵، ۳۰۶ ..... روضۃ الصفاح ۴ ص ۸۲۶ ..... سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۴۰ تا ۱۴۵ ..... خوارزم شاہی ص ۱۷۵
- ⑩ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۹
- ⑪ سیر اعلام النبلاء ج ۲۳ ص ۲۰۰
- ⑫ ابن اثیر ج ۷ ص ۵۰۸، ۵۱۳ ..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۸۱ تا ۸۰
- تاریخ ابن خلدون میں خان سلطان کو علاؤ الدین محمد کی بہن بتایا گیا ہے جو صریح طور پر غلط ہے، دیکھئے ابن خلدون ج ۵ ص ۱۰۴
- ⑬ روضۃ الصفاح ۴ ص ۸۲۵ ..... جہاں کشاج ۲ ص ۲۰۰ ..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۵
- ⑭ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۵ ..... نہایۃ الارباب ج ۷ ص ۳۷۳ ..... خوارزم شاہی ص ۱۸۸
- ⑮ تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۳۲۵
- ⑯ جہاں کشاج ۲ ص ۱۳۵
- ⑰ جہاں کشاج ۲ ص ۱۴۵
- ⑱ جہاں کشاج ۲ ص ۱۴۵
- ⑲ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰ ..... طبقاتِ ناصری ج ۱ ص ۳۷۰ ..... جہاں کشاج ۲ حاشیہ ص ۱۹۰
- ⑳ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶ ..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۴

⑤ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۵۸ تا ۲۵۹..... خوارزم شاہی ص ۱۸۰ تا ۱۸۱.....

واضح ہو کہ یہاں بغاوت سے مراد وہ شورش ہے جو ۶۲۴ھ میں جنگ تاتار کے موقع پر پیش آئی تھی۔

⑥ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۸..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۱

⑦ دیکھیے نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۷

⑧ جہانکشا، ج ۲ حاشیہ ص ۱۹۰۔ طبقات ناصرۃ طبقہ ۱۶ ص ۳۷۴

⑨ جہاں کشا، ج ۲ ص ۳۰۰

⑩ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۹..... ابن الوردی، ج ۳ ص ۲۲۹

⑪ جہاں کشاج ص ۱۰۷

⑫ سیرۃ جلال الدین ص ۳۰۳..... خوارزم شاہی ص ۱۸۹

⑬ جہاں کشاج ص ۲۳۱..... جہاں کشا، ج ۵ ص ۳۰۰، ۳۰۱

⑭ چنگیز خان باب ۱۲ ص ۱۱۱..... جہاں کشاج ص ۱۳۱

⑮ سیرۃ سلطان جلال الدین، ص ۱۲۶..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴

دونوں مآخذ میں تیمور ملک کو ”دیر ملک“ لکھا گیا ہے مگر قرائن واضح ہیں کہ مراد تیمور ملک ہی ہے۔

⑯ تاریخ نہضتہائے ملی ایران ص ۵۱۳

⑰ جہاں کشا، ج ۱ ص ۷۲ تا ۷۳

⑱ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۷..... سیرۃ سلطان جلال الدین، ۳۴۶، ۳۴۷..... خوارزم شاہی، ص ۲۰۴

⑲ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۲۴، ۱۲۵..... خوارزم شاہی، ص ۱۶۴

⑳ ابن اثیر، ج ۷ ص ۶۴۰

㉑ سیرۃ سلطان جلال الدین، ص ۲۴۱، ۲۴۲..... خوارزم شاہی، ص ۱۷۴..... جہاں کشا، ج ۲ ص ۳۰۳

㉒ جامع التواریخ، داستان رفتن چنگیز خان بر عقب سلطان جلال الدین ص ۳۷۶..... جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۹۲، ۱۳۵،

مع حاشیہ

㉓ جہاں کشاج ص ۲۱۵ مع حاشیہ..... خوارزم شاہی ص ۱۵۲..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۴

㉔ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۹..... خوارزم شاہی ص ۲۱۶..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹

㉕ ابن خلدون ج ۷ ص ۱۴۰

㉖ خوارزم شاہی ص ۲۶۷ تا ۲۷۰..... ابوالفداء، ص ۱۲۹ تا ۱۵۴..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۱

㉗ سیرۃ جلال الدین ص ۲۵۳..... خوارزم شاہی ص ۱۷۸، ۱۷۹

㉘ معجم الادباء، ج ۲۰، ص ۵۵ تا ۵۹..... خوارزم شاہی، ص ۲۷۲..... روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۴۴..... حاشیہ مختصر المعانی

مطبوعہ بیروت

㉙ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۹..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۰

۵۱) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۶۵

۵۲) سلطان جلال الدین نے ہندوستان سے واپس آتے ہی مختصر سے عرصے میں حیرت انگیز طور پر کرمان سے لے کر آذربائیجان تک کے علاقے ختم کر لیے تھے یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

۵۳) سرعت یلغار سلطان کا امتیازی وصف تھا، یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

۵۴) یعنی جمعے کے خطبہ میں سلطان کا نام آتا ہے تو منبر اسے بار بار سننے کا منتظر رہا ہے اور اللہ سے دُعا کرتا ہے کہ روز ہی جمعہ ہو کرے تاکہ میں سلطان کا نام روزانہ سنا کروں۔

۵۵) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۵۳

۵۶) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۵۲

۵۷) سیرۃ جلال الدین ص ۹۶، ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۲۴

۵۸) سیرۃ جلال الدین ص ۳۶۵.....خوارزم شاہی، ص ۲۱۰

۵۹) نہایت الارب ج ۷ ص ۳۷۲.....تاریخ مختصر الدول ص ۲۴۷

۶۰) روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۸۲۷.....جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۲.....خوارزم شاہی، ص ۱۴۰

۶۱) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۹۵ تا ۱۹۸

۶۲) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۶۵، ۲۱۱ تا ۲۱۴

۶۳) جہاں کشا، ج ۲، ص ۲۰۱ تا ۲۰۷

۶۴) ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۴۰.....سیرۃ سلطان جلال الدین، ص ۳۸۰.....خوارزم شاہی، ص ۲۱۵

۶۵) ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۲۱، ۱۲۲

۶۶) ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۳۸.....خوارزم شاہی، ص ۲۱۱ تا ۲۱۴

۶۷) سیرۃ سلطان جلال الدین، ص ۳۶۴ تا ۳۶۷.....خوارزم شاہی، ص ۲۱۰ تا ۲۱۴

۶۸) سلجوق نامہ، ۱۵۳.....ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۹.....ابوالفداء، ج ۳، ص ۱۵۰

————— ۱۱ —————

## الملک المظفر سیف الدین محمود قطر

اہل باطل سے ٹکرانے والے حق کے نمائندے ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ حریت اور شجاعت کے اولوالعزم پیکروں سے ملت اسلامیہ کسی زمانے میں خالی نہیں رہی۔ جب بھی راہِ عزیمت کے کسی قافلہ سالار نے اسلام کے لیے جان کا نذرانہ پیش کیا تو خالق کائنات نے اس کے مقصد کی تکمیل کے لیے جلد یا بدیر اس کے کسی جانشین کو کھڑا کر دیا جس کے ہاتھوں عشق و وفا کی داستان اپنے نیک انجام تک پہنچی۔

سیف الدین محمود قطر تاتاریوں کے خلاف جہاد کی اس رُوداد کا تتمہ اور اس سلسلہ حرب و ضرب کی آخری کڑی تھا، جس کا آغاز سلطان جلال الدین خوارزم شاہ سے ہوا تھا۔

سیف الدین قطر سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے بھانجے تھے۔<sup>①</sup> تاریخ کے منظر نامے پر وہ شہاب ثاقب کی طرح ایک مختصر سے وقت کے لیے ابھرے، چمکے اور غائب ہو گئے، تاہم سب سے پہلے ہمیں ان کا نام نجم الدین ایوب ملک الصالح کے خدام کی فہرست میں نظر آتا ہے۔ قطر، خوارزم سے ملک الصالح کے پاس کیسے جا پہنچے؟ اس کا جواب معلوم کرنے کے لیے ہمیں تاریخ کی منتشر کڑیاں جوڑنا پڑیں گی۔

تاریخ کی منتشر کڑیاں ..... سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی گمشدگی کے بعد ان کے امراء، سپاہی اور متعلقین ادھر ادھر بکھر کر رہ گئے اور ایک عرصے تک مارے مارے پھرتے رہے۔ ان میں سے بعض سے لوٹ مار کر کے اپنا پیٹ بھرنے لگے اور ارد گرد کی حکومتوں کے لیے دروہ بن گئے۔ بہت سے علاؤ الدین کی قیادت میں فوج میں شامل ہو گئے اور بہت سوں کو جن میں زیادہ تعداد بچوں کی تھی، غلام بنا کر منڈیوں میں بیچ دیا گیا۔

خوارزم سے آنے والے ان ترک غلاموں میں ایک کم سن بچہ محمود بھی تھا جو در در کی ٹھوکریں کھاتا بازاروں میں بکتا غلامی کے تازیانے سہتا دمشق کے ایک تاجر کے ہاتھ آ گیا۔<sup>②</sup> آزاد پیدا ہونے والے اس بچے کو غیر شرعی طریقے پر غلام بنایا گیا تھا اور غلامی کے کئی مراحل سے گزرنے کے بعد اس کا ماضی سب کی نظروں سے پوشیدہ ہو چکا تھا۔ ویسے بھی ایک غلام کے حسب و نسب سے کسے دلچسپی ہو سکتی تھی؟ سب یہی سمجھتے تھے کہ یہ کسی کافر ملک میں پیدا ہونے والا، کافر زادہ ہے جو جنگ میں گرفتار ہونے کے بعد بازاروں میں بکتا ہوا آیا ہے۔

تیرا باپ کون ہے؟

دمشق کے تاجر کے بعد اسے ”ابن الزعیم“ کی غلامی نصیب ہوئی۔ نیا آقا ایک دن کسی بات پر بگڑ گیا اور اسے ایک طمانچہ رسید کر دیا۔ محمود رونے لگا، کسی نے عار دلاتے ہوئے کہا:

”میاں! ایک تھپڑ کھا کر رونے لگے۔“

محمود نے جواب دیا: ”میں تھپڑ کی تکلیف سے نہیں، اپنے باپ دادا کی اہانت پر رورہا ہوں۔“ سوال کرنے والے نے طنز کرتے ہوئے کہا: ”تیرا باپ کون ہے؟ کوئی کافر ہی ہے نا۔“

محمود نے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا: ”میں صرف اور صرف مسلمان گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں۔ میرا نام محمود بن مودود ہے، میں جلال الدین خوارزم شاہ کی ہمشیرہ کا بیٹا ہوں۔“ (۳)

محمود کا یہ انکشاف بڑا حیرت انگیز تھا، مگر اس کی بات پر یقین کرنے والا کوئی نہ تھا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ شاید یہ غلامی سے آزادی کا بہانہ بنا رہا ہے۔ کسی نے اس کی تحقیق ضرورت نہ سمجھی۔

الملک الصالح کی خدمت میں ..... ان دنوں مصر میں الملک الکامل کی حکومت تھی۔ اس کا بیٹا شہزادہ الملک الصالح خوارزمیوں کی شجاعت اور ان کی جنگجو بیانیہ صلاحیت سے خوب واقف تھا، اس نے ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کا سوچا اور باپ سے اجازت لے کر خانہ بدوش خوارزمی سپاہیوں کے لیے فوج میں ملازمت کے دروازے کھول دیے۔ الملک الکامل کی وفات کے دو برس بعد ۶۳۷ھ میں الملک الصالح مصر کا بادشاہ بن گیا۔ اس کے دور حکومت میں ترک سپاہیوں کے علاوہ باصلاحیت ترک غلاموں کو بھی خرید کر فوج میں بھرتی کیا جانے لگا۔ اس طرح کچھ عرصے بعد سلطنت مصر کی فوجی طاقت پر خوارزمی ترکوں کا غصر غالب آ گیا۔ الملک الصالح بھی مقامی سپاہیوں کی بہ نسبت ان پر زیادہ اعتماد کرتا تھا۔

محمود کی قسمت جاگی اور فوج کے لیے خریدے جانے والے کم سن خوارزمی غلاموں میں اس کا نمبر بھی آ گیا اور اس طرح وہ الملک الصالح کی خدمت میں مصر جا پہنچا۔ کم عمری کے باوجود اپنی حوصلہ مندی، وفاداری اور ادب و تمیز کی بناء پر اسے جلد ہی ملک الصالح کے خدام میں ایک نمایاں مقام حاصل ہو گیا۔

مبارک خواب ..... محمود نے اپنے بچپن کے ایام میں تاتاریوں کی غارتگری کے جو جگر دوز مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے وہ اس کے دل کی تختی پر نقش ہو چکے تھے، اسے معلوم تھا کہ تاتاری ہی اس کے خاندان اور بھائی بہنوں کے قاتل ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے وطن کو اُجاڑنے والے اور اسے ہجرت پر عبور کرنے والے تاتاری درندوں کے سوا کوئی نہیں۔ اسے پتا تھا کہ اس جیسے ہزاروں لاکھوں بچوں کو یتیم بنانے والے یہی چنگیزی کافر ہیں۔ وہ اپنے دل میں ان سے انتقام لینے کا تہیہ کیے ہوا تھا، جوں جوں اس کی عمر بڑھ رہی تھی اس کا یہ جذبہ بھی ترقی کرتا جا رہا تھا۔

بچپن کے انہی دنوں میں ایک دن محمود نے ایک عجیب خواب دیکھا، یہ خواب اس کے لیے فوز و سعادت کے دروازے وا ہونے کی کلید تھا۔ اس نے حالت خواب میں حضور رحمت عالم، ساقی کوثر، شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”تم مصر کے بادشاہ بنو گے اور تاتاریوں کو شکست دو گے۔“

محمود بیدار ہوا تو اس کا انگ انگ مسرت و فرحت کی شاداب لہروں میں غوطے کھا رہا تھا..... آثارِ سعادت پیشانی پر دمک رہے تھے اور دل میں یقین محکم کی لازوال حرارت بھر چکی تھی۔ دن گزرتے رہے، مگر اس خواب پر یقین ایک پل کے لیے بھی اس کے دل سے محو نہ ہو سکا۔

معصوم وعدہ ..... محمود کی کم عمری کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے مشفق آقا نے اس کی دیکھ بھال کے لیے ایک سپاہی کو مقرر کر دیا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ محمود کے بالوں میں جو کھیں پڑ گئیں۔ اس کا خدمت گار سپاہی اس کی جو ویں صاف کرتا رہتا

اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کو لعنت ملامت بھی کرتا جاتا۔ محمود کچھ روز تک خاموشی سے اس کی مذمت آمیز گفتگو سنتا رہتا، مگر ایک دن اس سے رہانہ گیا اور سپاہی کی طعن و تشنیع کے جواب میں اس نے معصومانہ جھلاہٹ کے ساتھ اسے کہا: ”تمہارا استیانس ہو! تم مجھ سے کیا لینا چاہتے ہو؟ جب میں مصر کا بادشاہ بنوں گا تو اس وقت مجھ سے لے لینا۔“ سپاہی بچے کی زبان سے اتنا بڑا دعویٰ سن کر حیران رہ گیا اور بولا:

”تم تو پاگل ہو گئے ہو۔“

محمود نے فوراً کہا: ”جی نہیں! بلکہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی ہے۔ انہوں نے مجھے بشارت دی ہے کہ تم مصر کے بادشاہ بن کر تاتاریوں کو شکست دو گے اور جناب آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد شک و شبہ سے بالاتر، قطعی اور یقینی ہے۔“ سپاہی نے یہ سنتے ہی جھٹ فرمائش کر دی:

”میں تو پچاس سواروں کی قیادت کا عہدہ لینا چاہتا ہوں۔“

محمود نے بر جستہ کہا: ”ٹھیک ہے.....! نقد خوش خیری لو..... تمہیں یہ عہدہ مل جائے گا۔“

غلامی سے بادشاہت تک..... دن گزرتے چلے گئے، زمانہ بد لگا کر اُتار رہا۔ محمود عہد شباب میں داخل ہو گیا۔ شام اور مصر کی سیاست میں انقلابات کا سلسلہ جاری رہا۔ ۶۲۷ھ میں جب محمود کا مربی آقا الملک الصالح نجم الدین ایوب اللہ کو پیارا ہوا تو مصر کی سیاست میں ایک نئی اکھاڑ پچھاڑ شروع ہو گئی جس کا انجام ایوبی خاندان کی حکومت کے خاتمے اور ایک ترک امیر عز الدین ایک ترکمانی کی تخت نشینی پر ہوا۔ عز الدین ایک نے الملک المعز کا لقب اختیار کر کے مصر کی باگ سیاست سنبھال لی، چونکہ وہ خود بھی ان ترک مہاجرین میں سے تھا جنہیں الملک الصالح نے پناہ دے کر اپنا خدمت گار بنالیا تھا، اس لیے اس کے دور اقتدار میں ترکوں کی خوب پذیرائی ہوئی۔ محمود بھی تیزی سے ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا بادشاہ کے معتمد ترین خدام میں شامل ہو گیا۔

الملک المعز عز الدین چند سال تک بڑے حسن انتظام کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ ۶۵۶ھ میں تاتاریوں کا سیلاب بلاخیز جو ایک مدت سے بغداد کی سرحدوں پر جوش مار رہا تھا، آگے بڑھا اور دیکھتے ہی دیکھتے مدینۃ الاسلام بغداد ملیا میٹ ہو گیا۔ عالم اسلام میں صف ماتم بچھ گئی، ہلاکو خان کے مظالم نے چنگیزی بہیمیت کی یاد تازہ کر دی۔ عراق کے بعد شام اور مصر کے عام مسلمانوں کو اپنے انجام کے متعلق کوئی خوش فہمی نہیں رہی تھی، مگر صد افسوس کہ حکمران طبقہ اس وقت بھی باہمی محاذ آرائی میں مصروف تھا۔

۶۵۷ھ میں الملک المعز، ملکہ شجرۃ الدرد کی سازش کا شکار ہو کر قتل ہو گیا۔ اس کے رد عمل میں الملک المعز کے وفادار غلاموں نے ملکہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تخت مصر ایک بار پھر خالی ہو گیا۔ عوام و خواص حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے اور مشرق سے تاتاری لشکر ایک طوفان کی طرح امنڈ اچلا آ رہا تھا۔ الملک المعز کے بعد اس کی اولاد میں سے کوئی حکومت سنبھالنے کے قابل نہ تھا۔ آخر کار امراء سلطنت نے مشورہ کر کے اس کے نو عمر بیٹے نور الدین کو الملک المصنوع کا لقب دے کر مصر کے تخت پر بٹھادیا اور محمود کو جو کہ ایوان سلطنت میں سیف الدین قطز کے نام سے معروف تھا، اس کم سن فرمانروا کا اتالیق مقرر کر دیا گیا۔ الملک المصنوع کچھ عرصہ تک قطز کی زیر نگرانی حکومت کرتا رہا۔



سیف الدین محمود قطر کی تخت نشینی..... تاتاریوں کی جنگی تیاریوں کی اطلاع پے در پے موصول ہو رہی تھیں اور قطر کو اپنے خواب کی تکمیل کا وقت قریب آتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ الملک المنصور جیسے نو عمر، کم عقل اور ناتجربہ کار حکمران کی سرکردگی میں تاتاریوں جیسے عظیم دشمن کے خلاف کامیابی بعید از قیاس ہے۔ ان عوامل پر غور و فکر کے بعد انہوں نے امرائے سلطنت کا اجلاس طلب کیا اور انہیں احساس دلایا کہ تاتاری فتنے کے خلاف بھرپور جدوجہد کے لیے موجودہ فرمانروا کو معزول کرنا ناگزیر ہے۔ امرائے سلطنت جو وقت کی رفتار اور حالات کا دھارادیکھ چکے تھے، قطر کی تحریک سے متفق ہو گئے اور سب نے قطر سے بیعت کر کے ان کے زیر قیادت تاتاریوں سے جہاد کا عہد کیا۔

قطر کی تخت نشینی ذوالقعدہ ۶۵۷ھ میں ہوئی اور ان کو الملک المظفر سیف الدین قطر کے لقب سے یاد کیا گیا۔ تخت نشینی کے بعد انہوں نے اپنے بچپن کے خادم سپاہی سے کیا گیا وعدہ پورا کیا اور اسے پچاس سواروں کا افسر مقرر کر دیا۔ یہ افسر مصر کی فوج میں امیر جمال الدین کے نام سے مشہور ہوا۔<sup>(۳)</sup>

کتبغا نوین کی سفاکی..... بغداد کے بعد تاتاری غارتگروں نے قدرے توقف کر کے شام پر حملہ کیا، شام کے حکمران الملک الناصر میں ان کے مقابلے کی تاب نہ تھی، تاتاری یکے بعد دیگرے شام کے چھوٹے بڑے تمام شہروں کو روندتے چلے گئے۔ اس لشکر کشی میں تاتاریوں کی قیادت اگرچہ ہلاکو خان کر رہا تھا مگر فوج کی کمان براہ راست اس کے کہنہ مشق جرنیل ”کتبغا نوین“ کے ہاتھ میں تھی، جس کی سفاکی اور عیاری کے قصے زبان زد خواص و عوام ہو چکے تھے۔ لوگ اس کا نام سن کر لرز جاتے اور اسے قہر آسمانی تصور کرتے تھے۔

کتبغا نوین، ہلاکو خان کے دادا چنگیز خان کے دور سے تاتاری فوج میں ایک نمایاں مرتبہ رکھتا تھا، ہلاکو کی تمام فتوحات کا سہرا اسی کے سر تھا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”بہی وہ خبیث شخص تھا جس نے ہلاکو خان کے لیے بلا و عجم سے لے کر شام تک کے علاقے مسخر کیے۔ اس بد بخت نے مسلمانوں کے مقابلے میں ایسے ایسے داؤ پیچ آزمائے جن کی مثال سے اس سے ماقبل کی تاریخ خالی ہے۔“

مثلاً وہ ایک شہر فتح کرنے کے بعد اس کے لڑنے بھڑنے کے قابل افراد کو اپنے ساتھ لے کر دوسرے شہر کا محاصرہ کر لیتا۔ پھر محصورین سے یہ مطالبہ کرتا کہ ہمارے ساتھ آنے والے مسلمانوں کو اپنے شہر میں جگہ دو تاکہ ان کے رہنے سہنے کا کوئی انتظام ہو سکے، بظاہر اس کا یہ مطالبہ مسلمانوں کے لیے ہمدردانہ معلوم ہوتا بلکہ بعض اوقات محصورین اپنی افرادی قوت میں اضافے کے پہلو کو دیکھ کر اسے اپنے لیے مفید خیال کرتے، مگر حقیقت میں یہ محصورین کو زیر کرنے کی تدبیر تھی۔ اگر محصورین اس کی بات مان کر اس کے ساتھ آنے والے مسلمانوں کو شہر میں جگہ دے دیتے تو لازمی طور پر محصورین کی تعداد بڑھ جانے سے خوراک کے ذخائر جلد ختم ہو جاتے اور محاصرے کی مدت خود بخود مختصر ہو جاتی۔ اگر محصورین اس کی چال سمجھ کر یہ مطالبہ نہ مانتے تو کتبغا نوین اپنے ہمراہی مسلمانوں کو ان کے خلاف بھڑکا کر ان سے لڑنے کا حکم دے دیتا اور اس وقت تک ان کو لڑاتا رہتا جب تک کہ وہ شہر کو فتح نہ کر لیتے یا خود لڑتے لڑتے ختم نہ ہو جاتے۔

اگر وہ شہر فتح کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو کتبغا نوین کو اپنا ایک آدمی ضایع کیے بغیر اپنا مقصد حاصل ہو جاتا اور اگر وہ لڑتے لڑتے فنا ہو جاتے تو تب بھی اس میں مسلمانوں ہی کی نسل کشی ہوتی جس سے کتبغا نوین ایک دلچسپ

تماشے کی طرح لطف اندوز ہوتا۔ نیز اس باہم مسلم کش لڑائی میں محصورین کی قوت بھی کم ہوتی رہتی جس کے بعد یہ مکار بھیڑیا کم سے کم افرادی نقصان اٹھا کر بڑے بڑے شہروں کو آسانی سے فتح کر لیتا۔

اس کی ایک چال یہ بھی تھی کہ کبھی وہ محصورین کو خیر خواہی کے انداز سے یہ پیغام دیتا:

”اے شہر والو! تمہارے پاس پانی کا ذخیرہ بہت کم ہے جو عن قریب ختم ہو جائے گا اور تم میں سے کسی کو جان کی امان نہ ملے گی، ہم تمہارے تمام مردوں کو قتل کر دیں گے، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے لونڈیاں اور غلام بنالیں گے لہذا بہتر یہی ہے کہ اس بُری حالت کے پیش آنے سے قبل ہی شہر بطور صلح ہمارے حوالے کر کے اپنی جانیں بچالو۔“

اگر شہر والے اس کی دھمکیوں سے مرعوب نہ ہوتے اور جواباً یہ کہلوادیتے کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی، ہمارے ہاں پانی کا وافر ذخیرہ موجود ہے، ہم ایک عرصے تک تمہارا مقابلہ کر سکتے ہیں..... تو کتبغا نوین انہیں کہتا:

”مجھے اس بات کا موقع دو کہ میں تمہارے پانی کے ذخیرے کی تصدیق کر سکوں، اس لیے کہ اگر میرا گمان غلط ہے اور واقعی تمہارے پاس پانی بکثرت ہے تو پھر ہمیں طویل عرصے تک محاصرے کی کلفت اٹھانے کا کیا فائدہ؟ ہم محاصرہ اٹھا کر چلے جائیں گے۔“

شہر والے اس پیش کش کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر جواباً کہتے:

”آپ بصد شوق اپنے چند معتد آدمیوں کو بھیج کر ہمارے پانی کے ذخیرے کی کثرت کی تصدیق کر لیں۔“

تب کتبغا نوین اپنے چند سپاہیوں کو شہر بھجوا دیتا، ان کے پاس لمبے لمبے نیزے ہوتے، بظاہر یہ چند نیزے شہر والوں کے لیے کسی خطرے کا باعث معلوم نہیں ہوتے تھے، مگر درحقیقت ان میں پورے شہر کی موت کا پیغام پوشیدہ ہوتا تھا۔ یہ نیزے ایک قسم کا انجکشن تھے، ان کی لکڑی اندر سے کھوکھلی تھی، اس کھوکھلے حصے میں نہایت زہریلا سیال مادہ بھردیا جاتا تھا، نیزوں کو اس ترکیب سے بنایا گیا تھا کہ ضرورت پڑنے پر زہر کو ایک خاص طریقے سے خارج کیا جاسکتا تھا۔

شہر والے ان نیزہ برداروں کو بے ضرر سمجھ کر ان کے لیے شہر کے دروازے کھول دیتے اور انہیں اپنے تالاہوں، کنوؤں اور حوضوں پر لے جاتے۔ یہ مکار تاتاری اپنے نیزے پانی میں ڈبوڈبو کر بظاہر پانی کی پیمائش کرتے اور ساتھ ہی ساتھ اس پانی میں زہر پٹکاتے جاتے حتیٰ کہ شہر کا سارا پانی زہر آلود ہو جاتا۔<sup>⑤</sup>

بعد میں جب شہر والے پانی استعمال کرتے تو ان کی خاصی تعداد اسی سے ہلاک ہو جاتی اور باقی افراد چاروناچار ہتھیار ڈال کر دشمن کے لیے شہر کے دروازے کھول دیتے۔

تاتاریوں کا دمشق پر قبضہ..... جمادی الاولیٰ ۶۵۸ھ میں تاتاری فاتحین نے دمشق پر بھی قبضہ کر لیا، شہر کے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی جبکہ وہاں کی عیسائی آبادی نے مسلمانوں کی شکست پر جشن مسرت منایا، انہوں نے شہر سے باہر نکل کر تاتاری حملہ آوروں کا گرم جوشی سے استقبال کیا، ان کو تحفے پیش کیے اور اس فتح کو گویا اپنی فتح قرار دے کر خوشی کے شادیانے بجاتے ہوئے شہر واپس آئے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”عیسائی باب تو ما سے داخل ہوئے، وہ صلیب کو لوگوں کے سروں پر بلند کر رہے تھے، اپنے مخصوص نعرے لگا رہے تھے اور پکار پکار کر کہہ رہے تھے..... یسوع مسیح کا دین غالب آ گیا..... وہ اسلام اور مسلمانوں کی کھلے لفظوں میں مذمت کر رہے تھے، ان کے ہاتھوں میں شراب کے برتن تھے، جس مسجد

کے پاس سے گزرتے وہاں شراب کا چھڑکاؤ کرتے، کچھ شراب کی بوتلیں تھیں جن کو وہ لوگوں کے چہروں اور کپڑوں پر چھڑکتے تھے، گلیوں اور بازاروں میں گزرنے والوں کو صلیب کی تعظیم کا حکم دیتے..... وہ جامع مسجد میں شراب لے کر داخل ہوتے اور اس بات کا تہیہ کیے ہوئے تھے کہ اگر تاتاریوں کا قیام زیادہ ہو تو ہم بہت سی مساجد کو گرا دیں گے۔“ (البدایہ والنہایہ، ج: ۷، ص: ۲۵۷)

دمشق پر تاتاریوں کے قبضے کے ساتھ ہی شام مکمل طور پر ان کے زیر نگیں ہو گیا۔ اب وہ مصر کے دروازے پر تھے، مسلسل فتوحات نے تاتاری وحشیوں میں مصر پر فوری حملے کی زبردست امنگ پیدا کر دی تھی۔ کتبغا نوین اور ہلاکو خان کو اس بار بھی اپنی فتح کا مکمل یقین تھا۔

طبل جنگ..... سلطان مصر سیف الدین قطز نے تاتاریوں سے دودو ہاتھ کرنے کے لیے پہلے ہی سے تیاری کر لی تھی، تاتاریوں کی پیش قدمی کی اطلاع پاتے ہی انہوں نے اپنی افواج کے ساتھ مصر کی سرحد عبور کر لی، ان کی محتاط طبیعت نے اس بات کو خطرناک سمجھا کہ تاتاریوں کو مصر کی سرحدوں تک پہنچنے کا موقع دیا جائے چنانچہ مصری فوج نے دشمن سے زیادہ سرعت کے ساتھ یلغار کی اور منزلیں پھلانگتے ہوئے شام کی حدود میں داخل ہو گئی، ترکان امراء اور شاہی خانوادے کے کئی نامور سپہوتوں کی جمعیاتیں سلطان کے لشکر میں شامل تھیں، اس کے ساتھ ہی سیف الدین قطز نے حماہ کے حاکم الملک المنصور کو ان الفاظ کے ساتھ بلاوا بھیجا:

”ان دونوں دسترخوان آراستہ کرنے کا خیال ترک کر دو، بس ہر سپاہی کو گوشت کا ایک ایک پارچہ دے دو اور جلد از جلد پہنچو۔“ ⑤

کتبغا نوین کو جب سیف الدین قطز کی یلغار کی خبر ملی تو وہ اس غیر متوقع صورتحال اور قطز کی جرأت پر ایک لمحہ کے لیے انگشت بدندان رہ گیا، تاہم اس نے بلا تاخیر اپنی افواج کو بھی آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ کتبغا نوین کے ساتھ شامل ملت فروش مسلمان امراء نے اسے مشورہ دیا کہ وہ ٹھہر کر ہلاکو خان سے مزید کمک طلب کر لے، مگر کتبغا نوین کو اپنی موجودہ قوت و کثرت اور اپنی عیاری و تجربہ کاری پر پورا بھروسہ تھا اس لیے وہ نہ رکا۔

عین جالوت کا معرکہ..... دونوں فوجیں منزلیں قطع کرتی ہوئی ایک دوسرے کی جانب بڑھتی رہیں حتیٰ کہ ۲۵ رمضان ۶۵۸ھ بروز جمعہ کو ”عین جالوت“ کے تاریخی مقام پر حق و باطل کا یادگار معرکہ پیا ہوا۔ تاتاری مڈی دل لشکر میں کئی ضمیر فروش نام نہاد مسلم امراء بھی اپنی فوجوں سمیت شامل تھے جن میں الملک السعید (ملک العادل کا پوتا) اور اشرف (حاکم حمص) کے نام سرفہرست ہیں۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو سیف الدین قطز نے اپنے افسران اعلیٰ سے کہا:

”خبردار جب تک سورج ڈھل نہ جائے، سائے دراز نہ ہونے لگیں اور ہوا کے جھونکے نہ آنے لگیں، لڑائی چھیڑنے کی کوشش مت کرنا۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم دشمن سے اس وقت متصادم ہوں جب لوگ جمعہ کی نماز میں مشغول ہوں اور خطیب حضرات ہمارے لیے دعا کر رہے ہوں۔“ ⑥

دن ڈھلتے ہی لڑائی کا آغاز ہو گیا اور دونوں جانب سے شمشیر زنی اور نیزہ بازی کے جوہر کھلنے لگے، مردان کاری اپنے داؤ پیچ آزمانے لگے، گو اس وقت مصری فوج بیک وقت تاتاریوں اور ان کے حلیف مسلم حکمرانوں سے ٹکر لے

رہی تھی، پھر بھی حوصلہ مند سلطان سیف الدین قطز کو کوئی گھبراہٹ نہ تھی، انہیں آقائے نامدار تاجدار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت پر پورا وثوق تھا۔

لڑائی اپنے جو بن پر تھی، دونوں فریق اپنی ساری قوت جنگ کی بھٹی میں جھونک چکے تھے، عین جالوت کی خاک خون سے سرخ ہو رہی تھی، لاشوں کے انبار لگ رہے تھے، تاتاری اپنی گزشتہ نصف صدی پر محیط فتوحات کے گھمنڈ میں نہایت جوش اور غیظ و غضب کے ساتھ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے، ان کے ساتھ نام نہاد مسلم حکمرانوں کے دستے بھی اپنے کافر و مشرک آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے اور دنیاوی مال و جاہ کی بھیک ملنے کی امید میں اپنے مسلمان بھائیوں کا خون بہانے پر تلے ہوئے تھے۔ ان باطل پرستوں کے مقابلے میں مہاجر ترک سپاہی اور مصر کے سرفروش مسلمان دین حق کے دفاع کے لیے جان کی بازی لگا کر اس سیلاب آتش و آہن کے آگے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جھکے ہوئے تھے۔

اس وقت تک لڑائی میں دونوں فریقوں کا پلہ برابر تھا کہ اچانک کتبغا نوین نے ایک جنگی چال چلتے ہوئے مسلمانوں کے بائیں بازو پر اس شدت سے حملہ کیا کہ اس جانب کے مجاہدین کے قدم اکھڑ گئے اور انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس وقت ترک اور مصری جرنیلوں کے چہروں پر اضطراب و بے چینی کے آثار صاف دیکھے جاسکتے تھے، تاتاریوں کے شدید دباؤ سے مصری افواج کی صفیں درہم برہم ہوتی جا رہی تھیں اور معلوم ہوتا تھا کہ لڑائی کا پانسہ مکمل طور پر تاتاریوں کے حق میں پلٹ چکا ہے، مگر اس نازک وقت میں بھی الملک المظفر سیف الدین قطز کی پیشانی پر عزم و استقامت کی چمک دک عیاں تھی۔ انہوں نے دشمن کی جارحانہ پیش قدمی کے تسلسل اور اپنے ساتھیوں کی پسپائی کو دیکھا تو شدت غیرت سے اپنا فلولادی خود سر سے اتار پھینکا اور پھرے ہوئے شیر کی طرح اپنے قلب لشکر کے خاص دستوں کو لے کر دشمن سے بھڑ گئے۔<sup>(۸)</sup> پیچھے ہٹنے والے مصری سپاہیوں نے اپنے قائد کی یہ جرأت دیکھی تو ان کی آتش حیت بھی نئی شدت سے بھڑک اٹھی اور انہوں نے ایک بار پھر قدم جمالیے۔

کچھ دیر کے لیے معرکہ کارزار کی شدت نے ہر کسی کو دائیں بائیں سے بے گانہ کر دیا۔ سلطان سیف الدین قطز آگے بڑھتے بڑھتے بذات خود تاتاری درندوں کے قریب پہنچ گئے جہاں دست بدست شدید جنگ ہو رہی تھی۔ سب ایک دوسرے سے گھم گھماتے تھے۔ اس دھکم پیل میں دشمن کے سپاہیوں کو سلطان قطز کے قریب پہنچنے کا موقع مل گیا۔ ایک شخص نے ناگہانی وار کیا، قطز عین وقت پر ہشیار ہو گئے اور فوراً گھوڑے سے چھلانگ لگادی۔ دشمن کا وار ان کے گھوڑے پر پڑا اور وہ وہیں دم توڑ گیا۔ سلطان قطز کو آس پاس اپنے کسی سپاہی کے پاس زائد گھوڑا نظر نہ آیا، تاہم انہوں نے کسی کو اپنی مدد کے لیے متوجہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور پیدل ہی معرکہ میں شریک رہے۔

اسی دوران ایک امیر کی نظر ان پر پڑی وہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر تیر کی طرح ان کی طرف آیا۔ قریب آکر وہ گھوڑے سے اتر پڑا اور گھوڑا سلطان کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے گویا ہوا:

”آقا! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، اس پر سوار ہو جائیے۔“

سلطان سیف الدین قطز اطمینان سے بولے: ”ایسا نہیں ہو سکتا، اس خطرے کے وقت تمہیں پیدل کر کے میں امت مسلمہ کو تمہاری خدمات سے محروم کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔“

امیر اصرار کرتا رہا، مگر قطز نے اپنے نفس کو اس پر ترجیح دینا گوارہ نہ کیا۔ کچھ دیر بعد ان کا ایک دستہ زائد گھوڑے لے کر وہاں پہنچ گیا۔ سلطان قطز بلاپس وپیش ان میں سے ایک گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اس وقت ایک افسر اعلیٰ نے شکایت آمیز لہجے میں سلطان کو مخاطب کر کے کہا:

”حضور والا! آپ اس امیر کے گھوڑے پر کیوں سوار نہ ہو گئے تھے؟ خدا خواستہ اگر دشمن آپ کو اس حالت میں پالیتا تو خطرہ تھا کہ آپ شہید کر دیے جاتے اور آپ کے بعد ان دشمنان اسلام کے ہاتھوں دین اسلام دنیا سے مٹ جاتا۔“

سلطان قطز نے برجستہ جواب دیا: ”نہیں! جہاں تک میرا تعلق ہے تو اس وقت مر کر سیدہ جنت میں جاتا اور رہا اسلام تو اس کا رب اللہ موجود ہے جو اس کو مٹنے نہیں دے گا۔ دیکھو! کتنے بڑے بڑے محافظین اسلام دنیا سے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ ان کی جگہ دیگر افراد کو اسلام کی حفاظت کے لیے کھڑا کرتا رہا اور اسلام کو نہ مٹنے دیا۔“<sup>①</sup>

اس گفتگو کے دوران سلطان قطز پوری بیدار مغزی کے ساتھ لڑائی کے نقشے پر نگاہ رکھے ہوئے تھے اور وہ اپنے افسران اعلیٰ کو موقع بموقع ہدایات دیتے جا رہے تھے۔ پھر یکایک انہوں نے نزول نصرت کے آثار محسوس کیے اور تھوڑی ہی دیر میں معرکہ جنگ کا نقشہ تبدیل ہوتا نظر آیا۔ نصرت ایزدی فرزند ان تو حید کی پیشانیوں کے بوسے لے رہی تھی..... لشکر تاتار پر ادا بارو حرمان کی گھٹائیں مسلط ہو چکی تھیں..... اسلام کی شمشیر خارا شکاف کا رعب ان کے دلوں پر چھا گیا..... مجاہدین کی دہشت ان پر بری طرح سوار ہو گئی۔ صحرائے گوبی کی وحشت ناک تاریکیوں سے برآمد ہونے والے آتشیں طوفان کی پسائی مقدر ہو چکی تھی۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تاریخ الخلفاء میں اس جنگ کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تاتاریوں کو شرمناک شکست ہوئی اور اللہ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، تاتاریوں کا قتل عام ہوا اور وہ اس طرح خوفزدہ ہو کر بھاگے کہ لوگوں کی ہمتیں بڑھ گئیں، وہ آسانی سے ان کو گرفتار کرتے اور لوٹتے تھے۔“ (تاریخ الخلفاء ص: ۱۹۵)

جنگ کے اختتام پر جن قیدیوں کو الملک المنظر سیف الدین قطز کے سامنے پیش کیا گیا ان میں الملک السعید بن عبدالعزیز بن الملک العادل بھی تھا جو تاتاریوں کی حمایت میں پیش پیش تھا۔ قطز نے اسلام اور مسلمانوں سے غداری کے جرم میں اس کی گردن اڑادی۔

”کتبغا نوین“ کا کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا اور سلطان قطز کو یہ بات رہ رہ کر بے چین کر رہی تھی کہ کہیں وہ بچ نکلنے میں کامیاب نہ ہو گیا ہو۔ اسی اثناء میں ان کے سامنے ایک تاتاری نوجوان گرفتار کر کے لایا گیا اور بتایا گیا کہ یہ کتبغا نوین کا بیٹا ہے۔ قطز نے بے تابگی کے ساتھ اس سے پوچھا: ”کیا تمہارا باپ فرار ہو گیا ہے؟“

نوجوان نے جواب دیا: ”وہ بھاگنے والا شخص نہیں۔“

یہ سن کر قطز نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ خوب اچھی طرح مقتولین کی لاشوں کی پڑتال کی جائے۔

سپاہی اس نوجوان قیدی کو میدان کارزار میں ساتھ لے گئے جہاں لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ وہ دیر تک ایک ایک لاش کو الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے۔ اچانک چند مقتولین کے درمیان سے ایک بوڑھے شخص کی لاش برآمد ہوئی جسے دیکھ کر نوجوان قیدی کی چیخ نکل گئی اور وہ زار و قطار رونے لگا۔ معلوم ہوا کہ یہی ”کتبغا نوین“ تھا جو اپنے اعمال بد

سمیت جہنم رسید ہو چکا تھا۔ مزید تحقیق سے پتہ چلا کہ اسے ٹھکانے لگانے والا امیر آقوش شمشی تھا۔  
سیف الدین قطز کو جب ”کتبغا نوین“ کی ہلاکت کی یقینی اطلاع ملی تو وہ بارگاہ خداوندی میں سجدہ شکر بجالائے  
اور بولے: ”اب میں اطمینان کی نیند سو سکوں گا۔“

ان کی یہ بات درست ثابت ہوئی۔ دستِ قدرت نے انہیں جس عظیم کام کے لیے پیدا کیا تھا وہ پورا ہو چکا تھا۔ حضور  
سرور کو نین صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے انہیں بچپن میں ملنے والی سچی بشارت حرف بحرف پوری ہو چکی تھی۔ اب ان کی  
والہی کا وقت آچکا تھا۔ چنانچہ اس عظیم فتح کے چند ہفتے بعد وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔<sup>(۱۱)</sup> رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔  
علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وہ سرخ رنگت اور گھنی ڈاڑھی والا نوجوان تھا، خوش شکل تھا، ۱۶ ذی قعدہ ۶۵۸ھ کو مصر کی جانب  
لوٹ رہا تھا کہ غرابی اور صالحیہ کے درمیان بعض امراء نے حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالا، ابھی اس نے  
بادشاہت کا ایک سال بھی پورا نہیں کیا تھا۔ اللہ پر رحمت نازل فرمائے۔“<sup>(۱۲)</sup>

عینِ جالوت میں شکست سے تاتاریوں پر تنزل کی مہر ثبت ہو گئی اور انہیں مزید پیش قدمی کا حوصلہ نہ رہا۔  
بعد ازاں سلطان مصر الملک الظاہر بیبرس نے انہیں پے در پے شکستیں دے کر سارے ملک شام سے بے دخل کر دیا۔  
اس طرح وہ تباہ کن قوت بکھر کر رہ گئی جس نے گزشتہ نصف صدی سے تمام دنیا کو دہشت زدہ کر رکھا تھا اور جس کی ہمہ گیر  
تخریب کاریوں سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ مسلمان دنیا سے مٹ جائیں گے۔<sup>(۱۳)</sup>

بعد میں مسلمان مبلغین کی کوششوں سے تاتاریوں نے جوق در جوق اسلام قبول کرنا شروع کر دیا اور یوں ایک صدی  
سے کم عرصے میں چین کی سرحدوں سے لے کر دریائے فرات تک حاوی مغل سلطنت عالم اسلام کا حصہ بن گئی۔<sup>(۱۴)</sup>  
ہے عیاں یہ یورش تاتار کے افسانے سے بت شکن مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

————— ❦ —————

## حواشی و حوالہ جات

- ① العمر، ج ۳، ص ۲۹۱، سیر اعلام النبلاء، ج ۲۳، ص ۲۰۰..... تاریخ ملت، ج ۲، ص ۹۰۳..... قطر کی والدہ جو سلطان جلال الدین کی حقیقی یا سوتیلی بہن تھیں کے کوائف معلوم نہیں ہو سکے۔
- ② العمر، ج ۳، ص ۲۹۱
- ③ حسن المحاضرة، ج ۲، ص ۳۸، للعلامة جلال الدین السيوطی
- ④ البدایۃ النہایۃ، ج ۷، ص ۲۶۳، ۲۶۴ ⑤ البدایۃ النہایۃ، ج ۷، ص ۲۶۵
- ⑥ البدایۃ النہایۃ، ج ۷، ص ۲۶۴ ⑦ البدایۃ النہایۃ، ج ۷، ص ۲۶۵
- ⑧ سیر اعلام النبلاء، ج ۲۳، ص ۲۰۱ ⑨ البدایۃ النہایۃ، ج ۷، ص ۲۶۴
- ⑩ البدایۃ النہایۃ، ج ۷، ص ۲۵۸ تا ۲۶۵ ⑪ سیر اعلام النبلاء، ج ۲۳، ص ۲۰۱، ۲۰۰
- ⑫ سیف الدین قطر کے اس تذکرے کے تحت مندرج اکثر حالات تاریخ البدایۃ والنہایۃ، ج ۷ سے لیے گئے ہیں۔
- ⑬ تاتاریوں میں اشاعت اسلام کی تفصیل جاننے کے لیے تاریخ دعوت و عزیمت (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ) کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ راقم بھی اس پر ایک مقالہ لکھ چکا ہے جو ”سکرات سے حیات تک“ کے عنوان سے زیر طبع ہے۔

————— ❦ —————

## سلطان جلال الدین تنقید کے آئینے میں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ. اے ایمان والو! تم بہت

سے گمانوں سے بچا کرو (کیونکہ) یقیناً بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ (حجرات، آیت: ۱۲)

سلطان جلال الدین پر تنقید کا پس منظر ..... پیغمبروں کے سوا کوئی بھی انسان خواہ کتنی ہی غیر معمولی شخصیت کا حامل ہو، وہ لغزشوں اور کوتاہیوں سے پاک نہیں ہو سکتا۔ اتنا ضرور ہے کہ ہر شخصیت پر اس کی غالب عادات کے لحاظ سے اچھائی یا برائی کا حکم لگایا جاتا ہے۔ اگر کسی کے کردار کا غالب حصہ معاصی و منکرات اور فتنہ و فساد سے آلودہ ہو تو اسے بُرے لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے اور اگر اس کی سیرت کے اکثر اجزاء نیکی اور بھلائی پر مبنی ہوں تو اسے اچھے انسانوں میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

سلطان جلال الدین ایک انسان تھے۔ وہ غلطی اور خطا سے جو لازمہ بشریت ہے، محفوظ نہیں تھے۔ ان کی بعض عادات کو ناپسندیدہ کہا جاسکتا ہے اور ان کے بعض فیصلوں سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے، مگر ان کی جدوجہد، قربانی، حب الوطنی، سرفروشی اور بے لوثی کو دیکھتے ہوئے ہم یہی سمجھتے ہیں کہ ان میں خیر کا پہلو غالب تھا اور مجموعی حالات کے لحاظ سے وہ ایک اچھے انسان، اچھے مسلمان اور اچھے حکمران تھے۔

معترضین نے سلطان پر جو تنقید کی ہے اس میں انہوں نے سلطان پر جو الزامات عائد کیے ہیں ان کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ:

1 مسلم برادر کشی کے مجرم، متعصب مزاج اور کوتاہ اندیش انسان تھے۔

2 ظالم و جابر اور اذیت کوش تھے۔

3 ”امار پرستی“ میں مبتلا تھے۔

4 شراب نوشی اور رقص و سرود میں منہمک تھے۔

5 مکار، دھوکہ باز اور وعدہ خلاف تھے۔

ان الزامات میں سے کسی کی صداقت پر یقین کرنے سے قبل ہمیں یہ ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے کہ سلطان کی زندگی میں عالم اسلام میں ان کے متعلق بدگمانیوں کی ایک فضا قائم ہو چکی تھی، جس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ سلطان کے والد علاؤ الدین محمد نے اپنی حیاتِ مستعار میں دنیائے اسلام کی کوئی درجن بھر چھوٹی بڑی حکومتوں کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے اپنے تمام پڑوسیوں کو تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ چنانچہ سلطان جلال الدین کی فتوحات کی بھی وہ اسی تشویش اور بدگمانی کی نگاہ سے دیکھتے رہے اور ان کے متعلق بغض و حسد کے جذبات کا شکار رہے۔



یہ خیالات صرف حکمران طبقہ ہی کے نہ تھے، بلکہ ان کے عوام و خواص تک بدگمانی کی اس لہر کی زد میں رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس دور کے مؤرخین بھی اس عام ذہنی تاثر سے خالی نہ رہ سکے اور سلطان کے متعلق انہوں نے جو کچھ تحریر کیا وہ اسی ذہن کے مطابق تھا۔

ان مؤرخین میں سے اکثر کا تعلق انہیں ممالک سے تھا جن کے تعلقات سلطان کے ساتھ کشیدہ تھے۔ اس دور کی اکثر تواریخ مصر، شام، الجزائرہ اور ایشیائے کوچک میں لکھی گئیں۔ بعض کتابوں کے لکھنے والے تاتاری حکومت میں وزارت یا مشاورت کا قلمدان بھی سنبھالے ہوئے تھے اور بعض کا تعلق اہل بغداد سے تھا جو خوارزمی حکمرانوں کو شروع سے اپنا دشمن تصور کرتے آتے ہیں۔ ان سب مؤرخین نے اپنی بساط کی حد تک سلطان کے متعلق جو کچھ جانا نقل کر دیا اور بعد میں آنے والے نقل و نقل کے طریقہ کار پر عمل پیرا ہو کر اسی مواد کو آگے منقل کرتے گئے، یہ مصنفین سلطان کے معاصر ہوتے ہوئے بھی ان کے شب و روز سے قریبی واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ سلطان کے متعلق ان کی معلومات سطحی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان اکثر کتابوں میں سلطان کا تذکرہ ناکافی اور مجمل ہے۔ سلطان کے بعض ضروری کوائف تک ان میں موجود نہیں ہیں، اس لیے سلطان پر الزامات کے بارے میں ان پر سو فیصد یقین کر لینا خلاف احتیاط ہے۔

رہے وہ حضرات جو سلطان کی زندگی سے قریبی واقفیت رکھتے تھے اور واقعی اس کے اہل تھے کہ سلطان کے متعلق حقائق و تفصیلات کو صحیح طرح منظر عام پر لا سکتے، انہیں تاتاری حملے کی ہمہ گیر تخریب کاری نے اس قابل ہی نہیں چھوڑا کہ وہ یہ ضروری خدمت انجام دے سکتے۔ سلطنت خوارزم کے تقریباً تمام مشاہیر، علماء، ادباء اور فضلاء کسی نہ کسی انداز میں تاتاری حملے سے متاثر ہوئے، ان کی اکثریت تاتاریوں کی پہلی اور دوسری یورش میں شہید ہو گئی، ایک بڑی تعداد لاپتہ ہو گئی۔ بہت سے دردر کی ٹھوکریں کھاتے رہے، بہت سے تاتاریوں کی قید میں نہایت حقارت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس طوفانِ ہوش رُبا میں بھلا کسے موقع میسر آ سکتا تھا کہ وہ سلطان کے متعلق اپنے مشاہدات تحریر کرتا۔

تاہم ایک شخص ایسا تھا جس نے اس ذمہ داری کو بڑی حد تک انجام دینے کی سعی کی۔ یہ سلطان کے کاتب اور مشیر خاص شہاب الدین محمد بن احمد النسوی تھے جنہوں نے سلطان کی شہادت یا گم شدگی کے چند سال بعد تقریباً ڈھائی سو صفحات کی ایک جلد میں سلطان کے باوثوق حالات کو جمع کیا اور اسے ”سیرت سلطان جلال الدین مکرمر“ کا نام دیا، مگر افسوس! حوادثِ زمانہ سے اس کتاب کی زیادہ اشاعت نہ ہو سکی اور تالیف کے دو صدیوں بعد سے یہ کتاب تقریباً نایاب ہی رہی۔ مؤرخین میں سے علامہ ابن خلدون، حافظ ذہبی اور چند ایک کے سوا بقیہ حضرات اسے کا مطالعہ نہ کر سکے، لہذا انہوں نے سلطان کے متعلق دیگر ذرائع سے حاصل شدہ کچھ ایسی معلومات بھی اپنی کتب میں درج کر دیں جو ”سیرت سلطان جلال الدین“ کے قابل اعتماد مواد سے متصادم ہیں۔ اس بناء پر سلطان کے بارے میں بہت سے حقائق پس پردہ ہی رہے اور الزامات و کردار کشی کی دہند چھپ نہ سکی۔

مذکورہ بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سلطان کے متعلق کسی غیر مناسب تاریخی روایت پر یقین کرنے سے قبل احتیاط کا دامن تھا منظر ضروری ہے۔ میرا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ سلطان کے بارے میں دیگر مؤرخین کی رائے کو یکسر نظر انداز یا رد کر دیا جائے، بلکہ میرا حِ نظر صرف یہ ہے کہ سلطان پر لگائے الزامات کو مذکورہ بالا پس منظر کے تحت من و عن قبول کرنے میں جلدی نہ کی جائے اور ایک مرد مجاہد کی کردار کشی میں حصہ دار بننے کے بجائے اسے حسن ظن کا جس

قدر فائدہ دیا جاسکتا ہے، دیا جائے۔

چونکہ رافق کی اس تالیف کا اصل موضوع سلطان کی سیرت و سوانح نہیں، بلکہ تاتاری یلغار کی روک تھام میں ان کی جدوجہد کی وضاحت ہے اور یہ مقصد بہر صورت پورا ہو چکا ہے۔ اس لیے ہمیں مؤرخین کے ذکر کردہ الزامات و اعتراضات کی تفصیل اور پھر ان کی تائید یا تردید میں شواہد و دلائل کے انبار پیش کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں، پھر بھی چند سطریں اشارۃً صرف اس لیے تحریر جارہی ہیں کہ کہیں قارئین سلطان پر بعض لوگوں کی بے جا تنقید سے متاثر نہ ہو جائیں اور سلطان جلال الدین کو مجاہد کی جگہ مجرم نہ گردانے لگیں۔

اصل مآخذ کی طرف رجوع کرنے والے سلطان کے بارے میں بعض مؤرخین کی طعن و تشنیع کو پتھر پر لکیر نہ سمجھیں بلکہ اسے عقل و نقل کی کسوٹی میں پرکھیں۔

اس تمہید کے بعد اب ہم اختصار کے ساتھ سلطان پر لگائے جانے والے مذکورہ چند الزامات کے جوابات ترتیب وار تحریر کرتے ہیں۔

بردار کشی، تعصب اور کوتاہ اندیشی کا الزام ..... بعض مؤرخین نے سلطان کو مسلم بردار کش، متعصب مزاج اور کوتاہ اندیش حکمران قرار دیا ہے اور سلطان پر الزام لگایا ہے کہ انہوں نے اپنے تمام ہمسایہ ممالک سے لڑ بھگڑ کر اپنے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ کر لیا تھا۔

چنانچہ ان مؤرخین نے سلطان کے غلط اقدامات کی فہرست تیار کرتے ہوئے گنویا کہ:

- 1 اس نے خلیفہ کے مقبوضہ شہروں پر حملہ کیا۔ 2 آذربائیجان کے حاکم اور بک مظفر بن بہلوان سے لڑائی کی
- 3 گرجیوں سے دشمنی مول لی۔ 4 الملک الاشرف اور علاؤ الدین کی قیقاہ سے عداوت کی 5 نیز باطنیوں کی حکومت سے بھی ٹکری۔

ایک سے زیادہ مؤرخین نے سلطان پر یہ الزام عاید کیا ہے اور گویا اس طرح سلطان کو ایک مجاہد کے بجائے مسلم بردار کشی کے ایک مجرم کی حیثیت سے پیش کیا ہے، مگر حالات کے پس منظر کا تفصیلی جائزہ لینے سے بڑی حد تک اس الزام کی تردید ہو جاتی ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عداوتوں اور رقابتوں کی اس آگ کو ہوا دینے میں سلطان کے پڑوسی ہی زیادہ قصور وار ہیں۔

خلیفہ سے دشمنی کے الزام کی حقیقت ..... جہاں تک خلیفہ کے شہروں پر سلطان کے از خود حملے کا الزام ہے یہ صرف ابن اثیر کا بیان ہے ① ورنہ دیگر تواریخ (جہاں کشاجوینی وغیرہ) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان صلح و صفائی اور اعانت کی التماس کے ارادے سے خلیفہ سے ملنے بغداد روانہ ہوئے تھے، مگر خلیفہ نے ان سے لڑائی میں پہل کی تو سلطان کو بھی تلوار اٹھانا پڑی اور خلیفہ کی فوجوں کو شکست دینے کے بعد انہوں نے سامان رسد وغیرہ کی شدید احتیاج کے باعث خلاف عباسیہ کے بعض شہروں یعقوب با وغیرہ پر قبضہ بھی کر لیا تھا، مگر یہ قبضہ عارضی تھا اور رسد حاصل کرنے کے بعد یہ شہر خالی کر دیے گئے تھے۔ ②

خلیفہ کے شہروں پر سلطان کے ابتداءً حملہ نہ کرنے کی روایت اس لیے بھی رائج ہے کہ اس مہم میں سلطان اپنی تیس چالیس ہزار فوج میں سے صرف دو ہزار آدمی ساتھ لے گئے تھے۔ یہ تعداد بغداد کی افواج کے ہمہ پلہ تو کجا ان کا

دسواں حصہ بھی نہ تھی۔ یہ علاحدہ بات تھی کہ میدان کارزار میں سلطان کی حکمت عملی سے خلافتی افواج بوکھلا کر رہ گئیں اور پشت پھیر کر بھاگ نکلیں۔

اگر سلطان لڑنے کے ارادے سے جاتے تو اپنی موجودہ فوج کی تمام نفری کے علاوہ بھی مزید آدمی بھرتی کر کے ساتھ لے جاتے نہ کہ اس طرح اکثر فوج کو چھاؤنیوں میں چھوڑ کر مٹھی بھر افراد کے ساتھ نکل کھڑے ہوتے۔ کیونکہ بغداد کی فوج کوئی چھوٹی موٹی فوج نہ تھی۔

بالفرض اگر خلافت عباسیہ کی عملداری میں شامل علاقوں پر سلطان کی یلغار کی روایت کو تسلیم کر لیا جائے، تب بھی منصفانہ نقطہ نظر سے جائزہ لیا جائے تو کیا اس کی وجہ سے سلطان کی تمام جدوجہد کو قلمزد کردینا اور ان کے جہاد کو فساد قرار دینا درست ہو سکتا ہے؟

ذرا سوچیے! ایک طرف ایک مرد مجاہد ہے جو پورے عالم اسلام کو تار یوں کی یلغار سے بچانے کے لیے جنوب مشرق سے شمال مغرب تک مورچہ بندیاں کر رہا ہے اور دوسری طرف ایک ایسی بے جان اور بے روح خلافت ہے جس کا وجود عالم اسلام کی حمایت کے بجائے اس کی بربادی کے لیے استعمال ہو رہا ہے اور جس کا خلیفہ نہ صرف کمالات مردانگی و جہانداری سے عاری ہے، بلکہ عقیدے اور نظریے کے لحاظ سے بھی اہل اسلام کے سوادِ اعظم سے خارج ہے۔ ان حالات میں اگر ملتِ اسلامیہ کا کوئی سر بکف مجاہد تمام امت مسلمہ کو کفار کی چیزہ دستیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ایسی بے حس و بے حیثیت خلافت کے کچھ علاقے پر عارضی قبضہ کر لیتا ہے اور وہاں سے اپنے مجاہدوں کے لیے مکہ و رسد کا انتظام کرتا ہے، وہاں دشمنانِ اسلام کو روکنے کے لیے مورچے اور حصار قائم کرتا ہے تو کیا اسے بغاوت شمار کرنے کے باوجود ہم اس جسارت کے پس پردہ ناگزیر عوامل کو نظر انداز کر دیں گے؟ کیا مورخ کا فرض نہیں کہ وہ ان حالات اور محرکات کو بھی دیکھے جن کی وجہ سے سلطان جلال الدین جیسے لوگ ایسے انتہائی اقدامات پر مجبور ہوتے ہیں۔

زمین کسی کی میراث نہیں، اللہ بزرگ و برتر کی ملکیت ہے۔ کوئی حکمران چاہے وہ حسب و نسب کے لحاظ سے کتنا ہی عالی مقام کیوں نہ ہو، اگر اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے سر بکف نہیں ہوتا، اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لیے سیدہ پر نہیں ہوتا، زمین پر قرآن و سنت کا نظام قائم نہیں کرتا تو وہ زمین پر خلافت کا مقدار نہیں رہتا۔ خلیفہ ناصری حیثیت کچھ ایسی ہی تھی، مگر سلطان کو اس نا اہل خلیفہ کے لشکر سے اپنے دفاع کے لیے مجبوراً تلوار اٹھانے کی بھی اتنی بڑی سزا دی گئی کہ انہیں ظالم و غاصب کہا گیا..... اسلام کا محافظ تسلیم کرنے کے بجائے باغی اور خارجی قرار دیا گیا، حالانکہ سلطان نے اس کے بعد محض امت کو انتشار سے بچانے کی خاطر بلاتا خیر خلافت عباسیہ سے اپنے تعلقات بہتر بنالے تھے، اور اس نا اہل قیادت کو تسلیم کر لیا تھا۔ اس کے باوجود سلطان پر طعن و تشنیع جاری رہی اور ان کی کردار کشی سے زبان و قلم کو نہ روکا گیا۔

دیگر حکمرانوں سے دشمنی الزام کی حقیقت..... آذربائیجان پر سلطان کے قبضے کو الزام و طعن کے انداز سے پیش کرنا بھی قرین انصاف نہیں۔ حاکم آذربائیجان ایک عیاش، نا اہل اور غفلت شعار حکمران تھا اور تار یوں کا اہم حلیف شمار ہوتا تھا۔ ایسے موذی ارباب اقتدار کے پنجے سے مسلم قوم کو نجات دلانا سلطان کا کارنامہ تھا، نہ کہ جرم۔

اسی طرح گرجیوں اور باطنیوں سے سلطان نے جو ٹکری اس کی وجہ محض یہ تھی کہ ان کی غارت گری، ایذا رسانی اور فتنہ پردازی حد سے متجاوز ہو چکی تھی جس کی تاب نہ لاتے ہوئے سلطان ان کو سبق سکھانے پر مجبور ہوئے۔ یہ بد طبیعت قومیں

پہلے بھی تمام مسلمانوں اور بالخصوص سلطان جلال الدین کی سخت دشمن تھیں۔ سلطان نے ان سے جہاد کر کے اپنے دشمنوں کی تعداد میں کوئی نیا اضافہ نہیں کیا، بلکہ ان سابقہ دشمنوں ہی کی سرکوبی کی تھی۔ یہ ایک فریضہ تھا جو سلطان نے ادا کیا۔ باقی رہے الملک الاشرف اور علاء الدین کی بقا تو سلطان اور ان کے مابین تعلقات کی خرابی کی وجوہات، ہم گزشتہ ابواب میں ذکر کر چکے ہیں، جس سے یہ بات نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ اس افسوسناک رقابت میں سلطان کی بہ نسبت ان کے عاقبت نااندیش ہمسایوں کا حصہ زیادہ رہا ہے۔

ان باتوں سے قطع نظر کر کے ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ آخر امت مسلمہ کے عظیم فاتحین میں سے اور بھی بہت سے ایسے ہیں جو بارہا خود اپنے ہم عقیدہ حکمرانوں اور سرداروں کے خلاف تلوار سونپتے پر مجبور ہوئے۔ ان کا یہ عمل ان کی بہت سی مجبوریوں کا تقاضا تھا جن سے وہی زیادہ واقف تھے، اس بظاہر نامناسب روش میں یہ حضرات بالکل مخلص تھے۔ دین اسلام کی عظمت و سر بلندی، ایمان کے تقاضوں کی تکمیل اور شریعت کے نفاذ کے لیے ان عظیم شخصیات پر بارہا ایسے حالات آئے کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس پر مجبور ہوئے کہ ان مسلمانوں کے خلاف مقابلہ پر آ جائیں جو ان کے بلند عزائم کے لیے رکاوٹ تھے۔ اس فیصلے میں اگر وہ غلطی پر تھے تب بھی ان شاء اللہ ان سے مواخذہ نہ ہوگا۔ سلطان محمود غزنوی، سلطان صلاح الدین ایوبی، شہاب الدین غوری، شیر شاہ سوری، اورنگ زیب عالمگیر، احمد شاہ ابدالی اور دیگر بہت سے سلاطین اسلام کی تواریخ اور سوانح میں ہمیں یہ بات نمایاں نظر آتی ہے۔ اگر سلطان جلال الدین بھی حالات کے تقاضوں سے مجبور ہو کر کبھی ایسے ہی فیصلے کر گزرے اور اپنے ان ہم مذہب حکمرانوں سے سر برد آ رہا ہوئے جو ان کے نیک ارادوں کی تکمیل میں حائل تھے تو اس کی بناء پر سلطان کے عظیم تر جہاد کو فساد قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟

ظلم و جبر اور اذیت کوشی کے الزام کا جواب ..... بعض مؤرخین نے سلطان کو ایک ظالم و جابر، اذیت کوش اور تشدد حکمران کے طور پر متعارف کرایا ہے اور نہایت مبالغے کے ساتھ عوام پر ظلم و ستم، لوٹ مار اور تشدد کے واقعات کو ان کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس میں اولاً تو یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ سلطان نے ہمیشہ اپنے مقبوضہ ممالک میں نہایت عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی اور عوام کو کسی قسم کی گزند نہیں پہنچائی۔ لوٹ مار اور تشدد کے افسوسناک واقعات صرف ان بعض مواقع پر پیش آئے جب سلطان کی افواج کسی شہر کو فتح کر کے وہاں داخل ہوئیں۔ ثانیاً یہ بات بھی نظر انداز نہ کی جائے کہ لوٹ مار اور غارت گری کے واقعات سلطان کی مرضی کے خلاف فوج کی اپنی من مانی اور سرکشی کے باعث رونما ہوئے۔ جب تک سلطان کا بس چلتا رہا وہ فوج کو ایسی حرکات سے سختی کے ساتھ منع کرتے رہے، اس کی نظیر سلہویں باب میں سلطان کے عدل و انصاف کے واقعات میں دیکھی جاسکتی ہے..... مگر جب سلطان کی افواج میں سے ان کے قابل اعتماد ساتھی رخصت ہو گئے اور آوارہ قسم کے لوگ عمومی بھرتی کے باعث فوج کا غالب عنصر بن گئے تو سلطان کے لیے اس نوعیت کے واقعات کی روک تھام بہت مشکل ہو گئی۔

اگرچہ شرعاً حاکم ہونے کے ناطے سلطان کو اپنے محکوموں کی ان کارستانیوں سے بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا، تاہم اتنا ضرور ہے کہ سلطان کو جس مبالغے کے ساتھ ظالم و جابر قرار دیا گیا ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ خوارزمی افسران اور سپاہیوں کی ان غلط حرکات سے سلطان کی ناخوشی کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جب علامہ محی الدین یوسف ابن جوزی رحمہ اللہ نے خلیفہ بغداد کے سفیر کی حیثیت سے سلطان سے تجلیے میں ملاقات کی تو سلطان نے علامہ

موصوف کے سامنے نہایت حسرت، ندامت اور معذرت کا اظہار کیا کہ میری فوجیں اپنی سرکشی کے سبب میرے قابو سے باہر ہو گئی ہیں اور میں انہیں لوٹ مار سے روکنے سے عاجز آ گیا ہوں۔<sup>(۲)</sup>

سلطان کے زوال کے اسباب میں ہم لکھ چکے ہیں کہ ان کے فوجیوں کی سرکشی، امراء کی دغا بازیاں اور وزراء کا ناقابل اعتماد کردار سلطنت کی انتظامی مشینری کے تعطل اور سلطان کے زوال کے اہم اسباب تھے۔

خلاطہ کا المیہ..... مؤرخین نے جن مواقع پر سلطان کے ظلم و ستم کا ذکر کیا ہے ان میں ”خلاطہ“ کے محاذ کو سب سے زیادہ اچھا لایا گیا ہے۔ خلاطہ میں سلطانی افواج کا محاصرہ آٹھ مہینوں پر محیط رہا تھا، محاصرے کی طوالت اور موسم کی شدت نے فوج کو انتہائی چڑچڑایا تھا۔ آخر جب شہر فتح ہوا تو افسران اور سپاہ نے سلطان پر دباؤ ڈال کر لوٹ مار کی اجازت حاصل کی اور شہر میں تشدد اور غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حادثے میں فوج اور افسران فوج کے ساتھ سلطان کا کردار بھی قابل اعتراض ہے کہ انہوں نے دباؤ قبول کر کے لوٹ مار کی اجازت کیوں دی۔ مگر بعض مؤرخین نے اس حادثے کو جس انداز سے بیان کیا ہے وہ خلافت حقیقت ہے۔ اہل خلاطہ پر خوارزمی افواج کے تشدد کے متعلق مبالغہ آرائی کے ریکارڈ توڑتے ہوئے انہوں نے کہا ہے کہ:

”1 خوارزمیوں نے شہر والوں کے ساتھ تاتاریوں سے بھی بڑھ کر سفاکانہ سلوک کیا۔ 2

پورے شہر کو پوند زمین کر دیا۔ 3 تمام لوگوں کو قتل کر دیا گیا 4 تجربہ ہو گیا ہے کہ تاتاریوں کی سیرت

بہر حال خوارزمیوں کے کردار سے بدرجہا بہتر ہے“ وغیرہ وغیرہ.....

حالانکہ اس داستان سرائی کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس جنگ کے چشم دید گواہ شہاب الدین النسوی حقیقت حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”یہ بات جو مشہور ہے کہ سلطان نے شہر کے سب لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، یہ درست نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ بہت سے لوگ زد و کوب کی وجہ سے مارے گئے۔ قحط اور گرانی نے بھی ان کو ہلاک کیا۔“ (سیرۃ جلال الدین، ص: ۳۲۳)

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ظلم بہر حال ظلم ہے، تھوڑا ہو یا زیادہ، اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔ مگر خوارزمی افواج کو جو اپنے بہت سے عیوب کے باوجود اس دور میں عالم اسلام کی ہزاروں میل طویل شمالی، مشرقی اور جنوبی سرحدوں کا دفاع کر رہی تھیں، تاتاریوں سے بڑھ کر ظالم و غارت گر قرار دینا اور کافر تاتاریوں کو ان مسلمانوں پر فضیلت دینا مصنف مزاحی کے خلاف ہے۔

سلطان پر امارد پرستی کا گھناؤنا الزام اور اس کا جواب..... سلطان جلال الدین پر ایک نہایت افسوسناک الزام یہ لگایا گیا ہے کہ وہ ”امارد پرستی“ کے مریض تھے۔ اس الزام کو ثابت کرنے کے لیے سلطان جلال الدین کے اپنے غلام قلیج کے ساتھ تعلق کو بنیاد بنایا گیا ہے اور قلیج کی وفات پر سلطان کے بارے میں بے سرو پا واقعات کو مشہور کر کے ان سے سلطان کی مجبوظ الحواسی، کم عقلی اور حماقت پر بزع خود زبردست استدلال کیا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا گیا ہے کہ قلیج کی موت پر سلطان نے تمام اہل تبریز کو جنازے میں شرکت اور ماتم و نوہ وزاری کرنے کا حکم دیا، اس کی لاش کو دفنانے کے بجائے اپنے ساتھ ساتھ لیے پھرتے رہے وغیرہ وغیرہ۔

میں سمجھتا ہوں کہ سلطان رحمہ اللہ پر یہ الزام دراصل ان فاسد ذہنوں کی پیداوار ہے جو اس دور میں سلطان کی کردار کشی کرنے اور عامۃ المسلمین کو ان سے متفرق کرنے کے لیے کوئی پست سے پست انداز اختیار کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے، اس لیے انہوں نے سلطان کی ساکھ کو مجروح کرنے کے لیے ان پر ایسا الزام لگایا جس کے تصور ہی سے ایک شریف آدمی کو کراہت ہوتی ہے، اتنا بڑا الزام شرعی ثبوت کے بغیر کسی شخص پر عائد کرنا ظلم عظیم ہے۔

وہ مؤرخین جو اپنی وسعت علمی اور اپنی نیکی اور پرہیزگاری کے باوجود یہ روایت نقل کر گئے ہیں اپنے گرد و پیش میں سلطان کے متعلق زہریلے پردے کی فضا سے متاثر تھے، اس لیے انہوں نے اس روایت کو قبول کرنے میں تامل سے کام نہیں لیا، مگر ہمارے لیے یہ مناسب نہیں کہ تاریخ کی ایسی روایات کو جو اسلام کی عظیم شخصیات کی کردار کشی کرتی ہیں بغیر سوچے سمجھے قبول کر لیں۔ عقل و نقل کی کسوٹی میں پرکھا جائے تو سلطان جلال الدین باقی تمام زندگی میں اس قسم کی سفلہ حرکات سے پاک نظر آتے ہیں۔ ان کی عمر کا ہر لمحہ ان کی طاقتِ ایمانی، ہوش مندی، بلند خیالی، عالی ہمتی، جفا کشی اور سادگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ عیش و عشرت، شہوات و لذات اور پست حرکات سے وہ ہمیشہ دور نظر آتے ہیں، اس لیے ان کے متعلق اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ روایات کو قبول کر لینا انصاف سے بعید ہے۔

یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ امر دہرستی کا گھناؤنا الزام صرف سلطان جلال الدین ہی پر نہیں لگایا گیا۔ بعض اور بھی عالی شان مجاہد اور فاتح ایسے ہیں جن کو بدنام کرنے کے لیے اسی ناپاک الزام کو اچھالا گیا ہے۔ سلطان محمود غزنوی کو اپنے غلام ایاز کے ساتھ موانست اور قدر دانی کا جو تعلق تھا وہ تاریخ کا ایک حصہ ہے، مگر اس میں کسی معاشرتی بازی اور رومان پسندانہ جذبے کا دخل ہرگز نہ تھا، نہ ہی ایسے عظیم مجاہد کے بارے میں ایسا گھٹیا تصور کسی کو زیب دیتا ہے، مگر ایرانی ادباء و شعراء نے اپنی طبعی آوارگی کا نشانہ سلطان محمود غزنوی کو بھی بنایا اور محمود و ایاز کے معاشرے کے قصے مشہور کر دیے۔ مجھے اس وقت نہایت صدمہ ہوا جب میں نے زمانہ قریب کے ایک ایرانی مصنف کی یہ تحریر پڑھی کہ ”سلطان جلال الدین کا اپنے غلام پر عاشق ہونا کوئی نئی بات نہیں، مسلمان بادشاہوں کے ہاں یہ شغل عام تھا، محمود غزنوی کا ایاز پر عاشق ہونا تو سب کو معلوم ہے، وغیرہ وغیرہ۔“

یہی وہ لابی ہے جس نے تاریخ اسلام کو مسخ کیا ہے اور بڑے بڑے با عظمت اور قابلِ صد فخر فاتحین کی شان کو ایسے گھٹیا حربوں سے خاک میں ملانے کی کوشش کی ہے۔

(اللہم انا نجعلک فی نحورهم و نعوذ بک من شرورهم)

شراب نوشی اور رقص و سرود کے الزام کا جواب ..... اسی طرح سلطان پر ان کے آخری ایام حیات میں شراب نوشی اور رقص و سرود کی محفلیں آراستہ کرنے کا الزام بھی لگایا گیا ہے۔

یہ روایت بھی درایت کی کسوٹی میں پرکھے بغیر قابلِ قبول نہیں۔ سلطان کے حالات کا تفصیلی جائزہ لینے سے ان کی زندگی کے نشیب و فراز میں کوئی موڑ ایسا نہیں ملتا جس میں کسی تاریخ نویس نے ان کی شراب و زباب سے دلچسپی کا ذکر کیا ہو، بلکہ اس کے برخلاف شواہد ان فضولیات سے سلطان کی طبعی بے التفاتی پر دلالت کرتے ہیں۔ پھر اس پر کیسے یقین کر لیا جائے کہ ایسا صاحبِ ایمان شخص جو جہاد کے اسپ تیز رو پر سوار ہو کر ایمان و معرفت کی بے شمار منازل کو پھلانگ چکا ہو، اللہ کی رضا مندی کے واسطے بے شمار بار جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے آگے بڑھ چکا ہو، قتال فی

سبیل اللہ کی لذت کچھ چکا ہو اور شہادت کے مزے کے لیے بے چین ہو، وہ یکدم شراب اور موسیقی کی حقیر اور گھٹیا لذت پر فریفتہ ہو جائے؟ اس گئے گزرے دور میں فلموں، شراب خانوں اور نائٹ کلبوں کے ڈیسے ہوئے بعض نوجوان جب خوش قسمتی سے جہاد کے کسی محاذ پر جا پہنچتے ہیں تو وہاں چند ہی دنوں میں ان کا ایمان اتنا ترقی کر جاتا ہے کہ وہ نہ صرف اس قسم کی تمام شیطانی چیزوں سے خود کو سوں دور بھاگتے ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی ان سے بچانے کی پوری کوشش کرتے ہیں..... تو جس مجاہد کی پوری زندگی جہاد کے لیے وقف رہی ہو اس کے بارے میں کیسے یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ اس کا ایمان اسے اس قسم کی گھٹیا حرکات سے نہ روکتا ہوگا؟؟

سچ تو یہ ہے کہ خلفائے اسلام اور سلاطین کے بارے میں تاریخ اور ادب کی کتابوں میں شراب نوشی کی جو روایتیں ملتے ہیں وہ سب محل نظر ہیں۔ ایک عام پڑھنے والا ان کا مطالعہ کر کے یہی تصور کرتا ہے کہ اس دور میں شراب کی اتنی ریل پیل تھی جو آج ہم نام نہاد مسلمانوں میں بھی نہیں۔ حالانکہ ایسا ہونا فہم سلیم سے بعید ہے۔

غور فرمائیے! براہیوں کی ریل پیل کے اس موجودہ دور میں بھی اسلامی معاشرے میں شراب اس طرح نہیں پی جاتی، اس فتنہ و فساد کے زمانے میں بھی اسلامی ممالک کے حکام اس طرح کھل کر شراب نہیں پی سکتے کہ اس کے چرچے دنیا بھر میں ہوں حالانکہ اس ماڈرن دنیا میں شراب نوشی کو ایک مہذب عادت مان لیا گیا ہے۔ اس کے باوجود ہمارے حکمران اور سرکاری افسران اگر شراب پیتے بھی ہیں تو اس طرح کہ وہ ہر قسم کے ذرائع ابلاغ کا ہدف ہونے کے باوجود اس جرم کی تشہیر سے اپنا دامن بچا لیتے ہیں۔

اب سوچئے کیا اُس دور میں جبکہ اسلامی احکام پر آج کی بہ نسبت بہت زیادہ عمل ہوتا تھا اور معاشرہ آج کی بے حیائی اور اخلاق باختگی سے بہت دور تھا کیا ایسا ممکن تھا کہ حکام بے دھڑک شراب پیتے اور ان کی شراب نوشی کے چرچے گھر گھر ہوتے۔

مانا کہ بہت سے مسلم بادشاہوں بلکہ خلفاء کی شراب نوشی کے قصے کتب تواریخ میں بکثرت ملتے ہیں مگر ایسی روایات پر حرف بحرف یقین کرنے کی بجائے غور و فکر سے کام لینا چاہیے۔ تاریخ پر معمولی نظر رکھنے والا شخص بھی اس سے اتفاق کرے گا کہ سلاطین اور خلفاء کا دور اپنی بہت سی خرابیوں کے باوجود آج کے دور سے ہزار درجہ بہتر تھا۔ اس دور کے اکثر حکمران نماز روزے اور ذکر و تلاوت کے پابند ہوا کرتے تھے۔ سب نے کسی نہ کسی حد تک دینی مدرسوں میں تعلیم پائی ہوتی تھی۔ منکرات سے گریز میں وہ آج کل کے بہت سے دین داروں سے بھی بہتر ہوا کرتے تھے۔ پھر اس کے باوجود ان میں شراب کا، جسے حدیث میں اُمّ الخبائث (گناہوں کی جڑ) کہا گیا ہے، اتنا عام ہونا کیسے ممکن ہے۔ پس عقل و نقل (روایت و درایت) کی کسوٹیوں پر ان روایات کو پرکھنا اور ان کی چھان بین کرنا ضروری ہے۔

آٹھویں صدی ہجری کے نامور مسلم مؤرخ اور عمرانیات کے بانی علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ نے بھی خلفاء اور سلاطین کی شراب نوشی کی روایات کو فساد قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس قسم کی واہیات باتوں کو لوگوں نے اس لیے مشہور کر رکھا ہے تاکہ خود انہیں حرام لذتوں کا راستہ کھلا ل سکے۔ (مقدمہ ابن خلدون، ص: ۲۰۰)

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مسلم مؤرخین میں سے سلطان جلال الدین کے حالات کا جتنا مطالعہ ابن خلدون نے کیا تھا شاید کوئی اور نہ کر سکا۔ اس کے ساتھ ساتھ محمد بن احمد النسوی کی سیرۃ سلطان جلال الدین سے جس قدر استفادہ



تاریخ ابن خلدون میں کیا گیا پیشا یہی تاریخ کی کسی اور متداول کتاب میں کیا گیا ہو، عربی کی متداول کتب تاریخ میں سلطان جلال الدین کے حالات کی سب سے زیادہ تفصیل بھی تاریخ ابن خلدون ہی میں ملتی ہے، مگر اپنی معلومات کی اس وسعت کے باوجود علامہ ابن خلدون نے سلطان پر کہیں اشارے کنایے میں بھی شراب نوشی کا الزام عاید نہیں کیا۔ یہی نہیں بلکہ ان کی طرف بھی کردار کے کسی عیب یا کمزوری کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں کیا۔ اگر سلطان کے بارے میں مشہور ان روایات کا کوئی وزن ہوتا تو ابن خلدون اسے ذکر کیوں نہ کرتے؟ ان کا اعراض اس بات کی علامت ہے کہ درایت کے اصول کے تحت (جس کا ابن خلدون نے خاص اہتمام کیا ہے) ان روایات کی کوئی حیثیت نہیں۔

اس نکتے پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اس وقت ہمارے پاس موجود تاریخی ذخیرے میں ایک بڑی تعداد ان کتب کی ہے جو صدیوں کی گمشدگی کے بعد یورپ کے مستشرقین نے برآمد کر کے متن کی تصحیحات کے ساتھ ہمیں پیش کی ہیں۔ خود سلطان جلال الدین کی سوانح ”سیرت جلال الدین منکمرتی“ جو ان کے حالات کا سب سے بڑا مأخذ ہے مستشرقین ہی کے ہاتھوں سے ہم تک پہنچی ہے۔ تو کیا یہ ممکن نہیں کہ اسلامی لٹریچر میں شراب نوشی کی یہ ریل پیل ان مستشرقین کا کارنامہ ہو۔ کسی عام مشروب خصوصاً نیند کو ”خمر“ سے اور نشا ط کو ”سکر“ سے بدنام مستشرقین کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ حقیقت جاننے کے لیے برصغیر کے مشہور مؤرخ علامہ شاہ معین الدین ندوی مرحوم کی رائے پر غور فرمائیے۔ وہ لکھتے ہیں:

”ایک غلط فہمی دور کر دینا ضروری ہے۔ عربی میں ”شراب“ مطلق پینے کی ہر چیز کو کہتے ہیں، چنانچہ شربت کے لیے بھی شراب کا لفظ ہے، اسی طریقے سے ”شرب“ مطلق پینے کو کہتے ہیں، خواہ وہ آب زم زم ہی کیوں نہ ہو۔ اردو کی شراب کے لیے عربی میں خمر کا لفظ ہے، لیکن جو لوگ عربی سے واقف نہیں ہیں۔ ان کو شراب یا شراب کے لفظ سے اردو کی شراب یعنی خمر کا دھوکہ ہوتا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ اور دھوکہ اچھے اچھوں کو ہو جاتا ہے اور نبیذ نوشی کو شراب نوشی سمجھ لیتے ہیں۔ بعض عباسی خلفاء کے علاوہ جن کی بادہ نوشی مسلم ہے، باقی اکثر خلفاء بلکہ تقریباً کل اس ام النبیات سے محترز رہے۔ البتہ نبیذ کی بعض ملکی قسمیں جو نشہ آور نہ تھیں بعض علماء عراق کے نزدیک جائز تھیں جن کو قریب قریب سب خلفاء اور امراء بڑے اہتمام سے پیتے تھے۔ (تاریخ اسلام شاہ معین الدین ندوی، ج: ۴، ص: ۳۳۰ مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی)

شاہ صاحب کی یہ رائے بڑی وزنی ہے۔ تاریخی کتب میں جہاں ”الشراب خانہ“ کا لفظ آتا ہے وہاں بھی خاص ”خمر“ مراد نہیں ہوتی بلکہ کوئی بھی مشروب پینے پلانے کے انتظامات کرنے والے ادارے کو ”شراب خانہ“ کہا جاتا ہے۔ (دیکھئے ”صبح الاشی“ ج: ۵، ص: ۴۵۴، ۴۶۰، ۴۶۹)

علامہ ابن خلدون نے بھی ہارون الرشید اور مامون الرشید جیسے خلفاء کے بارے میں شراب نوشی کی روایات کی تردید کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ وہ نبیذ پیا کرتے تھے۔ علامہ لکھتے ہیں:

”وہ نبیذ تمز پیا کرتے تھے جس کا عراق کے مفتیوں کے مذہب کے مطابق پینا جائز تھا اور یہ بات بالکل واضح تھی۔ جہاں تک خمر (شراب) کا تعلق ہے تو اس کی تہمت لگانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی اس بارے میں

واہیات روایتوں پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔“ (مقدمہ ابن خلدون، ص: ۱۸)



سلطان جلال الدین جیسے با عظمت سلاطین اسلام کے پینے پلانے سے متعلق روایات اگر کسی درجے میں ثابت ہو جائیں تو ان کو اسی پر محمول کرنا چاہئے۔

مکاری، دھوکہ بازی اور وعدہ خلافی کے الزام کی حقیقت ..... اس الزام کے متعلق میں مختصر آنتا ہی سمجھنا کافی ہے کہ سپاہی کے لیے چال بازی ایک ایک ہنر ہے نہ کہ کوئی عیب کی بات۔ حدیث میں آتا ہے ”الْحَرْبُ خُدْعَةٌ“ (جنگ دھوکے کا نام ہے۔) اس کے بمقدار ایک کامیاب سپہ سالار کے بنیادی اوصاف میں سے ہے کہ وہ چالاک اور عیار ہو۔ سیدھا سیدھا بھولا بھالا آدمی نہ میدان جنگ میں فوج کی کمان کر سکتا ہے اور نہ حالت امن میں ملکی سیاست اور انتظام کو سنبھال سکتا ہے۔ سلطان جلال الدین جو کہ عالم اسلام کی صفِ اوّل کے سپہ سالار تھے بھلا سادہ لوح اور بھولے بھالے کیوں ہوتے۔ وہ چالاک اور ہشیاری کی صفات سے کیوں کر عاری ہو سکتے تھے؟

رہی بات وعدہ خلافی اور عہد شکنی کی تو تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ حالت امن میں سلطان کا کسی قوم سے باقاعدہ معاہدہ ہوا ہو اور پھر سلطان نے اس معاہدے کی کسی ایک شق سے بھی انحراف کیا ہو۔ پھر بھی اگر کسی مورخ نے سلطان کے بارے میں ایسی کوئی یادداشت چھوڑی ہو جس سے ان کی وعدہ خلافی ظاہر ہوتی ہو تو بنا بر ثبوت اسے ایک نادر یا اتفاقی واقعہ کہا جائے گا۔ اس سے سلطان کو علی العموم وعدہ خلاف کہنا کیسے صحیح ہوگا؟؟

کیا سلطان جلال الدین ایک ناکام قائد تھے؟ ..... سلطان جلال الدین کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ وہ اپنی جدوجہد میں مکمل طور پر ناکام رہے، ان کی تمام تر سعی رائیگاں گئی اور وہ اپنا کوئی ہدف حاصل نہ کر سکے۔

مگر حقائق کا بغور جائزہ لیا جائے تو بہت سے نکات اس تاثر کو غلط قرار دیتے ہیں۔ سلطان کا اصل مقصد اگر قیامِ سلطنت اور جہاں گیری ہوتا تو یقیناً انہیں اپنے مقصد میں ناکام قرار دیا جاسکتا تھا، مگر سلطان کی زندگی میں ایسے شواہد ملتے ہیں جو بتاتے ہیں کہ ان کی نگاہ ان امور سے بالاتر تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی جدوجہد کے اصل اہداف امت مسلمہ کی حفاظت، حرمین شریفین کی نگہبانی اور اقوامِ عالم کو دشمنِ انسانیت تاتاریوں کی یورش سے بچانا تھا۔

قیام و استحکامِ سلطنت جو ان امور و مقاصد کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ تھا، سلطان کے پیشِ نظر ضرور تھا مگر یہ ان کی منزل نہ تھا، اس کا ایک ذریعہ تھا۔ افسوس کہ سلطان کو حصولِ مقصد کا یہ وسیلہ زیادہ مدت تک اور بہتر انداز میں نصیب نہ ہو سکا۔ خوارزمی شاہی حکمرانی اس رجلِ رشید پر اس انداز میں ختم ہوئی کہ دشمنوں اور حاسدوں کے ہاں خوشی کے شادیاں بے بجے اور اپنے آپ بھرتے رہ گئے۔ تاہم تاریخِ شہادت دے رہی ہے کہ سلطان تاتاریوں کے عالمگیر تسلط کی روک تھام اور حرمین کی حفاظت جیسے اہم ترین اہداف کے حصول میں بڑی حد تک کامیاب رہے، اس امر کی گواہی علامہ ذہبی بھی یہ کہہ کر دے چکے ہیں: ”لولاہ لدا سو الدنيا“ (اگر وہ نہ ہوتے تو تاتاری تمام دنیا کو روند ڈالتے۔)

سلطان کی سلطنت کی تباہی کے اسباب ..... مذکورہ بالا نقطہ نظر کی روشنی میں ہم سلطان کی جدوجہد کی کامیابی یا ناکامی پر مزید بحث کرنے کی بجائے صرف اس موضوع پر بات کریں گے کہ آیا وہ کون سے اسباب و علل تھے جن کی بناء پر سلطان کی حکومت زوال کا شکار ہوئی اور کن کوتاہیوں کے باعث خوارزم شاہی سلطنت اک بھولی بھری داستان بن گئی۔

حقائق کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے ہم ان اسباب و علل کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

1..... غیر اختیاری اسباب و علل  
2..... اختیاری اسباب و علل

جو امور غیر اختیاری تھے وہ سلطان کی حکومت کے استحکام میں شروع سے رکاوٹ بنے رہے اور اختیاری امور میں کچھ لغزشیں ان کی حکومت کے خاتمے میں دخیل رہیں۔ آئیے! اب پہلے غیر اختیاری اسباب اور پھر اختیاری امور کا جائزہ لیتے ہیں۔

غیر اختیاری اسباب و علل ..... غیر اختیاری اسباب و علل سے مراد وہ حالات، واقعات اور مسائل ہیں جن پر سلطان کا بس نہیں چل سکتا تھا۔ ان میں سے بعض ایسے سلطان کی تخت نشینی سے پہلے ظہور پذیر ہو چکے تھے جن کی روک تھام کا وقت ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اور بعض سلطان کے دور حکومت میں وقوع پذیر ہوئے مگر ان کی حیثیت آسمانی بلاؤں یا تکنیکی امور کی سی تھی جن پر کسی فرد بشر کا قابو نہیں ہوتا یا وہ بین الاقوامی سیاست کے ایسے مسائل تھے جن میں قوتِ فیصلہ اور قدرتِ نافذہ سلطان کے ہاتھ میں نہیں تھی۔ اہم غیر اختیاری اسباب یہ تھے۔

[1] سوختہ بدن نیم جان سلطنت ..... سلطان کو جو مملکت ورثے میں ملی تھی وہ حقیقتاً کوئی مملکت نہیں کھنڈروں اور قبرستانوں کا ایک مجموعہ تھی۔ اسے از سر نو آباد ہونے کے لیے اک مدت دراز درکار تھی۔ اس قدر تباہ شدہ مملکت کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے، کامیابی سے چلانے اور استحکام و ترقی کے بام عروج پر لے جانے کے امکانات شروع ہی سے بہت کم تھے۔ چنانچہ سلطان کی حتی المقدور کوششوں کے باوجود یہ خانماں بر باد ملک اور پارہ پارہ حکومت کسی طور پر سابقہ آن بان کے ساتھ قائم نہ ہو سکی اور پھر تازہ حوادث و مسائل کے حملوں نے اسے بہت جلد سرنگوں ہونے پر مجبور کر دیا۔

[2] تباہ حال معیشت ..... کسی بھی ملک کی بقا و عروج کا مدار بڑی حد تک معیشت کی ترقی پر ہوتا ہے۔ سلطان کی بد قسمتی تھی کہ انہیں ایک لٹا پٹا ملک ملا۔ اس کا خزانہ اکثر و بیشتر خالی ہی رہا۔ سلطان کی حکومت اور تخریب، غزنی، ہندوستان اور ایران میں یکے بعد دیگرے چار بار تشکیل پائی۔ ہر بار حوادث اسے مٹا دیتے اور سلطان کو اپنا سفر صفر سے شروع کرنا پڑتا۔ ایسے ہر سفر کا آغاز معاشی دیوالیہ پن سے ہوتا رہا۔ بارہ سالہ دورِ اقتدار میں چار بار مکمل طور پر لٹ جانے والی حکومت کا سربراہ بھلا کب تک معاشی مسائل پر قابو پاسکتا تھا جبکہ بڑی بڑی جنگی مہمات اور طویل تر اسفار کے بھاری اخراجات مسلسل سر پر لے رہے تھے۔

مسلسل جنگوں کے اخراجات، افواج کی تنخواہوں، خوراک و رسد، شہریوں کی ضروریات، تباہ حال بستیوں اور شہروں کی آباد کاری اور دیگر ترقیاتی امور کے مصارف کو دیکھا جائے تو سلطان کو دنیا کی کسی بھی مملکت سے زیادہ معاشی وسائل کی ضرورت تھی، مگر حالت یہ تھی کہ ان کی اقتصادی حالت شام و عراق کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں سے بھی زیادہ کمزور تھی۔ اس دیوالیہ پن کے باعث ان کے ہاں آخر تک افواج کو تنخواہوں کی ادائیگی کا باقاعدہ نظام نہیں بن سکا۔ فوجیوں کا گزرا صرف مالی غنیمت پر ہی ہوتا تھا۔

اگرچہ سلطان نے بعد میں خراج و عشر اور دیگر سرکاری محاصل کا نظام قائم کر دیا تھا مگر اس سے واجبی اخراجات ہی ادا ہو پاتے تھے۔ غالباً اسی تنگ دستی کے سبب تاریخ سلطان کی سخاوت اور داد و ہش کے قصوں سے خالی نظر آتی ہے۔ اگر مالی وسائل بکثرت ہوتے تو کوئی بعید نہ تھا کہ سلطان مملکت کو مضبوط کرنے کے علاوہ سیم و زر کی چمک دک سے بہت سے دیگر گھمبیر مسلوں پر بھی قابو پا لیتے۔ شاید اپنے بہت سے دشمنوں کو بھی دوست بنانے میں کامیاب ہو جاتے مگر ”مغلسی میں آنا گلیا“ کے بمصداق ان کی تنگ دستی ایک اتنا بڑا عیب بن گئی جس نے ان کی غالب خوبیوں کو بھی

چھپالیا، مفاد پرست دوستوں کو بھی دشمن بنادیا اور ان حاسدین کی زبانوں کو کھول دیا جو مالی احسانات سے زیر بار کر کے خاموش کیے جاسکتے تھے۔

[3] غداروں کی کثرت ..... سلطان کے والد علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی شکست اور تاتاریوں کی کامیابیوں میں غدارانہ ملٹ اور بکاؤ درباریوں کی مذموم کارستانیوں کا بڑا دخل رہا تھا۔ یہی غدار سلطان جلال الدین کے خلاف بھی پوری طرح سرگرم رہے۔ ان غداروں کا تذکرہ ہم ایک باب میں علیحدہ سے کر چکے ہیں۔ سلطان کی حکومت کے زوال میں ان کا بہت بڑا دخل تھا۔ یہ درست ہے کہ غداروں میں سے بہت سوں کو کسی نہ کسی طرح قابو کیا جاسکتا تھا، سیم و زر بچھا کر کے ان کی وفاداریاں خریدی جاسکتی تھیں، جتنی قیمت پر وہ بکے ہیں، اس سے زیادہ بولی لگا کر انہیں دوبارہ رام کیا جاسکتا تھا مگر سلطان کی جمع پونجی کبھی بھی اپنے مخالفین کی ثروت سے زیادہ نہ رہی۔ نتیجتاً وہ یہ حربے استعمال نہ کر سکے۔ دوسری صورت غداروں کو ٹھکانے لگانے کی تھی۔ اس میں سلطان کی فطری نرم دلی آڑے آتی رہی۔ وہ غداروں کو بار بار معاف کرتے رہے۔

یہ تو نامزد غداروں کی بات تھی مگر بعض غدار ایسے بھی ہوں گے جن پر کسی کو شک نہ ہو سکا ہوگا۔ ان کے خلاف کسی کارروائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

[4] مسلم حکمرانوں کا حسد اور سازشیں ..... سلطان علاؤ الدین محمد کی فتوحات نے مسلم حکمرانوں کے دلوں میں خوارزم شاہی سلطنت کی جو ہیبت اور نفرت بٹھائی تھی سلطان جلال الدین کو بھی اس کا نشانہ بننا پڑا حالانکہ ان کا مزاج اپنے والد سے مختلف تھا۔ مگر اس کے باوجود مسلم حکمران ان سے نہ صرف ایک فاصلے پر رہے بلکہ ان کی حکومت کو اپنے خلاف ایک خطرہ شمار کرتے رہے۔ وقتی طور پر انہوں نے سلطان کی دعوت اتحاد کو قبول بھی کیا، مگر بہت جلد الگ ہو کر ان کے خلاف سرگرم ہو گئے۔ ان کی خفیہ سازشیں سلطان کی حکومت کو کمزور کرتی رہیں اور انجام کار ان کی طرف سے کھلی جنگوں نے سلطان کی بچی کھچی طاقت کو بھی سیوتا ڈر دیا۔

[5] اعزہ و اقارب کی حمایت سے محرومی ..... اس دور کی سلطنتوں کے نظام میں خاندانی و قبائلی اثر و رسوخ کی بڑی اہمیت تھی۔ سلطان شروع ہی سے اپنے کنبہ قبیلے کی حمایت سے محروم رہے۔ ان کے حق اقتدار کو ابتداء ہی میں ان کے بھائیوں نے چیلنج کر دیا تھا۔ ان کا بھائی غیاث الدین بھی ان کے خلاف محاذ آرائی میں مصروف رہا۔ اپنے قبیلے کی یہ ریشہ و انیاں سلطان کی سلطنت کے استحکام میں زبردست خلل پیدا کرتی رہیں۔ جن مخلص اعزہ و اقارب سے سلطان کو تائید مہیا ہو سکتی تھی ان کی اکثریت تاتاریوں سے جنگوں میں کام آتی چلی گئی اور آخری ایام میں جب سلطان کو قبائل کے اعتماد و تعاون کی ضرورت تھی تو صورتحال یہ ہو چکی تھی

وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا

[6] نرینہ اولاد شہید ہو گئی ..... زوال سلطنت کا ایک بڑا اور اہم تکنیکی سبب یہ تھا کہ سلطان کی اولاد نرینہ معرکہ سندھ میں شہید ہو چکی تھی۔ بعد میں ایک اور لڑکا ہوا مگر چند برس کی عمر پر کفوت ہو گیا۔ اگر ان کے بیٹے زندہ رہتے تو یقیناً باپ کا سہارا بن سکتے تھے۔ کم از کم سلطان کی جدوجہد کا باب اس حسرت ناک انداز میں بند نہ ہوتا۔ اگر ان کا کوئی جانشین ہوتا تو امید کی جاسکتی تھی کہ سلطان کے مخلص سپاہی اس کے پرچم تلے جمع ہو کر خوارزم شاہی سلطنت کو

بحال کر دیتے۔ مگر کوئی امور پر کسی کو اختیار نہیں۔ تقدیر کا لکھا یہی تھا کہ سلطان پر خوارزم شاہی سلطنت ختم ہو جائے۔  
اختیاری اسباب و علل..... اب ہم ان امور پر غور کرتے ہیں جنہیں اختیاری اسباب و علل سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔  
دوسرے لفظوں میں یہ زوال سلطنت کی ایسی وجوہ تھیں جنہیں معقول منصوبہ بندی، پالیسیوں میں بہتری اور اپنی روش میں تبدیلی کے ذریعے دور کیا جاسکتا تھا۔

درحقیقت ہمارے لیے انہی امور پر غور کرنا زیادہ اہم ہے کیونکہ ”دائرہ اختیار“ سے باہر امور پر بحث کرنا معاملے کی وضاحت کی حد تک مفید ہے مگر اس میں ہمارے لیے کوئی عبرت، کوئی نصیحت یا قابل عمل پہلو نہیں نکلتا۔ جبکہ ”دائرہ اختیار“ کے اندر رہنے والے امور پر غور کر کے ہم اپنے حال و مستقبل میں ایسی غلطیوں سے اجتناب کی کوشش کر سکتے ہیں۔  
آئیے! دیکھتے ہیں کہ سلطان کی اپنی عادات، طرز عمل، سیاسی و حکومتی پالیسیوں اور نظام حکومت میں کون سی ایسی چیزیں تھیں جن کی اصلاح ضروری تھی۔

1] سیما ب صفتی، طویل منصوبہ بندیوں کا فقدان، بعض عاجلانہ فیصلے..... سلطان کی طبیعت میں سرعت عمل کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ ”ابھی یا کبھی نہیں“ (Now or Never) کے اصول پر ہمیشہ کاربند رہے۔ بعض مؤرخین کے بیانات سے ان کے تشدد، تیز مزاج یا عجلت پسند ہونے کا تاثر ملتا ہے، اس کا صحیح تحمل یہ نہیں کہ وہ سخت گیر، ظالم یا بداخلاق انسان تھے، بلکہ اس کی حقیقت اتنی ہے کہ وہ سریع العمل اور تیز رو تھے۔

ان کی سیرت پر گہری نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر وہ متحمل مزاج اور بردبار تھے مگر حالات و مصائب نے ان کے باطن کو شعلہ بخوالا بنا دیا تھا۔ بزرگوں کی صحبت، علماء کی تربیت، خاندانی شرافت و وقار اور زمانے کے تجربات نے انہیں جو صلاحیتیں بخشی تھیں، حالات کے ہنور نے انہیں سرعت عمل کی صفت میں ڈھال دیا تھا۔

یہی وصف ابتداء میں سلطان کی بڑی بڑی کامرانیوں کا سبب بنا۔ وہ بڑے بڑے فیصلے ایک لمحے میں کر ڈالتے اور دشوار گزار مہمات میں بلاتامل کود پڑتے۔ سلطان نے اس حیرت انگیز صفت کے باعث چنگیز خان جیسی ہولناک طاقت سے ٹکر لینے اور دریائے سندھ کی متلاطم موجوں کو عبور کرنے کا ناقابل یقین کارنامہ انجام دے ڈالا۔

اسی تند و تیزی کے سبب انہوں نے دس بارہ سال میں اتنے بڑے پیمانے پر جنگیں لڑیں اور اس قدر فتوحات حاصل کیں جو دوسرے نامور حکمران پچاس برسوں میں بھی حاصل نہیں کر پاتے۔ اسی تیز گامی کے بل بوتے پر انہوں نے اپنا سب سے بڑا ہدف یعنی چنگیزی یلغار کو روکنا اور مقامات مقدسہ کی حفاظت کرنا بھی حاصل کر لیا۔ مگر بعد ازاں یہی تیزی طبع ان کے نظام سلطنت کی کمزوری کا ایک اہم سبب بھی بن گئی۔ مسائل کی کثرت اور فرصت کی نایابی نے غیر شعوری طور پر اس سریع الحریکت انسان کے مزاج کو بھی ہنگامی بنادیا اور وہ کسی مسئلے میں بھی طویل منصوبہ بندی کے عادی نہ رہے۔

ہندوستان سے واپسی اور ایران و عراق میں ایک نئی حکومت قائم کرنے کے بعد سلطان کے پاس موقع تھا کہ وہ آئندہ کے لائحہ عمل کے لیے مستقل بنیادوں پر نیا نظام مرتب کرتے اور طویل المیعاد سیاسی، سفارتی، عسکری، معاشی، رفاہی و تعلیمی امور پر توجہ دیتے۔ مگر ان کے ہاں آخر تک تقریباً ہر قسم کے فیصلے ہنگامی بنیادوں پر ہوتے رہے۔

سلطان کے مداح انہیں حسن ظن کے درجے میں ایک حد تک معذور سمجھ سکتے ہیں کیونکہ وہ دور سراسر ہنگامی تھا لہذا نظام مملکت ہنگامی انداز میں چلنا کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ مگر پھر بھی اگر سلطان اور ان کے رفقاء کم از کم معاشی اور تعلیمی

امور کو مستقل بنیادوں پر مرتب کر لیتے تو آئندہ کے لیے بہت سے خطرات سے مامون ہو جاتے۔ یہ سرعت مزاجی جہاں طویل منصوبہ بندیوں کی راہ میں حائل رہی وہاں اس کی بناء پر کم از کم دو بار سلطان عاجلانہ فیصلوں کا شکار بھی ہوئے۔ ایک مرتبہ جب وہ سلطان التمش سے نالاں ہو کر ان کے خلاف شمشیر بکف ہو گئے تھے۔ التمش کی معاملہ نمئی نے وقتی طور پر اس جنگ کو روک دیا۔ مگر اس سے ہندوستانی امراء میں سلطان کے خلاف خفیہ عناد کی جڑیں مضبوط ہو گئیں۔

دوسرا عاجلانہ فیصلہ حکام شام کی باہمی محاذ آرائی میں شرکت اور ان میں سے ایک فریق کا ساتھ دینے کا تھا۔ اس ایک فیصلے سے آگے کئی نامناسب فیصلوں کی راہ کھول دی۔ الملک المعظم سلطان کا ساتھ پا کر مضبوط ہو گیا مگر اس کے بھائی سلطان کے دشمن بن گئے۔ یہی دشمنی جنگ یاسی چن کی بنیاد بنی۔ اس موقع پر سلطان سے ایک بار پھر عاجلانہ فیصلہ سرزد ہوا۔ وہ بیماری کی حالت میں خستہ حال فوج کے ساتھ آمادہ پیکار ہو گئے۔ اگر وہ دو چار شہر حکام شام کے حوالے کر کے جنگ سے دامن بچا لیتے تو نہ صرف ایک بڑی تباہی سے بچ جاتے بلکہ ان کی سلطنت کے استحکام کا خواب بھی شرمندہ تعبیر ہو سکتا تھا۔

[2] مربوط نظام مشاورت کا نہ ہونا..... سلطان کے ہاں کھلی مشاورت کی فضا تو موجود تھی، اہم فیصلوں پر بات چیت کے لیے درباریوں اور مشیروں سے رائے لی جاتی تھی، مگر مشاورت مربوط نہیں ہوا کرتی تھی۔ اکثر فیصلے فوری طور پر ایک دو نشستوں میں ہو جایا کرتے تھے۔ پھر آخری سالوں میں سلطان کے پاس اچھے مشیر نہ ہونے کے برابر رہ گئے تھے۔ ان کے پاس یا تو سیدھے سادے خلص لوگ تھے جو دماغ کی جگہ بھی دل ہی سے کام لیتے تھے۔ ان سے بہتر مشاورت کی توقع کیسے کی جاسکتی تھی۔ یا ایسے چالاک اور ہوشیار افراد تھے جن میں قربانی کا جذبہ بالکل نہیں تھا۔ اس لیے وہ قومی مفاد کو سامنے رکھنے کی بجائے ذاتی اغراض کو دیکھ کر مشورہ دیتے تھے جیسا کہ اتر خان آخر تک سلطان کو غلط مشورے دیتا رہا۔ یہی ستم رکن الدین ارزن الرومی اور آمد کے سفیر نے کیا۔

مشاورت کی کمزوری کی ایک وجہ یہ بھی تھی مسلمانوں کے دور و زوال کے عام درباروں کی طرح بہت سے فیصلے فرد واحد کی ذاتی صوابدید پر ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات داخلی و خارجی امور کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے میں کمی رہ جاتی تھی، بعض مناسب آراء نظر انداز ہو جاتی تھیں جس کی بناء پر مسائل کے حل لیے بہترین منصوبے ترتیب دینے اور مؤثر لائحہ عمل طے کرنے میں جھول پیدا ہو جاتا تھا۔

بعض اوقات مشاورت میں مزاج شاہی کے برعکس رائے دینے والے کو ڈانٹ بھی پڑ جاتی تھی حالانکہ اس کی رائے کم از کم قابل غور ضرور ہوتی تھی۔

ہم پڑھ چکے ہیں کہ گرجستانیوں کے متحدہ لشکر سے مقابلے سے پہلے وزیر اعظم نے سلطان کو موسم بہار تک انتظار کرنے اور اس وقت تک لشکر کو مزید مرتب کرنے کا مشورہ دیا، یہ خلاف مزاج مشورہ سن کر سلطان نے وزیر اعظم پر سخت برہمی کا اظہار کیا تھا۔ اس کے برخلاف کبھی کبھار بالکل غیر معقول رائے دینے والا خوشامد کے ذریعے اپنی بات منوالیتا تھا۔ جیسا کہ ارزن الرومی نے ۶۲۷ھ میں سلطان کو حکام شام سے ٹکرا جانے پر آمادہ کیا تھا۔ اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر سلطان نے خواہ مخواہ ایک ایسی جنگ مول لی جس نے خوارزم سلطنت کی چولیں ہلا ڈالیں۔

[3] سلطان کی حد سے زیادہ خود اعتمادی..... سلطان کے خداداد حوصلے اور یقین کو خود اعتمادی کا نام دیں یا خدا

اعتمادی کا..... بہر حال وہ ایک حد سے بڑھی ہوئی صفت تھی۔ غالباً عربی کا لفظ ”تہور“ اس کی بہتر تعبیر ہے۔

یہی بے مثال خود اعتمادی اکثر و بیشتر سلطان کی غیر متوقع فتوحات کا سبب بنتی رہی، بلاشبہ سلطان میں یہ صفت ذرا سی بھی کم ہوتی تو وہ چنگیز خان کے مقابلے پر نکلنے کے بجائے سالہا سال تک دور دراز کے منصوبے ترتیب دیتے رہتے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس حد درجہ خود اعتمادی کی وجہ سے آخر میں انہیں سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ میدان یاسی چمن میں حکام شام سے جنگ اول تو قابلِ اجتہاد تھی، مگر جب لڑائی ٹھن گئی تب بھی سلطان مکمل ظاہری اسباب کی مکمل تیاری کیے بغیر میدان میں پہنچ گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ جنگ سلطان کی قیادت میں لڑی جانے والی آخری بڑی جنگ ثابت ہوئی۔ اسی خود اعتمادی کے باعث سلطان نے اپنے اقتدار کے آخری سال، تاتاری سردار جرمانوں کی پیش قدمی کی خبریں سننے کے باوجود بروقت تیاری شروع نہیں کی اور یوں تقریباً سارا موسم سرماییت گیا۔ جب بہار کا موسم آیا تو سلطان کے پاس دور دراز کی افواج کو جمع کرنے کا مناسب وقت نہیں رہا تھا۔ چنانچہ وہ تھوڑے بہت سپاہیوں کے ساتھ تیزی سے نقل مکانی پر مجبور ہو گئے۔

[4] مواصلات اور جاسوسی نظام کی کمزوری..... یہ بھی حقیقت ہے کہ سلطان کا جاسوسی نظام آخری چند برسوں میں خاصا کمزور ہو گیا تھا۔ سازشیوں اور غداروں نے نقب لگا لگا کر ذرائع مواصلات کو اتر کر دیا تھا۔ جاسوسوں کی وفاداریاں تبدیل ہو رہی تھیں اور بہت عداوت محکمہ جاسوسی میں شامل ہو گئے تھے۔ نظام خبر رسانی کی کمزوری کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

- ..... ایک دن سلطان کو پولو کے میدان میں کھیل کے دوران غیاث الدین کی یلغار کی خبر ملی۔ وہ تیزی سے فوج لے کر اسے روکنے کے لیے روانہ ہوئے مگر آگے چل کر پتا چلا یہ اطلاع سرے سے بے حقیقت تھی۔
- ..... ۶۲۸ھ کے موسم بہار میں جب تاتاریوں نے سلطان کے خلاف آخری یلغار کی تب بھی سلطان کا شعبہ جاسوسی دشمن کی صحیح تعداد بتانے سے قاصر رہا۔ یوں سلطان ان سے مقابلے کے لیے فوری اور صحیح منصوبہ بندی نہ کر سکے۔
- ..... اپنے آخری ایام میں سلطان چند ہزار سپاہیوں کے ساتھ شمالی ایران و کردستان میں گھوم رہے تھے اور تاتاریوں کا ایک لشکر ان کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس نازک موقع پر بھی سلطان کے جاسوس متحرک نہیں تھے۔ سلطان کو غلط اطلاع دی گئی کہ تاتاری ملازکر دنک پیش قدمی کر کے واپس مڑ گئے ہیں جبکہ وہ بدستور سلطان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اگر سلطان کو درست اطلاع مل جاتی تو وہ کسی مناسب میدان میں اس لشکر سے نمٹ سکتے تھے، مگر غلط خبر رسانی کے باعث سلطان اپنی بچی بچی فوج سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔

[5] حد سے زیادہ عفو و درگزر..... مقام حیرت ہے کہ بعض مؤرخین سلطان کو سخت گیر اور اذیت پسند قرار دیتے ہیں تاہم اس الزام کے ثبوت میں وہ کوئی شواہد پیش نہیں کر سکتے۔ اس کے برعکس سلطان کی نرم دلی اور عفو و درگزر کے بکثرت واقعات ثابت کرتے ہیں کہ وہ اس صفت میں حد کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ یہ صفت اتنی راسخ تھی کہ انہوں نے بڑے بڑے غداروں اور دشمنوں کو بار بار معاف کیا۔ یہی صفت آگے چل کر ان کے لیے شدید مسائل کا سبب بن گئی۔

وہ براق حاجب، غیاث الدین اور شرف الملک جیسے سانپوں کا سر کپکنے کی بجائے انہیں بار بار اصلاح احوال کا موقع دیتے رہے۔ برصغیر کے ٹیپو سلطان شہید کی طرح سلطان کے ہاں بھی میر صادق، پورنیا اور غلام علی پلتے رہے۔

اور سلطان جانتے بوجھتے چشم پوشی کرتے رہے۔ سلطان کی فطری رحم دلی سے موقع پالے والے ان زہریلے ناگوں نے انجام کار مملکت کی جڑوں کو مسموم کر کے چھوڑا۔

[6] تعلیمی و تربیتی اداروں کے قیام سے غفلت..... سلطان کی زندگی کا ہر لمحہ ہنگاموں سے نمٹنے میں گزرا۔ اس دوران وہ طویل المیعاد منصوبے ترتیب نہ دے سکے۔ دیگر منصوبوں سے قطع نظر اگر انہیں ایک اہم شعبے پر خاص توجہ دینے کی توفیق مل جاتی تو آخر میں وہ اتنے تنہا اور بے بس نظر نہ آتے۔ یہ شعبہ عوام اور فوج کی دینی، علمی و اخلاقی تربیت تھا جس کو ترجیحی بنیادوں پر قائم کرنے اور ملک بھر میں پھیلانے کی اڑھ ضرورت تھی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ تاتاریوں کی دہشت گردی کے بعد سلطان کی عملداری میں آباد ہونے والی بستیوں اور شہروں میں چند مدارس ہی کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ سلطان نے ایک مدرسہ اصفہان میں بنوایا تھا۔ اس کے علاوہ دو چار مدارس ان کے امراء نے شروع کرائے تھے۔ لیکن ان چند تعلیم گاہوں سے زمانے کی ضروریات کی تکمیل نہیں ہو سکتی تھی، خصوصاً خود سلطان کے اپنے نظام حکومت کو سنبھالنے اور مطلوبہ استعداد و قابلیت پیدا کرنے کے لیے ایسے اداروں پر جس قدر توجہ درکار تھی، اس دور کی سلطنت خوارزم کا ماحول اس سے خالی نظر آتا ہے۔

اس طرح فوج میں دینی و روحانی تربیت اور ان کی علمی ترقی کے لیے کوئی نظام موجود نہ تھا۔ فوج کے سابق افسران جو اہل علم و تجربہ تھے ایک ایک کر کے شہید ہوتے رہے اور ان کی جگہ مجبوراً نااہل لوگوں کو مناصب دیے جاتے رہے کیونکہ کہ جانے والوں کا متبادل موجود نہ تھا، نہ ہی متبادل تیار کرنے والے ادارے حسب ضرورت موجود تھے۔

مدارس، خانقاہوں اور دیگر مراکز علم و ہنر سے پیدا شدہ وہ کھپ جو گزشتہ دور کی یادگار تھی اپنا بڑا حصہ تاتاریوں کے قتل عام کی نذر کر چکی تھی۔ بقیہ السیف افراد سلطان کا ساتھ دیتے ہوئے چند برسوں میں گزر گئے۔ آخر میں سلطان کے گرد بہت سے ایسے لوگ جمع ہو گئے تھے جن کے آباؤ اجداد کا لوٹ مار پر گزرا تھا۔ وہ جہاد کو بھی لوٹ مار کا ”قانونی ذریعہ“ تصور کر کے ادھر آ گئے تھے۔ ایسے ہی لوگوں کے ہاتھوں ”سانحہ خلاط“ نمودار ہوا اور دنیا کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ سلطان کی فوج مسلمانوں کا خون بہانا اور ان کے مال و دولت کو لوٹنا اپنا حق سمجھتی ہے۔ کاش کہ سلطان امراء سلطنت، فوج اور عوام کی تعلیم و تربیت پر قرار واقعی توجہ دے سکتے تو ایسے سانحے جنم نہ لیتے۔

جانشین کی تقرری نہ ہونا..... سلطان کی اولاد زریہ نہ تھی مگر وہ کسی جانشین کا تقرر کر سکتے تھے۔ مگر آخر تک انہوں نے کوئی ایسا اعلان نہیں کیا۔ چنانچہ ان کی گم شدگی کے بعد ان کی فوج کی شیرازہ بندی ممکن نہ رہی۔ خوارزمی سلطنت جڑ سے ختم ہو گئی اور تاتاریوں سے جہاد کا سلسلہ بالکل رک گیا۔

ایک غلط تاثر کی نفی..... سلطان کے بارے میں علی الاطلاق یہ تاثر درست نہیں کہ ان کے اپنوں اور سب ساتھیوں نے انہیں چھوڑ دیا تھا۔ یہ تاثر دے کر ثابت یہ کیا جاتا ہے وہ ستم مزاج اور بد اخلاق تھے یا انہیں ماتحتوں کا دل جیتنے کا قرینہ نہیں آتا تھا۔

صحیح بات یہ ہے کہ جو افراد نظر پاتی طور پر جہاد کو ایک فریضہ اور مشن سمجھ کر سلطان کے ساتھ تھے وہ آخر تک ساتھ رہے۔ شہاب الدین النسوی، امین الملک، جہاں پہلوان ازبک اور نصرت الدین محمد اس کی واضح مثالیں ہیں۔ یہی بات کہ آخر پھر یہ لوگ سلطان کے آخری ایام میں نظر کیوں نہیں آتے۔ تو یہ امر واضح ہے کہ سلطان کے خواص کی



اکثریت معرکہ اصفہان ۶۲۵ھ میں شہید ہو گئی تھی۔ اس جنگ کے بعد سلطان کی عسکری کونسل اور کامینہ تقریباً خالی ہو گئی تھی۔ باقی جو بچے تھے وہ معرکہ یاسی چمن ۶۲۷ھ میں کام آ گئے۔ بہر حال اکثر جانباز امراء اور مخلص عہدے دار جیتے جی سلطان سے جدا نہ ہوئے۔

رہی بات ان لوگوں کی جو حسب مال و جاہ کے اسیر تھے، ان کی وفاداریاں تبدیل ہونا سلطان کی شخصیت پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔ اگر سیف الدین اغراق مالی غنیمت کے جھگڑے کے باعث جدا ہوا یا سلطان کا بھائی غیاث الدین ہوس اقتدار میں ان کا مخالف بنا تو یہ ان کی اپنی عاقبت نااندیشی اور سفلہ پن کا ثبوت تھا اس سے سلطان پر کوئی الزام نہیں آ سکتا۔ کچھ کردار ایسے بھی تھے جو ”چلو تم ادھر کو، ہوا ہو جدھر کی“ پر عمل پیرا تھے۔ وہ سلطان کی سلطنت کو زوال پذیر ہوتا دیکھ کر بالکل آخر میں اپنی وفاداریاں دوسرے ملکوں سے وابستہ کرنے لگے تھے۔ ان میں بطور خاص وزیر اعظم شرف الملک کا نام لیا جاسکتا ہے۔ بعض امراء کا سلطان سے برگشتہ ہونا صرف اس بناء پر تھا کہ وہ مزید مصائب اور آزمائشوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے یا انہیں سلطان کی جدوجہد کی بارآوری کا یقین نہیں رہا تھا اور وہ باقی ایام گوشہ عافیت میں گزارنا چاہتے تھے۔ اس کی مثال میں ہم ”اترخان“ کو پیش کر سکتے ہیں جو بالکل آخری دنوں میں سلطان کو چھوڑ گیا تھا۔

خاتمہ بحث..... اس بحث کا خاتمہ کرتے ہوئے ہم ایک بار پھر کہیں گے کہ سلطان جلال الدین ایک بشر تھے اور وہ بھی قرونِ اولیٰ کے نہیں، ساتویں صدی ہجری کے پرفتن دور کے۔ پھر انہوں نے عین جوانی میں تحت و تاج سنبھالا تھا اور جوانی ہی میں دنیا سے گزر گئے تھے، اس لیے ان سے ہر موقع پر ایک ادھیڑ عمر پختہ مزاج شخص جیسی دانائی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ ایک نوجوان اور مطلق العنان حکمران کا اس دور کے شاہی اور عسکری ماحول کے معایب سے بچنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس پس منظر میں سلطان نے جو کچھ کیا اور جس قدر اپنے دامن کو بچایا وہ بھی کوئی کم حیرت کی بات نہیں۔ بجائے کہ ان کی ذات عیوب سے اور ان کی زندگی غلطیوں سے خالی نہیں مگر اس سے کفار کے خلاف ان کے عظیم جہاد کی نفی نہیں ہو سکتی۔ تاریخ میں انہیں ایک مجاہد کا مقام ضرور ملنا چاہیے جس نے امت کو کفار کی غلامی سے بچانے کے لیے زندگی تضحیٰ دی۔

ہم سلطان کو کوئی ولی اللہ ثابت کرنے کے درپے نہیں ہیں مگر وہ ایک جرأت مند قائد ضرور تھے۔ ہمیں اس تالیف کے ذریعے صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ امت کے ایک غیور اور بہادر فرزند تھے جن کی ہمت اور حوصلے میں ہمارے لیے دعوتِ عمل موجود ہے۔ اللہ کے اس بندے نے عالم اسلام کے دفاع کے لیے اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داری کو ادا کرنے کی مقدور بھرکوشش کی۔ اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دی اور آخر اسی راہ میں خود کو فنا کر دیا۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے اس بندے کے ساتھ غفور و درگزر کا معاملہ فرمایا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہماری تقصیرات کو بھی معاف کرے اور ہمیں بھی امت کے لیے کچھ کر گزرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

— — — — —



## حواشی وحوالہ جوات

① بعد کے مؤرخین نے اس کا تذکرہ کیا ہے تو ابن اثیر ہی سے نقل کیا ہے۔

① ابن اثیر، ج ۷، ص ۶۲۲ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

③ سیر اعلام النبلاء، ج ۲۲، ص ۳۲۸

————— || —————

## اسباق تاریخ

یہ اس کاوش کی آخری سطور ہیں جنہیں آپ گزشتہ تمام اوراق کا خلاصہ اور نچوڑ تصور کر سکتے ہیں۔ ہم اس آخری مرحلے میں ان تاریخی اسباق و عبرتناک حالات پر اجمالی غور کریں گے جو ساتویں صدی ہجری کے اس خونیں منظر نامے سے ابھرتے ہیں۔

راقم کی نگاہ میں یہ عبرتناک حالات و واقعات درج ذیل امور کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

[1] جہاد جاری رہنا چاہیے ..... اس سچی داستان کا ایک ایک حرف ہمیں جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دیتا ہے۔ جہاد جسے حدیث میں ”ذروہٴ سنام السلام“ (اسلام کی چوٹی) کہا گیا ہے اسلام کی بقا، تحفظ اور اشاعت کا ضامن ہے۔ مسلم قیادت پر ہر آن اس کی بھرپور تیاری کرتے رہنا لازم ہے۔ اسلامی ممالک کو ہمیشہ دفاعی و اقدامی جہاد کے لیے ترجیحی بنیادوں پر کمر بستہ رہنا چاہیے۔ اپنی سرحدوں کے دفاع کے ساتھ ساتھ اسلام کے پیغام کو ہر سرحد سے آگے لے جانے کا جذبہ برقرار رہنا چاہیے۔ مسلم قیادت کو زیبا نہیں کہ وہ کسی ملک یا قوم خصوصاً اپنے ہمسایہ غیر مسلم ملکوں کو کمزور یا بے ضرر تصور کر کے اپنی حربی صلاحیتوں میں اضافے سے غفلت اختیار کرے۔

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ کفر و اسلام کے درمیان سرحدیں ہمیشہ اسی طرح عارضی ثابت ہوئی ہیں جیسے دھوپ اور سائے کی حد بندیاں۔ ان کا ٹھہراؤ ہمیشہ عارضی ثابت ہوا ہے۔ چودہ صدیوں سے یہ نور و ظلمت کی یہ کشمکش جاری ہے۔ مسلمانوں کی پیش قدمی کے دھارے جہاں بھی رکے ہیں وہاں سے جلد یا بدیر ان کی پسپائی ضرور شروع ہوئی ہے۔ خوارزم سے بغداد تک، اسپین سے بلقان تک اور الجزائر سے برصغیر تک ہم اس حقیقت کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

اگر پہلی صدی ہجری میں چین کی طرف قتیہ بن مسلم کی فتوحات کا سیلاب تھم نہ جاتا تو عین ممکن تھا کہ تاتاری اسی زمانے سے اسلام کی آغوش میں ہوتے۔ اگر اسپین کے فاتح مسلمان فرانس کی سرحدوں پر نہ ٹھہر جاتے تو کیا بعید تھا کہ یورپ عالم اسلام کی تہذیب و تمدن کا بہترین امین اور اس کی دعوت کا سرگرم نقیب ہوتا۔ اگر وسط ایشیا میں صدیوں تک حکمرانی کرنے والے مسلمان ماسکوف فتح کرنے سے بے اعتنائی اختیار نہ کیے رہتے تو سوویت یونین کی شکل میں گزشتہ صدی کی سب سے بڑی اسلام دشمن طاقت نمودار نہ ہوتی۔ کل کے سقوط خوارزم سے لے کر آج کے لہو لہو افغانستان، سوختہ جان عراق اور تباہ شدہ پاکستان تک جو کچھ نظر آ رہا ہے، وہ ہمارے اپنے اعمال کی پاداش ہے۔ یہ ہماری ان فکری، نظری، سیاسی اور عسکری غلطیوں کا خمیازہ ہے جو تاریخ سے کوئی سبق نہ حاصل کرنے کے باعث ہم بھگت رہے ہیں۔

[2] دعوت اسلام کی ضرورت ..... مسلمان عروج کی انتہا پر ہوں یا تحت لڑی میں، ہر حالت اور ہر دور میں غیر مسلموں تک دعوت اسلام پہنچانے کا کام کسی کو وقف و تعطل کے بغیر جاری رہنا از بس ضروری ہے۔ کالے، گورے،

چھوٹے بڑے، کمزور یا طاقتور اور ترقی یافتہ یا پس ماندہ اقوام کے امتیاز کے بغیر پورے عالم انسانیت کو دعوت دین کا مخاطب بنانا چاہیے۔ ہمارے لیے افریقہ کی ظلمتوں اور انٹارکٹیکا کے گہر میں چھپے انسانوں تک بھی اسلام کی نعمت عظمیٰ پہنچانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا پیرس اور نیویارک میں اسلامی مراکز قائم کرنا۔ عجب نہیں کہ کچھ مدت بعد دنیا کی باگ ڈور انہی پس ماندہ خطوں کی اقوام کے ہاتھوں میں ہو اور وہ کل ایک بڑی طاقت اور ترقی یافتہ دنیا کے طور پر ابھریں۔ اگر ان کے دلوں تک اسلام کی روشنی پہنچ چکی ہوگی تو وہ سیاست عالم میں ابھرنے کے بعد اسلام کے دست بازو ثابت ہوں گے۔ بصورت دیگر وہ شجر اسلام کو سوختہ بھی کر سکتے ہیں۔

کسے معلوم تھا کہ ساتویں صدی میں منگولیا کے صحرائی، متمدن دنیا کو فنا کرنے کی طاقت حاصل کر چکے ہوں گے۔ اگر اسلام کے مبلغ ایک دو صدیاں قبل اُس تاریک خطے میں کام شروع کر چکے ہوتے تو ساتویں ہجری کا آغاز مسلمانوں کے لیے قیامت صغریٰ ثابت نہ ہوتا۔ اگر اندلس، مراکش، الجزائر اور جنوبی افریقہ کے عرب جہاز راں اور ان کے سرپرست حکمران بحیرہ اوقیانوس کے پار آبادی دنیا امریکا سے واقف ہونے کے بعد وہاں اسلام کی بھرپور اشاعت کی اہمیت محسوس کر لیتے تو آج امریکا طاغوت کی مکروہ ترین صورت میں نظر نہ آتا۔

اس گفتگو کا مطلب یہ نہیں کہ ہم صرف پس ماندہ دنیا میں دعوتی کام کرتے رہیں اور ترقی یافتہ اقوام کو بھول جائیں۔ نہیں سیاست عالم میں غالب اقوام کو اسلام کی دعوت دینا بھی بے حد اہم ہے۔ ہمیں اس سلسلے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرنا چاہیے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اسلام اپنا لوہا ہر جگہ منوار کر رہے گا۔ اگر یہ کام صحیح خطوط پر تسلسل کے ساتھ جاری رہے تو یورپ و امریکا کا عظیم مسلم براعظموں میں تبدیل ہو جانا کوئی بعید نہیں۔

ساتویں صدی ہجری کے وسط میں مسلمان پوری طرح تاتاریوں کے رحم و کرم پر تھے اور غلامی کی زندگی گزار رہے تھے، ایشیا میں ان کا سیاسی کردار تقریباً ختم ہو گیا تھا، غلبہ تاتاری کی یہ زنجیریں کاٹنے میں جہاں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ، سلطان سیف الدین قطز اور الملک الظاہر بیکر جیسے اولوالعزم فرمانرواؤں کی جدوجہد کا دخل ہے، وہاں اسلام کے ان داعیوں اور مبلغوں کی کاوشوں کا بھی بہت بڑا حصہ ہے جن کی اخلاص و حکمت سے بھرپور اسلوب دعوت نے تاتاری شہزادوں کے دل موہ لیے اور آخر کار ایک صدی کے اندر اندر تاتاری اسلام کے خادم بن گئے۔

ہے عیاں یہ یورش تاتار کے افسانے سے پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

[3] علمی و فنی کمالات کے ساتھ ساتھ کردار مردِ مومن لازم ہے..... تاریخ کے یہ اوراق جب ہمیں اس دور کے مسلمانوں کی علمی و فنی کامرانیوں کی حیرت انگیز جھلکیاں دکھاتے ہیں تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ محض مادی ترقی اور علم و فن کی معراج کو پالینا مسلمانوں کی بقا و تحفظ اور ان کی حقیقی سر بلندی کے ذریعہ نہیں بن سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ ساتھ ایمان کی قوت، عمل کی دولت اور کردار کا سرمایہ نہ ہو۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس دور میں مسلمان علم و حکمت کے ہر میدان میں تمام اقوام عالم سے آگے تھے۔ ایک طرف اسلامی علوم کے افلاک پر شیخ برہان الدین مرغینانی (صاحب ہدایہ)، علامہ کاسانی (صاحب بدائع الصنائع)، امام فخر الدین رازی (صاحب تفسیر کبیر) اور امام نووی (شارح صحیح مسلم) جیسے ستارے چمک رہے تھے۔ دوسری جانب سائنسی و فنی دنیا میں نئی دریافتوں کی رفتار سست پڑنے کے باوجود مسلم فلاسفوں اور سائنسدانوں ہی کا طوطی بول رہا تھا۔ خوارزم،

بغداد، شام اور قاہرہ کے اسلحہ ساز کارخانوں میں دنیا کا بہترین اور جدید ترین اسلحہ تیار ہوتا تھا۔ علم و فن کے ہر شعبے میں مسلمان امام وقت تھے۔ معاشی طور پر بھی دنیا میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ سیاست، ثقافت، معاشرت اور تہذیب و تمدن سے لے کر صنعت و حرفت، تجارت، اقتصادیات تک ہر لحاظ سے دنیا ان کی خوشہ چینی کر رہی تھی۔ یہ سب کچھ تھا مگر مسلمانوں میں وہ روح، وہ قوت اور تڑپ مفقود ہو گئی تھی جو ان کی ترقی و بقا کا اصل سبب تھی، بقول اقبال مرحوم

رہ گئی رسم ازاں روح بلالی نہ رہی      فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی

یہ علم، فنی، اقتصادی اور صنعتی ترقی جسے اسلام کے تحفظ اور اس کے ابدی پیام کی اشاعت کے لیے استعمال ہونا چاہیے تھے، محض تمدن کی چمک دمک اور نفس کی راحت کوشی کے لیے استعمال ہو رہی تھی۔ مسلمانوں کا تہذیب و تمدن دنیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور آسائش بخش تھا اس لیے وہ سب سے زیادہ آرام پسند اور مادہ پرست ہو چکے تھے۔ ”حب الدنیا و کراہیۃ الموت“ (دنیا کی محبت اور موت سے نفرت) کے مرض نے انہیں پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ یہ وہ مرض ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل میں مسلمانوں کی بدترین پستی اور شرمناک مسکنت کے اصل سبب کے طور پر واضح کر دیا تھا اور پیش گوئی فرمائی تھی کہ اس مرض کے ہوتے ہوئے اقوام عالم انہیں دسترخوان پر سجائے گئے کھانوں کی طرح ہڑپ کرنے لگیں گی۔

بالکل ایسا ہی ہوا، یہ پیش گوئی آفتاب نیروز کی مانند روشن اور سچ ثابت ہوئی، مسلمانوں کی تمام تر مادی ترقیات، علمی کارنامے، فنی مہارتیں، اقتصادی عروج اور صنعتی کامیابیاں اس وقت دھری کی دھری رہ گئیں جب دشت گوبی کے فائدہ کوش مگر سخت جان تاتاریوں نے ان پر یلغار کی۔ مسلمان بہتر اسلحہ سازی کے دور پر ان کی روک تھام کر سکے، نہ علمی و سائنسی کارناموں کا ڈھیر لگا کر ان کے آگے کوئی بند باندھ سکے۔ مسلم حکام کے کردار کی کمزوریوں، علمی کوتاہیوں، سیاسی فیصلوں میں مسلسل غلطیوں اور باہمی جھگڑوں نے انہیں کہیں کا نہ رہنے دیا۔

خوارزم سے بغداد تک علوم و فنون کے وہ شش صد سالہ ذخائر چند برسوں میں نذر آتش ہو گئے جن کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کے پاس کردار کی دولت نہ رہی تھی۔ اسلامی ممالک کے سرکاری خزانوں میں صدیوں سے جمع کیا جانے والا وہ ہزاروں من سونا چاندی آخر تاتاریوں کے قدموں میں بکھر گیا جسے اسلام کے پیغام کی اشاعت اور جہاد کے ہر سرحد سے آگے تسلسل پر خرچ کرنے میں بخل سے کام لیا گیا۔

بلاشبہ علوم و فنون مسلمانوں کی گم گشتہ میراث ہیں، ان میں اقوام عالم سے مسابقت کرنا مسلمانوں پر لازم ہے، مگر علم و فن اور تہذیب و تمدن کے ہر تاج محل کی حفاظت کے لیے دل مرد و مومن اور مجاہد کی شمشیر بے نیام ناگزیر ہے۔

[4] خلافت کا قیام و استحکام..... مسلمانوں کے درمیان رنگ و نسل اور قومیت سے بالاتر مستقل اتحاد کے لیے خلافت اسلامیہ کا قیام، بقا اور اس کا استحکام ناگزیر ہے کیونکہ یہی مرکز وحدت مسلم ممالک کی اکائیوں کو ایک صف میں کھڑا کر سکتا ہے۔ بیرونی خطرات سے بچاؤ، اندرونی بحرانوں سے حفاظت اور عالمی تناظر میں مسلمانوں کا ایک موثر قوت بننا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ”نظام خلافت“ کو از سر نو قائم نہیں کر دیا جاتا اور اس کے استحکام کو علاقائی و نسلی مفادات پر ترجیح نہیں دی جاتی۔

تا خلافت کی بناء دنیا میں ہو پھر استوار لاکھیں سے ڈھونڈھ کر اسلاف کا قلب و جگر  
تاتاریوں کی یورش ناگہاں سے عالم اسلام کی پامال ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ خلافت کا ادارہ مستحکم  
اور فعال نہیں تھا۔ اس کے برعکس سقوط بغداد اور خلافت عباسیہ کے خاتمے کے بعد عالم اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا سب سے  
بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں نے فوراً مصر میں خلافت کو فعال کر لیا تھا۔

دو ہزار میں بھی خلافت سے محروم ہو کر ہم تقریباً ایک صدی سے آگے بڑھنے کے لیے ٹامک ٹوئیاں مار رہے  
ہیں مگر راہِ نجات بھائی نہیں دیتی۔ اگر ہم نے خلافت کا ادارہ بحال کرنے سے پہلو تہی جاری رکھی یہ  
کوششیں بدستور رانگاں ہی جاتی رہیں گی۔

5] اقلیت کو مقتدانہ بنائیے..... تاتاری یلغار کے دوران مسندِ خلافت پر ایک اقلیتی فرقے کے فرد کا متمکن  
ہونا اور منصبِ خلافت کے فرائض کو پس پشت ڈال کر گھر پھونک تماشا دیکھنا، انتہائی عبرت انگیز ہے۔ اس سے سبق  
ملتا ہے کہ اقلیتی عقائد و نظریات کے حامل افراد عالم اسلام کے عمومی مفادات سے مخلص نہیں ہو سکتے۔ قیادت کا  
بار گراں عموماً ان کے ہاں بازو پچھل اطفال بن جاتا ہے۔ وہ محض اپنے مخصوص متعصبانہ دائرہ کار میں کام کرتے ہیں۔  
وسعت نظری سے ان کی محرومی بڑے بڑے المیوں کو جنم دیتی ہے۔ اگر عباسی خلیفہ ناصر اپنے آباؤ اجداد کی طرح صحیح  
معنوں میں اہل سنت و الجماعت کے عقائد کا پیروکار ہوتا تو مسلمانوں کے مشترکہ مفادات سے اتنا تعلق نہ رہتا۔  
تاتاریوں جیسے بے رحم دشمنوں کو مسلمانوں پر حملے کی دعوت دیتے ہوئے اسے خود سے شرم محسوس ہوتی۔

یہاں موروثی حکومت کی تباہ کاریوں پر بھی نظر ڈال لینی چاہیے جو تاریخ اسلام کا ایک بہت بڑا المیہ رہا ہے۔ یہ  
عباسیوں کے ”موروثی نظریے“ ہی کا کمال تھا کہ ایک فرد عقائد و نظریات میں جمہور مسلمین سے برگشتہ ہونے کے  
باوجود محض خلیفہ کا بیٹا ہونے کے ناتے منصبِ خلافت پر فائز رہا اور ابنائے زمان کے نزدیک اس کی ”اہلیت“ پر کوئی  
حرف نہ آ سکا مگر اس ”اصولِ موروثیت“ کی پاسداری کا مسلمانوں کو جو خیازہ بھگتنا پڑا اس پر ماتم کرنے کے لیے  
لاکھوں حروف بھی کم پڑ گئے۔

6] باہمی محاذ آرائی سے گریز..... سیاسی پستی کی انتہاء میں گرے ہوئے مسلمان اگر اسلام دشمن طاقتوں کے  
سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار نہ بن سکیں تب بھی کم از کم ان کو ایک دوسرے کے درپے نہیں ہونا چاہیے۔ عام حالات  
میں بھی اتحاد و ملت ناگزیر ہے مگر خاص طور پر دو راءِ ابتلاء میں تو اس کی ضرورت اور بڑھ جاتی ہے۔ اور اگر اتحاد نہ سہی، تب  
بھی باہم سر پھٹول کی کوئی گنجائش ہی نہیں نکل سکتی۔

قوت نیکی نداری بد مکن

مگر خوارزم، بغداد، مصر اور شام جیسے مسلم ممالک یورش تاتار کے دوران بھی ایک دوسرے کے خلاف محاذ آراء  
رہے۔ پھر ان ممالک کی اندرونی سیاست میں بھی کشمکش جاری رہی۔ خوارزم میں تاتاریوں کے عین حملے کے وقت وسط  
ایشیا کے امراء مرو، نسا اور غزنی پر قبضے کے لیے ایک دوسرے کا خون بہا رہے تھے۔ ایسے میں طوفان سے ٹکراتی کشتی  
کیسے پار لگ سکتی تھی۔ اگر مسلم ممالک، مسلم ادارے، جماعتیں، تنظیمیں اور گروہ امت کے مشترکہ اہداف کے لیے  
متحد ہو جائیں تو کیا کہنے..... لیکن ادنیٰ درجے میں وہ اپنے اپنے طور پر بھی کام کرتے رہیں تو بھی ہمارے تنزل کی

رفتار کچھ کم ہو سکتی ہے۔ ذاتی اغراض، وقتی تحفظات اور معمولی اختلافات کی بناء پر ایک دوسرے کے خلاف سراپا جنگ بن جانے کی منہوس عادت سے چھٹکارا حاصل کیے بغیر ہم راہ ترقی پر ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔

عالم اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا جذبہ رکھنے والے افراد کو ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے کی جدی پشتی روایت ترک کرنا پڑے گی۔ کیوں کہ اس رسم بد کے ہوتے ہوئے سلطان جلال الدین جیسا مجاہد بھی سردھڑکی بازی لگانے کے باوجود اپنے تمام اہداف حاصل نہیں کر پاتا۔ اگر ہتھیار عادت ترک کر دی جائے تو امید کی جاسکتی ہے کہ امت کے رجال کار اپنا کام کر گزریں گے۔

7] اغیار کو مداخلت کا موقع نہ دیا جائے..... مسلمانوں کے باہمی تنازعات کسی حد تک بھی پہنچ جائیں، انہیں اقوام غیر کو باہمی جھگڑوں میں مداخلت کا موقع ہرگز نہیں دینا چاہیے۔ ورنہ نتیجہ وہی نکلتا ہے جو خوارزم و بغداد کے تنازعے میں تاتاریوں کو شامل کرنے سے نکلا، جو مغربی و مشرقی پاکستان کے اختلافات میں بنگالیوں کے بھارت سے مدد طلب کرنے کا ظاہر ہوا، جو عراق اور کویت کے جھگڑے میں امریکا اور اس کے اتحادیوں کی مداخلت سے رونما ہوا۔ دورِ حاضر میں غیر اقوام سے تصفیہ طلب کرنا بھی انہیں مداخلت کی دعوت دینے کے مترادف ثابت ہو رہا ہے۔ مسلمانوں نے خود اپنے تنازعات کے حل کی طاقت عالمی طاغوتوں کے ہاتھوں میں دے دی ہے جس کے بھیا تک نتائج سامنے آ رہے ہیں۔

8] خارجہ پالیسیوں اور معاہدوں میں احتیاط لازم ہے..... گزشتہ اوراق کے معاملے سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ غیر اقوام سے تعلقات اور ان کے حوالے سے خارجہ پالیسیوں کی تشکیل میں غیر معمولی احتیاط اور سمجھ بوجھ کی ضرورت ہے۔ ان سے سفارتی و تجارتی تعلقات نہایت بڑے تلے انداز میں قائم کرنا چاہئیں۔ تجارتی، تعلیمی اور دفاعی سرگرمیوں کی آڑ میں ان کے اصل مقاصد پر ہمیشہ نظر رکھنی چاہیے۔ کیونکہ عموماً استعماری طاقتیں عموماً ایسے پُرکشش عنوانات کے پس پردہ اپنی مذموم اغراض کو پروان چڑھا رہی ہوتی ہیں۔ جیسا کہ چنگیز خان سے خوارزم سے تجارتی تعلقات کو جاسوسی کے لیے استعمال کیا۔

9] دشمن کو کمزور نہ سمجھا جائے..... جب تک دفاعی طاقت کے استحکام پر پورا بھروسہ، اپنی قوت برداشت پر یقین اور آگے بڑھ کر حملہ کرنے میں کامیابی کا ظن غالب نہ ہو، کسی طاقتور دشمن سے یکدم جنگ چھیڑنے کی غلطی نہیں کرنی چاہیے بلکہ پہلے اس کی طاقت کا پورا پورا اندازہ لگالینا چاہیے۔ جنگ ناگزیر ہو تب بھی اس کی تیاری کے لیے مناسب وقت اور تیاری پر بھرپور توجہ صرف کرنا ضروری ہے۔ دشمن کو کمزور سمجھنے کا انجام ہمیشہ تباہ کن ہوتا ہے اور جلد بازی کے فیصلے ہمیشہ نقصان دہ ہوتے ہیں۔ علاؤ الدین خوارزم شاہ سے اسی قسم کی غلطیاں ہوئیں۔ اس نے تاتاریوں کو جنگ لیرے تصور کر کے انہیں زور آزمائی کی دعوت دے ڈالی اور پورے عالم اسلام کے خلاف ایک نہ ختم ہونے والی جنگ مول لے کر ان گنت بندگانِ خدا کی ہلاکت کا سبب بنا۔

10] دشمن کو کبھی مداخلت کا جواز فراہم نہ کیا جائے..... ہمسایہ ممالک کے عزائم خطرناک محسوس ہوں تو ایسے میں ان سے سیاسی و سفارتی معاملات میں غیر معمولی تدبیر اور حکمت و بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ خصوصاً ان حالات میں جبکہ حریف طاقت میں ہم پلہ یا غالب ہو بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہیے۔ ایسے میں عاجزی اور مسکنت بھی مہلک

ہے اور غرور و تکبر بھی تباہ کن۔ خیال رکھنا چاہیے کہ ایسے نازک حالات میں کوئی ایسی غلطی نہ ہونے پائے جسے حریف ملک دنیا والوں کی نظروں میں حملے کا جواز بنا سکے۔ جیسا کہ خوارزم شاہ کے ہاتھوں تاتاری قاصد کے قتل نے چنگیز خان کو حملے کا بہانہ فراہم کر دیا۔

یہ درست ہے کہ ہم اسلامی اصولوں سے کسی حال میں دست بردار نہیں ہو سکتے۔ یہ بھی بجا کہ اپنی عزت، آزادی اور خود مختاری پر کسی حال میں سمجھوتا نہیں کرنا چاہیے، یہ بھی تسلیم کہ اغیار سے تنازعات میں باوقار اور دونوں کا انداز بھی ہماری خود مختاری کی بقا کی ضمانت ہے مگر آداب سیاست و اطوار جہان بانی کا تقاضا ہے کہ ہم کبھی بھی حماقت، غلبت پسندی اور عجب و پندار پر مبنی فیصلے کو دشمنوں کی حربی سازشوں کے لیے راہیں ہموار کرنے کا سبب نہ بننے دیں۔

[11] ناگزیر جنگ کے لیے جامع حکمت عملی کی ضرورت ..... طاقت میں برتر دشمن سے تصادم ناگزیر ہو جائے تو اس جنگ کے لیے نہایت گہری اور جامع منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔ ایسے میں روایتی انداز حرب اپنانا بے سود ہوتا ہے اور اندھا دھند اقدامات مہلک ثابت ہوتے ہیں جبکہ گہری منصوبہ بندی اور نئی چالوں کے ذریعے کم طاقت سے زیادہ کام لیا جاسکتا ہے۔

چنگیز خان کے مقابلے میں علاؤ الدین خوارزم شاہ نے روایتی اور سرسری انداز میں منصوبہ بندی کی تھی لہذا شکست پر شکست کھاتا چلا گیا جبکہ سلطان جلال الدین نے نسبتاً کم افرادی قوت کے ساتھ چنگیز خان سے ٹکری اور بہترین حکمت عملی کے تحت شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔

[12] آسمانی آفات دیکھ کر تلافی مافات ضروری ہے ..... تاریخ کی یہ داستان بتا رہی ہے کہ آفات سماویہ کا نزول ایک تسلسل سے ہونے لگے تو ارباب حل و عقد کو سر جوڑ کر بیٹھ جانا چاہیے اور اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے۔ ایسے میں پوری ملت اور قوم کا اجتماعی طور پر اپنے رنگ ڈھنگ بدلنا ضروری ہو جاتا ہے۔ پھر بھی اگر غلطیوں کا تذکرہ نہ کیا جائے تو پھر سمرقند و بخارا جیسے حالات پیش آکر رہتے ہیں۔ ساتویں صدی ہجری کے مسلم حکام اور عوام نے بجلیوں، آندھیوں اور زلزلوں کے اس سلسلے سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا تھا جو تاتاری یلغار سے پہلے دس برس تک انہیں جھنجھوڑتا رہا۔ پس وہ پیش آکر رہا جس کو بیان کرنے سے تاریخ نگاروں کے قلم عاجز آ گئے۔

آج بھی آسمانی آفات اور ناگہانی حوادث ہمیں جھنجھوڑ رہے ہیں۔ زلزلے، خشک سالی اور سیلاب ہمیں بیدار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیا ہم آنکھیں کھولنے اور اپنے انفرادی و اجتماعی اعمال کے محاسبے کے لیے تیار ہیں؟

[13] علم و عرفان کے ادارے تعمیر ملت کی بنیاد ہیں ..... علاؤ الدین خوارزم شاہ کے دور نے یہ حقیقت ثابت کی کہ جن تعلیم گاہوں، کتب خانوں اور مدارس کی حفاظت کے لیے جوانان ملت کی ششیریں بے نیام نہ ہوں وہ دشمنوں کے ہاتھوں پامال ہو کر رہتی ہیں، مگر جلال الدین خوارزم شاہ کے دور حکومت سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اگر سارا زور معرکہ آرائیوں پر صرف ہو جائے اور افراد ملت کو علم و معرفت سے آراستہ کرنے والے ادارے فروغ نہ پاسکیں تو آخر کار قوم صالح قیادت سے محروم ہو جاتی ہے اور زمام کار جاہل و ناخدا ترس افراد کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے جو قوم کی کشتی کو بچ منجھار میں ڈبو دیتے ہیں۔

جلال الدین خوارزم شاہ اور ان کے حقیقی رفقاء کی تربیت امام رازیؒ، شیخ نجم الدین کبریٰؒ اور خواجہ فرید الدین

عطار جیسے اصحاب علم و معرفت نے کی تھی مگر خود سلطان جلال الدین کے دور حکومت میں تعلیمی اداروں کو قمر واقعی فروغ مل سکا نہ خانقاہوں کو۔ اس میں سلطان کی مصروفیات، ہنگاموں، جنگوں اور وسائل کی نایابی جیسے مسائل کا یقیناً بہت دخل تھا مگر نتیجہ تو یہی نکلا کہ آخر میں خود سلطان کے پاس قابل افراد نہ رہے اور ان کی تحریک جہاد سبوتاژ ہو گئی۔

**[14]** سیاسی غلطیاں معاف نہیں ہوتیں..... تاریخ کے یہ اوراق ہمیں بتا رہے ہیں کہ خدا کا قانون کسی قوم کی سیاسی غلطیوں کو معاف نہیں کرتا۔ ان کے اثرات ظاہر ہو کر ہی رہتے ہیں۔ انفرادی گناہوں کو توبہ کر کے منایا جاسکتا ہے، اجتماعی گناہوں کو ترک کر کے رب کو منایا جاسکتا ہے مگر قوم کے حکمران جب سیاسی غلطیوں پر اتر آئیں تو ان سے پیدا شدہ مہلکات کی تلافی بہت مشکل ہوتی ہے۔ سیاسی غلطیاں وہ تیر ہیں جو کمان سے نکل کر واپس نہیں آتیں۔ جب سیاسی لغزشیں تسلسل سے ہونے لگیں تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ قوم کا انجام قریب ہے۔ علاؤ الدین خوارزم شاہ نے چنگیز خان کی قوت کے بارے میں صحیح معلومات حاصل نہ کر کے پہلی سیاسی غلطی کی، خلیفہ سے دشمنی مول لے کر دوسری سیاسی غلطی کی، تاجروں کے مسئلے کو شرعی عدالت کے سپرد کرنے کے بجائے سرحدی حاکم کوتا جروں کے قتل کا اختیار دے کر تیسری سیاسی غلطی کی، چنگیز خان کے قاصد کو قتل کرا کے چوتھی سیاسی غلطی کی۔ ان غلطیوں کے اثرات اور رد عمل کو نجم الدین کبریٰ جیسے اولیاء کی موجودگی بھی نہ روک پائی۔ اُدھر خلیفہ ناصر نے چنگیز خان کو خوارزم پر حملے کی دعوت دے کر جو سیاسی حماقت کی تھی اس کی پاداش میں بغداد تو دودھ خاک بن کر رہا اور بغداد کے ہزار ہا فقہاء اور مشائخ کی دعائیں بھی مرکبِ خلافت کو اس بھیاں تک انجام سے نہ بچا پائیں۔

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ نے اپنی بہادری، حمیت اور جذبہ جہاد کے باوجود آخری سالوں میں اپنے ہمسایہ ممالک سے تعلقات بہتر بنائے رکھنے کی زیادہ ضرورت محسوس نہ کی۔ جب وہ الجزیرہ، شام اور مصر کے حکمرانوں کے خاندانی تنازعات میں فریق بنے تو دیگر حکام کوتا تاریوں سے جہاد میں ان کا ساتھ نہ دینے کا اچھا خاصا بہانہ مل گیا۔ بالکل آخر میں سلطان نے ارزن الروم کے حاکم رکن الدین کے کہنے میں آ کر سلطان ایشیائے کوچک کو بھی تنازعہ کھڑا کرنے کا موقع فراہم کر دیا اور یوں مسلم ملکوں کے درمیان وہ جنگ چھڑی جس نے تاتاریوں کے خلاف بنائے جانے والے حصار کے پر فچی اڑا دیے۔ اگر مناسب سفارت کاری کے ذریعے یہ تنازعات دور کر لیے جاتے تو سلطان جلال الدین کی کوششیں ان کی زندگی ہی میں بار آور ثابت ہو سکتی تھیں اور تاتاریوں کو بغداد اور شام کی طرف بڑھنے سے ہمیشہ کے لیے روکا جاسکتا تھا مگر غیر محتاط سیاسی فیصلوں نے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا جس کا بدترین نتیجہ ظاہر ہو کر رہا۔

بات وہی ہے..... قدرت خداوندی سیاسی غلطیوں کو معاف نہیں کرتی۔

**[15]** ایک ہوں مسلم..... یہ اوراق تاریخ ہمیں پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ مسلمانوں کی بقا اور ترقی کا راز ان کی وحدت و یگانگت میں ہے۔ ان کا انتشار ان کے زوال اور بربادی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ تاتاریوں کی یلغار کا ہر قدم اور سلطان جلال الدین کی جدوجہد کا ہر موڑ ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاک کا شغفر



## ہجری و عیسوی تقویم کا فریم

اس کتاب کے تقریباً تمام مآخذ میں صرف ہجری تاریخوں کے حوالے دیے گئے ہیں۔ عیسوی تاریخوں سے ان کی تطبیق کے لیے ہم نے عبد القدس ہاشمی صاحب کی ”تقویم تاریخی“ سے مدد لی ہے، چونکہ اس کا مدار تخمینے پر ہے لہذا اس میں فی الواقع کسی غلطی کا امکان نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس دور کی تاریخوں میں متعدد مقامات پر ماہ سن کا حوالہ نہیں مل پاتا کہ جس سے اس واقعے کے زمانے کی تعیین کی جاسکے۔

اس کتاب میں بھی ایسے بہت سے اہم واقعات درج ہیں جن کے زمانے کی حتمی تعیین کسی طرح نہیں ہو سکتی، تاہم راقم نے قرآن سے اندازہ کر کے ان کی توقیت کے متعلق ایک اپنی رائے قائم کی ہے جو صحیح نہیں تو ان شاء اللہ صحیح سے قریب تر ضرور ہوگی۔ ایسے مقامات پر اندازاً کا لفظ لکھ دیا گیا ہے۔

واقعہ	ہجری تاریخ	عیسوی تاریخ
علاء الدین محمد کی تخت نشینی	بدھ ۲۰ شوال ۵۹۶ھ	۱۳ اگست ۱۲۰۰ء
بغداد پر حملہ	(اندازاً) ۶۱۳ھ	نومبر ۱۲۱۷ء
چنگیز خان سے تجارتی معاہدہ	(اندازاً) ذی قعدہ ۶۱۵ھ	فروری ۱۲۱۸ء
چنگیز خان کے قاصد کا قتل	(اندازاً) محرم ۶۱۶ھ	مارچ ۱۲۱۹ء
چنگیز خان کی پیش قدمی کا آغاز	(اندازاً) رجب ۶۱۶ھ	ستمبر ۱۲۱۹ء
جوجی اور خوارزم شاہ کی ٹکر	(اندازاً) ذوالقعدہ ۶۱۶ھ	جنوری ۱۲۲۰ء
توقند و اترار پر حملہ	(اندازاً) ذوالحجہ ۶۱۶ھ	فروری ۱۲۲۰ء
سقوط بخارا	محرم ۶۱۷ھ	مارچ ۱۲۲۰ء
سقوط سمرقند	ربیع الاول ۶۱۷ھ	مئی ۱۲۲۰ء
علاء الدین محمد خوارزم شاہ کی وفات	(اندازاً) شعبان ۶۱۷ھ	اکتوبر ۱۲۲۰ء
سلطان جلال الدین کی تخت نشینی	(اندازاً) رمضان ۶۱۷ھ	نومبر ۱۲۲۰ء
سلطان جلال الدین کی اورگن سے ہجرت	(اندازاً) شوال ۶۱۷ھ	دسمبر ۱۲۲۰ء
اورگن کا محاصرہ	(اندازاً) شوال ۶۱۷ھ	دسمبر ۱۲۲۰ء
سلطان کی شادیاں سے روانگی	۱۵ ذوالحجہ ۶۱۷ھ	۱۰ فروری ۱۲۲۱ء

شاہ پور خواست کا قیام	محرم ۶۲۲ھ	فروری ۱۲۲۵ء
بغداد روانگی	(اندازاً) صفر ۶۲۲ھ	مارچ ۱۲۲۵ء
دوقا پر قبضہ	ربیع الاول ۶۲۲ھ	اپریل ۱۲۲۵ء
مراغہ پر قبضہ	جمادی الثانیہ ۶۲۲ھ	جولائی ۱۲۲۵ء
فتح تبریز	۷ رجب ۶۲۲ھ	۲۵ جولائی ۱۲۲۵ء
پہلا معرکہ گرستان	شعبان ۶۲۲ھ	اگست ۱۲۲۵ء
وفات خلیفہ ناصر	۳۰ رمضان ۶۲۲ھ	۱۵ اکتوبر ۱۲۲۵ء
دوبارہ گرستان روانگی	ذوالحجہ ۶۲۲ھ	دسمبر ۱۲۲۵ء
گرستان پر دوسرا حملہ	محرم ۶۲۳ھ	جنوری ۱۲۲۶ء
تقلیس کی فتح	۸ ربیع الاول ۶۲۳ھ	۸ مارچ ۱۲۲۶ء
براق حاجب کی بغاوت	جمادی الثانیہ ۶۲۳ھ	جون ۱۲۲۶ء
وفات خلیفہ ظاہر	ہفتہ ۱۳ رجب ۶۲۳ھ	۱۱ جولائی ۱۲۲۶ء
گرستان پر تیسرا حملہ	رمضان ۶۲۳ھ	ستمبر ۱۲۲۶ء
الملک المعظم کی سلطان سے علاحدگی	شوال ۶۲۳ھ	اکتوبر ۱۲۲۶ء
تقلیس کی سوختگی	ربیع الاول ۶۲۳ھ	فروری ۱۲۲۷ء
باطنیوں نے لڑائیاں	(اندازاً) رجب ۶۲۳ھ	جون ۱۲۲۷ء
رے میں تاتاریوں سے معرکہ	(اندازاً) شعبان ۶۲۳ھ	جولائی ۱۲۲۷ء
چنگیز خان کی موت	بدھ ۲ رمضان ۶۲۳ھ	۱۸/ اگست ۱۲۲۷ء
الملک المعظم کی وفات	ذوالقعدہ ۶۲۳ھ	اکتوبر ۱۲۲۷ء
اصفہان میں تاتاریوں سے معرکہ	۲۲ رمضان ۶۲۵ھ	۲۳ اگست ۱۲۲۸ء
اصفہان میں تاتاریوں سے دوبارہ معرکہ	شوال ۶۲۵ھ	ستمبر ۱۲۲۸ء
گرجی متحدہ افواج سے لڑائی	(اندازاً) ذوالقعدہ ۶۲۵ھ	اکتوبر ۱۲۲۸ء
خلاط پر حملہ	شوال ۶۲۶ھ	اگست ۱۲۲۹ء
فتح خلاط	اتوار ۲۸ جمادی الاولیٰ ۶۲۷ھ	۱۲ اپریل ۱۲۳۰ء
جنگ یاسی چین	جمعہ ۲۸ رمضان ۶۲۷ھ	۹ اگست ۱۲۳۰ء
تاتاریوں کی یلغار	محرم ۶۲۸ھ	نومبر ۱۲۳۰ء
سلطان کی شہادت یا عہد پوٹی	وسط شوال ۶۲۸ھ	وسط اگست ۱۲۳۱ء

## کتابیات

نمبر شار	کتاب کا نام	مؤلف	سن وفات	سن تکمیل کتاب	ناشر
۱	قرآن مجید				
۲	بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانوی			میر محمد کتب خانہ
۳	صحیح بخاری شریف	امام محمد بن اسلمیل البخاری	۲۵۲ھ		قدیمی کتب خانہ، کراچی
۴	صحیح مسلم شریف	امام مسلم بن الحجاج القشیری النیشابوری	۲۶۱ھ		قدیمی کتب خانہ، کراچی
۵	سنن النسائی المجتبى	امام عبدالرحمن احمد بن شعيب النسائی	۳۰۳ھ		قدیمی کتب خانہ، کراچی
۶	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب الترمیزی		۷۷۷ھ	ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
۷	عمدة القاری (شرح بخاری)	علامہ بدر الدین عینی			
۸	المہناج (شرح مسلم)	امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶ھ		قدیمی کتب خانہ، کراچی
۹	المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم (شرح مسلم)	امام العباس احمد بن عمر القرطبی	۶۵۶ھ	۸ شعبان ۶۳۷ھ	دار ابن کثیر، بیروت
۱۰	مرقاۃ المفاتیح	شیخ علی بن سلطان محمد القاری الہروی	۱۰۱۳ھ		مکتبہ امدادیہ ملتان
۱۱	معجم البلدان	ابو عبد اللہ یاقوت الحموی	۶۲۶ھ		دار احیاء التراث العربی
۱۲	معجم الادباء	ابو عبد اللہ یاقوت الحموی	۶۲۶ھ		دار احیاء التراث العربی
۱۳	اکمال فی تاریخ	عزالدین ابن اثیر الموصلی الجزیری	۶۳۰ھ		دار احیاء التراث العربی (بیروت)

۱۴	سيرة سلطان جلال الدين مكرم قتي	شهاب الدين محمد بن احمد النسوي	۶۳۹ھ	دار الفكر العربي قاهره
۱۵	تاريخ جهاكشا جويني	عطا ملک جوینی	۶۸۱ھ	فونو اسٹیٹ
۱۶	تاريخ مختصر الدول	غريغورس المسكطي ابن العمري	۶۸۵ھ	مؤسسة منافع الثقافة الاسلاميه قم، ايران
۱۷	وفيات الاعيان في ابناء ابناء الزمان	ابن خلکان	۶۸۱ھ	
۱۸	المختصر في اخبار البشر	اسماعيل بن علي ابو القداء	۷۳۲ھ	
۱۹	تتممة المختصر في اخبار البشر	زين الدين ابن عمر بن المظفر ابن الوردی	۷۳۹ھ	دار المعرفة (بيروت)
۲۰	جامع التواريخ	رشيد الدين فضل الله همدانی	۷۱۸ھ	فونو اسٹیٹ
۲۱	تاريخ گزیده	حمد الله مستوفي قزوینی	۷۳۰ھ	قدیمی قلمی نسخے کا عکس
۲۲	البدایة والنهاية	حافظ اسماعیل ابن عمر ابن کثیر الدمشقی	۷۷۴ھ	دار الکتب العلمیہ (بیروت)
۲۳	تاريخ الاسلام الكبير	حافظ شمس الدين ابو عبد الله محمد بن احمد الذهبي	۷۴۸ھ	
۲۴	سیر اعلام النبلاء	حافظ شمس الدين ابو عبد الله محمد بن احمد الذهبي	۷۴۸ھ	مؤسسة الرسالة بيروت
۲۵	العمر في خبر من غمر	حافظ شمس الدين ابو عبد الله محمد بن احمد الذهبي	۷۴۸ھ	دار الکتب العلمیہ بيروت
۲۶	الاعلام بوفيات الاعلام	حافظ شمس الدين ابو عبد الله محمد بن احمد الذهبي	۷۴۸ھ	دار الفكر، بيروت
۲۷	کتاب الذیل علی طبقات الحنبلیہ	ابو الفرج عبد الرحمن بن شهاب حنبلي	۷۹۵ھ	دار المعرفة، بيروت
۲۸	الذیل علی طبقات الحنبلیہ	ابن رجب حنبلي		
۲۹	کتاب العمر و دیوان البتدأ و التخریر المعروف بـ "تاريخ ابن خلدون"	علاء مہ عبد الرحمن بن محمد ابن خلدون	۸۰۸ھ	بيروت
۳۰	النجوم الزاهرة في ملوك مصر وقاهرة	يوسف بن تقي بن بردی ظاهري	۸۷۳ھ	وزارة الثقافة والارشاد قاهره
۳۱	روضۃ الصفا	محمد بن خاوند شاه دمير خواند	۹۰۳ھ	فونو اسٹیٹ
۳۲	تاريخ الخلفاء	علاء مہ عبد الرحمن بن ابو بكر السيوطي	۹۱۱ھ	

۳۳	طبقات ناصری	قاضی منہاج السراج		
۳۴	نہایت الارب	علامہ نویری		
۳۵	چنگیز خان	ہیرلڈ لیمب، ترجمہ از عزیز احمد	۱۹۶۲ء	
۳۶	شذرات الذهب	ابن عماد حنبلی	۱۰۸۹ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت
۳۷	کشف الظنون	مصطفیٰ حاجی خلیفہ کاتب چلبی		نور محمد کتب خانہ، کراچی
۳۸	معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ	یوسف الیان سرکیس		مکتبۃ الثقافتہ الدینیۃ قاہرہ
۳۹	تاریخ خوارزم شاہی	غلام ربانی عزیز	۱۹۷۷ء	مجلس ترقی ادب لاہور
۴۰	تاریخ اسلام	علامہ اکبر شاہ نجیب آبادی		نفس اکیڈمی، کراچی
۴۱	تاریخ اسلام	شاہ معین الدین ندوی	۱۹۳۹ء	دار الاشاعت، کراچی
۴۲	آئینہ حقیقت نما	علامہ اکبر شاہ نجیب آبادی		نفس اکیڈمی، کراچی
۴۳	تاریخ ادبیات ایران	ڈاکٹر ایڈورڈ براؤن		
۴۴	حسن بن صباح	مولوی عبدالحلیم شرر		صدیقی ٹرسٹ
۴۵	امام رازیؒ	مولانا عبد السلام ندوی		ادارہ اسلامیات، لاہور
۴۶	برصغیر اور عرب مورخین	خورشید احمد فاروقی		نفس اکیڈمی، کراچی
۴۷	تاریخ ملت	مفتی زین العابدین سجاد، مفتی انتظام اللہ شہابی		ادارہ اسلامیات، لاہور
۴۸	ہنچور		۱۹۸۶ء	محکمہ آثار قدیمہ پاکستان، کراچی
۴۹	دنیا کے ظالم حکمران	امان اللہ خان ارمان سرحدی		شیخ غلام علی پبلشرز، لاہور
۵۰	غلامان اسلام	علامہ سعید احمد اکبر آبادی	۱۹۴۰ء	ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
۵۱	تقویم تاریخی	عبد القدوس ہاشمی		ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد
۵۲	اسلامی انسائیکلو پیڈیا	سید قاسم محمود		شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی

۵۳	اسلامی انسائیکلو پیڈیا	پنجاب یونیورسٹی کے طلبہ	پنجاب یونیورسٹی
۵۴	تاریخ دعوت و عزیمت	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۱۳۲۰ھ ۱۹۹۹ء
۵۵	مراۃ الاسرار	شیخ عبدالرحمن چشتیؒ ترجمہ کپتان واحد بخش سیال	۱۰۹۳ھ
۵۶	ہزار سال پہلے	مولانا مناظر حسن گیلانی صاحبؒ	نفیس اکیڈمی، کراچی
۵۷	نہدۃ الخواطر	شیخ عبدالحی الحسنی	۱۳۳۱ھ طیب اکیڈمی، کراچی
۵۸	تاریخ نگارستان (فارسی)		قدیم نسخہ
۵۹	کراچی سے خیبر تک	یونس حسنی	مجلس نشریات اسلام، کراچی
۶۰	درہ خیبر	حکیم محمد سعید	ہمدرد فاؤنڈیشن، کراچی
۶۱	حاشیہ مختصر المعانی		منشورات الحکمتہ، قم ایران
۶۲	اطلس تاریخ الاسلام	حسین مؤنس	قاہرہ
۶۳	جامع تاریخ ہند	محمد حبیب/خلیق احمد	تحلیقات، لاہور
۶۴	نجات الانس	ملا عبدالرحمن جامی (اردو ترجمہ)	۶۸۰ھ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
۶۵	☆ ”الاوامر العلایہ فی الامور العلایہ“ المعروف بہ ”سبلوق نامہ“	مصنف ”علامہ ابن بی بی“ مترجم ”محمد زکریا نائل“	۶۸۰ھ مرکزی اردو بورڈ گلبرگ لاہور
۶۶	☆ افغانستان در مسیر تاریخ	میر غلام محمد غبار	پیام مہاجر، قم، ایران
۶۷	مقدمہ مثنوی و معنوی، ج ۵	قاضی سجاد حسین	لاہور
۶۸	ظفر اخصلین	مولانا محمد حنیف گنگوہی	دارالاشاعت، کراچی
۶۹	☆ تاریخ فرشتہ	محمد قاسم فرشتہ	
۷۰	تاریخ نہضت ہائے ملی ایران	عبدالرفیع حقیقت	ایران
۷۱	اردو ڈائجسٹ اپریل ۲۰۰۲ء		لاہور

نوٹ..... اس فہرست میں اصل ماخذ وہی ہیں جن کے ساتھ ☆ کا نشان دیا گیا ہے۔ باقی کتب وہ ہیں جن سے  
جزوی طور پر کہیں کہیں استفادہ کیا گیا ہے۔

## صدائے دل

یہ دردناک داستان ایک ایسے دور میں تحریر کی گئی ہے جب کہ اسلام اور کفر کے درمیان ایک فیصلہ کن لڑائی کا وقت بہت قریب آچکا ہے، کفر مغرب کا ہو یا مشرق کا، اسلام اور اس کے نام لیواؤں کو نیست و نابود کرنے کے لئے اپنے ترکش کے تمام تیرا کٹھے کر چکا ہے۔ ہندو کی صورت میں اس دور کے عفریت اپنے لاؤ لٹکر سمیت مملکت خدا داد پاکستان پر چڑھائی کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ ماوراء النہر کے مسلمانوں کو فکری اور نظریاتی محاذ ایک مرتبہ پھر ایسی آندھیوں کا سامنا ہے جو کہ آج سے آٹھ سو سال قبل ان کے آباؤ اجداد کے ساتھ پیش آمدہ المیوں سے کم سنگین نہیں۔ قفقاز کے مسلمان جذبہ حریت کے انہی ناقابل فراموش مناظر کو دہرا رہے ہیں جو کسی زمانے میں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی قیادت میں اس دور کے بہادر مسلم نوجوان پیش کر چکے تھے۔ بیت المقدس آج پھر کفار کے چنگل میں ہے، کعبۃ اللہ اور روضۃ الرسول کے امین جزیرۃ العرب کے گرد یہود و نصاریٰ کا اقتصادی اور عسکری محاصرہ سخت سے سخت تر ہوتا جا رہا ہے۔ عالم اسلام کا کوئی گوشہ آج کفار کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہیں ہے۔

آج ایک طرف کفریہ طاقتوں کے سرغنوں میں چنگیز خان کی روح ایک بار پھر کارفرما دکھائی دے رہی ہے، تو دوسری طرف سلطان جلال الدین کی صدائے جہاد بھی ایک مرتبہ پھر گونج رہی ہے۔ ان کا کردار مسلمانوں کو عسکری و نظریاتی جہاد کے میدانوں میں پکار رہا ہے۔ تو کیا اب پھر مسلمان اپنے فریضے سے پہلو تہی کریں گے؟ کیا ایک مرتبہ پھر اسلام کے اس اہلہاتے چمن کو ویران کر دیا جائے گا؟؟

آنکھیں کھولیں اور دیکھئے..... کشمیر میں یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔ چیچنیا میں یہ کہانی دہرائی جا چکی ہے، بوسنیا اور کوسو زبان حال سے دھائی دے دے کر خاموش ہو چکے ہیں، افغانستان، عراق اور فلسطین کے مسلمان ہمیں اپنی مدد کے لیے پکار رہے ہیں۔ تو اے مسلمانو! کیا تم اب بھی مستی کی نیند میں غرق رہو گے۔ کیا تم اب بھی آپس کے اختلافات اور انتشار کا شکار رہو گے؟ کیا اب بھی..... کیا اب بھی..... کیا اب بھی.....؟؟ حالات تمہیں جھنجھوڑ کر جگا رہے ہیں، کل قیامت کے دن تمہارے پاس یقیناً کوئی عذر نہیں ہوگا۔

— — — — —